تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جلد اول

مقدمہ و کتاب الایمان

مکتبہ اویس القرنی
کراچی - پاکستان

جلد اوّل

مقدمہ و کتاب الایمان

تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراتشي

مکتبہ اویس القرنی رضی اللہ عنہ
کراچی-پاکستان

نام کتاب: تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم جلد ا
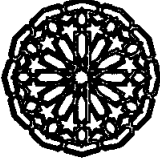
مصنف : مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

ضخامت : ۷۲۰ صفحات

طبع : دوم

سن طباعت: شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۲ء

ناشر : مکتبہ اویس القرنی
کراچی۔پاکستان

فون : 03122022255

ای میل : moa.pk@hotmail.com

ویب سائٹ: http://www.moa.com.co
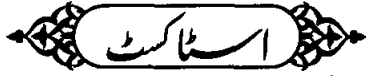
کتب خانہ اشرفیہ

قاسم سینٹر، دکان نمبر ۳۳، اردو بازار کراچی
00923213773058,009223213058

ملنے کے دیگر پتے

☆مکتبہ شیخ بہادر آباد کراچی
☆اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاون کراچی
☆مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
☆علمی کتاب گھر، اردو بازار کراچی
☆المیزان، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆عزیز کتاب گھر، بیراج روڈ سکھر
☆مکتبۃ الاحمد، باکھری بازار ڈیرہ اسماعیل خان
☆ادارۃ الحرمین، بالقابل تحصیل کونسل صادق آباد
☆بیت القران، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی چھونگی گھتی، حیدر آباد

☆بیت القران اردو بازار کراچی
☆ادارۃ الانور بنوری ٹاون کراچی
☆سعدی کتب خانہ گلشن اقبال کراچی
☆مکتبہ بیت العلم اردو بازار کراچی
☆مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
☆مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
☆مکتبہ النور، بیرون تبلیغی مرکز رائیونڈ
☆الخلیل پبلشنگ ہاؤس، اقبال روڈ راولپنڈی
☆وحیدی کتب خانہ، قصہ خوانی بازار پشاور
☆کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار مدینہ کلاتھ مارکیٹ راولپنڈی

☆دارالاشاعت اردو بازار کراچی
☆بیت الکتب گلشن اقبال کراچی
☆مکتبہ معارف القران کورنگی کراچی
☆مکتبہ بیت العلم اردو بازار لاہور
☆مکتبہ امدادیہ، ٹی بی روڈ ملتان
☆مکتبہ یوسفیہ، بلدیہ سینٹر میر پور خاص
☆کتاب مرکز، فیر روڈ سکھر
☆ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان
☆اسلامی کتاب گھر، عظیم مارکیٹ راولپنڈی

فہرست مضامین

	مضامین	صفحہ نمبر

نَضَّرَ اللهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا ۔

(الحدیث طبرانی)

انتساب

میں اپنی اس محنت شاقہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدث العصر حضرت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ

اور جلیل القدر مدرس حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ سے

احادیث مقدسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

روزِ محشر ہر کسے باخویش دارد توشہ

من نیز حاضر میشوم "تشریح" مسلم در بغل

وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ النَّبِیِّ وَكَلَامِهٖ

وَلِلنَّاسِ فِیْمَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

جمعہ ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

عرضِ حال

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله العلى الواحدالاحدالصمد الذى لم يلدولم يولد ولم يكن له كفواً احد ، القادرالقهار الجبار الستار الحنان المنان الملك الديان ملهم الحديث ومنزل القرآن، والصلوٰة والسلام الاتمان الاكملان على سيدالانس والجان افصح بنى عدنان واشجع بنى قحطان صاحب الجمل الاحمر والسيف المشهر نبى الرحمة ورسوالملاحم محمدسيدالبشرالذى شق له القمر صلى الله عليه وعلى آله واصحابه الميامين الغرر۔

امابعد : فان اصدق الحديث كتاب الله وخيرالهدى هدى محمدصلى الله عليه وسلم وشرالامورمحدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار ۔

قال الله جل جلاله وعم نواله ﴿وَاَمَّابِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴾ صدق الله العظيم ۔

صحیح مسلم شریف کی ابتدائی مباحث میں جانے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے اپنے تعلیمی سفر سے متعلق چند مختصر معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ اس آپ بیتی میں کچھ فائدہ ہوگا۔

میرا نام فضل محمد یوسف زئی ہے اور میرے والد صاحب کا نام نور محمد ہے۔ ہمارا سلسلۂ نسب افغانستان کے مشہور شہر قندھار کے ایک نامور شخص یوسف بابا قندھاری سے جاملتا ہے اسی وجہ سے ہمارا خاندان یوسف زئی کہلاتا ہے، محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان کے راجاؤں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو ان کے ساتھ قندھار سے چند بڑے بزرگ بھی آئے تھے ان میں سے ایک بزرگ کا نام پیر ''مَدے بابا'' تھا یہ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت مجاہد تھے صوبہ سرحد میں مردان کے پاس درگئی کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ''جلالا'' ہے اسی مقام پر ''مَدے بابا'' کا مشہور مزار ہے۔ مدے بابا کے نام کی طرف نسبت کی وجہ سے ہمارا قومی نام مدے خیل ہے پاکستان کے ضلع بٹگرام، تحصیل الائی ہمارا علاقہ ہے، الائی میں ''راشنگ'' کے نام سے ایک گاؤں مشہور ہے، بندہ عاجز اسی گاؤں میں غالباً ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوا ہے اب ہم صدیوں سے پاکستان میں رہتے ہیں، افغانستان کا سلسلہ قصۂ پارینہ ہوکر رہ گیا ہے۔ میں نے دوسری کلاس تک سکول پڑھا ہے اور جوانی کی عمر تک میں نے کسی مدرسہ میں دینی سبق کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم اور احسان ہوا تو ۲۲ فروری ۱۹۶۸ء میں بندہ نے ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد کے ایک مدرسہ میں درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا اس مدرسہ کا نام ''مدرسہ ربانیہ'' ہے جو ہری پور ریلوے اسٹیشن کے پاس واقع ہے، اس وقت میری

داڑھی کے چند بال ٹھوڑی پر ظاہر ہوئے تھے۔ درجہ اولیٰ کا یہ سال میں نے نہایت خوشگواری کے ساتھ اس مدرسہ میں مکمل کیا پھر درجہ ثانیہ پڑھنے کے لئے میں نے مدرسہ ''انوار القرآن'' ایبٹ آباد کیہال میں داخلہ لیا اور دوسرا تعلیمی سال وہاں پر گذارا، درجہ ثالثہ پڑھنے کے لئے میں پھر اپنے پرانے مدرسے میں آیا اور مدرسہ ربانیہ ہری پور میں درجہ ثالثہ مکمل کیا پھر میں کراچی آیا اور ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء دوسال میں نے دار العلوم کراچی کورنگی میں گذارے اس وقت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولنا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے بندہ نے ان کے مواعظ حسنہ سے بہت کچھ حاصل کیا ان دوسالوں میں میرا درجہ رابعہ اور درجہ خامسہ مکمل ہوا، ھدایہ اول میں نے مولانا اکبر علی رحمہ اللہ سے پڑھا درجہ خامسہ کے بعد کچھ اضافی فنون اور فنون کی خصوصی کتب پڑھنے کے لئے میں نے گجرانوالہ کے مدرسہ اشرف العلوم میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۳ء کا سال وہاں گذارا، مولنا جلال الخالق رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے وہاں پر پڑھا۔ ۱۹۷۴ء میں میں نے درجہ سادسہ پڑھنے کی غرض سے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ میں داخلہ لیا اس وقت حضرت العلامہ محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق ؒ حیات تھے میں فارغ اوقات میں انکے ترمذی کے درس میں کبھی کبھی بیٹھتا تھا مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا اور حضرت میرے استاذ بھی ہوئے، لیکن میں وہاں بیمار ہوا اور تین مہینے گذار کر وہاں سے ایبٹ آباد اپر کیہال جا کر مدرسہ عزیزیہ میں داخلہ لیا اور درجہ سادسہ وہاں مکمل کیا مولنا عزیز الرحمان صاحب کوہاٹی میرے استاد تھے۔ ۱۹۷۵ء میں مزید علوم پڑھنے کی غرض سے میں نے مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ سوات میں داخلہ لیا اس وقت اس مدرسہ کے مہتمم حضرت الاستاذ حضرت مولنا فضل محمد سواتی نور اللہ مرقدہ حیات تھے اضافی فنون میں مطول، خیالی، دیوان متنبی وغیرہ کتابوں میں میرا، ۱۹۷۵ء کا سال مکمل ہوگیا ۱۹۷۶ء کا سال میرا درجہ سابعہ کا سال تھا جو میں نے اسی مدرسہ میں گذارا حضرت مولنا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے اسی مدرسہ میں مشکوۃ شریف جلد اول اور جلد ثانی مکمل پڑھی ہدایہ اخرین بھی ان سے پڑھا اور فن ادب میں دیوان متنبّی بھی ان سے پڑھی، میرے تعلیمی سفر میں میری زندگی کا یہ وہ حصہ ہے جس میں میرے رب نے مجھے حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے فن حدیث اور فن ادب دونوں سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ **الحمدلله حمدا کثیرا کثیرا** ۔

پھر ۱۹۷۷ء میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے حضرت مولانا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا داخلہ امتحان مفتی ولی حسن رحمہ اللہ نے لیا اس وقت محدث العصر شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے امین محدث العصر عاشق رسول حضرت مولانا السید محمد یوسف البنوری حیات تھے اور یہ ان کی زندگی کا آخری سال تھا، بخاری شریف کے دونوں حصے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے لیکن سہ ماہی امتحان کے موقع پر حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ ان کی ملاقات کے لئے جب کراچی تشریف لائے تو حضرت بنوریؒ نے نہایت اصرار کے ساتھ حضرت الاستاذ کو بنوری ٹاؤن میں پڑھانے کے لئے روکا، چنانچہ بخاری جلد ثانی میں نے حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ جامع ترمذی مکمل میں نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے

پڑھی، ابوداؤد شریف میں نے حضرت مولانا معاذ الرحمٰن صاحب پشاوریؒ سے پڑھی اور طحاوی شریف حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب سے پڑھی، مسلم شریف جلد اول میں نے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور جلد ثانی حضرت مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ اس طرح ۱۹۷۷ء کا یہ مبارک سال مکمل ہوا اور بندۂ عاجز نے اسی جامعہ میں اپنے دس سالہ تعلیمی سفر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا حضرت بنوریؒ کی زندگی کا یہ آخری سال تھا اور آخری دورۂ حدیث تھا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں اجازت حدیث اور سلسلۂ سند بھی درج کروں کیونکہ محدثین عظام کے ہاں سلسلۂ سند اور اجازت حدیث معروف ضابطہ اور قابل اعتماد سلسلہ ہے بلکہ دین کا ایک حصہ ہے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

"الاسنادمن الدین ،ولو لاالاسنادلقال من شآء ماشآء" ۔ (رواہ مسلم)

چنانچہ میرے بڑے اساتذہ میں سے حضرت اقدس حضرت مولانا سید محمد یوسف البنوری اور حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی اور حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی اور حضرت اقدس حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہم اللہ ہیں۔

یہ میرے ایسے اساتذہ ہیں جو براہ راست شیخ الاسلام حضرت اقدس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اس طرح بندہ کو صرف ایک واسطہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہو جاتا ہے یا شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اور یا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ سند وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے احباب کے ہمراہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں عظیم اسلامی قائد حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھا ہے اس سے بھی سند عالی درجہ تک جا پہنچتی ہے کیونکہ مفتی صاحب نے مدرسہ شاہی مراد آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہوی سے دورۂ حدیث پڑھا وہ براہ راست حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے شاگرد ہیں۔ سند کی یہ ساری برکتیں اپنی جگہ باعث برکت ہیں لیکن اس کے علاوہ برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں ہمیں جو دو سندیں عطا فرمائی ہیں میں اس کو بھی یہاں نقل کرتا ہوں جس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میری سندوں میں سے یہ دو سندیں سب سے مختصر اور عالی ہیں۔

سند حدیث

۱۔ فضل محمدبن نورمحمد یوسف زئی عن برکة العصر شیخ الحدیث مولانامحمدزکریا عن والده مولانامحمدیحییٰ عن مولانا رشیداحمدالجنجوهی عن مولانا الشاه عبدالغنی عن الشاه محمداسحاق عن الشاه عبدالعزیز عن الشاه ولی الله رحمهم الله ۔

۲۔ فضل محمدبن نورمحمدیوسف زئی عن شیخ الحدیث مولانامحمدزکریا عن مولاناخلیل احمدالسهارنفوری

عن الشيخ عبدالقيوم بُدھانوی عن الشاہ محمداسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ۔

۳۔ فضل محمد بن نورمحمد یوسف زئی عن محدث العصر مولاناسیدمحمدیوسف البنوری عن شیخ الاسلام سیدحسین احمدالمدنی والشاہ محمدانورشاہ الکشمیری عن شیخ الھند محمودحسن عن حجۃ الاسلام محمدقاسم النانوتوی عن الشاہ عبدالغنی عن الشاہ اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ۔

٤۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی عن محدث العصر مولاناسیدمحمدیوسف البنوری عن الشیخۃ امۃ اللہ عن ابیھا الشاہ عبدالغنی عن الشاہ محمداسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ۔

٥۔ فضل محمد بن نورمحمدیوسف زئی عن فقیہ العصر الولی الکامل مولانافضل محمدسواتی عن شیخ الاسلام سیدحسین احمدالمدنی عن امام الھند شیخ الھند محمود حسن الدیوبندی عن حجۃ الاسلام محمد قاسم النانوتوی وفقیہ النفس رشیداحمدالجنجوھی عن الشاہ عبدالغنی عن الشاہ اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ

ان پانچ اسنادکا سلسلہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سند کا یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ سے آگے جاکر امام مسلم تک پہنچایا جائے تو لیجئے۔ ''عناقید'' کی عربی عبارت میں ملاحظہ کریں

یرویہ مسند الھند الشاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عن شیخہ ابی الطاھرالمدنی عن والدہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ سلطان بن احمد المزاحی قال اخبرنااحمدالسبکی عن نجم الدین الغیطی عن الزین زکریاعن ابی الفضل الحافظ ابن حجرالعسقلانی عن الصلاح ابی عمروالمقدسی عن علی بن احمدبن البخاری عن المؤید بن محمدالطوسی عن ابی عبداللہ الفراوی عن عبدالغافر الفارسی عن ابی احمد محمدبن عیسی الجلودی عن ابی اسحاق ابراھیم بن محمدعن مؤلف الکتاب مسلم بن الحجاج القشیری رحمۃ اللہ علیہ ۔

سند نمبر۴ میں امۃ اللہ سے مراد ایک خاتون ہیں جو شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی اور ان کی عمر ۱۰۰ سال سے اوپر تھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے غالباً ۲۶ سال کی عمر میں ان سے مدینہ طیبہ میں پڑھا اورحدیث کی سند لی یہ انتہائی عالی سند ہے اور باعث تعجب بھی ہے کہ ایک پردہ نشین خاتون کتنی بڑی مُحَدِّثہ تھیں کہ محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ ان کے شاگرد بنے۔

رحم اللہ ھؤلاء الاماثل الامجادرحمۃ واسعۃ وجعل قبورھم روضات من ریاض الجنۃ ۔

فراغت وتدریس

۱۹۷۷ء میں جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے فراغت کے بعد میں نے ایک سال ایک گمنام مدرسہ میں تدریس کی اور پھر جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی میں آٹھ سال مسلسل تدریس کے فرائض انجام دیئے جہاں مجھے طحاوی اور ترمذی جلد ثانی پڑھانے کا موقع بھی ملا، پھر مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے میرا تقرر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر میں کیا اور میں نے جامعہ حمادیہ چھوڑ کر ملیر میں دو سال تک ابتدائی درجات میں تدریس کے فرائض انجام دیئے پھر مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی نوازش اور فرمائش سے مرکز علوم جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں میرا تبادلہ ہوا، چنانچہ بروز جمعرات ۱۹ شوال ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء میں بندہ نے اس مقدس درسگاہ میں تدریس کا آغاز کیا اسی سال بندہ کو پڑھانے کے لئے مشکوۃ شریف جلد اول ملی آٹھ سال تک میں نے مشکوۃ شریف جلد اول پڑھائی اور پھر تقریباً اتنے ہی عرصہ تک مشکوۃ جلد ثانی پڑھانے کا موقع ملا، اس کے بعد مورخہ ۷ اشوال ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۲۰۰۲ء میں جامعہ کے انتظامیہ نے مجھے دورۂ حدیث میں پڑھانے کے لئے مسلم شریف جلد ثانی دیدی تین سال تک میں نے صحیح مسلم جلد ثانی پڑھائی پھر ۱۴۲۶ھ میں مجھے جامعہ کی طرف سے پڑھانے کے لئے مسلم شریف جلد اول مل گئی جو تا حال چھ سال سے الحمدللہ میں پڑھا رہا ہوں اور اپنی آپ بیتی کے یہ ٹوٹے پھوٹے کلمات اس وقت ۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ رات کے دو بجے لکھ رہا ہوں۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ صحیح مسلم شریف جلد اول میں نے ایک محقق عالم، ادیب اور صاحب قلم حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ سے پڑھی ہے ان کی سند کا سلسلہ اس طرح ہے

مولانا محمدادریس عن شیخه العلامة شبیراحمدالعثمانی عن شیخه شیخ الهند محمودحسن الدیوبندی عن شیخه قاسم النانوتوی عن شیخه الشاه عبدالغنی عن شیخه الشاه محمداسحاق عن شیخه الشاه عبدالعزیز عن والده الشاه ولی الله الدهلوی رحمهم الله۔

مسلم شریف جلد اول اور جلد ثانی پڑھانے سے پہلے ایک طویل عرصہ تک میں نے مشکوۃ شریف مکمل پڑھائی اور پھر ''توضیحات اردو شرح مشکوۃ'' کے نام سے آٹھ جلدوں پر مشتمل ایک شرح لکھی جب نو سال کے عرصہ میں اس شرح سے میں فارغ ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ آئندہ کسی تحریر میں مزید مشقت نہیں اٹھاؤں گا اور صرف تدریس میں آرام کی زندگی گذاروں گا کچھ احباب کبھی کبھی کہنے لگتے کہ آپ مسلم پر کام شروع کریں یہ سن کر میں دل و دماغ میں بوجھ محسوس کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ میرے سامنے اس بات کا تذکرہ بھی نہ کریں میں اس کا سوچ بھی نہیں سکتا اب مجھے کچھ آرام کرنے دیں۔ ادھر لاہور میں پروفیسر اسرار احمد صاحب کے نام سے میرا ایک دوست ہے جن کو میں نے اب تک دیکھا نہیں مگر فون پر رابطہ رہتا ہے وہ بڑا معلوماتی علم دوست

آدمی ہیں ان کی جانب سے تو بڑا ہی اصرار سننے کو ملا مگر میں نے انکار کیا اور بات کو سنی ان سنی کر دی کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں مسلم شریف کی شرح کے لئے ایسا جذبہ پیدا فرمایا کہ میں مزید ایک لمحہ کے لئے صبر نہ کر سکا اور جمعہ کے دن ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء کو قلم ہاتھ میں لیا اور شرح پر کام شروع کیا مجھے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جملہ بھی یاد آ گیا جب آپ سے ایک مرید نے کہا کہ حضرت آپ آرام کریں تو جواب میں فرمایا کہ آرام قبر میں کروں گا، بہر حال میں نے اس شرح کا نام "تحفة المنعم اردو شرح صحیح مسلم" رکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اس مشکل ترین اور باعثِ مشقت کام کے کرنے میں مجھے تین وجوہات سے حوصلہ ملا ایک وجہ یہ کہ چھ سال سے پڑھاتے ہوئے مسلم کے دروس کا ایک مہذب مرتب مجموعہ مجھے ملا، دوسری وجہ یہ کہ اس سے پہلے میں نے مشکوۃ شریف کی جو اردو شرح توضیحات لکھی ہے اس میں احادیث مقدسہ کے تمام ابواب پر الحمد للہ اچھا کام ہوا ہے وہ اگر چہ مشکوۃ شریف کی شرح ہے لیکن مضامین اور مسائل کے اعتبار سے صحاح ستہ کی ہر کتاب کے لئے اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ میں نے بھی شرح مسلم میں اس سے استفادہ کیا ہے مجھے حوصلہ دلانے کے لئے تیسری بڑی وجہ یہ بنی کہ صحیح مسلم پر عربی میں تو بہت عمدہ کام ہوا ہے لیکن اردو میں اب تک اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے اگر کچھ کام ہوا بھی ہے تو وہ یا تو انتہائی مختصر ہے کہ اس میں صرف اشارات ہیں یا انتہائی طویل ہے اور ساتھ ساتھ باعث خدشات ہے اس لئے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اختصار مُخل اور اور تطویل مُمل کے درمیان اعتدال کے ساتھ کسی تعصب اور بغض وعناد کے بغیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ کی خدمت ہو جائے جو میرے لئے توشۂ آخرت بن جائے کسی نے خوب کہا ؎

یبارك علی اوصال شلو مُمزع　　　　و ذالك فی ذات الاله وان یشآء

میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ میں بہت کمزوریاں ہیں لیکن میں انشاء اللہ ان کمزوریوں سے صحیح مسلم کی اس شرح کو دور رکھنے کی مقدور بھر کوشش کروں گا آگے مدد و نصرت اور توفیق دینے والا اللہ جل جلالہ ہے۔

میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا　　　　گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں آثر

اس شرح سے متعلق کچھ باتیں

۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۷ء کا سال تھا کہ میں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اس وقت دورۂ حدیث میں صحیح مسلم شریف جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے وہ ایک محقق عالم تھے وہ حشو اور تطویل سے خالی نہایت جچے تلے الفاظ میں درس دیا کرتے تھے اور پھر اپنے ہی الفاظ کا امتحان میں لحاظ رکھا کرتے تھے وہ امتحانی نمبرات دینے میں بہت سخت تھے سو (۱۰۰) نمبرات میں وہ اکثر طلبہ کو بیس اور چالیس کے درمیان نمبر دیا کرتے تھے مجھے

انہوں نے سہ ماہی امتحان میں ۶۳ نمبر دیئے تھے جوایک کرامت سے کم بات نہیں تھی، وہ درس میں زیادہ تر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ''فتح الملہم'' شرح مسلم مدنظر رکھتے تھے علامہ عثمانی ان کے استاد بھی تھے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں طویل فقہی مباحث نہیں چھیڑے جاتے ہیں حضرتؒ کی عادت بھی ایسی ہی تھی تاہم میرے پاس حضرت کے درس کی لکھی ہوئی کوئی کاپی نہیں ہے چند مقامات میں نے قلمبند کئے تھے جونہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے میں نے جب مسلم شریف پڑھانا شروع کیا تو مختلف شروحات سے استفادہ کرکے ایک مسودہ تیار کیا۔ علامہ نووی کی شرح تو کتاب کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر میں نے ان سے کم ہی استفادہ کیا ہے محمد بن خلیفہ وشتانی متوفی ۸۲۸ھ کی شرح ''الأبی'' سے میں نے کئی مقامات میں استفادہ کیا ہے میں نے فتح الملہم سے بھی استفادہ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک مسلم شریف کا مقدمہ ہے تو اس پر کئی علماء نے کتابیں لکھی ہیں مثلاً فیض المنعم ہے، نعمت المنعم ہے، مقدمہ مسلم ہے، درس مسلم ہے، ان کتابوں سے میں نے مقدمہ مسلم میں بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کے بعد کتاب الایمان سے لیکر صحیح مسلم کے اختتام تک میں نے ان تحقیقات کو پیش نظر رکھا ہے جو توضیحات شرح مشکوۃ میں مختلف شروحات سے میں نے جمع کیا ہے تاہم مسلم شریف کا اپنا خصوصی انداز ہے جس میں ترجمۃ الباب کی تطبیق ہے احادیث کا تسلسل ہے اصل اور متابع کا بیان ہے سخت شروط کے پیش نظر قلتِ احادیث ہے جس کی وجہ سے اختلافِ فقہاء کافی کم سامنے آتا ہے۔

اکابر علماء دیوبند کا عمومی طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ بخاری اور مسلم میں حدیث کے فن اور اصطلاحات اور ان دونوں کتابوں کی خصوصی ترتیب اور ترجیحی خصوصیات سے زیادہ بحث ہوتی ہے، رجال اور سلسلۂ سند پر خصوصی نگاہ رکھی جاتی ہے اس لئے فقہی اختلافات کو طول دینا بے جا تکلف سمجھا جاتا ہے ان وجوہات کی بنیاد پر توضیحات وغیرہ کے تمام فقہی مباحث لانے کی شرح مسلم میں گنجائش نہیں ہو رہی بس ''الاھم فالاھم'' کو دیکھنا ہوگا اور قناعت سے کام لینا ہوگا، البتہ چھ سال سے مسلم شریف کو جو میں نے پڑھایا ہے اس سے جو مجموعہ تیار ہو گیا ہے اس سے بھی میں استفادہ کروں گا، اگرچہ مسلم شریف کی شرح میں سند اور اس کے لطائف اسماء الرجال اور اس پر بحث کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بحث احادیث مقدسہ کی تحقیق اور توضیح وتشریح سے ہٹ کر ایک الگ بحث ہے جس کا فہم حدیث سے تعلق نہیں ہے اسی طرح کسی ترکیب یا کسی لغت کے پڑھنے کے مختلف احتمالات سے بحث کرنے میں بھی اصل مقصد سے آدمی دور ہو جاتا ہے لہٰذا میں ان چیزوں میں پڑ کر شرح کو طول دینے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اسی طرح کسی راوی کی پیدائش اور وفات سے متعلق بحث کرنا میرے لئے بہت مشکل ہوگا ہاں اگر کہیں ان چیزوں کی فنی ضرورت پیش آئے گی تو اس سے صرف نظر نہیں کیا جائیگا۔ میں اس شرح میں یہ طرز اختیار کروں گا کہ پہلے مسلم شریف کی مکمل حدیث نقل کروں گا پھر آسان اور واضح ترجمہ کیا جائے گا اور پھر تشریح کے نام سے شرح ہوگی اور حدیث کا مطلب بیان کیا جائے گا اگر حدیث سے متعلق فقہی بحث ہوگی تو مذاہب اربعہ کی روشنی میں بحث کروں گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے مذاہب اربعہ کو لیا جائے گا کہ زیر بحث حدیث میں کتنے مذاہب ہیں مثلاً مالکیہ، حنابلہ، شوافع

اوراحناف کے مسالک کا تذکرہ ہوگا پھر ہر مسلک کے دلائل کا بیان ہوگا اور پھر احناف کی دلیل کو ترجیح دینی ہوگی اور باقی دلائل کو اس کے صحیح محمل پر حمل کیا جائے گا۔

میں نے اس شرح میں ایک خالص مدرس کے لئے وہ مواد اکٹھا کیا ہے کہ وہ تدریس سے متعلقہ تمام عمومی امور کو ایک جگہ موجود پائیگا خصوصاً کتاب کو شروع کرتے وقت کوئی بھی مدرس ہو وہ اس شرح کے ابتدائی مباحث میں وہ سب کچھ پائے گا جس کی ان کو ضرورت ہوگی۔ میں اس شرح میں اس بات کا پورا خیال رکھوں گا کہ یہ نہ اتنا طویل ہو کہ طلبہ اکتا جائیں اور نہ اتنا مختصر ہو کہ طلبہ تشنہ لب رہ جائیں بلکہ معتدل ہو اور متوسط ہو۔ میں نے اس شرح میں انداز بیان اس طرح رکھا ہے کہ ہر پڑھنے والا اسکو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ میں نے اس شرح میں جمہور امت کا مسلک اختیار کیا ہے کسی کے شاذ قول یا کسی کے تفرد پر اعتماد نہیں کیا ہے میں نے مسلم شریف کی اس شرح میں ہر باب اور ہر کتاب کی ابتداء میں پورے باب اور پوری کتاب سے متعلق اس طرح کلام کیا ہے جو پورے باب اور کتاب کے لئے کافی شافی ہو جائے گا۔ میں نے اس شرح میں جس طرح مسلم جلد اول میں تحقیق وتشریح کی ہے اسی طرح مسلم جلد ثانی میں بھی تحقیق وتشریح کروں گا ایسا نہیں کیا کہ جلد اول اور ابتدا میں خوب تفصیل ہو اور جلد ثانی میں تعطیل ہو بلکہ جلد ثانی میں تفصیل انشاء اللہ جلد اول سے کم نہیں ہوگی۔ میں نے اس شرح میں اس کا زیادہ خیال رکھا ہے کہ مشکل لغات کے معانی کی وضاحت ہو جائے اور مجمل عبارت کی تفصیل اور مطلب بیان ہو جائے، بہر حال میں نے ایک مدرس کی حیثیت سے اس شرح کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ انشاء اللہ ایک مدرس بلکہ ایک طالب علم صحیح مسلم کے کسی مقام میں کسی الجھن کا شکار نہیں ہوگا بلکہ ہر مقام کو سمجھنے کے حوالہ سے اس کو آسان سے آسان تر پائے گا باقی تمام علوم کا احاطہ کوئی انسان نہیں کرسکتا ہے وفوق کل ذی علم علیم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون۔

مراجع کتب

اس شرح میں جن کتب سے استفادہ کے لئے میں نے رجوع کیا ہے ان میں سرفہرست درج ذیل کتب ہیں

۱۔ کتاب الله ۲۔ صحاح سته اوران کی مشہور شروحات مثلا

۱۔ فتح الباری۔ ۲۔ عمدة القاری۔ ۳۔ فیض الباری۔ ۴۔ معارف السنن للشیخ البنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ۔

۵۔ مرقات لملاعلی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ۔ ۶۔ شرح الطیبی۔ ۷۔ لمعات التنقیح ۔ ۸۔المنهاج للشیخ النووی متوفی ۶۷۶ھ۔۹۔ ظفرالمحصلین مولانامحمدحنیف گنگوھیؒ۔

۱۰۔ اکمال المعلم فوائد مسلم للقاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ۔۱۱۔ اکمال الاکمال المعلم ،لمحمدبن خلیفة الوشتانی المعروف الابی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ ۔

۱۲۔ فتح الملهم للشیخ شبیراحمد العثمانی المتوفی ۱۳۶۹ھ۔۱۳۔ شرح مسلم ۔

۱۴۔ تعلیم المتعلم زرنوخیؒ ۔۱۵۔توضیحات شرح مشکوةللشیخ فضل محمد یوسف زئی۔

ان شروحات سے میں نے تحفة المنعم شرح صحیح مسلم میں استفادہ کیا ہے خاص کر توضیحات سے اور فتح الملہم اور نووی اور الابی سے بنیادی فائدہ اٹھایا ہے۔باقی مقدمہ مسلم میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا۔

۱ ۔ نعمت المنعم۔ ۲ ۔ فیض المنعم۔۳ ۔ عمدة المفهم۔٤ ۔ شرح مقدمه مسلم۔٥ ۔ دروس مسلم۔

اس کے علاوہ دیگر علمی منابع سے بھی میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے جو کچھ مجھ سے ہوسکا میں نے کوتاہی نہیں کی ؎

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم بادشاہ اس محنت کو قبولیت عامہ اور خاصہ سے نوازدے۔

آمین یارب العالمین

وصلی الله تعالیٰ علی نبیه الکریم ورسوله العظیم

وعلی اله واصحابه اجمعین

کتبہٗ : فضل محمد بن نورمحمد یوسف زئی

استاذ جامعة العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۱۱ء

بطور تمہید چند مباحث

مسلم شریف کے مقدمہ میں جانے سے پہلے بطور تمہید چند مباحث کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔تا کہ میدان علم اور فن حدیث میں اُترنے والے معلّم اور متعلم کی بصیرت میں اضافہ ہوجائے تو سب سے پہلے مدارس ومساجد اور طلبہ ومدرسین کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔

علماء وطلباء اور مدارس کا ثبوت

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اہل مکہ کے لئے دو دعائیں مانگی تھیں،ایک دعا کا تعلق کھانے پینے اور مادیات سے تھا اور دوسری دعاء کا تعلق روحانیات سے تھا،رزق اور مادیات کی دعا اس طرح مانگی تھی:

﴿وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًاامِنًا وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (سورۂ بقرۃ:۱۲٦)

یعنی اہل مکہ میں سے جو اللہ تعالیٰ اور حشر ونشر پر ایمان لائے ان کو دنیا کے پھلوں سے روزی عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ چونکہ رب العالمین ہے اس لئے فرمایا کہ روزی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کافروں کو بھی دوں گا البتہ کفر وشرک کی سزا آخرت میں دوں گا۔روحانیات کی دعا اس طرح مانگی تھی۔

﴿رَبَّنَاوَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًامِّنْهُمْ يَتْلُوْعَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۹)

اس دعا میں ایک شان والے رسول کی درخواست تھی کہ اے رب! ایسا رسول بھیج جو انہی قریش میں سے ہو اور سرزمین مکہ سے ہو، یعنی انہی کے خاندان کا ایک فرد ہو،فرشتہ اور جنات میں سے نہ ہو نیز اسی علاقے کا ہو، باہر سے نہ آیا ہو، یہ دعا درحقیقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ اور والدہ آمنہ کے خواب کے نتیجہ کے طور پر آیا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اس دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار وظائف اور ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرمایا تھا کہ اس رسول کی پہلی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ تیری آیتوں کو پڑھ پڑھ کر اہل مکہ کو سنائے گا، دوسری ذمہ داری یہ کہ وہ ان کو تیری کتاب کی تعلیم دے گا، تیسری یہ کہ ان کو حکمت ودانائی اور احادیث کی تعلیم دے گا، چوتھی ذمہ داری یہ کہ وہ ان کا تزکیۂ نفس فرمائے گا۔ان چار فرائضِ نبوت میں جو دوسری قسم ﴿ویعلمهم الكتاب﴾ کی ذمہ داری ہے اس سے منصوصی طور پر علماء وطلباء اونظام تعلیم

ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "یُعَلِّمُ" میں معلم آ گیا خواہ وہ قاری ہو، حفظ وناظرہ کا استاد ہو یا درس نظامی کا مدرس ہو یا شیخ الحدیث ہو، معلم میں سب آ گئے بشرطیکہ وہ دینی مدارس میں پڑھا رہا ہو، اسکول کالج میں نہیں کیونکہ شریعت نے انگریزی تعلیم کی ترغیب نہیں دی ہے۔

"یعلم" کے کلمہ میں لفظ "ھم" ہے، اس لفظ سے طلباء ثابت ہو گئے، کیونکہ علم پڑھانے والا مدرس ہوا اور جن کو وہ پڑھا رہا ہے وہ ان کے طالب علم ہوئے تو دو چیزیں یعنی مدرس اور طالب علم قرآن کی صریح آیت سے ثابت ہوئے۔ تو اب اگر کوئی کہے کہ یہ مولوی اور طلباء کدھر سے آ گئے ہیں؟ تو ان کو جواب دینا چاہئے کہ جس وقت سے لوح محفوظ اور آسمان اول سے یہ آیت آئی ہے، اسی وقت سے علماء وطلباء آئے ہیں، اس آیت میں تیسری چیز "الکتاب" ہے کہ معلم طالب علم کو کیا پڑھائے گا، ان کا نظام تعلیم کیا ہوگا؟ تو بتا دیا کہ "الکتاب" یعنی قرآن کریم ان کا نظام تعلیم ہوگا، خواہ اجمال سے پڑھائے یا تفصیلات میں جائے، اس لفظ سے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا تعین ہو گیا۔ اب اگر کوئی کہہ دے کہ مدارس دینیہ میں یہ تعلیم کہاں سے آئی؟ تو ان کو جواب ملے گا کہ جب سے آسمان سے یہ آیت آئی ہے اسی وقت سے دینی مدارس کی یہ تعلیم اور یہ نصاب آیا ہے، یہ تین چیزیں تو قرآن کریم کی نص اور واضح آیت سے ثابت ہیں، اب یہ معلم اور استاد جب طلبہ کو پڑھائے گا تو ایک طرف استاد بیٹھے گا، سامنے طالب علم ہوگا اور بیچ میں دینی تعلیم کی کتاب ہوگی، اس بیٹھنے کے لئے جگہ چاہئے لہٰذا وہ جگہ یا مسجد ہوگی یا مدرسہ ہوگا، لہٰذا اقتضاء النص کے طور پر اس آیت سے مسجد اور مدرسہ ثابت ہو گیا، اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ مدارس کہاں سے آئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب سے یہ آیت اُتری ہے اسی وقت سے مدارس آئے ہیں، لہٰذا معلم، متعلم، نظام تعلیم اور مدارس سب نص قرآنی سے ثابت ہیں اور مستند ہیں، اس میں کسی کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہئے یہ ماڈرن لوگ خود بتائیں کہ یہ کتنے مستند ہیں۔

مدارس کا تاریخی پس منظر

مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ ارقم بن ابی ارقم میں مدرسہ قائم فرمایا، جو نو وارد یا مقامی صحابہ دین اسلام کے متعلق سیکھنا چاہتے تھے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس خفیہ مدرسہ میں جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی یہیں پر آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مسجد نبوی میں "صفہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا جس میں کبھی اسّی اور کبھی کم یا زیادہ طالب علم ہوتے تھے۔

یہ طلبہ جہاں علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے وہیں پر "قطعہ منتظرہ" کے طور پر جہاد کے لئے بھی تیار رہتے تھے اور ضرورت پڑنے پر میدان جنگ میں نکلتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں طلباء میں سے ایک تھے۔

پھر جب اسلام جزیرۂ عرب سے باہر نکلا اور شام فتح ہوا تو جامع دمشق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں سینکڑوں صحابہ کرام اور تابعین دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور چونکہ دمشق افریقہ اور مغربی ممالک کے لئے دروازہ

تھا تو یہی لوگ آگے چل کر میدان جہاد میں حصہ لیتے تھے۔
پھر جب مصر فتح ہوا تو وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مساجد اور مدارس کی بنیاد ڈال دی، کچھ تغیر اور تبدیلی کے بعد جامع ازہر کو اسی علمی سفر کا تاریخی ثبوت حاصل ہے۔
پھر جب فارس اور عراق فتح ہوئے تو جامع کوفہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، جو مدرسہ عبداللہ بن مسعود کے نام سے مشہور رہوا، جس میں ہزاروں طلبہ صحابہ کرام اور تابعین علوم سیکھتے تھے، کہتے ہیں یہ ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی اور مدرسہ بھی تھا، جس میں کبھی کبھی تیس ہزار تابعین اور صحابہ کرام ہوتے تھے، یہ مدرسہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تھا اور کوفہ چونکہ مشرقی ممالک کے لئے دروازہ تھا، لہٰذا یہیں سے پڑھ کر طلبہ آگے جاتے تھے اور میدان جہاد میں حصہ لیتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے شاگرد اسود اور علقمہ رحمۃ اللہ علیہما نے اس مدرسہ کو سنبھالا پھر ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نگرانی کی اور پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا اہتمام سنبھالا اور اس کے بعد آپ کے شاگردوں نے اسے چلایا۔
کوفہ کے بعد وسط ایشیا اور برصغیر مدارسِ اسلامیہ سے بھر گیا، سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے جب ہندوستان فتح کیا تو ہزاروں مدارس ان علاقوں میں قائم کیے، مغل بادشاہوں نے بڑھ چڑھ کر مدارس کے قیام میں حصہ لیا حتیٰ کہ عورتوں نے بھی مدارس بنائے اور چلائے دہلی کے اندر مدرسۃ النساء میں ایک ہزار عورتوں نے حفظ قرآن مکمل کیا پھر سلطنت عثمانیہ نے مدارس کا سرکاری طور پر اہتمام کیا اور ہر طرف دینی مدارس کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

ترقی کے بعد زوال

چونکہ یہ مدارس حکومت کی سرپرستی میں چلتے تھے لہٰذا جب اسلامی خلافت کمزور پڑ گئی اور سلطنت عثمانیہ زوال پذیر ہو گئی، تو مدارس بھی گھٹ گئے اور جب خلافت بالکل ختم ہو گئی اور انگریز برصغیر پر قابض ہو گیا تو تقریباً مدارس کا وجود ختم ہو گیا، عرب حکمرانوں نے اسکول و کالج کے ساتھ اسلامی مدارس کو جوڑ دیا اور آزاد مدرسے ختم ہو گئے اس لئے آزاد علماء کا پیدا ہونا بھی ختم ہو گیا۔ اسی مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو علمی درسگاہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند کے نام سے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آپ نے ایک آزاد اسلامی مدرسہ قائم فرمایا اور لکھا کہ جب تک یہ مدرسہ عام مسلمانوں کے چندوں سے چلے گا تو یہ ترقی کرتا رہے گا، چنانچہ الحمدللہ آج تک یہ مدرسہ کسی شخص یا حکومت کے احسان کے نیچے دبا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے آزاد علماء پیدا ہو رہے ہیں، جو حق کا خوب اعلان کرتے ہیں، عرب کو یہ چیز میسر نہیں، دیوبند کے طرز پر الحمدللہ اب ہزاروں مدرسے ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں قائم ہو گئے، اب انگریز ظالم پھر پریشان ہو گیا کہ یہ مدارس کیوں چل رہے ہیں؟ حالانکہ اس ظالم نے پہلے خود ان مدارس اور مساجد میں علماء کو محدود کر کے رکھا اور معاشرہ

میں علماء کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی، تاکہ یہ علماء ان مساجد و مدارس میں بھوکے مرجائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انہی مدارس میں علمائے کرام کو ترقی عطا فرمائی، اب یہ ظالم انگریز علماء کو مساجد و مدارس سے بھی نکالنا چاہتا ہے۔ مگر ان شاء اللہ جس طرح انگریز ذلیل وخوار ہوکر برصغیر اور پھر افریقی ممالک سے نکل کر بھاگ گیا ہے اور اب لندن و برطانیہ تک محدود ہوکر رہ گیا ہے یہ اس سے زیادہ محدود ہوجائے گا اور دینی مدارس ترقی کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۱۔ صحة النية فی العلم

قال الله تعالیٰ ﴿وَمَاأُمِرُوْاإِلَّالِيَعْبُدُوااللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (سورة البينة : ۵)

''اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی عبادت کرو۔''

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دین اسلام کا کوئی عمل صحیح نیت کے بغیر مقبول نہیں، ہر نیک عمل پر ثواب اس وقت مرتب ہوتا ہے جبکہ اس میں نیت خالص اللہ کی رضا کی ہو، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جو عمل اچھی نیت کیساتھ ہو وہ پائیدار ہوتا ہے، خواہ چھوٹا عمل ہی کیوں نہ ہو اور جس عمل میں اخلاص نہ ہو وہ پائیدار نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بڑا عمل ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے نیک ارادے سے صفا مروہ کے درمیان ایک دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ قیامت تک کے آنے والے حاجیوں پر لازم قرار دے دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے منیٰ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو تمام حاجیوں پر واجب کردیا، یہ اخلاص کی علامت اور نتیجہ ہے، لہٰذا علم دین شروع کرنے سے پہلے نیت کو خالص رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''انما الاعمال بالنیات'' کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

تعلیم المتعلم میں ایک حدیث مذکور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سارے اعمال ایسے ہیں جو ظاہری شکل سے دنیاوی لگتے ہیں، مگر اچھی نیت کی وجہ سے وہ آخرت کے اعمال بن جاتے ہیں اور بہت سارے اعمال ایسے ہیں جو ظاہری صورت میں آخرت کے اعمال دکھائی دیتے ہیں مگر بری نیت کی وجہ سے وہ دنیوی عمل ہوکر رہ جاتے ہیں۔ صحیح نیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طالب علم یہ نیت کرے کہ میں یہ علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور دین اسلام کی اشاعت و ترقی کے لئے پڑھتا ہوں۔

سلف صالحین کے زمانے میں نیت کی خرابی کا خطرہ زیادہ ہوتا تھا اس لئے کہ اس وقت دنیاوی مناصب اور دنیا کے عہدے سب علم دین کی وجہ سے ملتے تھے، جو آدمی زیادہ بڑا عالم ہوتا تھا وہ حکومت کے زیادہ بڑے منصب پر فائز ہوتا تھا۔ خلیفہ ہونا، وزیر، گورنر اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بننا اسی علم دین سے وابستہ تھا، تو نیتوں میں فتور آنے کا امکان زیادہ تھا، چنانچہ مدرسہ نظامیہ کے

نام سے بغداد میں ایک مدرسہ تھا، جو وقت کے بادشاہ نے سرکاری طور پر قائم کیا تھا، جس میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی طالب علم تھے، بادشاہ وقت بھیس بدل کر آئے اور ہر طالب علم سے پوچھا کہ سچ بتاؤ علم پڑھنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟ ہر ایک نے اپنا مقصود بتایا، کسی نے کہا علم پڑھ کر وزیر بنوں گا، کسی نے کہا گورنر بنوں گا، کسی نے کہا قاضی اور جج بنوں گا۔ الغرض ہر ایک نے دنیوی مناصب میں سے کسی نہ کسی منصب کا ذکر کیا، بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ اس مدرسے کو تالا لگا کر بند کردوں کیونکہ یہاں تو سب دنیوی غرض لے کر پڑھنے آئے ہیں پھر آخر میں بادشاہ نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ اس علم پڑھنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا میں ''نیابة عن رسول الله'' اس دین کی خدمت کروں گا، بادشاہ نے وزیر سے کہا بس اب مدرسہ جاری رہے گا، کیونکہ اگر ایک طالب علم بھی اس اچھی نیت کی بنیاد پر پڑھ رہا ہے، تو ہمارا سال بھر کا خرچ ضائع نہیں جائے گا، یہ طالب غزالی تھے، جو بعد میں امام غزالیؒ کے نام سے مشہور ہوئے، جس پر سال بھر کا خرچہ کرنا واقعی مناسب تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ پہلے زمانے میں نیتوں میں خرابی کا امکان زیادہ تھا، آج کل تو علوم دینیہ پڑھنے والوں کی نیتیں خود بخود درست ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس علم کے ساتھ حکومتی سطح پر کوئی منصب وابستہ نہیں ہے، بلکہ جو جتنا زیادہ پڑھے گا اتنا ہی زیادہ حکومت کے مناصب سے دور ہوتا جائے گا، آج کل اگر کوئی طالب علم اپنی نیت خراب رکھتا ہے، تو وہ صرف امامت وخطابت کی امید پر یا اپنے والد کی جگہ اہتمام یا نظامت وامامت یا دیگر معمولی سے کاموں کی وجہ سے نیت خراب کرے گا، جس میں دو تین ہزار تنخواہ کے سوا کچھ نہیں اور مشقت بہت ہے، اگر یہی طالب علم دین اسلام کی خدمت کا ارادہ دل میں رکھے تو اللہ تعالیٰ یہ حقیر دنیا بھی اس کو عطا کرے گا اور دین کے لئے بھی اسے قبول فرمادے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلْمَعَادِ فَـازَ بِفَضْلٍ مِّنَ الرَّشَادِ

فَيَا لِلْخُسْرَانِ طَالِبِيهِ لِنَيْلِ فَضْلٍ مِّنَ الْعِبَادِ

''جس نے آخرت کے لئے علم پڑھا وہ ہدایت ورہنمائی میں خوب کامیاب ہوا، اور وہ طلبہ کتنے ہی خسارے میں پڑگئے جو بندوں سے حصول مال کے لئے علم پڑھتے ہوں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ خوب سوچ کر یہ دیکھے کہ ان کی یہ بڑی محنت کہیں حقیر وذلیل دنیا کی بھینٹ تو نہیں چڑھ رہی ہے۔ ''انما الاعمال بالنیات'' کی حدیث سب کو معلوم ہے کہ ہجرت جیسا عظیم عمل نیت کی خرابی سے کس طرح خراب ہوا۔ طالب علم کو یہ بھی چاہیے کہ وہ کسی کے سامنے اپنی عزت نفس کو پامال نہ کرے اور بے جا لالچ اور حرص سے اپنی علمی سفر کو تباہ نہ کرے بلکہ عزت وعظمت اور سنجیدگی اور وقار اور استغناء سے وقت گزارے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے ''عظموا عمائمکم ووسعوا اکمامکم'' یعنی اپنی پگڑیاں بڑی رکھو اور کرتوں کی آستین کھلی رکھو، یہ اس لئے فرمایا تا کہ طالب

علم اور عالم عوام الناس میں باوقار معلوم ہوں نہ کہ محتاج اور لالچی وحقیر، اسی طرح صحت نیت کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم اس لئے علم حاصل نہ کرے کہ میں لوگوں کے ہاں مرجع بن جاؤں گا، سب لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف موڑ دوں گا یا علامۃ الدھر اور فقیہ العصر کے نام سے مشہور ہو جاؤں گا، یہ سب تباہی کی چیزیں ہیں، نیت صحیح رکھے گا تو دنیا وآخرت دونوں سنور جائیں گی۔

۲. جهدالعلم

کسی بھی علم کے لئے اس میں محنت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اگر کوئی طالب علم بہت اچھی نیت رکھتا ہے مگر محنت نہیں کرتا ہے، تو وہ حصول علم کے مقصد کو نہیں پا سکتا، گویا مقصود تک پہنچنے کے لئے جس طرح صحیح نیت کی ضرورت ہے اسی طرح صحیح محنت کی بھی ضرورت ہے صرف محنت بغیر نیت کے یا صرف صحیح نیت بغیر محنت کے دونوں صورتیں ناکامی کی ہیں، اس لئے ہر طالب پر لازم ہے کہ وہ صحیح نیت کے ساتھ ساتھ بھرپور محنت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾
کہ میں کسی کا عمل اور محنت ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔

اسی طرح احادیث مقدسہ میں بھی محنت ومشقت کی بڑی ترغیب اور فضیلت موجود ہے، قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے
﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾
اسی طرح اس امت کے حکماء اور عقلاء اور علماء نے فرمایا ہے کہ ”مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَجَدَّ وَجَدَ، وَمَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَّ وَلَجَ“ یعنی جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنا مقصود پا لیتا ہے۔ اس جملہ کو اس طرح مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے ”مَنْ جَدَّ وَجَدَ، وَمَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَ“ یہ بھی حکماء نے لکھا ہے ”بِقَدْرِ مَا تَتَعَنّٰی تَنَالُ مَا تَتَمَنّٰی“ یعنی جتنی محنت ہوگی اسی قدر مقصود حاصل ہوگا۔ بعض حکماء نے لکھا ہے ”اِتَّخِذِ اللَّیْلَ جَمَلًا تُدْرِكُ بِهٖ اَمَلًا“ یعنی پوری رات محنت کرو مقصود پالو گے، کسی شاعر نے کہا ؎

اَلْجَدُّ یُدْنِیْ کُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ ۔۔۔ وَالْجَدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

”یعنی محنت ہر مشکل اور بعید کام کو قریب کرتی ہے اور ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے“۔

بعض نے یہ شعر کہا ہے ؎

تَمَنَّیْتَ اَنْ تُمْسِیَ فَقِیْهًا مُنَاظِرًا ۔۔۔ بِغَیْرِ عَنَاءٍ وَالْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ

وَلَیْسَ اِکْتِسَابُ الْمَالِ دُوْنَ مُشَقَّةٍ ۔۔۔ تُحَمِّلُهَا فَالْعِلْمُ کَیْفَ یَکُوْنُ

”یعنی کمال کے حصول کی تمنا بغیر محنت کے پاگل پن ہے اگر مال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا تو علم کیسے حاصل ہوگا؟۔

طالب علم کا رات بھر جاگنا کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے، یعنی رات کے اکثر حصے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِیْ وَمَنْ طَلَبَ الْعِلیٰ سَہِرَ اللَّیَالِیْ

تَرُوْمُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَیْلًا یَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِیْ

وَ مَنْ رَامَ الْعُلٰی مِنْ غَیْرِ کَدٍّ أَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

''یعنی محنت کے حساب سے بلندی ملتی ہے اور اس کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے، تم مقام بھی حاصل کرنا چاہتے ہو اور پھر راتوں کو سوتے بھی ہو، حالانکہ موتی تلاش کرنے والا سمندر میں غوطے لگاتا ہے، جو شخص بغیر محنت کے مقام چاہتا ہے، وہ فضول وقت ضائع کرتا ہے۔''

محنت کے میدان میں یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم درس میں حاضری دے، غور سے سنے اور رات کو خوب مطالعہ کرے۔ گویا کہ مطالعہ واجب ہے، درس کی حاضری فرض ہے اور غور سے سننا سنت ہے۔ پھر جو کچھ پڑھا اس کا بار بار تکرار کرے، علماء نے لکھا ہے کہ ''اَلدَّرْسُ حَرْفٌ وَالتَّکْرَارُ اَلْفٌ'' اسی طرح محنت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی ہاتھ سے لکھے اور پھر صرف لکھنے اور فوٹو کاپی کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ یاد کرے، علماء نے لکھا ہے کہ ''اَلْعِلْمُ صَیْدٌ وَالْکِتَابَۃُ قَیْدٌ''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ''۔

بعض حکماء نے لکھا: ''مَا کُتِبَ قَرَّ وَمَا حُفِظَ فَرَّ'' یعنی صرف حافظہ پر اعتماد نہ کرو بلکہ لکھ کر یاد کرو، تاکہ مکمل حفاظت ہو جائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لکھنا اور تکرار کر کے یاد کرنا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح اپنے لکھے پڑھے کا سمجھنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا بھی ضروری ہے۔ صرف رٹنے رٹانے سے فائدہ نہیں ہوگا، کسی نے کہا ہے

''حِفْظُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِنْ سِمَاعِ وَقْرَیْنِ وَفَھْمُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِّنْ حِفْظِ وَقْرَیْنِ''۔

یعنی دو بنڈل علم سننے سے دو حرف یاد کرنا زیادہ بہتر ہے اور دو بنڈل یاد کرنے سے دو حرف کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے۔

علمی محنت یہ بھی ہے کہ علمی مجلس میں آپس میں علمی مباحثہ اور مناظرہ ہو اس سے علم پختہ ہو جاتا ہے، کسی نے کہا ہے ''مُطَارَحَۃُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ تَکْرَارِ شَھْرٍ''، علمی محنت یہ بھی ہے کہ طالب ہر کہہ و مہہ سے چھوٹا بڑا مسئلہ بغیر شرم و عار کے معلوم کیا کرے، کسی نے کہا:

تَعَلَّمْ یَافَتٰی وَ الْجَھْلُ عَارٌ وَلَا یَرْضٰی بِہٖ اِلَّا الْحِمَارُ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِیْہِ وَیَحْصُلُ بِالذُّلِّ لَا عِزَّ فِیْہِ'' آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْکَ بَعْضَہٗ حَتّٰی تُعْطِیَہٗ کُلَّکَ''

آپ نے یہ بھی فرمایا جب کسی نے پوچھا:

”بِمَ اَدرَکتَ العِلمَ؟قَالَ : مَااِستَنکَفتُ مِنَ الاِستِفَادَۃِ وَمَابَخِلتُ بِالاِفَادَۃِ“۔
علمی محنت میں یہ بھی آتا ہے کہ آدمی اپنی محنت پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرے، کیونکہ کسی نعمت پر شکرادا کرنا اس نعمت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:”اِنَّمَااَدرَکتُ العِلمَ بِالحَمدِوَالشُّکرِ“،علمی محنت کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم کاہلی سستی اور کسل سے بچتا رہے۔

قَالَ عَلَیہِ السَّلَامُ : اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الاُمُورِ وَیَکرَہُ سَفسَافَھَا ۔
یعنی اللہ تعالیٰ ہمت والے کاموں کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔

وَقَالَ اَبُوحَنِیفَۃَ لِاَبِی یُوسُفَ اِیَّاكَ وَالکَسَلَ فَاِنَّہٗ شُومٌ وَآفَۃٌ ۔
کسی نے خوب فرمایا ہے:

دَعِیْ نَفْسِی التَّکَاسُلَ وَ التَّوَانِیْ ۔۔۔ وَاِلَّا فَـاَثْبِتِـــیْ دَارَ الْھَـــوَانِ

فَلَمْ اَرَ لِلْکُسَالٰی الْحَظَّ یُعْطٰی ۔۔۔ سِوَی نَـدْمٍ وَحِـرْمَـانِ الْاَمَانِیْ

علمی محنت کا حصہ یہ بھی ہے کہ ماہرفن استاد کو تلاش کیا جائے اور پھر جم کر اسی کے پاس پڑھے، یہ نہیں کہ آج ادھر کل ادھر۔ اور شیطان اس کو ورغلاتا رہے، کہ وہاں بہتر ہے، وہاں بہتر ہے، ایسے گھومنے والے طالب علم کو ورغلانے والے شیطان کا نام ”ثَمَّ الخَیرُ“ ہے کہ وہاں بہتر ہے، وہاں بہتر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:”ثَبَتُّ عِندَحَمَّادٍفَنَبَتُّ“ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حصول علم کے لئے یکسوئی ضروری ہے، پوچھا گیا کہ یکسوئی کیسے آئے گی؟ فرمایا سارے تعلقات ختم یا کم سے کم کردو، کسی نے سچ کہا”مَن فَرَّ فَقَدغَرَّ“اسی طرح ایک استاد کے پاس اور ایک مدرسہ میں مختلف حالات اور مصائب پر صبر کرے کیونکہ عقلاء نے لکھا ہے:”خَزَائِنُ المِنَنِ عَلٰی قَنَاطِرِالمِحَنِ“۔
کسی نے حصول مطلوب اور حصول علم کے لئے چھ اشیاء کو شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

اَلَا لَا تَنَالُ الْعِلْمَ اِلَّا بِسِتَّۃٍ ۔۔۔ سَاُنْبِیْكَ عَنْ مَجْمُوْعِھَا بِبَیَانٖ

ذَکَاءٌ وَ حِرْصٌ وَاصْطِبَارٌ وَبُلْغَۃٌ ۔۔۔ وَاِرْشَــادُ اُسْتَاذٍ وَطُوْلُ زَمَانٖ

شیخ الاسلام علامہ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے طلبہ کو ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طالب کا مزاج جس فن سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو، اس کو اسی میں کمال پیدا کرنا چاہیے، پھر فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمام فنون میں کمال پیدا کرلو، تو تمام فنون کے کمال سے محروم رہ جاتے ہو اور پھر کہتے ہو معاشرہ ہماری قدر نہیں کرتا، تم ایک فن میں کمال حاصل کرو پھر دیکھو کہ معاشرہ کس طرح

تم کو ہاتھوں ہاتھ لے کر سر پر اٹھاتا ہے۔

اس لئے بعض عقلاء نے کہا کہ ''کمال'' چار حروف پر مشتمل ہے اور اسی کمال کے اندر مال ہے، یعنی کاف کو ہٹاؤ تو مال رہ جاتا ہے۔ محنت کا حصہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک ہزار مرتبہ کوئی مسئلہ سنا ہوا ہے اور پھر سننے کا موقع ملے تو غور سے سنے ورنہ ناقدری ہوگی بہرحال علم کمال ہے اور عمل جمال ہے جیم ہٹادو نیچے مال ہے۔

۳. ادب العلم

یہ بات یاد رکھیں کہ علم بغیر ادب اور بغیر تعظیم کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر کسی کو ذہن وحافظہ کے زور پر حاصل ہو بھی گیا، تو وہ علم بار آور اور بابرکت نہیں ہوتا، اسی لئے کسی نے کہا ہے:

''مَاوَصَلَ مَنْ وَصَلَ اِلَّابِالْحُرْمَةِ وَمَاسَقَطَ مَنْ سَقَطَ اِلَّابِتَرْكِ الْحُرْمَةِ''۔

استاد کا احترام اور تعظیم علم کے آداب میں داخل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَنَاعَبْدُمَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًاوَاحِدًااِنْ شَاءَ بَاعَ وَاِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّ۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

رَأَيْتُ اَحَقَّ الْحَقِّ حَقَّ الْمُعَلِّمِ وَوَاجِبُهُ حِفْظًاعَلٰی كُلِّ مُسْلِمِ

لَقَدْ حُقَّ اَنْ يُّهْدٰى اِلَيْهِ كَرَامَةً بِتَعْلِيْمِ حَرْفٍ وَاحِدٍ اَلْفُ دِرْهَمِ

استاد کا ادب یہ بھی ہے کہ ان سے آگے نہ چلے، ان کی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ان کی اولاد کی قدر کرے اور استاد کیساتھ زیادہ باتیں نہ کرے اور قلبی محبت رکھے۔

آداب علم میں کتاب کا ادب بھی شامل ہے پس طالب علم کو چاہیے کہ وہ کسی کتاب کو بغیر وضو کے نہ پڑھے۔ امام شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اِنَّمَانِلْتُ الْعِلْمَ بِالتَّعْظِيْمِ فَاِنِّیْ مَااَخَذْتُ الْكَاغَذَ اِلَّابِالطَّهَارَةِ۔''

کیونکہ علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے، تو نور سے نور میں اضافہ ہوتا ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ کبھی کوئی اردو رسالہ بھی بغیر وضو کے نہیں چھوا۔

ادبِ کتاب یہ بھی ہے کہ اس پر سر نہ رکھے، نہ اسے تکیہ بنائے، نہ اسے زمین پر رکھے اور نہ کتاب کے اوپر کوئی سامان رکھے، کہتے ہیں کہ ایک طالب علم نے کتاب پر سیاہی کی دوات رکھی تھی، تو استاد نے فارسی میں کہا ''برنیابی'' یعنی کوئی پھل حاصل نہیں کرسکوگے۔

کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر لکھ کر خراب نہ کرے، ادب العلم میں یہ بھی ہے کہ اپنے ساتھیوں کا احترام کرے، اپنی درسگاہ اور بیٹھنے کی جگہ کا احترام کرے، مدرسہ کا احترام کرے اور مدرسہ سے قلبی تعلق اور قلبی محبت رکھے، علماء نے لکھا ہے کہ استاد کے

احترام سے درس وتدریس اور علم میں برکت آتی ہے اور والدین کے احترام سے عمر اور رزق میں برکت آتی ہے۔

۴. العمل بالعلم

علم حاصل کرنے کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے، کیونکہ بغیر علم کے عمل کا حال ایسا ہوگا جیسا ایک عارف کا مقولہ ہے کہ "عِلْمٌ بِلَا عَمَلٍ کَشَجَرٍ بِلَاثَمَرٍ" اور کسی نے کہا ہے:

فَسَادٌ کَبِیْرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَاَکْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ

یعنی حدود شریعت کو پامال کرنے والا عالم بہت بڑا فتنہ ہے، لیکن عبادت گزار جاہل اس سے بھی بڑا فتنہ ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے: "هَتَفَ الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ اِنْ اَجَابَ وَاِلَّا فَارْتَحَلَ" کہ علم پہلے آکر عمل کو پکارتا ہے، اگر عمل آگیا تو ٹھیک ورنہ علم کوچ کر کے چلا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ یَعْلَمْ" ان آثار وروایات کو دیکھ کر ہر طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل کرے۔ ورنہ بے عمل علم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پناہ مانگی ہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ"۔

صاحب تعلیم المتعلم نے کسی کی روایت نقل کی ہے کہ جو طالب علم زمانہ طالب علمی میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا ہے (اور معصیت میں لگا رہتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو تین مصیبتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرتا ہے:

۱۔ یا جوانی میں موت آجائے گی۔

۲۔ یا اس کو دیہاتوں اور غیر آباد جگہوں میں ڈال دیتا ہے۔

۳۔ اور یا اس کو کسی حاکم اور گورنر وزیر کا چپراسی اور خادم بنا دیتا ہے۔ یہ روایت کسی تجربہ کار اللہ والے کا قول ہے، علماء نے کہا کہ طالب علم کی پرہیزگاری کے لئے یہ چیز لازم ہے کہ وہ کم کھائے، کم سوئے، کم بولے، بازار کا کھانا نہ کھائے، قبلہ کی طرف بغیر ضرورت پیٹھ نہ کرے، فتنہ پرداز اہل معاصی کے پاس نہ بیٹھے اور ترک سنن سے اجتناب کرے، کیونکہ جو شخص مستحب میں سستی کرتا ہے اس سے سنت چھینی جاتی ہے اور جو سنن میں سستی کرتا ہے وہ واجبات سے محروم ہو جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے استاد سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو استاد نے نسخہ بتا دیا فرمایا۔

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْكِ الْمَعَاصِیْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهٍ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

حافظہ کی قوت کے لئے سب سے عمدہ نسخہ قرآن کریم کی تلاوت ہے مگر دیکھ کر تلاوت ہو، زیادہ مسواک کرنا، شہد پینا اور گوند یعنی

شکر کے ساتھ چیز کھانا، نہار منہ کشمش اور منقی کھانا۔

حافظہ کو نقصان دینے والی چیزیں بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

زیادہ گناہ کرنا، دنیا کا غم کرنا، زیادہ تعلقات رکھنا اور ہر وہ چیز کھانا جو بلغم پیدا کرتی ہو، ہرا دھنیا کھانا، ترش سیب کھانا، سولی پر لٹکائے ہوئے مردے کو دیکھنا، قبروں کی تختیوں کو پڑھنا اور زندہ جوئیں زمین پر پھینکنے وغیرہ سے حافظہ کا نقصان ہوتا ہے۔

یہ چند آداب تھے، یہ دو دن کا درس ہوتا ہے، میں نے کچھ تفصیل سے اس لئے لکھ دیا کہ یہ طلباء کے لئے مفید تر ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ (اکثر باتیں تعلیم المتعلم میں موجود ہیں)۔

تدوین حدیث کے مختلف ادوار

پہلی صدی میں حدیث پر کام

۹۱ھ کے قرب وجوار میں بصرہ میں سب سے آخر میں صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اس وقت عالم دنیا پر ان کے علاوہ صرف پانچ صحابہ موجود تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ عادل وصالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ صحابہ کرام دنیا سے اٹھ کر چلے گئے ہیں اور کبار تابعین بھی جا رہے ہیں اس لئے ان کو خوف ہوا کہ کہیں احادیث مبارکہ کا مقدس علم ان کیساتھ قبروں میں نہ چلا جائے۔ دوسری طرف خوارج وروافض اور قدریہ کے ہر قسم کے فتنے سر اٹھا رہے تھے، اس نازک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث مقدسہ کو جمع کرنے اور اسے لکھنے کے لئے ایک سرکاری فرمان کے ذریعہ علمائے کرام کے نام ایک خط جاری کیا چنانچہ مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کے نام آپ نے لکھا:

اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ۔ (بخاری)

''یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث مل جائے اسے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھنے کا خوف لاحق ہو گیا ہے۔''

اس قسم کا ایک خط خلیفہ عادل نے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے نام بھی لکھا اور امام شعبی رحمہ اللہ کو بھی لکھا تھا، ابن حزم رحمہ اللہ نے احادیث کو جمع کیا، امام شعبیؒ نے بھی اکٹھا کیا اور امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے بھی جمع کر کے ابواب کے انداز سے اکٹھا کیا، لہٰذا ہر ایک کو اول مدون کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، تینوں حضرات اس ابتدائی مرحلے میں کسی نہ کسی طریقہ سے شریک ہوئے ہیں۔ احادیث مقدسہ کی جمع وتدوین کی یہ پہلی صدی ہے، گویا جامع قرآن امیر المؤمنین عمر اول، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے اور جامع احادیث امیر المؤمنین عمر ثانی، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہوئے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ احادیث کی کتابت وتدوین دیر سے ہوئی، اگر دور اول میں سب احادیث لکھی جاتیں تو سب میں قطعیت

آجاتی اور قرآن کی طرح ایک کلمہ کو ضعیف کہنے یا انکار کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا، جب احادیث میں ظنیت آگئی تو امت اس خطرے سے بچ گئی اور بحث میں وسعت پیدا ہوگئی۔

دوسری صدی کی تصنیفات

دوسری صدی میں پہلی تصنیف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (ولادت ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ) کتاب الآثار ہے جو جامع کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مدرسہ میں بیٹھ کر چالیس ہزار احادیث و آثار سے انتخاب کرکے آپ نے تصنیف فرمائی اور فقہی ابواب کے طرز پر مستند احادیث و آثار پر مشتمل کتاب ترتیب دی، یاد رہے کہ فقہی ابواب اور سنن کے طرز پر یہ اسلام میں پہلی تصنیف ہے، امام دار الھجرۃ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مؤطا میں بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے "کذا قال السیوطی فی تبییض الصحیفۃ" نیز امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الآثار میں زیادہ تر روایات اسی سے لی ہیں پھر اسی صدی میں امام مالک رحمہ اللہ نے موطا امام مالک تصنیف فرمائی، یہ احادیث و آثار اہل مدینہ اور ان کے فتاوی پر مشتمل عظیم ذخیرہ ہے، امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی طلاق کی قسم کھائے کہ مؤطا مالک صحیح ذخیرہ ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

اسی صدی میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تصنیف جامع سفیان ثوری ہے، جو آپ نے ۱۹۰ھ میں تالیف کی ہے، اسی صدی میں ابن مروزی کی کتاب الزھد و الرقاق ہے جو ۱۸۱ھ کے قرب و جوار میں تصنیف ہوئی ہے، اسی صدی کی تصنیف موطا امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کی ہے جو موطا مالک سے ماخوذ ہے اسی صدی میں مسند ابوداؤد طیالسی وجود میں آئی ہے اور اسی میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند حمیدی کی تصنیف عمل میں آئی ہے۔

تیسری صدی کی تصنیفات

اس صدی میں علم الحدیث اور فن حدیث پر بہت بڑا کام ہوا، فن حدیث کا انتخاب واختصار ہوا اور جرح و تعدیل کا بہت بڑا میدان قائم ہوا اور صحاح ستہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی کتابیں منظر عام پر آگئیں، سنن دارمی، کتاب الدعاء لابن ابی الدنیا، مسند حارث بن ابی اسامہ، مسند بزار، مسند ابی یعلی موصلی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابی عوانہ اور امام طبرانی کی معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط اپنی شان کے ساتھ وجود میں آگئیں، گویا یہ حدیث اور محدثین کی صدی تھی۔

چوتھی صدی کی تصنیفات

چوتھی صدی کی تصنیفات میں کتاب صحیح ابن حبان، سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم ہیں۔

پانچویں صدی کی تصنیفات

اس صدی میں حدیث کی مشہور کتاب سنن بیہقی وجود میں آئی ہے اور امام بیہقی ہی کی دوسری تصنیف معرفۃ السنن والآثار ہے، حمیدی کی کتاب "الجمع بین الصحیحین" بھی اسی صدی کی تصنیف ہے۔

مراتب كتب الحديث

یعنی وہ رتبہ اور طبقہ جس سے ہر کتاب کا مقام متعین کر دیا گیا ہو، یہ بھی کل پانچ طبقات ہیں۔

پہلا طبقہ

اس طبقہ میں وہ کتابیں داخل ہیں جن کے متعلق ہم آنکھیں بند کر کے کہیں گے ''ھذا صحیح'' اور مخالف سے دلیل مانگیں گے کہ کیوں صحیح نہیں ہے؟ اس طبقہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا مالک، صحیح ابن حبان اور صحیح ابی عوانہ ہیں۔

دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ہم ان کو صحیح تو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ قابل استدلال اور صالح للاحتجاج ہیں کیونکہ احتجاج حسان سے بھی کیا جا سکتا ہے اس طبقہ میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ

وہ ہے کہ ہم نہ اسے صحیح کہیں گے اور نہ غلط بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں، اس میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد المسند شامل ہیں یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے نے مسند احمد پر جو اضافہ کیا ہے وہ زوائد المسند ہے۔

چوتھا طبقہ

یہ وہ طبقہ ہے جو اول طبقہ کے بالکل برعکس ہے یعنی ہم آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ضعیف ہے، اس طبقہ میں مسند فردوس دیلمی ہے اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول ہے، یہ وعظ کی کتابیں ہیں، اسی طرح تفسیری روایات وحکایات بھی اسی میں داخل ہیں۔

پانچواں طبقہ

اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں جو احادیث موضوعہ کے مجموعے ہیں جو اہل بدعت واہواء نے گھڑلی ہیں ان گھڑی ہوئی روایات سے احادیث کو پاک کرنے کے لئے موضوعات کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جیسے الموضوعات الكبير، الآلى المصنوعة في الاحاديث الموضعة وغیرہ وغیرہ۔

شرائط اخذ حدیث

امام حازمی رحمہ اللہ نے شروط الائمہ میں لکھا ہے کہ رواۃ اور راویوں کے پانچ طبقات ہیں، ان سے احادیث لینے کا ہر محدث کا اپنا اپنا انداز ہے، جس نے شرائط میں سختی کی اس کی کتاب کی شان بڑھ گئی۔ وہ طبقات یہ ہیں۔

۱۔ كثير الضبط والاتقان و كثير الملازمة بالشيخ ۔
یعنی ذہین بھی ہو، حافظہ بھی قوی ہو اور اپنے استاد کے ساتھ طویل عرصے تک رہا ہو۔

۲۔ كثير الضبط والاتقان وقليل الملازمة بالشيخ ۔

۳۔ قليل الضبط والاتقان و كثير الملازمة بالشيخ ۔

٤۔ قليل الضبط والاتقان وقليل الملازمة بالشيخ ۔

۵۔ الضعفاء والمجهولين ۔

امام بخاری طبقہ اولیٰ کی احادیث بالاستیعاب لیتے ہیں اور طبقہ ثانیہ سے کبھی کبھی تعلیقاً لیتے ہیں۔امام مسلم طبقہ اولیٰ وثانیہ سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور طبقہ ثالثہ سے کبھی کبھی لیتے ہیں۔امام ابوداؤد تین طبقات سے بالاستیعاب اور چوتھے طبقے سے کبھی کبھی لیتے ہیں۔امام ترمذی چاروں طبقات سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور کبھی کبھی پانچویں طبقہ سے بھی لیتے ہیں۔امام ابن ماجہ پانچوں طبقات سے لیتے ہیں اور لے کر خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔

حدیث کی تعریف

الحديث ضد القديم، کے مفہوم میں ہے، حدث يحدث نصر ينصر سے لغت میں بات کرنے کے معنی میں آتا ہے نیز ''حادثہ'' کسی نئے واقعے کے پیش آنے کو بھی کہتے ہیں، اور ''تحادث و تحدث'' گفتگو کے معنی میں آتا ہے، احدث احداثا، نیا کام پیدا کرنا، التحديث دوسرے تک بات پہنچانا اور روایت کرنا، کہا جاتا ہے ''رجل حديث الملوك'' یعنی بادشاہوں کی مجالس میں باتیں اور قصے بیان کرنے والا۔ ''حدثان الدهر اای وقائعه، حداثة السن'' یعنی نوعمر بہرحال حدیث کے لغوی معنی میں ایجاد اور ضد قدیم کا مفہوم پڑا ہوا ہے، حدیث کی جمع احادیث ہے۔علماء نے فرمایا کہ لفظ حدیث قرآن کریم کی آیت ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے لیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ قصہ سناتے ہوئے فرمایا ''حَدَّثَنِیْ تَمِیْمُ الدَّارِی'' مجھے تمیم داری نے بیان کیا ہے۔اس لغوی تحقیق کے بعد حدیث کی اصطلاحی تعریف سے متعلق پہلے یہ سمجھ لیں کہ حدیث کے دو فن اور دو علوم ہیں، دونوں کی الگ الگ تعریف، موضوع اور غرض وغایت ہیں۔ایک علم الحدیث روایۃً ہے اور دوسرا علم الحدیث درایۃً ہے، لوگوں کو دونوں کی تعریف وغرض میں شبہ لاحق ہو جاتا ہے اور دونوں کی تعریفیں خلط ملط ہو جاتی ہیں، اس لئے الگ الگ تعریفات ملاحظہ ہوں۔

علم الحدیث روایةً کی تعریف

" هُوَعِلْمٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی مَااُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَوَاءٌ کَانَ فِعْلًا اَوْقَوْلًا اَوْتَقْرِیْرًا اَوْصِفَةً "

صفت کا مطلب یہ ہے کہ صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کر کے کہا کہ آپ اس طرح حسین تھے، احسن اخلاق کے مالک تھے، اس تعریف کے اعتبار سے علم حدیث کا موضوع یہ ہے۔

موضوعه : ذَاتُ الرَّسُوْلِ مِنْ حَیْثُ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ ۔

حیثیت رسول کے لفظ سے فن طب سے امتیاز آ گیا کیونکہ وہاں ذات انسان سے بحث ہوتی ہے۔

غرضه : علم الحدیث روایۃً کی دو غرض خاص ہیں اور ایک غرض عام ہے۔

غرض خاص نمبر ایک یہ ہے کہ " اَلْاِحْتِرَازُ عَنِ الْخَطَاءِ فِیْمَا اُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "۔

اور غرض خاص نمبر دو اس طرح ہے " مَعْلُوْمِیَّةُ کَیْفِیَّةِ الْاِقْتِدَاءِ بِالرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "۔

اور غرض عام اس طرح ہے " هُوَالْفَوْزُوَالسَّعَادَةُ فِی الدَّارَیْنِ "۔

تعریف میں "مَا اُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ جو اقوال و افعال اور جو احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اس پر مشتمل علم کا نام علم حدیث ہے۔

علم الحدیث درایةً کی تعریف

علم حدیث درایۃً کی تعریف اس طرح ہے :

" هُوَ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ الْمَتْنِ وَالسَّنَدِ صِحَّةً وَحُسْنًا وَاِتِّصَالًا "۔

موضوعه : " اَحْوَالُ الرَّاوِیْ وَالْمَرْوِیْ وَقِیْلَ اَحْوَالُ الْمَتْنِ وَالسَّنَدِ "۔

اس فن کو اصول الحدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے لئے بھی دو غرض خاص اور ایک عام ہے۔

غرضه : غرض خاص نمبر ایک "تَمْیِیْزُالْمَقْبُوْلِ مِنَ الْمَرْدُوْدِ" اور غرض خاص نمبر دو "تَمْیِیْزُ الضَّعِیْفِ مِنْ غَیْرِ الضَّعِیْفِ"۔

اور غرض عام "اَلْفَوْزُ وَالسَّعَادَةُ فِی الدَّارَیْنِ" ہے۔

حدیث، خبر، اثر اور سنت میں فرق

حدیث اور سنت میں ترادف ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں اور حدیث و خبر کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں:

اول یہ کہ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یعنی ہر حدیث خبر ہے مگر ہر خبر حدیث ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا حدیث

وہ ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، تو اس سے موقوف روایت خارج ہوگئی اور خبر وہ ہے جو موقوف اور مرفوع دونوں پر صادق آتی ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر خبر حدیث نہیں بلکہ صرف مرفوع خبر حدیث ہے اور ہر حدیث خبر ہے۔ بعض علماء کے ہاں موقوف اور مرفوع دونوں پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے تو پھر ان کے ہاں ان دونوں میں ترادف ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور جو غیر سے منقول ہو وہ خبر ہے تو اس صورت میں تباین کی نسبت ہوگی۔ اثر کا اطلاق عام طور پر اقوال صحابہ اور اقوال تابعین پر ہوتا ہے لہٰذا اثر حدیث کا مباین ہے، لیکن کبھی اس کا اطلاق حدیث مرفوع پر بھی ہوتا ہے جیسے ادعیۂ ماثورہ، پھر دونوں میں ترادف ہوگا۔

أنبأنا، اخبرنا اور حدثنا میں فرق

اس سلسلے میں علماء کے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ مثلاً امام مالک، ابن شہاب زہری، جمہور کوفیین، علماء متقدمین اور علماء مغاربہ رحمہم اللہ کا ہے ان حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح ان الفاظ میں لغت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح اصطلاح میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، مگر بعض دوسرے علماء مثلاً امام شافعی، امام اوزاعی اور جمہور مشارقہ رحمہم اللہ کے ہاں ان الفاظ میں فرق ہے اور وہ اس طرح کہ جب شیخ پڑھ رہا ہو اور تلمیذ سن رہا ہو، یا کئی تلامذہ سن رہے ہوں، تو جب بعد میں شاگرد بیان کر رہا ہو تو وہ کہے گا حدثنا فلان اور اگر اکیلا ہے تو کہے گا حدثنی فلان، اور جب شاگرد پڑھ رہا ہو اور استاد سن رہا ہو تو بعد میں شاگرد أنبأنا اور أخبرنا کے الفاظ استعمال کرے گا۔ امام بخاری پہلے طبقے کیساتھ ہیں جبکہ امام مسلم دوسرے طبقے کا ساتھ دیتے ہیں۔

ان الفاظ کے رسم الخط کا بھی خیال کرنا چاہیے کیونکہ محدثین اس میں اختصار کر کے ''ثنا'' لکھتے ہیں یہ حدثنا کا مخفف ہے یا ''انا'' کہتے ہیں یہ اخبرنا وغیرہ کا مخفف ہے۔

بعض جگہوں میں محدثین ''ح'' کا لفظ لکھتے ہیں یہ تحویل سند کی طرف اشارہ ہے اس کو ''حَ قال وحدثنا'' پڑھنا چاہیے۔

''متفق علیہ'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو بخاری و مسلم دونوں نے ایک الفاظ اور ایک ہی صحابی سے نقل کیا ہو، اگر صحابی الگ الگ ہیں تو اگرچہ مضمون و الفاظ ایک ہیں وہ حدیث متفق علیہ نہیں ہوگی۔

چند اصطلاحی الفاظ

اسی طرح محدثین کے ہاں چند اصطلاحی الفاظ شیخ الحدیث کے رتبہ و مقام کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مسند

یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو حدیث کو سند کے طور پر بیان کرتا ہو۔

۲۔ محدث

یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو احادیث کا قابل ذکر ذخیرہ جانتا ہو اور متن حدیث کے ساتھ ساتھ بطور جرح وتعدیل رُواۃ کا علم بھی رکھتا ہو۔

۳۔ حافظ

اس شیخ الحدیث کو کہا جاتا ہے جس کو متن اور سند کے ساتھ ایک لاکھ احادیث یاد ہوں۔

٤۔ حجة

اس شیخ الحدیث کو کہتے ہیں جن کو متن وسند کے ساتھ تین لاکھ احادیث از بر یاد ہوں۔

٥۔ حاکم

یہ اس شخص کے لئے اعزازی ڈگری ہے جس کو تمام ذخیرہ احادیث یاد ہو۔

کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سات لاکھ احادیث کے حافظ تھے اسی طرح امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سات لاکھ کے حافظ تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تین تین لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔

علم حدیث اور محدثین کی فضیلت

سب سے بڑی فضیلت تو خود یہ ہے کہ ایک شیخ الحدیث گھنٹوں گھنٹوں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر روزانہ درود کا ورد کرتا رہتا ہے، یہ بہت بڑی برکت ہے اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثین کو خاص ڈگری بھی عطا فرمائی ہے۔ فرمایا:

اللهم ارحم خلفائی قلنا یارسول الله ومن خلفائك ؟ قال الذين یاتون من بعدی یروون احادیثی ویعلمونها الناس ۔ (ترمذی، مشکوۃ ص۳۵)

قال عليه الصلوة والسلام نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وأداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه ۔ (طبرانی اوسط، مجمع الزوائد)

اسی دعا کی برکت سے محدثین عظام کے چہرے تروتازہ اور روشن وبابرکت ہوتے ہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے اس محدث کے سینہ تک گویا ایک اتصالی زنجیر ہے جس سے ان پر برکات کا نہ ختم ہونے والا نزول رہتا ہے کسی نے کہا:

اصحاب الحديث هم اهل النبی وان — لم يصحبوا انفسه انفاسه صحبوا

و من عادتی حب النبی و کلامه — وللناس فيما يعشقون مذاهب

ما ہر چہ خواندایم فراموش کردہ ایم — الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

حدیث کی اقسام وتعریفات

حدیث دوقسم پر ہے ۔ (۱) متواتر (۲) خبر واحد

خبر متواتر وہ ہے کہ اس کے راوی اتنے کثیر ہوں کہ عقلاً ان کا کذب وجھوٹ پر جمع ہونا محال ہو (یعنی مختلف ممالک میں رہتے ہوں، ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اور بات ایک ہی نقل کرتے ہوں) اور ان کا علم حسن پر منتہی ہوتا ہو (یعنی کہتا ہو کہ میں نے سنا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ عمل کیا، عقل سے بات نہ کرتا ہو) خبر متواتر علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے نیز اس میں کسی خاص تعداد کی قید نہیں ہے۔

تواتر کی قسمیں

۱۔ تواتر طبقہ : جیسے نقل قرآن کریم، کہ امت کے ایک طبقہ نے دوسرے طبقہ کو دیا ہے، اس میں انفرادی راوی نہیں ہوتے ہیں۔

۲۔ تواتر اسنادی : یہ وہ تواتر ہے جو اوپر متواتر کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ تواتر عملی : جیسے مسواک کا عمل کہ اس میں اخبار اگرچہ آحاد ہیں، مگر امت کے عمل نے اس کو متواتر بنا دیا ہے۔

۴۔ تواتر قدر مشترک : کہ فرداً فرداً اخبار آحاد ہیں، مگر مجموعی طور پر جو قدر مشترک سامنے آتی ہے وہ متواتر ہے، جیسے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا شجاعتِ علی رضی اللہ عنہ یا جود حاتم طائی۔

خبر متواتر کے مقابلے میں خبر واحد ہے، پھر خبر واحد مختلف اعتبارات سے پانچ بڑی قسموں پر منقسم ہے۔

خبر واحد کی پہلی تقسیم

خبر واحد اپنے منتہائے سند کے اعتبار سے تین قسم پر ہے: (۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع۔

مرفوع : وہ حدیث ہے جس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو اور وہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو، وہ مرفوع کہلاتی ہے۔

موقوف : یہ وہ حدیث ہے، جو صرف صحابی تک جا کر پہنچتی ہے جیسے: قال ابن عباس رضی الله عنهما ،قال ابن عمر رضی الله عنهما۔

مقطوع : یہ وہ ہے جو تابعی تک جا کر پہنچتی ہے جیسے: قال الاعمش رحمة الله عليه، قال سعيدبن المسيب رحمة الله عليه، یہ مقطوع کہلاتی ہے۔

خبر واحد کی دوسری تقسیم

خبر واحد تعداد رواۃ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے : ۱۔ مشہور ۲۔ عزیز ۳۔ غریب ۔

خبر مشہور وہ ہوتی ہے کہ تین اور تین سے زیادہ راوی اس کو بیان کریں، مگر حد تواتر تک نہ پہنچے، اگر کسی طبقہ میں راویوں کی تعداد دو تک گر جائے تو پھر وہ حدیث عزیز کہلاتی ہے، کہ ایک نے دوسرے کو کچھ مضبوط، قوی اور عزیز بنادیا اور اگر کسی طبقہ میں راویوں کی تعداد ایک تک نیچے آگئی تو پھر حدیث غریب کہلاتی ہے، یعنی اوپرا، ناآشنا کہ اکیلا ہے کوئی اس کو نہیں جانتا۔ اب اگر پوری سند میں ایک ایک راوی ہے، تو یہ غریب مطلق اور فرد مطلق ہے اور اگر صرف ایک جگہ ایک راوی ہے، باقی سند میں ایک سے زیادہ ہیں تو اس کو غریب نسبی اور فرد نسبی کہتے ہیں۔ حدیث میں اقلیت حاکم ہوتی ہے اکثریت پر یعنی حکم جانب قلیل پر لگتا ہے، کثیر پر نہیں۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم

خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ اقسام پر ہے۔

۱۔ صحیح لذاتہ ۲۔ صحیح لغیرہ ۳۔ حسن لذاتہ ٤۔ حسن لغیرہ ٥۔ ضعیف ٦۔ موضوع ۷۔ متروک ۸۔ شاذ ۹۔ محفوظ ۱۰۔ منکر ۱۱۔ معروف ۱۲۔ معلل ۱۳۔ مضطرب ۱٤۔ مقلوب ۱٥۔ مصحف ۱٦۔ مدرج

صحیح لذاتہ : وہ ہے جس کے تمام راوی کامل الضبط، عادل ہوں، اس کی سند متصل ہو اور علت وشذوذ سے محفوظ ہو۔ اگر راوی کے صرف ضبط میں نقص آگیا ہو، باقی صفات مکمل ہوں، لیکن اس نقصان کو تعدد طرق نے پورا کیا ہو، تو یہ صحیح لغیرہ ہے۔

حسن لذاتہ : وہ ہے کہ جس میں ضبط راوی میں نقصان آگیا ہو، باقی صفات صحیح کی موجود ہوں، صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ ایک ہی چیز ہے، صحیح لغیرہ کو صرف تعدد طرق نے بلند کر دیا ہے۔

ضعیف : وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی اعلیٰ صفات نہ ہوں۔

حسن لغیرہ : بعینہ ضعیف ہے لیکن تعدد طرق یا قبولیت کے کسی قرینے نے اس کو بلند کیا ہو۔ صحیح لغیرہ اور حسن لغیرہ کے مختصر تعریف یوں ہے کہ صحیح لغیرہ بعینہ حسن لذاتہ ہے صرف تعدد طرق نے اس کو صحیح لغیرہ بنادیا اور حسن لغیرہ بعینہ ضعیف ہے صرف تعدد طرق نے اس کو حسن لغیرہ بنادیا ہے۔

یاد رہے کہ صفات قبولیت چار ہیں : عدالت، ضبط، اتصال سند، علت وشذوذ سے خالی ہونا۔

عدالت اس ملکہ کا نام ہے جو انسان کو ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے بچائے۔ ضبط واتقان یا حفظ دو طرح پر ہوتا ہے۔ اول حفظ وضبط بالصدر کہ جس سے جس طرح سنا ہے، ادائیگی حدیث کے وقت تک اسی طرح محفوظ ہے۔ دوم حفظ بالکتابۃ کہ لکھنے سے

ایسا محفوظ کرلیا جائے کہ وقت ادائیگی تک کسی دخل اندازی کا خطرہ نہ رہے۔

موضوع : وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی میں عمداً جھوٹ بولنے کا طعن ثابت ہوجائے، اس شخص کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہوجاتی ہیں، خواہ یہ توبہ کیوں نہ کرلے، ایسے راوی کو وضاع، روایت کو موضوع اور اس عمل کو وضع کہتے ہیں۔

متروک : وہ حدیث ہے جس کے راوی پر کذب کی تہمت ہو، یا وہ روایت قواعد شرعیہ کے خلاف ہو۔

شاذ : وہ ہے جس کا راوی خود ثقہ ہے، لیکن وہ اوثق کے خلاف بیان کرتا ہے، اس کا مقابل محفوظ ہے۔

منکر : وہ حدیث ہے کہ ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرتا ہے، اس کا مقابل معروف ہے۔

معلل : وہ ہے کہ جس میں علتِ قادحہ خفیہ ہو، یہ عیب ماہرین حدیث معلوم کرسکتے ہیں۔

مضطرب : وہ حدیث ہے جس کے متن یا سند میں ایسا اختلاف ہو کہ جس میں تطبیق دینا مشکل ہو۔

مقلوب : وہ حدیث ہے جس کے متن یا سند میں بھولے سے تقدیم وتاخیر ہوئی ہو۔

مصحف : وہ روایت ہے جس کے نقطوں میں یا حرکات سکنات میں تغیر آگیا ہو، اگرچہ صورت خطی بحال ہو۔

مدرج : وہ ہے جس میں کہیں پر راوی نے اپنا کلام داخل کیا ہو۔

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے :

۱۔ متصل ۲۔مسند ۳۔منقطع ٤۔معلق ۵۔معضل ٦۔مرسل ۷۔مدلس

متصل : وہ حدیث ہے کہ اس کی سند میں مکمل راوی مذکور ہوں۔

مسند : وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

منقطع : وہ حدیث ہوتی ہے کہ جس کی سند متصل نہ ہو، بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی گرا ہو۔

معلق : وہ ہے جس کے شروع سے راوی گرا ہو۔ (امام بخاری نے اپنی کتاب میں تعلیقات سے بہت کام لیا ہے)

معضل : وہ روایت ہے جس میں درمیان سند سے مسلسل دو یا زیادہ راوی گرے ہوں۔

مرسل : وہ ہے جس کے آخر سے راوی گرا ہو۔

مدلس : وہ روایت ہے جس میں راوی اپنے استاد کے نام کو چھپا کر روایت کی نسبت کسی اور شیخ کی طرف کرتا ہے۔ یہ عمل تدلیس ہے روایت مدلس (فتح اللام) ہے اور یہ عمل کرنے والا مدلس (بکسر اللام) ہے۔

خبر واحد کی پانچویں تقسیم

صیغہ اداء کے اعتبار سے خبر واحد دو قسم پر ہے۔ ا۔معنعن ۲۔مسلسل

معنعن: وہ حدیث ہے جس میں راوی عن فلان عن فلان کا لفظ استعمال کرتا ہو۔

مسلسل: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے ایک طرز پر صیغے استعمال کئے ہوں جیسے پوری سند ''سمعت فلانا قال سمعت فلانا'' یا ''حدثنا فلان قال حدثنا فلان'' یہ مسلسل بالقول ہے اور دوسرا مسلسل بالفعل ہوتا ہے۔یعنی مسلسل بالتشبیك کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا ہاتھ پکڑا پھر راوی نے بھی ایسا ہی کیا، کبھی مسلسل بتحریك الشفتین ہوتا ہے اور کبھی مسلسل بالمصافحہ ہوتا ہے۔

اقسام کتب الحدیث

تکمیل فائدہ کی غرض سے اقسام کتب حدیث سے متعلق پہلے یہ شعر یاد رکھ لیں:

جامع و مسانید و معاجم بنگر   رسائل، سنن، اجزاء، واربعین بفکر

یعنی جامع، مسند، معجم، رسائل، اجزاء اور اربعین سات قسم کی کتب حدیث کو سوچ کر دیکھو۔

ا۔جامع: وہ کتاب ہے جس میں آٹھ اصناف علوم جمع ہوں، جس کو کسی نے اس شعر میں اکٹھا کیا ہے۔

سیر آداب و تفسیر و عقائد   فتن اشراط و احکام و مناقب

بخاری اور ترمذی جامع ہے کہ یہ سب علوم ان میں درج ہیں، مسلم میں تفسیر بہت کم ہے وہ جامع نہیں۔

۲۔ **مسند**: وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کے ناموں کی ترتیب یا رتبوں پر احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے مسند احمد اور مسند دارمی۔

۳۔ **معجم**: وہ کتاب ہے جس میں ناموں کے حروف کی ترتیب یا رتبوں کی ترتیب سے اپنے شیوخ کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔جیسے معجم طبرانی، معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط وغیرہ۔

۴۔ **سنن**: وہ کتب ہیں جس میں احکام کی احادیث فقہ کے ابواب کی ترتیب پر ہوں، جیسے سنن ترمذی وغیرہ۔

۵۔ **جزء**: وہ ہے جو ایک ہی شیخ کی مرویات پر مشتمل ہو یا ایک ہی موضوع سے وابستہ ہو جیسے جزء رفع الیدین للبخاری۔

۶۔ **مستدرکات**: وہ کتب ہیں جس کے مؤلف نے کسی محدث کی کتاب کی احادیث کا استدراک کیا ہو، جو اس سے کسی وجہ سے رہ گئی ہوں اور ان کی شرائط کے مطابق ہوں جیسے مستدرك حاکم علی الصحیحین۔

۷۔ علل: ۸۔ شمائل: ۹۔ اربعینات:

مسالک محدثین

۱۔ امام بخاری ایک قول میں شافعی ایک میں حنبلی ایک میں مجتہد تھے، آخر قول راجح ہے۔
۲۔ امام مسلم مقلد محض نہیں تھے البتہ شوافع کی طرف مائل تھے، بعض نے مالکی کہا ہے۔
۳۔ امام ابوداؤد حنبلی مسلک سے وابستہ تھے۔ ۴۔ امام ترمذی کو بعض نے شافعی بتایا ہے۔
۵۔ امام ابن ماجہ شافعی یا حنبلی یا آزاد مائل باہل حجاز تھے۔ ۶۔ امام نسائی عام خیال ہے کہ شافعی تھے۔
۷۔ امام طحاوی پہلے شافعی تھے پھر پکے حنفی بن گئے۔

حجیّت حدیث

منکرین حدیث کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کو جڑ سے اکھیڑ کر ختم کیا جائے اور اس پر کسی کا اعتماد و بھروسہ باقی نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے احادیث کے انکار کا فتنہ کھڑا کر دیا، کیونکہ احادیث کے بغیر قرآن عظیم خود بخود معطل ہو کر رہ جاتا ہے یہ لوگ قرآن کریم کی آڑ میں پورے دین کو یکسر ختم کرنے کی سازش میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ علمائے کرام قرآن وحدیث سے حجیت حدیث کو ثابت و مستحکم کریں اور پھر منکرین حدیث کے شبہات کا سنجیدگی سے جائزہ لے لیں چنانچہ یہاں بھی حجیت حدیث پر مختصر کلام ملاحظہ ہو:

قرآن عظیم کی متعدد آیتوں سے حدیث کا حجت ہونا اور اسکا واجب العمل ہونا ثابت اور مسلم ہے علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "احادیث کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا"۔ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ "قرآن کریم احادیث کی تائید و توثیق کے لئے اترا ہے اور قرآن پر ایمان نہیں لایا جاسکتا، جب تک کہ احادیث پر ایمان نہ ہو" فرمایا کہ آیت ﴿انك علی صراط مستقیم﴾ اسی تائید میں آئی ہے ﴿انك علی الحق المبین﴾ اسی توثیق کا حصہ ہے ﴿وارسلناك للناس رسولا﴾ وغیرہ آیات اس کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہیں۔

دلائل

۱۔ ﴿وَاَنزَلنَا اِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيهِم وَلَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ﴾ (نحل : ٤٤)
اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی آیتوں کا مبین یعنی بیان کرنے والا کہا گیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں گے وہ احادیث ہیں۔

۲۔ ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُم عَنهُ فَانتَهُوا﴾ (حشر : ۷)
اس آیت میں ہر اس چیز کو واجب العمل اور واجب الاخذ قرار دیا گیا، جو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے بیان کی، اور جس سے

روکا ہے وہ واجب الاحتراز قرار دی اور یہ سب احادیث کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

۳۔ ﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (نور: ٦٣)

اس آیت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کو واجب الاطاعت قرار دیا گیا ہے اور مخالفت پر وعید کا بیان ہے، تو امر رسول یہی احادیث ہیں۔

٤۔ ﴿ویحل لَهُمُ الطَّیِّبَاتُ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (اعراف: ١٥٧)

اس آیت میں احادیث کے وسیع فیصلوں کا ذکر ہے۔

٥۔ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ﴾ (نساء: ١٥)

اس آیت میں ''بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ'' نے احادیث کے ذخیرہ کو بیان کیا ہے۔

٦۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ﴾ (قیامة: ١٩)

اس بیان سے مراد احادیث ہیں، کیونکہ قرآن کا بیان اگر قرآن ہی سے مراد لیا جائے، تو پھر ہر نئی آنے والی آیت کا بیان ایک اور آیت سے ہوگا، جس سے تسلسل لازم آئے گا۔

۷۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (نساء ٦٤)

اس آیت میں اطاعت رسول کا مطلب ان کی احادیث اور فرامین مبارکہ کی اطاعت ہے۔

۸۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران: ١٦٣)

اس آیت میں تعلیم کتاب کا ذکر ہے اور یہ بغیر احادیث کے ممکن ہی نہیں، اسی طرح تزکیۂ نفوس بغیر احادیث کے کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز ''الحکمة'' دانائی کی باتوں کی تعلیم خود احادیث ہیں۔

۹۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (نساء: ٦٥)

اس آیت میں تحکیم، حکم دینا، فیصلہ سنانا بغیر احادیث کے کیسے ممکن ہے؟ ''مما قضیت'' کا کلمہ بتا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنایا ہوا فیصلہ ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ فیصلہ اور یہ جھگڑے کا نمٹانا سب احادیث ہی ہیں تو لہٰذا قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کا ماننا خود قرآن کا حکم ہے، اب اگر کوئی آدمی انکار کرتا ہے تو وہ خود گمراہ ہونا چاہتا ہے تو گمراہ ہوتا پھرے۔

در فیضِ محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے ۔۔۔ نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضانِ گناہ کو دو خبر فیضِ محمد کی ۔۔۔ بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات

۱۔ پہلا شبہ

یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھے، بعد میں تبدیلی آگئی۔

جواب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لوگوں کے لئے خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد احکامات کی تبدیلی کا عقیدہ نبوت کا انکار ہے، اس نظریہ سے تو یہود ونصاریٰ کی طرح دین اسلام مسخ ہو جائے گا۔

۲۔ دوسرا شبہ

یہ ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے احادیث کی ضرورت نہیں، کیونکہ ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر﴾ نے سب کو آسان کر دیا۔

جواب : یہاں ذکر سے نصائح اور واقعات سابقہ ولاحقہ مراد ہیں، شرعی احکام اور دقیق تحقیقات کو ''یسر'' نہیں کہا، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل لسان تھے، نزول قرآن کے عینی گواہ تھے، وہ کئی مسائل اور کئی مطالب خود نہ سمجھ سکے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لحہ بہ لحہ رجوع فرماتے تھے، تو آج اس جہالت مرکبہ کے دور میں کون خود سمجھ سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کیا تعداد رکعات اور اوقات نماز اور اس کی کیفیات تم بغیر احادیث کے سمجھ سکتے ہو؟ زکوٰۃ کی مقدار اس کے انواع واقسام اور نصاب کی تکمیل کے اوقات تم قرآن سے پیش کر سکتے ہو؟ حج کے اعمال وافعال اور اوقات ومقامات کا تعین تم قرآن سے بتا سکتے ہو؟ یہ تو سراسر باطل نظریہ ہے اور دین کا انکار ہے۔ دین اسلام کے تمام احکام ان کی ہیئات وکیفیات اور ترتیب وتفصیلات کے ساتھ صرف قرآن سے کون سمجھ سکتا ہے؟ بلی حرام ہے، شیر حرام ہے، گدھا حرام ہے، بھیڑیا حرام ہے، ریچھ حرام ہے، گدھ حرام ہے، اور کبوتر حلال ہے، مرغی حلال ہے، ہرن حلال ہے۔ یہ تفصیلات قرآن میں کہاں ہیں؟ چلو پھر یہ بتاؤ کہ تمہارا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک ساتھ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ نیز یہ بتاؤ یہ قرآن حجت ہے، اللہ کا کلام ہے، اس پر عمل کرو، یہ کس نے بتایا؟ آخر کسی حدیث اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے اس کی خبر ہوئی پھر احادیث کا انکار کیسے؟

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اسی لئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ''الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب'' یعنی کتاب اللہ اپنے سمجھنے میں سنت وحدیث کی طرف زیادہ محتاج ہے، بنسبت سنت کے، کتاب اللہ کی طرف، امام مکحول رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

۳۔ تیسرا شبہ

یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

لاتکتبوا عنی (شیئاسوی القرآن) ومن کتب عنی غیرالقرآن فلیمحہ ۔ (رواہ مسلم ج۲ ص ٤١٤)

جواب : اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں عارضی طور پر منع فرمایا تھا، تا کہ قرآن وحدیث میں اختلاط والتباس نہ آئے، نیز احادیث بطون اوراق کی بجائے صدور رجال میں محفوظ ہو جائیں، جب صحابہ کرام نے قرآن وحدیث میں فصاحت وبلاغت اور طرز بیان میں خوب امتیاز پیدا کرلیا اور اختلاط والتباس کا خوف نہ رہا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کی اجازت دیدی اور یہ عارضی ممانعت ختم ہوگئی۔

دوسرا جواب : یہ ہے کہ تمام صحیح احادیث کے مقابلے میں اس حدیث کو چھوڑنا پڑے گا، یہ روایت اجازت کتابت کی تمام روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی، بلکہ اس حدیث کامحمل وہی عارضی ممانعت تھی جو ختم ہوگئی۔

تیسرا جواب : علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ لکھنے کی یہ ممانعت قرآن وحدیث کو ایک ہی صحیفہ اور ایک ہی جگہ لکھنے کی تھی، الگ الگ نہیں۔ (فتح الباری ج۱ص ۱۸۵)

۴۔ چوتھا شبہ

یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں صرف قرآن حجت ہے، کیونکہ احادیث تابعین کے دور میں لکھی گئی ہیں، اتنے طویل عرصہ تک اس کی حفاظت کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب : یہ دعویٰ غلط ہے کہ کتابت حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی، بلکہ عہد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کے کئی نوشتے اور کئی صحیفے موجود تھے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھے گئے تھے، ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ

انہوں نے احادیث نبویہ پر ایک جامع صحیفہ لکھا، جس کا نام آپ نے ''الصادقة'' رکھا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی نے نقل نہیں کیں، سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو کچھ سنتا وہ لکھتا تھا، مجھ سے ایک دفعہ قریش نے کہا کہ تم جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو وہ لکھ دیتے ہو، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، کبھی غضب میں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، میں ان کے کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور پھر میں نے اس کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ ''لکھو اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا''۔ (جواہر الاصول فی مصطلح احادیث الرسول ص ۶۰ ومسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس صحیفہ سے متعلق محبت کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔

مَا يُرَغِّبُنِي فِي الْحَيٰوةِ اِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ، اَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِيْفَةٌ كَتَبْتُهَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاَمَّا الْوَهْطُ فَاَرْضٌ تَصَدَّقَ بِهَا عَمْرُوبْنُ الْعَاصِ۔

''یعنی مجھے زندگی سے محبت دو وجہ سے ہے ایک صادقہ کی وجہ سے، دوسرا وہط کی وجہ سے، صادقہ تو آحادیث کا وہ مجموعہ ہے جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا تھا اور وہط وہ وقفی زمین ہے جو میرے باپ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وقف کر رکھی ہے (اس کی نگرانی سے مجھے خوشی ہوتی ہے)۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ :

بخاری شریف کتاب العلم میں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ حضرات کے پاس کوئی (خصوصی) کتاب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ اور کسی مسلمان کو عطا شدہ فہم اور جو اس صحیفے میں ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا کہ دیت کے احکام ہیں، قیدیوں کی رہائی کے مسائل ہیں اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا صحیفہ

سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۱ میں ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل درج تھے، آپ نے یہ مکتوب عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ پر ارسال فرمایا تھا اور انہوں نے اہل یمن کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا تھا، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا تھا، جبکہ ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔

۴۔ صحیفۂ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات سے متعلق ایک تحریر لکھوائی تھی، مگر ابھی اسے گورنروں کے نام روانہ نہیں کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے استفادہ کیا، آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے خوب استفادہ کیا، یہاں تک کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا اور وہ نوشتہ محفوظ رہا۔

۵۔ صحیفۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حافظ ابو عمرو ''جامع بیان العلم'' ج ۱ ص ۷۲ میں متصل سند کے ساتھ حضرت معن سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے ایک نوشتہ دکھایا اور حلفیہ بیان کیا، کہ یہ نوشتہ میرے والد عبداللہ بن مسعودؓ کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔

۶۔ صحیفۂ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حافظ ابن عبدالبر نے بیان العلم میں ابن وہب اور حسن بن عمرو کے طریقے سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا، میں نے کہا کہ حضرت آپ ہی سے تو میں نے وہ حدیث سنی تھی، فرمایا اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس تحریری شکل میں ضرور موجود ہوگی۔ چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ کر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھے احادیث نبویہ کے بہت سارے نوشتے دکھائے اور وہ حدیث بھی مل گئی۔

۷۔ صحیفۂ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سن لیتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں لکھ لیا کرو۔ (تدریب الراوی ص۲۷۶)

۸۔ صحیفۂ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی احادیث مقدسہ کا ایک نوشتہ تھا، جس میں احادیث مرقوم تھیں، اس کا تذکرہ امام بخاری نے تاریخ کبیر ج۴ ص۱۸۶ پر کیا ہے، ترمذی میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

۹۔ صحیفۂ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس میں بہت سی احادیث درج تھیں، اس صحیفہ کا تذکرہ ابوداؤد شریف کی احادیث تشہد میں آیا ہے۔

۱۰۔ صحیفۂ ابوشاہ یمنی

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کا تذکرہ ہے۔ اس بیان کے آخر میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یمن سے ایک آدمی آیا تھا، جس کا نام ابوشاہ تھا، انہوں نے کہا یارسول اللہ! یہ خطبہ مجھ لکھ کر دے دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ''اکتبوا لابی شاہ ''یعنی ابوشاہ کے لئے خطبہ کے یہ مسائل لکھ دو۔

۱۱۔عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نوشتے

مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد لکھنے میں مشغول تھے، کہ اتنے میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ ان دوشہروں میں سے پہلے کونسا فتح ہوگا قسطنطنیہ یا روم؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ہرقل کا شہر۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حدیث لکھنے کے لئے ایک فرد نہیں، بلکہ ایک جماعت بیٹھا کرتی تھی۔اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مجموعہ احادیث لکھا ہوا تھا۔کنز العمال میں ایک روایت ہے''اکتب ولا حرج'' حدیث لکھو کوئی حرج نہیں۔مجمع الزوائد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! میں بہت زیادہ بھولتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''استعن بیمینك''یعنی دائیں ہاتھ سے لکھ کر اپنی مدد کرو۔

یہ تمام واقعات وروایات اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں کتابت حدیث تھی،البتہ قرآن کریم کے ساتھ ملا کر ایک جگہ لکھنے کی ممانعت وقتی تھی۔صحابہ کے دور سے متصل خیرالقرون کے دور میں تابعین نے احادیث کے ذخیرے مختلف بلاد میں جمع کردیئے۔چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ میں موطا مالک لکھ دی۔ابن جریج ؒ نے مکہ مکرمہ میں حدیث کا ذخیرہ لکھا،امام اوزاعی رحمہ اللہ نے شام کی سرزمین پر احادیث کا ذخیرہ لکھ ڈالا۔حماد بن سلمہؒ نے بصرہ میں علم حدیث میں تصنیف لکھ دی۔معمر نے یمن میں کتاب لکھ دی اور سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کوفہ میں ایک تصنیف تیار کی۔امام بخاریؒ نے بخارا میں،امام مسلم رحمہ اللہ نے نیشاپور میں،امام ترمذی رحمہ اللہ نے ازبکستان میں،امام ابوداؤدؒ نے سجستان میں اور دیگر محدثین نے اپنے اپنے بلاد میں احادیث کے ڈھیر لگادیئے۔ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مغازی پر کام کیا۔ہشیم نے واسط میں احادیث لکھنے کا کام کیا۔لیث اور ابن لہیعہ نے مصر میں کتابیں لکھ دیں۔پھر عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کتاب لکھ دی اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب لکھ دی۔اس طرح علم الحدیث کا ایک خزانہ اکٹھا ہوگیا۔کتابت حدیث کے اس اہتمام وانتظام کے بعد بھی جو شخص شک وشبہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت احادیث سے قلبی نفرت رکھتا ہے اور قلبی عداوت کا کون علاج کرسکتا ہے یہ سچ ہے:

فَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِى الْمَسَاوِيَا

فقہاء کرام کا مقام

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی آخری کتاب قرآن کریم اپنے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس کتاب محکم کی حفاظت کی ذمہ داری علماء امت پر نہیں ڈالی، بلکہ حفاظت کی یہ ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لی۔اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے محکم ومحفوظ اور غیر محرف،غیر منسوخ بنادیا،قواعد اسلامیہ اور شرائع دینیہ کے ثبوت کے لئے اس کتاب کی حیثیت

''متن'' کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ کی حیثیت اس کی شرح کی ہے۔

ان دونوں سے مستنبط و مستخرج اسلامی فقہ ان دونوں کے لئے دفعات اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے، علم وفہم اور معرفت وفراست کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو جس طرح متنِ قرآن کے لئے شرح احادیث کی ضرورت ہے، اسی طرح ان دونوں کے دقیق ارشادات اور گہرے اشارات سے استفادہ کے لئے فقہ اسلامی کی واضح دفعات کی بھی ضرورت ہے۔

اگر قرآن عظیم کے ''متن'' سے احادیث کی شرح کو الگ کیا گیا، تو یہ قانون بلا دستور و دفعات رہ جائیگا، پھر ہر خواہش پرست اس متن وشرح سے اپنی مرضی کے مطابق دفعات بنانے کی کوشش کریگا اور خواہش نفس کی تاریکیوں میں غوطے کھاتا پھریگا۔

مثلاً قرآن وحدیث میں بڑے پیمانے پر اوامر ونواہی موجود ہیں، اب ہر امر اور ہر نہی کو اس کے اپنے اپنے مقام پر رکھ کر عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے پیش کرنا کتنا مشکل کام ہے، مثلاً ایک ہی صیغہ امر کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم دیتا ہے، وہ فرض ہوجاتا ہے اور اسی طرح صیغۂ امر کے ساتھ دوسرا حکم دیتا ہے تو وہ مباح یا مستحب یا سنت اور واجب سمجھا جاتا ہے مثلاً ﴿اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ﴾ بھی امر ہے، مسلمان اس حکم کو فرض سمجھتے ہیں اور ﴿واذا حللتم فاصطادوا﴾ میں ''فاصطادوا'' کے امر کو نہ فرض سمجھتے ہیں اور نہ واجب سمجھتے ہیں، یہی صورت حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بھی ہے، اب امر اور نہی کی اس حیثیت کا تعین آخر کس نے کیا ہے، یا کون کریگا؟ مجبوری کا یہی وہ مقام ہے جس نے امت کے علماء کرام اور عوام کو ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجبور کر دیا ہے۔

اسی طرح احادیث مقدسہ کے ارشادات کو لیجئے کہ بعض دفعہ ایک ہی مسئلہ سے متعلق مختلف اور متضاد چند ارشادات سامنے آتے ہیں، ان ارشادات کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے اور تطبیق دینے کا کام آخر کس نے کیا یا کون کریگا؟ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں نشر اور ابلاغ کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے، اس وقت مثلاً کسی صحابی نے ایک حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن لیا اور جا کر کسی صحراء اور دیہات یا دور دراز کسی علاقہ میں بیٹھ کر سالہا سال تک اس پر عمل کرتا رہا، پیچھے وہ حکم یا منسوخ ہوگیا یا اس میں نئی وحی کے ذریعہ سے کچھ تبدیلی آگئی، مگر وہ صحابی اس پر عمل کرتے رہے، بعد میں جب ذرائع ابلاغ نے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا اور تمام احادیث ایک جگہ جمع ہوگئیں تو اس میں ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ کھڑا ہوگیا تقدیم حکم اور تاخیر حکم کا قضیہ پیدا ہوگیا، حکم کی تخصیص وتعمیم اور خصوصیات وعمومات کا مسئلہ پیش آگیا۔ آخر اس کا حل کیا ہوگا اور اس مشکل کو کون حل کریگا؟ یہاں بھی مجبوری کا وہ مقام پیدا ہوگیا جس نے علماء کرام کو تقلید پر مجبور کر دیا۔ الحمد للہ! اساطین امت اور مجتہدین ملت نے امت کو اس مشکل سے نکالا، دن رات کی محنتوں سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے اور اس کی خصوصی نصرت ومدد سے، انہوں نے امت کی اس مشکل کو حل کر دیا اور عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے شریعت کے شاہراہ اعظم کے ہر خطرناک موڑ پر تنبیہ کے لئے واضح کتبہ آویزاں کر دیا تاکہ کوئی بھی گزرنے والا ہر خطرہ سے محفوظ رہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر اہل علم

نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ''ان لامذهبية قنطرة الالحاد ''یعنی عدم تقلید گمراہی کی طرف جانے کے لئے پل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مجتہدین کو فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور ان کو احادیث مقدسہ کا سب سے زیادہ سمجھنے والا بنایا تھا، وہ احادیث کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے اور پرکھنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔ امام ترمذی کسی حدیث کے مطلب کو اس وقت تک بیان نہیں فرماتے، جب تک اس پر فقہاء کرام کے سمجھنے سمجھانے اور عملی فیصلہ کی مہر نہیں لگ جاتی، ترمذی میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں۔

و كذالك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانى الحديث ۔ (ترمذی، جلداول ۱۹۳)

ترجمہ: یعنی فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حدیث کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔

مشہور محدث اور مشہور امام جرح وتعدیل حضرت اعمش رحمہ اللہ کھلے الفاظ میں فقہاء کرام کو صرف بزرگی کے اعتبار سے نہیں بلکہ علمی مقام اور امت کے لئے اتھارٹی کی حیثیت سے ان شاندار الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

"ایھاالفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة" (فضائل ابی حنیفہ ۱۰۲ء)

اے امت کے مجتہدین فقہاء کرام! تم امت کے طبیب ہو اور ہم تو صرف جڑی بوٹیاں رکھنے والے پنساری ہیں۔

یعنی ہم صرف احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں اور ان احادیث پر عمل کرنے کے لئے نسخے تم تیار کرتے ہو۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہاء کرام احادیث کو نہیں سمجھتے تھے، یہ ان لوگوں کی بہت بڑی غلطی ہے، فقہ تو خود احادیث سے مستنبط قواعد وضوابط کا نام ہے، پہلے حدیث دل ودماغ میں آتی ہے، پھر فقہ آتی ہے بعض لوگ خوش ہوجاتے ہیں کہ ہم حدیث کی طرف منسوب ہیں لہٰذا ہم اہل حدیث ہیں اور ہمارے سوا سب نااہل حدیث ہیں، حالانکہ خیر القرون کے دور کے بعد جب یہ طبقہ پیدا ہوا تو ان کا تعارف تمام کتابوں میں اہل ظواہر سے کیا گیا، اہل حدیث کا لفظ تو برصغیر پر انگریز کے قبضہ کے بعد ایک سمجھوتہ کے تحت ایک طبقہ کے لئے متعارف ہوا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نام کی کتاب میں سب تاریخی حقائق موجود ہیں، جو نہ جھٹلائے جاسکتے ہیں اور نہ چھپائے جاسکتے ہیں کیونکہ وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

ترمذی شریف میں امام ترمذی اہل حدیث سے محدثین کی جماعت مراد لیتے ہیں، جن میں مجتہدین فقہاء بھی ہیں اور عام محدثین بھی ہیں کسی خاص طبقہ کا نام مراد نہیں ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علی بن مدینی رحمہ اللہ کو اہل حدیث کے نام سے یوں یاد کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن زيد بن اسلم ضعيف فى الحديث ضعفه احمدبن حنبل وعلى بن المدينى وغيرهمامن اهل الحديث ۔ (ترمذی جلد اول ۱۳۸)

بہرحال کوئی شخص اہل حدیث ہوجاتا ہے، یا سلفی بنتا ہے یا غرباء اہل حدیث میں رہتا ہے، یا مقلد بنا رہتا ہے، یا غیر مقلد

ہو جاتا ہے، وہ اپنے لئے اپنا راستہ خود متعین کرتا ہے اور وہ اپنے مستقبل کی نجات اور کامیابی یا ناکامی کا بہتر سوچ سکتا ہے، اس میں کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن عرض اتنا کرنا ہے کہ کم از کم اس اختلاف رائے کو خود میں شرعی حدود اور اسلامی سرحدیں پامال تو نہ کریں اور امت کے مقتداء اور اکابر فقہاء کو تنقید کا نشانہ تو نہ بنائیں، تعجب اور افسوس تو اس پر ہے کہ ایک عام آزاد خیال آدمی اٹھتا ہے اور تقلید کرنے یا نہ کرنے کی آڑ میں بلا روک ٹوک فقہاء کرام اور مجتہدین اسلام بلکہ صحابہ کرام تک کو تنقید و تغلیط کا نشانہ بناتا ہے ائمہ اربعہ کے استنباطی اجتہاد کو دین اسلام سے الگ دین قرار دیتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح کی ترویج کے فیصلے کو بدعت کہتا ہے، بیک وقت تین طلاق واقع ہونے کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دور کے عام صحابہ کے اجماعی فیصلے کو مسترد کرتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جمعہ کی اذان میں ایک اور اذان دینے کے اجماعی فیصلہ کو ان حضرات کی غلطی قرار دیتا ہے تقلید کو شرک کہہ کر بڑے بڑے علماء اور فقہاء کو گمراہ قرار دیتا ہے مسجد نبوی میں بیٹھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ''لَا نُقَلِّدُ اَحَدًا وَلَوْ بِاَبِیْ بَکْرٍ'' ہم کسی کی تقلید نہیں کریں گے خواہ ابوبکر ہی کیوں نہ ہو، اگر یہ حضرات ان بے جا تجاوزات سے باز آجائیں تو محض علمی اختلاف تو ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور اس کو برداشت کیا جاتا رہا ہے۔

آخر ذاتی تنقید اور ذاتی برائی کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ ہاں برائی کرنے والا گناہ گار ہوگا اور دونوں جہانوں میں شرمسار ہوگا خصوصاً ایسے اولیاء صوفیا اور فقہاء پر تنقید کرنا جو کئی صدیاں قبل ان شاء اللہ جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں۔

چوں بشنوی سخنِ اہل دِل مگو کہ خطا است　　　　سخن شناس نۂ دلبرا خطا این جاست

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ میں بڑے علماء کو علم میں مرجع خلائق بنا کر مخلوق خدا کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے جو ایک قسم کی تقلید ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو علم کا منبع قرار دیکر فرمایا کہ جب تک یہ بحر ذخار تم میں موجود ہو، تم ہم سے مسئلہ نہ پوچھو ''لا تسئلونا و هذا الحبر فيكم''۔ (ابوداؤد جلد ا ص ۲۸۱)

یہ بھی تقلید کا حصہ ہے کہ سب سے بڑے عالم ہی کی طرف رجوع کیا کرو اور یہ فیصلہ صحابی کا ہے۔

فہم وعرفان کے درجہ اجتہاد و استنباط کا اظہار جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور کہا کہ ''اجتهد برأى'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال پوچھنے والوں کے جواب میں واضح اعلان فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فہم اور ایک صحیفے کے سوا کچھ نہیں اور نہ کوئی خصوصی حکم ہے، سوچنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ عطا شدہ فہم جس کا ذکر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا، استنباط واجتہاد کے علاوہ آخر کیا چیز تھی؟ علامہ باقلانی رحمہ اللہ نے اعجاز القرآن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کیا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں سے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی واضح حکم نہیں ملتا ہے تو پھر عقل وفہم سے مدد لو، یہ سب کچھ اشارات اس مرحلہ کے جواز اور ثبوت کی طرف ہیں، جو اجتہاد ومجتہدین کے ساتھ خاص ہیں اور وہی حضرات استنباط واجتہاد میں مرجع خلائق بن گئے ہیں اور ''فاعتبروا یااولی الابصار'' آیت ان حضرات کی بھرپور تائید کرتی ہے۔

الغرض پوری امت اور چوٹی کے علماء وفقہاء کسی اندھے اور تاریک کنوئیں میں نہیں گرے ہیں وبلکہ اجتہاد وتقلید کا یہ سلسلہ مستند طور پر قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم اور امام غزالی ومزنی اور ابن قدامہ وزفر اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے علم کے پہاڑوں اور دین اسلام کے ستونوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام

امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔ (فضائل ابی حنیفہ ص ۳۸)

جس دن آپ کا انتقال ہوا اسی دن امام شافعی رحمہ اللہ پیدا ہوئے ہیں اور جس دن امام شافعیؒ کا انتقال ہوا اسی دن امام مسلم پیدا ہوئے، امام ابوحنیفہؒ فقہاء اربعہ میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے ہیں اور علم کے اعتبار سے بھی سب سے بڑے ہیں امام مالکؒ کی پیدائش ۹۵ھ میں ہوئی جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں رجب کے مہینہ میں بغداد میں ہوئی اور مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی ہے اور علمی تبادلہ بھی ہوا ہے، آپ کا پورا نام نعمان بن ثابت ہے آپ اصلاً افغانستان کے ہیں آباء واجداد نے عراق کی طرف ہجرت کی آپ کوفہ میں پیدا ہوئے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد دونوں امام شافعیؒ کے استاد ہیں اور امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نے ہدایہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ کا امام شافعیؒ کی والدہ سے نکاح ہوا تھا جب وہ بیوہ ہوگئی تھیں (مقدمہ الہدایہ) اس طرح ہر لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ امام اعظم کے لقب کے مستحق ہیں، چنانچہ امام مزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ''الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه''۔ (فضائل ابی حنیفہ ص ۸۷)

امام ابوحنیفہ کی زندگی ایسی عبادت میں گذری ہے، جس کا انسان تصور کر کے حیران رہ جاتا ہے، اسی طرح آپ کا علمی مقام اتنا اونچا ہے کہ سوچنے والا سوچ کر حیران رہ جاتا ہے، لیکن جس طرح دنیا میں انسانوں کا دستور ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کی زبانوں سے محفوظ نہیں رہتا، بلکہ لوگوں کی زبانوں سے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی شان میں بھی گستاخی ہوتی رہی ہے

ایک ستم رسیدہ شاعر کہتا ہے ۔

قِیۡلَ اِنَّ الۡاِلٰہَ ذُوۡ وَلَدٍ قِیۡلَ اِنَّ الرَّسُوۡلَ قَدۡ کَھَنَا

مَا نَجَی اللّٰہُ وَ الرَّسُوۡلُ مَعًا مِنۡ لِسَانِ الۡوَرٰی فَکَیۡفَ اَنَا

یعنی کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہے، تو کسی نے کہا کہ رسول غیب کی خبریں دیتا ہے۔

تو لوگوں کی زبان سے نہ اللہ تعالیٰ بچ گئے اور نہ رسول بچ گئے، لہٰذا میں کیسے بچ سکتا ہوں۔

اس ضابطہ کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بھی بڑی بے وفائی کی گئی، محدثین کرام امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے نام تو خوشی سے ادب کے ساتھ اپنی کتابوں میں روایت حوالہ سے یا سند و مسئلہ کے حوالہ سے نظر نہیں آئینگے چنانچہ وکیع بن جراحؒ نے بالکل بجا فرمایا:

عَنۡ اِسۡمَاعِیۡلَ بۡنَ مُجَاھِدٍ قَالَ سَمِعۡتُ وَکِیۡعَ بۡنَ الۡجَرَّاحِ یَقُوۡلُ سَمِعۡتُ مِسۡعَرَبۡنَ کِدَامٍ یَقُوۡلُ حَسَدَ اَھۡلُ السِّیَرِ النُّعۡمَانَ بۡنَ ثَابِتٍ ۔(فضائل ابی حنیفة لابن ابی العوام ،ص ٨٤)

یعنی اسماعیل بن مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع بن الجراح سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسعر بن کدام سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل تاریخ نے ابوحنیفہ کے ساتھ اس کے علم و فہم کی وجہ سے حسد کیا تو ان پر طعن کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی زندگی کا یہ پہلو آپ کی رفعت شان کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ جس درخت میں پھل زیادہ ہو اس پر پتھر زیادہ پڑتے ہیں۔ اور اشراف کے ساتھ یہ معاملہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، کہ ایک وقت اگر ان کے حق میں کمزور بات کہی گئی ہے، تو دوسرے وقت میں عمدہ بات آگئی ہے شاعر نے خوب کہا۔

ھَجَوۡتُ زُھَیۡرًا ثُمَّ اِنِّی مَدَحۡتُہٗ وَلَازَالَتِ الۡاَشۡرَافُ تُھۡجٰی وَتُمۡدَحُ

تو لیجئے! امام ابوحنیفہؒ کی عالی شان میں امت کے اکابر علماء اور اصحاب جرح و تعدیل کے ماہر معیاری محدثین نے کس طرح پیارے کلمات ارشاد فرمائے ہیں، صرف عربی عبارات ملاحظہ ہوں:

ثَنَاءُ الۡعُلَمَاءِ عَلٰی اَبِیۡ حَنِیۡفَةَ رَحۡمَةُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ

١۔ قَالَ مِسۡعَرُبۡنُ کِدَامٍ رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاحَنِیۡفَةَ اِنۡ کَانَ لَفَقِیۡھًا عَالِمًا ۔(فتح الملھم ص١٨٨)

٢۔ قَالَ الۡاَعۡمَشُ اُرَاہُ بُوۡرِکَ لَہٗ فِیۡ عِلۡمِہٖ وَلَمَّاخَرَجَ الۡاَعۡمَشُ لِلۡحَجِّ قَالَ لِعَلِیِّ بۡنِ مُسۡھِرٍ اِذۡھَبۡ اِلٰی اَبِیۡ حَنِیۡفَةَ حَتّٰی یَکۡتُبَ لَنَاالۡمَنَاسِکَ ۔(ص١٨٨)

۳۔ قَالَ ابْنُ دَاسَةَ سَمِعْتُ اَبَادَاوٗدَ يَقُوْلُ رَحِمَ اللّٰهُ مَالِكًا كَانَ "اِمَامًا" رَحِمَ اللّٰهُ الشَّافِعِيَّ كَانَ اِمَاماً رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاحَنِيْفَةَ كَانَ اِمَامًا ۔ (فتح الملهم، ج۱ ص۱۸۹)

٤۔ وَلَمَّا اُخْبِرَ بِمَوْتِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ لَقَدْ ذَهَبَ مَعَهٗ فِقْهُ اَهْلِ الْكُوْفَةِ ۔(ج۱ص۱۸۹)

٥۔ وَلَمَّا سُئِلَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ ثِقَةٌ مَاسَمِعْتُ اَحَدًا ضَعَّفَهٗ هٰذَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ يَكْتُبُ اِلَيْهِ اَنْ يُحَدِّثَ وَيَاْمُرُهٗ وَشُعْبَةُ شُعْبَةُ ۔(ج۱ص۱۸۹)

٦۔ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيْ ثِقَةٌ لَابَاْسَ بِهٖ ، كَمَافِيْ جَامِعِ بَيَانِ الْعِلْمِ لِاِبْنِ عَبْدِالْبَرِّ ۔ (فتح الملهم ج۱ص۱۸۹)

۷۔ وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ مَالِكٍ سَمِعْتُ اَبَايُوْسَفَ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيْ اَكْثَرُ مُتَابَعَةً لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنِّيْ۔(ج۱ص۱۸۹)

۸۔ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ كَانَ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ فَهِمًا عَالِمًا مُتَثَبِّتًا فِيْ عِلْمِهٖ اِذَاصَحَّ عِنْدَهُ الْخَبَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْدُ اِلٰى غَيْرِهٖ ۔(ج۱ص۱۸۹)

۹۔ وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ اَوَّلُ مَنْ اَقْعَدَنِيْ لِلْحَدِيْثِ بِالْكُوْفَةِ اَبُوْحَنِيْفَةَ اَقْعَدَنِيْ فِي الْجَامِعِ ۔(ج۱ص۱۸۹)

۱۰۔ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ عَرُوْبَةَ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ عَالِمَ الْعِرَاقِ ۔(ج۱ص۱۸۹)

۱۱۔ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ وَكَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِالْقَطَّانِ يَذْهَبُ فِي الْفَتْوٰى مَذْهَبَ الْكُوْفِيِّيْنَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَانُكَذِّبُ اللّٰهَ رُبَّمَا ذَهَبْنَا اِلَى الشَّيْءِ مِنْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقُلْنَا بِهٖ۔ (ج۱ص۱۸۹)

۱۲۔ قَالَ حُجْرُبْنُ عَبْدِالْجَبَّارِ قِيْلَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ اَنْتَ اِبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ تَرْضَى اَنْ تَكُوْنَ مِنْ غِلْمَانِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ؟ فَقَالَ مَاجَلَسَ النَّاسُ اَنْفَعَ مِنْ مُجَالَسَةِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔ (ج۱ص۱۹۰)

۱۳۔ وَقَالَ زُهَيْرُبْنُ مُعَاوِيَةَ لِرَجُلٍ اِنَّ ذِهَابَكَ اِلَى اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَوْمًا اَنْفَعُ لَكَ مِنْ مَجِيْئِكَ اِلَيَّ شَهْرًا۔(ج۱ص۱۹۰)

۱٤۔ قِيْلَ لِاِبْنِ جُرَيْجٍ مَاتَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَدْذَهَبَ مَعَهٗ عِلْمٌ كَثِيْرٌ ۔(ج۱ص۱۹۰)

۱٥۔ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْخٍ وَكَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ حَلِيْمًا وَرِعًا سَخِيًّا ۔(ج۱ص۱۹۰)

۱٦۔ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ مَارَئَيْتُ مِثْلَ وَكِيْعِ بْنِ الْجَرَّاحِ وَكَانَ يُفْتِيْ بِرَاْيِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔(ج۱ص۱۹۰)

۱۷۔ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَقَوْلُهٗ مُسَلَّمًا لَهٗ فِيْهِ وَقَالَ مَنْ اَرَادَالْفِقْهَ فَهُوَعِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔(ج۱ص۱۹۰)

۱۸۔ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ تُخَالِفُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ خَالَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرَمَنَا اللّٰهُ وَبِهٖ هَدَانَا وَبِهٖ اِسْتَنْقَذَنَا مِنَ النَّارِ۔(فضائل ابی حنیفة ص۱۸۳)

۱۹۔ قَالَ صَالِحُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَابِدُ حَسَدَتِ الْعَرَبُ اَبَاحَنِيفَةَ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ ۔(فضائل ابی حنیفۃ ص۴۳)

۲۰۔ قَالَ فَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ اَبُوحَنِيفَةَ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ اللِّحْيَةِ وَالثِّيَابِ(ص۴۵) ۔

۲۱۔قَالَ اَبُويُوسُفَ كَانَ اَبُوحَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِىْ كُلِّ لَيْلَةٍ فِىْ رَكْعَةٍ فِىْ وِتْرِهٖ ۔(ص۵۷)

۲۲۔ قَالَ اَبُوسِنَانٍ كُنَّانَخْتَلِفُ اِلَى عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ فَكَانَ اَبُوحَنِيفَةَ يُصَلِّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ بِطُهْرٍوَاحِدٍ۔ (ص۸۵)

۲۳۔ قَالَ اَحْمَدُبْنُ حَرْبِ النَّيْشَابُورِىُّ كَانَ اَبُوحَنِيفَةَ فِى الْفُقَهَاءِ كَالْخَلِيفَةِ فِى الْاُمَرَاءِ ۔(ص۸۵)

۲۴۔ قَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ عَجَزَتِ النِّسَاءُ اَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ النُّعْمَانِ ۔(ص۸۹)

۲۵۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ لَاتَقُوْلُوْا رَاىُ اَبِىْ حَنِيفَةَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا تَفْسِيْرُا الْحَدِيْثِ ۔(ص۱۰۱)

۲۶۔ قَالَ وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ سَمِعْتُ اَبَاحَنِيفَةَ يَقُوْلُ الْبَوْلُ فِى الْمَسْجِدِ اَحْسَنُ مِنْ بَعْضِ الْقِيَاسِ۔

(فضائل ابی حنیفۃ لابن ابی العوام ص۱۵۹)

۲۷۔ قَالَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍلَقِيْتُ مَالِكًا فِى الْمَدِيْنَةِ فَقُلْتُ لَهُ اِنِّى اَرَاكَ تَمْسَحُ الْعَرَقَ عَنْ جَبِيْنِكَ؟ قَالَ جَلَسْتُ مَعَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِنَّهٗ لَفَقِيْهٌ وَقَالَ مَالِكٌ رَأَيْتُ رَجُلًا لَوْ كَلَّمَكَ فِىْ هٰذِهِ السَّارِيَةِ يَجْعَلُهَا ذَهَبًا لَقَامَ بِحُجَّتِهٖ ۔(فتح الملہم ج۱ص۱۹۴)

۲۸۔ كَانَ ابْنُ الْمُبَارَكِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَذْكُرُعَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ كُلَّ خَيْرٍوَيُزَكِّيْهِ وَيُقَرِّظُهٗ يُثْنِى عَلَيْهِ۔ (فتح الملہم ص۱۸۹)

۲۹۔ طَعَنَ رَجُلٌ فِىْ مَجْلِسِ ابْنِ الْمُبَارَكِ فِىْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ لَهٗ اُسْكُتْ وَاللّٰهِ لَوْرَأَيْتَ اَبَاحَنِيْفَةَ لَرَأَيْتَ عَقْلًا وَنُبْلًا ۔ (ص۱۹۰)

۳۰۔ قَالَ الْحَسَنُ الرَّبِيْعُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ يَمْدَحُ اَبَاحَنِيْفَةَ وَيَقُوْلُ

رَأَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ كُلَّ يَوْمٍ ۔۔۔ يَزِيْدُ نَبَاهَةً وَيَزِيْدُخَيْرًا

وَ يَأْتِى بِالصَّوَابِ وَيَصْطَفِيْهِ ۔۔۔ اِذَا قَالَ اَهْلُ الْجَوْرِ جَوْرًا

رَأَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ حِيْنَ يُؤْتٰى ۔۔۔ وَيَطْلُبُ عِلْمَهٗ بَحْرًاغَزِيْرًا

اِذَا مَا الْمُشْكِلَاتُ تَرَافَعَتْهَا ۔۔۔ رِجَالُ الْعِلْمِ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا

۳۱۔ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَمْدَحُ اَبَاحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقِيْلَ الْاَبْيَاتُ لِلشَّافِعِىِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَ مَنْ عَلَيْهَا ۔۔۔ اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوحَنِيْفَه

بِاٰیَاتٍ وَ اٰثَارٍ وَ فِقْہٍ کَاٰیَاتِ الزَّبُوْرِ عَلٰی الصَّحِیْفَہ

فَلَا بِالْمَشْرِقَیْنِ لَہٗ نَظِیْرٌ وَ لَا بِالْمَغْرِبَیْنِ وَلَا بِکُوْفَہ

پہلے شعر میں ''زان'' کا لفظ زینت سے نہیں بلکہ وزن سے ہے یعنی ابوحنیفہ دنیا و مافیہا پر بھاری ہیں۔

یہ اقوال اور یہ اشعار صرف مدح وتعریف نہیں، بلکہ یہ بڑے بڑے علماء ومحدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل اکابرین اور فقہاء کرام کے توثیقی کلمات ہیں، جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ میدان فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی مشہور امام تھے آپ نے جرح وتعدیل میں کئی کذابین پر جرح کی ہے، جن میں جابر جعفی سرفہرست ہے، آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو حدیث کے امام گذرے ہیں اور جن سے صحاح ستہ کے مصنفین نے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا ہے۔

مثلاً مصنف عبدالرزاق عبداللہ بن مبارک نے مکی بن ابراہیم، فضیل بن عیاض، مسعر بن کدام، امام محمد اور امام ابو یوسف وغیرہم اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ سے آثار اور مسندات کے نام سے آپ کے شاگردوں نے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے ان مخطوطوں پر عصر حاضر کے علماء میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ اور جید عالم دین حضرت مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتھم نے بڑا کام کیا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے جن حضرات نے بلاواسطہ احادیث کی روایت نقل کی ہے، وہ یا آثار کے نام سے ہے یا المسند کے نام سے ہے جو آثار کے نام سے ہیں وہ کل چھ کتابیں ہیں۔

۱۔ الآثار لزفر۔ یہ مجموعہ امام زفر بن ھذیل المتوفی ۱۵۸ھ کا ہے۔

۲۔ الآثار لابی یوسف۔ یہ مجموعہ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۲ھ کا ہے۔

۳۔ الآثار لمحمد۔ یہ مجموعہ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا ہے۔

۴۔ الآثار للحسن۔ یہ مجموعہ حسن بن زیاد اللؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ کا ہے۔

۵۔ الآثار لحفص بن غیاث۔ یہ مجموعہ حفص بن غیاث نخعی المتوفی ۱۹۴ھ کا ہے۔

۶۔ الآثار لمحمد بن خالد۔ یہ مجموعہ محمد بن خالد وھبی المتوفی قبل ۱۹۰ھ کا ہے۔

اس کے علاوہ تین مسانید ہیں جو بلاواسطہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہیں۔

۱۔ مسند الخوارزمی۔ یہ خوارزمی کی مسند کا وہ نسخہ ہے جس کی روایت عمرو بن عمرو کے طریق سے ہے۔

۲۔ مسند حماد۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد کی مسند ہے، جو انہوں نے اپنے ابا جان سے روایت کی ہے۔

۳۔ مسند الخوارزمی۔ یہ بھی خوارزمی کی مسند ہے جو ایک دوسرے طریق سے انہوں نے جمع کیا ہے۔

اس کے علاوہ الرسائل الثلاث الحدیثیۃ کے نام سے بھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں امام ابوحنیفہؒ سے بلاواسطہ

روایات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ (مسند امام اعظم الحسین بن خسرو ص۴)

امام ابوحنیفہؒ سے بالواسطہ جن علماء ومحدثین نے روایت لی ہیں اس کے مجموعے

یہ مجموعے ۲۰ مسندات پر مشتمل ہیں تفصیل کے لئے علامہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی متوفی ۵۲۲ھ کی مسند کا مطالعہ کیجئے؟ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ نے شائع کیا ہے اس وقت میرے ہاتھ میں تین مسندات کے نسخے ہیں۔

۱۔ مسندامام اعظم عبدالله بن محمدحارثی متوفی ۳۴۰ھ۔

۲۔ مسندامام اعظم حسین بن محمدبن خسرو متوفی ۵۲۲ھ۔

۳۔ مسندابن ابی العوام متوفی ۳۳۵ھ۔

شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ نے سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا ہے اور آپ کے حدیث کے کل اساتذہ چار ہزار تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

(بحوالہ مناقب امام اعظم شیخ موفق بن احمد مکی، ج۱ص۹۶)

خلاصہ کلام یہ کہ جس شخص کے پاس احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو، زمانے کے بڑے بڑے علماء ان کی توثیق وتعریف کریں، بڑے بڑے فقہاء ومحدثین ان کے شاگرد ہوں دنیا میں کل مسلمانوں میں سے دوتہائی مسلمان ان کے مقلد ہوں، تیرہ صدیوں سے ان کے مقلد صراط مستقیم پر قائم ہوں، کچھ بدعات اگر نظر آتی ہیں تو یہ ان کے طریق کے چھوڑنے کا نتیجہ ہے ورنہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے کسی مقلد کو قادیانی، آغاخانی، رافضی، منکر حدیث، ذکری، بہائی وغیرہ نہیں پائیں گے، جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فقہاء اربعہ حق کے واضح شاہراہ پر گذرے ہیں۔ بہرحال ایسے شخص، اتنے بڑے عالم مجتہد وفقیہ اور محدث کو حدیث سے نابلد کہنا اور ان پر طعن کرنا یا تو حسد ہے، یا عداوت ہے یا جہالت ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بارے میں لوگوں کی ناانصافی اور حسد سے متعلق دوشعروں میں خوب فیصلہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں ؎

اِنْ یَحْسُدُوْنِیْ فَاِنِّیْ غَیْرُ لَائِمِهِمْ — قَبْلِیْ مِنَ النَّاسِ اَهْلَ الْفَضْلِ قَدْحَسَدُوْا

فَدَامَ لِیْ وَلَهُمْ مَا بِیْ وَمَابِهِمْ — وَمَاتَ اَكْثَرُنَاغَیْظًا بِمَایَجِدُوْا

(مسندابن ابی العوام ص۷۷)

قَالَ الْاِمَامُ اَبُوْدَاؤُدَ: رَحِمَ اللّٰهُ مَالِكاً كَانَ اِمَامًا، رَحِمَ اللّٰهُ الشَّافِعِیَّ كَانَ اِمَامًا، رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاحَنِیْفَةَ كَانَ اِمَامًا۔

(فتح الملهم ج۱ص۱۸۹)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّهِ الْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ کی کنیت ابوالحسین ہے اور لقب عساکر الدین، والد کا نام ''حجاج'' ہے اور دادا کا نام ورد ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: مسلم بن الحجاج بن ورد بن کوشاد، القشیر ی، النیشاپوری الخراسانی رحمہ اللہ ''القشیر'' عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب اسی قبیلہ سے جاملتا ہے اس لئے اسی کی طرف منسوب ہیں، مگر عجم کی خمیر نے ایسا غلبہ حاصل کرلیا، جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ، امام مسلم عجمی ہیں، کچھ علماء کا خیال ہے کہ قشیری نسبت ولاء ہے جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ جعفی لگا ہے، جو نسبتِ ولاء ہے۔

مولد و مسکن

امام مسلم رحمہ اللہ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، یہ شہر مشہد اور ہرات کے درمیان، ایران میں واقع ہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان حرف شین میں اس شہر کی تعریف میں یہ شاندار کلمات لکھے ہیں ''معدن الفضلاء ومنبع العلماء'' اور پھر لکھا ہے کہ نیشاپور سے اتنے علماء اور ائمہ علم نکلے ہیں، جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

علامہ تاج الدین سبکی رقم طراز ہیں کہ نیشاپور اتنا بڑا شہر تھا کہ عظمت شان میں بغداد اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا ہے، اہل تاریخ نے اس کو ام البلاد کے نام سے یاد کیا ہے، لیکن چنگیز خان کے ہنگامۂ ظلم سے یہ شہر تباہ ہوگیا، نیشاپور کو شاہ فارس خسرو کے وزیر شاہ پور بن اردشیر نے آباد کیا تھا۔ فارسی میں ''نہ'' شہر کو کہتے ہیں تو نیشاپور کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ پور کا آباد کیا ہوا شہر شاہ پور وزیر کو خسرو نے وزارت سے فارغ کیا تھا کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے اس نے آہ بھری یا وہ مرگیا چنانچہ شاعر نے کہا

شنیدم کہ شاہ پور دم در کشید　　　چوں خسرو بنامش قلم در کشید

نیشاپور کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں اسلام کا سب سے بڑا مدرسہ ''بیہقیہ'' قائم ہوا جس سے بڑے بڑے علماء فارغ ہوئے، اس کے بعد مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم ہوا، جس سے امام غزالی رحمہ اللہ فارغ ہوئے۔

سنۂ پیدائش

امام مسلم کی تاریخ پیدائش میں کچھ اختلاف ہے بعض نے ۲۰۲ھ اور بعض نے ۲۰۴ھ اور بعض نے ۲۰۶ھ تاریخ پیدائش قرار دیا ہے۔ ان تینوں اقوال سے متعلق شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے ایک عمدہ قطعہ تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

كَانَ الْعَسَاكِرُ حَافِظًا وَمُحَدِّثًا　　　جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكَمِّلَ التَّحْرِيرِ

مِيلَادُهُ دُرٌ (۲۰۴) وَقِيلَ بَرٌ (۲۰۲) بَدْرٌ (۲۰۶)　　　ارِنِي (۲۶۱) وَفَاتٌ وَدَانٌ (۵۵) بِالتَّبْشِيرِ

ابن اثیر رحمہ اللہ نے ۲۰۶ھ کوراجح قرار دیا ہے، امام مسلم نے چودہ سال کی عمر میں ۲۱۸ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا تھا، آپ نے اپنے ہی شہر نیشاپور میں بڑے بڑے محدثین اور شیوخ الحدیث سے استفادہ کیا مثلاً اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحییٰ ذہلی جیسے جبال العلم سے آپ نے پڑھا، امام بخاری رحمہ اللہ سے اسی نیشاپور میں کمال علم حاصل کیا، نیشاپور اور خراسان کے بڑے بڑے فضلاء سے آپ نے بھر پور علم حاصل کیا اور پھر علاقے سے باہر رحلات سعیدہ کا آغاز کیا۔

علم حدیث کے سماع کے لئے اسفار اور مشہور اساتذہ

جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ نیشاپور میں امام مسلمؒ نے امام بخاری، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن یحییٰ ذہلی سے علم حدیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا، پھر امام مسلم رحمہ اللہ نے حصول حدیث کے لئے عراق کا سفر کیا اور وہاں امام احمد بن حنبل جیسے علم کے پہاڑ سے حدیث کا درس لیا، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے بھی عراق میں حدیث پڑھ لی۔

پھر امام مسلم رحمہ اللہ نے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں سعید بن منصور رحمہ اللہ سے حدیث میں کمال حاصل کیا، پھر آپ مصر گئے اور وہاں حرملہ بن یحییٰ رحمہ اللہ اور عمر بن سواد رحمہ اللہ سے علم پڑھا، پھر احمد بن سلمہ رحمہ اللہ کی رفاقت میں بصرہ اور بلخ کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے علم پڑھا، آپ نے جن شیوخ سے پڑھا ہے اور ان کا نام مسلم میں درج کیا ہے ان کی تعداد دوسو گیارہ (۲۱۱) ہے جو آپ کے مشہور شیوخ الحدیث ہیں، وفات سے دوسال قبل آپ کا آخری سفر پھر بغداد کی طرف ہوا، اس آخری سفر میں امام مسلم نے محمد بن مہران رحمہ اللہ اور ابوغسان مسمعی رحمہ اللہ سے حدیث پڑھ لی۔ آپ نے اپنے مشہور و معروف استاذ عبدالرحمٰن دارمی رحمہ اللہ سے اسی آخری سفر میں حدیث کا سماع کیا، صحاح ستہ میں ''دارمی'' انہیں کی تصنیف ہے خلاصہ یہ کہ

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو — چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

امام مسلم کے مشہور تلامذہ

آپ کے تلامذہ کثیر بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، کتاب الصوم میں امام ترمذی نے اپنے استاذ امام مسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث بھی جامع ترمذی میں نقل فرمائی ہے الفاظ یہ ہیں ''اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ'' شیخ ابوعوانہ رحمہ اللہ صاحب مسند ابوعوانہ آپ کے شاگرد ہیں، وقت کے امام ابوحاتم رازی آپ کے شاگرد ہیں ابوبکر بن خزیمہ رحمہ اللہ صاحب صحیح ابن خزیمہ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، مسلم شریف کے راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کے رفیق سفر احمد بن سلمہ رحمہ اللہ آپ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ چند تلامذہ امام مسلم کے ایسے شاگرد ہیں جو علم و معرفت اور عزت اور عظمت کے اعتبار سے امام مسلم کے پائے کے لوگ ہیں۔

امام مسلم کا زہد وتقویٰ

ایک عالم وفاضل اور محدث کبیر ہونا خود تقوی کا بڑا مقام ہے، لیکن امام مسلم نے اس کے باوجود اپنی زندگی کے ایسے عجیب نمونے چھوڑے ہیں جو پوری امت کے لئے باعث عبرت ہیں، کہتے ہیں کہ آپ نے زندگی بھر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی، نہایت پاکیزہ اخلاق کے مالک، انسان دوست اور انصاف پسند انسان تھے، اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ خَلق قرآن کے مسئلہ میں جب محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا، تو شیخ ذہلی رحمہ اللہ نے اپنے طلبہ کے سامنے یہ اعلان کیا:

الامن كان يقول بقول البخاري في مسئلة اللفظ بالقرآن فليعزل مجلسنا ۔ (البداية والنهاية: ج١ ص٣٤)

اس پر امام مسلم رحمہ اللہ اپنے استاذ امام بخاری کی محبت میں کھڑے ہوگئے اور ذہلی کی مجلس چھوڑ کر ان کے مسموعات کا مسودہ ان کو واپس کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس چلے آئے۔

ایک دفعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے استاذ امام بخاری رحمہ اللہ کی محبت وعقیدت میں فرمایا:

دَعْنِي أُقَبِّلُ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ يَاأُسْتَاذَالْأُسْتَاذِيْنَ وَيَاسَيِّدَالْمُحَدِّثِيْنَ وَطَبِيْبَ الْحَدِيْثِ فِي عِلَلِهِ ۔

یہ سب کچھ آپ کے علم وعمل اور زہد وتقوی کا نتیجہ تھا۔

امام مسلم رحمہ اللہ کے فضل وکمال کا اعتراف

اللہ تعالی نے امام مسلم رحمہ اللہ کو کمال درجہ ذہن وحافظہ عطا فرمایا تھا اس وجہ سے آپ کے تلامذہ اور عوام الناس کے علاوہ آپ کے اساتذہ نے کھلے الفاظ میں آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا چنانچہ......

ا۔ آپ کے استاذ اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا "اَیَّ رَجُلٍ یَکُوْنُ ھٰذَا ؟" خدا جانے یہ آدمی کتنا بڑا آدمی بنے گا۔ (فتح الملہم: ص ۲۷۹)

۲۔ احمد بن سلمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ اور ابوحاتم رازی رحمہ اللہ امام مسلم رحمہ اللہ کو احادیث صحیحہ کی معرفت میں ان کے ہمعصر مشائخ اور محدثین پر ترجیح دیتے تھے۔

۳۔ ابوعمر حمدان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابن عُقدہؒ سے پوچھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ حافظ تر ہیں یا امام مسلم رحمہ اللہ؟ انہوں نے کہا کہ بھائی دونوں عالم ہیں، یہ بات چھوڑ دو۔ میرے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل شام کے محدثین سے حدیث لینے میں کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں کہ نام وکنیت میں فرق نہیں کر پاتے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ سے اس میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۴۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد محمد بن بشار رحمہ اللہ اور حافظ ابو قریش رحمہ اللہ نے کہا کہ دنیا میں حدیث کے حفاظ چار ہیں:

۱۔سمر قند میں امام دارمی ۲۔شام میں ابوزرعہ ۳۔بخارا میں امام بخاری ۴۔اور نیشاپور میں امام مسلم ہیں۔

شیخ اسحاق کوسج رحمہ اللہ نے امام مسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لَنْ نَعْدِمَ الْخَيْرَ مَاأَبْقَاكَ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ''۔

جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لئے باقی رکھے گا ہم خیر اور بھلائی کو گم نہیں کریں گے۔(فتح الملہم: ج ۱ ص ۲۸۹)

تصانیف

امام مسلم رحمہ اللہ کی ۱۸ سے زیادہ تصانیف ہیں مگر آپ کی زندہ و تابندہ مایہ ناز تصنیف ''المسند الصحیح لمسلم'' ہے دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:

① المسند الكبير ② الجامع ③ الكنى والاسماء ④ الافراد والوحدان ⑤ الاقران ⑥ مشائخ الثورى ⑦ تسمية شيخ مالك وسفيان وشعبة ⑧ كتاب المخضرمين ⑨ كتاب اولاد الصحابة ⑩ اوهام المحدثين ⑪ الطبقات ⑫ افراد الشاميين ⑬ التميز ⑭ العلل ⑭ سؤالات احمدبن حنبل ⑮ كتاب حديث عمروبن شعيب ⑯ كتاب الانتفاع بأُهُبِ السباع۔

صحیح مسلم کا مقام و مرتبہ

امام مسلم رحمہ اللہ کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے تین لاکھ مسموع احادیث میں سے انتخاب کر کے صحیح مسلم تیار کی ہے، جس کا نام ''المسند الصحیح لمسلم'' ہے جس کو''الجامع الصحیح لمسلم'' بھی کہتے ہیں۔آپ نے یہ کتاب پندرہ یا سولہ سال میں تصنیف فرمائی ہے۔صحیحین میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب اس طرح ہے کہ جمہور علماء اور محدثین کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کا مقام ہے، پھر صحیح مسلم کا درجہ ہے، لیکن علمائے مغاربہ کا دعوی یہ ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح مسلم کا مقام ہے اور پھر بخاری کا درجہ ہے، یہ قول شاذ ہے اور اس کا فیصلہ موازنہ اور محاکمہ بعد میں آرہا ہے۔

مسلم شریف کی تصنیف کی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے

"الجامع الصحيح المسندالمختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه"

کے نام سے احادیث پر مشتمل ایک کتاب مرتب فرمائی، اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ کو احادیث صحیحہ کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش نظر چونکہ احادیث سے استنباط اور فقہی مسائل کا استخراج تھا، اس لئے مجبوراً آپ کو اشتات جمع کرنا پڑا، اس وجہ سے احادیث کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام کے فتوے اور فیصلے بھی اس کتاب میں آگئے، جس سے کتاب منتشر ہوگئی اور ٹکڑوں میں بٹ گئی، لیکن امام مسلم رحمہ اللہ کا مقصد استنباط واستخراج نہیں تھا، بلکہ صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا مقصود تھا، اس لئے آپ کو حسن ترتیب اور تمام اسناد اور متونِ صحیحہ کے جمع کرنے کا خوب موقع ملا، اس لئے آپ نے بھرپور انداز سے فائدہ اٹھایا، جس سے آنے والی نسل کو احادیث تلاش کرنے میں بہت سہولت فراہم ہوگئی۔ جزاه الله خير الجزاء

دوسری وجہ یہ کہ امام مسلم کے شاگرد اور رفیق سفر احمد بن سلمہ نے آپ سے ایک مختصر مگر جامع کتاب کی تصنیف کرنے کی درخواست کی تھی، جو صحیح احادیث پر مشتمل ہو، آپ نے صحیح مسلم لکھ دی۔

طرز تالیف اور اہتمام تصنیف

امام مسلم رحمہ اللہ نے کسی حدیث کی صحت میں صرف اپنی تحقیق اور اپنے حافظہ پر اکتفا کیا اور قناعت نہیں کی، بلکہ جس حدیث کو مشائخ حدیث اور کبار محدثین نے صحیح قرار دیا، اس کو قبول کیا، خود امام مسلم کا اس کتاب مسلم کے صفحہ ۱۷۴ پر یہ بیان ہے کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے اس صحیح حدیث کو یہاں درج کیا ہے، جس پر شیوخ الحدیث کا اتفاق ہو چکا ہے۔

امام مسلم نے شیوخ الحدیث سے چار بزرگ مراد لیے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں (۱) احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲) عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۳) یحیٰ بن معین رحمہ اللہ (۴) سعید بن منصور رحمہ اللہ۔ مگر علامہ عثمانیؒ نے احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابوحاتم اور یحی بن معین مراد لیا ہے۔ (فتح الملہم)

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے تین لاکھ احادیث سے مکررات کے ساتھ بارہ ہزار احادیث صحیحہ کا انتخاب کر کے صحیح مسلم کو مرتب فرمایا، جب ان بارہ ہزار احادیث سے مکررات کو الگ کریں گے، تو چار ہزار احادیث صحیحہ غیر مکررہ کا مجموعہ رہ جائے گا۔

(کذا قال ابن صلاح)

بعض علماء کی یہ رائے زیادہ اچھی لگتی ہے، کہ صحیح مسلم میں مکررات کی تعداد آٹھ ہزار ہے اور مکررات کے سقوط کے بعد تعداد چار ہزار ہے، جب یہ مجموعہ پندرہ سال کے طویل عرصہ میں بڑی محنتوں کے بعد تیار ہوگیا، تو امام مسلم نے اسکو وقت کے امام شیخ کبیر ابوزرعہ رحمہ اللہ کے سامنے تصحیح کی غرض سے پیش کیا، شیخ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے جن روایات کو معلل قرار دیا امام مسلمؒ نے اس کو اپنی کتاب سے خارج کر دیا اس طرح صحیح مسلم نہایت صحت کے ساتھ وجود میں آگئی اس موقع پر امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آئندہ دوسو سال تک جب محدثین حدیث لکھیں گے تو وہ اس کتاب سے استفادہ کریں گے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

آج بارہ سو سال تک مدارس اور علماء ومحدثین اس کتاب پر انحصار کررہے ہیں اور اس کو معیار قرار دے رہے ہیں۔
صحیحین نے جس احتیاط سے احادیث کو جمع کیا ہے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، بلکہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو کچھ احادیث ہیں وہ مرفوع اور متصل اور صحیح ہیں، اور جو شخص ان کتابوں کے معاملہ میں شک اور تردد کریگا وہ مبتدع اور ضال ہوگا اور مسلمانوں کے راستے سے الگ ہوگا۔ (فتح الملہم: ج۱ص۳۰۰)

قال الشاه ولي الله في حجة الله البالغة:"وأما الصحيحان فقد اتفق على ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وإنهما متواتران إلى مُصَنِّفِيهِمَا وإنه كل من يهوّن أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المسلمين ۔(فتح الملهم:ج۱ص ۳۰۰)
احمد سعید چتروڑگڑھی اور ان کے پیروکاروں کو سوچنا چاہئے کہ وہ بدعتی بن رہے ہیں، کیونکہ اس نے صحیح بخاری کی احادیث کے خلاف ایک غلیظ کتاب لکھی ہے جس میں بعض عبارات موجب کفر ہیں۔

تراجم ابواب

امام مسلم رحمہ اللہ نے جس انداز سے احادیث کو ایک موضوع سے متعلق اکٹھا فرمایا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے عنوان کو ذہن میں رکھا تھا اور پھر احادیث کو جمع فرمایا تھا لیکن نہ معلوم کس وجہ سے آپ نے اپنے ہاتھ سے عنوانات قائم نہیں کیے، یہ ایسی کمی رہ گئی ہے جو اب تک پوری نہ ہوسکی اور نہ آئندہ امید کی جاسکتی ہے، مسلم شریف کے حاشیہ پر جو عنوانات نظر آرہے ہیں یہ امام نووی رحمہ اللہ نے لگائے ہیں، امام نووی عنوانات لگانے میں طبعی طور پر طوالت پسند تھے، اس لئے ریاض الصالحین اور مسلم شریف دونوں کے عنوانات معیاری نہیں ہیں، نیز آپ نے عنوانات لگاتے وقت اپنے مسلکی نقطۂ نظر کو بھی مدنظر رکھا ہے، جس سے ان عنوانات کی افادیت بہت کم رہ گئی ہے، اسی وجہ سے شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
والانصاف انه لم يترجم الى اليوم بمايليق بشان هذاالمصنف الجليل ولعل الله ان يوفق عبداً من عباده لمايؤدى حقه وبيده التوفيق۔ (فتح الملهم:ج۱ص۲۲۸)
یعنی انصاف یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کی شان کے مطابق آج تک عنوانات قائم نہ ہوسکے، شاید آیندہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو توفیق دیدے، جو اس کتاب کا حق ادا کرے، توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

صحاح ستہ کا مصداق

صحاح ستہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی پانچوں کتابیں بالاتفاق داخل ہیں، اب چھٹی کتاب میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے موطا مالک کو مانا ہے، بعض علماء نے مسند دارمی کو رکھا ہے، بعض علما نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ کی

چھٹی کتاب تسلیم کیا ہے، یہی قول زیادہ مشہور اور قابل قبول ہے، طحاوی کی بازگشت بھی کبھی کبھی سنی جاتی ہے، لیکن میدان مقابلہ میں یہ کتاب نظر نہیں آتی، صحاح ستہ کے اطلاق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بخاری اور مسلم دونوں نے اخراج حدیث کے لئے اپنی اپنی شرائط کا التزام تو کیا ہے، لیکن انہوں نے یہ التزام کبھی بھی نہیں کیا ہے کہ دنیا میں جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب انہوں نے اپنی تصنیفات میں سمیٹ کر جمع کر دی ہیں، بلکہ ان دونوں نے خود واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے تمام صحیح احادیث کا اپنی کتابوں میں اندراج نہیں کیا ہے، بلکہ بے شمار صحیح احادیث ایسی بھی ہیں جو ان کتابوں سے باہر دوسری کتابوں میں ہیں، لہٰذا عرب و عجم کے بعض سطحی نظر رکھنے والے شکی قسم کے لوگوں کا یہ وسوسہ غلط ہے، کہ صحیح حدیث وہی ہوگی جو بخاری اور مسلم میں موجود ہوگی، ورنہ صحیح نہیں ہوگی۔ ابوعلی نیشاپوری نے جب صحیح مسلم کا مسودہ تصحیح کے لئے ابوزرعہ رحمہ اللہ پر پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ امام مسلم نے یہ کتاب لکھ کر اہل بدعت کے لئے اہل سنت کے خلاف دلیل فراہم کر دی، اہل بدعت کہیں گے کہ جو حدیث مسلم میں نہیں وہ صحیح نہیں ہے، شاگرد نے نیشاپور پہنچ کر امام مسلم کو بتا دیا تو امام مسلم نے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں نے تمام صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے، امام مسلم نے اس طرح جملہ صحیح کے مسلم: ص ۱۷۴ ج ا پر بھی لکھ دیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تقابل

علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی فوقیت صحیح مسلم پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، بڑے بڑے علماء اور اصحاب جرح وتعدیل کے مشہور اکابر کا اس پر اتفاق ہے، کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا ہے، البتہ ابوعلی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ

"ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم" یعنی آسمان تلے صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کتاب نہیں ہے۔ (فتح الملہم: ج ا ص ۲۶۸)

حافظ ابن قاسم قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نے صحیح مسلم کی طرح کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

(فتح الملہم: ج ا ص ۲۶۹)

قاضی عیاض اپنی کتاب "السماع" میں لکھتے ہیں کہ ابومروان فرماتے تھے، کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت دیتے تھے، ابن حزم اندلسی کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے۔

ابوعلی زاغونی کو ایک ثقہ شخص نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا، کہ آپ کی نجات کس عمل سے ہوئی؟ تو انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان اجزا کی برکت سے میری نجات ہوئی۔

شیخ حافظ عبدالرحمٰن نے اس پورے تقابل کا اس طرح دو شعروں میں فیصلہ سنا دیا ہے۔

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِی الْبُخَارِیِّ وَ مُسْلِمٍ لَدَیَّ وَقَالُوْا اَیُّ ذَیْنِ یُقَدَّمُ

فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِیُّ صِحَّةً کَمَا فَاقَ فِیْ حُسْنِ الصَّنَاعَةِ مُسْلِمٌ

یعنی صحت کے اعتبار سے بخاری اعلیٰ ہے، لیکن حسن ترتیب میں مسلم اعلیٰ ہے، اس شعر پر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بہت زیادہ غصہ ہوجاتے اور فرماتے کہ امام بخاری نے ترتیب کا ارادہ نہیں کیا، اگر وہ ایسا ارادہ کرتے تو مسلم سے اعلیٰ ترتیب لاسکتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صحیح بخاری پر صحیح مسلم کو ترجیح دی ہے، ''بستان المحدثین ''میں آپ لکھتے ہیں کہ امام مسلم جب حدیث نقل کرتے ہیں تو دو دو صحابی پھر دو دو تابعی کی آخر سند تک شرط لگاتے ہیں، تب روایت قبول کرتے ہیں، امام بخاری کے ہاں ایسا نہیں ہے، نیز امام مسلم راویوں میں عدالت کی شرط نہیں بلکہ شہادت کی شرط لگاتے ہیں، جو بہت کڑی شرط ہے۔ بندۂ عاجز کہتا ہے کہ جن حضرات نے دونوں کتابوں میں ترجیح اور تقابل کا جھگڑا کھڑا کردیا ہے۔ میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہر ترجیح دینے والے نے ہر کتاب کی ممتاز حیثیت اور خصوصی کارکردگی کو پیش نظر رکھا ہے، ظاہر ہے ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی امتیازی شان تو ہوتی ہے، اس سے کلی طور پر ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا سمجھ میں نہیں آتا۔

بہر حال جمہور علما کے نزدیک صحیح بخاری کی بہت اونچی شان ہے اور بڑا مقام ہے، جو استاذ کئی سال تک بخاری شریف پڑھاتا ہے، تو یہ کتاب پڑھانے والے استاذ کو اپنا عاشق بناتی ہے، اپنا گرویدہ اور دیوانہ بناتی ہے، صحیح مسلم میں اس طرح کی کیفیت نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل نے بخاری و مسلم میں جب متکلم فیہا روایات کو تلاش کیا تو بخاری کے مقابلے میں صحیح مسلم میں اس قسم کی روایات زیادہ نکلی ہیں۔ ایک شعر میں تناسب اس طرح ہے۔

فَدَعْدٌ (۷۸) لِجُعْفِی وَقَافٌ (۱۰۰) لِمُسْلِمٍ	وَبَلْ (۳۲) لَهُمَا فَاحْفَظْ وُقِيتَ مِنَ الرَّدٰی

ابجد کے حساب سے دعد سے ۷۸ کی عدد نکلتی ہے اور قاف سے ایک سو کی عدد نکلتی ہے اور بل سے ۳۲ کی عدد نکلتی ہے۔ اس طرح صحیح مسلم میں متکلم فیھا روایات ۱۳۲ ہیں اور صحیح بخاری میں متکلم فیھا روایات ۱۱۰ ہیں۔

ربیع یمنی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی محبت میں جوش میں آکر دو شعر لکھ دیئے ہیں:

اِنَّ صَحِيحَ مُسْلِمٍ يَا قَارِیُ	لَبَحْرُ عِلْمٍ مَالَهٗ مُجَارِیُ
سَلْسَالُ مَا سُلْسِلَ مِنْ حَدِيثِهٖ	اَلَذُّ مِنْ مُكَرَّرِ الْبُخَارِیُ

قارئین سے گذارش ہے کہ ایک بار پھر شروط الائمہ کو پڑھیں، جو ابتدائی مباحث میں درج ہیں اس سے فرق مراتب کا خوب اندازہ ہوجائے گا۔

صحیح مسلم کے ناقلین

صحیح مسلم کا مشہور ناقل اور مشہور راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری متوفی ۳۰۸ھ ہیں، دوسرے ناقل احمد بن علی قلانسی ہیں

اور تیسرے ناقل احمد بن سلمہ ہیں جو امام مسلم کا رفیق سفر بھی رہا ہے۔ان ناقلین نے جو کچھ اکٹھا کر کے نقل کیا ہے وہ مکررات کے ساتھ بارہ ہزار حدیثیں ہیں اور مکررات کے حذف کے بعد اس کی تعداد چار ہزار احادیث ہیں، امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے یہ انتخاب کیا ہے اور اپنے شاگردوں کے سامنے سنانے سے رمضان ۲۵۷ھ میں فارغ ہوئے۔ (بحوالہ ظفر المحصلین)

صحیح مسلم میں مراسیل و منقطع کی تعداد

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں دس مرسل حدیثیں ذکر فرمائی ہیں لیکن اسی کتاب کے دوسرے مقامات میں ان کو متصل نقل کیا ہے اور ارسال ختم کر دیا ہے۔صحیح مسلم میں امام مسلم نے چودہ احادیث منقطع ذکر فرمائی ہیں اور تین حدیثیں معلق درج فرمائی ہیں، ایک معلق حدیث باب التیمم میں ہے، دوسری معلق کتاب الحدود میں اور تیسری معلق کتاب البیوع میں ہے۔

صحیح مسلم میں کتب وابواب کی تعداد

علامہ محمد فواد عبد الباقی فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں ۵۴ کتب کے عنوانات لگے ہوئے ہیں اور ۱۳۲۹ عنوانات ابواب کے مذکور ہیں۔

صحیح مسلم میں امام بخاری سے روایت کیوں نہیں؟

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد ہیں اور آپ کو اپنے استاذ سے غایت درجہ کی عقیدت ومحبت ہے، پھر حیرانی کی بات ہے کہ پوری کتاب میں امام مسلم نے اپنے استاد امام بخاری سے ایک بھی حدیث روایت نہیں کی، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب علامہ ذہبی نے اعلام سیر النبلاء میں اس طرح دیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ مُسْلِمًا لِحِدَّةٍ فِی خُلُقِهٖ اِنْحَرَفَ اَیْضًا عَنِ الْبُخَارِیِ وَلَمْ یَذْکُرْ لَهٗ حَدِیْثًا وَلَا سَمَّاهُ فِی صَحِیْحِهٖ ۔ [illegible]

یعنی پھر امام مسلم اپنی تیز مزاجی کی وجہ سے امام ذہلی کی طرح امام بخاری سے بھی برگشتہ ہو گئے تھے، اس لئے انہوں نے امام بخاری کی کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور نہ اپنی کتاب میں کسی جگہ امام بخاری کا تذکرہ کیا ہے۔امام ذہبی نے تعلقات کے خراب ہونے کی وجہ حدیث معنعن بتائی ہے، مگر دیگر علماء فرماتے ہیں کہ شاید اس کے علاوہ کوئی وجہ ہو اور وہ یہ کہ امام مسلم نے شرط لگائی ہے کہ میں وہ حدیث نقل کروں گا جس کے سند پر محدثین کا اجماع ہو اور چونکہ امام بخاری اور محمد بن ذہلی کے درمیان خلق قرآن پر بڑا اختلاف کھڑا ہوا تھا، اس لئے امام مسلم نے دونوں کی حدیثوں کو متنازع سمجھ کر چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

مناولہ، وجادہ، اجازہ کی بحث

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مناولہ لغت میں عطیہ کے معنی میں ہے اور اصطلاح فن میں اس کی تعریف یہ ہے۔

اعطاء الشيخ الطالب شيئا من مروياته مع اجازته صريحا او كناية ۔

مناولہ دوقسم پر ہے: ۱۔مقرونة بالاجازة الصريحة ۲۔ مجردة عن الاجازة

پہلی قسم میں شیخ واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ میری مرویات کی کتاب ہے میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ اس کی روایت کرو۔ دوسری قسم میں شیخ صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ میری مسموع روایات ہیں یا میری روایت کردہ احادیث ہیں۔شیخ یہ نہیں کہتا کہ اس کو میری طرف سے روایت کر۔

مناولہ مقرونہ بالاجازۃ میں آدمی روایت الحدیث کے تمام الفاظ استعمال کرسکتا ہے،البتہ اپنے سامنے سننے پڑھنے کی روایت سے اس کا درجہ کم تر ہے اور مناولہ مجردہ کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس کی روایت جائز نہیں ہے۔عام علماء اصول اور فقہاء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الملہم: ج۱ص۲۱۲)

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ''وجادہ'' ہے وجادہ پالینے کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عالم کو احادیث کا کوئی مجموعہ ملا جو اس کے راوی کے خط کے نمونے پر لکھا ہوا ہو، اس کے سوا کچھ نہ ہو، پانے والے کو لکھنے والے کی طرف سے نہ اجازت ملی، نہ اس نے لکھنے والے سے سنا ہے نہ پڑھا ہے، تو وہ جب وجادہ سے حدیث روایت کرے گا تو کہے گا، کہ مجھے فلاں کے خط سے لکھا ہوا مجموعہ ملا ہے، یا یہ کہے کہ میں نے اس خط کو دیکھ کر پڑھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''حدثنافلان عن فلان الخ'' اکثر محدثین اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک اس طرح حدیث کا نقل کرنا جائز نہیں ہے، نہ اس پر عمل جائز ہے، لیکن محققین شوافع کہتے ہیں کہ اس طرح حدیث نقل کرنا جائز ہے اور اس پر عمل واجب ہے امام مسلم نے چند روایات کو وجادہ کے طریقہ پر نقل کیا ہے۔

(فتح الملهم: ج۱ ص۲۱۶)

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ''اجازہ'' ہے اجازہ دو قسم پر ہے۔

ایک قسم یہ ہے کہ جس کو اجازت دی جارہی ہے، وہ عالم ہے اور اس نے کتاب کو دیکھ کر پڑھا، پھر اجازت دینے والے نے ان سے کہا کہ اس کتاب کی سند سے میں تمہیں حدیث کرنے کی اجازت دیتا ہوں، یہ اجازت صحیح ہے، لیکن اگر وہ شخص عالم نہیں ہے تو اس طرح اجازت باطل ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کے زمانے میں تمام احادیث مُدَوَّن ہوکر کتابوں کی شکل میں آگئی ہیں لہٰذا آج اگر کوئی شخص حدیث لاکر بیان کرتا ہے اور وہ حدیث مدون کتابوں میں موجود نہیں ہے تو اس طرح اس شخص کی کوئی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

مکاتبہ اور مراسلہ کی بحث

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم مکاتبہ اور کتابت کی صورت ہے، مثلاً ایک عالم حدیث کی کوئی کتاب کسی اور عالم کے نام

روانہ کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں، جب میرا خط تمہیں پہنچ جائے تو آپ میری جانب سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیثیں بیان کیا کریں۔

اور ''رسالہ'' کی صورت یہ ہے کہ حدیث کے ایک شیخ اپنا قاصد کسی عالم کی طرف روانہ کرتے ہیں اور قاصد سے کہتے ہیں کہ میری طرف سے ان کو بتادو کہ مجھے فلاں بن فلاں نے فلاں بن فلاں سے سند کے ساتھ یہ حدیثیں بیان کی ہیں، جب میرا یہ رسالہ آپ تک پہنچ جائے تو آپ میرے حوالہ سند کے ساتھ روایت کریں۔ (فتح الملہم: ج۱ص۲۱۰)

کتاب القاضی الی القاضی کی صورتوں کو بھی فقہاء نے اسی قسم کا لکھا ہے۔

تحمل حدیث کے لئے علما نے پانچ سال کی عمر کی شرط لگائی ہے، بعض نے چار سال کا قول کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ تحمل حدیث کے لئے کسی عمر کی شرط نہیں ہے البتہ سن شعور کی ضرورت ہے کہ لڑکا ہوشیار، سمجھدار ہو اس کے قول میں سنجیدگی اور وقار ہو اس کے تمام حواس بیدار ہوں، ایسا لڑکا تحمل حدیث کرسکتا ہے۔ (فتح الملہم: ص۲۰۴)

درجات کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ درجہ اس حدیث کا ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں ہو، پھر اس کا ہے جو صرف بخاری میں ہو، تیسرا درجہ اس کا ہے جو صرف مسلم میں ہو، چوتھا درجہ اس کا ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہو، پھر پانچواں درجہ اس کا ہے جو صرف بخاری کی شرط پر ہو، مگر اس نے درج نہ کیا ہو، چھٹا درجہ اس کا ہے کہ جو صرف مسلم کی شرط پر ہو، مگر اس نے درج نہ کیا ہو، ساتواں درجہ اس حدیث کا ہے جو ان دونوں کی شرط پر نہ ہو۔ (فتح الملہم: ص۲۶۵)

صحیح مسلم کی شروحات

صحیح مسلم کی شان جتنی اونچی ہے، اسی اعتبار سے علماء کرام نے اس کتاب کی تشریحات کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی کل شروحات ۱۸ ہیں، لیکن اکثر عربی میں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تا حال اردو زبان میں صحیح مسلم کی قابل ذکر خدمت ابھی باقی ہے۔

۱ ......''المعلم بفوائد کتاب مسلم'' ازمحمد بن علی مازری متوفی ۵۳۶ھ۔

۲ ......''اکمال المعلم بفوائد کتاب مسلم''ازقاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ۔

۳ ......''المفهم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم'' ازاحمد بن عمرقرطبی متوفی ۶۵۶ھ۔

٤ ......''المنهاج شرح مسلم بن الحجاج'' ازیحیی بن شرف الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ۔

٥ ......''اکمال اکمال المعلم'' ازمحمدبن خلیفه وشیتانی اُبی متوفی ۸۲۴ھ۔

٦ ......''الدیباج''ازجلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔

۷ ......''حاشیه سندهی''ازمحمد بن عبدالهاد ٹھٹوی متوفی ۱۱۳۸ھ۔

۸......"فتح الملهم شرح صحيح مسلم" ازشبيراحمد عثمانی کراچوی متوفی

۹......"الحل المفهم"ازمولانارشیداحمد گنگوهی۔

۱۰......"المفهم شرح غريب مسلم" ازعبدالرحمن بن عبدالعلی فارسی متوفی ۵۲۹ھ۔

۱۱......"شرح ابی الفرج" ازعیسی بن مسعودزواوی متوفی ۷۴۴ھ۔

۱۲......"منهاج الابتهاج شرح مسلم بن الحجاج"ازاحمدبن محمدمتوفی ۹۲۳ھ۔

۱۳......شرح علی القاری هروی حنفی متوفی ۱۰۱۶ھ۔

۱٤......"شرح زوائد مسلم "ازعمروبن علی بن الملقن متوفی ۸۰۴ھ۔

۱۵...... "السراج الوهاج"نواب صدیق حسن خان متوفی ۱۳۰۷ھ۔

۱٦......"مکمل اکمال الاکمال" ازمحمدبن بن محمد بن یوسف سنوسی متوفی ۸۹۵ھ۔

۱۷......"معلم ترجمه اردو مسلم "ازمولانا وحیدالزمان سلفی متوفی ۱۳۳۸ھ۔

۱۸......"شرح صحیح مسلم"ازمولانا غلام رسول سعیدی بریلوی (حیات)

۱۹......"تحفة المنعم شرح صحیح مسلم "ازبنده فضل محمد بن نورمحمدیوسف زئی دیوبندی (حیات)۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے، کہتے ہیں کہ عام مجلس میں کسی نے آپ سے ایک حدیث پوچھ لی، اتفاق سے آپ کے ذہن میں حدیث مستحضر نہیں تھی، جب آپ گھر تشریف لے گئے تو حدیث ڈھونڈنے لگے، اس وقت کھجوروں کا ایک ٹوکرہ بھی حاضر کیا گیا، آپ مسئلہ ڈھونڈتے رہے اور ٹوکرہ سے ایک ایک کھجور کھاتے رہے ادھر ٹوکرہ صاف ہوا ادھر حدیث مل گئی، لیکن حدیث میں انہماک کی وجہ سے کھجور کھانے میں اندازہ نہ کرسکے، یہی زیادہ کھانا باعث موت ثابت ہوا، چنانچہ ۲۵ رجب ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۵ء اتوار کی شام پیر کی رات ۵۷ سال کی عمر میں امام مسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان لله و انااليه راجعون پیر کے دن آپ کا جنازہ اٹھا اور نیشاپور شہر سے باہر نصیر آباد میں احادیث مقدسہ کا یہ خزانہ دفن کیا گیا لیکن

اَخُو الْعِلْمِ حَيٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِهٖ	وَ اَوْ صَالُهٗ تَحْتَ التُّرَابِ رَمِيْمٗ
وَ قَدْ فَارَقَ النَّاسُ الْاَحِبَّةَ قَبْلَنَا	وَاَعْيَا دَ وَاءُ الْمَوْتِ كُلَّ طَبِيْبٖ
اے جانِ من ہر چیز را با صلِ خود باشد رجوع	من چوں از خاکیم آخر خاک می باید شدن

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین آمین یارب العالمین ۔

مقدمہ صحیح مسلم

مقدمہ دو قسم پر ہوتا ہے ایک مقدمہ علمیہ ہوتا ہے، دوسرا مقدمۂ کتاب ہوتا ہے، مقدمہ علمیہ میں مصنف کے ذاتی علوم کو دخل ہوتا ہے اوران کے علمی افکار ونکات پر مشتمل ہوتا ہے اور مقدمہ کتاب میں ایسا نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی اور عالم کی تحقیق کو مصنف نقل کرتا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کے اس مقدمہ کو ایک زبردست علمی مقدمہ سمجھا جاتا ہے، جو گہرے علمی مباحث پر مشتمل ہے اور امام مسلم کے ذاتی علوم ومعارف اور قواعد واصول کا شاہکار ہے، یہ ایک عجیب علمی گلدستہ ہے، جو صحیح مسلم کی پیشانی پر چمکدار موتی ہے جو اس کتاب کی امتیازی شان ہے، چونکہ یہ مقدمہ علمیہ ہے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اس میں فن حدیث کے بہت سارے اصول وقواعد کو جمع فرمایا ہے مثلاً:

۱۔ راویوں کے مراتب کے اعتبار سے ان کی تقسیم فرمائی ہے، کہ کون کس درجہ اور کس مقام کا راوی ہے۔

۲۔ بلاتحقیق بے سروپا، روایتوں کے لینے دینے سے سختی سے منع کیا ہے، اس میں احتیاط کی بڑی تاکید کی ہے۔

۳۔ بے سروپا، من گھڑت روایتوں کی کئی مثالیں بیان فرما کر غفلت کی نیند سے علماء کو جگایا ہے۔

۴۔ حدیث معنعن پر ایک علمی تحقیقی مقالہ لکھ دیا ہے اور اختلاف کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۵۔ دین اسلام اور حدود شرعیہ اور نصوص قطعیہ کا جرأت مندانہ دفاع کیا ہے۔

امام مسلم نے اپنے مقدمہ کو تکلفات سے پاک کرنے کی کوشش کی اور سادہ الفاظ میں مطلب سمجھانے کا ارادہ کیا، لیکن غیر اختیاری طور پر یہ مقدمہ تکلفات، تعقیدات، انتشار، عبارات اور ضمائر کے تفرق وتشتُّت اور ترکیب کی تقدیم وتاخیر سے بھر گیا، اس لئے علماء نے اس پر خصوصی کتابیں لکھ دیں اور دورہ حدیث کے طلبہ کے لئے ابتدائی درجات کے طلبہ کی طرح ترکیب کا اہتمام کیا اور خوب علمی بازار گرم ہوگیا، کیونکہ یہ مقدمہ علمیہ تھا اس میں ایسا ہی ہونا تھا۔ دوسرا مقدمہ کتاب ہوتا ہے، اس میں مصنف اپنی کتاب کی ابتدا میں کسی اور مصنف کے کلام کو بعینہٖ نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری کتاب کا مقدمہ ہے، جیسے امام دارمی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں کی ابتدا میں ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہرحال بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ مقدمہ صحیح مسلم کا جزء ہے، بعض فرماتے ہیں کہ یہ مقدمہ مستقل کتاب ہے، صحیح مسلم کا جزء نہیں ہے، کچھ علما فرماتے ہیں کہ یہ مقدمہ من وجہ جزء ہے اور من وجہ جزء نہیں ہے، ہر طرف دلائل اور اشارات موجود ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيۡنَ وَعَلٰى جَمِيۡعِ الۡاَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ اَمَّابَعۡدُ :

اور اللہ تعالیٰ بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں (حضرت) محمد (ستودہ صفات) پر، جو سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں پر۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کی بحث

سلفاً و خلفاً یہ طریقہ جاری ہے کہ جب علمائے کرام کتاب کی تصنیف کرتے ہیں، یا کتاب شروع کرتے ہیں، تو اتباع قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی ترتیب کے مطابق ابتداء میں بسم اللہ اور الحمد للہ ضرور لکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ مؤلف کتاب نے بھی ایسا ہی کیا اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرامین واحادیث ہیں جو مختلف الفاظ سے تسمیہ وتحمید کے بارے میں وارد ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

كل امرذی بال لم يبدأ ببسم الله الرحمن الرحيم فهو ابتر ۔ (خطيب في الجامع)

اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ:

كل امر ذی بال لايبدأ فيه بالحمدلله فهو اجذم ۔ (ابوداؤدونسائی)

بعض روایات میں مندرجہ بالا روایت کے آخری الفاظ ''فهو اقطع'' آئے ہیں جیسا کہ مشکوۃ میں یہ روایت ہے۔ (مشکوۃ ص۲۷۲)

بعض روایات میں بسم اللہ اور الحمد للہ کی جگہ ذکر اللہ کے الفاظ بھی آئے ہیں جیسا کہ علامہ رہاویؒ نے أربعینات میں لکھا ہے۔

اب یہاں علماء کے ہاں ایک بحث چلی ہے کہ ابتدا تو ''كون الشي اولا'' کا نام ہے اور اول تو ایک ہی چیز ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر بسم اللہ سے ابتدا ہوگی تو الحمد للہ سے نہیں ہوگی اور اگر الحمد للہ سے ابتدا ہوگی، تو بسم اللہ سے نہیں ہوسکے گی، گویا دونوں روایتوں میں تعارض ہے پھر اسی فرضی تعارض کو دور کرنے کے لئے شارحین لکھتے ہیں کہ ابتدا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ابتداء حقیقی (۲) ابتداء اضافی (۳) ابتداء عرفی

پھر یہ حضرات بسم اللہ کے لئے ابتدا حقیقی مان کر جان چھڑاتے ہیں اور الحمد للہ کے لئے ابتداء اضافی یا عرفی مانتے ہیں، تاکہ تعارض دور ہوجائے۔ پھر اعتراض کرتے ہیں کہ ابتداء حقیقی کو بسم اللہ کے ساتھ کیوں خاص کیا الحمد للہ کے ساتھ کیوں نہ کیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی موجود ہے اور حمد کا تعلق صفات سے ہے اور ذات صفات پر مقدم ہوتی ہے۔ یا یہ

جواب دیتے ہیں کہ کتاب اللہ کی ترتیب میں اور سلف صالحین کی کتابوں میں بسم اللہ مقدم تھی، اس لئے اس طرز کو اختیار کیا گیا، تاکہ سلف کی اقتدا ہو جائے۔

بعض حضرات جمع بین الروایات کا طریقہ اس طرح اپناتے ہیں کہ بسم اللہ سے ذکر اللہ مراد ہے، الحمدللہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر مراد ہے اور بعض روایات میں ذکر اللہ کا لفظ آیا بھی ہے۔ تو اس عمومی مفہوم کے تحت خواہ بسم اللہ پہلے ہو، خواہ الحمدللہ پہلے ہو، تعارض نہیں آئے گا، کیونکہ ذکر اللہ کا مقصد تسمیہ وتحمید دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے، اسی توجیہ کے پس منظر میں جب دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک خطوط میں کبھی صرف حمد پر اکتفا فرمایا ہے اور بعض مصنفین نے صرف بسم اللہ پر اکتفا کر کے حمد کو ترک کیا ہے۔

بعض حضرات یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ ابتدا باللسان سے بھی حدیث کا مفہوم ومقصود پورا ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی مصنف اپنی کتاب کی ابتدا میں تسمیہ وحمد میں سے کچھ بھی نہیں لکھتا ہے، مگر زبان سے پڑھتا ہے تو یہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

اوپر مذکورہ تمام توجیہات کے علاوہ حضرت علامہ سید شاہ انور شاہ رحمہ اللہ کی تحقیق الگ ہے۔ ہمیں بخاری شریف پڑھاتے ہوئے محدث العصر اور شاہ صاحب کے علوم کے امین سید محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

اصحاب فنون علماء نے تسمیہ وتحمید کی روایتوں میں جو تعارض بتایا ہے، یہ درحقیقت غیر اہل فن نے فن حدیث میں بے جامداخلت کی ہے، حقیقت میں یہاں دو الگ الگ حدیثیں نہیں ہیں کہ ان میں تعارض کا احتمال آجائے۔ یہاں ایک ہی حدیث ہے، جس میں دو مقاصد کو بیان کیا گیا ہے، یعنی جب بھی کوئی شخص قابل احترام اور مہتم بالشان چیز کی ابتدا کرتا ہے، تو اس کو چاہئے کہ بسم اللہ یا الحمدللہ سے ابتدا کرے۔

تو اصل مقصود ابتدا کرنے میں تبرک حاصل کرنا ہے، اب یہ برکت تسمیہ سے حاصل کی جائے یا تحمید سے حاصل کرے، حدیث کے مقصود اور مطلوب پر عمل ہو جاتا ہے۔ یہاں دو حدیثیں نہیں کہ تعارض آجائے، بلکہ ایک حدیث کے دو مطالب ہیں کہ برکت کے لئے ابتدا میں تسمیہ وتحمید میں سے کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے، ورنہ وہ کام اقطع، دم بریدہ، بے برکت ہو کر رہ جائے گا۔ اسی عموم کی طرف اس روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، جس میں صرف ذکر اللہ کا لفظ آیا ہے۔

ایک عام توجیہ

بعض علماء نے کتابوں کے خطبوں کی ترتیب میں پہلے بسم اللہ پھر الحمدللہ پھر رسولوں کا تذکرہ اور پھر صحابہ کا ذکر اور پھر مقاصد کتاب سے پہلے اپنی تصنیف کردہ کتاب کے تذکرہ سے متعلق ایک عام قاعدہ بیان کیا ہے، جس سے خطبۂ کتاب میں ہر چیز کی ترتیب

آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ ہر مصنف جو کتاب کی تصنیف کرنے لگتا ہے تو گویا یہ مصنف موجودات میں ایک نئے موجود کا اضافہ کرتا ہے۔لہٰذا وہ ترتیب کے ساتھ تمام موجودات کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔چنانچہ موجودات میں سب سے قدیم اور اول موجود واجب تعالیٰ کا وجوبی وجود ہے،اس کا حق ادا کرنے کے لئے ہر مصنف بسم اللہ کا تذکرہ کرتا ہے، دوسرے نمبر پر موجودات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا وجود ہے،اس کے لئے الحمدللہ سے تذکرہ کرتا ہے،پھر خالق ومخلوق کے درمیان فائدہ واستفادہ کے لئے رسولوں کا وجود ضروری ہے،کیونکہ خالق غایت تقدس میں ہے اور مخلوق غایت تدنس میں ہے، استفادہ ممکن نہیں تو رسول رسالت کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سے ہدایت لیتا ہے اور عالی انسان کی حیثیت سے عام انسانوں تک پہنچاتا ہے۔لہٰذ مصنف اپنی کتاب میں وجود رسول کے حق ادا کرنے کے لئے بطور شکر درود وسلام لاتا ہے،چوتھے نمبر پر رسول کے آل وآصحاب کا وجود ہے لہٰذا ان کا تذکرہ بھی کرتا ہے اور اس کے بعد پانچویں نمبر پر اپنی کتاب کا تذکرہ کرتا ہے،تاکہ تمام موجودات کا درجہ بدرجہ حق ادا ہو جائے۔یہی طریقہ امام مسلمؒ نے بھی اپنایا ہے،اور سب ایسا ہی کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تین ناموں کی تخصیص کیوں؟

اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ بسم اللہ میں ایک اسم ذاتی اور دو اسماء صفاتی کی تخصیص اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں میں سے کیوں کی گئی؟ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ اللہ تو اسم ذاتی لواجب الوجود تھا،اس کا ذکر سب سے پہلے ضروری اور بدیہی تھا،یہی اسم اعظم ہے جو قرآن میں (۲۳۶۲) بار مکرر آیا ہے اور جب تک یہ نام کسی کی زبان پر ہوگا،قیامت نہیں آئے گی۔اس کے بعد اسماء صفات میں سے رحمٰن اور رحیم کو ذکر کیا کیونکہ صفات میں سے یہ دو نام سب سے زیادہ عام اور ہمہ گیر تھے،کیونکہ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں،یعنی بے حد مہربان اور نہایت رحم والا اور دونوں کا تعلق دو جہانوں سے ہے،یعنی عالم دنیا اور عالم آخرت۔پھر ''رحمت'' رقۃ القلب کو کہتے ہیں اس لحاظ سے ان الفاظ کا اطلاق ابتداءً اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا،کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم کی ترکیب سے پاک ہے۔اسی لئے علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بعض الفاظ کا اطلاق مبداً اور ابتدا کے اعتبار سے نہیں ہوسکتا مگر غایت اور نتیجہ کے اعتبار سے ہو جاتا ہے لہٰذا رقۃ القلب کا نتیجہ افاضہ خیر اور شفقت ومہربانی ہوتا ہے اس اعتبار سے رحمت کا اطلاق اللہ کی ذات پر جائز ہے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا،تو علماء کا کہنا ہے کہ رحمٰن کا تعلق دنیا وآخرت دونوں سے ہے نیز اس کی رحمانیت مسلم غیر مسلم انسان اور حیوان تمام کائنات کو شامل ہے،اس لئے اس وسعت کی وجہ سے اس کو رحیم پر مقدم کیا،اسی لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن میں رحیم کے مقابلہ میں حروف زیادہ ہیں اور ''كثرة المباني تدل على كثرة المعاني'' قاعدہ ہے لہٰذا اس کو مقدم کیا،بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ رحمٰن کا تعلق چونکہ براہ راست دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا مقدم ہے اس لئے اس کو مقدم کیا چنانچہ بعض ادعیہ ماثورہ میں ''يارحمن الدنيا ورحيم الآخرة'' کے الفاظ بھی آئے ہیں،گویا رحمٰن کا تعلق

ربوبیت عامہ سے ہے اور رحیم کا تعلق ربوبیت خاصہ سے ہے، ربوبیت عامہ جیسے مخلوقات کو کھلانا پلانا، وجود دینا، نعمتوں سے مالا مال کرنا، ہواؤں، دریاؤں چاند ستاروں سورج اور دیگر نعمتوں سے لطف اندوز کرنا اور ہر ایک کے دائرہ علم میں اس کو زندگی گزارنے کا شعور دینا خواہ وہ انسان ہو، یا حیوان ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو، یہ ربوبیت عامہ ہے، لیکن رحیم کا تعلق ربوبیت خاصہ سے ہے، یعنی عالم آخرت میں صرف فرمانبردار اور وفادار مسلمانوں پر مہربان ہونا اور نافرمان کفار کو سزا دینا، رب العالمین کے لفظ میں ربوبیت عامہ وخاصہ دونوں کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں بہر حال ان وجوہات اور نکات کی وجہ سے یہ تقدیم وتاخیر ہے۔

بسم اللہ کا متعلق کیا ہے؟

چونکہ بسم اللہ کے شروع میں باحروف جارہ میں سے ہے اور حرف جر کلام عرب میں کسی اور کلمہ سے وابستہ رہتا ہے، لہٰذا علماء نے بسم اللہ کے متعلق کو بیان کیا ہے۔ علماء نحاۃ میں سے بصریین نے اس کے متعلق محذوف کو فعل قرار دیا ہے مثلاً

ابتدأبسم الله الرحمن الرحيم

بصریین کا خیال ہے کہ فعل کو مقدر ماننے سے جملہ فعلیہ بن جائے گا، جو زیادہ بہتر ہے۔ نحاۃ کوفیین نے اس کے متعلق کو شبہ فعل اسم فاعل، اسم صفت وغیرہ ہونا راجح قرار دیا ہے لہٰذا ان کے ہاں یہ جملہ فعلیہ کے بجائے شبہ جملہ اسمیہ بنے گا۔

پھر نحاۃ کے درمیان اس پر بھی کلام ہے کہ اس مقدر کو بسم اللہ سے مقدم مانا جائے، مثلاً ''اقرأ بسم الله الرحمن الرحيم'' یا اس مقدر کو بسم اللہ سے مؤخر مانا جائے مثلاً ''بسم الله الرحمن الرحيم اقرأ'' دونوں طرف نحاۃ گئے ہیں اور الگ الگ نکات کی وجہ سے اپنے اپنے مذہب کو ترجیح دی ہے، پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا، تاہم لفظ ''ابتدأ'' کے مقدم ہونے کو راجح خیال کیا گیا ہے۔ (کشاف)

پھر یہاں باجارہ اور لفظ اللہ کے درمیان اسم کے لفظ کو دو وجہ سے بڑھایا ہے، اول یہ کہ اگر باجارہ لفظ اللہ پر داخل ہو جائے تو باللہ قسم کے ساتھ التباس آجائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم بڑھانے میں ادب اور عاجزی کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ ذات باری تعالیٰ تو بہت اونچی ہے، اگر اس کے نام سے ابتدا ہو جائے تو یہ بھی بڑی غنیمت ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

علماء نے لکھا ہے کہ آدمی جس کام کو شروع کرتا ہے اس کی مناسبت سے مقدر فعل نکالنا ہوگا، مثلاً پڑھنے لگتا ہے تو ''اقرأ بسم الله'' کہے یا کھاتا پیتا ہے تو ''اكل واشرب بسم الله'' کہے یا کوئی اور کام کرتا ہے تو اس کی مناسبت سے فعل مقدر نکالا جائے پھر باکے الف کو بڑھا کر اوپر کی طرف نکال دیا ہے تاکہ باکے الف کے حذف پر نشانی باقی رہے، یہ با استعانت کے لئے بھی ہے، الصاق کے لئے بھی ہے۔

بسم اللہ کی فضیلت

طفل غنچہ کی چمن میں آج ابتدا ہے جس طرف دیکھو اُدھر اللہ ہی اللہ ہے

بسم اللہ کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ قرآن عظیم میں بار بار اس کو دہرایا گیا ہے، ہر سورت کی پیشانی پر اس کی خوش نما مہر ثبت ہے، گویا بسم اللہ ایک سرکاری مہر اور نشان ہے، جس چیز پر یہ نشان ہوگا، اس میں برکت ہوگی اور شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا۔
صاحب تفسیر کبیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! جب تم وضو بنانے لگو تو بسم اللہ پڑھا کرو جب تک وضو سے فارغ نہیں ہو گے فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھیں گے۔ جب اپنی بیوی سے ہمبستری کرو تو پہلے بسم اللہ پڑھا کرو، تو غسل جنابت تک فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھیں گے اس جماع کے نتیجہ میں اگر بچہ ہوا تو اس کے اور اس کی اولاد کے سانس لینے کی مقدار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اے ابو ہریرہ! جب تم سواری پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھا کرو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جائے گی، اور جب تم کشتی پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھو جب تک کشتی سے باہر نہیں آؤ گے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اسی طرح تفسیر کبیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب لباس اتار دیتا ہے تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی نظروں کے درمیان پردہ صرف یہ ہے کہ انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ (تفسیر کبیر: ج ۱ ص ۱۷۱)

حکایت نمبر ۱

تفسیر کبیر میں ایک قصہ لکھا ہے کہ قیصر روم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے، آپ مجھے کوئی دوا بھجوا دیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ٹوپی روانہ فرمائی کہ اس کو پہنا کرو، قیصر روم جب اس ٹوپی کو سر پر رکھتا تو سر کا درد ختم ہو جاتا مگر جب ٹوپی سر سے ہٹا دیتا تو درد پھر شروع ہو جاتا تھا، شاہ روم کو اس پر تعجب ہوا اس نے ٹوپی کو کھولا اور تو اس میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر: ج ۱ ص ۱۷۱)

حکایت نمبر ۲

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فارس کے مجوسیوں نے کہا کہ آپ اسلام کی حقانیت کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا آپ ہمیں اس پر کوئی کراماتی نشانی بتا دیں، تاکہ ہم بھی اسلام قبول کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ زہر قاتل لاؤ، وہ لوگ زہر قاتل کا ایک پیالہ لے آئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پیالہ لے کر اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا اور سارا زہر پی لیا اور ٹھیک ٹھاک کھڑے ہو گئے۔ مجوسیوں نے کہا یہ دین واقعی سچا دین ہے۔ (تفسیر کبیر: ج ۱ ص ۱۷۲)

حکایت نمبر۳

کہتے ہیں کہ فرعون نے دعویٰ الوہیت سے پہلے ایک مکان بنوایا تھااوراس کے باہر والے دروازہ پر بسم اللہ لکھوایا تھا۔ جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیااور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے آکران کووحدانیت کی دعوت دی اور فرعون نے انکار کیا تو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایااے اللہ! میں نے اس شخص کو بار بار دعوت دی ہےلیکن اس میں خیر و بھلائی کی کوئی چیز ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم شاید اس شخص کی ہلاکت چاہتے ہو کیونکہ تم اس کے کفر کو دیکھتے ہولیکن میں اس کے دروازے پر اس کی لکھی ہوئی بسم اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (تفسیر کبیر: ج۱ص۱۶۸)

حکایت نمبر۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کاایک قبرستان پر گزر ہوا آپ نے دیکھا کہ ایک مردے پر قبر میں عذاب کے فرشتے مسلط ہیں اوراس کو سخت عذاب ہورہا ہے، آپ آگے چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے، آپ نے دیکھا کہ اس مردے کے پاس قبر میں رحمت کے فرشتے ہرقسم کی نعمتوں کے ساتھ موجود ہیں، اور وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہورہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا۔ آپ نے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا مانگی کہ اصل حقیقت کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر بتادیا کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گناہ گار تھا، جب مرگیا تو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہوگیا، مرتے وقت اس نے حاملہ بیوی چھوڑی تھی جس کا بعد میں بچہ پیدا ہوا، اس عورت نے اس بچے کو پالا جب بچہ بڑا ہوگیا، تو اس کی ماں نے اسے معلم کے پاس بھیج دیا، معلم نے اس سے کہا پڑھ بیٹا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بچے نے پڑھ لیا تو مجھے حیا آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دے رہا ہوں اوراس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے۔ (یعنی معصوم زبان سے کہتا ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہے اور بے حد رحم کرنے والا ہے وہ تو مجھے بے حد مہربان کہے اور میں اس کے باپ کو عذاب میں رکھوں، یہ نہیں ہوگا)۔

بسم اللہ کے بے شمار فوائد اور بے حساب برکات ہیں، بس ہمیں چاہیے کہ ہم جب تک زندہ رہیں تو قدم قدم پر کہیں بسم اللہ جب موت آئے تو کہیں بسم اللہ، جب قبر میں سوال ہوتو کہیں بسم اللہ، جب میدان حشر میں آئیں تو کہیں بسم اللہ، جب نامۂ اعمال دیا جائے تو کہیں بسم اللہ، جب وزن اعمال ہوتو کہیں بسم اللہ، جب پل صراط پر ہوں تو کہیں بسم اللہ، جب جنت میں داخل ہوں تو کہیں بسم اللہ، جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوتو کہیں بسم اللہ۔

لقد بسملت لیلی غداۃ لقیتها فیاحبذا ذاک الحبیب المبسمل

جب صبح کو میری ملاقات لیلیٰ سے ہوئی تو اس نے بسم اللہ کہہ کر ملاقات کی واہ! واہ! بسم اللہ کہنے والا یہ محبوب کیا ہی اچھا تھا۔

لفظ اللہ جلّ جلالہ

جس طرح ذات باری تعالیٰ میں عارفین کی معرفتیں حیران ہیں اور نعرہ زن ہیں کہ ''ماعرفناك حق معرفتك'' اسی طرح لفظ اللہ کی تحقیق وتدقیق میں علماء وعقلاء کی عقلیں حیران ہیں کہ آیا یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے یا عربی ہے؟ بعض علماء مثلاً ابوزید بلخی کا خیال ہے کہ یہ لفظ یا عبرانی ہے، یا سریانی ہے، کیونکہ اہل کتاب اس کو ''الاھا'' بولتے ہیں اور عبرانی وسریانی کی یہی خصوصیت ہے کہ اس میں الف بڑھایا جاتا ہے، جس طرح ''بسم الاھا رحمیانا مرحیانا'' بسم اللہ میں پڑھتے ہیں، عرب نے آخری الف کو حذف کیا تو اللہ رہ گیا یہ تو ان حضرات کا خیال ہے، جو اس لفظ کو عجمی مانتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے، کلام اللہ عربی ہے کلام الرسول عربی ہے کلام اہل الجنۃ عربی ہے، کیونکہ باقی جتنے اسماء حسنیٰ ہیں اسماء صفات میں سے ہیں تو صفت کے لئے موصوف اور نعت کے لئے منعوب کا پایا جانا ضروری ہے جو عربی لغت کی خصوصیت ہے۔

یہاں علماء نے یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ یہ لفظ اگر عربی ہے، تو پھر یہ عَلَم ہے یا اسم صفت ہے، جامد ہے یا مشتق ہے، تو راجح یہی ہے کہ یہ جامد ہے، مشتق نہیں، اسم علم ہے صفت نہیں، اسی قول کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ امام غزالی رحمہ اللہ اور ائمہ نحاۃ میں سے سیبویہ، خلیل ابن احمد، زجاج مبرد اور ابن کیسان نے اختیار کیا ہے۔ جن حضرات نے اس لفظ کو مشتق مانا ہے وہ اس کو باب فتح یفتح الہ یالہ بمعنی عبادت وبندگی لیتے ہیں، مالوہ ای معبود اور اللہ معبود ہے یا باب سمع یسمع سے الہ یالہ بمعنی تحیر و دھش لیتے ہیں کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے دہشت زدہ ہے اور اس کی ذات میں حیران ہے۔

سعدی بابا رحمہ اللہ نے فرمایا:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم — وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر — ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کسی نے کہا:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

بعض نے کہا یہ اصل میں ولاہ تھا واو کو ہمزہ سے تبدیل کیا تو الاہ ہو گیا جیسے وشاح اشاح ہے۔

صاحب کشاف نے کہا کہ یہ اصل میں ''الاہ'' تھا ابتدا سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں الف لام لایا گیا تو اللہ ہو گیا۔ بہر حال اللہ حاجت روا اور مشکل کشا کو کہتے ہیں چنانچہ سیبویہ کی طرف منسوب ہے:

معنی اللہ گفت سیبویہ — یولھون فی حوائجھم لدیہ

یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ ہر وقت ہر حاجت میں اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور وہ کسی وقت کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔

اس مبارک اسم کی خصوصیات

اس مبارک نام کے چند لفظی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ یہ نام صرف اللہ ہی کا ہے مخلوق میں سے کسی کا نام نہ ہوا ہے اور نہ جائز ہے۔

۲۔ اس نام کی طرف دیگر اسماء تو منسوب ہوتے ہیں، جیسے کتاب اللہ، ناقۃ اللہ، ارض اللہ، بیت اللہ، مگر یہ کسی کی طرف منسوب نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ حرف ندا کے حذف کے موقع پر اس کے آخر میں میم مشدد بڑھا کر اَللّٰھُمَّ کہنا درست ہے۔

۴۔ لفظ اللہ کے ساتھ الف لام تعریف یا حرف ندا کا آنا جائز ہے، دیگر اسماء ایسے نہیں جیسے یا اللہ۔

۵۔ قسم واللہ باللہ تاللہ کے ساتھ خاص ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ وَعَلٰی جَمِیۡعِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں (حضرت) محمد (ستودہ صفات) پر، جو سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں پر۔

تشریح

''الحمدللہ'' امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع کیا، ایک تو اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کا شکر ادا کرنے کے لیے جو اس کی کتاب کی تالیف کی طرز ہے، دوسرا اس حدیث کی وجہ سے جس میں کسی اچھے کام کی ابتداء میں حمد وثنا کا حکم دیا گیا ہے اور شاعر نے اس طرح کہا ہے:

حمدتُ حمدا حامدا وحمیدا　　　　رعایۃ شکرہ دھرا مدیدا

''حمد'' سمع سے ثناء اور تعریف کے معنی میں ہے، اس میں الف لام استغراق کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی حمد وثناء کا ہر ہر فرد اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ تعریف تو مخلوق کی بھی ہوتی ہے، تو یہ اختصاص کس طرح؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی بھی تعریف ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ اصل میں کائنات کے ہر کمال وجمال کا خالق ومالک اللہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عارفین کہتے ہیں کہ جب کسی اچھی آواز یا اچھی صورت یا اچھے کمال پر کسی کی تعریف کرو، تو کہو وہ اللہ کتنا بڑا ہے، جس نے اس مخلوق کو یہ اچھی آواز اور خوبصورت شکل اور اعلیٰ کمال عطا کیا ہے۔

الف لام جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے، یعنی جنس حمد اور حقیقتِ حمد وثناء اللہ کے لئے ہے، جو افراد کے ضمن میں ہے۔ کیونکہ جنس کی

حقیقت بھی افراد کے ضمن میں ہوتی ہے، تو نتیجہ وہی نکلا کہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لئے ہیں۔ الف لام عہد خارجی کے لئے بھی لیا جاسکتا ہے، پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے وہ محامد وصفات مراد ہوں گے، جو کسی مخلوق کے لئے کسی صورت میں جائز نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اس صورت میں الحمد للہ کے اختصاص پر کوئی اعتراض نہیں آئے گا، کیونکہ یہ صفات غیر اللہ میں آ ہی نہیں سکتی ہیں۔

الحمد،هو الثناء باللسان على الجميل الاختيارى على جهة التعظيم ۔

یہ حمد کی اصطلاحی تعریف ہے اس میں لسان سے مراد آلۂ تعبیر ہے، تو اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی تعریف کی ہے وہاں لسان وزبان کہاں ہے؟ نیز کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تعریف میں لگا ہوا ہے وہاں زبان کہاں ہے، تو جواب ہو گیا کہ ہر چیز کی زبان سے مراد آلۂ تعبیر ہے جو اس کے مناسب حال ہو۔

وفي كل شئ له آية تدل على انه واحد

جمیل اختیاری سے وہ جمال نکل گیا جو اختیار میں نہ ہو، جیسے موتی کی چمک دمک ہے، کہ اس کی تعریف حمد نہیں بلکہ اس کی تعریف کو مدح کہتے ہیں مثلاً مدحت اللؤلؤ على صفائه۔

اسی طرح على جهة التعظيم سے استہزاء کی صورت نکل گئی جیسے کسی ان پڑھ کو کوئی شخص کہتا ہے، علامہ صاحب آ گئے، یہ استہزاء ہے۔

حمد اور شکر میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ حمد کے لئے ضروری ہے کہ زبان سے ہو، مقابلہ میں احسان وانعام ہو یا نہ ہو، لیکن شکر کے لئے مقابلہ میں نعمت واحسان کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

پھر شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور زبان کے علاوہ جسم سے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کے درمیان اس طرح کی نسبت ہے کہ حمد اپنے مَورَد کے اعتبار سے خاص ہے، مگر مُتَعلَّق کے اعتبار سے عام ہے اور شکر مورد کے اعتبار سے عام ہے لیکن متعلق کے اعتبار سے خاص ہے۔ مورد سے مراد وارد ہونے کی جگہ یعنی زبان ہے، شکر کی تعریف یہ ہے کہ

فعل ينبئ عن تعظيم المنعم

"رب العالمين" رب یرب، نصر ینصر سے تربیت اور پالنے کے معنی میں ہے، امام راغب نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

انشاء الشئى حالا فحالا الى حدالتمام ۔

یعنی رب کا مفہوم یہ ہے جو کسی چیز کو انتہائی کمزور حالت سے لے کر آہستہ آہستہ اس کو درجۂ کمال تک پہنچائے، منافع متوجہ کرے اور مضار کو دور کرے۔ (فتح الملہم: ج۱ص۳۳)

"رب" کا لفظ جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، لیکن جب لفظ رب اضافت کے ساتھ استعمال

ہو جائے تو یہ عام ہوتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق غیر اللہ پر ہوتا ہے، قرآن کریم میں دونوں طرح کا استعمال موجود ہے۔ ربوبیت دو قسم پر ہے، ایک ربوبیت عامہ ہے، جیسے انسان حیوان، چرند، پرند، مسلم غیر مسلم سب کو اللہ پالتا ہے، دوسرا ربوبیت خاصہ ہے، جو مسلمان کی ہدایت کے ساتھ خاص ہے۔

''العالمین'' عالمین جمع ہے، اس کا مفرد عالَم ہے، عالَم ماسوی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات کو کہتے ہیں جیسے عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت، عالم ارواح، عالم ناسوت، عالم لاہوت اور عالم ملکوت، سب کو عالمین کا لفظ شامل ہے، انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اس لئے اس کے پیش نظر ان کے ساتھ تغلیباً جمع سالم لائی گئی ہے، ورنہ جمع مکسر عالمات کا صیغہ لانا چاہئے تھا۔

''والعاقبة للمتقين'' عاقبت سے آخرت کی زندگی مراد ہے، جو انسان کا آخری انجام ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آخرت کی یہ زندگی اور یہ آخری انجام تو تمام انسانوں کو ملتا ہے، تو صرف پرہیزگاروں کے ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عاقبت اور انجام سے اچھا انجام مراد ہے کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام صرف متقین کے لئے ہوتا ہے اوروں کے لئے نہیں ہوتا ہے۔

متقین جمع ہے اس کا مفرد متقی ہے، جو تقویٰ سے بنا ہے، تقویٰ کی ایک تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنا ظاہر اور اپنا باطن اپنے رب کے ساتھ صاف رکھے۔ دوسری تعریف یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی کانٹوں کی جھاڑی میں گھس جاتا ہے اور اپنے آپ کو کانٹوں سے بچا کر نکلتا ہے۔ یہی تقویٰ کا تصور ہے کہ اپنی زندگی کے سفر میں ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

قاضی بیضاوی نے تقویٰ کی تعریف اس طرح کی ہے ''الصيانة عمايضره في الآخرة'' یعنی جو چیز آخرت کے لئے نقصان دہ ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانا تقویٰ ہے۔

''وصلى الله'' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے جس طرح بسم اللہ اور الحمد للہ کے بعد صلوۃ کو ذکر کیا ہے یہ علماء کرام کی عادت کے مطابق ہے کیونکہ سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ حمد کے بعد صلوۃ کو بیان کرتے ہیں ویسے بھی ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ کا تقاضا ہے کہ حمد باری تعالیٰ کے بعد صلوۃ وسلام کا ذکر ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہے، اس کا شکر الحمد للہ سے ہوا تو دوسرے نمبر پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم منعم ہیں ان کا شکر صلوۃ کی صورت میں ادا کرنا چاہئے، تو امام مسلم رحمہ اللہ نے درود لا کر قرآن وحدیث پر بھی عمل کیا اور سلفاً وخلفاً امت کے معمول پر بھی عمل کیا۔ زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے اور ہر مجلس میں ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے آنے پر ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے، درود کے بے شمار صیغے ہیں، سب سے افضل درود وہی ہے جو دورد ابراھیمی ہے۔

اب یہاں ایک سوال علامہ نووی نے اٹھایا ہے کہ امام مسلم نے صلوۃ کے ساتھ سلام کا ذکر نہیں کیا، یہ امام مسلم نے مکروہ کا ارتکاب کیا، عام علماء فرماتے ہیں کہ امام نووی کا اعتراض بے جا ہے ائمہ احناف کے نزدیک صلوۃ کو انفراداً لانا یا سلام کو انفراداً ذکر کرنا دونوں جائز ہے۔

وصلی اللہ کا جملہ لفظاً ماضی ہے، مگر معنیً انشاء بمعنی دعا ہے، شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ اعتراض کسی نے کیا ہے کہ "صَلّی" کا لفظ بھی دعا ہے اور دعا کے صلہ میں جب لفظ علی آجائے تو یہ بددعا کے معنی میں ہوجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ و مادہ دعا کے ساتھ خاص ہے، مادہ صلوۃ میں نہیں چلے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے، قاعدہ کلیہ نہیں ہے، لہٰذا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

توحید اور وحدانیت کی گواہی سے فارغ ہوکر مصنف اقرار رسالت اور اثبات رسالت کی شہادت بیان فرما رہے ہیں۔

"محمد" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سب سے مشہور نام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سو ناموں کا ہونا مشہور ہے، ان ناموں میں صرف کثرت اسماء کا فلسفہ کارفرما نہیں، بلکہ ہر نام ایک طویل حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور وہ طویل صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ذات مبارکہ میں موجود تھیں۔ چنانچہ محمد اسم مفعول کا صیغہ ہے، صفت سے اسمیت کی طرف منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات جو ستودۂ کائنات ہے یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اسکا مدح خواں ہے۔

تاریخ اسلام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں رکھا؟ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ زمین و آسمان والوں کی طرف سے ان کی تعریف و مدح ہو۔ اسی نکتہ کی طرف دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس طرح اشارہ فرماتے ہیں:

و ضم الالہ اسم النبی باسمہ	اذا قال فی الخمس المؤذن اشھدُ
فشق لہ من اسمہ لیجلہ	فذو العرش محمود و ھذا محمدُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر رکھا جب مؤذن پانچ وقت کی اذان میں اشھد کہہ کر نام لیتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور اعزاز و اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے، پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہے۔

اس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ﴿ورفعنالک ذکرک﴾۔

اس مبارک نام کو جو شخص زبان پر لاتا ہے، تو دو دفعہ میم پر ہونٹوں کو ملا کر ایک دوسرے کو بوسہ دیتا ہے۔ یہ نام عرب میں بہت کم ملتا تھا، بلکہ سابقہ کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے پیش نظر بعض لوگوں نے اپنی اولاد کا نام محمد رکھا تھا، تاکہ وہ نبی آخرالزمان بن جائے، مگر پورے عرب میں یہ صرف چھ آدمی تھے جو نہ ہونے کے برابر تھے۔

بہرحال نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ صاحب صفات حمیدہ کا مفہوم پڑا تھا، اس لئے قریش نے جب اس مشکل کو محسوس کیا کہ زبان سے جب محمد نام لیا جائے تو صفات حمیدہ کا اقرار لازم آتا ہے اور پھر مذمت کرنے سے واضح تضاد نظر آتا تھا تو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مذمم کی مذمت شروع کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھ سے قریش کی مذمت ہٹادی ہے اب وہ مذمم کی مذمت کرتے ہیں اور میں تو محمد ہوں۔

"أحمد" بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ناموں میں سے ایک نام ہے، جو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

احمد کے معنی سب حامدین سے زیادہ حمد وثنا کرنے والا، یعنی أحمد الحمادین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور حمد وثناء کرنے والے تھے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے عمدہ اور سب سے اعلیٰ تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا:

خدا در انتظار حمد ما نیست　　محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس　　محمد حامد حمد خدا بس
خدایا از تو عشق مصطفیٰ را　　محمد از تو میخواہم خدا را

''خاتم النبین'' یہ لفظ ''ت'' کے فتح کے ساتھ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے ''مایختم به الشیء'' کو کہتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جب نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو رسولوں کا بطریق اولی ختم ہوگیا، کیونکہ عام کی نفی سے خاص کی نفی لازم ہے، تو اب نہ نبی آئے گا نہ رسول آئے گا، کیونکہ برکات وکمالات نبوت جتنا کسی کو دینا منظور تھا وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا گیا، اب کوئی اور آئے گا تو کیا لائے گا، مثلاً مسیلمہ کذاب اور غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا، ہم پوچھتے ہیں کہ غلام احمد کذاب آیا تو کیا لایا، ارکان اسلام پہلے سے موجود ہیں، شریعت کامل ومکمل موجود ہے، یہ جھوٹا آیا تو تشویش وفساد کے سوا کیا لایا؟ یہی معنی ہے کہ تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کہ جتنا کسی کو دینا تھا وہ ختم المرسلین کو دیدیا گیا، اب کسی اور کے آنے کی گنجائش ہی نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے مگر وہ ایک امتی کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کی تجدید کے لئے آئیں گے اور یہود ونصاریٰ کو قتل کریں گے۔

''وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین'' یہ ماقبل صلوۃ کے جملہ پر عطف ہے اور یہ ذکر عام بعد الخاص ہے قرآن وحدیث اور کلام عرب میں ذکر العام بعد الخاص فصاحت وبلاغت کا حصہ ہے۔

سوال

اب یہاں ایک اعتراض ہے کہ امام مسلم نے انبیاء کے بعد مرسلین کو کیوں ذکر کیا، اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی۔

جواب

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ذکر الخاص بعد العام ہے، رسول خاص ہے نبی عام ہے یہ بھی فصاحت وبلاغت کا حصہ ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ سجع کی رعایت کی غرض سے مرسلین کو ذکر کیا ہے اور یہ بھی کلام عرب میں مقصود ومحمود ہوتا ہے۔
امام مسلم نے بیان صلوۃ میں صحابہ اور اہل بیت کا نام نہیں لیا، جو عام دستور کے خلاف ہے شاید خیال نہیں آیا ہوگا اب یہاں رسول اور نبی میں فرق ملاحظہ کریں۔

رسول اور نبی میں فرق

رسول لغت میں قاصد اور پیغام پہنچانے والے کے معنی میں آتا ہے اور اصطلاح میں رسول کی تعریف اس طرح ہے۔

انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام معه كتاب متجدد ۔

یہاں انسان کہہ کر جنات اور ملائکہ سے احتراز کیا کیونکہ انسان بشر کے معنی میں فرشتوں اور جنات کے مقابلہ میں آتا ہے۔

ہدایۃ النحو کی شرح ''الھامیہ'' میں رسول کی یہی مندرجہ بالا تعریف کر کے قیودات میں لکھا ہے کہ ''انسان'' کہا ''رجل'' نہیں کہا تا کہ انسان کا لفظ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی شامل رہے، پھر صاحب الھامیہ نے لکھا ہے کہ عورتوں کو بھی نبی بنایا گیا، جیسے حضرت مریم، حضرت آسیہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی الله عنهن ۔

اس اللہ کے بندے نے اس مقام میں دانستہ یا نادانستہ طور پر کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا، اول تو اس نے ایک اجماعی عقیدہ اور نصوص قرانیہ کی واضح تصریحات واشارات کے خلاف عورتوں کے لئے نبوت اور رسالت ثابت کرنے کی کوشش کی، دوم انہوں نے حضرت عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کے لئے نبوت ثابت کر کے ختم نبوت کے قطعی نصوص کی واضح خلاف ورزی کی، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں تھے، بلکہ آپ کے بعد عائشہ اور فاطمہ بھی نبی بنیں، میں کہتا ہوں کہ ''صاحب الھامیہ'' نے اپنی ہی ایک بنائی ہوئی تعریف کی ایک قید احترازی کے لئے اتنی بڑی بات کہہ دی، حالانکہ یہ تعریف کوئی آسمانی وحی نہیں ہے اور اس میں اس قید کی حیثیت بھی ایک شخص کی ذہنی نکتہ سنجی ہے۔ نہ یہ حدیث ہے، نہ آیت ہے، نہ کوئی اجماع امت کا فیصلہ ہے، جس کے سامنے ہم مجبور ہوں، الھامیہ چھاپنے والوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم یہ باتیں آئندہ نکال دیں۔ بہرحال نبی کی تعریف اس طرح ہے۔ انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام ۔

اب علماء کے ہاں یہ بحث چلی کہ رسول اور نبی میں کیا فرق ہے؟

بعض علماء نے لکھا ہے کہ دونوں میں ترادف ہے کیونکہ قرآن کریم میں رسول اور نبی کا اطلاق بیک وقت ایک ہی ذات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً ''وكان رسولا نبيا'' یہ اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں آیا ہے۔ بعض علماء نے رسول اور نبی کی تعریفوں کو دیکھ کر تباین کا قول کیا کہ رسول کے پاس نئی شریعت ہوتی ہے اور نبی نئی شریعت لے کر نہیں آتا ہے، بلکہ سابقہ شریعت کی تجدید کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں سورۂ حج کی آیت ﴿وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي﴾ میں رسول پر نبی کا عطف ہوا ہے، جو مغایرت کو چاہتا ہے اسی طرح احادیث میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں تغایر وتباین ہے۔

سوال

رسول کی تعریف پر ایک اعتراض ہے کہ آسمانی صحیفے کل ایک سو ہیں اور بڑی کتابیں کل چار ہیں اور رسول کل تین سو تیرہ ہیں، تو ہر رسول کے پاس کتاب کہاں سے آئے گی؟ نیز اسماعیل علیہ السلام کو قرآن، رسول کے نام سے ذکر کرتا ہے، حالانکہ ان کے پاس کوئی نئی کتاب نہیں تھی۔

جواب

اس اعتراض کا جواب محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے درس بخاری کے دوران شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس طرح دیا تھا کہ شاہ صاحب نے ایک دفعہ مجھے بلا کر نہایت خوشی کے عالم میں مجھ سے فرمایا کہ کتابوں میں مجھے رسول اور نبی کا فرق مل گیا اور وہ اس طرح ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہو، معاشرہ میں غیر مسلم بھی ہوں اور مسلم بھی ہوں، مگر رسول وہ ہوتا ہے جو خالص قوم کفار کی طرف بھیجا گیا ہو اور ان کا اس قوم کے ساتھ خوب مقابلہ بھی ہوا ہو۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے جتنے پیغمبر آئے ہیں، وہ انبیاء تھے اور نوح علیہ السلام کے وقت رسولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مقابلے ہوئے، چنانچہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کفار کی طرف بھیجے گئے جب آپ آئے تو روئے زمین پر کفر و شرک ہی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کیا اور غلبہ پا لیا۔

أما بعد فانك يرحمك الله

تشریح

''أما بعد'' کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل کرنے کے لئے فصحاء اور بلغاء ''أما بعد'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تا کہ دونوں کلاموں میں فصل آ جائے، یہ لفظ قدیم عرب کے خطباء نے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

قَدْ عَلِمَ الْحَيُّ الْيَمَانِيِّنَ اَنَّنِي   اِذَا قُلْتُ اَمَّا بَعْدُ اَنِّي خَطِيْبُهَا

کتاب کے خطبوں میں أمّا بعد کا مضاف الیہ عموماً محذوف ہوتا ہے اور أمّا قائم مقام فعل شرط ہوتا ہے یعنی

"مهمايكن شيء من الاشياء بعدالحمدلة و البسملة و التصلية فهو كتابي هذا"

یہ حصر ادعائی ہے جو جائز ہے کہ ایک شخص کہتا ہے میرا دعوی ہے کہ یہ بات اس طرح ہے۔

"بعد" ظروف زمانیہ میں سے ہے اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو، یا نسیاً مَنْسِيًّا ہو تو دونوں صورتوں میں یہ معرب ہوتا ہے اور اگر اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو، تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ کلمہ بہت خفیف ہو کر رہ گیا ہے، اس لئے اس کو اثقل الحرکات ضمہ پر مبنی کیا گیا، تا کہ ضمہ کی وجہ سے اس میں کچھ ثقل آ جائے پھر چونکہ ''اما'' معنی شرط کو متضمن ہے، اس لئے بعد میں فاء جزائیہ لایا جاتا ہے، لیکن

جہاں صرف ''وبعد'' ہے وہاں بھی کبھی فاء جزائیہ لایا جاتا ہے، حالانکہ وہاں فاء جزائیہ لانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہی آتی۔
بعض شارحین کہتے ہیں کہ فاء تَوَهُّمِ ''اما'' کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی مصنف کو وہم ہو گیا کہ آیا میں نے ''امابعد'' لکھا ہے یا ''وبعد'' لکھا، لہٰذا امابعد کا خیال غالب آیا اور پھر فا جزائیہ کا ذکر کیا گیا۔ یہ وجہ عجیب اور انتہائی کمزور ہے، کیونکہ اس طرح مجموعہ نسیان اگر مصنف ہوگا تو وہ آگے چل کر کیا لکھے گا، جس کو سامنے لکھی ہوئی عبارت میں اس وقت وہم ہو گیا، جبکہ عبارت قلم کی نوک پر تھی، درحقیقت ''وبعد'' کے بعد جس نے فاء جزائیہ ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد کا لفظ ظروف زمانیہ میں سے ہے، اس کے ساتھ معاملہ حرف شرط کا کیا گیا ہے، جس طرح قرآن کریم میں ﴿واذلم يهتدوا به فسيقولون هذاافك قديم﴾ یہاں اذ ظرفیہ ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے، لہٰذا فاء لائی گئی، یہی صورت وبعد کی بھی ہے۔
اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ سب سے پہلے اما بعد کے الفاظ کس نے استعمال کئے تو یہاں کئی اقوال ہیں، مگر راجح یہ ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کو حضرت داؤد علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے۔ مفسرین نے کہا کہ ﴿واتيناه الحكمة وفصل الخطاب﴾ میں یہ خطاب فاصل أما بعد کا کلمہ تھا، جو حضرت داؤد علیہ السلام نے استعمال کیا تھا۔
پھر عام خطبوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو استعمال فرمایا اور تا حال استعمال ہوتا ہے، لہٰذا یہ مستحب ہے کہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اس کو استعمال کرے یہ خطیبوں کا شعار ہے۔

فَاِنَّكَ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ بِتَوْفِيقِ خَالِقِكَ ذَكَرْتَ اَنَّكَ هَمَمْتَ بِالْفَحْصِ عَنْ تَعَرُّفِ جُمْلَةِ الْاَخْبَارِ الْمَأْثُوْرَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سُنَنِ الدِّيْنِ وَاَحْكَامِهِ وَمَاكَانَ مِنْهَا فِى الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ وَغَيْرِذٰلِكَ مِنْ صُنُوْفِ الْاَشْيَاءِ بِالْاَسَانِيْدِ الَّتِىْ بِهَانُقِلَتْ وَتَدَاوَلَهَااَهْلُ الْعِلْمِ فِيْمَابَيْنَهُمْ فَأَرَدْتَ أَرْشَدَكَ اللّٰهُ اَنْ تُوَقَّفَ عَلٰى جُمْلَتِهَا مُؤَلَّفَةً مُحْصَاةً وَسَأَلْتَنِىْ اَنْ اُلَخِّصَهَا لَكَ فِى التَّاْلِيْفِ بِلَاتَكْرَارٍ يَكْثُرُ فَاِنَّ ذٰلِكَ زَعَمْتَ مِمَّايَشْغَلُكَ عَمَّالَهُ قَصَدْتَّ مِنَ التَّفَهُّمِ فِيْهَاوَالْاِسْتِنْبَاطِ مِنْهَا۔

حمد وصلوۃ کے بعد: اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی فرمائیں! آپ نے بتوفیق الٰہی تذکرہ کیا کہ آپ ارادہ کر چکے ہیں ان تمام روایات کو جاننے کیلئے تلاش وجستجو کرنے کا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی احکام وسنن کے سلسلہ میں مروی ہیں اور جو ثواب وعقاب، ترغیب وترہیب یا اس کے علاوہ اور مختلف سلسلوں میں مروی ہیں (آپ یہ سب روایات اُن کی اُن سندوں کے ساتھ (جاننا چاہتے ہیں) جن کے ساتھ وہ نقل کی گئی ہیں اور جو اہل علم کے درمیان متداول ہیں، آپ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو راہ راست دکھائیں کہ آپ کو ان تمام روایات سے اس طرح واقف کر دیا جائے کہ وہ سب مرتب شدہ اور گن کر جمع کردہ ہوں اور آپ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اُن کو آپ کے لئے ایک کتاب میں اس طرح مُلَخَّص کردوں کہ اس میں حد سے زیادہ تکرار نہ ہو۔ کیونکہ غیر معمولی تکرار آپ کے خیال میں آپ

کواس مقصد سے ہٹا سکتی ہے جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے یعنی روایات کو سمجھنا اوران سے احکام مستنبط کرنا۔

تشریح

''فانك'' امام مسلم کا خطاب اپنے اس شاگرد کو ہے جس نے امام مسلم رحمہ اللہ سے حدیث شریف میں ایک ممتاز قسم کی کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی اب یہ شاگرد کون تھا؟ تو صحیح مسلم کے نقل کرنے والے تین احباب ہیں ایک ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری ہیں دوسرے احمد بن سلمہ ہیں جو امام مسلم کے اکثر اسفار میں رفیق خاص تھے اور تیسرے ناقل شیخ احمد بن علی قلانسی ہیں امام مسلم کا خطاب ابواسحاق ابراہیم بن محمد کو ہے، مشہور یہی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ خطاب احمد بن سلمہ کو ہے یہ بھی ممکن ہے کیونکہ یہ امام مسلم کے رفیق خاص تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ یہاں ابتداء سے اگلے صفحہ نمبر ۵ تک تین باتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں: (۱) پہلی بات سبب تالیف (۲) دوسری بات طرز تالیف (۳) تیسری بات فائدۂ تالیف، بیان کریں گے۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے ابتداء سے لیکر ''ثم ان شاء الله'' تک سبب تالیف کو بیان کیا ہے اور وہاں سے ''وبعد'' تک طرز تالیف بیان کیا ہے اور و بعد سے آگے کئی صفحات تک فائدہ تالیف کی بات چلائی ہے جس میں کذابین اور مجروحین اور جارحین کی لمبی بحث چھیڑ دی ہے جو مسلم شریف صفحہ ۲۰ تک طویل ہوتی چلی گئی ہے۔

''هممت'' یہ لفظ نصر ینصر سے قصد وارادہ کے معنی میں ہے ''فحص'' یہ لفظ فتح یفتح سے جستجو تلاش اور کھود کرید کے معنی میں ہے۔

''جملة'' یہ لفظ جمیع کے معنی میں ہے۔ ''الاخبار'' یہ خبر کی جمع ہے اور امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں لفظ خبر اور اخبار، مرفوع حدیث کے لئے استعمال کیا ہے اگر چہ خبر اور حدیث میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ''صنوف'' یہ صنف کی جمع ہے مراد نوع اور قسم ہے ''بالاسانيد'' ''ب'' ''مع کے معنی میں ہے ای مع الاسانيد ، یہ سند کی جمع ہے مصنف سے لیکر صحابی تک جو سلسلہ چلتا ہے اسی کا نام سند ہے ''تداول'' ہاتھوں ہاتھ لینے کے معنی میں ہے ''توقف'' یہ مجہول کا صیغہ ہے واقف کرنا اور خبر دار کرنے کے معنی میں ہے ''علی جملتها'' یہ بھی جميعها کے معنی میں ہے ''محصاة'' یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے باب افعال سے احصاء گننے اور اکٹھا کر کے محفوظ کرنے کے معنی میں ہے یعنی مربوط ومحفوظ ومضبوط ہو کہ اس میں غیر ضروری تکرار نہ ہو ''بلا تكرار يكثر'' مطلب یہ کہ قلیل تکرار سے بچنا مشکل ہے مگر زیادہ تکرار نہ ہو ''فيما زعمت'' زعم کا لفظ قول باطل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ قول صحیح کے لئے بھی بولا جاتا ہے ضمام بن ثعلبۃ نے کہا ''زعم رسولك'' وہ دعویٰ کرنے اور پکی بات کرنے میں استعمال ہوا ہے سیبویہ اپنی کتاب میں اکثر کہتے ہیں ''وزعم الخليل كذا'' جو دعویٰ کرنے کے معنی میں ہے تو یہاں کتاب میں دعویٰ کرنے اور پکی بات کرنے کے معنی میں ہے ''التفهم'' سمجھنے کے معنی میں ہے۔

وَلِلَّذِیْ سَأَلْتَ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ حِیْنَ رَجَعْتُ اِلٰی تَدَبُّرِهٖ وَمَاتَؤُوْلُ اِلَیْهِ الْحَالُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَاقِبَةٌ مَحْمُوْدَةٌ وَمَنْفَعَةٌ

مَوْجُوْدَةٌ ـ وَظَنَنْتُ حِيْنَ سَأَلْتَنِيْ تَجَشُّمَ ذٰلِكَ أَنْ لَوْ عُزِمَ لِيْ عَلَيْهِ وَقُضِيَ لِيْ تَمَامُهُ كَانَ أَوَّلُ مَنْ يُصِيْبُهُ نَفْعُ ذٰلِكَ إِيَّايَ خَاصَّةً قَبْلَ غَيْرِيْ مِنَ النَّاسِ لِأَسْبَابٍ كَثِيْرَةٍ يَطُوْلُ بِذِكْرِهَا الْوَصْفُ إِلَّا أَنَّ جُمْلَةَ ذٰلِكَ أَنَّ ضَبْطَ الْقَلِيْلِ مِنْ هٰذَا الشَّأْنِ وَإِتْقَانَهُ أَيْسَرُ عَلَى الْمَرْءِ مِنْ مُعَالَجَةِ الْكَثِيْرِ مِنْهُ ـ وَلَاسِيَّمَا عِنْدَ مَنْ لَا تَمْيِيْزَ عِنْدَهُ مِنَ الْعَوَامِ إِلَّا بِأَنْ يُوَقِّفَهُ التَّمْيِيْزَ غَيْرُهُ فَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ فِيْ هٰذَا كَمَا وَصَفْنَا فَالْقَصْدُ مِنْهُ إِلَى الصَّحِيْحِ الْقَلِيْلِ أَوْلٰى بِهِمْ مِنْ اِزْدِيَادِ السَّقِيْمِ ـ

اور اس بات میں جس کی آپ نے فرمائش کی ہے اللہ آپ کو عزت بخشیں جب میں نے آپ کی فرمائش پر غور کیا اور اس کے نتیجہ کو سوچا تو اگر اللہ نے چاہا اس کا اچھا انجام اور نقد فائدہ ہوگا۔ اور میں نے خیال کیا جب آپ نے مجھ سے اس بھاری کام کے کرنے کی درخواست کی کہ اگر یہ کام مجھ سے بن پڑا، اور اس کا اتمام میرے ذریعہ مقدر ہوا، تو اس کا فائدہ دوسروں سے پہلے خود مجھ کو پہنچے گا، گونا گوں اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل میں طوالت ہے، البتہ بنیادی وجہ یہ ہے کہ تھوڑی روایات کا ضبط کرنا اور پختہ کرنا آدمی کے لئے آسان ہوتا ہے بہت ساری روایات کے استعمال کرنے سے۔ خاص طور پر وہ بات اُن عوام کے لئے ہے جن کو خود روایات میں تمیز نہیں ہے الّا یہ کہ کوئی دوسرا شخص ان کو سُوجھائے، پس جب صورتِ حال وہ ہے جو ہم نے بیان کی تو ان کے لئے تھوڑی صحیح روایات کا ارادہ کرنا بہت ساری سقیم وضعیف روایات طلب کرنے سے بہتر ہے۔

تشریح

''وللذی سألت'' امام مسلمؒ نے یہاں اپنے شاگرد کی درخواست کو معقول اور فائدہ مند سمجھ کر قبول کیا اور اس کی پذیرائی کی چنانچہ یہاں سے اسی فائدہ کو بیان فرما رہے ہیں ''وللذی'' خبر مقدم ہے اور آنے والی عبارت ''عاقبة محمودة'' مبتدا مؤخر ہے۔ درمیان میں پوری عبارت جملہ معترضہ کے طور پر ہے ''ماتؤل'' آل یؤول نصر سے مآل نتیجہ اور انجام کے معنی میں ہے۔ ''عاقبة محمودة'' یعنی اس کا اچھا انجام نکلے گا کہ پڑھنے والے کو حدیث آسانی سے ملے گی اور صحیح ملے گی ''ومنفعة موجودة'' یعنی نقد فائدہ ہوگا ''وظننت'' یہ متکلم کا صیغہ ہے گمان وخیال کرنے کے معنی میں ہے ''تجشم ذلك'' یہ سألتنی کے لئے مفعول بہ واقع ہے تجشم باب تفعل سے ہے سخت مشقت اٹھانے کے معنی میں ہے۔ ''ان لوعزم لی'' ان مخفف من المثقل بمعنی انه ہے عزم مجہول کا صیغہ ہے یہاں اس کا معنی ارادہ کرنے کا ہے مراد توفیق الٰہی ہے ''وقضی لی'' یہ قضا سے ہے فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے اگر یہ عزم لی کے لئے عطف تفسیر ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے لئے اس تالیف کے اتمام کا فیصلہ کر دے تو سب سے پہلے اس کا فائدہ مجھے پہنچے گا ''لو'' کے بعد عبارت شرط کے درجہ میں ہے اور ''کان اول'' کا جملہ اس کے لئے جزا ہے۔ اور ''ان'' اپنے اسم وخبر سے ملکر پورا جملہ ظننت کے لئے مفعول بہ واقع ہے ''خاصة'' یعنی اس تصنیف وتالیف کا سب سے پہلے فائدہ مجھے پہنچے گا کیونکہ علم کا پہنچانا ثواب ہے جس کے بڑے درجات ہیں

پھراحادیث مقدسہ کاعلم ہے جس میں نبی پاک پر کثرت سے درود ہے اوراحادیث کے پہنچانے کی بڑی ترغیب ہے اور علم چھپانے کی بڑی وعید ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء اور محدثین نے اپنی زندگیاں اس مبارک علم کے اسفار میں صرف کی ہیں انہوں نے کوئی خطہ ایسانہیں چھوڑا جہاں علم کے باغ نہ لگائے ہوں فتح الملهم میں اس مقام پر بہت ساری تفصیلات مذکور ہیں، بندۂ عاجز کو اس کا تجربہ بھی ہے کہ توضیحات شرح مشکوۃ جو میری تصنیف ہے سب سے زیادہ تدریسی فائدہ مجھے مل رہا ہے۔

"لاسباب کثیرۃ" ای لوجوہ کثیرۃ یہ لفظ یصیبه سے متعلق ہے اسباب سے علم دین اور علم حدیث کے مختلف فوائد کی طرف اشارہ ہے یہ بات ظاہر ہے کہ علم کی روشنی محدود نہیں بلکہ ہمہ جہت ہے "والفن خیر کله" "الوصف" یہ بیان کے معنی میں ہے کہ علم حدیث کے تمام پہلوؤں کا بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ "الاان جملۃ ذلك" یہ استثناء ماسبق کلام کے مفہوم سے ہے عبارت اس طرح ہوگی " ای لاذکرالوجوہ کلھا الااخلاصتھا" یا یہ استثناء منقطع ہے جو لکن کے معنی میں ہے عبارت میں لفظ "جملۃ" مجمل اور مختصر کے معنی میں ہے یعنی خلاصہ یہ ہے "ھذالشان" اس سے سند کے ساتھ حدیث بیان کرنا مراد ہے "اتقانه" مضبوط کرنے کے معنی ہے "معالجۃ الکثیر" معالجہ استعمال کرنے اور حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔ "ولا سیما" سیّ خصوصاً کے معنی میں ہے اور "ما" مبالغہ کے لئے ہے یعنی خاص طور پر جن عوام کے پاس تمیز نہیں ہے شاعر کہتا ہے ؎

الا رب یوم کان منھن صالحا ولا سیما یوماً بدارۃ جلجل

"الابان یوقفه" باب تفعیل سے واقف کرانا "غیرہ" یہ فاعل واقع ہے یوقف فعل کے لئے "السقیم" بیمار روایت سے ضعیف راویت مراد ہے۔

امام مسلمؒ کی ان تعقیدات سے بھرپور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے لئے تھوڑی روایات کو پختہ اور مضبوط کرنا آسان ہوتا ہے بہت ساری روایات کے حصول اور استعمال سے آدمی عاجز آجاتا ہے اور بہت ساری روایات کا یاد رکھنا اور ان کی صحت وسقم سے بحث کرنا اور ہروقت ان سب باتوں کا ذہن میں مستحضر رکھنا مشکل ہوتا ہے اگر ایک بار بحث وتمحیص کرکے روایات کی چھان بین کرکے ایک جامع مجموعہ تیار کرلیا جائے تو وہ مجھ سمیت سب کے لئے مفید ہوگا اور جو لوگ صحیح اور غیر صحیح روایات میں کسی کی راہنمائی کے بغیر امتیاز نہیں کرسکتے ہیں ان کے سامنے ہرطرح کی حدیثوں کا مجموعہ مرتب کرکے رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، ان کے لئے تو صحیح حدیثوں کا مختصر مجموعہ ہی مفید رہے گا اور وہ صحیح مسلم شریف ہے جو میں تیار کرنا چاہتا ہوں۔

وَاِنَّمَایُرْجٰی بَعْضُ الْمَنْفَعَۃِ فِی الْاِسْتِکْثَارِ مِنْ ھٰذَاالشَّأْنِ وَجَمْعِ الْمُکَرَّرَاتِ مِنْهُ لِخَاصَّۃٍ مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ رُزِقَ فِیْهِ بَعْضَ التَّیَقُّظِ وَالْمَعْرِفَۃِ بِاَسْبَابِهٖ وَعِلَلِهٖ فَذٰلِكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ یَھْجُمُ بِمَااُوْتِیَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَی الْفَائِدَۃِ فِی الْاِسْتِکْثَارِ مِنْ جَمْعِهٖ فَاَمَّاعَوَامُّ النَّاسِ الَّذِیْنَ ھُمْ بِخِلَافِ مَعَانِی الْخَاصِّ مِنْ اَھْلِ التَّیَقُّظِ وَالْمَعْرِفَۃِ فَلَامَعْنٰی لَھُمْ فِیْ طَلَبِ

الْحَدِيثِ الْكَثِيرِ وَقَدْ عَجَزُوْا عَنْ مَعْرِفَةِ الْقَلِيلِ ۔

اوراحادیث کی بہتات میں اور مکررات کو جمع کرنے میں کچھ نفع کی امید صرف اُن مخصوص لوگوں کے لئے ہے جنہیں اس فن میں کچھ بیدار مغزی اور احادیث کے علل واسباب کی معرفت نصیب ہے سو یہ شخص اگر اللہ نے چاہا تو جادۂ ھمکے گا، خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے، بہت زیادہ حدیثیں جمع کرنے کے فائدے پر رہے عام لوگ جن کی صورت حال بیدار مغز اور علم ومعرفت رکھنے والے خواص سے مختلف ہے تو اُن کے لئے بہت زیادہ حدیثیں طلب کرنے کی کوئی معنویت نہیں ہے درآنحالیکہ وہ تھوڑی روایات جاننے سے بھی عاجز ہیں۔

تشریح

''وانما یرجی ''اس عبارت سے امام مسلمؒ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔اعتراض یہ ہے کہ محدثین نے لاکھوں حدیثیں یاد کر رکھی ہیں امام احمد بن حنبل سات لاکھ احادیث کے حافظ تھے، ابوزرعہ بھی اتنے ہی کے حافظ تھے، امام ابوداؤد پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے، امام مسلم اور امام بخاری تین، تین لاکھ احادیث کے حافظ تھے، ایک طرف احادیث کا یہ ڈھیر دیکھو اور دوسری طرف امام مسلمؒ کی قلت احادیث کی ترغیب اور اس کے فوائد بیان کرنا دیکھو یہ تو ایک تضاد وتعارض ہے۔امام مسلمؒ نے مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے کہ زیادہ احادیث جمع کرنا فنِ حدیث کے شہسواروں کا کام ہے ان کے لئے حدیثوں کا بڑا ذخیرہ جمع کرنا اور یاد رکھنا مفید تھا لیکن جن بیچاروں کے پاس علم کی صلاحیت نہیں ان کے لئے قلیل صحیح احادیث مفید ہیں وہ قلیل کے محفوظ کرنے سے عاجز ہیں اور آپ ان پر مزید بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں کہا گیا وہ مقولہ کہ ''لایقاس الملوك بالحدادین '' بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔امام مسلمؒ نے ماہرین محدثین کے مقابلے میں عوام الناس کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے اس سے جہلاء عوام مراد نہیں بلکہ ماہرین محدثین کے مقابلے میں وہ علماء مراد ہیں جن کو فنون میں تو مہارت ہے مگر حدیث میں نہیں ہے ۔''ھذالشان ''اس سے سند کے ساتھ احادیث مراد ہیں ''التیقظ ''علمی مقام اور علمی بیداری مراد ہے ''باسبابه و علله ''اسباب جمع ہے اس کا مفرد سبب ہے اس سے اسباب طعن فی الحدیث مراد ہیں علل ، علة کی جمع ہے جس حدیث میں علت موجود ہو اس کو معلول کہتے ہیں ابتدائی مباحث میں حدیث معلل کی بات آگئی ہے۔اسباب طعن دس ہیں۔اس سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ بنیادی طور پر حدیث دو قسم پر ہے ایک حدیث صحیح ہے دوسری حدیث ضعیف ہے حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو اسباب طعن سے پاک ہو، علت وشذوذ سے خالی ہو اس کی سند اول سے آخر تک متصل ہو اور اس کو ایسے راوی نقل کرتے ہوں جو ضبط وعدالت سے متصف ہوں۔اس قسم کی روایت صحیح لذاتہ کہلاتی ہے یہ اعلیٰ درجہ کی حدیث ہوتی ہے اس کے بعد خفیف الضبط خفیف العدالۃ راویوں کی روایت کردہ حدیث ہوتی ہے یہ درجہ دوم کی حدیث کہلاتی ہے جو متوسط درجہ کی ہوتی ہے اس کے بعد درجہ سوم کی حدیث ہوتی ہے اس کے راوی مستورین متروکین ہوتے ہیں یہ صحیح کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کہلاتی ہے آگے تفصیل آرہی ہے۔

اسباب طعن

اسباب طعن کل دس ہیں پانچ کا تعلق عدالت سے ہے جس سے راوی کی عدالت مجروح ہوتی ہے اور پانچ کا تعلق ضبط واتقان سے ہے جس سے راوی کا ضبط واتقان مجروح ہوتا ہے جن اسباب سے عدالت مجروح ہوتی ہے وہ پانچ اسباب طعن یہ ہیں:

(۱) کذب (۲) تہمت کذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت

اور جس سے ضبط واتقان مجروح ہوتا ہے وہ پانچ اسباب طعن یہ ہیں:

(۱) کثرت غفلت (۲) کثرتِ غلط (۳) وہم (۴) مخالفت ثقات (۵) سوء حفظ۔

اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حدیث میں اس پوشیدہ علت کو ہم کس طرح معلوم کریں گے تو اس کے کئی طریقے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ تمام احادیث کو تمام طرق پر جمع کرلیا جائے اور دیکھا جائے تو مجموعی احادیث کے انداز سے معلوم ہو جائے گا کہ حدیث معلول کونسی ہے، علی بن المدینی فرماتے ہیں ''اذالم تجمع طرقه لم يتبين خطائه''۔ (نعمت المنعم ص ۱۸)

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کثرت مزاولت اور اشتغال بالحدیث ہوتا کہ قدرتی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جائے جس سے حدیث کو اس طرح پرکھا جائے جس طرح مقناطیس سے درہم کے کھوٹے اور کھرے کا پتہ چلایا جاتا ہے اسی قدرتی ذوق کو دوسرے الفاظ میں الہام سے یاد کیا گیا ہے۔ (تدریب الراوی)

چنانچہ ابوزرعہ رحمہ اللہ سے ایک عالم نے پوچھا کہ آپ لوگ کس طرح حدیث کی علت کو معلوم کر کے بتاتے ہیں؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم ایک حدیث کی علت سے متعلق پہلے مجھ سے پوچھو پھر ابن دارہؒ سے پوچھو پھر ابوحاتمؒ سے پوچھو سب ایک ہی طرز پر جواب دیں گے چنانچہ اس شخص نے مختلف اصحاب الجرح والتعدیل سے پوچھا سب نے ایک ہی طرز پر جواب دیا تو اس شخص نے کہا ''اشهدان هذاالعلم الهام'' یعنی یہ ایک الہامی طریقہ ہے، ابن رجب حنبلی بھی اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک مشہور معتبر راوی ہے ثقہ اور ضابط ہے اس کی نقل کردہ روایت کے خلاف دوسرا مستور غیر مشہور راوی روایت نقل کرتا ہے تو اس غیر مشہور کا طریقہ معلول ہوگا کیونکہ ثقہ کے خلاف ہے۔ بہر حال علت خفیہ معلوم کرنے کا علم ایک دقیق وعمیق فن ہے اس کے لئے مهرة الرجال اصحاب الجرح والتعديل علماء کی ضرورت ہے ہر سطحی عالم کا یہ کام نہیں ہے۔

''یهجم'' نصر ینصر سے ہے آگے بڑھنے کے معنی میں ہے۔ ''معانی الخاص'' غیر مقتدر علماء کے مقابلہ میں خاص مقصود ین محدثین مراد ہیں میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ امام مسلمؒ عوام الناس سے بازار میں گھومنے پھرنے والے جہلاء مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ غیر مقتدر علماء مراد ہیں جو علماء ہیں مگر فن حدیث میں مہارت نہیں رکھتے ہیں۔

"من اھل التیقظ و المعرفۃ" یعنی جن کو بیدار مغزی کے ساتھ ساتھ اسباب طعن اور علل الحدیث کی معرفت بھی نصیب ہوگئی ہو اس جملہ سے اور صفحہ ۵ پر ایک جملہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام مسلمؒ نے راویوں کے چار طبقات کا ذکر کیا ہے، تفصیل آرہی ہے۔ "وقد عجزوا" یہ جملہ حالیہ ہے یعنی درانحالیکہ وہ قلیل کے سمجھنے اور یاد کرنے سے عاجز ہیں۔

ثُمَّ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُبْتَدِؤُوْنَ فِیْ تَخْرِیْجِ مَاسَأَلْتَ وَتَالِیْفِهٖ عَلٰی شَرِیْطَةٍ سَوْفَ اَذْکُرُهَا لَكَ وَهُوَ اَنَّا نَعْمِدُ اِلٰی جُمْلَةِ مَااُسْنِدَ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَقْسِمُهَا عَلٰی ثَلَاثَةِ اَقْسَامٍ وَثَلَاثِ طَبَقَاتٍ مِنَ النَّاسِ عَلٰی غَیْرِ تَکْرَارٍ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَ مَوْضِعٌ لَا یُسْتَغْنٰی فِیْهِ عَنْ تَرْدَادِ حَدِیْثٍ فِیْهِ زِیَادَةُ مَعْنًی اَوْ اِسْنَادٌ یَقَعُ اِلٰی جَنْبِ اِسْنَادٍ لِعِلَّةٍ تَکُوْنُ هُنَاكَ لِاَنَّ الْمَعْنَی الزَّائِدَ فِی الْحَدِیْثِ الْمُحْتَاجَ اِلَیْهِ یَقُوْمُ مَقَامَ حَدِیْثٍ تَامٍّ فَلَابُدَّ مِنْ اِعَادَةِ الْحَدِیْثِ الَّذِیْ فِیْهِ مَاوَصَفْنَا مِنَ الزِّیَادَةِ اَوْ اَنْ نُفَصِّلَ ذٰلِكَ الْمَعْنٰی مِنْ جُمْلَةِ الْحَدِیْثِ عَلٰی اِخْتِصَارِهٖ اِذَا اَمْکَنَ وَلٰکِنْ تَفْصِیْلُهٗ رُبَّمَا عَسُرَ مِنْ جُمْلَتِهٖ فَاِعَادَتُهٗ بِهَیْئَتِهٖ اِذَا ضَاقَ ذٰلِكَ اَسْلَمُ فَاَمَّا مَاوَجَدْنَا بُدًّا مِنْ اِعَادَتِهٖ بِجُمْلَتِهٖ مِنْ غَیْرِ حَاجَةٍ مِنَّا اِلَیْهِ فَلَانَتَوَلّٰی فِعْلَهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

فَاَمَّا الْقِسْمُ الْاَوَّلُ: فَاِنَّا نَتَوَخّٰی اَنْ نُقَدِّمَ الْاَخْبَارَ الَّتِیْ هِیَ اَسْلَمُ مِنَ الْعُیُوْبِ مِنْ غَیْرِهَا وَاَنْقٰی مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ نَاقِلُوْهَا اَهْلَ اِسْتِقَامَةٍ فِی الْحَدِیْثِ وَاِتْقَانٍ لِمَانَقَلُوْا لَمْ یُوْجَدْ فِیْ رِوَایَتِهِمْ اِخْتِلَافٌ شَدِیْدٌ وَلَا تَخْلِیْطٌ فَاحِشٌ کَمَا قَدْ عُثِرَ فِیْهِ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَبَانَ ذٰلِكَ فِیْ حَدِیْثِهِمْ۔

اب ہم بمشیت ایزدی آپ کی مطلوبہ احادیث کی تخریج وتالیف شروع کرتے ہیں، ایک شرط کا التزام کرتے ہوئے جس کا آگے تذکرہ کروں گا اور وہ شرط یہ ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کے معتد بہ حصہ کا جائزہ لیں گے اور ان کو تین قسموں میں اور ان کے راویوں کو تین طبقوں میں تقسیم کریں گے (اور یہ کام) تکرار سے بچتے ہوئے کریں گے مگر یہ کہ کوئی ایسی جگہ آجائے جہاں کسی ایسی حدیث کی تکرار ناگزیر ہو، جس میں کوئی زائد مضمون ہے یا کوئی ایسی سند آئے جو دوسری سند کے پہلو میں واقع ہو کسی خاص وجہ سے جو وہاں پائی جاتی ہو (تو تکرار گوارہ کی گئی ہے) کیونکہ حدیث میں جو زائد مضمون ہے جس کی احتیاج ہے وہ مستقل حدیث کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس حدیث کو دوبارہ لانا ضروری ہوتا ہے جس میں وہ زائد مضمون ہوتا ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یا یہ ضروری ہوتا ہے کہ اختصار کے لئے ہم اس زائد مضمون کو لمبی حدیث سے جدا کریں اگر ایسا کرنا ممکن ہو مگر کبھی لمبی حدیث سے اس مضمون کا علیحدہ کرنا دشوار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں پوری حدیث بعینہٖ مکرر لانا ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ رہی وہ جگہ جہاں ساری حدیث مکرر لائے بغیر کام چل سکتا ہے بایں وجہ کہ ہم کو ساری حدیث (مکرر لانے) کی ضرورت

نہیں ہے تو وہاں ہم ان شاء اللہ تکرار کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔

رہی پہلی قسم : تو ہم ارادہ کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اُن حدیثوں کو درج کریں، جو بہ نسبت اور روایات کے عیوب سے زیادہ محفوظ اور پاک ہیں بایں وجہ کہ ان کے راوی حدیثوں کو درستگی کے ساتھ بیان کرنے والے ہیں اور جن روایات کو نقل کرتے ہیں ان کو اچھی طرح یاد رکھنے والے ہیں، اُن کی روایتوں میں بہت زیادہ مخالفت اور حد سے زیادہ خلط ملط نہیں پایا جاتا ہے، جیسا کہ بہت سے حدیث بیان کرنے والوں میں اس بات کا پتہ چلا ہے اور ان کی مرویات میں یہ بات ظاہر ہوگئی ہے۔

درجہ اول کے راوی

تشریح

''ثم ان ان شاء اللہ'' راویوں کی صفات کے اعتبار سے امام مسلمؒ نے احادیث کو تین طبقات پر تقسیم کیا ہے کتاب کے صفحہ ۵ تک امام مسلم نے یہی تذکرہ کیا ہے گویا اس صفحہ ۵ تک امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کا تعارف بیان کیا ہے جس کو سبب تالیف کے بعد طرز تالیف کہا جاسکتا ہے۔

پہلا طبقہ

صفات کے اعتبار سے جو رُوات حافظ و متقن اور اہل صدق و استقامت ہوں نہ ان کی روایات میں اختلاف شدید ہو اور نہ تخلیط فاحش ہو یہ درجۂ اعلیٰ کے راوی ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث قسم اول کی احادیث ہیں جنہیں امام مسلمؒ نے من وعن قبول کیا ہے۔

دوسرا طبقہ

امام مسلم کے نزدیک رواۃ کا دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان میں حفظ و اتقان ہو مگر طبقہ اولیٰ سے کچھ کم ہو یہ مستورون یعنی متوسطون فی الحفظ و الاتقان کا طبقہ ہے۔ امام مسلمؒ نے ان کی احادیث درجہ ثانیہ میں لی ہیں جو بطور متابع و شاہد و تائید ہیں گویا پہلا طبقہ تام الضبط راویوں کا ہے اور دوسرا طبقہ خفیف الضبط راویوں کا ہے۔

تیسرا طبقہ

امام مسلم کے نزدیک رواۃ کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو ضعفاء اور متروکین کا طبقہ ہے جن کے ضعف پر سارے محدثین متفق ہو چکے ہوں یا اکثریت نے ان کو ضعیف کہا ہو۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ ایسے راویوں کی احادیث کو میں ہرگز نہیں لوں گا اور نہ ان کی طرف التفات کروں گا۔

کیا چوتھا طبقہ بھی ہے؟

امام مسلم رحمہ اللہ کے مجموعی کلام اور خاص کر صفحہ نمبر ۵ کی عبارت "عند الاکثر" اور عبارت "مِنَ الغالب" سے چوتھے طبقے کا اشارہ ملتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ امام مسلم نے ان طبقات کا بیان اپنی کتاب صحیح مسلم میں کیا ہے یا کسی اور تصنیف کی طرف اشارہ ہے اور اگر مسلم میں اس کا ذکر کیا ہے تو کس ترتیب سے بیان کیا ہے تو اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں: ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے یہ وعدہ صحیح مسلم کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ کسی اور تصنیف کی طرف اشارہ ہے مگر اس میں شروع کرنے سے پہلے قضاء وقدر نے امام مسلمؒ کو اٹھالیا اور یہ وعدہ پورا نہ ہوسکا۔ لہٰذا صحیح مسلم میں صرف طبقہ اولیٰ کی احادیث مذکور ہیں اور بس، قاضی عیاض مالکیؒ اس رائے کے شدید مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں نے ان حضرات کی رائے سن لی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ وعدہ اپنی کتاب صحیح مسلم کے بارے میں کیا تھا اور آپ نے یہ وعدہ پورا بھی کر دیا ہے کیونکہ امام مسلم نے طبقہ اولیٰ کی روایات کو مسلم میں نقل کر دیا ہے اور طبقہ ثانیہ کی روایات کو بطور شاہد ومتابع نقل کر دیا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مسلم کو جب طبقہ اولیٰ کے راوی نہیں ملتے ہیں تو آپ دوسرے طبقہ کے راویوں کو طبقہ اولیٰ میں لے آتے ہیں اور پھر چوتھے درجے کے راویوں کو درجہ ثانیہ میں لاکر بطور متابع اور بطور شاہد ذکر کرتے ہیں، قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ تقلید محض کرنے کی ضرورت نہیں ہے صحیح مسلم میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ قاضی عیاض نے امام مسلم کی عبارت سے استدلال کیا ہے جو صفحہ نمبر ۵ پر ہے جس کا ذکر میں نے پہلے کر دیا ہے یعنی راوی کو اکثر لوگوں نے متہم قرار دیا اور غالب طبقہ نے متہم قرار دیا مگر اقل طبقہ نے اور مغلوب طبقہ نے اس کو قبول کر دیا ہے یہی چوتھا طبقہ ہے امام نوویؒ نے بھی قاضی عیاض کی تائید کی ہے، دارِقطنی نے صحیح مسلم کی ۱۳۲ روایات پر جو تنقید کی ہے وہ اسی قسم کی روایات ہیں۔ "شریطة" یہ شرط اور التزام کے معنی میں ہے "نعمد" ضرب سے قصد کے معنی میں ہے "جملة" یہ اکثر کے معنی میں ہے "ترداد" لوٹانے کے معنی میں ہے "او اسناد یقع" یعنی کوئی ایسی حدیث ہو جس میں زائد معنی ہو اور سابق حدیث پر اضافہ ہو یا کوئی ایسی سند ہو جس میں کوئی علت ہو اور دوسری سند سے وہ علت دور ہوجاتی ہو مثلاً پہلی سند میں عنعنہ ہو اور دوسری میں سماعت ہو تو اس طرح مجبوری میں ہم تکرار کریں گے ورنہ تکرار سے ہم قطعاً احتراز کریں گے۔ امام مسلمؒ نے جو کثرت طرق اور کثرت اسانید کو ذکر کیا ہے ہر جگہ علت کے لئے ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ ہر جگہ علت نہیں ہوتی بلکہ احادیث کے ذخیرہ کو جمع کرنے کی غرض سے بھی ایسا کیا ہے کیونکہ اگر ایک متن ہے اور اس کی دس سندیں ہیں تو وہ دس حدیثیں شمار ہوتی ہیں اور جب الفاظ اور راویوں میں تفاوت اور فرق آجائے تو اس کو تکرار بھی نہیں کہا جاسکتا "او ان نفصل" باب تفعیل سے جدا کرنے کے معنی میں ہے یعنی زائد معنی والی عبارت کو ہم لمبی حدیث سے کاٹ کر الگ کر دیں گے اگر ایسا ممکن ہوا کیونکہ حدیث کا یہ زائد ٹکڑا بھی پوری حدیث کے قائمقام ہوتا ہے جبکہ حدیث اپنے مفہوم میں اس ٹکڑے کی طرف محتاج ہو اگرچہ

ایک ٹکڑے کے لانے میں یہ خرابی ہے کہ حدیث میں تخریم آجاتی ہے۔

کیاتخریم فی الحدیث جائز ہے؟

تخریم الحدیث اوراختصارالحدیث اس عمل کا نام ہے کہ ایک عالم دین حدیث کے ایک حصہ کونقل کرتا ہے باقی کوچھوڑ دیتا ہے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا تخریم فی الحدیث جائز ہے یا ناجائز ہے؟

تدریب الراوی میں ہے کہ جوعلماء روایت بالمعنی کے قائل نہیں ہیں وہ تخریم الحدیث کوبھی جائز نہیں کہتے ،لیکن جولوگ علماء ہیں عارفین بالحدیث ہیں کہ یہ حدیث کہاں پر ہے اور مضمون ومعنی میں خلل نہیں کرتے ہیں اور مضمون کے جوڑتوڑ پران کی نظر ہوتی ہےتوان کے لئے تخریم الحدیث جائز ہے امام مسلمؒ نے بھی جمہور کا راستہ اپنایا ہے کہ اگر مضمون اور معنی میں خلل اورنقصان نہ ہوتا ہوتوعالم کے لئے تخریم الحدیث جائز ہے لیکن اگر عالم سے بھی مضمون ومعنی میں خلل واقع ہوتا ہواورمعنی میں فسادآتا ہوتواس طرح کے عالم کے لئے بھی تخریم جائز نہیں ہے۔اَن پڑھ تبلیغیوں کے لئے بھی روایت بالمعنی کرناصحیح نہیں ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ تخریم فی الحدیث کے بہت زیادہ حامی ہیں۔

''فلانتولی ''یعنی پوری حدیث کے اعادہ کرنے سے اگرہم کسی بھی صورت میں بے نیاز ہوکر چھٹکاراپاسکتے ہیں توہم تخریم الحدیث اوراختصارالحدیث کابیڑابھی نہیں اٹھائیں گےاوریہ ذمہ داری سرپرنہیں لیں گے۔''فانانتوخی'' یہ صیغہ باب تفعل سے ہےقصدکرنے کے معنی میں ہے''من ان یکون'' یہ من تعلیلیہ ہےاوریہ جملہ ماقبل کے لئے علت کے درجہ میں ہے ''انقی'' یہ نقیٌ سے پاکیزہ کے معنی میں ہے''استقامۃ'' درستگی کے معنی میں ہے''واتقان'' یہ پختگی کے معنی میں ہے۔اختلاف شدیداورتخلیط فاحش کے ضمن میں یہ اشارہ ہے کہ قلیل مقدارمیں یہ چیزیں معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنامشکل ہے۔

درجہ دوم کے راوی

فَاِذَانَحْنُ تَقَصَّيْنَا اَخْبَارَ هٰذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ اَتْبَعْنَاهَا اَخْبَارًا يَقَعُ فِيْ اَسَانِيْدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوْفِ بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ عَلٰى اَنَّهُمْ وَاِنْ كَانُوْا فِيْمَا وَصَفْنَا دُوْنَهُمْ فَاِنَّ اسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمٍ وَاَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْاٰثَارِ وَنُقَّالِ الْاَخْبَارِ فَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا بِمَا وَصَفْنَا مِنَ الْعِلْمِ وَالسَّتْرِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مَعْرُوْفِيْنَ فَغَيْرُهُمْ مِنْ اَقْرَانِهِمْ مِمَّنْ عِنْدَهُمْ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْاِتْقَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فِي الرِّوَايَةِ يَفْضُلُوْنَهُمْ فِي الْحَالِ وَالْمَرْتَبَةِ لِاَنَّ هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ دَرَجَةٌ رَفِيْعَةٌ وَخَصْلَةٌ سَنِيَّةٌ ۔

پھرجب ہم اس قسم (درجۂ اوّل) کے راویوں کی تمام حدیثیں بیان کرچکیں گے تو اُس کے بعد ہم وہ حدیثیں

لائیں گے جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی آ گئے ہیں جو حفظ و اتقان کے ساتھ اس درجہ سے متصف نہیں ہیں جس درجہ سے وہ راوی متصف ہیں جن کا سابق میں ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں یہ لوگ اگر چہ مذکورہ صفات (حفظ و اتقان) میں پہلی قسم کے رُواۃ سے فروتر ہیں مگر مستوریت، صداقت اور علم حدیث کے ساتھ اشتغال کا اُن پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسے عطاء بن السائب، یزید بن زیاد، لیث بن ابی سُلیم اور اُن جیسے دوسرے حاملین حدیث اور ناقلین روایات۔ الغرض یہ حضرات اگر چہ ائمہ حدیث کے نزدیک اُن صفات میں جو ہم نے ذکر کیں یعنی علم حدیث کے ساتھ اشتغال اور مستوریت (عدالت) میں مشہور ہیں مگر اُن کے ہم عصر دوسرے رُوات میں سے جو حفظ و اتقان اور روایت کی درستگی میں اُس مرتبہ پر ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اُن حضرات (عطاء وغیرہ) سے حالت و رُتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ چیز (یعنی حفظ و اتقان) ایک بلند رُتبہ اور عظیم الشان امتیاز ہے۔

تشریح

''فاذا نحن تقصينا''، تقصّی باب تفعل سے ہے اصل میں قص یقص اور اقتص بیان کرنے اور مکمل کرنے کے معنی میں ہے مجرد سے مزید کی طرف لیجانے سے پیچیدگی پیدا ہوگئی تعاقب کا معنی بھی اس میں پڑا ہوا مطلب یہ ہے کہ جب ہم قسم اول کے راویوں کے بیان سے مکمل طور پر فارغ ہو جائیں گے تو اس کے بعد ہم درجہ دوم کے راویوں کی حد بندی میں شروع ہو جائیں گے۔ اب یہاں ایک اعتراض پیدا ہو گیا ہے وہ یہ کہ بظاہر وہم ہوتا ہے کہ امام مسلم نے صحیح اور حسن ساری کی ساری احادیث کو جمع کر دیا ہے حالانکہ امام مسلم نے ایسا نہیں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہم غلط ہے کیونکہ یہاں امام مسلم نے صرف اتنی بات کہی ہے کہ میں جب تام الضبط راویوں کی روایتوں سے فارغ ہو جاؤں گا تو پھر خفیف الضبط راویوں کی روایتوں کو بیان کروں گا یہ تصریح نہیں ہے کہ ساری کی ساری روایتوں کو جمع کروں گا بلکہ یہ تصریح ہے کہ میں جو کچھ یہاں جمع کروں گا وہ صحیح روایات کا مجموعہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول، ص ۱۷۴ پر یہ تصریح موجود ہے نیز امام ابوزرعہ نے جب خدشہ ظاہر کیا کہ امام مسلم نے صحیح احادیث جمع کرنے کا جو دعویٰ کیا ہے اس سے اہل باطل کو موقع ملے گا کہ جو حدیث مسلم میں نہیں وہ صحیح نہیں تو سعید بن عمرو نے ابوزرعہ کا خدشہ امام مسلم کے سامنے ظاہر کیا تو امام مسلم نے فرمایا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں نے ساری صحیح احادیث یہاں جمع کر دی ہے خود فرمایا کہ ''ليس كل شئ عندى صحيح وضعته ههنا انما وضعته ههنا ما اجمعوا عليه''۔ (مسلم ص ۱۷۴)

معلوم ہوا کہ امام مسلم نے نہ ساری صحیح احادیث جمع کی ہیں اور نہ ساری حسن جمع کی ہیں بلکہ جو جمع کیا ہے وہ صحیح ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ درجہ دوم کے راوی بھی عدالت و صداقت اور علم حدیث سے مناسبت میں درجہ اول کے راویوں کے ہم پلہ ہوتے ہیں صرف حفظ و اتقان میں کم تر ہوتے ہیں کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے تو حافظہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے یہ درجہ اول سے درجہ دوم تک نیچے آ جاتے ہیں، امام مسلم ان کی روایات شواہد اور متابعات میں لاتے ہیں۔

ذخیرۂ حدیث میں احادیث کی کل تعداد کیا ہے؟

ہر محدث نے اپنے اپنے انداز کے مطابق پورے ذخیرۂ احادیث کا تتبع کر کے تعداد بتائی ہے کوئی حتمی اور یقینی فیصلہ اب تک نہیں ہوسکا ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کل احادیث کی تعداد سات لاکھ بتائی ہے، ابوزرعہ رازی نے بھی سات لاکھ کا قول کیا ہے یا چھ لاکھ بتایا ہے یہ تعداد تکرار کے ساتھ ہے اب بلاتکرار احادیث کی تعداد کیا ہے اس کا تعین بھی دشوار ہے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر بتایا گیا ہے امام احمد بن حنبل نے بلاتکرار احادیث کی تعداد سات ہزار بتائی ہے سفیان ثوری، یحیٰی بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ بلاتکرار احادیث کا مجموعہ چار ہزار ہے ادھر امام مسلم کے متعلق سب نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں تکرار کے ساتھ بارہ ہزار یا آٹھ ہزار احادیث ہیں اور بلاتکرار صرف مسلم میں چار ہزار کی تعداد ہے، تعین دشوار ہے۔اب یہ بات کہ احکام پر مشتمل احادیث کی تعداد کیا ہے؟ تو بعض محدثین کے ہاں نوسو ہیں بعض کے ہاں آٹھ سو ہیں بعض نے گیارہ سو کی تعداد بتائی ہے بعض نے پانچ سو کا کہا ہے۔بہرحال گنتی کا معیار الگ الگ ہے اس لئے تعداد میں فرق آگیا ہے۔

(خلاصہ فتح الملہم، مقدمہ نووی، نعمت المنعم وغیرہ)

''اسم الستر''ستر کے سین پر فتحہ ہے پردہ کے معنی میں ہے مراد مستور العیب ہے مستور الحال نہیں کیونکہ مستور الحال کی روایت تو ضعیف ہوتی ہے''الصدق''اس سے مراد وہ راوی ہے جو سچا ہو اس پر کذب کی تہمت نہ ہو''واضرابھم''یہ ضرب کی جمع ہے ای اشباھھم وامثالھم۔

راویوں کی درجہ بندی کی پہلی مثال

اَلَاتَرٰی اَنَّكَ اِذَا وَازَنْتَ هٰٓؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ الَّذِيْنَ سَمَّيْنَاهُمْ عَطَاءً وَيَزِيْدَ وَلَيْثًا بِمَنْصُوْرِبْنِ الْمُعْتَمِرِ وَسُلَيْمَانَ الْاَعْمَشِ وَاِسْمَاعِيْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ فِیْ اِتْقَانِ الْحَدِيْثِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فِيْهِ وَجَدْتَّهُمْ مُبَايِنِيْنَ لَهُمْ لَايُدَانُوْنَهُمْ لَاشَكَّ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ فِی ذٰلِكَ لِلَّذِیْ اِسْتَفَاضَ عِنْدَهُمْ مِنْ صِحَّةِ حِفْظِ مَنْصُوْرٍ وَالْاَعْمَشِ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِتْقَانِهِمْ لِحَدِيْثِهِمْ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَعْرِفُوْامِثْلَ ذٰلِكَ مِنْ عَطَاءٍ وَيَزِيْدَ وَلَيْثٍ ـ

دیکھئے ! جب آپ ان تینوں حضرات کا جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یعنی عطا، یزید اور لیث کا منصور بن المعتمر، سلیمان اعمش اور اسماعیل بن ابی خالد سے، حفظ و اتقان اور روایت کی درستگی میں موازنہ کریں گے تو ان کو اُن سے بالکل مختلف پائیں گے وہ ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ائمۂ حدیث کو اس بارے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے بایں وجہ کہ اُن کو بدرجۂ شہرت یہ بات معلوم ہے کہ منصور، اعمش اور اسماعیل کو احادیث اچھی طرح یاد تھیں اور وہ اپنی مرویات کو خوب مضبوط کئے ہوئے تھے اور عطاء، یزید اور لیث کے بارے میں یہ بات محدثین کو معلوم نہیں ہے۔

تشریح

"الاتری انك اذاوازنت هؤلاء الثلاثة"

امام مسلمؒ نے درجہ اول اور درجہ دوم کے راویوں کی حد بندی اور موازنہ اس طرح کیا ہے کہ پہلے درجہ دوم کے تین راویوں کا نام لیا پھران کے مقابلے میں درجہ اول کے تین اشخاص کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ دیکھو درجہ دوم کے راوی بھی کوئی گئے گذرے لوگ نہیں ہیں لیکن درجہ اول کے راویوں کا مقام ضبط واتقان میں ان سے کہیں اونچا ہے، پہلے درجہ کے راوی تام الضبط والاتقان ہیں اور درجہ دوم کے راوی خفیف الضبط والاتقان ہیں۔ امام مسلم نے عجیب ترتیب رکھی ہے کہ درجہ دوم کے راویوں کا تذکرہ پہلے کیا ہے پھر درجہ اول کے راویوں کو ذکر کیا ہے میں بھی اسی ترتیب سے لکھنا چاہتا ہوں، معلوم نہیں امام مسلم نے ایسا کیوں کیا تو لیجئے درجہ دوم کے راوی:

درجہ دوم کے راوی : ۱۔ عطاء بن السائب ۲۔ یزید بن ابی زیاد ۳۔ لیث بن ابی سُلیم

درجہ اول کے راوی : ۱۔ منصور بن المعتمر ۲۔ سلیمان الاعمش ۳۔ اسماعیل بن ابی خالد۔

اب دونوں درجوں میں فرق کو دیکھ لیجئے کہ عطاء بن سائب ثقفی کوفی تابعی متوفی ۱۳۶ھ ہیں امام بخاری کے راویوں میں سے ہیں مگر آخر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا تو درجہ دوم میں آگئے۔ یزید بن ابی زیاد ہاشمی کوفی متوفی ۱۳۶ھ ہیں مسلم اور سُنن کے راوی ہیں ثقہ ہیں مگر آخر عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تو درجہ دوم میں آگئے۔ لیث بن ابی سُلیم متوفی ۱۴۸ھ ثقہ ہیں مسلم اور سُنن کے معتبر راوی ہیں مگر آخر عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تو درجہ دوم میں آگئے۔

اب دیکھئے کہ درجہ اول میں منصور بن المعتمر متوفی ۱۳۲ھ ہیں سلیمان اعمش متوفی ۱۴۷ھ ہیں، اسماعیل بن ابی خالد متوفی ۱۴۶ھ ہیں ان دونوں درجوں کے راویوں میں ضبط واتقان میں بڑا فرق ہے لہٰذا ان صفات کی قوت وضعف کی وجہ سے ان کے درجات میں فرق آگیا کیونکہ علم الحدیث کے میدان میں ان صفات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا "وازنت" "ترازو میں تولنے اور موازنہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی دنیا نے پرکھ کر دیکھا تو دونوں درجوں میں بڑا فرق محسوس کیا۔

راویوں کی درجہ بندی کی دوسری مثال

وَفِی مِثْلِ مَجْرَی هٰؤُلَاءِ اِذَاوَازَنْتَ بَیْنَ الْاَقْرَانِ کَابْنِ عَوْنٍ وَاَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیِّ مَعَ عَوْفِ بْنِ اَبِیْ جَمِیْلَةَ وَاَشْعَثَ الْحُمْرَانِیِّ وَهُمَاصَاحِبَا الْحَسَنِ وَابْنِ سِیْرِیْنَ کَمَااَنَّ بْنَ عَوْنٍ وَاَیُّوْبَ صَاحِبَاهُمَا اِلَّا اَنَّ الْبُوْنَ بَیْنَهُمَا وَبَیْنَ هٰذَیْنِ بَعِیْدٌ فِیْ کَمَالِ الْفَضْلِ وَصِحَّةِ النَّقْلِ وَاِنْ کَانَ عَوْفٌ وَاَشْعَثُ غَیْرَمَدْفُوْعَیْنِ عَنْ صِدْقٍ وَاَمَانَةٍ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ وَلٰکِنَّ الْحَالَ مَاوَصَفْنَا مِنَ الْمَنْزِلَةِ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ۔

علی ہذا القیاس جب آپ ہم عصروں کے درمیان موازنہ کریں گے مثلاً ابن عون اور ایوب سختیانی کا موازنہ کریں گے عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حُمرانی کے ساتھ درآنحالیکہ یہ دونوں حضرت حسن بصری اور حضرت محمد بن سیرین کے تلامذہ ہیں جس طرح ابن عون اور ایوب ان کے شاگرد ہیں مگر اُن میں اور اِن میں کمالِ فضیلت اور روایت کی صحت میں بڑا فرق ہے، اگرچہ عوف اور اشعث بھی محدثین کے نزدیک صدق وامانت سے ہٹائے ہوئے نہیں ہیں مگر مقام ورُتبہ کی صورتِ حال محدثین کے نزدیک وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

تشریح

''وفی مثل مجری ھؤلاء'' یہاں سے امام مسلم رحمہ اللہ ''وانما مثلنا'' تک تام الضبط اور خفیف الضبط راویوں کی درجہ بندی کی ایک اور مثال پیش کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ہم عصر بلکہ استاذ شریک علماء کے درمیان موازنہ کروگے اور ابن عون اور ایوب سختیانی کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھوگے اور عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حمرانی کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھوگے تو اس موازنہ کے بعد معلوم ہوگا کہ فضل وکمال، ضبط واتقان اور رتبہ ومنزلت میں دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق موجود ہے اور ہمیں شریعت نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں میں ہر ایک کو اپنے اپنے مقام میں اتارا کریں، عوف اور اشعث اگرچہ ساقط الاعتبار نہیں ہیں اور نہ دروازوں پر دھکے کھانے والے لوگ ہیں مگر رتبہ ومنزلت اور فضل وکمال کے اعتبار سے دوسرے درجے کے لوگ ہیں پہلے درجے کے نہیں ہیں لہٰذا ہم نے ان کو دوسرے درجے میں رکھدیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جلیل القدر محدث ہیں جنکی عمر ۹۰ سال ہوئی اور وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، اسی طرح محمد بن سیرین ایک جلیل القدر محدث ہیں ان کی وفات بھی ۱۱۰ھ میں ہوئی، ان دونوں بزرگوں کے چار شاگرد ہیں:

(۱) عبداللہ بن عون بصری متوفی ۱۵۰ھ بڑے فاضل اور ثقہ راوی ہیں۔

(۲) ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی بصری متوفی ۱۳۱ھ بڑے ثقہ ثبت اور حجت ہیں۔

(۳) عوف بن ابی جمیلہ بصری متوفی ۱۴۶ھ ثقہ راوی ہیں۔

(۴) اشعث بن عبدالملک حُمرانی بصری متوفی ۱۴۲ھ ثقہ اور فقیہ راوی ہیں۔

یہ لوگ اگرچہ ایک استاد کے شاگرد ہیں مگر عبداللہ بن عون اور ایوب سختیانی درجہ اول کے راوی ہیں اور عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حُمرانی دوسرے درجہ کے راوی ہیں۔ درجہ اول کے راوی کامل الضبط والاتقان ہیں تو ان کو اول درجہ مل گیا درجہ ثانی کے راوی خفیف الضبط والاتقان ہیں تو انہیں دوسرا درجہ ملا۔ ''سختیانی'' سختیان کھال کو کہتے ہیں ایوب سختیانی بصرہ میں کھالوں کی خرید وفروخت کا کام کرتے تھے گویا یہ نسبت پیشہ کی طرف ہے، علی بن المدینی کہتے ہیں کہ حسن بصری کے شاگردوں میں ابن عون اور ایوب سختیانی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور ایوب سختیانی ابن عون سے زیادہ اثبت واضبط ہیں۔ عوف بن ابی جمیلہ کو یحییٰ بن معین نے ثقہ

قرار دیا ہے امام احمد نے ان کو صالح کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔اشعث حُمرانی یہ حمران کی طرف منسوب ہے،حُمران حضرت عثمانؓ کا آزاد کردہ غلام تھا''ح'' پر پیش ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اشعث سچے ہیں ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے''مـجـرىٰ'' گذرگاہ کو کہتے ہیں نقش قدم مراد ہے''اقران'' قرن کی جمع ہے ہم عصر لوگ مراد ہیں''بون'' فرق اور فاصلے کے معنی میں ہے''مدفوع'' ٹھکرانے اور مسترد کرنے کے معنی میں ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

وَاِنَّمَامَثَّلْنَاهٰؤُلَاءِ فِي التَّسْمِيَةِ لِيَكُوْنَ تَمْثِيْلُهُمْ سِمَةً يَصْدُرُ عَنْ فَهْمِهَا مَنْ غَبِيَ عَلَيْهِ طَرِيْقُ اَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَرْتِيْبِ اَهْلِهِ فِيْهِ فَلَايُقَصَّرُ بِالرَّجُلِ الْعَالِي الْقَدْرِ عَنْ دَرَجَتِهٖ وَلَايُرْفَعُ مُتَّضِعُ الْقَدْرِ فِي الْعِلْمِ فَوْقَ مَنْزِلَتِهٖ وَيُعْطِي كُلَّ ذِيْ حَقٍّ فِيْهِ حَقَّهٗ وَيُنَزِّلُ مَنْزِلَتَهٗ وَقَدْذُكِرَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ : اَمَرَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ مَعَ مَانَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾(یوسف:۷۶) فَعَلٰى نَحْوِمَاذَكَرْنَا مِنَ الْوُجُوْهِ نُؤَلِّفُ مَاسَأَلْتَ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

اور ہم نے ان حضرات کی نامزد مثالیں صرف اس لئے بیان کی ہیں تاکہ یہ تمثیل نشانی بنے اور اس سے وہ شخص استفادہ کرے جس پر مخفی ہے کہ محدثین کرام رُواتِ حدیث کی درجہ بندی کس طرح کرتے ہیں؟ پس وہ بلند درجے والے کو اس کے درجے سے پست نہ کردے اور علم حدیث میں بے حیثیت راوی کو اس کے مقام سے بلند نہ کردے اور فن حدیث میں جس کا جو حق ہے وہ اس کو دے اور ہر شخص کو اس کے مقام میں اُتارے،اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبوں میں اتاریں قرآنِ کریم کی تصریح کے ساتھ یعنی باری تعالیٰ کا ارشاد کہ''اور ہر جاننے والے کے اوپر ایک بڑا جاننے والا ہے''۔الغرض سابق میں ذکر کردہ شرائط کے مطابق ہم آپ کی مطلوبہ احادیث مرفوعہ کو مرتب کریں گے۔

تشریح

''وانـمـامثلنا'' یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ امام مسلم نے کسی راوی کو اعلیٰ بتایا کسی کو ادنیٰ بتایا یہ تو غیبت بھی ہے اور شان مسلم کی حقارت بھی ہے۔اس کا جواب امام مسلم رحمہ اللہ دے رہے ہیں کہ راویوں کی درجہ بندی کرنے میں ان کی توہین وتحقیر مقصود نہیں یہ کشف حقیقت ہے اور دفاع شریعت ہے نہ کہ غیبت بلکہ اس سے طالبین علوم حدیث کی رہنمائی مقصود ہے کہ جس راوی پر جو نشان ہے وہی اس کا مقام ہے۔لہٰذا طالبین حدیث کسی شیخ کے درجہ کو نہ کم کریں گے اور نہ زیادہ بڑھائیں گے اور یہی حضرت عائشہؓ کی روایت کا مطلب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ فرق مراتب ضروری ہے۔فرق مراتب پر امام ترمذی نے''کتـاب

العلل ''لکھی ہے۔امام مسلم نے''الطبقات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے امام نسائی نے''مراتب الثقات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ع اگر تو فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اب یہاں روایت عائشہ پر ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی یہ روایت امام مسلم کی شرائط پر پوری نہیں اترتی، اس کو امام مسلمؒ نے یہاں کیسے ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے جو شرائط بیان فرمائی ہیں وہ ان کی کتاب صحیح مسلم کے لئے ہیں مقدمہ کے لئے وہ سخت شرائط نہیں ہیں۔''سمة''علامت کو کہتے ہیں۔''من غبی ''یہ فاعل واقع ہے''یصدر'' کے لئے ''طریق''یہ فاعل ہے''غبی '' کے لئے۔''متضع القدر''اتضاع وضع سے ہے گرے ہوئے شخص کو کہتے ہیں۔

فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ قَوْمٍ هُمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُتَّهَمُونَ أَوْعِنْدَ الْأَكْثَرِ مِنْهُمْ فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِيجِ حَدِيثِهِمْ كَعَبْدِاللَّهِ بْنِ مِسْوَرٍ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَائِنِيِّ وَعَمْرِوبْنِ خَالِدٍ وَعَبْدِالْقُدُّوسِ الشَّامِيِّ وَمُحَمَّدِبْنِ سَعِيدٍ الْمَصْلُوبِ وَغِيَاثِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍوأَبِي دَاوُدَ النَّخَعِيِّ وَأَشْبَاهِهِمْ مِمَّنْ اُتُّهِمَ بِوَضْعِ الْأَحَادِيثِ وَتَوْلِيدِ الْأَخْبَارِ۔

وَكَذٰلِكَ: مَنِ الْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْمُنْكَرُ أَوِالْغَلَطُ أَمْسَكْنَا أَيْضاً عَنْ حَدِيثِهِمْ وَعَلَامَةُ الْمُنْكَرِ فِي حَدِيثِ الْمُحَدِّثِ إِذَامَاعُرِضَتْ رِوَايَتُهُ لِلْحَدِيثِ عَلَى رِوَايَةِ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْحِفْظِ وَالرِّضَا خَالَفَتْ رِوَايَتُهُ رِوَايَتَهُمْ أَوْ لَمْ تَكَدْ تُوَافِقُهَا فَإِذَا كَانَ الْأَغْلَبُ مِنْ حَدِيثِهِ كَذٰلِكَ كَانَ مَهْجُورَ الْحَدِيثِ غَيْرَ مَقْبُولِهِ وَلَامُسْتَعْمَلِهِ۔فَمِنْ هٰذَاالضَّرْبِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ :عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَرَّرٍ وَيَحْيَى بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ وَالْجَرَّاحُ بْنُ الْمِنْهَالِ أَبُو الْعَطُوفِ وَعَبَّادُبْنُ كَثِيرٍ وَحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ ضُمَيْرَةَ وَعُمَرُ بْنُ صُهْبَانَ وَمَنْ نَحَا نَحْوَهُمْ فِي رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْحَدِيثِ فَلَسْنَا نُعَرِّجُ عَلَى حَدِيثِهِمْ وَلَانَتَشَاغَلُ بِهِ۔

لِأَنَّ حُكْمَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِي يُعْرَفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِي قَبُولِ مَايَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيثِ أَنْ يَكُونَ قَدْشَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِي بَعْضِ مَارَوَوْا وَأَمْعَنَ فِي ذٰلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَإِذَا وُجِدَ ذٰلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئاً لَيْسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ قُبِلَتْ زِيَادَتُهُ فَأَمَّامَنْ تَرَاهُ يَعْمِدُ لِمِثْلِ الزُّهْرِيِّ فِي جَلَالَتِهِ وَكَثْرَةِ أَصْحَابِهِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِينَ لِحَدِيثِهِ وَحَدِيثِ غَيْرِهِ أَوْلِمِثْلِ هِشَامَ بْنِ عُرْوَةَ وَحَدِيثُهُمَا عِنْدَأَهْلِ الْعِلْمِ مَبْسُوطٌ مُشْتَرَكٌ قَدْنَقَلَ أَصْحَابُهُمَاعَنْهُمَا حَدِيثَهُمَا عَلَى الْإِتِّفَاقِ مِنْهُمْ فِي أَكْثَرِهِ فَيَرْوِي عَنْهُمَاأَوْ عَنْ أَحَدِهِمَاالْعَدَدَ مِنَ الْحَدِيثِ مِمَّالَايَعْرِفُهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِمَا وَلَيْسَ مِمَّنْ قَدْشَارَكَهُمْ فِي الصَّحِيحِ مِمَّاعِنْدَهُمْ فَغَيْرُ جَائِزٍ قَبُولُ حَدِيثِ هٰذَاالضَّرْبِ مِنَ النَّاسِ،وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

وَقَدْشَرَحْنَا مِنْ مَذْهَبِ الْحَدِيثِ وَأَهْلِهِ بَعْضَ مَايَتَوَجَّهُ بِهِ مَنْ أَرَادَ سَبِيلَ الْقَوْمِ وَوُفِّقَ لَهَاوَسَنَزِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

شَرحًا وَاِيضَاحًا فِي مَوَاضِعَ مِنَ الْكِتَابِ عِندَ ذِكرِ الْاَخبَارِ الْمُعَلَّلَةِ اِذَا اَتَينَا عَلَيهَا فِي الْاَمَاكِنِ الَّتِي يَلِيقُ بِهَا الشَّرحُ وَالْاِيضَاحُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی ۔

اور رہی وہ حدیثیں جو ایسے راویوں سے مروی ہیں جو تمام محدثین کے نزدیک یا اکثر کے نزدیک (وضع حدیث میں) بدنام ہیں، تو ہم ان کی حدیثوں کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔ جیسے ابو جعفر عبداللہ بن مسور مدائنی، عمرو بن خالد، عبدالقدوس شامی، محمد بن سعید مصلوب، غیاث بن ابراہیم اور ابو داود سلیمان بن عمرو نخعی وغیرہ وہ رُوات جو وضع حدیث اور اخبار سازی کے ساتھ متہم کئے گئے ہیں۔

اسی طرح جس راوی کی مرویات پر منکر یا غلط احادیث کا غلبہ ہے اس کی روایتوں کو بھی درج کرنے سے ہم نے احتراز کیا ہے اور کسی محدث کی مرویات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا مقابلہ دوسرے اہل حفظ و رضا (یاد رکھنے والے پسندیدہ) راویوں کی حدیثوں سے کیا جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے خلاف ہو، یا مشکل سے موافقت پیدا کی جاسکے، الغرض جس شخص کی روایات میں بیشتر ایسی ہی روایات ہیں وہ راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایہ اور نا قابل احتجاج ہے۔ اس قسم کے راویوں میں عبداللہ بن محرَّر، یحییٰ بن ابی اُنیسہ، ابو العطوف جراح بن منہال، عباد بن کثیر، ابن ضمیرہ، عمر بن صُہبان اور وہ تمام رُوات ہیں جو منکر روایتیں نقل کرنے میں ان لوگوں کے نقش قدم پر ہیں، ہم ایسے لوگوں کی روایتوں پر اعتماد نہیں کریں گے، اور ان کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

اس لئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور اُن کا جو مذہب مشہور ہے اس حدیث کو قبول کرنے کے سلسلہ میں جس کا راوی متفرد ہے وہ یہ ہے کہ راوی ثقہ حفاظ محدثین کے ساتھ شریک رہا ہو ان کی بعض مرویات میں اور اُس نے انتہائی جدوجہد کی ہو ان کی موافقت کرنے میں، تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو اس کے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو اس کی زیادتی قبول کی جائیگی، رہا وہ راوی جسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ امام زہری رحمہ اللہ جیسے محدث کا قصد کرتا ہے یا جو امام زہری کی طرح ہے جلالتِ شان میں اور شاگردوں کی کثرت میں جو حفاظ حدیث ہیں اور ان کی اور دوسرے محدثین کی روایات کو نہایت درستگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں یا وہ حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت کا قصد کرتا ہے درآنحالیکہ دونوں کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں مشترک بھی ہے جن میں سے اکثر کو ان کے تلامذہ باہم متفق ہو کر ان سے روایت کرتے ہیں اب وہ راوی ان دونوں حضرات سے یا ان میں سے کسی ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جن کو ان کے تلامذہ میں سے کوئی نہیں جانتا اور وہ راوی اُن تلامذہ کے ساتھ ان کی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو اس قسم کے رُوات کی روایتیں قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور ہم نے فن حدیث اور محدثین کے طریقہ کے سلسلہ کی بعض وہ باتیں واضح کردی ہیں جن کے ذریعہ وہ شخص محدثین کی راہ اختیار کرسکتا ہے جو چاہے اور جسے اس کی توفیق بھی ملی ہو اور ان شاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے اسی مقدمہ میں متعدد جگہ، احادیث ضعیفہ کے بیان میں جب ہم وہاں پہنچیں گے جس جگہ تشریح وتوضیح کا موقع ہوگا۔ان شاء اللہ۔

تشریح

''فاما ما کان منها'' یہاں سے امام مسلمؒ راویوں کے تیسرے طبقے کو بیان فرمارہے ہیں جو ضعفاء متروکین اور وضاعین کا طبقہ ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ہم وضاعین کی روایت کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

چند وضاعین کے نام

امام مسلمؒ نے یہاں چھ وضاعین کے ناموں کا کھل کر اعلان فرمایا ہے جن پر تمام محدثین نے یا اکثر محدثین نے حدیثیں گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان سب پر حدیثیں وضع کرنے کا شدید الزام ہے لہٰذا الگ الگ ایک ایک کے وضع کی داستان بیان کرنے کی ضرورت نہیں، وہ چھ نام یہ ہیں۔

۱۔ ابوجعفر عبداللہ بن مسعر مدائنی جو مدائن کی طرف منسوب ہے بڑا کذاب جھوٹا تھا حدیثیں گھڑتا تھا۔(میزان الاعتدال ج۲ص۵۰۴)

۲۔ عمرو بن خالد واسطی شہر واسط کی طرف منسوب ہے ابن ماجہ کا راوی ہے بڑا کذاب جھوٹا تھا۔ (میزان الاعتدال ج۲ص۲۵۸)

۳۔ عبدالقدوس شامی شام کی طرف منسوب ہے۔ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ عبدالقدوس کذاب تھا حدیثیں گھڑتا تھا۔

(میزان ج۲ص۶۴۳)

۴۔ محمد بن سعید مصلوب شامی بادشاہ نے اس کو حدیثیں گھڑنے پر صولی پر لٹکا دیا تھا۔احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ اس شخص نے چار ہزار حدیثیں گھڑلی تھیں۔

۵۔ غیاث بن ابراہیم کوفی، علامہ جوزجانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا خلیفہ مہدی کے سامنے ''او جناح'' کا اضافہ اسی نے کیا تھا۔ (میزان ج۲ص۶۴۳)

۶۔ سلیمان بن عمرو نخعی جس کی کنیت ابوداؤد ہے نہایت جھوٹا اور مشہور کذاب تھا۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ اصحاب جرح وتعدیل کے تیس اماموں نے اس کو واضع حدیث قرار دیا ہے۔(میزان ج۲ص۲۱۶)

معلوم ہوجانا چاہئے کہ قصداً حدیث گھڑنا حرام ہے اس پر امت کا اجماع ہوچکا ہے، ہاں ایک فرقہ مبتدعہ کرامیہ کا کہنا ہے کہ ترغیب وترہیب اور تزہید نفس کے خاطر حدیثیں گھڑنا جائز ہے ان کے نقش قدم پر بعض جاہل صوفی بھی چل پڑے ہیں اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائے۔آمین

حدیث وضع کرنے کے چھ اسباب ہیں

حدیث گھڑنا بہت بڑا جرم ہے آخر ایک مسلمان اتنے بڑے جرم کی جرأت کیوں کرتا ہے؟ تو اس کے چند اسباب اور محرکات ہیں:

۱۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وضاعین دین اسلام کو من گھڑت احادیث کی آڑ میں جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں گویا یہ دین اسلام کے بدترین بدبخت دشمن ہیں۔

۲۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنے مسلک اور خاص مذہب کی تائید وتحسین کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنے سیاسی مقاصد اور پارٹی بازی کی غرض سے حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۴۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۵۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت بادشاہوں اور امیروں کو خوش کرنے کی غرض سے حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۶۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت شہرت حاصل کرنے اور مقبول عام بننے کی غرض سے حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔

موضوع حدیث کی پہچان کا طریقہ

اب یہ بات ضروری ہے کہ کوئی ایسا معیار قائم ہو جس کی وجہ سے ہم پہچان سکیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، علماء حدیث نے چار علامات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ خود راوی کسی وقت کسی وجہ سے اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہ حدیث گھڑی تھی۔

۲۔ راوی ایسی تاریخ بیان کرے جو اس کی پیدائش یا استاذ کی پیدائش سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

۳۔ بیان کردہ حدیث کا متن کتاب اللہ اور سنت متواترہ سے بالکل مخالف ہو، قیاس اور اجماع کا بھی مخالف ہو۔

۴۔ خود راوی کے اندر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس کی روایت کے موضوع ہونے پر دلیل بن جائے۔

وضاعین کا مأخذ

وضاعین جو احادیث گھڑا کرتے ہیں ان کے پاس وضع کے لئے کچھ مأخذ اور مبدأ اور منشأ ہوتا ہے جس سے استفادہ کر کے اس کی آڑ میں جھوٹی حدیثیں جاری کر دیتے ہیں مندرجہ ذیل چار مأخذ ملاحظہ ہوں:

۱۔ یونان، ہندوستان اور عرب کے حکماء کے اقوال لیکر وضاعین اس کو آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی حکیمانہ، ناصحانہ باتوں کو آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۳۔ اپنی طرف سے کوئی عمدہ عبارت گھڑ کر آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۴۔صحابہ وتابعین اور صوفیاء کی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

''تولید الاخبار'' تولید پیدا کرنے کے معنی میں ہے مراد حدیث گھڑنا اور اخبار سازی ہے گویا اس نے من گھڑت روایات کیلئے کارخانہ لگا رکھا ہے۔

منکر الحدیث راویوں کا بیان

''و كذلك من الغالب على حديثه المنكر'' اس عبارت سے امام مسلم ان راویوں کی حیثیت کو بیان کررہے ہیں جو منکر الحدیث ہیں امام مسلمؒ نے چھ نام گنائے ہیں: (۱) عبداللہ بن محرر (۲) یحییٰ بن ابی انیسہ (۳) جراح بن منہال (۴) عباد بن کثیر (۵) حسین بن عبداللہ بن ضمیرۃ (۶) عمرو بن صہبان وغیرہ۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ ہم ان سے بھی روایت نہیں لیں گے یہاں امام مسلم نے غالب کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس سے کچھ پہلے عندالاکثر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قاضی عیاض کے نزدیک ان الفاظ سے امام مسلم نے راویوں کے چوتھے طبقے کا ذکر کیا ہے یعنی جو''عندالاکثر متهم''ہیں مگر''عندالاقل متهم''نہیں ہیں اسی طرح غالب طبقہ نے ان کو متہم قرار دیا ہے لیکن ایک مغلوب طبقہ ان کو متہم نہیں کہتا، یہی چوتھا طبقہ ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

''وعلامة المنكر'' اوپر منکر کا لفظ آیا ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ منکر کی تعریف اور تحقیق فرمارہے ہیں۔

حدیث منکر کی تعریف

منکر معروف کی ضد ہے دونوں کا تعارف کتاب کی ابتدائی مباحث میں ہو چکا ہے منکر کی دو تعریفیں ہیں ایک قدیم تعریف ہے اور ایک جدید تعریف ہے۔

جدید تعریف اس طرح ہے کہ ''ایک ضعیف راوی روایت کرنے میں ثقات کی مخالفت کرے'' تو اسکی حدیث منکر کہلائیں گی اور ثقات کی روایت معروف کہلائیں گی۔

منکر کی قدیم تعریف اس طرح ہے کہ ''ایک ضعیف راوی اپنی روایت میں متفرد ومنفرد ہو تو اس کی روایت منکر ہوگی اور یہ خود بھی منکر الحدیث ہوگا'' اس تعریف کا مطلب یہ ہوا کہ قدیم زمانہ میں لفظ منکر یا حدیث منکر ''ضعیف جداً'' کے معنی میں تھا، سنن کی کتابوں میں ان کے مؤلفین نے منکر کی یہی تعریف پیش نظر رکھی ہے، امام مسلمؒ کے نزدیک بھی منکر کی یہی تعریف ہے، منکر کی فنی تعریف کو بھی یہ تعریف شامل ہے یعنی کوئی زیادہ فرق نہیں ہے قدیم تعریف عام ہے جدید تعریف خاص ہے۔

سوال

اصول حدیث وغیرہ کی کتابوں میں اتفاقی طور پر مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت معتبر ہے لیکن امام مسلمؒ کے کلام سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شرط ہے کہ ثقہ منفرد نہ ہو اور ثقات کی مخالفت نہ کرتا ہو، اگر شرط یہی ہے تو پھر ثقہ کی زیادت کہاں معتبر اور مقبول ہوئی؟

جواب

اس کا جواب امام مسلم نے خود یہ دیا ہے کہ ایک خاص صورت میں ثقہ کی زیادت غیر مقبول ہے اس کے علاوہ زیادت مقبول ہے مذکورہ عبارت میں اس کی تفصیل ہے، یعنی زیادت دو قسم پر ہے (۱) زیادت مقبولۃ (۲) زیادت غیر مقبولہ۔ زیادت مقبولہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ہے وہ تمام ثقات کی موافقت کرتا ہے تمام حدیثوں میں ان کے ساتھ شراکت رکھتا ہے کبھی مخالفت نہیں کرتا لیکن زندگی میں کبھی ایک آدھ مرتبہ ان ثقات کے خلاف روایت کرتا ہے۔ یہ زیادت مقبولہ ہے اور زیادت مردودہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ہے وہ ایک مشہور محدث سے حدیث لیتا ہے اس مشہور محدث کے دیگر بہت سارے شاگرد ہیں یہ شخص ان شاگردوں سے شراکت، موافقت اور میل جول نہیں رکھتا ہے بلکہ مخالفت کرتا ہے وہ جو روایات نقل کرتے ہیں یہ ان میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہے اب یہ شخص اس مشہور بزرگ استاذ سے زیادت والی کوئی حدیث نقل کرتا ہے اور باقی شاگردوں میں سے کوئی اسکو نقل نہیں کرتا یہ زیادت مردودہ ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ ایک تو ثقہ کی جانب سے زیادت ہے یہ مقبول ہے دوسرا ثقہ کی مخالفت عن الثقات ہے یہ نامقبول ہے تو نہ مطلقاً ثقہ کی زیادت مقبول ہے اور نہ مطلقاً اس کی زیادت مردود ہے۔

حدیث منکر اور معروف اور حدیث شاذ اور محفوظ یہ الفاظ متقاربہ ہیں ان کے درمیان معمولی فرق ہے، یہ ایک پیچیدہ بحث ہے کسی نے کچھ واضح کیا ہے کسی نے مبہم چھوڑ دیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

زیادت مقبولہ کی مثال

امام مسلم رحمہ اللہ نے ثقہ کی زیادت کو مقبول کہا ہے مگر اس کی کوئی مثال ذکر نہیں کی، لہذا ایک مثال بطور مثال لکھی جاتی ہے حضرت قتادہؒ سے ان کے چار تلامذہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوعوانہ ۲۔ سعید بن ابی عروبہ ۳۔ ہشام دستوائی ۴۔ سلیمان تیمی رحمہم اللہ۔

حضرت قتادہ اپنے استادوں کے واسطہ سے وہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث کو امام مسلمؒ نے بـاب التشهـد ص ۱۷۴ پر نقل کیا ہے اس حدیث میں قتادہ کے چار شاگردوں میں سے ایک سلیمان تیمی ہیں وہ روایت میں "وإذا قـرأ فـأنـصـتـوا" کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں یہ اضافہ سلیمان تیمی کے دیگر ساتھیوں کی روایت میں نہیں ہے مگر چونکہ سلیمان تیمی اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ قتادہ کی ساری حدیثوں میں شریک ہیں کسی میں مخالفت نہیں کرتے ہیں تو یہ زیادت مقبول سمجھی جائے گی اور کہا جائے گا کہ سلیمان تیمی نے اپنے استاذ کے کسی جملہ کو ضائع نہیں کیا ہے بلکہ دیگر ساتھیوں کی بنسبت اپنے استاد کی باتوں کا بڑا

اہتمام کیا ہے اس لئے اس جملہ کو نقل کیا ہے۔

زیادت مردودہ کی مثال

''لان حکم اهل العلم'' امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں سے آخر عبارت تک زیادت مقبولہ اور زیادت غیر مقبولہ کی بحث چلائی ہے زیادت ثقہ سے متعلق میں اس سے پہلے کلام کر چکا ہوں اور مثال بھی لکھ چکا ہوں ''فامامن تراه'' یہاں سے امام مسلم نے زیادت غیر مقبولہ کی مثال اس طرح دی ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے وہ حدیث بیان کرنا چاہتا ہے تو وہ مثلاً مشہور محدث امام زہری کے پاس جاتا ہے یا ہشام بن عروہ کے پاس جاتا ہے اور ان سے روایات لیتا ہے مگر ان روایات میں یہ شخص زہری اور ہشام کے شاگردوں کے ساتھ شریک نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں کے سارے شاگرد اس شخص کی کسی روایت کو جانتے تک نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی روایت کردہ روایات سب منکر ہیں اور یہ شخص منکر الحدیث ہے یہ زیادت مردودہ ہے جو نا قابل التفات ہے۔ ''مهجور الحديث'' أي متروك الحديث ایسا راوی منکر الحدیث بھی ہے اس قسم راوی کی تمام روایات غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ ''غیر مقبوله'' مقبول الروایت نہیں ''و لامستعمله'' یعنی نا قابل استعمال اور نا قابل استدلال ہے ''نحانحوهم'' ای فعل فعلهم ان کے نقش قدم پر چلا ''نعرج'' تعریج مڑ کر دیکھنے کو کہتے ہیں یعنی ہم التفات واعتماد نہیں کریں گے ''وامعن'' امعان سے ہے گہرائی میں پہنچنا بہت محنت و مبالغہ کرنا۔ ''يعمد'' ضرب یضرب سے ہے قصد وارادہ کے معنی میں ہے ''مذهب الحديث'' فن حدیث مراد ہے ''واهله'' یعنی الاهل للحديث وهم المحدثون، ''من اراد'' یہ فاعل ہے یتوجہ کے لئے ''ووفق لها'' یعنی اس کو توفیق بھی دی گئی ہو موفّق من اللہ ہو۔

تصنیف کا ایک اور سبب اور فائدۂ تالیف

امام مسلم نے ابتداء سے اپنے مقدمہ میں تین بڑے امور کو ذہن میں رکھا ہے سب سے پہلے آپ نے سبب تالیف کو بیان کیا ہے پھر آپ نے طرز تالیف کو بیان کیا ہے اور یہاں سے میرے خیال میں مقدمہ کے آخر تک فائدۂ تالیف کو بیان فرما رہے ہیں سبب تالیف سب سے مختصر تھا پھر ''ثم انا ان شاء الله'' سے یہاں تک طرز تالیف کی بحث کچھ طویل تھی اور یہاں سے کتاب الایمان تک فائدۂ تالیف بہت طویل بحث پر مشتمل ہے۔

نام نہاد محدثین پر کلام

وَبَعْدُ - يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلَوْلَا الَّذِىْ رَأَيْنَا مِنْ سُوْءِ صَنِيْعِ كَثِيْرٍ مِّمَّنْ نَصَبَ نَفْسَهُ مُحَدِّثًا فِيْمَا يَلْزَمُهُمْ مِنْ طَرْحِ الْاَحَادِيْثِ الضَّعِيْفَةِ وَالرِّوَايَاتِ الْمُنْكَرَةِ وَتَرْكِهِمُ الْاِقْتِصَارَ عَلَى الْاَخْبَارِ الصَّحِيْحَةِ الْمَشْهُوْرَةِ مِمَّانَقَلَهُ الثِّقَاتُ

الْـمَعْرُوفُونَ بِالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِمْ وَاِقْرَارِهِمْ بِاَلْسِنَتِهِمْ اَنَّ كَثِيْرًا مِّمَّايَقْذِفُوْنَ بِهٖ اِلَى الْاَغْبِيَاءِ مِنَ النَّاسِ هُوَمُسْتَنْكَرٌ وَمَنْقُوْلٌ عَنْ قَوْمٍ غَيْرِ مَرْضِيِّيْنَ مِمَّنْ ذَمَّ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ اَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ مِثْلُ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيْدِالْقَطَّانِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْاَئِمَّةِ لَمَاسَهُلَ عَلَيْنَاالْاِنْتِصَابَ لِمَاسَاَلْتَ مِنَ التَّمْيِيْزِ وَالتَّحْصِيْلِ وَلٰكِنْ مِنْ اَجْلِ مَااَعْلَمْنَاكَ مِنْ نَشْرِ الْقَوْمِ الْاَخْبَارَ الْمُنْكَرَةَ بِالْاَسَانِيْدِ الضِّعَافِ الْمَجْهُوْلَةِ وَقَذْفِهِمْ بِهَا اِلَى الْعَوَامِ الَّذِيْنَ لَايَعْرِفُوْنَ عُيُوْبَهَا خَفَّ عَلٰى قُلُوْبِنَا اِجَابَتُكَ اِلٰى مَاسَاَلْتَ۔

بعدازاں ، اللہ آپ پرمہربانی فرمائیں،اگرہم نے ان بہت سے لوگوں کے غلط طریقہ کامشاہدہ نہ کیاہوتا کہ جنہوں نے اپنے آپ کو''محدث'' بناکرپیش کیا ہے اس معاملہ میں جوان پرلازم تھا یعنی ضعیف حدیثوں اورمنکر روایتوں کوچھوڑدینااور(ہم نے مشاہدہ نہ کیاہوتا)ان کے اکتفانہ کرنے کا اُن صحیح اورمشہورحدیثوں پرجن کومعتبر راویوں نے روایت کیاہے جوصدق ودیانت میں معروف ہیں (اوران کا یہ عمل) یہ جانتے ہوئے اورزبان سے اقرارکرتے ہوئے کہ بہت سی وہ حدیثیں جووہ لوگ ناسمجھ عوام کوسمجھے بُوجھے بغیرسنادیتے ہیں وہ منکرروایات ہیں اورایسے ناپسندیدہ رُوات سے مروی ہیں جن سے روایت کرنے کی مذمت کی ہے،امام مالکؒ،شعبہ،ابن عیینہ،یحییٰ بن سعیدقطّان اورابن مہدی وغیرہ ائمۂ حدیث نے (اگریہ غلط باتیں ہمارے مشاہدہ میں نہ آتیں) توہمارے لئے اس کام کے لئے تیارہوناآسان نہ ہوتاجس کی آپ نے درخواست کی ہے یعنی صحیح اورضعیف روایتوں میں امتیاز کرنااورصحیح روایتوں کوجمع کرنامگراس وجہ سے جوہم نے آپ کوبتائی یعنی محدثین کاپھیلاناان منکرحدیثوں کوجوضعیف اورمجہول سندوں سے مروی ہیں اوران لوگوں کاان حدیثوں کوایسے عوام تک پہنچاناجوان روایات کی خرابیوں سے واقف نہیں ہیں (اس صورتِ حال کیوجہ سے) ہمارے دل پرآپ کی درخواست قبول کرنے کابوجھ ہلکاہوگیا۔

تشریح

''وبعدیرحمك اللہ ''امام مسلمؒ یہاں سے فائدۂ تالیف بیان کررہے ہیں لیکن اس کی حقیقت پرروشنی ڈالنے سے پہلے ایک تاریخی پس منظرپرنظرڈالناضروری ہے دنیا کی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اصل کے ساتھ نقل چلتی ہے نیز دنیا کادستور ہے کہ جب کسی چیزکاچلن ہوجاتاہےتوبہت سارے دھوکہ بازکاروباری مارکیٹ میں آجاتے ہیں اورجب بازارگرم ہوجاتاہےتوبہت سارے مفادپرست بیچ میں آکرساراکام خراب کردیتے ہیں وہ نقلی مال تیارکرتے ہیں اوراپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے اتنا پھیلادیتے ہیں کہ اصل اورنقل کاامتیازختم ہوجاتاہےاس صورت حال سےصرف دنیوی معاملات دوچارنہیں بلکہ دینی معاملات کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آتی ہے۔

دورِاوّل میں جب مسلمان جہاد سے فارغ ہوئے اوردنیاپراسلام کوغلبہ حاصل ہوگیاتومسلمان احادیث مقدسہ کی خدمت کی

طرف متوجہ ہوگئے اور احادیث کی ہر قسم خدمت کا میدان گرم ہوگیا تفسیر قرآن عظیم کا میدان گرم ہوگیا ملاحم اور مغازی کا میدان گرم ہوگیا لیکن تینوں میدانوں میں مفاد پرستوں کا ٹولہ بھی اتر کر سرگرم ہوگیا، چنانچہ تفسیری روایات میں انہوں نے بُرا حشر کیا، ملاحم اور مغازی کے ساتھ انہوں نے ظلم کیا لیکن ان کا سب سے بڑا حملہ احادیث پر ہوا جہاں انہوں نے بے شمار احادیث گھڑ لیں ان مفاد پرستوں میں کچھ تو بدعقیدہ، بد باطن اور بے دین ملحدین تھے اور کچھ بدعقل بدفہم دیندار تھے اسی دور میں احادیث مقدسہ کے تحفظ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے جبال العلم اور اصحاب جرح وتعدیل علماء پیدا فرمائے انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں صحیح احادیث کے ساتھ غیر صحیح احادیث یاد کیں اور پھر صحیح اور غیر صحیح میں خوب چھان بین کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا انہوں نے من گھڑت احادیث سے صحیح احادیث کو اس طرح الگ کیا جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکالتے ہیں، انہیں اصحاب الجرح والتعدیل میں سے ایک علی بن المدینی ہیں ان کا اتنا رعب ودبدبہ تھا کہ گویا ان کے چلنے سے زمین لرز جاتی تھی یہ امام بخاری کے استاد ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کسی استاد کے سامنے اپنے آپ کو اتنا حقیر اور کم تر خیال نہیں کیا جتنا علی بن المدینی کے سامنے خیال کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی تاریخی پس منظر میں صحیح مسلم لکھ دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''فلولا الذی'' اس عبارت سے لیکر آگے ''ولکن'' تک ایک جملۂ کلام ہے جس میں اسی پس منظر کا بیان اور اسی ماحول کی شکایت ہے ''لکن'' سے آگے ''واعلم'' تک دوسرا جملۂ کلام ہے۔ پہلے جملے میں عبارت کے لحاظ سے کچھ پیچیدگی تھی کلام مغلق اور مبہم تھا تو ''لکن'' سے اسی ابہام اور پیچیدگی کی وضاحت کردی ہے۔ صحیح مسلم کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ اگر ان نام نہاد محدثین کی غلط روش اور غلط رویہ نہ ہوتا تو میرے لئے کتاب لکھنا مشکل ہوجاتا لیکن جب ان لوگوں نے پہلے محدث ہونے کا دعویٰ کیا فنِ حدیث کے سمجھنے کا دعویٰ کیا پھر ان پر جو لازم تھا اس کی مخالفت کی اس کو پورا نہیں کیا ان پر یہ لازم تھا کہ ضعیف اور منکر روایات کو بالکل چھوڑ دیتے اور خالص صحیح روایات پر اکتفاء کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ روایات ضعیف ہیں کبھی کبھی خود اس کا اقرار بھی کرتے ہیں نیز ان نام نہاد محدثین نے جن لوگوں سے روایات لی ہیں ان کی مذمت بھی بڑے بڑے علماء نے کی تھی جن میں مالک بن انس اور شعبہ بن الحجاج قابل ذکر ہیں، اس پس منظر کی وجہ سے میں مجبور ہوا تو آپ کے سوال پر میں نے کتاب لکھ دی۔ اس کتاب میں یہی بڑا فائدہ پیش نظر تھا اور یہ فائدہ حاصل ہوگیا۔

''سوء صنیع'' غلط روش غلط طریقہ غلط کارکردگی ''نصب'' کھڑا کرنے اور سامنے لانے کے معنی میں ہے ''طرح الاحادیث'' چھوڑنے اور پھینکنے کے معنی میں ہے ''ترکھم الاقتصار'' اقتصار اکتفا کے معنی میں ہے ای ترکھم الاکتفاء یہ جملہ سوءِ صنیع پر عطف ہے ای فلولا سوء صنیعھم وترکھم الاکتفاء ''یقذفون'' ضرب سے پھینکنے کے معنی میں ہے ''الاغبیاء'' غبی کی جمع ہے بمعنی کودن اور کند ذہن ''فلولا'' شرط ہے اور ''لماسھل'' جواب شرط ہے۔

بَابُ وُجُوْبِ الرِّوَايَةِ عَنِ الثِّقَاتِ وَتَرْكِ الْكَذَّابِيْنَ

ثقات سے روایت لینا اور کذابین سے نہ لینا واجب ہے

نام نہاد محدثین پر مزید کلام

وَاعْلَمْ وَفَّقَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى كُلِّ اَحَدٍ عَرَفَ التَّمْيِيْزَبَيْنَ صَحِيْحِ الرِّوَايَاتِ وَسَقِيْمِهَا وَثِقَاتِ النَّاقِلِيْنَ لَهَامِنَ الْمُتَّهَمِيْنَ اَنْ لَّايَرْوِيَ مِنْهَا اِلَّا مَاعَرَفَ صِحَّةَ مَخَارِجِهِ وَالسِّتَارَةَ فِيْ نَاقِلِيْهِ وَاَنْ يَّتَّقِيَ مِنْهَا مَاكَانَ مِنْهَا عَنْ اَهْلِ التُّهَمِ وَالْمُعَانِدِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ۔

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ قُلْنَا مِنْ هٰذَا هُوَاللَّازِمُ دُوْنَ مَا خَالَفَهٗ قَوْلُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ ﴿يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (الحجرات:٦) وَقَالَ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ (البقرة:٢٨٢) وَقَالَ ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق:٢) فَدَلَّ بِمَاذَكَرْنَا مِنْ هٰذِهِ الْاٰيِ اَنَّ خَبَرَالْفَاسِقِ سَاقِطٌ غَيْرُمَقْبُوْلٍ وَاَنَّ شَهَادَةَ غَيْرِ الْعَدْلِ مَرْدُوْدَةٌ۔

وَالْخَبَرُ وَاِنْ فَارَقَ مَعْنَاهُ مَعْنَى الشَّهَادَةِ فِيْ بَعْضِ الْوُجُوْهِ فَقَدْ يَجْتَمِعَانِ فِيْ اَعْظَمِ مَعَانِيْهِمَا اِذْكَانَ خَبَرُالْفَاسِقِ غَيْرَ مَقْبُوْلٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ كَمَااَنَّ شَهَادَتَهٗ مَرْدُوْدَةٌ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ۔

اور آپ یہ بات جان لیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ ہر اس شخص پر جو صحیح اور ضعیف روایتوں کے درمیان امتیاز کرسکتا ہے اور حدیث کے ثقہ راویوں کو متہم راویوں سے ممتاز کرسکتا ہے اس پر واجب ہے کہ صرف وہ حدیثیں روایت کرے جن کے رُوات کی درستگی اور ناقلوں کی عدالت جانتا ہے اور جو روایتیں متہم اور معاند گمراہ لوگوں سے مروی ہیں ان سے اجتناب کرے۔

اور اس بات کی دلیل کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی لازم ہے اور اس کا خلاف جائز نہیں ہے۔ اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے (اے ایمان والو! اگر کوئی بدکار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچتاؤ) اور اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے (ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو) اور یہ ارشاد ہے (اور اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو) یہ آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فاسق کی خبر نا قابل اعتبار، نامقبول ہے اور یہ کہ غیر عادل کی گواہی مردود ہے۔

اور خبر بعض اعتبارات سے اگرچہ شہادت سے جُدا گانہ چیز ہے مگر بنیادی بات میں دونوں متحد ہیں کیونکہ فاسق کی خبر علماء کے نزدیک غیر معتبر ہے، جس طرح اس کی شہادت بالاتفاق مردود ہے۔

تشریح

''واعلم وفقك الله ''اوپر عبارت میں نام نہاد محدثین کی جو مذمت کی گئی تھی یہاں سے امام مسلم رحمہ اللہ اس سلسلہ میں ان پر مزید کلام فرمارہے ہیں کہ ثقات اور کامل الضبط راویوں پر لازم ہے کہ وہ متہم بالکذب اور فرقِ باطلہ کے ضدی اور بدعتی راویوں کی روایات لینے سے گریز اور اجتناب کریں''والمعاندین'' یہ اہل تہمت کے بعد تخصیص بعدالتعمیم ہے''من اهل البدع ''راوی کی عدالت کو متاثر کرنے والی چار چیزیں ہیں: ا۔کذب ۲۔تہمتِ کذب ۳۔فسق ۴۔بدعت، یہاں امام مسلم نے أهل البدع کا لفظ بولا ہے اس لئے اس پر روشنی ڈالنی چاہئے۔

بدعت کی تعریف وتفصیل

لغوی اعتبار سے بدعت ہر نوایجاد چیز پر بولا جاسکتا ہے اور بدعت کی اصطلاحی شرعی تعریف اس طرح ہے: بدعت دین کے اندر ہراس نئے کام کو کہتے ہیں جو خیر القرون میں نہ ہو اور سلف خلف کی طرح اس کی طرف محتاج ہوں مگر انہوں نے نہ کیا ہو اور آج ایک شخص ثواب کی نیت سے کر رہا ہے۔ یہ شرعی بدعت ہے اس میں کوئی حَسَنہ نہیں یہ بدعت قبیحہ ہی ہے اس تعریف میں قیود ات ہیں یعنی اگر سلف خلف کی طرح محتاج نہ ہو تو خلف کے لئے وہ ضرورت ہے نہ کہ بدعت ہے جیسے علم نحو، صرف وغیرہ فنون یا جدید اشیاء کا استعمال یا مدارس مساجد کا طرز نظام یہ ایک ترتیب ہے ثواب کی قید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سلف بھی خلف کی طرح محتاج تھے مگر انہوں نے حصول ثواب کے لئے نہیں کیا اور آج ایک شخص ثواب کی نیت سے کر رہا ہے جیسے اذان سے پہلے دورد ہے جمعہ کے بعد سلام ہے انگوٹھے چومنا ہے تیجہ سوئم، چالیسویں، گیارہویں اور میلاد وغیرہ نوایجاد اشیاء ہیں سب بدعت کے تحت آتی ہیں۔
علامہ میر سید سند شریفؒ نے اپنی کتاب التعریفات، ص ۳۷ پر بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے:

" البدعة هی الامر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة و التابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی"

پھر شرعی اصطلاحی بدعت دو قسم پر ہے: (۱) بدعتِ مُکَفِّرہ (۲) بدعتِ مُفَسِّقہ۔ بدعت مکفرہ وہ ہے جس میں کسی شخص نے دین کی ضروریات میں سے کسی ضروری حکم کا انکار کیا ہو جس سے آدمی کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہو جیسے اثناعشریہ کے روافض، باطنیہ فرقے، قرامطہ، آغاخانی، قادیانی اور بعض خوارج ومعتزلہ وغیرہ۔ بدعت مفسقہ وہ ہے کہ جس کے ارتکاب سے آدمی فسق کے درجہ تک پہنچ جاتا ہو جیسے تفضیلی شیعہ ہیں یہ بدعت مفسقہ میں مبتلا ہیں بریلوی حضرات میں بھی دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کچھ خطرناک عقائد رکھنے والے بدعت مکفرہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

اہل بدعت کی روایت کا حکم

اب اہل بدعت واہواء کی روایت کی کیا حیثیت ہے تو اس میں محدثین کی دو آراء ہیں: بعض محدثین کے نزدیک مطلقاً ہر قسم اہل

بدعت کی روایت مردود ہے لیکن بعض دیگر محدثین کے نزدیک بدعت مفسقہ کے مرتکب اہل بدعت کی روایت مقبول ہے مگر اس میں چند شرائط ہیں:

ا۔ وہ مبتدع ہو جو داعی الی البدعۃ نہ ہو اس کی روایت مقبول ہے۔

۲۔ وہ مبتدع جو اپنے مذہب کی ترویج کے لئے حدیث میں جھوٹ بولنے کو حلال نہ سمجھتا ہو جیسے خطابیہ حلال سمجھتے ہیں۔

۳۔ اس مبتدع کی روایت سے اس کی کسی بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو۔

۴۔ وہ روایت جو یہ مبتدع بیان کرتا ہے وہ کسی شرعی دلیل اور متواتر حکم کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ وہ مبتدع فسق عملی میں مبتلا نہ ہو بلکہ عادل، ضابط، متقن، خداترس، متقی پرہیزگار ہو اور فسق اعتقادی تاویلی میں مبتلا ہو وہ اپنے خراب عقیدہ کی تاویل کرتا ہو، محدثین نے اسی قسم بدعتی سے روایتیں لی ہیں۔ علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قدری اور معتزلی ہونے کی وجہ سے اہل بصرہ کی روایات مسترد کر دی جائیں اور شیعی ہونے کی وجہ سے اہل کوفہ کی روایتیں مسترد کر دی جائیں تو ساری احادیث ساقط الاعتبار ہو جائیں گی، مسلم و بخاری کی روایتوں پر جو جلد باز قسم کے لوگ چوٹ مارتے ہیں کہ فلاں راوی شیعہ ہے وہ اسی قسم کا شیعہ یا معتزلی ہوتا ہے وہ شیعہ اور تھے اور آج کے شیعہ چور ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ شیعہ پارٹی اور گروہ کے معنی میں ہے دورِ اوّل میں شیعانِ علی اور شیعانِ معاویہ دو پارٹیاں تھیں اس قسم الفاظ میں بھی سوچنا چاہئے صرف شیعہ کا لفظ سن کر آج کے آوارہ فضول شیعہ کا تصور ذہن میں بٹھانا اور پھر بڑے بڑے محدثین کو شیعہ کہہ کر مسترد کرنا اچھا نہیں ہے۔ اسی تناظر میں امام شافعی فرماتے ہیں

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ　　　　فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٌ

یعنی حُبِّ آلِ رسول رافضیت نہیں بلکہ سُنیت ہے۔

مذکورہ مدعا پر قرآن کریم سے دلیل

امام مسلم رحمہ اللہ نے اوپر یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو شخص صحیح اور ضعیف روایات میں تمیز کر سکتا ہے اس پر واجب ہے کہ صرف ثقہ راویوں سے روایت نقل کرے اور معاندین متھمین مبتدعین راویوں سے روایت نقل نہ کرے امام مسلمؒ نے اپنے اس مدعا پر قرآن کریم سے تین آیات بطور استشہاد و استدلال پیش کی ہیں اور پھر فرمایا کہ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور غیر عادل شخص کی شہادت و گواہی مردود ہے۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنے مدعا پر جو پہلی آیت بطور استدلال پیش فرمائی ہے وہ تو صحیح ہے کہ غیر عادل فاسق کی خبر

کا اعتبار نہیں ہے لیکن امام مسلم نے باقی دو آیتوں سے اپنے مدعا پر جو استدلال کیا ہے یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں آیتیں شہادت اور گواہی سے متعلق ہیں اس سے غیر عادل فاسق کی ''روایت'' کا غیر مقبول ہونا کیسے ثابت کیا ہے؟

جواب

اس کا جواب امام مسلمؒ نے خود اس عبارت میں دیا ہے اور فرمایا ''والخبر وان فارق معناه معنى الشهادة ''مطلب یہ ہے کہ شہادت اور خبر میں اگرچہ چند وجوہ سے فرق ہے مگر کچھ بنیادی وجوہ سے دونوں مشترک ہیں لہٰذا اس اعتبار سے شہادت والی آیتوں سے روایت اور خبر کے قابل قبول ہونے پر استدلال کرنا صحیح ہے۔ مابه الافتراق چیزیں یہ ہیں:

(۱) شہادت میں عدد شرط ہے روایت میں شرط نہیں (۲) شہادت میں حُریت شرط ہے خبر و روایت میں شرط نہیں (۳) شہادت میں مشاہدہ اور بصیر ہونا شرط ہے خبر میں شرط نہیں (۴) شہادت میں عموماً مذکر ہونا شرط ہے خبر میں شرط نہیں (۵) شہادت کے لئے عداوت مانع ہے خبر کے لئے مانع نہیں ہے (۶) شہادت میں قرابت مانع ہے خبر میں مانع نہیں ہے۔

ان تمام وجوہ افتراق کے باوجود شہادت اور خبر میں ایک زبردست بنیادی وجہ اشتراک و اتحاد بھی موجود ہے اور وہ عدالت اور عادل ہونا ہے وہ اس طرح کہ جس طرح شہادت کے معتبر ہونے کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اسی طرح خبر کے معتبر ہونے کے لئے مُخبر کا عادل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ علماءِ امت کے نزدیک جس طرح فاسق کی شہادت مردود ہے اسی طرح فاسق کی روایت اور خبر بھی مردود ہے لہٰذا امام مسلم نے شہادت کی ان دو آیتوں سے خبر کے قابل قبول ہونے پر جو استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے نیز ایک عقلی دلیل بھی ہے اور قیاس بھی ہے کہ جب دنیوی معاملات میں گواہی کے لئے گواہ کا عادل ہونا شرط ہے تو دینی معاملات یعنی روایت حدیث کے لئے مخبر کا عادل ہونا بطریقِ اولیٰ شرط ہونا چاہیئے۔ ''الستارة'' بمعنی الصیانۃ یعنی حفاظت اور محفوظ ہونا۔

مذکورہ مدعا پر سنت سے دلیل

وَدَلَّتِ السُّنَّةُ عَلٰى نَفْيِ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْاَخْبَارِ كَنَحْوِ دَلَالَةِ الْقُرْآنِ عَلٰى نَفْيِ خَبَرِ الْفَاسِقِ وَهُوَ الْاَثَرُ الْمَشْهُوْرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ۔

اور احادیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ منکر روایتوں کا بیان کرنا جائز نہیں ہے جس طرح قرآن کریم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے اور وہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ ''جو شخص میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کرتا ہے، جس کے متعلق اس کا گمان ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ خود بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے''۔

تشریح

''و دلت السنة'' یہاں سے امام مسلمؒ اپنے مدعا پر دوسری دلیل لا رہے ہیں پہلی دلیل قرآن کریم سے تھی اب دوسری دلیل احادیث سے پیش فرمار ہے ہیں۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے کہ فاسق کی خبر غیر مقبول ہے اسی طرح مشہور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کذاب کی روایت مقبول نہیں بلکہ خود کذاب کا ٹھکانا جہنم ہے وہ حدیث یہ ہے:

۱۔**حَدَّثَنَاہُ** اَبُوبَكرِ بُنُ اَبِی شَیبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِیعٌ عَنُ شُعبَةَ عَنِ الُحَكَمِ عَنُ عَبُدِالرَّحُمٰنِ بُنِ اَبِی لَیلٰی عَنُ سَمُرَةَ بُنِ جُنُدُبٍ ، ح وَحَدَّثَنَاہُ اَبُوبَكرِ بُنُ اَبِی شَیبَةَ اَیضاً قَالَ حَدَّثَنَا وَكِیعٌ عَنُ شُعبَةَ وَسُفیَانَ عَنُ حَبِیبٍ عَنُ مَیمُونِ بُنِ اَبِی شَبِیبٍ عَنِ الُمُغِیرَةِ بُنِ شُعبَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ ۔

ہمیں یہ حدیث بیان کی ابن ابی شیبہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کی وکیع نے وہ شعبہ سے وہ حَکَم (ابن عُتَیبَہ) سے وہ ابن ابی لیلیٰ سے اور وہ حضرت سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں، ح، (دوسری سند) نیز ہمیں یہ حدیث بیان کی ابن ابی شیبہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کی وکیع نے، وہ شعبہ اور ثوری سے وہ حبیب (بن ابی ثابت) سے، وہ میمون سے اور وہ حضرت مغیرہؓ سے روایت کرتے ہیں دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا ہے۔

تشریح

مَنُ حَدَّثَ عَنِّی بِحَدِیثٍ یُرٰی اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَاَحَدُالُكَاذِبِینَ ۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث صحیح مسلم صفحہ نمبر۶ پر پہلے سند کے بغیر نقل فرمادی ہے اور پھر ساتھ ساتھ حدثناہ سے اس کی دوسندیں ذکر فرمادی ہیں یہ عجیب طرز ہے کہ حدیث پہلی مذکور ہوئی اور سند بعد میں آگئی بہرحال اس حدیث سے اور اس کے بعد پانچ احادیث سے مسلسل امام مسلم نے اپنے مدعا کو ثابت کیا ہے کہ جھوٹے اور فاسق راوی کی خبر صحیح نہیں ہے۔''یری'' یہ صیغہ معلوم اور مجہول دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اگر یہ معلوم کا صیغہ پڑھا گیا تو ترجمہ ہوگا کہ وہ شخص جانتا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور اگر یہ صیغہ مجہول پڑھا گیا تو ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اس حدیث کے متعلق اس شخص کا گمان ہے کہ وہ جھوٹی ہے۔''الکاذبین'' یہ صیغہ جمع اور تثنیہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر جمع ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ راوی بھی جھوٹوں کی جماعت کا ایک فرد ہے اور اگر تثنیہ پڑھا گیا تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص دو جھوٹوں میں ایک ہے۔ پہلا جھوٹا تو وہ شخص ہے جس نے حدیث گھڑلی ہے اور دوسرا جھوٹا وہ ہے جو اس کو بیان کررہا ہے۔امام مسلم نے اس مشہور حدیث کو اثر کہا ہے تو جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اثر مطلق روایت کو کہتے ہیں خواہ کسی صحابی کا قول ہو یا مرفوع حدیث ہو یہاں امام مسلم نے عن رسول اللہ کہہ کر مرفوع کی طرف اشارہ

کر دیا۔ فقہاء خراسان خبر اور اثر میں فرق کرتے ہیں کہ خبر مرفوع حدیث کو کہتے ہیں اور اثر صحابی کا قول ہوتا ہے۔
عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ان کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ بڑے تابعین میں سے ہیں، عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو ایک حلقۂ درس میں دیکھا کہ اس میں بہت سارے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جو خاموشی سے کان لگا کر ان سے حدیث سنتے تھے جن میں براء بن عازب بھی تھے، ایک ابو لیلیٰ صحابی تھے جن کا نام یسار تھا جنگ صفین میں شہید ہو گئے تھے ایک ابن ابی لیلیٰ وہ ہیں جن کا نام فقہ میں بار بار آتا ہے وہ حدیث میں ضعیف ہیں بہر حال عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ کا انتقال ۸۳ھ میں ہوا ہے۔

''ح'' برائے تحویل

محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی سند کے بیان کے دوران ایک طریق سند سے دوسرے طریق سند کی طرف منتقل ہونے کو تحویل کہتے ہیں محدثین یہ تحویل اختصار کے پیش نظر کرتے ہیں کہ کئی سندوں کو اکٹھا کر دیتے ہیں اور پھر حدیث کا متن آخر میں ذکر کر دیتے ہیں اب جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ متن حقیقت میں سب سے پہلی سند کا ہے اس کو ملے گا بعض محدثین کہتے ہیں کہ ان تمام سندوں میں سے جو سند عالی ہوگی یہ متن اس کے ساتھ شمار ہوگا۔ بہر حال صحاح ستہ میں سب سے زیادہ تحویلات امام مسلم کی کتاب صحیح مسلم میں ہیں پھر صحیح بخاری میں کچھ کم ہیں پھر ابوداؤد میں ہیں پھر ترمذی میں سب سے کم ہیں۔ محدثین نے اختصار کے پیش نظر لفظ تحویل کے لئے بطور نشان ''ح'' کا حرف مقرر کیا ہے گویا جہاں ''ح'' کا حرف لکھا ہوا نظر آ گیا تو سمجھ لو کہ سند بدل گئی، کبھی یہ ''ح'' پہلی سند کے آخر میں آتا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں پہلی دفعہ یہ تحویل آ گئی ہے۔ کبھی ''ح'' سند کی ابتدا میں اور کبھی درمیان میں آتا ہے یہ اختصار اسی طرح ہے جس طرح مناطقہ کے ہاں کل انسان حیوان کے لئے کُلُّ ''ا'' ''بَ'' بطور اختصار آتا ہے۔ اب یہ ''ح'' کس چیز سے اختصار ہے تو بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ الحدیث سے مخفف ہے یعنی آخر تک حدیث پڑھ لو بعض کہتے ہیں کہ یہ تحویل کے لفظ سے مخفف ہے، یعنی دوسری سند آ گئی یہ رائے سب سے اچھی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اصل میں ''خ'' ہے جو سند آخر کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا یہ الی آخر الحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ اب اس کے پڑھنے کے طریقے بھی مختلف ہیں بعض کہتے ہیں اس کو حآ، مد کے ساتھ پڑھنا چاہئے بعض نے کہا حا، بغیر مد کے قصر کے ساتھ پڑھنا چاہئے بعض نے کہا کہ تحویل کا لفظ بول کر پڑھنا چاہئے۔ عام رائج اور مشہور ''ح'' قصر کے ساتھ ہے اور اس کے بعد قال کا لفظ ملانا ہے یعنی ح قال و حدثنا۔
تحویل کے بعد حدثناہ میں ضمیر اثر مشہور کی طرف لوٹ رہی ہے اور قالا میں تثنیہ کی ضمیر دو صحابہ حضرت سمرہ اور حضرت مغیرہؓ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ طریقہ جائز ہے کہ دو سندوں کے آخر میں ہر صحابی کو تثنیہ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔
امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے اس شاندار مقدمہ میں کل ۹۲ روایات کو جمع کیا ہے۔

بَابُ تَغْلِيظِ الْكَذِبِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حدیث گھڑنے کی وعید شدید

۲۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ، ح : وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍقَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَخْطُبُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ ۔

ربعی بن حراش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر کذب بیانی نہ کرو، کیونکہ جو شخص مجھ پر کذب بیانی کرے گا، جہنم میں جائے گا۔

تشریح

ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں بھائی ہیں دونوں مسلم کے استاد ہیں اور بخاری کے بھی استاد ہیں یہ دونوں اپنے دادا ابوشیبہ کی طرف منسوب ہیں ان کا دادا واسط کا قاضی تھا امام مسلم نے اس کو صحیح مسلم شریف کے ص ۷ پر مجروحین کی فہرست میں ذکر کیا ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث مولانا نعمت اللہ نے اپنی تصنیف لطیف نعمت المنعم ص ۵۷ پر لکھا ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابن ابی شیبہ کے مؤلف ہیں۔

''غُندر'' دال پر پیش بھی صحیح ہے اور فتح بھی صحیح ہے یہ لقب ہے ان کا نام محمد بن جعفر ہذلی ہے غندر لقب پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حجاز سے ابن جریج بصرہ آئے ہوئے تھے اور حسن بصری کی حدیثیں بیان فرما رہے تھے طلبہ نے کچھ اعتراضات کیے شور اُٹھا محمد بن جعفر زیادہ شور کر رہے تھے تو ابن جریج نے کہا ''اسکت یاغندر'' اہل حجاز شور شغف کرنے والے کو غندر کہتے ہیں بس اسی دن سے یہ لقب پڑ گیا، پچاس سال سے شیخ غندر ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے ۱۹۴ھ میں انتقال ہوا مذکورہ سند میں تحویل کے بعد ان کا نام محمد بن جعفر صراحت کے ساتھ مذکور ہے اس میں شعبہ سے روایت کرنے میں عنعنہ نہیں ہے پہلی سند میں ہے اسی مقصد کے لئے دوسری سند لائی گئی ہے۔

''ربعی بن حراش'' جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت میں جاؤں گا یا نہیں میں اس وقت تک کبھی نہیں ہنسوں گا چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو موت کے بعد ہنسنے لگے، ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

۳۔ وَحَدَّثَنِىْ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ يَعْنِىْ اِبْنَ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّهٗ لَيَمْنَعُنِىْ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِباً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ مجھے بکثرت حدیثیں بیان کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روکتا ہے کہ:

''جو شخص بالقصد مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے''۔

تشریح

یعنی "ابن عُلَیَّۃ" امام مسلم رحمہ اللہ کے استاذ زہیر بن حرب نے اسماعیل کو مطلق ذکر کیا تھا یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے تو امام مسلمؒ نے یعنی ابن علیہ سے وضاحت فرمادی کہ اسماعیل عُـلَـیَّۃَ کے بیٹے ہیں چونکہ استاذ نے کنیت کا ذکر نہیں کیا تھا تو امام مسلم نے جب اس کا ذکر کیا تو یعنی کا لفظ بڑھادیا کہ یہ لفظ میرا ہے استاذ کا نہیں ہے یہ انتہائی احتیاط اور دیانت ہے امام مسلم کی اپنی کتاب میں عام عادت اسی طرح ہے کبھی ''ھو'' اور کبھی ''یـعـنـی'' کا لفظ بڑھاتے ہیں امام بخاری زیادہ تر ھو کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اسماعیل کے باپ کا نام ابراہیم ہے اسماعیل ''ریحانۃ الفقھاء'' کے لقب سے مشہور ہیں بصری ہیں اصلاً کوفی تھے بعض علماء نے لکھا ہے کہ شیخ اسماعیل ماں کی طرف اپنی نسبت پسند نہیں کرتے تھے تو پوری کتاب میں امام مسلم نے اپنی طرف سے وضاحت کی ہے۔ بہرحال کسی راوی کی نسبت یا وصف میں اضافہ کرنا ہو تو اسکو یعنی کے ساتھ یا ھو کہ ساتھ نمایاں کرنا چاہئے جس طرح امام مسلم اور امام بخاری نے کیا ہے۔

نوٹ: طالب علم جب عبارت حدیث پڑھتا ہے تو بہ حدثنا لگا کر پڑھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ایک مرتبہ صاحب کتاب تک پوری سند پڑھے پھر بہ حدثنا میں ضمیر اسؔ سند کی طرف لوٹا کر پڑھے ورنہ بہ کی ضمیر نہ لگائے۔

٤۔ **حَدَّثَنَا** مُـحَـمَّدُبْنُ عُبَیْدِالْغُبَرِیَّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اَبِی حَصِیْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''۔

تشریح

''محمد بن عبیدالغبری البصری'' اس حدیث میں امام مسلم کے استاذ کی نسبت کے ساتھ الغبری کا لفظ لگا ہوا ہے غین پر ضمہ ہے اور با پر زبر ہے، یاء پر شد ہے یہ غُبر کی طرف نسبت ہے بکر بن وائل میں ایک مشہور قبیلہ ہے قبیلے کا دادا شیخ غبر تھا قبیلہ اسی کے نام سے ہے''ابو عوانہ'' ان کا نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے۔''ابو حصین'' ح پر فتحہ ہے ان کا نام عثمان بن عاصم اسدی کوفی ہے یہ تابعی ہیں''ابو صالح'' ان کا لقب سمان اور زیات ہے تیل کا کام کرتے تھے، نام ذکوان ہے کوفی ہیں ۱۰۱ھ میں وفات ہوئی ہے''ابو ھریرۃ'' ابوھریرہ کی کنیت کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ایک دن آستین میں بلی اٹھائے ہوئے آرہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے جواب میں کہا''ھرۃ'' حضرت پاک نے فرمایا''فانت ابو ھریرہ'' بس اس دن

سے یہ کنیت اتنی غالب آگئی کہ اصلی نام پردۂ غیب میں چلا گیا یہ دوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا اسلام میں ان کا نام کیا تھا؟ اس میں تیس اقوال ہیں سب سے معتمد قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کی بڑی شان ہے ۵۳۷۴، احادیث ان سے مروی ہیں جبکہ کسی بھی صحابی سے اتنی مقدار میں احادیث مروی نہیں ہیں شاعر نے کہا:

مرویات بو ھریرہ کن شمار پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

آپ مدینہ منورہ میں ۷۸ سال کی عمر میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے اور بقیع غرقد میں مدفون ہیں غزوۂ خیبر کے موقع پر ۷ھ میں آپ مسلمان ہوئے پھر رسول کریم کے ساتھ ہی رہے۔

نوٹ: علامہ نووی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ ابتدائی سند ہے اس لئے میں نے رجال السند پر کچھ کلام کیا ورنہ میرا مقصود یہ نہیں ہے میں بھی کہتا ہوں کہ چونکہ شرح کی ابتدا ہے اس لئے میں نے رجال پر کچھ کلام کیا ورنہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ نیز اس سے شرح کا اصلی مقصد فوت ہوجاتا ہے اور میں قارئین پر اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ہوں لہٰذا آئندہ شدید ضرورت کے بغیر میں رجال پر کلام نہیں کروں گا بس امام مسلم کے رُوات ہیں سارے قابل اعتماد اور شان والے بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ناموں کے تذکرہ کی برکت سے ہمارے علمی کام میں برکت عطا فرمائے۔

اب آیئے اور مذکورہ حدیث جو مختلف سندوں سے امام مسلم نے روایت کی ہے اس کی شان اور اس کا مقام اور اس کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

اس حدیث کی خصوصیت

"من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار"

(۱) اس حدیث کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ متواتر اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے۔

(۲) اس حدیث کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو عشرہ مبشرہ نے نقل کیا ہے اور دیگر جم غفیر صحابہ نے نقل کیا ہے یہاں تک کہ ۸۷ صحابہ کرام سے اس کا نقل کرنا ثابت ہے بعض نے دو سو تک صحابہ کا لکھا ہے۔

اس حدیث میں چند امور تشریح طلب ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک کذب خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمداً ہو خواہ سہواً ہو، معتزلہ کہتے ہیں کہ کذب کے لئے قصد و عمد ضروری ہے اگر عمداً نہیں ہے تو وہ کذب نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں عمد کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ آنے والی وعید کا تعلق عمد کی صورت سے ہے کیونکہ خطاء کی صورت معاف ہے تاہم علما نے لکھا ہے کہ جو طالب علم یا عالم خود سمجھتا ہے کہ وہ یقینی طور پر حدیث کی عبارت پڑھنے میں غلطی کرتا ہے اور پھر بھی عبارت پڑھنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ حدیث کی اس وعید کے تحت آئے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کذب بیانی کرنا حرام ہے یہ اگرچہ خود ایک گناہ ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر جھوٹ باندھنا اعظم کبائر میں سے ہے اور مطلقاً حرام ہے خواہ ترغیب وترہیب کے لئے ہو یا دینی احکام کے لئے ہو۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کے فائدہ کے لئے جھوٹ باندھنا جائز ہے تو ان کا یہ خیال باطل ہے کیونکہ اس طرح تمام نوایجاد بدعات دین میں داخل ہو جائیں گی فرقہ مبتدعہ خطابیہ اور کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں ''عَلَیَّ'' کا لفظ اضرار کے لئے ہے یعنی ضرر اور فساد کی نیت سے جھوٹ باندھنا منع ہے مگر نیک مقصد کے لئے جائز ہے، یہ نظریہ غلط ہے یہاں عَلَیَّ کے لفظ میں عموم ہے۔ ان مبتدعہ ضالہ نے بعض روایات میں وارد ہونے والے ایک جملے ''لیضل به الناس'' سے بھی استدلال کیا ہے کہ دیکھو یہ گمراہی کی نیت سے حرمت کی طرف اشارہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لیضل به الناس میں لام علت کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ لام عاقبت کے لئے ہے یعنی اس جھوٹ باندھنے کا انجام لوگوں کی گمراہی ہو، یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک آیت میں ہے: ﴿فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس بغير علم﴾ اس میں لام عاقبت کے لئے ہے علت کے لئے نہیں ہے۔

سوال: اب یہاں سوال یہ ہے کہ ''فلیتبوأ'' امر کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اپنے لئے دوزخ میں جگہ بنالے تو یہ حکم تو انسان کے اختیار میں نہیں غیر اختیاری معاملہ میں امر کیسے کیا جا رہا ہے؟

جواب: یہ امر انشاء بمعنی خبر ہے یعنی اس شخص نے اپنے لئے ٹھکانہ بنالیا۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مُخلّد فی النار ہوگا حالانکہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوگا؟

جواب: یہ حکم تشدیداً تغلیظاً تهدیداً زجراً و توبیخاً ہے یا حلال سمجھنے والے کے بارے میں ہے البتہ یہ ایک الگ تحقیق ہے کہ کذب علی النبی کی حیثیت کیا ہے؟ تو امام الحرمین کے والد ابو محمد جوینیؒ کی رائے یہ ہے کہ کذب علی النبی کفر ہے مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر کذب علی النبی کو کوئی شخص حلال نہیں سمجھتا تو یہ گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ایسا آدمی فاسق اور ساقط الحدیث ہے کافر نہیں ہے۔

اب یہ بھی ایک الگ بحث ہے کہ کذب علی النبی کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احمد حمیدی اور ابو بکر صیرفی کہتے ہیں کہ واضع الحدیث شخص کی توبہ معتبر و مقبول نہیں ہے مگر جمہور کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ توبہ اگر سچائی کے ساتھ ہو تو مقبول ہے کہ پہلے گناہ پر پشیمان ہو آئندہ اس گناہ سے اجتناب ہو فی الحال سچی توبہ ہو۔ یہ ان چار احادیث کی تشریح وتفصیل ہے جس کا اکثر وبیشتر مواد نعمت المنعم، نصر المنعم، فیض المنعم، نووی، درس مسلم، دروس مسلم، عمدة المفهم اور دیگر کتابوں سے لیا گیا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے شان ورود میں موضوعات کبیر کے مقدمہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے عرب کے ایک قبیلہ کی طرف ایک آدمی کو کسی کام پر بھیجا اس نے جا کر کہا کہ مجھے حضور اکرم نے حکم دیا ہے

کہ میں جس طرح چاہوں تمہاری عورتوں میں تصرف کروں، لوگوں نے کہا کہ حضور اکرم کا حکم سر آنکھوں پر قبول ہے مگر ہم معلوم کریں گے، چنانچہ انہوں نے ایک آدمی بھیجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ بہت غصہ ہوئے اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ جا کر اس شخص کو قتل کر دو اور پھر آگ میں جلا دو جب صحابی وہاں گئے تو وہ شخص پہلے مر چکا تھا اور دفن کیا جا چکا تھا۔ انصاری نے اس کو قبر سے نکالا اور آگ میں جلا دیا اور پھر فرمایا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (مقدمہ موضوعات کبیر، ص۱۰)

۵۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍقَالَ حَدَّثَنَااَبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُبْنُ عُبَيْدٍقَالَحَدَّثَنَاعَلِيُّ بْنُ رَبِيْعَةَ الْوَالِبِيُّ قَالَ اَتَيْتُ الْمَسْجِدَ وَالْمُغِيْرَةُ اَمِيْرُ الْكُوْفَةِ قَالَ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى اَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْمَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ۔

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں پہنچا اور یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب حضرت مغیرہؓ کوفہ کے امیر (گورنر) تھے، علی کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: مجھ پر جھوٹ ویسا نہیں ہے جیسا اوروں پر، پس جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے ۔

۶۔ **وَحَدَّثَنِیْ** عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ قَيْسٍ الْاَسَدِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ الْاَسَدِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ وَلَمْ يَذْكُرْ اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى اَحَدٍ ۔

علی کے دوسرے شاگرد محمد بن قیس کی روایت بھی سعید بن عبید کی روایت کی طرح ہے مگر ان کی روایت میں اِن کذبا...... الخ نہیں ہے۔

تشریح

"لیس ککذب علی احد" یعنی پیغمبر علیہ السلام پر جھوٹ باندھنا عام انسانوں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے کیونکہ امت کے کسی عالم وفقیہ پر جھوٹ باندھنے سے وہ جھوٹ شریعت کا حصہ نہیں بنتا لیکن پیغمبر اسلام پر جھوٹ باندھنے سے وہ شریعت کا حصہ بن سکتا ہے جس سے عام گمراہی کے پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيْثِ بِكُلِّ مَاسَمِعَ

بلا تحقیق ہر سنی سنائی حدیث بیان کرنے کی ممانعت

۷۔ **وَحَدَّثَنَا** عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ ، ح : وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِباً اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

حفص بن عاصم (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے بیان کردے''۔

تشریح

''عبیداللہ بن معاذ العنبری'' اس سے پہلے حدیث نمبر ۴ میں ایک راوی محمد بن عبید کے ساتھ نسبت میں غبری کا لفظ لگا ہوا ہے وہ قبیلہ غُبر کی طرف منسوب ہے جو بکر بن وائل کی شاخ ہے مگر زیر بحث حدیث میں جو راوی ہے یہ بنوعنبر قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ یہاں حدیث نمبر ۷ سے آگے حدیث نمبر ۱۲ تک احادیث کا مضمون اور خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث مبارکہ میں کذب بیانی کو ایک سنگین گناہ فرمایا گیا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اس حدیث کی صحت کی خوب تحقیق کرلے اور ہر سنی سنائی بات کو آگے نہ بڑھائے گذشتہ زمانے میں جس طرح روایت اور سند کی تحقیق ہوتی تھی آج کل حدیث کی کتابوں کی تحقیق بھی ضروری ہے کیونکہ اب کتابوں میں صحیح کے ساتھ ضعیف بلکہ موضوعی حدیثیں بھی لکھی گئیں ہیں تو ہر کتاب کی ہر لکھی ہوئی حدیث آگے بڑھانا مناسب نہیں ہے بلکہ خوب چھان بین کرنی چاہیئے ہاں جو قابل اعتماد کتابیں ہیں ان میں شک نہیں کرنا چاہئے۔

''کفی بالمرء'' اس میں باز ائد ہے یہ لفظ مفعول کی جگہ واقع ہے کذباً تمیز ہے اور ان یحدث بتاویل مصدر کفی کا فاعل ہے۔

''حفص بن عاصم'' یہاں یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حفص بن عاصم تابعی ہیں اور قال رسول اللہ کہہ رہے ہیں۔امام مسلم نے ساتھ والی دوسری سند کے ذریعے اس ارسال کو ختم کردیا کیونکہ عن ابی ہریرۃ سے حدیث متصل ہوگئی۔

۸۔**وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

اس روایت کے الفاظ بھی وہی ہیں جو نمبر ۷ میں گذرے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ روایت مرسَل تھی یہ مُسند ہے۔

تشریح

''حفص بن عاصم عن ابی ہریرۃ'' اس اتصال سے حدیث سابق کا ارسال ختم ہوگیا۔

''بمثل ذلك'' محدثین کی عادت ہے کہ وہ پہلی سند کے ساتھ متن حدیث ذکر کردیتے ہیں اور اس کے بعد دیگر سندوں میں متن کا حوالہ دیتے ہیں اس حوالہ کے لئے کبھی مثلہ لفظ لاتے ہیں اور کبھی نحوہ لفظ لگاتے ہیں۔اب یہ دیکھنا ہے کہ ان دولفظوں میں کیا فرق ہے؟ تو محدثین فرماتے ہیں کہ جہاں لفظ مثلہ آگیا تو سمجھ لو کہ متن لفظاً ومعنیً متحد ہے لیکن اگر نحوہ آگیا تو سمجھ لو کہ متن معنی و مضمون کے اعتبار سے تو متحد ہے لیکن الفاظ میں اتحاد نہیں الفاظ الگ الگ ہیں۔

۹۔ **وَحَدَّثَنِی** یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ اَخْبَرَنَا هُشَیْمٌ عَنْ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیِّ عَنْ اَبِی عُثْمَانَ النَّهْدِیِّ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ اَنْ یُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات بھی سنے بیان کردے''۔

تشریح

''بحسب المرء'' با زائدہ ہے حسب مضاف المرء مضاف الیہ سے ملکر مبتداء اور ان یحدث بتاویل مفرد خبر واقع ہے۔
''بکل ماسمع'' یعنی یہ شخص جب ہر سنی سنائی بات نقل کرے گا تو یقیناً اس میں بہت ساری غلط باتیں بھی آجائیں گی اور یہ ناقل خواہ کذب کا ارادہ نہ بھی کرتا ہو مگر پھر بھی بلا تحقیق و تصدیق غلط بات نقل کرنے کی وجہ سے کاذب شمار ہوگا۔ اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات نقل نہ کریں۔

۱۰۔ **وَحَدَّثَنِی** اَبُوالطَّاهِرِ اَحْمَدُبْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِی مَالِكٌ اِعْلَمْ اَنَّهُ لَیْسَ یَسْلَمُ رَجُلٌ حَدَّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ وَلَایَكُوْنُ اِمَامًا اَبَدًا وَهُوَیُحَدِّثُ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

عبداللہ بن وہب مصری کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: تم یہ بات جان لو کہ جو شخص ہر سُنی ہوئی حدیث بیان کرتا ہے وہ (جھوٹ سے) بچ نہیں سکتا، اور آدمی کبھی پیشوا نہیں بن سکتا درآنحالیکہ وہ ہر سنی ہوئی حدیث بیان کرتا ہو۔

۱۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَبِی اِسْحَاقَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ اَنْ یُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کردے۔

۱۲۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِیٍّ یَقُوْلُ لَایَكُوْنُ الرَّجُلُ اِمَامًا یُقْتَدٰی بِهٖ حَتّٰی یُمْسِكَ عَنْ بَعْضِ مَاسَمِعَ ۔

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ آدمی کبھی ایسا پیشوا نہیں بن سکتا جس کی پیروی کی جائے تا آنکہ وہ بعض سنی ہوئی حدیثوں کو بیان کرنے سے رُک جائے۔

۱۳۔ **وَحَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ اَخْبَرَنَا عُمَرُبْنُ عَلِیِّ بْنِ مُقَدَّمٍ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ حُسَیْنٍ قَالَ سَاَلَنِی اِیَاسُ بْنُ مُعَاوِیَةَ فَقَالَ اِنِّی اَرَاكَ قَدْكَلِفْتَ بِعِلْمِ الْقُرْآنِ فَاقْرَأْ عَلَیَّ سُوْرَةً وَفَسِّرْ حَتّٰی اَنْظُرَ فِیْمَاعَلِمْتَ قَالَ فَفَعَلْتُ فَقَالَ لِی اِحْفَظْ عَلَیَّ مَااَقُوْلُ لَكَ اِیَّاكَ وَالشَّنَاعَةَ فِی الْحَدِیْثِ فَاِنَّهُ قَلَّمَا حَمَلَهَا اَحَدٌ اِلَّا ذَلَّ فِی نَفْسِهٖ وَكُذِّبَ فِی حَدِیْثِهٖ ۔

سفیان بن حسین کہتے ہیں کہ مجھ سے ایاس بن معاویہ نے کہا کہ میں علم تفسیر کے ساتھ تمہاری دلچسپی دیکھ رہا ہوں، لہٰذا

تم میرے سامنے کوئی سورت پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کرو تاکہ میں دیکھوں کہ تم نے کیا پڑھا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ: جو بات میں تم سے کہتا ہوں اس کو میری طرف سے خوب محفوظ رکھو اناپ شناپ حدیثیں بیان کرنے سے بچو کیونکہ عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ خود ہی رسوا ہو جاتا ہے اور حدیث کے بارے میں اس کی تکذیب کی جاتی ہے۔

تشریح

''ایاس بن معاویۃ'' بلاتحقیق بے سروپا حدیثیں بیان کرنا آدمی کو رسوا کر دیتا ہے ایسے محدث سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور لوگ اس کی بات کی تکذیب کرنے لگتے ہیں۔ بصرہ کے قاضی، شان والے تابعی حضرت قاضی ایاس بن معاویہ متوفی ۱۲۲ھ جن کی ذکاوت، فہم وفراست، تدبر وبصیرت، فصاحت وبلاغت ضرب المثل تھی وہ اپنے ایک شاگرد سفیان بن حسین کو یہی بات سمجھا رہے ہیں اور نصیحت کر رہے ہیں ''کلفت'' سمع سے شوق ومحبت اور شغف وعشق کے معنی میں ہے۔''بعلم القرآن'' یعنی آپ کو قرآن کی تفسیر کا زیادہ شوق ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تفسیر میں ضعیف اور کمزور حدیثیں بیان کی جاتی ہیں آپ مجھے اپنی تفسیر بیان کر دیں تاکہ میں صحیح اور غلط کے بارے میں فیصلہ کر سکوں۔

''احفظ علی'' ای عنی یعنی میری طرف سے یہ بات یاد رکھیں ''والشناعۃ'' شناعت فی الحدیث یعنی قابل شناعت وقباحت، باتیں اس سے مراد منکر حدیث کو بیان کرنا ہے جس میں شکوک ہونگے لوگ تقبیح وتشنیع کریں گے جس سے آدمی کا رتبہ گھٹ جاتا ہے تو لوگ ذلیل سمجھیں گے اور جھوٹا مانیں گے۔ خلاصہ یہ کہ قاضی ایاس نے اپنے شاگرد، سفیان بن حسین کو تنبیہ کی ہے کہ لوگ تفسیری روایات میں تساہل برتتے ہیں اور اس میں منکر من گھڑت موضوعی روایات درج کرتے ہیں تم ایسا نہ کرو۔

لوگوں کی عقلوں سے بالاتر بات نہ کرو

۱۴۔وَحَدَّثَنِیْ اَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَااَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيْثًا لَاتَبْلُغُهُ عُقُوْلُهُمْ اِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم جب بھی کسی قوم کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو تو وہ کچھ لوگوں کے لئے فتنہ بن جائے گی، (لفظی ترجمہ یہ ہے: نہیں ہو تم بیان کرنے والے کسی قوم سے کوئی ایسی حدیث جس تک نہ پہنچیں ان کی عقلیں مگر ہو گی وہ اُن میں سے بعض کے لئے فتنہ)۔

تشریح

''ماانت بمحدث'' یعنی جس قوم کے سامنے تم حدیث بیان کرو گے تو تم پر لازم ہے کہ ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو اور

حاضرین مجلس کی استعداد کا خیال رکھو ورنہ ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلے گی۔ مطلب یہ کہ بیان اور وعظ میں یا تفسیر وتشریح میں ایسے مضامین بیان کرنے چاہئیں جو لوگوں کی سمجھ وفہم سے بالاتر نہ ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ اللہ و رسول کی بات جھٹلانے پر نہ اتر آجائیں۔ خلاصہ یہ کہ ''کلموا الناس علی قدر عقولهم''۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالْاِحْتِيَاطُ فِي تَحَمُّلِهَا

ضعیف راویوں سے روایت کرنے کی ممانعت

۱۵۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوهَانِئٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَالَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تم سے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے سو تم ان سے بچتے رہنا۔

تشریح

''یحدثونکم'' واعظوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے اور ان سے دنیا کمانے کے لئے نئی نئی حدیثیں سنانے کی کوشش کرتے ہیں کچھ حدیثیں واعظ خود گھڑتے ہیں اور زیادہ تر غیر معتبر کتابوں سے لیکر بیان کرتے ہیں ان لوگوں سے امت کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ امام مسلم ایسے ہی لوگوں سے متعلق دو حدیثیں پیش فرما رہے ہیں۔

''فایاکم وایاهم'' اس جملہ میں واؤ زائد ہے اور ایاهم مفعول بہ واقع ہے ایاکم اسم فعل ہے اور کُم فاعل ہے۔ ای اتقوامنهم واحفظوا منهم انفسکم۔ یعنی تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ۔

۱۶۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوشُرَيْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ شَرَاحِيلَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ أَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''آخر زمانہ میں مکّار جھوٹے پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے سو تم ان سے بچتے رہنا وہ لوگ تم کو گمراہ نہ کردیں، اور تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔

تشریح

''دجــالــون'' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے دجل فریب اور دھوکہ کو کہتے ہیں، دجل اس تلبیس ابلیس کو کہتے ہیں جس میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنا دشوار ہوجاتا ہو۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام میں صحیح منشاء کے بغیر محض اپنی رائے سے مسائل کا اختراع کرتے ہیں آخر زمانہ میں فتنوں کا زور ہوگا تو ایسے لوگ نمودار ہوجائیں گے جو عوام الناس سے کہیں گے کہ ہم علماء مشائخ اور بزرگ ہیں اس کے لئے وہ حدیثیں گھڑ کر دھوکہ دیں گے تم ان سے بچنا۔ خلاصہ یہ کہ دین کے معاملہ میں احتیاط کرنی چاہئے اور بدعتیوں کی مجالس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حدیثیں گھڑنے میں شیاطین کا بھی ہاتھ ہے

۱۷۔ **وَحَدَّثَنِی** اَبُوسَعِیدِ الْاَشَجُّ قَالَ حَدَّثَنَاوَکِیعٌ قَالَحَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمُسَیَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَتَمَثَّلُ فِی صُورَةِ الرَّجُلِ فَیَأْتِی الْقَوْمَ فَیُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِیثِ مِنَ الْکَذِبِ فَیَتَفَرَّقُونَ فَیَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَااَدْرِیْ مَااسْمُهُ یُحَدِّثُ ۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کی صورت اختیار کرتا ہے پھر وہ لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان کو جھوٹی حدیثیں سناتا ہے پھر جب لوگ منتشر ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس کی صورت سے تو میں آشنا ہوں، مگر نام نہیں جانتا (پھر اس شیطان سے سنی ہوئی جھوٹی روایت نقل کرتا ہے)۔

تشریح

''لَیَتَـمَثَّـلُ''، یعنی شیاطین بھی جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی شخص کی شکل میں آکر اپنے آپ کو بزرگ بتاتا ہے اور پھر لمبا بیان کر کے اس میں جھوٹی حدیثیں سنا دیتا ہے پھر چلا جاتا ہے سننے والے بعد میں کہتے ہیں کہ اس آدمی کی شکل دیکھ کر ہم پہچان لیں گے لیکن نام سے ہم نہیں جانتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیانات کے جن منبروں سے خطیب کا اعلان نہیں ہوتا کہ یہ کون صاحب ہیں یہ خطرناک صورت ہے اسی میں شیاطین گھس آتے ہیں علماء کرام کا طریقہ واضح اور صاف ہے، نام کا اعلان ہوتا ہے تو کوئی شیطان گھسنے کی کوشش نہیں کرسکتا تبلیغی بزرگوں کو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر منجانا شیطان

۱۸۔**وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِقَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِیهِ عَنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اِنَّ فِی الْبَحْرِ شَیَاطِینَ مَسْجُونَةً اَوْثَقَهَا سُلَیْمَانُ یُوشِکُ اَنْ تَخْرُجَ فَتَقْرَأَ عَلَی النَّاسِ قُرْآنًا ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ: سمندر میں مقید کچھ شیاطین ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے قید کیا ہے، قریب ہے کہ وہ نکلیں، پس وہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائیں۔

تشریح

''شیاطین مسجونۃ ''یعنی سمندر میں جنات اور شیاطین قید میں پڑے ہیں۔ ''یوشك ''یعنی قریب ہے کہ اس قید خانہ سے کسی وقت کسی طرح چھوٹ جائیں۔ ''قرآنا ''یعنی لوگوں کو پڑھ پڑھ کر کچھ سنائیں گے۔ قرآن کا لغوی معنی جمع کرنا ہے پھر لغوی معنی کے اعتبار سے ہر وہ مجموعہ جو پڑھا جائے وہ قرآن ہے تو قرآن بمعنی مقروء ہے۔ اب اس حدیث میں قرآن سے کیا مراد ہے اور حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اس کی چار توجیہات ہیں:

پہلی توجیہ : یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن کے نام پر پڑھی جانی والی کوئی کتاب مراد ہو جس کو پڑھ کر شیاطین لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے اس لئے کوئی شیطان اپنے شیطانی منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

دوسری توجیہ: یہ ہے کہ قرآن سے حقیقی قرآن مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ شیطان حقیقی قرآن پڑھ کر لوگوں کو اپنا معتقد بنائیں گے اور پھر اس کی غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے یورپ میں اس کام کے لئے لوگ تیار کیے گئے ہیں۔

تیسری توجیہ : یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس دو صحیفے تھے ایک کا نام ''صادقہ'' تھا یہ صحیح احادیث کا مجموعہ تھا دوسرا صحیفۂ یرموکیہ تھا جو جنگ یرموک میں آپ کے ہاتھ لگا تھا جو اسرائیلی روایات کا مجموعہ تھا تو قید سے محبوس شیاطین کا چھوٹ کر آنا پھر قرآن پڑھنا یہ سب بھی اسرائیلیات ہیں جس کی تشریح وتوجیہ کے ہم پابند نہیں ہیں۔

چوتھی توجیہ : یہ ہے کہ فتح الملہم، ج ۱، ص ۳۵۸ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ قیامت کے قریب ظاہر ہو جائے کیونکہ اس وقت ایسے خارق عادات واقعات ہونگے۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آج سے تقریباً بیس سال پہلے اس طرح کا واقعہ دیکھا ہے کہ ایک شیطان ڈاکٹر منجانا کی شکل میں یورپ سے آیا اور اپنے ساتھ قرآن کا نامزد نسخہ لایا جو بہت پرانا تھا وہ شیطان کہتا تھا کہ اصل قرآن یہ ہے حالانکہ پوری دنیا کے قرآنوں سے اس کا نسخہ مختلف تھا وہ قرآن میں تحریف ثابت کرنا چاہتا تھا مگر خائب وخاسر ہو کر لوٹ گیا۔

۱۹۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ سَعِيدٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ هَذَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَعْنِي بُشَيْرَ بْنَ كَعْبٍ فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا فَعَادَ لَهُ ثُمَّ حَدَّثَهُ فَقَالَ لَهُ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا فَعَادَ لَهُ فَقَالَ لَهُ مَا أَدْرِي أَعَرَفْتَ حَدِيثِي

كُلَّهُ وَأَنْكَرْتَ هٰذَا؟ أَمْ أَنْكَرْتَ حَدِيثِي كُلَّهُ وَعَرَفْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ تَرَكْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ ۔

طاؤس کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت ابن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) کے پاس آیا، ہشام کہتے ہیں کہ طاؤس کی مراد بُشیر بن کعب ہے، پس وہ حدیثیں بیان کرنے لگے تو (چند حدیثیں سننے کے بعد) ابن عباس نے اُن سے کہا کہ فلاں فلاں حدیثیں دوبارہ سنایئے، چنانچہ انہوں نے وہ دوبارہ سنائیں، پھر وہ ان کے سامنے اور حدیثیں بیان کرنے لگے، تو (چند حدیثوں کے بعد پھر) ابن عباسؓ نے کہا کہ فلاں فلاں حدیثیں دوبارہ بیان کیجئے، چنانچہ انہوں نے وہ دوبارہ بیان کیں، پھر بُشیر نے ابن عباس سے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے میری سب حدیثوں کو معتبر سمجھا اور ان چند کے بارے میں آپ کو شبہ ہوا یا میری سب حدیثوں کو غیر معتبر سمجھا اور ان چند کو معتبر جانا؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ''ہمیں حدیثیں بیان کی جاتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا پھر جب لوگ اچھی بُری سواری پر چڑھنے لگے تو ہم نے رسول اللہؐ کی طرف سے بیان کی جانے والی حدیثوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دیا)۔

تشریح

''ابن عيينة'' اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہیں ''قال سعيد'' اس سے امام مسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت کو سعید نے سفیان سے اخبار کے صیغہ سے نقل کیا ہے اور ابن عیینہ کے نام کی تصریح کر کے سفیان کہا ہے جبکہ محمد بن عباد نے ''عن'' کہا ہے اور سفیان کا نام بھی نہیں لیا بلکہ صرف ابن عیینہ کہا ہے ''طاؤس'' طاؤس بن کیسان یمانی انباری جلیل القدر تابعی اور حضرت ابن عباس کے شاگرد ہیں بلند پایہ محدث اور فقیہ ہیں ان کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی ہے۔ (تکمیل الادب شرح نفحۃ العرب، ص ۵۷۹)

حضرت طاؤس، بُشیر بن کعب کی آمد اور حضرت ابن عباس کو حدیث سنانے کا قصہ بیان کر رہے ہیں، بُشیر تصغیر کے ساتھ ہے یہ بصری ہیں تابعی ہیں ثقہ راوی ہیں تقریباً حضرت ابن عباس کے ہم عمر ہیں امام مسلم نے ان کا یہاں صرف تذکرہ کیا ہے ان سے حدیث نہیں لی ہے باقی ارباب صحاح نے ان سے روایت لی ہے۔ جب ایک موقع پر یہ حدیثیں سنانے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کی تکثیر حدیث کو پسند نہیں کیا ''ما ادری'' یہ استفہام نہیں بلکہ بُشیر کی طرف سے تعجب ہے کہ بار بار مجھ سے حدیث پڑھواتے ہو معلوم نہیں کیا چاہتے ہو! ''نحدث'' یہ صیغہ مجہول و معروف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے یعنی جب اعتماد کا دور تھا تو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر ہمہ جہت متوجہ ہو جاتے تھے۔

''الصعب'' سرکش غیر سدھایا ہوا گھوڑا ''والذلول'' سدھایا ہوا غیر سرکش رام گھوڑا کو کہتے ہیں مراد اچھی اور بُری سواری ہے اس تشبیہ سے حضرت ابن عباسؓ نے صحیح اور ضعیف احادیث کی نشاندہی فرمائی ہے۔

۲۰۔ وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَا اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِیْثَ وَالْحَدِیْثُ یُحْفَظُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اِذَا رَكِبْتُمْ كُلَّ صَعْبٍ وَذَلُوْلٍ فَهَیْهَاتَ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم حدیثیں یاد کرلیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو یاد کی ہی جاتی ہیں۔ مگر جب آپ لوگ ہر اچھی بُری سواری پر چڑھنے لگے تو بات بہت دُور چلی گئی (یعنی اعتبار جاتا رہا)۔

تشریح

''ابن طاؤس'' اس روایت میں طاوس کے بیٹے اپنے والد طاوس سے روایت کررہے ہیں، بیٹے کا نام عبداللہ بن طاوس ہے یہ عالم فاضل اور نیک صالح آدمی تھے ان کا انتقال ۱۳۲ھ میں ہوا۔ (تکمیل الادب شرح نفحۃ العرب، ص ۵۷۹)

''فهیهات'' یہ اسم فعل ہے ''بعد'' کے معنی میں ہے یہ لفظ حضرت ابن عباس نے استعمال کیا ہے یعنی معاملہ سنگین ہو کر بہت دور جانکلا ہے لہٰذا اعتماد ختم ہوگیا ہے ''ای بَعُدَتْ استقامتکم واعتمادُکم''۔

۲۱۔ وَحَدَّثَنِی اَبُوْ اَیُّوْبَ سُلَیْمَانُ بْنُ عُبَیْدِاللّٰهِ الْغَیْلَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ یَعْنِی الْعَقَدِیَّ قَالَ حَدَّثَنَا رَبَاحٌ عَنْ قَیْسِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ جَاءَ بُشَیْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِیُّ اِلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَعَلَ یُحَدِّثُ وَیَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا یَأْذَنُ لِحَدِیْثِهٖ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِ فَقَالَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَالِیَ لَا اَرَاكَ تَسْمَعُ لِحَدِیْثِی؟ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَسْمَعُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا كُنَّا مَرَّةً اِذَا سَمِعْنَا رَجُلًا یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِبْتَدَرَتْهُ اَبْصَارُنَا وَاَصْغَیْنَا اِلَیْهِ بِآذَانِنَا فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَةَ وَالذَّلُوْلَ لَمْ نَاْخُذْ مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَا نَعْرِفُ۔

مجاہد کہتے ہیں کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد نے بیان کیا کہ ابن عباس نے ان کی حدیثوں سے توجہ ہٹالی .اور ان کی طرف سے نگاہ پھیرلی، تو بشیر نے کہا کہ: ابن عباس! کیا بات ہے آپ میری حدیثیں نہیں سنتے؟ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتا ہوں اور آپ سن نہیں رہے! حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ ''ایک وقت تھا جب ہم کسی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوا سنتے تو اس کی طرف ہماری نگاہیں اٹھ جاتیں، اور ہم اپنے کان اس کی طرف متوجہ کردیتے، پھر جب لوگوں نے اچھی بری ہر قسم کی سواریوں پر چڑھنا شروع کردیا تو اب ہم صرف وہی حدیثیں لیتے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں۔

اکابر سے احادیث کی توثیق

وضع حدیث کا سلسلہ روکنے کے لئے اور صحیح اور معتبر حدیثوں کے جاننے کے لئے صحابۂ کرام کے آخر دور میں تین اہم کام شروع کردیئے گئے تھے (۱) پہلا کام "اسناد" کا شروع کیا گیا کہ کس نے کس سے سنا؟ کیسے سنا؟ کب سنا؟ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بے احتیاطی کے ساتھ حدیث بیان کرنے کا سلسلہ کم ہوگیا۔ (۲) اس وقت دوسرا بڑا کام راویوں پر تنقید اور روات کا پرکھنا شروع کیا گیا کہ کون سچا ہے کون جھوٹا ہے؟ کون پکا ہے کون کچا ہے؟ کس کا کس سے سماع ہے اور کس سے نہیں ہے؟ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ حدیث کے اتصال وانقطاع اور قوت وضعف کا خوب اندازہ ہوگیا۔ (۳) تیسرا بڑا کام اکابر سے توثیق کرنے کا شروع ہوا یعنی صحابہ کرام اور بڑے تابعین اور ائمہ فن سے اپنی مسموعات کی توثیق کرالینا، چنانچہ محدثین نے اس میدان میں بھی کھلے دل سے اکابر کی طرف رجوع کیا ہے ادھر اللہ تعالیٰ اس اُمت میں احادیث کی حفاظت اور پرکھنے کے لئے ایسے جبال العلم اصحاب جرح وتعدیل پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کررکھی تھیں تو احادیث کی صحت وسقم معلوم کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ یہی رہا کہ فن حدیث کا اکابر کی طرف رجوع کیا جائے جس طرح لوگ اپنا سونا، چاندی پرکھنے کے لئے سنار کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی طرح فن حدیث کے اکابر کی طرف رجوع کرکے یہ معلوم کیا جائے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غیر صحیح ہے ذیل میں اسی سلسلہ کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۲۲۔**وَحَدَّثَنَا** دَاوٗدُ بْنُ عَمْرٍو الضَّبِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَسْاَلُهٗ اَنْ يَّكْتُبَ لِيْ كِتَابًا وَيُخْفِيَ عَنِّيْ فَقَالَ وَلَدٌ نَاصِحٌ اَنَا اَخْتَارُ لَهُ الْاُمُوْرَ اِخْتِيَاراً وَاُخْفِيْ عَنْهُ قَالَ فَدَعَا بِقَضَاءِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَعَلَ يَكْتُبُ مِنْهُ اَشْيَاءَ وَيَمُرُّ بِهِ الشَّيْءُ فَيَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَاقَضٰى بِهٰذَا عَلِيٌّ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ ضَلَّ۔

طائف کے قاضی، مشہور تابعی عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی مُلیکہ (متوفی ۱۱۷ھ) کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو خط لکھا جس میں آنجناب سے درخواست کی کہ مجھے حضرت علیؓ کے فیصلوں کی ایک تحریر لکھ دیں، اور (غیر معتبر باتیں) مجھ سے چھپالیں (یعنی نہ لکھیں) حضرت ابن عباسؓ نے (خط پڑھ کر) فرمایا کہ: خیر خواہ لڑکا ہے (یعنی سمجھدار ہے) میں اس کے لئے اچھی باتیں منتخب کروں گا اور غیر معتبر باتیں نہیں لکھوں گا، راوی نے کہا پھر آنجناب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے نقل کرنے لگے اور بعض باتیں جب ان کی نگاہ سے گذرتی تو فرماتے کہ بخدا! یہ حضرت علی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، الا یہ کہ وہ گمراہ ہوگئے ہوں، (اور معلوم ہے کہ وہ گمراہ نہیں ہوئے، پس یہ فیصلے ان کے نہیں ہیں بلکہ ان کے نام سے گھڑے گئے ہیں)۔

تشریح

''ویخفی عنی'' یہ باب افعال سے اخفاء چھپانے کے معنی میں ہے ابن ابی ملیکہ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کی طرف جوالحاقی قضایا اور فیصلے لوگوں نے منسوب کرر کھے ہیں وہ نہ لکھیں بلکہ وہ چھپادیں باقی فیصلے لکھدیں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ابن ابی ملیکہ اچھا بچہ ہے میں اس کے لئے معتبر اور اچھی باتیں لکھدوں گا اور غیر معتبر کو اس سے چھپادوں گا۔

''فدعا بقضاء علیؓ'' یعنی حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علی کی طرف منسوب تمام قضایا کو منگوالیا اور غور سے دیکھنا شروع کر دیا اور لوگوں نے آپ کی طرف جو جھوٹے فیصلے منسوب کئے تھے سب کو مٹادیا اور جو صحیح تھے وہ باقی رکھ کر لکھدیے۔''ویمر به الشی'' یعنی بعض عجیب عجیب فیصلے سامنے سے گذرتے تھے''فیقول'' تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ اگر علی نے ایسا فیصلہ کیا ہے تو علی تو گمراہ ہوگئے حالانکہ یہ پکی بات ہے کہ علی گمراہ نہیں تھے، لہٰذا ان غلط فیصلوں کی نسبت علی کی طرف غلط ہے اور یہ ان پر جھوٹ ہے اس روایت سے خوب ثابت ہوا کہ اپنی روایات کو توثیق کے لئے اکابر پر پیش کرنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

۲۳۔ **حَدَّثَنَا** عَمْرُو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ أُتِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِكِتَابٍ فِيهِ قَضَاءُ عَلِيٍّ فَمَحَاهُ إِلَّا قَدْرَ وَأَشَارَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ بِذِرَاعِهِ۔

طاؤس العلماء ذکوان بن کیسان یمانی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس (توثیق کے لئے) ایک نوشتہ لایا گیا جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے درج تھے۔ابن عباسؓ نے وہ ساری تحریر مٹادی مگر اتنی، اور ابن عیینہ نے اپنے ذِراع (کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ) سے اشارہ کیا (یعنی ایک ہاتھ تحریر باقی رکھی باقی مٹادی کیونکہ اتنی ہی صحیح تھی باقی موضوع تھی)۔

تشریح

''ذراعه'' قدیم زمانہ میں تحریر لمبائی میں لکھا کرتے تھے اور اس کو گول لپیٹ لیا کرتے تھے اسی کو سِجلؔ کہتے ہیں جیسے طومار میں لپیٹ کرر کھتے ہیں ذراع کہنی سے لیکر انگلیوں تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ باقی سب کو ابن عباسؓ نے مٹادیا صرف ایک ذراع حصہ باقی چھوڑ دیا''ای الاقدر ذراعه''۔اس روایت سے بھی اکابر پر حدیث پیش کرنا ثابت ہوا۔

۲۴۔ **حَدَّثَنَا** حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ لَمَّا أَحْدَثُوا تِلْكَ الْأَشْيَاءَ بَعْدَ عَلِيٍّ قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَيَّ عِلْمٍ أَفْسَدُوا۔

ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے وہ چیزیں (موضوعات) ایجاد کیں تو حضرت علیؓ کے ایک شاگرد نے (جن سے توثیق چاہی گئی تھی) فرمایا کہ: اللہ غارت کرے ان لوگوں کو! کیسا علم ان لوگوں نے بگاڑ دیا۔

تشریح

''ای علم افسدوا ''یعنی کیسا عظیم علم ان بدبختوں نے برباد کیا حضرت علی کے شاگرد کا اشارہ شیعہ اور روافض کی طرف ہے جنہوں نے تھوک کے حساب سے حضرت علی کی طرف غلط باتیں منسوب کیں جو قطعاً باطل ہیں اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ توثیق کے لئے اپنی مسموعات کو اکابر پر پیش کرنا چاہئے۔

۲۵۔**حَدَّثَنَا** عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَخْبَرَنَا اَبُوْبَکْرٍ یَعْنِیْ ابْنَ عَیَّاشٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِیْرَۃَ یَقُوْلُ لَمْ یَکُنْ یَصْدُقُ عَلِیٍّ فِی الْحَدِیْثِ عَنْہُ اِلَّامِنْ اَصْحَابِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

مغیرہ بن مقسم ضبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے حدیثیں روایت کرنے میں سچ نہیں بولا کرتے تھے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ۔(من بیان جنس کے لئے یا زائد ہے،نووی)

تشریح

''یصدق '' یہ صیغہ نصر ینصر سے بھی ہے اور باب تفعیل سے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔اگر نصر سے ہے تو مطلب یہ ہے حضرت ابن مسعود کے شاگردوں کے علاوہ کوئی بھی حضرت علی کی روایتوں میں سچ نہیں کہتے تھے صرف ابن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علی سے سچی روایات بیان کرتے ہیں اور اگر یہ صیغہ باب تفعیل سے ہو تو مطلب ہوگا کہ حضرت علی سے روایتوں میں کسی کی تصدیق نہیں کی جا سکتی،صرف ابن مسعود کے شاگردوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ حضرت علی پر جھوٹ نہیں بولتے۔اس روایت سے بھی اکابر سے توثیق احادیث کی بات معلوم ہوگئی اور یہاں پر یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

بَابُ بَیَانِ اَنَّ الْاِسْنَادَ مِنَ الدِّیْنِ وَاَنَّ الرِّوَایَۃَ لَاتَکُوْنُ اِلَّاعَنِ الثِّقَاتِ

اسنادِ حدیث اور راویوں پر تنقید کی اہمیت

وضع حدیث کا سلسلہ بند کرنے کے لئے دور اول میں تین اہم کام شروع کئے گئے تھے ان میں ایک بڑا کام اسناد کا تھا توثیق اکابر کی مثالوں سے فارغ ہو کر امام مسلم رحمہ اللہ اسناد حدیث کی اہمیت وضرورت بیان فرما رہے ہیں اگر چہ عنوان میں نقد رواۃ کا عنوان بھی رکھا ہے لیکن یہاں سے روایت نمبر ۳۵ تک سند حدیث کی اہمیت ہے اور پھر وہاں سے بہت دور تک تنقید رواۃ کی بحث ہے تو لیجئے سند حدیث کی اہمیت کو پڑھئے اور آگے بڑھئے۔یہاں امام مسلم رحمہ اللہ نے جرح وتعدیل کے چھ اماموں کے اقوال نقل کیے ہیں پہلا قول ابن سیرین کا ہے،دوسرا قول ابوالزناد کا ہے،تیسرا قول سعد بن ابراہیم کا ہے،چوتھا قول عبداللہ بن مبارک کا ہے،پانچواں قول قاسم بن عبیداللہ کا ہے اور چھٹا قول امام مالک اور ان کے رفقاء کا ہے۔میں ہر قول کو عنوان اور سُرخی میں لکھنا چاہتا ہوں تا کہ پوری وضاحت ہو جائے میں عنوان میں لفظ حدیث لکھ کر ساتھ ساتھ نمبر لگاؤں گا اسی طرح نیچے روایت کو

حدیث کہہ کر نمبر لکھوں گا اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے اقوال ہیں مگر یہ ایک مجبوری ہے تاکہ نمبر لگانے اور اس کے تسلسل میں آسانی ہو کیونکہ مکتبة البشری کا تسلسل یہی ہے۔

اسنادِ حدیث کے بارے میں ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول

۲۶۔**حَدَّثَنَا** حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوبَ وَهِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ ح:قَالَ وَحَدَّثَنَا فُضَيْلٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِنَّ هٰذَاالْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ۔

ہم سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حماد نے بیان کیا وہ ایوب اور ہشام سے وہ دونوں ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں (دوسری سند) حسن کہتے ہیں کہ ہم سے فضیل نے بیان کیا وہ ہشام سے روایت کرتے ہیں،
(تیسری سند) حسن کہتے ہیں کہ ہم سے مخلد نے بیان کیا وہ ہشام سے وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ علم (فن حدیث) دین ہے، پس دیکھو کہ کس سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو؟ (یعنی آنکھ بند کر کے ہر کس و ناکس سے حدیث نہ لیا کرو، کیونکہ احادیث محض علم نہیں ہیں، بلکہ دین ہیں پس اگر غلط حدیث قبول کرلو گے تو اپنا دین برباد کرلو گے، پس خوب غور کرلیا کرو کہ حدیث کا راوی معتبر ہے یا نہیں سند صحیح ہے یا نہیں)۔

تشریح

''ان ھذا العلم'' یہاں علم سے علم الحدیث مراد ہے ابن سیرینؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث اور اس کی روایت اور سند بیان کرنا دین ہے تو تم دیکھا کرو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو؟ آیا وہ آدمی ثقہ ہے؟ یا غیر ثقہ کذابین وضاعین میں سے ہے سند میں اتصال ہے یا نہیں؟۔

ابن سیرین کا دوسرا قول

۲۷۔**حَدَّثَنَا** اَبُوْجَعْفَرٍ مُحَمَّدُبْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَسْأَلُوْنَ عَنِ الْاِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوْا سَمُّوْالَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ وَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ الْبِدَعِ فَلَايُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ ۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ سلف حدیث بیان کرنے والوں سے سند معلوم نہیں کیا کرتے تھے، مگر جب فتنہ رونما ہوا، تو انہوں نے حدیث بیان کرنے والوں سے پوچھنا شروع کیا کہ اپنی سند بیان کرو تاکہ اہل سنت راوی دیکھے جائیں اور ان کی حدیث قبول کی جائے اور فرقِ باطلہ کے افراد دیکھے جائیں اور اُن کی حدیث نہ لی جائے۔

تشریح

''فلما وقعت الفتنة'' یہاں فتنہ سے مراد جنگ صفین کے بعد کے حالات ہیں، ان حالات میں رافضیت شیعیت اور ناصبیت کے فتنے پیدا ہوئے اور جھوٹی روایات گھڑی جانے لگیں تو اس وقت جو صحابہ موجود تھے انہوں نے اسنادِ حدیث کی داغ بیل ڈالی اور راویوں کی جانچ پڑتال شروع کی۔ شارحین کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہاں فتنہ سے قاتلین عثمان کا فتنہ مراد ہے یہ واضح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی دور میں ابن سبا یہودی نے حضرت علی کی طرف کئی غلط باتیں منسوب کیں پھر مختار ثقفی کذاب کا زمانہ آیا اس نے کوفہ میں من گھڑت روایات کو عام کیا، پھر خوارج اور مبتدعہ کا فتنہ شروع ہوگیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسناد حدیث کا الہام فرمادیا چنانچہ انہوں نے اسناد کو قانونی حیثیت کے طور پر خود حدیث کے برابر قرار دیا اور اس کو ثواب کا ذریعہ بتایا ابن سیرین، طاؤس، ابن مبارک، ابوزناد، سعد بن ابراہیم اور امام مالک رحمہم اللہ نے اسناد حدیث کے لئے زرین اصول وضع کیے بلکہ اسماء الرجال کا ایک بھرپور فن سامنے آگیا، ایک انگریز ''اسپرنگر'' لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنے نبی کی ذات نہیں بلکہ اسماء الرجال میں پانچ لاکھ انسانوں کے حالات محفوظ کیے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اس کو دیکھ کر یہود نے ایک سو سال بعد اسماء الرجال کا سلسلہ شروع کیا، یہود گاہ گاہ سند بیان کرتے ہیں لیکن متصل سند ان کے پاس نہیں ہے یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ متصل سند بیان کرنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کمال یہ کہ مسلمانوں نے طبع شدہ کتابوں میں سلسلہ سند مصنفین تک پہنچادیا بلکہ مخطوطات میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ (نعمت المنعم بتغير: ص۹ ۸)

طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ کا قول

۲۸۔**حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عِيسَى وَهُوَابْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَاالْاَوْزَاعِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسٰى قَالَ لَقِيتُ طَاوُسًا فَقُلْتُ حَدَّثَنِي فُلَانٌ كَيْتَ وَكَيْتَ قَالَ اِنْ كَانَ صَاحِبُكَ مَلِيئًا فَخُذْ عَنْهُ ۔

سلیمان بن موسیٰ کی حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، سلیمان نے ان سے (برائے توثیق) ذکر کیا کہ مجھے فلاں شخص نے یہ یہ حدیثیں بیان کی ہیں، طاؤس نے فرمایا کہ اگر تمہارا استاذ تو انگر (یا پُر) ہو تو اس کی روایت لو۔

تشریح

''الاوزاعی'' دمشق کے پاس ایک گاؤں کا نام اوزاع ہے، امام اوزاعی راجح قول کے مطابق اسی گاؤں کی طرف منسوب ہیں زیادہ عرصہ دمشق میں رہے پھر بیروت کی طرف منتقل ہوگئے اور سرحدات اسلامیہ پر مرابط رہے، وہیں انتقال ہوا، شام کے امام تھے مقلد مُیسر نہیں ہوئے ورنہ اجتہاد میں امام تھے ستر ہزار فتوے ان کے قلم سے جاری ہوئے خود تبع تابعی ہیں لیکن اکثر تابعین کے استاذ رہے ہیں۔ شیخ زھری وقتادہ ان کے شاگرد ہیں بہرحال ان کی امامت وجلالتِ شان پر اجماع منعقد ہے۔ (نووی)

''ملیئًا'' ملأ یملأ سے ہے بھرنے کے معنی میں ہے حضرت طاوس کی مراد یہ ہے کہ اگر تمہارا استاذ ثقہ ضابط اور متقن اور علم سے بھرا ہوا ہے جس کی دینداری قابل اعتماد ہے تو اس کی حدیث لو ورنہ مت لو۔ بعض نے ملیًا، یاء کے شد کے ساتھ نقل کیا ہے معنی ایک ہے۔

۲۹۔ **وَحَدَّثَنَا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا مَرْوَانُ یَعْنِی ابْنَ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِیَّ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ مُوْسٰی قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ اِنَّ فُلَانًا حَدَّثَنِیْ بِکَذَا وَکَذَا قَالَ اِنْ کَانَ صَاحِبُکَ مَلِیْئًا فَخُذْ عَنْهُ۔

یہ روایت نمبر ۲۸ کی دوسری سند ہے، یہ سعید بن عبدالعزیز کی ہے اور وہ امام اوزاعی کی تھی مضمون دونوں کا ایک ہے۔

تشریح

''عبدالله بن عبدالرحمن الدارمی'' یہ امام مسلم کے مایہ ناز اساتذہ میں سے ہیں مسند دارمی کے مصنف ہیں، دارِم ان کے دادا کا نام ہے ان کی طرف نسبت ہے دنیا نے چار حفاظ حدیث پیدا کیے: امام بخاری، امام مسلم، امام دارمی، امام ابوزرعہ، امام دارمی نے ۲۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔

اسنادحدیث کے بارے میں ابوزنادرحمہ اللہ کا قول

۳۰۔ **حَدَّثَنَا** نَصْرُبْنُ عَلِیِّ الْجَهْضَمِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَصْمَعِیُّ عَنِ ابْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَدْرَکْتُ بِالْمَدِیْنَةِ مِائَةً کُلُّهُمْ مَاْمُوْنٌ مَایُؤْخَذُ عَنْهُمُ الْحَدِیْثُ یُقَالُ لَیْسَ مِنْ اَهْلِهِ۔

جلیل القدر تابعی ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان کہتے ہیں کہ: میں نے مدینہ شریف میں ایسے سو حضرات کو پایا ہے جو سب جھوٹ سے محفوظ تھے، مگر ان سے حدیث نہیں لی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ وہ حدیث کا اہل نہیں ہے (یعنی محض دیندار اور سچا ہونا قبول روایت کے لئے کافی نہیں ہے فن حدیث کی بھرپور صلاحیت ضروری ہے)۔

تشریح

''الجهضمی'' جهاضمه بصرہ میں ایک محلّہ کا نام ہے اسی کی طرف نسبت جهضمی ہے یہ بڑے متقی پرہیزگار راوی تھے مستعین باللہ نے بصرہ کے گورنر کو حکم دیا کہ نصر بن علی جهضمی کو بصرہ کا قاضی بنادو اس نے ان سے بات کی جهضمی نے کہا کہ میں اپنے رب سے استخارہ لوں گا پھر بتاؤں گا رات کو تہجد کے لئے اُٹھے تو فرمایا:

''اللهم ان کان لی عندك خیر فاقبضنی الیك''

اے میرے مولا! اگر تیرے پاس میرے لئے کوئی بھلائی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

یہ کہہ کر سو گئے تو سوتے رہ گئے لوگوں نے جگایا تو وہ فوت ہو چکے تھے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ ''ابو الزناد'' ان کا نام عبداللہ بن ذکوان تھا۔ ''اصمعی'' مشہور امام لغت ہیں ان کا نام عبدالملک ہے اصمع ان کا دادا تھا ان کی طرف منسوب ہیں۔

''لیس من اهله '' مطلب یہ ہے کہ ذاتی طور پر کسی کا اچھا اور نیک ہونا اور بات ہے اور اس سے روایت حدیث لینا اور چیز ہے بلکہ روایت حدیث کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ علم الحدیث حاصل کیا ہو اسکے اصول وقواعد جانتا ہو اور اس کے آداب سے واقف ہو۔ چنانچہ انہیں اکابر کے چند کلمات مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ابن عونؒ فرماتے ہیں: "لانکتب الحدیث الامن کان معروفاً بالطلب"۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: ''لایؤخذالعلم الاعن من شهدله بطلب الحدیث''۔

۳۔ شعبہ فرماتے ہیں: ''خذواالعلم عن المشهورین'' علم سے ان کلمات میں علم حدیث مراد ہے۔

۴۔ یحییٰ بن سعید القطان نے عمران عمی کے متعلق فرمایا: ''لم یکن به بأس ولکنه لم یکن من اهل الحدیث''۔

۵۔ وکیع بن الجراح وہب بن اسماعیل کے متعلق فرماتے ہیں: ''ذلك رجل صالح ولكن للحديث رجال''۔

یہ تمام اقوال خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایہ میں نقل فرمائے ہیں وہاں ایک عبارت یہ بھی نقل کی ہے:

"مثل الذی یطلب امردینه بلااسناد کمثل الذی یرتقی السطح بلاسلّم"۔(الکفایة)

خلاصہ یہ نکلا کہ ''ان لکل مقام مقالا ولکل فن رجالا''۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو این جا است ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

۳۱۔ **حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ اَبِی عُمَرَالْمَکِّیُّ قَالَ حَدَّثَنَاسُفْیَانُ ح: وَحَدَّثَنِی اَبُوْبَکْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِیُّ وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ سَمِعْتُ سُفْیَانَ بْنَ عُیَیْنَةَ عَنْ مِسْعَرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَبْنَ اِبْرَاهِیْمَ یَقُوْلُ لَایُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّاالثِّقَاتُ ۔

مسعر نے مدینہ منورہ کے قاضی حضرت سعد بن ابراہیم کو کہتے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں صرف ثقہ (معتبر) حضرات ہی بیان کریں۔

اسنادحدیث کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول

۳۲۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَادَ مِنْ اَهْلِ مَرْوَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَانَ ابْنِ عُثْمَانَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ یَقُوْلُ اَلْاِسْنَادُمِنَ الدِّیْنِ وَلَوْلَاالْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ ۔

قَالَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِی الْعَبَّاسُ بْنُ اَبِی رِزْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ یَقُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ یَعْنِی الْاِسْنَادَ ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ اَبَااِسْحَاقَ اِبْرَاهِیْمَ بْنَ عِیْسَی الطَّالِقَانِیَّ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ الْمُبَارَكِ یَااَبَاعَبْدَالرَّحْمٰنِ اَلْحَدِیْثُ

الَّذِیْ جَاءَ "اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَالْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِاَبَوَیْكَ مَعَ صَلَاتِكَ وَتَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ" قَالَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ یَااَبَااِسْحَاقَ عَمَّنْ هٰذَا ؟ قَالَ قُلْتُ لَهٗ هٰذَا مِنْ حَدِیْثِ شِهَابِ بْنِ خِرَاشٍ فَقَالَ ثِقَةٌ عَمَّنْ ؟ قَالَ قُلْتُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِیْنَارٍ قَالَ ثِقَةٌ ،عَمَّنْ ؟ قَالَ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَااَبَااِسْحَاقَ ! اِنَّ بَیْنَ الْحَجَّاجِ بْنِ دِیْنَارٍ وَبَیْنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَفَاوِزَ تَنْقَطِعُ فِیْهَااَعْنَاقُ الْمَطِیِّ وَلٰكِنْ لَیْسَ فِی الصَّدَقَةِ اِخْتِلَافٌ ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ عَلِیَّ بْنَ شَقِیْقٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ الْمُبَارَكِ یَقُوْلُ عَلٰی رُؤُسِ النَّاسِ دَعُوا حَدِیْثَ عَمْرِوبْنِ ثَابِتٍ فَاِنَّهٗ كَانَ یَسُبُّ السَّلَفَ ۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اسناد دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہتا۔امام مسلم فرماتے ہیں: کہ محمد بن عبداللہ بن قہزاذ نے کہا کہ مجھ سے عباس بن ابی رزمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن المبارک کو کہتے سنا کہ ہمارے اورلوگوں کے درمیان پائے ہیں وہ اسناد کو مراد لے رہے ہیں اورابن قہزاذ نے کہا کہ میں نے ابواسحٰق طالقانی کو کہتے سنا،انہوں نے کہا کہ میں نے ابن المبارک سے دریافت کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ! یہ حدیث کیسی ہے کہ ''نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھو،اوراپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے بھی روزے رکھو، طالقانی نے کہا: پس ابن المبارک نے دریافت کیا کہ ابواسحٰق ! یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ طالقانی نے کہا: میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ شہاب بن خراش کی حدیثوں میں سے ہے،پس ابن المبارک نے فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں،وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ طالقانی نے کہا: میں نے عرض کیا کہ (وہ) حجاج بن دینار سے (روایت کرتے ہیں) ابن المبارک نے فرمایا یہ (بھی) ثقہ ہیں ،وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ طالقانی نے کہا: میں نے عرض کیا کہ (وہ کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔ابن المبارک نے فرمایا کہ ابواسحٰق ! حجاج بن دیناراور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تو ایسے بیابان ہیں جن کو پار کرتے ہوئے سواریاں ہلاک ہوجاتی ہیں! مگر صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

محمد بن قُہزاد کہتے ہیں کہ میں نے علی بن شقیق کو کہتے سنا کہ میں نے ابن المبارک کو برمَلا کہتے سنا ہے کہ عمرو بن ثابت کی حدیث کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ سلف کو(یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) بُرا بھلا کہتا تھا۔

تشریح

''عبدان'' یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو اس شیخ کا نام پڑ گیا ہے ان کا اپنا نام عبداللہ بن عثمان ہے اوران کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے تو نام اورکنیت میں دو عبد جمع ہوگئے تو تثنیہ عبدان بنا جو ان کا نام بنا جو حقیقت میں لقب ہے۔

''عبداللہ بن المبارک'' اپنے زمانے کے امام رہے ہیں علم وعمل،شجاعت وفصاحت کے نشان تھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے

خاص شاگرد تھے سال کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا چار مہینہ تجارت میں چار مہینہ گھریلو خدمت میں اور چار مہینہ میدان جہاد میں گذارتے تھے۔ ''الاسناد من الدین'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کسی شخص کے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ گویا کسی نے اعتراض کیا کہ یہ اسناد کیا ''بلا'' ہے؟ حدیث تو مختصر سا ٹکڑا ہوتا ہے باقی پوری لائن سند کی ہنکائی جارہی ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب عبداللہ بن مبارک نے دیا کہ تم غلط سمجھے ہو یہ سند تو حدیث کی حفاظت کے لئے ہے تو جس طرح حدیث میں ثواب ہے اس سند میں بھی ثواب ہے سند نہ ہوتی تو لوگ حدیثوں کا جنازہ نکال لیتے! آج کے دور میں مودودی صاحب نے بھی اسناد حدیث پر رکیک حملے کیے اور اس کو غیر ضروری قرار دیا حالانکہ سند کی مثال اس زنجیر کی ہے جس سے اگر کوئی چیز باندھی جائے وہ محفوظ ہوجاتی ہے گویا جتنی احادیث ہیں اس کو ایک مضبوط زنجیر کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے نہ بھاگ سکتی ہیں نہ گم ہوسکتی ہیں سند نہ ہوتی تو ہر بوالہوس کہتا کہ کیا معلوم کہ یہ حدیث کہاں سے آئی ہے کون لایا ہے؟ نیز سلسلۂ سند میں تمام اولیاء اللہ کے نام آتے ہیں ان کے تذکرہ سے محفل میں برکتیں نازل ہوتی ہیں ذرا حدیث کے دارالحدیث کو جھانک کر دیکھو تو سہی۔

بہرحال اسناد کی تعریف یہ ہے کہ ''بات کی سند قائل تک پہنچانا'' یعنی ہم امام مسلم کے نام سے لے کر حدیث کے قائل صحابی تک باقاعدہ قابل اعتماد واسطوں سے حدیث پہنچا کر نقل کرتے ہیں۔

''مفاوز'' مفازۃ کی جمع ہے جنگل اور صحرا کو کہتے ہیں مراد بُعد ہے حجاج بن دینار تبع تابعی ہیں ان کے اور رسول اکرمؐ کے درمیان تابعی اور صحابی کے دو واسطے ہیں اسی کو بُعد اور وسیع جنگل کہا گیا ہے۔

''لیس فی الصدقة اختلاف'' ایصال ثواب کے مسئلہ میں ایک اختلاف معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان ہے معتزلہ مطلقاً ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں نصوص کثیرہ واضحہ قویہ کی روشنی میں معتزلہ کا مذہب باطل ہے پھر اہلِ سنت کا آپس میں عبادت مالی اور عبادت بدنی کے ایصال ثواب میں معمولی سا اختلاف ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک عبادت مالی صدقات وغیرہ کا ایصال ثواب میت تک پہنچتا ہے مگر عبادت بدنی مثل نوافل اور قراءت قرآن وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ احناف اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم عبادات نفلی کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔ امام نووی نے سختی سے اس بات کی تردید کی ہے کہ شوافع ایصال ثواب میں فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ شوافع کے ہاں ہر قسم ثواب کا ایصال جائز ہے ثواب میت تک پہنچ جاتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے اپنے اس کلام میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایصال ثواب اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن جس روایت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے جو یہاں مذکور ہے یہ ثابت نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب صدقہ اور مالی عبادت کے ایصال ثواب کے شوافع قائل ہیں تو پھر مطلق ایصال ثواب میں اختلاف کا کیا امکان ہے اسی پر قیاس کرلو کہ سب کا ایصال جائز ہے، عبداللہ مبارک نے یہی فرمایا۔

''فانه کان یسب السلف'' عمرو بن ثابت کوفی متوفی ۱۷۲ھ یہ شخص غالی شیعہ اور کٹر رافضی تھا یہ خبیث پانچ صحابہ کے علاوہ

سب کو مرتد کہتا تھا حضرت عثمان کو گالیاں دیتا تھا حضرت علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا یہ شخص عبداللہ بن مبارکؒ کا ہمعصر تھا جب اس کا انتقال ہوا اور جنازہ حضرت ابن مبارک کی مسجد کے سامنے سے گذرا تو آپ مسجد کے اندر جا کر چھپ گئے اور جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ امام ابوداؤد نے اس شخص پر تنقید کی غرض سے استحاضہ کے باب میں اس سے ایک روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ ''رافضی رجل سوء ولكنه كان صدوقا في الحديث''۔ بہرحال صحاح ستہ میں کسی نے اس سے حدیث نہیں لی، اس پر تنقید یہاں وقت سے پہلے ہوگئی ہے کیونکہ مجروحین راویوں کا تذکرہ ابھی شروع نہیں ہوا ہے ابھی تو اتصال سند وغیرہ کی باتیں چل رہی ہیں اور چند بزرگوں کی آراء ابھی آرہی ہیں معلوم نہیں ترتیب میں یہ خلل کیوں آیا ہے۔

اسناد حدیث کے بارے میں قاسم بن عبیداللہ کا قول

۳۳۔**وَحَدَّثَنِي** أَبُوبَكْرِبْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوالنَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوعَقِيلٍ صَاحِبُ بُهَيَّةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَالْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فَقَالَ يَحْيَى لِلْقَاسِمِ يَاأَبَامُحَمَّدٍ! إِنَّهُ قَبِيحٌ عَلَى مِثْلِكَ عَظِيمٌ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهٰذَاالدِّينِ فَلَايُوجَدُ عِنْدَكَ مِنْهُ عِلْمٌ وَلَافَرَجٌ أَوْعِلْمٌ وَلَامَخْرَجٌ فَقَالَ لَهُ الْقَاسِمُ وَعَمَّ ذَاكَ ؟قَالَ لِأَنَّكَ ابْنُ إِمَامَيْ هُدًى ابْنُ أَبِي بَكْرٍوَعُمَرَ،قَالَ يَقُولُ لَهُ الْقَاسِمُ:أَقْبَحُ مِنْ ذَاكَ عِنْدَمَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ أَنْ أَقُولَ بِغَيْرِعِلْمٍ أَوْآخُذَ عَنْ غَيْرِثِقَةٍ قَالَ فَسَكَتَ فَمَاأَجَابَهُ ۔

(حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ اور تلمیذہ) بُهَيَّه کے (آزاد کردہ اور) تلمیذ ابوعقیل کہتے ہیں کہ میں قاسم بن عبیداللہ اور یحییٰ بن سعید قطان کے پاس بیٹھا ہوا تھا یحییٰ نے قاسم سے کہا کہ ابومحمد! آپ جیسے شخص کے لئے یہ بات نہایت نازیبا ہے کہ آپ سے دین کی کوئی بات پوچھی جائے اور آپ کے پاس اس کے متعلق کوئی علم یا کوئی حل نہ ہو: قاسم نے یحییٰ سے پوچھا: کس وجہ سے؟ یحییٰ نے کہا کہ بایں وجہ کہ آپ دین کے دو پیشوا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فرزند ہیں، ابوعقیل کہتے ہیں کہ قاسم نے یحییٰ کو جواب دیا کہ اس سے زیادہ بُری چیز اس شخص کے نزدیک جس کو اللہ نے دین کا علم دیا ہے یہ بات ہے کہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہوں یا غیر معتبر شخص سے علم دین حاصل کروں، ابوعقیل کہتے ہیں کہ یحییٰ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

تشریح

''صاحب بُهية'' بُهَيَّة با پر پیش ہے یا پر شد ہے عُلَيَّة کے وزن پر ہے یہ ایک خاتون ہیں جو حضرت عائشہ کی شاگردہ ہیں، حضرت عائشہ نے ان کو ''بهيه'' کے نام سے یاد کیا یہ حضرت عائشہ سے روایت بھی کرتی ہیں۔

''صاحب'' کے لفظ سے ایک راوی عقیل مراد ہے ان کا نام یحیی بن متوکل ہے۔ یحیی بن معین اور علی بن مدینی نے ان کو ضعیف

قرار دیا ہے ابوعقیل عین پر فتحہ ہے یہ بُهَيَّة کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان سے روایت بھی لیتے ہیں، نابینا تھے کوفی تھے۔

سوال : جب ابوعقیل ضعیف ہے تو امام مسلمؒ نے اس سے روایت کیوں لی ہے؟

جواب : امام مسلمؒ نے اس سے لی ہوئی روایت کو مقدمہ مسلم میں نقل کیا ہے صحت کی شرط مقدمہ کے لئے نہیں بلکہ صحیح مسلم کے لئے ہے صحیح مسلم کی حیثیت اور ہے اور مقدمہ مسلم کی حیثیت اور ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ابوعقیل پر جرح مجمل ہے جس کا اعتبار نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بطور استشہاد اور بطور تابع ان سے امام مسلم نے روایت لی ہے۔

''يحي بن سعيد'' اس سے یحیٰ بن سعید قطان مراد ہیں امام جرح وتعدیل ہیں۔

''القاسم'' یہ قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔

''ابن امامي هدىً ابن ابي بكر وعمر'' یعنی آپ ہدایت کے دو اماموں اور میناروں کے بیٹے ہیں یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے صاحبزادے ہیں آپ کی بڑی شان ہے۔

سوال : یہاں یہ سوال ہے کہ اس روایت میں تصریح کے ساتھ کہا گیا ہے کہ قاسم، ابوبکر وعمر کی اولاد میں سے ہیں اور ساتھ والی روایت میں ابن امامي الهدى سے حضرت عمر اور ابن عمرؓ مراد لئے گئے ہیں یہ واضح تضاد وتعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے حضرت قاسم والد کی طرف سے حضرت عمر کے خاندان میں سے ہیں سلسلہ نسب یوں ہے: قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب تو ابن عمر آپ کے حقیقی دادا ہیں اور حضرت عمر فاروق پردادا ہیں ان دونوں کو آنے والی روایت میں ہدایت کے امام کہا گیا ہے، اسی طرح قاسم والدہ کی طرف سے حضرت صدیق اکبر کے خاندان میں سے ہیں سلسلہ نسب یوں ہے: قاسم بن اُمّ عبداللہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر۔ تو حضرت ابوبکر صدیق قاسم کی والدہ کی طرف سے جدّ اعلیٰ ہیں اور عمر فاروق والد کی طرف سے جدا علیٰ ہیں باپ کی طرف سے عمری ہیں اور ماں کی طرف سے صدیقی ہیں۔ یاد رہے قاسم بن محمد بن ابی بکر جو مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں وہ قاسم اور ہیں یہ قاسم اور ہیں۔

حضرت قاسم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر ثقہ راوی سے روایت لینا، علماء کے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ اس سے سند حدیث متاثر ہو جاتی ہے، تو عدم علم کا اعتراف کر کے لا اعلم کہنا عند الله وعند الناس عیب نہیں ہے لیکن بغیر علم کے علم کا دعویٰ کرنا جہل مرکب ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی عیب ہے اور لوگوں کے نزدیک بھی عیب ہے حضرت قاسم کے دونوں مقولوں سے اسناد حدیث کی اہمیت خوب واضح ہو جاتی ہے۔

''عند من عقل عن الله'' یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو وہ بھی یہی کہے گا کہ قوی علم اور مضبوط سند کے بغیر غیر ثقہ راوی سے روایت لینا بہت ہی قبیح ہے۔

۳۴۔ وَحَدَّثَنِی بِشْرُبْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ يَقُوْلُ اَخْبَرُوْنِي عَنْ اَبِي عَقِيْلٍ صَاحِبِ بُهَيَّةَ اَنَّ اِبْنًا لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ سَأَلُوْهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ فِيْهِ عِلْمٌ فَقَالَ لَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَاللّٰهِ اِنِّي لَأُعْظِمُ اَنْ يَكُوْنَ مِثْلُكَ وَاَنْتَ اِبْنُ اِمَامَيِ الْهُدٰى يَعْنِي عُمَرَ وَابْنَ عُمَرَ تُسْأَلُ عَنْ اَمْرٍ لَيْسَ عِنْدَكَ فِيْهِ عِلْمٌ فَقَالَ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَاللّٰهِ! عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ اَنْ اَقُوْلَ بِغَيْرِعِلْمٍ اَوْاُخْبِرَعَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ قَالَ وَشَهِدَهُمَااَبُوْعَقِيْلٍ يَحْيَى بْنُ الْمُتَوَكِّلِ حِيْنَ قَالَا ذٰلِكَ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے بُهَيَّـــه کے تلمیذ ابوعقیل سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ کے ایک فرزند سے لوگوں نے کوئی بات دریافت کی، ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں تھا تو یحییٰ بن سعید قطان نے ان سے کہا کہ، بخدا! مجھ پر یہ بات بہت شاق گذری کہ آپ جیسے شخص سے، جو دین کے دو پیشواؤں کے صاحبزادے ہیں۔ یحییٰ کی مراد دو پیشواؤں سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ کوئی بات دریافت کی جائے اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی علم نہ ہو! قاسم نے جواب دیا کہ بخدا! اس سے زیادہ گراں خدا کے نزدیک اور اس شخص کے نزدیک جسے دین کا علم حاصل ہے یہ بات ہے کہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہوں، یا غیر معتبر شخص سے روایت کروں سفیان کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے وقت ابوعقیل یحییٰ بن المتوکل ان دونوں کے پاس موجود تھے۔

اسنادحدیث کے بارے میں پانچ ائمہ جرح وتعدیل کا قول

۳۵۔ وَحَدَّثَنَا عَمْرُوبْنُ عَلِيٍّ اَبُوْحَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ وَشُعْبَةَ وَمَالِكًا وَابْنَ عُيَيْنَةَ عَنِ الرَّجُلِ لَايَكُوْنُ ثَبَتًا فِي الْحَدِيْثِ فَيَأْتِيْنِي الرَّجُلُ فَيَسْأَلُنِي عَنْهُ قَالُوْا اَخْبِرْ عَنْهُ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ۔

یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، مالک اور ابن عیینہ رحمہم اللہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو علم حدیث میں ثبت (پختہ) نہیں ہے مثلاً ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور اس کے بارے میں دریافت کرتا ہے (کہ وہ کیسا راوی ہے؟) ان سب حضرات نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں بتلادو کہ وہ مضبوط راوی نہیں ہے۔

تشریح

''یحي بن سعیدالقطان'' یہاں امام مسلمؒ نے ائمہ جرح وتعدیل کے پانچ بزرگوں کا قول نقل کیا ہے یحي بن سعید قطان نے سوال کیا ہے اور سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، شعبہؒ اور امام مالکؒ نے جواب دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص حدیث میں غیر ثقہ ہے غیر متقن غیر ضابط ہے اگر اس سے سند لینے اور حدیث بیان کرنے کا کوئی پوچھ لے تو کیا جواب دینا چاہئے؟ سب نے کہا کہ تم صاف صاف بتادو کہ یہ شخص ثقہ نہیں ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے یہ دین کا معاملہ ہے صاف بتانے میں کوئی غیبت

نہیں۔اس روایت کے علاوہ دوسری جگہ امام مالک سے منقول ہے،وہ فرماتے ہیں کہ چار قسم کے لوگوں سے حدیث نہیں لی جائے گی:(۱)اول سفیہ احمق سے(۲)دوم مبتدع صاحب اہوا سے(۳)سوم کذاب سے اگر چہ حضور اکرمؐ پر جھوٹ نہیں بولتا ہو مگر کذاب ہو(۴)چہارم صاحب مناکیر سے روایت نہیں لینی چاہئے وہ اگر چہ صالح ہو شیخ ہو عابد ہو مگر منکر غیر معروف روایات نقل کرتا ہو۔

یہاں تک امام مسلم نے اسناد سے متعلق فن حدیث کے اصولوں کے متعلق اکابر کے اقوال کا ذکر فرمایا اور چوٹی کے ماہرین حدیث سے سند حدیث کے بارے میں مختلف عبارات پیش فرمادیں اب آگے امام مسلم رحمہ اللہ نے مطعونین اور معیوبین راویوں پر تنقید کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ تصنیف کا وہی تیسرا سبب چل رہا ہے جو فائدۂ تالیف کے حوالہ سے میں نے پہلے لکھدیا ہے مطلب یہ ہے کہ کذابین، وضّاعین راویوں پر تنقید کرنے اور ان کو مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرنے میں دین کی حفاظت ہے۔تو صحیح مسلم کی تالیف سے اسلام اور مسلمانوں کو کتنا بڑا فائدہ ہوگا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمۂ مسلم میں ۵۱ مجروحین پر جرح نقل کیا ہے،تو لیجئے!ذیل میں مجروح کے نام کے ساتھ جارح کا نام آئے گا اور وجہ جرح بیان کی جائے گی:و باللہ التوفیق

باب الكشف عن معايب رواة الحديث وقول الائمة فيه

ناقلین حدیث کے عیوب سے پردہ اُٹھانے کا بیان

جرح کرنا غیبت یا خیر خواہی؟

جرح وتعدیل کا فن عجیب ہے اس میں صاف صاف بتانا پڑتا ہے محدثین کا مزاج بھی اللہ تعالیٰ نے حدیث کے معاملہ میں جلالی بنایا ہے ان کی تنقید کے الفاظ بڑے سخت ہوتے ہیں کبھی یہ حضرات کہتے ہیں دجال من الدجاجلہ تو کبھی کہتے ہیں کذاب وضاع خبیث وغیرہ وغیرہ ادھر فقہاء کرام کا لہجہ انتہائی نرم ہوتا ہے کبھی کہتے ہیں لا بأس به کبھی کہتے ہیں لایجوز وغیرہ وغیرہ تو محدثین کے ان سخت الفاظ کو دیکھ کر گمان اس طرف جاتا ہے کہ یہ حضرات کہیں غیبت میں تو واقع نہیں ہورہے ہیں،ابھی آنے والے چند اقوال میں بھی ظاہری الفاظ میں ہے کہ ایوب سختیانی صرف عبدالکریم کی غیبت کرتے تھے اور کسی کی نہیں کرتے تھے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات کبھی بھی غیبت نہیں کرتے تھے ہاں دین کی حفاظت اور احادیث کی حمایت میں خیر خواہی کرتے تھے اور کھلے الفاظ میں حقیقت سامنے رکھتے تھے۔علی بن المدینی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کی حفاظت میں ایسے لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جنہوں نے دوسو سال پہلے اپنے خیمے جنت میں گاڑ دیئے ہیں،گویا وہ فرمارہے ہیں کہ ضعیف راویوں پر جرح کرنا ایک دینی فریضہ ہے غیبت نہیں ہے،امام احمد بن حنبل نے جب کسی راوی پر جرح کیا تو ان سے کہا گیا:

۱۔ يَاشَيْخُ لَاتَغْتَبِ الْعُلَمَاءَ قَالَ وَيْحَكَ هٰذَانَصِيْحَةٌ وَلَيْسَ هٰذَا غِيْبَةٌ ۔(فیض منعم)

اے شیخ علما کی غیبت نہ کرو! امام احمدؒ نے فرمایا باؤلے! یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔
امام احمد بن حنبل نے جرح سے متعلق ایک مرتبہ فرمایا:

۲۔ اِذَااَجَابَ الْعَالِمُ تَقِيَّةً وَالْجَاهِلُ يَجْهَلُ فَانّٰى يَتَبَيَّنُ الْحَقُّ۔

یعنی جب عالم لاگ لپیٹ سے کام لے رہا ہے اور جاہل سمجھتا نہیں تو حق کہاں سے ظاہر ہوگا؟۔
عبداللہ بن مبارک نے جب کسی راوی پر طعن کیا تو کسی نے کہا کہ شیخ آپ نے غیبت کی اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

۳۔ اُسْكُتْ اِذَالَمْ نُبَيِّنْ كَيْفَ يُعْرَفُ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ۔

خاموش رہو جب ہم کھل کر جرح نہیں کریں گے تو صحیح غلط کا پتہ کیسے چلے گا؟
امام ترمذی نے اس سلسلے میں کتاب العلل کی ابتداء میں لکھا ہے:

٤۔ اِنَّهُمْ تَكَلَّمُوافِى الرِّجَالِ وَضَعَّفُوا وَاِنَّمَا حَمَلَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ عِنْدَنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَلنَّصِيحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ لَايُظَنُّ بِهِمْ اَنَّهُمْ اَرَادُوا الطَّعْنَ عَلَى النَّاسِ وَالْغِيبَةَ۔ (کتاب العلل ترمذی)

یعنی ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف راویوں پر کلام کیا ہے اور ان کی تضعیف کی ہے حقیقت اللہ کو معلوم ہے مگر ہمارے خیال میں یہ کام ان حضرات نے مسلمانوں کی خیر خواہی میں کیا ہے ان حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی ہے کہ ان کا مقصد لوگوں کو مطعون کرنا یا ان کی غیبت کرنا تھا۔

۵۔ یحییٰ بن سعید القطان پر کسی نے اعتراض کیا اور کہا:

"اَمَاتَخْشٰى اَنْ يَّكُوْنَ هٰؤُلَاءِ خُصَمَاءُ لَكَ عِنْدَاللّٰهِ؟ فَقَالَ لَاَنْ يَّكُوْنَ هٰؤُلَآءِ خُصَمَائِىْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ خَصَمِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔

راویوں پر جرح وتنقید کے لئے چند قواعد

چونکہ مجروحین اور جارحین کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جارحین اور مجروحین کے لئے چند رہنما اصول لکھ دیئے جائیں کیونکہ یہاں ایک بنیادی سوال ہے وہ یہ کہ جارحین بعض دفعہ بعض راویوں پر سخت تنقید کرتے ہیں جس میں بعض دفعہ ایسا لگتا ہے کہ یہ خالص غیبت ہے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ ایک عالم دین پر تنقید کی جائے یا اس کی غیبت کی جائے؟ اس سلسلہ میں علامہ نوویؒ اور قاضی عیاضؒ نے چند بنیادی قواعد رکھے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق جھوٹے راویوں سے ہے اور بعض کا تعلق روایت سے ہے۔

پہلا قاعدہ

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ راویوں پر جرح صرف جائز نہیں بلکہ ضروری ہے یہ ممنوع غیبت نہیں ہے بلکہ اللہ ورسول کے دین کی خیر خواہی ہے کیونکہ سلفاً وخلفاً نیک علماء نے الدین النصیحۃ ہی کے پیش نظر تنقید کی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جرح کرنے والا متقی پرہیز گار ہو، عادل ہو اور مضبوط عالم ہو کسی پر بے جا تنقید نہ کرتا ہو اور نہ ضروری تنقید میں سستی کرنے والا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جارح کی معلومات صحیح ہوں اور اس کے قول کا اثر بھی پڑتا ہو اگر ایسا نہ ہو تو پھر ممنوع غیبت ہوگی۔

دوسرا قاعدہ

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ آیا جارحین کے لئے کوئی عدد متعین ہے یا نہیں تو بعض علماء نے کہا ہے کہ مُعَدّلین کا متعدد ہونا اور جماعت کا ہونا ضروری ہے لیکن راجح یہ کہ معدلین کے کسی عدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت خبر کی طرح ہے کہ ایک عادل عارف ماہر کی خبر کافی ہے ہاں اگر جرح وتعدیل میں تعارض آجائے تو جرح کو راجح قرار دیا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ جرح مفصل ہو مجمل نہ ہو نیز جرح ائمہ اربعہ میں سے کسی پر نہ ہو ان پر جرح مفصل بھی معتبر نہیں ہے۔

تیسرا قاعدہ

تیسرا قاعدہ جو درحقیقت ایک اشکال بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب مجروحین پر جارحین کا یہ طویل سلسلہ محدثین نے قائم کیا ہے تو محدثین ان مجروحین اور ضعفاء سے حدیثیں اپنی کتابوں میں لاتے کیوں ہیں؟ ان کو اپنی کتابوں میں ذکر ہی نہ کرتے تاکہ

؎ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

اس اشکال کا جواب اور وجوہات علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کی ہیں:

۱۔ فرمایا کہ ان مجروحین سے یہ ضعیف روایات اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ ان کو جاننے پہچاننے کے بعد ان پر رد کر دیا جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان ضعیف روایات کو شواہد ومتابعات وتعلیقات میں ذکر کیا گیا ہے ان کو مستقل ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان مجروحین کی بعض روایات صحیح تر ہوتی ہیں تو سب کو جمع کر کے ان میں تمیز کیا جائے گا اور رجال جرح وتعدیل کے لئے خدمت حدیث کا بڑا میدان فراہم ہو جائے گا، چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ آپ ابن کلبی سے روایات کیوں لیتے ہو کہ پھر ان پر تنقید کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''انا اعرف صدقه من كذبه'' کہ میں ان کی سچی اور جھوٹی روایات کو الگ کرنا جانتا ہوں لہٰذا ذکر کرنے میں حرج نہیں ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان مجروحین کی روایات کو ترغیب وترہیب فضائل اعمال اور قصص وامثال میں بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق

حلال وحرام اور مسائل واحکام سے نہیں ہوتا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

"اِذَارَوَیۡنَا عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِی الۡحَلَالِ وَالۡحَرَامِ وَالسُّنَنِ وَالۡاَحۡکَامِ تَشَدَّدۡنَافِی الۡاَسَانِیۡدِ وَاِذَارَوَیۡنَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیۡ فَضَائِلِ الۡاَعۡمَالِ تَسَاھَلۡنَا فِی الۡاَسَانِیۡدِ"۔(نعمت المنعم ص ۱۱۱)

چوتھا قاعدہ

یہ قاعدہ علامہ نووی نے قاضی عیاض کے حوالہ سے بیان کیا ہے قاضی عیاض نے فرمایا کہ کذب بیانی کرنے والے لوگ دوقسم پر ہیں پہلی قسم وہ لوگ ہیں جو کذب بیانی میں مشہور ہیں یہ کذابین اور وضاعین پانچ مقاصد کے پیش نظر جھوٹ گھڑتے ہیں اور گھڑی ہوئی روایات چلاتے ہیں۔

۱۔ یا تو دین دشمنی اور استخفاف شریعت اور تحریف کی بنیاد پر حدیث وضع کرتے ہیں جیسے ملحدین وزنادقہ کرتے ہیں۔

۲۔ یا عبادت اور نیکی کے ارادہ سے احادیث وضع کرتے ہیں جیسے عُبادو زُھّاد اور غافل صوفیہ۔

۳۔ یا ریاکاری اور نام ونمود کے پیش نظر احادیث وضع کرتے ہیں جیسے فُساق وفجار اور لااُبالی قسم کے نام نہاد محدثین۔

۴۔ یا مسلک ومذہب کے تعصب کے لئے احادیث وضع کرتے ہیں جیسے مبتدعہ اور اصحابِ مذاہب مختلفہ۔

۵۔ یا خواہشات نفسانیہ اور دنیا بنانے کی غرض سے بادشاہوں اور دنیاداروں کو خوش کرنے کے لئے احادیث وضع کرتے ہیں۔

ان پانچ مقاصد کی تکمیل کے لئے احادیث وضع کرنے کی واردات کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ متن وضع نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے سند وضع کرتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اسنادوں کو اور بعض متون کو الٹ پلٹ کر کے رکھتے ہیں تاکہ ان کا علم چمک جائے۔

تیسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو نہیں سنا ہے اس کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جن سے ملاقات نہیں ہوئی ہے ان کی ملاقات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

چوتھا طریقہ بعض نام نہاد محدثین کا یہ ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام یا عرب حکماء کا کلام لیکر نبی مکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نے جھوٹ گھڑنے والوں کی دوسری قسم یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ حدیث نبوی میں تو جھوٹ نہیں بولتے لیکن عوام الناس کے کلام میں جھوٹ بولنے کا ارتکاب کرتے ہیں ان لوگوں کی روایت بھی مقبول نہیں ہے البتہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جبکہ پہلی قسم وضاعین کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔ بہرحال ان تمام قواعد واصول اور پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ راویوں پر جرح وتنقید غیبت نہیں ہے بلکہ دین اسلام کی خیر خواہی اور خدمت ہے۔

جرح وتعدیل میں ترجیح کس کو ہوتی ہے؟

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب جرح اور تعدیل میں تعارض آجائے تو مختار مذہب یہ ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم مانیں گے محققین اور جمہور علماء کا موقف یہی ہے اس میں اس بات کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تعدیل کرنے والے مشائخ زیادہ ہیں یا کم ہیں بس جرح کو مقدم رکھنا ہوگا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر تعدیل کرنے والے محدثین جرح کرنے والوں سے زیادہ ہوں تو تعدیل کو راجح قرار دیا جائے گا لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ جرح کرنے والا ایسی پوشیدہ حقیقت پر مطلع ہوجاتا ہے جس سے تعدیل کرنے والا بے خبر رہتا ہے۔ (نووی ص ۱۱۶)

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جرح مقدم ہو کیونکہ پاک اور ناپاک چیزوں میں اختلاط کے بعد نظیف طبع انسان اس کے استعمال سے گریز کرتا ہے شریعت کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فضائل وترغیب وترہیب میں بھی ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:

۱۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو یعنی اس میں راوی کذابین میں سے نہ ہوں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث عام ضابطۂ شریعت کے ماتحت ہو، یعنی اگر اسمیں ایسے عمل کی فضیلت ہو جو عمل شریعت کے کسی اصل کے ماتحت نہیں ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس حدیث کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ ہو، تاکہ احتیاط رہے اور حضور اکرم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے۔ دیگر علماء یہ شرط بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اس ضعیف روایت کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

۱۔ شہر بن حوشب مجروح   عبداللہ بن عون جارح

٣٦۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ يَقُولُ سُئِلَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ حَدِيثٍ لِشَهْرٍ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى أُسْكُفَّةِ الْبَابِ فَقَالَ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوهُ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوهُ قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَقُولُ: أَخَذَتْهُ أَلْسِنَةُ النَّاسِ تَكَلَّمُوا فِيهِ۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ ابن عون سے دریافت کیا گیا شہر بن حوشب کی حدیثوں کے بارے میں درآنحالیکہ ابن عون دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں، شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا ابن عون کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے ان کی برائی کی ہے، ان پر عیب لگایا ہے۔

تشریح

"علی اسکفة الباب" اسکفة دروازہ کی چوکھٹ کو کہتے ہیں یعنی ابن عون دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے تھے کہ ان سے کسی نے شہر بن حوشب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "ان شھرا نزکوہ" یعنی لوگوں نے شہر بن حوشب شامی متوفی ۱۱۲ھ پر طعن کیا کلام کیا اور ان پر زبان کھولدی "ای ضربوہ بالنیزك" "چھوٹے نیزے کو بطور تصغیر نیزک کہا گیا مراد طعن کرنا ہے۔

بعض علماء نے اس لفظ کو "ترکوہ" پڑھا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "ترکوہ" میں شہر بن حوشب متروک الحدیث بن جائیں گے حالانکہ وہ متروک الحدیث نہیں بلکہ بعض اہل جرح کے نزدیک وہ صرف متکلم فیہ ہیں۔ امام بخاری اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے اور ان کی حدیث کا اعتبار کیا ہے، سُنن اربعہ میں ان سے حدیثیں لی گئی ہیں اسی لئے امام مسلم نے یہاں وضاحت فرمائی کہ: "اخذتہ السنة الناس ،تکلموا فیہ" یعنی معمولی درجہ کے راوی ہیں، کثیر الارسال ہیں، بہرحال زیادہ سے زیادہ شہر بن حوشب عند البعض متکلم فیہ ہیں، باقی جرح وتعدیل میں اگرچہ جرح مقدم ہے لیکن اس کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ جرح مفصل اور مفسر ہو، دوسری شرط یہ کہ جرح مشہور بھی ہو اور کثیر بھی ہو ورنہ معمولی جرح سے تو کوئی محفوظ نہیں ہے یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ائمہ اربعہ یعنی اصحاب مذاہب فقہاء پر جرح مفصل بھی معتبر نہیں ہے۔

جرح اور طعن کے الفاظ

راوی پر طعن اور جرح کے مختلف درجات اور مختلف الفاظ ہیں ذیل میں وہ الفاظ لکھے جاتے ہیں:

۱۔ سب سے اعلیٰ درجہ کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: کذاب، دجال من الدجاجلہ، وَضّاع، یہ کسی راوی پر سب سے بڑی بمباری ہے۔

۲۔ دوسرے درجے کا طعن: متھم بالکذب، ساقط ھالك، ذاھب الحدیث، راوی پر یہ بڑا میزائل حملہ ہے۔

۳۔ تیسرے درجے کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: مردود الحدیث، واہٍ، ضعیف جداً، یہ چھوٹا میزائل حملہ ہے۔

۴۔ چوتھے درجے کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: منکر الحدیث، مضطرب الحدیث ،لایحتج بحدیثه، یہ کسی بھی راوی پر دستی بم ہے۔

۵۔ پانچویں درجے کا طعن یہ ہے: لیس بالقوی، یکتب حدیثه للاعتبار، یہ چھوٹا گرنیٹ ہے کسی راوی کے لئے۔

۶۔ چھٹے درجے کے الفاظ یہ ہیں: لَیِّن الحدیث، لیس بذاك، اقبل و أدبر ،فیه مقال، لیس بعمدة، یہ راوی کیلئے لاٹھی چارج ہے۔

۳۷۔ وَحَدَّثَنِی حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ قَالَ شُعْبَةُ وَقَدْ لَقِیتُ شَهْرًا فَلَمْ أَعْتَدَّ بِهِ۔

شبابہ بن سوار کہتے ہیں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ میری شہر بن حوشب سے ملاقات ہوئی ہے میں نے ان کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

۲۔عباد بن کثیر مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

۳۸۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَاذَ مِنْ اَهْلِ مَرْوَ قَالَ اَخْبَرَنِی عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ وَاقِدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قُلْتُ لِسُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ اِنَّ عَبَّادَبْنَ كَثِیْرٍ مَنْ تَعْرِفُ حَالَهُ وَاِذَاحَدَّثَ جَاءَ بِاَمْرٍ عَظِیْمٍ فَتَرَی اَنْ اَقُوْلَ لِلنَّاسِ لَاتَأْخُذُوْاعَنْهُ ؟ قَالَ سُفْیَانُ بَلٰی قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَكُنْتُ اِذَاكُنْتُ فِی مَجْلِسٍ ذُكِرَ فِیْهِ عَبَّادٌ اَثْنَیْتُ عَلَیْهِ فِی دِیْنِهٖ وَاَقُوْلُ لَاتَأْخُذُوْاعَنْهُ ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ اَبِی قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ اِنْتَهَیْتُ اِلٰی شُعْبَةَ فَقَالَ هٰذَا عَبَّادُ بْنُ كَثِیْرٍ فَاحْذَرُوْهُ ۔

ابن المبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ عباد بن کثیر وہ شخص ہے جس کا حال آپ کو معلوم ہے اور جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو بلاء ڈھادیتا ہے! تو کیا آپ کی رائے ہے کہ میں لوگوں سے کہہ دیا کروں کہ اس کی حدیث نہ لو؟ سفیان ثوری نے کہا کہ کیوں نہیں: (یعنی ضرور کہہ دیا کرو) ابن المبارک کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں کسی ایسی مجلس میں ہوتا جس میں عباد کا تذکرہ آتا تو میں اس کی دینداری کی تعریف کرتا اور کہہ دیا کرتا کہ اس سے حدیث نہ لو۔

ابن المبارک کہتے ہیں کہ میں امام شعبہ رحمہ اللہ کے پاس گیا پس انہوں نے کہا کہ: یہ عباد بن کثیر ہے اس سے بچتے رہو۔

تشریح

''من تعرف حاله'' یعنی آپ ان کے ضعف کو جانتے ہیں۔ (نووی)

یا آپ ان کے زہد وعبادت کو جانتے ہیں۔ (فتح الملہم)

''بامر عظیم'' یعنی واہی تباہی منکر روایات نقل کرتا ہے ''اثنیت علیه'' یعنی اس کے دین وتقویٰ کے بارے میں تعریف کرتا ہوں مگر کہتا ہوں کہ اس سے حدیث مت لو۔ امام مسلم نے صحیح مسلم، ص ۵ پر بھی عباد بن کثیر کو منکر الحدیث قرار دیا ہے یہاں عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری اور شعبہ کے واسطہ سے اس پر جرح کررہے ہیں یہ نہایت ضعیف متروک الحدیث راوی ہے ثقفی بصری ہے، ایک سو چالیس ۱۴۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے۔

۳۔محمد بن سعید مصلوب مجروح سفیان ثوری جارح

۳۹۔**وَحَدَّثَنِی** الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ سَاَلْتُ مَعْلَی الرَّازِیَّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِیْدِ الَّذِی رَوٰی عَنْهُ عَبَّادُ بْنُ كَثِیْرٍ فَاَخْبَرَنِی عَنْ عِیْسَی بْنِ یُوْنُسَ قَالَ كُنْتُ عَلٰی بَابِهٖ وَسُفْیَانُ عِنْدَهُ فَلَمَّا خَرَجَ سَاَلْتُهُ عَنْهُ فَاَخْبَرَنِی اَنَّهُ كَذَّابٌ ۔

فضل کہتے ہیں کہ میں نے معلٰی رازی سے اس محمد بن سعید (مصلوب) کے بارے میں دریافت کیا جس سے عباد بن

کثیر روایت کرتا ہے تو معلّیٰ نے مجھے بتلایا کہ عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں کہ میں اس کے دروازے پر تھا اور سفیان ثوری اس کے پاس تھے پس جب وہ باہر نکلے تو میں نے ان سے محمد بن سعید مصلوب کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔

تشریح

''الذی روی عنه عباد بن کثیر ''عباد بن کثیر زیادہ تر روایات محمد بن سعید مصلوب سے لیتا تھا اس وجہ سے وہ بھی خراب ہو گیا کیونکہ مرکز خراب تھا جو محمد بن سعید مصلوب تھا یہ شخص شامی اسدی ہے، وقت کے حاکم ابو جعفر نے جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے اس کو سُولی پر لٹکا کر پھانسی دیدی تھی اس وجہ سے مصلوب مشہور ہو گیا یہ بڑا جھوٹا کذاب تھا۔ احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ اس نے چار ہزار احادیث گھڑ رکھی تھیں ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے خود اقرار کیا تھا کہ اچھی بات کے لئے سند بنا کر حدیث گھڑی جاسکتی ہے۔ یہ شخص جب عراق آیا تو بہت زیادہ لوگ حدیث سننے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو گئے اس موقع پر سفیان ثوریؒ نے ساتھیوں سے کہا کہ میں خود اس شخص کا امتحان لیتا ہوں تاکہ حقیقت معلوم ہو جائے۔ گھر کے اندر دونوں کی گفتگو تنہائی میں ہوئی نہ معلوم کیا بات ہوئی لیکن جب سفیان ثوری باہر آ گئے تو لوگوں سے فرمایا ''الرجل کذاب ''آدمی بڑا جھوٹا ہے۔ ''اخبرنی ''میں ضمیر معلّیٰ رازی کی طرف لوٹتی ہے ''علی بابه ''مجرور ضمیر محمد بن سعید کی طرف لوٹتی ہیں ''عنده ''کی ضمیر بھی محمد بن سعید کو راجع ہے۔ ''فلما خرج ''فاعل کی ضمیر سفیان ثوری کی طرف راجع ہے۔

اعتراض

علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں ''الذی روی عنه عباد بن کثیر ''پر ایک اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباد بن کثیر نے محمد بن سعید مصلوب سے روایت لی ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ عباد بن کثیر کا طبقہ بہت اونچا ہے وہ معلّیٰ رازی کے طبقے کا آدمی ہے اگرچہ خود مجروح ہے لیکن محمد بن سعید مصلوب جو نچلے طبقے کا آدمی ہے اس سے کس طرح روایت لینا ممکن ہے؟

اس کا جواب علامہ عثمانی نے دیا ہے بعض معاصرین شارحین نے بھی دیا ہے مگر وہ ایک معمہ ہے جو میں نہیں سمجھ سکا میرے خیال میں واضح جواب یہ ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہے ''الذی روی عن عباد بن کثیر ''تو اب محمد بن سعید مصلوب، محمد بن عباد سے روایت کرنے والے ہو گئے۔

دوسرا جواب علامہ عثمانی نے یہ دیا ہے کہ اکثر نسخوں میں عباد بن کثیر کی عبارت نہیں ہے تو قصہ ختم ہو گیا۔

۴۔ صوفیاء مجروحین یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۰۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُ بْنُ اَبِی عَتَّابٍ قَالَ اَخْبَرَنِی عَفَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ سَعِیدِ الْقَطَّانِ عَنْ اَبِیهِ قَالَ لَمْ

نَرَالصَّالِحِيْنَ فِىْ شَىْءٍ اَكْذَبَ مِنْهُمْ فِى الْحَدِيْثِ ـ قَالَ ابْنُ اَبِىْ عَتَّابٍ فَلَقِيْتُ اَنَا مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ الْقَطَّانِ فَسَأَلْتُهُ عَنْهُ فَقَالَ عَنْ اَبِيْهِ لَمْ تَرَاَهْلَ الْخَيْرِ فِىْ شَىْءٍ اَكْذَبَ مِنْهُمْ فِى الْحَدِيْثِ ـ قَالَ مُسْلِمٌ يَقُوْلُ يَجْرِى الْكَذِبُ عَلٰى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُوْنَ الْكَذِبَ ـ

ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ مجھے عفان بن مسلم نے بتلایا، محمد سے روایت کرتے ہوئے وہ اپنے والد یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ: ہم نے نیک لوگوں کو کسی چیز میں اتنا زیادہ جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا حدیث (روایت کرنے) میں۔ ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات محمد سے ہوگئی تو میں نے ان سے ان کے والد کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: تم نیک لوگوں کو کسی چیز میں اتنا زیادہ جھوٹ بولتے نہیں دیکھو گے جتنا حدیث (روایت کرنے) میں۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت یحییٰ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ (حدیث میں) جھوٹ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے، قصداً وہ جھوٹ نہیں بولتے۔

تشریح

''لم نر الصالحین'' صوفیا صالحین اور عُبّاد وزُہّاد کی حدیثوں کا محدثین کے نزدیک کچھ زیادہ اعتبار نہیں ہے کیونکہ ان حضرات سے چند وجوہ نادانستہ طور پر احادیث کی روایات میں بے احتیاطی ہوجاتی ہے وہ چند وجوہ یہ ہیں:

(۱) کچھ حضرات تو سب لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھتے ہیں اس لئے ضعیف راویوں سے بھی حدیثیں لیتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ ترغیب وترہیب وعظ وبیان اور فضائل اعمال میں حدیثیں گھڑنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) کچھ حضرات فضائل اعمال میں ضعیف روایات سے آگے بڑھ کر موضوعات بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔

(۴) سب سے اہم بات یہ کہ ان کو فن حدیث میں مہارت نہیں ہوتی ہے اور عبادت کی کثرت کی وجہ سے ان میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے لیکن یہ تمام چیزیں حدیث کو ضعیف یا منکر یا موضوع ہونے سے نہیں بچاسکتیں لہٰذا جو حکم ہوگا وہ ان کی روایات پر لگے گا کیونکہ کذب کی تعریف یہ ہے کہ خلاف واقعہ کسی چیز کو بیان کیا جائے چاہے غلطی سے ہو، بھول سے ہو یا قصد وارادہ سے ہو اچھا ارادہ ہو یا بُرا ارادہ ہو، جھوٹ، جھوٹ ہے۔ (فتح الملہم، نعمت المنعم، فیض المنعم معمولی تغیر)

''یجری علی لسانهم الكذب'' امام مسلم فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا ارادہ جھوٹ کا نہیں ہوتا مگر اختیار کے بغیر زبانوں پر جھوٹ جاری ہوجاتا ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کثرت عبادت سے غفلت آتی ہے اور قلت علم سے فضائل میں جھوٹ گھڑتے ہیں گویا ان حضرات نے صوفیوں کے جھوٹ کی ایک قسم تاویل کی ہے مگر حدیث پر اعتماد ختم ہونے کے لئے قصداً جھوٹ ہو یا سہواً ہو سب تباہ کن ہے۔

۵۔ غالب بن عبید اللہ مجروح خلیفہ بن موسیٰ جارح

۴۱۔ **حَدَّثَنِی** الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَايَزِيْدُبْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَخْبَرَنِی خَلِيْفَةُ ابْنُ مُوْسٰى قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى غَالِبِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ فَجَعَلَ يُمْلِي عَلَيَّ حَدَّثَنِيْ مَكْحُوْلٌ حَدَّثَنِيْ مَكْحُوْلٌ فَاَخَذَهُ الْبَوْلُ فَقَامَ فَنَظَرْتُ فِي الْكُرَّاسَةِ فَاِذَافِيْهَاحَدَّثَنِي اَبَانُ عَنْ اَنَسٍ وَاَبَانُ عَنْ فُلَانٍ فَتَرَكْتُهُ وَقُمْتُ ۔

خلیفہ کہتے ہیں کہ میں غالب بن عبید اللہ کے پاس گیا تو وہ مجھے حدیثیں لکھوانے لگا کہ حدثنی مکحول، حدثنی مکحول، (یعنی حضرت مکحول کو اپنا استاذ ظاہر کر کے ان کی سند سے حدیثیں لکھوانے لگا) پس اسے پیشاب کا تقاضہ ہوا، چنانچہ وہ اٹھ گیا تو میں نے اس کی کاپی میں دیکھا تو اس میں ''حدثنی ابانٌ عن انس، حدثنی ابان عن فلان'' تھا (یعنی کتاب میں کچھ تھا اور وہ لکھوا کچھ رہا تھا) چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اٹھ گیا۔

تشریح

''حدثنی مکحول'' غالب بن عبید اللہ جزری عقیلی متوفی ۱۳۵ھ نہایت ضعیف راوی ہیں۔ امام بخاری نے ان کو منکر الحدیث قرار دیا ہے، دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے زیر بحث روایت میں خلیفہ بن موسی نے ان کی فاش غلطی اور تدلیس پکڑلی کہ وہ حدثنی مکحول کہتے رہے اور کاپی میں حدثنی ابان لکھا تھا چونکہ مکحول بڑے محدث تھے تو غالب بن عبید اللہ نے اپنے استاذ ابان کا نام چھپایا، یہ بدترین تدلیس اور دھوکہ وفراڈ ہے جو حرام ہے اس لئے خلیفہ بن موسی نے اس کو چھوڑ دیا۔

۶۔ ابوالمقدام ہشام بصری مجروح عفان جارح

قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيَّ يَقُوْلُ رَأَيْتُ فِي كِتَابِ عَفَّانَ حَدِيْثَ هِشَامٍ اَبِي الْمِقْدَامِ حَدِيْثَ عُمَرَبْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ يَحْيَى بْنُ فُلَانٍ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ لِعَفَّانَ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ هِشَامٌ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدِبْنِ كَعْبٍ فَقَالَ اِنَّمَا ابْتُلِيَ مِنْ قِبَلِ هٰذَاالْحَدِيْثِ كَانَ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ادَّعٰى بَعْدُاَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدٍ ۔

امام مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حسن حلوانی کو یہ کہتے سنا کہ میں نے عفان کی کتاب میں ہشام ابوالمقدام کی حدیث دیکھی ہے عمر بن عبد العزیز کا واقعہ...... (اس کی سند اس طرح تھی) قال ھشام، حدثنی رجل یقال له یحییٰ بن فلان، عن محمدبن کعب الخ، حلوانی کہتے ہیں کہ میں نے عفان سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہشام نے یہ حدیث براہ راست محمد بن کعب سے سنی ہے: عفان نے کہا کہ: اسی حدیث کی وجہ سے ہشام مصیبت میں پھنسے ہیں، پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ حدثنی یحییٰ عن محمد پھر بعد میں دعوی کرنے لگے کہ یہ حدیث انہوں نے

بذاتِ خود محمد بن کعب سے سنی ہے۔

تشریح

"قال الامام مسلم":

''وسمعت'' امام مسلمؒ نے یہاں سے ایک اور مجروح راوی ابوالمقدام کا تذکرہ شروع کیا ہے امام مسلم نے اپنے استاذ حسن حلوانی کے حوالہ سے عفان کی کتاب کی بات چلائی ہے، وہ یہ ہے کہ حلوانی نے کہا کہ عفان کی کتاب میں ایک سند میں نے دیکھی جو ہشام ابوالمقدام کے حوالے سے تھی اس میں عمر بن عبدالعزیز کی لمبی حدیث کا تذکرہ تھا وہاں سند میں یحیٰ بن فلان عن محمد بن کعب کے الفاظ تھے حلوانی نے عفان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہشام نے یہ حدیث براہِ راست محمد بن کعب سے سنی ہے اور آپ نے درمیان میں یحیٰ کا واسطہ نقل کیا ہے اس پر عفان نے کہا کہ ہشام تو اسی حدیث کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے اور متہم ہو گئے پہلے وہ واسطہ سے بیان کرتا تھا پھر بلا واسطہ محمد بن کعب سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ بہر حال ابوالمقدام ہشام بن زیاد بصری کی تضعیف امام بخاری اور یحیی بن معین دونوں نے کی ہے کہتے ہیں اس کے پاس حفص منقری کی کتاب تھی جس کو حفص نے حسن بصری سے سنا تھا، ہشام بلا واسطہ اس کو حسن بصری سے نقل کرتا تھا جو بدترین تدلیس ہے اس طرح اس شخص نے حسن بصری پر کئی منکر روایات گھڑ رکھی تھیں۔ زیر بحث روایت میں عفان نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ ہشام پہلے محمد بن کعب سے بواسطہ یحیٰ روایت بیان کرتا تھا پھر براہِ راست بیان کرنا شروع کر دیا اس لئے تدلیس کا مرتکب ہو گیا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس قدر نقصان کسی پر جرح وطعن کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے اس کو یاد نہ تھا تو واسطہ لایا پھر یاد آ گیا تو بلا واسطہ بیان کیا ہاں اس قسم کی تنقید کئی قرائن کے جمع ہونے کے بعد ائمہ جرح کرتے ہیں تو ہشام کے بارے میں بھی دیگر قرائن جمع ہو گئے تھے تو مورد طعن ٹھہرا۔

''حدیث عمر بن عبدالعزیز'' حدیث کا لفظ اگر منصوب ہے تو یہ بدل ہے حدیث ہشام سے وہ مفعول بہ ہے رأیتُ کے لئے، یا فعل محذوف اعنی کے لئے مفعول بہ ہے، یا یہ لفظ مرفوع ہے مبتدا محذوف کے لئے جو ھو ہے۔

۷۔ سلیمان بن حجاج مجروح عبدان جارح

۴۲۔ **حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قُھْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُثْمَانَ بْنَ جَبَلَةَ یَقُوْلُ قُلْتُ لِعَبْدِاللّٰہِ ابْنِ الْمُبَارَكِ مَنْ ھٰذَا الرَّجُلَ الَّذِیْ رَوَیْتَ عَنْهُ حَدِیْثَ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو: یَوْمُ الْفِطْرِ یَوْمُ الْجَوَائِزِ قَالَ: سُلَیْمَانُ بْنُ الْحَجَّاجِ، اُنْظُرْ مَاوَضَعْتَ فِیْ یَدِكَ مِنْهُ۔

عبداللہ بن عثمان معروف بہ عبدان کہتے ہیں کہ میں نے ابن المبارک سے پوچھا کہ وہ کون راوی ہے جس سے آپ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ ''عید الفطر انعامات پانے کا دن ہے'' روایت کرتے

ہیں؟ ابن المبارک نے کہا کہ وہ سلیمان بن حجاج ہے (میں نے کہا کہ) آپ دیکھ لیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں اس شخص سے کیا چیز دھرلی ہے۔

تشریح

''حدیث'' یہ منصوب مفعول بہ ہے رَوَیْتَ فعل کے لئے یا مرفوع ہے هو مبتدا محذوف کی وجہ سے۔ ''یوم الفطر'' سے پہلے هو مبتدا محذوف ماننا ضروری ہے ''قال سلیمان'' قال کا فاعل عبداللہ بن مبارک ہے یہاں بھی سلیمان سے پہلے هو مبتداء محذوف ماننا ضروری ہے ای قال هو سليمان ''انظر ماوضعت'' انظر سے پہلے قال عبدالله بن عثمان نکالنا ضروری ہے، وضعت میں تا خطاب کا ہے مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عثمان جس کا لقب عبدان ہے اس نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ حدیث ''یوم الفطر یوم الجوائز'' آپ نے کس سے لی ہے؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ میں نے جس سے روایت لی ہے وہ سلیمان بن الحجاج ہے اس پر عبدان نے کہا کہ ذرا سوچیں اور غور کریں کہ آپ نے اس سے روایت کر کے کیا چیز اپنے ہاتھ میں دھرلی ہے وہ آدمی تو مجہول الحال ہے کیا اس سے روایت لینا جائز ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ اس گفتگو میں آیا سلیمان کی مدح وتوثیق ہے یا تضعیف ہے؟ علامہ نووی وغیرہ نے اس کو مدح پر حمل کیا ہے اور وضعتُ میں ضمیر متکلم مانا ہے مدح کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ذرا دیکھو میں نے تیرے ہاتھ میں اس شخص کی کتنی قیمتی بات رکھدی۔ مگر امام مسلم کی عبارت اور گفتگو اور مجروحین کا تسلسل بابانگ دہل کہہ رہا ہے کہ یہ مدح نہیں بلکہ مذمت ہے عبدان امام مسلم کے ہمعصر ہیں، ۲۲ سال ان سے چھوٹے ہیں مگر کئی استاذوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں آپ کے وطن کے آدمی ہیں اس لئے جرأت کے ساتھ بات کرتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ عبدان کی توجہ دلانے پر امام مسلم نے عمل کیا اور یوم الجوائز والی روایت سلیمان بن حجاج کے حوالہ سے کہیں نقل نہیں کی یوم الفطر یوم الجوائز ایک لمبی حدیث ہے جس کو علامہ نووی نے شرح میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۸۔ روح بن غُطیف مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

قَالَ ابْنُ قُهْزَاذَ وَسَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ زَمْعَةَ يَذْكُرُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ رَأَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرَالدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ اِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ اَسْتَحْيِي مِنْ اَصْحَابِي اَنْ يَرَوْنِي جَالِسًا مَعَهُ كُرْهَ حَدِيْثِهِ۔

ابن قہزاذ کہتے ہیں کہ میں نے وہب سے سنا وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ میں نے ''بقدر درھم خون'' والے روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں پس میں اپنے تلامذہ

سے شرمانے لگا اس بات سے کہ وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ لیں، اس کی حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

تشریح

''روح بن غطیف'' روح بن غطیف ثقفی منکر الحدیث ساقط الاعتبار حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے یحییٰ بن معین نے اس کو ''واھی الحدیث'' شخص قرار دیا ہے، دارقطنی اور نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے عبداللہ بن مبارک تو ان کی شکل دیکھنے سے بھاگتے ہیں۔ ''صاحب الدم قدرالدرھم'' یعنی اس شخص نے ''تعادالصلوة من الدم قدرالدرھم'' کی حدیث گھڑ لی تھی ''قدرالدرھم'' یہ الدم سیبدل ہے اور مجرور ہے قدرالدرھم موضوعی حدیث ہے، قال النووی حدیث باطل لااصل له عندالمحدثین۔

۹۔ بقیۃ بن الولید مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

۴۳۔و حَدَّثَنِی ابْنُ قُھْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ وَھْبًا یَقُوْلُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْمُبَارَکِ قَالَ بَقِیَّةُ صَدُوْقُ اللِّسَانِ وَلٰکِنَّہٗ یَأْخُذُ عَمَّنْ اَقْبَلَ وَاَدْبَرَ۔

ابن المبارک نے فرمایا کہ بقیہ زبان کے سچے ہیں مگر ہر آنے جانے والے سے روایت لیتے ہیں (یعنی ثقہ غیر ثقہ سب ہی سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کی روایتوں کی تحقیق ضروری ہے)۔

تشریح

''بقیة'' بقیہ بن الولید کلاعی حمصی متوفی ۱۹۷ھ اچھے راوی ہیں امام بخاری تعلیقات بخاری میں ان سے روایت لیتے ہیں صحاح ستہ کی باقی کتابوں میں بھی ان سے روایات مروی ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بقیہ معروف راویوں سے روایت نقل کرتا ہے تو روایت مقبول ہے اور اگر غیر مشہورین سے روایت کرتا ہے تو اس کی روایت قبول نہ کرو۔ شیخ ابومُسہر فرماتے ہیں: ''احادیث بقیة لیست بنقیة فکن منها علی تقیة''۔ ابن حجر فرماتے ہیں:: صدوق کثیرالتدلیس۔ امام مسلم فرماتے ہیں یأخذ عن من اقبل و ادبر ای عن الثقات و غیرہ الثقات۔ آگے صحیح مسلم ص ۱۹ پر بقیة کا کچھ مزید تذکرہ آئے گا۔

۱۰۔ حارث اعور مجروح امام شعبیؒ وغیرہ جارحین

۴۴۔حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ حَدَّثَنِی الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ الْھَمْدَانِیُّ وَکَانَ کَذَّابًا۔

امام شعبی عامر بن شراحیل نے فرمایا کہ مجھ سے حارث اعور ہمدانی نے حدیث بیان کی اور وہ بڑا جھوٹا تھا۔

تشریح

''وکان کذابا'' یعنی حارث اعور بڑا جھوٹا تھا آپ کا نام حارث بن عبداللہ ہے اعور تعارف ہے کوفی ہے ہمدان کی طرف نسبت

ہے حضرت علی حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت سے پڑھا ہے اور یحییٰ بن ابی رباح اور دیگر بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد ہیں اسی وجہ سے آپ کی توثیق اور تضعیف میں اصحاب جرح و تعدیل علماء کا اختلاف رہا ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے آپ کی توثیق کی ہے لیکن علی بن مدینی، سفیان ثوری، امام شعبی اور ابن حبان وغیرہ کثیر تعداد میں رجال فن نے آپ کی سخت تضعیف کی ہے امام مسلم نے مسلسل چھ آثار نقل کر کے حارث اعور پر شدید تنقید کی ہے، ابن حبان فرماتے ہیں ''کان غالیا فی التشیع'' شعبی نے کذاب کہا ہے اس لئے ان کا معاملہ خراب ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

"وَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَوْهِينِهٖ مَعَ رِوَايَتِهِمْ لِحَدِيْثِهٖ فِي الْاَبْوَابِ"۔ (فیض المنعم)

حارث کے ساتھ اعور کا لفظ تعارف اور مزید وضاحت کے لئے لگایا گیا ہے اس میں توہین و تحقیر مقصود نہیں ہے بلکہ حدیث کے معاملہ میں محدثین وضاحت کی غرض سے اس طرح کے الفاظ ذکر فرماتے ہیں جیسے ''الفقیر، الاعرج، المعلم ای معلم الصبیان'' وغیرہ الفاظ ملتے ہیں حارث اعور نے عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں ۶۵ھ میں وفات پائی۔

اب سوال یہ ہے کہ جب محدثین سمجھتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے یا کذاب ہے تو وہ اس سے روایت کیوں لیتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ان الکذوب قد یصدق'' جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی کہہ دیتا ہے تو اس کی صرف سچی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، دوسری وجہ یہ کہ اس کی تمام احادیث نقل کر کے اہل جرح اس پر کلام کرتے ہیں اگر روایت ظاہر نہیں تو اس پر کلام کیسے ممکن ہوگا؟

۴۵۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْعَامِرٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بَرَّادِ الْاَشْعَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ مُفَضَّلٍ عَنْ مُغِيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ وَهُوَيَشْهَدُ اَنَّهٗ اَحَدُالْكَاذِبِيْنَ ۔

امام شعبی نے فرمایا کہ: مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور امام شعبی گواہی دیتے ہیں کہ حارث جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

۴۶۔ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ عَلْقَمَةُ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ فِيْ سَنَتَيْنِ فَقَالَ الْحَارِثُ اَلْقُرْاٰنُ هَيِّنٌ اَلْوَحْيُ اَشَدُّ ۔

(ایک موقعہ پر) حضرت علقمہ نے کہا کہ میں نے دو سال میں قرآن پڑھا ہے، اس پر حارث نے کہا کہ قرآن آسان ہے، وحی اس سے زیادہ مشکل ہے۔

تشریح

''القرآن هين والوحی اشد'' ابن سبا یہودی نے روافض اور شیعہ کے اندر ایک بات پھیلا رکھی تھی کہ حضور اکرم نے اہل بیت کو اور خاص کر حضرت علیؓ کو کچھ خاص خاص بھید اور راز کی باتیں بتائی ہیں اس مقصد کے لئے ابن سبا یہودی نے کئی حدیثیں

گھڑلیں اور اپنے پیروکاروں کو یقین دلایا کہ یہ وہی اسرار ہیں مگر ان کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے یہ راز میں رہیں گے، حضرت علیؓ نے اپنی ذات سے بار بار وصیت اور وصی ہونے کی جو نفی فرمائی ہے وہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے ہے، حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا کہ حضور اکرم کا انتقال میری گود میں ہوا تو آپ نے کہاں وصیت فرمائی ہے؟! یہ قول بھی اسی خاص وصیت اور اسرار کی باتوں کی تردید کے لئے ہے مگر شیعہ روافض نے عبداللہ بن سبا یہودی کی جھوٹی داستان کو اپنالیا اور آج تک انہوں نے اذان میں ''وصی رسول الله اور خلیفته بلافصل'' کے الفاظ کا اضافہ جاری رکھا، حارث اعور کوفی بھی درحقیقت ''وحی'' کے لفظ سے یہی اسرار اور وصیت مراد لے رہا ہے شیعہ کا دعویٰ ہے کہ ان اسرار کو سمجھنا دشوار ہے لہٰذا یہ اسرار کسی کو بتانا بھی منع ہے حارث اعور یہاں ''الوحی اشد'' سے انہی اسرار کی طرف اشارہ کررہا ہے بس یہ اسرار ہیں جو آج تک اسرار ہی ہیں۔ اس روایت میں حضرت علقمہ کے واسطہ سے حارث اعور پر جرح ہے۔

حارث اعور کے اس کلام سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ اصل قرآن چالیس پارے تھا دس پارے اہل بیت کے پاس ہیں ان میں صرف اہل بیت کے فضائل ہیں جو لوگوں نے قرآن سے نکال دیئے، اب ان کا ملنا اور سیکھنا سکھانا مشکل ہے باقی قرآن کا ملنا آسان ہے۔

۴۷۔ **وَحَدَّثَنِي** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ اَنَّ الْحَارِثَ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْقُرْآنَ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ وَالْوَحْيَ فِي سَنَتَيْنِ اَوْ قَالَ الْوَحْيَ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ وَالْقُرْآنَ فِي سَنَتَيْنِ۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حارث اعور نے کہا کہ: میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں: یا یہ کہا کہ، وحی تین سال میں اور قرآن دو سال میں۔

تشریح

''والوحی فی سنتین''

سوال : یہاں دو متعارض جملے مذکور ہیں پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مشکل ہے وحی آسان ہے اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ وحی مشکل ہے قرآن آسان ہے۔

جواب : تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ راوی کو شک ہوگیا کہ حارث نے کونسا جملہ بولا تھا اگر راوی کو شک نہیں ہے تو اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسرا جملہ تمام، روایات سے متفق ہے کہ وحی مشکل ہے قرآن آسان ہے پہلے بھی حارث نے یہی کہا ہے اور یہی ان کے ہاں حقیقت بھی ہے کہ قرآن موجود ہے تو سیکھنا آسان ہے اور وحی جو اسرار ہیں ان کا ملنا مشکل ہے اب رہ گیا پہلا جملہ کہ میں نے قرآن کو تین سالوں میں سیکھا تو وہ سیکھنے سکھانے سمجھنے سمجھانے کے اعتبار سے کہا ہے کہ قرآن ایک ضخیم کتاب ہے اس کے سیکھنے میں زیادہ وقت لگتا ہے اس وجہ سے مشکل ہے ''تعلمت'' کے لفظ سے حارث اعور خود اس حقیقت کی

طرف اشارہ کررہا ہے کہ بات تعلیم کی ہے۔بہرحال اعتبارات مختلف ہیں تو تعارض نہیں ہے۔اس روایت میں حارث اعور پر ابراہیم نخعی نے تنقید کی ہے ساتھ والی روایت میں بھی ابراہیم نخعی نے چوٹ ماری ہے۔

۴۸۔ **وحَدَّثَنِی** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنِی اَحْمَدُ وَهُوَابْنُ يُونُسَ قَالَحَدَّثَنَازَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْمُغِيرَةَ عَنْ اِبْرَاهِيمَ اَنَّ الْحَارِثَ اُتُّهِمَ ۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''حارث مطعون کیا گیا ہے'' (یعنی بدعقیدگی کے ساتھ)۔

۴۹۔ **وحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍقَالَ حَدَّثَنَاجَرِيرٌعَنْ حَمْزَةَ الزَّيَّاتِ قَالَ سَمِعَ مُرَّةُ الْهَمْدَانِيُّ مِنَ الْحَارِثِ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ اُقْعُدْ بِالْبَابِ قَالَ فَدَخَلَ مُرَّةُ وَاَخَذَ سَيْفَهُ قَالَ وَاَحَسَّ الْحَارِثُ بِالشَّرِّ فَذَهَبَ ۔

زیات کہتے ہیں کہ مُرّہ ہمدانی نے حارث سے کوئی بات سنی، تو اس سے کہا کہ آپ دروازے پر بیٹھیں، حمزہ کہتے ہیں پھر مُرّہ گھر میں گئے اور اپنی تلوار لی، حمزہ کہتے ہیں کہ حارث کو خطرہ کی بھنک پڑ گئی، چنانچہ وہ چلا گیا (اور بچ گیا ورنہ اس دن سے حارث کا قصہ پاک تھا کہ مارا جاتا)۔

تشریح

''واحس الحارث'' یعنی جب شیخ مُرّہ ہمدانی نے حارث اعور سے جھوٹی حدیثیں سنیں تو اس سے کہا کہ آپ کچھ دیر دروازہ پر بیٹھے رہیں میں اندر سے ہو کر آتا ہوں شیخ مُرّہ نے تلوار ہاتھ میں لے لی اور باہر آنے لگے تاکہ حارث کی گردن اڑادیں اور قصہ صاف ہوجائے مگر حارث نے تلوار کی جھنکار سن لی تو بھاگ نکلا، احس یعنی محسوس کیا کہ کوئی مصیبت آرہی ہے۔محدثین عظام کا انداز الگ ہوتا ہے یہ جلالی لوگ ہیں فقہاء کا انداز الگ ہے وہ جمالی لوگ ہیں۔اس روایت میں جارح بلکہ جارحیت کرنے والے شیخ مُرّہ ہیں۔

۱۱۔مغیرہ بن سعید مجروح	ابراہیم نخعی جارح
۱۲۔ابو عبدالرحیم مجروح	ابراہیم نخعی جارح

۵۰۔ **وَحَدَّثَنِی** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍقَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُالرَّحْمٰنِ يَعْنِی ابْنَ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَاحَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا اِبْرَاهِيمُ اِيَّاكُمْ وَالْمُغِيرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ وَاَبَاعَبْدِالرَّحِيمِ فَاِنَّهُمَا كَذَّابَانِ ۔

ابن عون کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم مغیرہ بن سعید اور ابو عبدالرحیم سے بچتے رہو، کیونکہ وہ دونوں بڑے جھوٹے ہیں۔

تشریح

''المغیرة بن سعید'' مغیرہ بن سعید بجلی کوفی بڑا خبیث رافضی کذاب تھا حضرت علی کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ

مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی توہین کی ابتدا اسی ملعون نے کی تھی آخر میں اس خبیث نے نبوت کا دعویٰ کیا جس کی وجہ سے اُسکو آگ میں جلایا گیا۔ (میزان الاعتدال)

ابراہیم نخعی نے اس پر جرح کی ہے۔

''واباعبدالرحیم'' ابوعبدالرحیم شقیق ضبی کوفی واعظ، خارجیوں کا بڑا امام تھا ضعیف راوی ہے کوفہ میں وعظ کہتا تھا ابراہیم نخعی نے اس پر جرح کی ہے۔

۱۳۔شقیق ضبی مجروح ابوعبدالرحمٰن سُلمی جارح

۵۱۔وحَدَّثَنِیْ اَبُوْ کَامِلِ الْجَحْدَرِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ كُنَّا نَأْتِي اَبَاعَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيَّ وَنَحْنُ غِلْمَةٌ اَيْفَاعٌ فَكَانَ يَقُوْلُ لَنَا لَا تُجَالِسُوا الْقُصَّاصَ غَيْرَ اَبِی الْاَحْوَصِ وَاِيَّاكُمْ وَشَقِيْقًا قَالَ وَكَانَ شَقِيْقٌ هٰذَا يَرٰى رَأْيَ الْخَوَارِجِ وَلَيْسَ بِاَبِيْ وَائِلٍ۔

عاصم کہتے ہیں کہ ہم تابعی جلیل حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سُلمی رحمہ اللہ کے پاس (حدیثیں پڑھنے) جایا کرتے تھے جب کہ ہم نوجوان لڑکے تھے، پس وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ واعظوں کے پاس حدیثیں پڑھنے نہ جایا کرو، البتہ حضرت ابوالاحوص عوف بن مالک بن نضلہ کوفی اس سے مستثنیٰ ہیں، اور شقیق سے بچا کرو، عاصم کہتے ہیں کہ یہ شقیق خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا اور یہ وہ شقیق نہیں ہیں جن کی کنیت ابووائل ہے (بلکہ ان کی مراد ابوعبدالرحیم شقیق ضّبی کوفی ہے جس کا ذکر نمبر ۱۲ پر گذر چکا ہے)۔

تشریح

''ابو کامل جحدری'' ان کا نام فُضیل بن حسین ہے بصری ہے۔ جحدر ایک آدمی کا نام ہے ابوکامل اسی کی طرف منسوب ہیں۔ ''غلمۃ'' غلام کی جمع ہے سبز خط نوعمر نوجوان کو کہتے ہیں ''ایفاع'' یفع کی جمع ہے قریب البلوغ نوعمر لڑکے کو کہتے ہیں۔ ''القصاص'' القاص کی جمع ہے قصہ گو واعظ کو کہتے ہیں ''شقیقاً'' یہ شقیق ضبی کوفی ہے جس کی کنیت ابوعبدالرحیم ہے جو اس سے پہلے روایت نمبر ۵۰ میں مذکور ہے خوارج کا سرغنہ تھا ضعیف ہے ''ولیس بابی وائل'' ابووائل شقیق بن سلمہ کی کنیت ہے یہ شقیق حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد خاص ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں ثقہ راوی ہیں چونکہ شقیق الضبی کے نام کے ساتھ اس کا التباس ممکن تھا تو شیخ عاصم نے وضاحت کردی کہ ابووائل شقیق اور ہے جو ثقہ ہے اور ابوعبدالرحیم شقیق اور ہے جو کذاب ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اس پر تنقید کی ہے۔ محدثین کے نزدیک غافل صوفیوں کی طرح پیشہ ور واعظین کی حدیثوں کا بھی اعتبار نہیں ہے یہ واعظین لوگوں کو رُلانے کے لئے طرح طرح کی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو بے سروپا ہوتی ہیں وعظ میں حدیثیں بیان کرنا یہ لوگ اپنا موروثی حق

سمجھتے ہیں اسی لئے غیر معتبر ہو گئے، اس طبقہ کا علم بھی پختہ نہیں ہوتا ہے لہٰذا غیر دانستہ طور پر سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔
آج کل تبلیغی حضرات نے وعظ کے اس پیشہ کو خوب ترقی دی ہے میں نے "وعظ و بیان" کتابچے میں اس موضوع پر کافی لکھا ہے۔ (مؤلف)

۱۴۔ جابر بن یزید جعفی مجروح جریر وغیرہ جارحین

۵۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْغَسَّانَ مُحَمَّدُبْنُ عَمْرٍوالرَّازِیُّ قَالَ سَمِعْتُ جَرِیْرًا یَقُوْلُ لَقِیْتُ جَابِرَبْنَ یَزِیْدَ الْجُعْفِیَّ فَلَمْ اَکْتُبْ عَنْهُ کَانَ یُؤْمِنُ بِالرَّجْعَةِ۔

جریر کہتے ہیں کہ میری جابر جعفی سے ملاقات ہوئی ہے، مگر میں نے اس سے حدیثیں نہیں لکھیں وہ رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا۔

تشریح

"جابر بن یزید" جابر بن یزید جعفی کوفی متوفی ۱۲۷ھ مشہور ضعیف راوی ہے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اس سے حدیث لیتے ہیں یہ شخص پہلے ٹھیک تھا پھر شیعہ سبائی ہو گیا چنانچہ بعض ائمہ حدیث نے سابق احوال کے اعتبار سے اس سے حدیثیں لی ہیں اور دوسرے ائمہ نے اس کے آخری احوال کو دیکھ کر اس پر زبردست جرح کی ہے اور اس کی روایتیں ترک کردی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا "مارأیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی"۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں سے مسلسل آٹھ روایات نقل کر کے جابر جعفی کو تقیہ کرنے والا رافضی قرار دیا ہے جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا یہ بھرپور جرح ہے۔
"کان یؤمن بالرجعة" رجعت کا لفظ صرف رجوع کرنے کے معنی میں ایک لفظ نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریہ اور عقیدہ ہے جس کا عقیدہ شیعہ روافض رکھتے ہیں: رجعت کی دو تفسیریں ہیں جو زیر بحث روایات میں خود مذکور ہیں مگر اس کے تین مطلب ہیں جو یہ ہیں۔

عقیدہ رجعت کا پہلا مطلب

ایمان بالرجعة کا پہلا مطلب یہ ہے کہ روافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے پیروں کاروں کو ہدایات دے رہے ہیں کہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی شخص جہاد کے لئے نکلے گا تو جب تک حضرت علی بادلوں سے آواز نہیں دیں گے کہ اس کا ساتھ دو ہم اس وقت تک جہاد میں اس شخص کا ساتھ نہیں دیں گے۔ (نووی بتغییر یسیر)

عقیدہ رجعت کا دوسرا مطلب

عقیدہ رجعت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ روافض کا عقیدہ ہے کہ آخر زمانہ میں غار "سرَّ من رأیٰ" سے امام غائب مہدی کا ظہور ہوگا ایمان بالرجعة سے مراد یہی ظہور مہدی ہے۔ ان کے خروج پر حضرت علی آسمان سے آواز دیں گے کہ یہ خلیفہ مہدی ہے اس کی اتباع کرو۔ اس مطلب کے پیش نظر آئندہ روایت میں "فی الارض" سے مراد غار سرَّ من رأیٰ ہے اور اسی سے امام

غائب کا ظہور ہے یہ شیعوں کا امام مہدی ہے جو غار میں چھپا ہوا ہے اور آخر زمانہ میں نکل آئے گا اہل سنت کے نزدیک امام مہدی غار میں نہیں ہیں بلکہ وہ پیدا ہوں گے پھر آئیں گے اہل سنت میں سے ہونگے۔

عقیدہ رجعت کا تیسرا مطلب

ایمان بالرجعة کا تیسرا مطلب جو قدیم مطلب ہے اور شیعہ کا پُرانا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی دوبارہ زندہ ہو کر دنیا کی طرف لوٹ کر آئیں گے اس تفسیر کے مطابق آئندہ آنے والی روایت نمبر ۵۸ میں وارد شدہ آیت میں لفظِ ''الارض'' سے مراد حضرت علی کی قبر ہے کہ وہ دوبارہ قبر سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور دنیا میں آئیں گے اور لفظ ابــــــی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ روافض کا غلط عقیدہ ہے آیت سے اس پر استدلال کرنا تحریف ا ہے آیت کا صحیح مفہوم روایت ۵۸ کی تشریح میں آجائے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ جابر جعفی کا نظریہ اور عقیدہ اس تیسرے مطلب کے موافق و مطابق تھا کیونکہ اس نے سورت نمل کی آیت نمبر ۸۲ میں ﴿دابة الارض﴾ سے مراد حضرت علی کو لیا ہے اور کہا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر آئیں گے اس تفصیل کی طرف میزان الاعتدال، نعمت المنعم، اور فیض المنعم وغیرہ کتابوں میں اشارات ملتے ہیں۔

بہر حال روایت ۵۲ میں جابر جعفی کو جریر نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے روایت ۵۳ میں مسعر بن کدام نے روایت ۵۴ میں سفیان بن عیینہ نے روایت نمبر ۵۵ میں جراح بن ملیح نے روایت نمبر ۵۶ میں زھیر نے روایت نمبر ۵۷ میں سلام بن مطیع نے روایت ۵۸ میں پھر سفیان ثوری نے اور روایت نمبر ۵۹ میں بھی سفیان ثوری نے جابر جعفی پر شدید تنقید کی ہے۔

۵۳۔ حَدَّثَنَا حَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ يَزِيدَ قَبْلَ اَنْ يُحْدِثَ مَا اَحْدَثَ۔

مسعر کہتے ہیں کہ ہم سے جابر جُعفی نے حدیث بیان کی، نئی بات ایجاد کرنے سے پہلے (لفظی ترجمہ: اس کے پیدا کرنے سے پہلے اس چیز کو جو اس نے پیدا کی) (یعنی جس زمانہ میں جابر کے عقائد درست تھے، اس زمانہ میں، میں نے جابر سے یہ روایت سنی ہے، پھر مسعر نے اپنے تلامذہ کے سامنے وہ روایت ذکر کی جو یہاں مذکور نہیں ہے، یہاں روایت کا صرف ابتدائی حصہ نقل کیا گیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ اس زمانہ کی روایت معتبر تھی)۔

۵۴۔ وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَحْمِلُونَ عَنْ جَابِرٍ قَبْلَ اَنْ يُظْهِرَ مَا اَظْهَرَ فَلَمَّا اَظْهَرَ مَا اَظْهَرَ اتَّهَمَهُ النَّاسُ فِي حَدِيثِهِ وَتَرَكَهُ بَعْضُ النَّاسِ فَقِيلَ لَهُ وَمَا اَظْهَرَ؟ قَالَ الْاِيمَانُ بِالرَّجْعَةِ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ جب تک جابر جعفی نے اپنی بداعتقادی ظاہر نہیں کی تھی لوگ اس سے حدیثیں لیا کرتے تھے، پھر جب اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر کی تو لوگوں نے اس پر اس کی حدیثوں کے بارے میں بدگمانی کی اور بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا، ابن عیینہ سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا بداعتقادی ظاہر کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: رجعت کا عقیدہ۔

۵۵۔**وحَدَّثَنِی** حَسَنُ الْحُلْوَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْیَحْیَی الْحِمَّانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا قَبِیْصَةُ وَاَخُوْهُ اَنَّهُمَا سَمِعَا الْجَرَّاحَ بْنَ مَلِیْحٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ یَزِیْدٍ یَقُوْلُ عِنْدِی سَبْعُوْنَ اَلْفَ حَدِیْثٍ عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلِّهَا۔

جراح کہتے ہیں کہ میں نے جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پاس ستر ہزار حدیثیں ہیں جو ابوجعفر محمد باقر رحمہ اللہ سے مروی ہیں اور سب مرفوع ہیں۔

۵۶۔**وحَدَّثَنِی** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ یُوْنُسَ قَالَ سَمِعْتُ زُهَیْرًا یَقُوْلُ قَالَ جَابِرٌ اَوْسَمِعْتُ جَابِراً یَقُوْلُ اِنَّ عِنْدِی لَخَمْسِیْنَ اَلْفَ حَدِیْثٍ مَاحَدَّثْتُ مِنْهَا بِشَیْءٍ قَالَ ثُمَّ حَدَّثَ یَوْمًا بِحَدِیْثٍ فَقَالَ هٰذَامِنَ الْخَمْسِیْنَ اَلْفًا۔

زہیر کہتے ہیں کہ جابر نے کہا یا میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ایسی پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے ایک بھی میں نے لوگوں سے بیان نہیں کی ہے۔ زہیر کہتے ہیں پھر ایک دن اس نے ایک حدیث بیان کی اور کہنے لگا کہ یہ اُن پچاس ہزار میں سے ہے۔

۵۷۔ **وحَدَّثَنِی** اِبْرَاهِیْمُ بْنُ خَالِدِ الْیَشْکُرِیُّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاالْوَلِیْدِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ سَلَّامَ بْنَ اَبِی مُطِیْعٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ جَابِرًا الْجُعْفِیَّ یَقُوْلُ عِنْدِی خَمْسُوْنَ اَلْفَ حَدِیْثٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

سلّام بن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پاس ایسی پچاس ہزار حدیثیں ہیں جو سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

۵۸۔ **وحَدَّثَنِی** سَلَمَةُ بْنُ شَبِیْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا سَأَلَ جَابِرًا عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَأْذَنَ لِیْ اَبِیْ اَوْیَحْکُمَ اللّٰهُ لِیْ وَهُوَخَیْرُالْحٰکِمِیْنَ﴾(یوسف: ۸۰) قَالَ فَقَالَ جَابِرٌ لَمْ یَجِیْءُ تَأْوِیْلُ هٰذِهٖ قَالَ سُفْیَانُ وَکَذَبَ فَقُلْنَا وَمَااَرَادَ بِهٰذَا؟فَقَالَ اِنَّ الرَّافِضَةَ تَقُوْلُ اِنَّ عَلِیًّا فِی السَّحَابِ فَلَانَخْرُجُ مَعَ مَنْ یَّخْرُجُ مِنْ وَلَدِهٖ حَتّٰی یُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ یُرِیْدُ عَلِیًّا اَنَّهٗ یُنَادِی اُخْرُجُوْا مَعَ فُلَانٍ یَقُوْلُ جَابِرٌ فَذَاتَأْوِیْلُ هٰذِهِ الْآیَةِ وَکَذَبَ کَانَتْ فِیْ اِخْوَةِ یُوْسُفَ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جس نے جابر جعفی سے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا:

﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَأْذَنَ لِیْ اَبِیْ اَوْیَحْکُمَ اللّٰهُ لِیْ وَهُوَخَیْرُالْحٰکِمِیْنَ﴾(یوسف: ۸۰)

”یعنی اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک میرے ابا مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے حق میں کوئی فیصلہ

فرمائیں اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں''۔

اس آدمی نے کہا کہ مجھے جابر نے جواب دیا کہ ابھی اس آیت کا مصداق ظاہر نہیں ہوا ہے، سفیان کہتے ہیں کہ جابر نے جھوٹ کہا، حمیدی کہتے ہیں کہ ہم نے سفیان سے پوچھا کہ جابر کی غرض کیا تھی؟ سفیان نے بتایا کہ رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں ہیں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی شخص خروج (حکومت وقت سے بغاوت) کرتا ہے ہم اس کے ساتھ اس وقت نکلتے ہیں جب ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے۔ جابر حضرت علیؓ کو مراد لے رہا ہے۔ (یعنی ابی سے مراد حضرت علی ہیں) وہ پکار کر کہتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ خروج (بغاوت) کرو جابر کہتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے اور وہ جھوٹ بکتا ہے، یہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ہے۔

تشریح

''لم یجیٔ تأویل هذا''یعنی جابر جعفی نے کہا کہ اب تک اس آیت کی تفسیر وتاویل ظاہر نہیں ہوئی ہے ان کے ذہن میں اس آیت کی یہ تفسیر تھی کہ حضرت علی بادلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کی اولاد میں سے جو کوئی کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو ہم روافض ان کا ساتھ نہیں دیتے جب تک ہمارے ابا جان یعنی حضرت علیؓ ہمیں حکم نہیں دیتے کہ ان کے ساتھ مل کر بغاوت کرو حضرت علی کا حکم بصورت اعلان ہوگا جو آسمان سے سنائی دے گا، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ روافض کا باطل عقیدہ ہے آیت تو حضرت یوسف کے بھائیوں سے متعلق ہے جب کہ بڑے بھائی نے کہا کہ اب میں واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرے ابا جان یعقوب علیہ السلام مجھے اعلان کر کے اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ صادر نہ ہو جائے۔

''ان الرافضة'' رافضة جمع ہے روافض بھی جمع ہے اس کا مفرد رافض ہے رفض پھینکنے اور چھوڑنے کے معنی میں ہے روافض کو اس لئے روافض کہتے ہیں کہ انہوں نے پنج تن پاک اور چند صحابہ کو لیا باقی سب کو چھوڑ دیا، نیز انہوں نے جب زید بن علی کو مجبور کیا کہ شیخین پر لعنت کریں اور انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور ان پر پتھر پھینک کر چلے گئے تو زید بن علی نے کہا کہ ''اصحابنا رفضونا''یعنی ہمارے ساتھیوں نے ہمیں چھوڑ دیا، اس وقت سے ان کا نام روافض پڑ گیا جس سے یہ جلتے ہیں اور شیعہ کے لفظ سے خوش ہوتے ہیں جس طرح بریلوی ''بدعتی'' کے لفظ سے جلتے ہیں بریلوی سے خوش ہوتے ہیں اور دیوبندی ''وہابی'' کے لفظ سے ناخوش ہوتے ہیں۔

۵۹۔ **وَحَدَّثَنَا** سَلَمَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يُحَدِّثُ بِنَحْوٍ مِنْ ثَلَاثِيْنَ أَلْفَ حَدِيْثٍ مَا أَسْتَحِلُّ أَنْ أَذْكُرَ مِنْهَا شَيْئًا وَأَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے تقریباً تیس ہزار ایسی حدیثیں سُنی ہیں جن میں سے ایک کو بھی میں ذکر کرنا جائز نہیں سمجھتا، اگر چہ مجھے دولت کے فلاں فلاں انبار مل جائیں۔

تشریح

''اذکر منہا شیئًا'' سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ جابر جعفی کی تیس ہزار من گھڑت روایات ہیں مگر میں ان میں سے ایک حدیث کو بھی بیان کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

ان تمام روایات سے جابر جعفی کا کذاب ہونا بھی معلوم ہوا اور خوف خدا سے عاری ہونا بھی معلوم ہوا اور تقیہ کرنے والا ہونا بھی ثابت ہوا جو شیعہ کا مکروہ ترین عقیدہ ہے خلاصہ یہ کہ جابر جعفی ایک بنڈلی آدمی تھا۔

۱۵۔ حارث بن حصیرہ مجروح جریر بن عبدالحمید جارح

وَقَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ اَبَاغُسَّانَ مُحَمَّدَبْنَ عَمْرٍو الرَّازِيَّ قَالَ سَاَلْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِالْحَمِيْدِ فَقُلْتُ الْحَارِثَ بْنَ حَصِيْرَةَ لَقِيْتَهُ ؟ قَالَ نَعَمْ شَيْخٌ طَوِيْلُ السُّكُوْتِ يُصِرُّ عَلٰى اَمْرٍ عَظِيْمٍ ۔

ابوغسان کہتے ہیں کہ میں نے جریر سے دریافت کیا کہ آپ کی حارث سے ملاقات ہوئی ہے، انہوں نے کہا: جی ہاں! وہ خاموش طبع بوڑھا تھا، جو سنگین بات پر اصرار کرتا تھا (یعنی رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا)۔

تشریح

''شیخ'' یعنی بوڑھا شخص تھا ''طویل السکوت'' یعنی بہت خاموش طبع تھا ''یصر'' یعنی ایک عظیم جرم پر شدید اصرار کررہا تھا اور وہ عقیدۂ رجعت تھا۔ ''حارث بن حصیرۃ'' یہ کوفی ہے پہلے اچھا راوی تھا پھر جابر جعفی کے عقیدے والا بن گیا کیونکہ یہ اس کا شاگرد تھا تو جب تک اچھا تھا اس وقت تک محدثین نے اس کی روایات لی ہیں، بخاری نے ادب المفرد میں اس سے روایت لی ہے، نسائی نے لی ہے۔ جب خراب ہوگیا تو چھوڑ دیا یہ ضعیف راوی ہے تفضیلی شیعہ ہے۔ تفضیلی اور غالی دو قسم کے شیعہ ہیں: اول قسم وہ ہیں جو حضرت علی کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں باقی صحابہ کی توہین نہیں کرتے ہیں اور کٹر غالی شیعہ وہ ہیں جو مسئلہ خلافت میں حضرت علی کو شیخین پر مقدم سمجھتے ہیں اور تمام صحابہ کی توہین کرتے ہیں حارث بن حصیرہ پہلے تفضیلی تھا پھر غالی کٹر رافضی بن گیا۔

۱۶۔ دونا معلوم راوی مجروح ایوب سختیانی جارح

۶۰۔ **حَدَّثَنِيْ** اَحْمَدُبْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِبْنِ زَيْدٍ قَالَ وَذَكَرَاَيُّوْبُ رَجُلًا يَوْمًا فَقَالَ لَمْ يَكُنْ بِمُسْتَقِيْمِ اللِّسَانِ وَذَكَرَ آخَرَفَقَالَ هُوَيَزِيْدُ فِي الرَّقْمِ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے ایک دن ایک شخص کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ وہ درست زبان نہیں تھا اور ایک دوسرے شخص کا تذکرہ کیا تو فرمایا وہ قیمت بڑھایا کرتا تھا (یعنی دونوں شخص حدیث شریف کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تھے)۔

تشریح

’’دورقی‘‘ یہ دورق کی طرف منسوب ہے جو عابد کے معنی میں ہے ای عابدناسك یا دورق بڑی ٹوپی کج کلاہی کو کہتے ہیں بوجہ استعمال اس کی طرف منسوب ہے، تیسرا قول یہ کہ دورق فارس میں ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہے۔ ’’یزیدفی الرقم‘‘ کسی چیز پر مثلاً قیمت لکھی ہوئی ہوتی ہے اس نمبر اور نشان کو رقم کہتے ہیں ’’رقم میں اضافہ کرتے تھے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ چیزوں پر لکھی ہوئی قیمت میں اضافہ کرتے تھے گاہکوں کو دھوکا دیتے تھے زائد قیمت وصول کرتے تھے پھر بطور مجاز یہ لفظ حدیثوں میں اپنی طرف سے اضافہ والحاق کرنے اور شاگردوں کو دھوکا دیکر اپنی موضوعات کو چلانے پر بولا گیا۔

”قال ابن الاثیر ثم استعمله المحدثون فیمن یکذب ویزید فی حدیثه“۔ (نہایہ ابن اثیر)

بہرحال ایوب سختیانی نے ایک مجروح راوی کو غیر مستقیم اللسان کہا یعنی کذاب جھوٹا تھا اور دوسرے کو دھوکہ باز کہہ کر تنقید کا نشانہ بنایا۔

۱۶۔ نامعلوم پڑوسی مجروح ایوب سختیانی جارح

۶۱۔ حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ قَالَ أَيُّوبُ إِنَّ لِي جَارًا ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ فَضْلِهِ وَلَوْ شَهِدَ عِنْدِي عَلَى تَمْرَتَيْنِ مَا رَأَيْتُ شَهَادَتَهُ جَائِزَةً۔

ایوب سختیانی نے فرمایا کہ میرا ایک پڑوسی ہے پھر ایوب نے اس کے فضائل بیان کئے۔ لیکن اگر وہ میرے سامنے دو کھجوروں کے بارے میں گواہی دے تو بھی میں اس کی گواہی کو معتبر نہیں سمجھوں گا (یعنی دنیا کی اتنی معمولی چیز کے بارے میں بھی میں اس کا اعتبار نہیں کروں گا پھر حدیث شریف جیسے اہم معاملہ میں جو خالص دینی معاملہ ہے میں اس کا کیونکر اعتبار کرسکتا ہوں)۔

۱۷۔ ابواُمیہ عبدالکریم بصری مجروح ایوب سختیانی جارح

۶۲۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ قَالَ مَعْمَرٌ مَا رَأَيْتُ أَيُّوبَ اغْتَابَ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا عَبْدَ الْكَرِيمِ يَعْنِي أَبَا أُمَيَّةَ فَإِنَّهُ ذَكَرَهُ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ لَقَدْ سَأَلَنِي عَنْ حَدِيثٍ لِعِكْرِمَةَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ۔

معمر کہتے ہیں کہ میں نے ایوب سختیانی کو کبھی کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سُنا، سوائے عبدالکریم کے، جس کی کنیت ابواُمیہ ہے، ایوب نے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اللہ اس کے حال پر رحم کرے وہ ثقہ (معتبر) نہیں ہے، اس نے مجھ سے حضرت عکرمہ کی ایک حدیث پوچھی ہے (یعنی پڑھی ہے) مگر جب بیان کرتا ہے تو سمعتُ عِکرمۃ کہتا ہے۔

تشریح

''مااغتاب احداً'' راوی کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کبھی بھی کسی کی غیبت نہیں کیا کرتے تھے ہاں صرف عبدالکریم کی غیبت کرتے تھے۔''سمعت عکرمۃ'' یعنی پہلے مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ نے عکرمہ سے کوئی حدیث سنی ہو تو مجھے بتادو پھر اس کے بعد خود عکرمہ سے سماعت والی حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں۔''عبدالکریم'' علامہ نووی نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ اتنی سی بات پر کسی کو کذاب نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ راوی پہلے بھول چکا ہو اور پھر یاد آ گیا تو براہِ راست نقل کردیا، ہاں خارجی قرائن کی وجہ سے محدثین بعض راویوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ بہرحال سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان، احمد بن حنبل جیسے اصحاب جرح وتعدیل نے عبدالکریم کو ضعیف قرار دیا ہے۔عبدالکریم فقہاء بصرہ کے بڑے فضلاء میں سے تھے(نووی) عبدالکریم ۱۲۶ھ میں وفات پاگئے ہیں۔

۱۸۔ابوداؤداعمیٰ مجروح شیخ قتادہ جارح

۶۳۔ **حَدَّثَنِي** الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَاهَمَّامٌ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا اَبُوْدَاوُدَ الْاَعْمٰى فَجَعَلَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَاالْبَرَاءُ قَالَ وَحَدَّثَنَازَيْدُبْنُ اَرْقَمَ فَذَكَرْنَاذٰلِكَ لِقَتَادَةَ فَقَالَ كَذَبَ مَاسَمِعَ مِنْهُمْ اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ سَائِلًا يَتَكَفَّفُ النَّاسَ زَمَنَ طَاعُوْنِ الْجَارِفِ ۔

ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں ابوداوداعمیٰ آیا، پس اس نے کہنا شروع کیا حدثنا البراء...... حدثنا زید بن ارقم (یعنی اپنے آپ کو ان صحابہ کا شاگرد بتا کر ان کی سند سے روایتیں بیان کرنے لگا) پس ہم نے اس کا حضرت قتادہ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا اس نے ان حضرات سے حدیث نہیں سُنی ہے وہ تو طاعون جارف (جھاڑو پھیرو) کے زمانہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

تشریح

''ابوداؤدالاعمیٰ'' ابوداؤداعمیٰ القاص الکوفی نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے اس کا نام نفیع بن الحارث ہے۔''یتکفف'' یہ کف سے بنا ہے ہتھیلی کو کہتے ہیں یعنی یہ پہلے ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا اب محدث بن گیا یہ تو عجیب بات ہے! ابوداؤد کے ضعیف ہونے پر علماء متفق ہیں عمرو بن علی نے اس کو متروک قرار دیا ہے یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ نے اس کو لیس بشئ کہدیا ہے ابوحاتم نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

طاعون جارف کا بیان اور مصداق

''زمن طاعون الجارف'' لفظ طاعون طعن سے بنا ہے اور طعن حقیقت میں نیزہ مارنے کو کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنّات آدمی

کے جسم میں خفیہ طور پر نیزہ مارتے ہیں جس کے نتیجہ میں طاعون کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ طاعون سے مرنے والے کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ طاعون کیا چیز ہے؟ تو یہ ایک تباہ کن وبائی مرض ہے جو جسم کے حساس مقامات میں پھوڑوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ان پھوڑوں کے اردگرد سیاہ حلقے بن جاتے ہیں کبھی سرخ اور کبھی سبز حلقے لگ جاتے ہیں انتہائی درد ہوتا ہے جلن ہوتی ہے اور ورم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خفقان قلب پیدا ہوتا ہے اور قے شروع ہو جاتی ہے یہ ایسا وبائی مرض ہے کہ جس علاقے میں پھیل جاتا ہے وہاں سینکڑوں ہزاروں ہلاکتیں ہو جاتی ہیں اسی مناسبت سے اس کو جارف کہتے ہیں جــــرف نصر ینصر سے کٹنے، گرنے، کاٹنے، ختم ہونے، پھینکنے اور جھاڑو پھیرنے کو کہتے ہیں قرآن میں ہے: ﴿علی جرف ھار فانھارفی نار جھنم﴾۔

طاعون جارف کا معنی یہ ہوا کہ ایسا طاعون جس نے لوگوں کا صفایا کر دیا، جھاڑو پھر دیا، اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ طاعون جارف کا مصداق کیا ہے جس میں لوگوں کا صفایا ہو گیا، چنانچہ شارحین حدیث علامہ نووی وغیرہ نے لکھا ہے کہ طواعین پانچ گذرے ہیں تو لیجئے تفصیل یہ ہے:

طواعین کی اقسام اور طاعون جارف کا مصداق

اسلام کی پہلی صدی میں اس قسم کی وبائی بیماریاں بہت آئی ہیں لیکن شیخ قتادہؒ کی پیدائش چونکہ ۶۱ھ میں ہوئی ہے لہٰذا انہوں نے جس طاعون کا ذکر یہاں طاعونِ جارف کے نام سے کیا ہے وہ یقیناً ۶۱ھ کے بعد کوئی طاعون ہے۔ چنانچہ مشہور طواعین پانچ گذرے ہیں اور سب دورِ اسلام میں آئے ہیں۔

۱۔ طاعون شیرویہ

یہ طاعون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ۶ھ میں فارس کے شہر مدائن میں واقع ہوا تھا۔

۲۔ طاعون عمواس

یہ طاعون ۱۸ھ میں ملک شام کے علاقہ عمواس میں واقع ہوا تھا عمواس ایک بستی کا نام ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے اسی مناسبت سے اس کو طاعون عمواس کہتے ہیں کیونکہ یہ اسی بستی سے شروع ہوا اور پھر عام ہو گیا اس طاعون میں تقریباً پچیس ہزار آدمی لقمۂ اجل بن گئے تھے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ دونوں اسی طاعون میں شہید ہو گئے تھے۔

۳۔ طاعون جارف

طاعون جارف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں ۶۷ھ میں واقع ہوا تھا یہ انتہائی خطرناک اور تباہ کن طاعون تھا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ تین دن تک اس کی کیفیت ایسی تھی کہ روزانہ ستر ہزار آدمی مر جاتے تھے گویا صرف تین دن میں دو لاکھ دس ہزار

آدمی لقمۂ اجل بن گئے اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے ۳۷ یا ۸۳ لڑکے فوت ہو گئے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے چالیس لڑکے فوت ہو گئے تھے اسی کو طاعون جارف کہتے ہیں غالب گمان یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ نے طاعون جارف سے یہی طاعون مراد لیا ہے جو ۶۷ھ میں واقع ہوا ہے حضرت قتادہؒ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے ہیں تو اس طاعون کے وقت ان کی عمر چھ سال ہوگی اور چھ سال کا بچہ اگر ذہین ہو تو وہ پورا نقشہ محفوظ کر سکتا ہے عرب لڑکے تو بڑے ذہین ہوتے ہیں چھ سال کی عمر میں وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں پھر حضرت قتادہ تو اتنے ذہین تھے کہ ان کو کمپیوٹر کہنا بے جا نہ ہوگا ایک دفعہ ایک پیالہ کوئی بھیک مانگنے والا چرا کر لے گیا قتادہ چونکہ نابینا تھے تو اس نے اس بھکاری کی آواز محفوظ کر لی تھی دس سال کے بعد جب اس بھیک مانگنے والے کی آواز سُن لی تو کہنے لگے کہ پیالہ چُرا کر لے جانے والا یہی شخص ہے چنانچہ اس نے چوری کا اقرار کر لیا، ایک بہت بڑے عالم نے مجھے قتادہ کا قصہ سنایا کہ جب یہ پیدا ہو گئے تو پیدائش کے وقت انہوں نے کسی چیز کے گرنے سے ''ٹن'' کی آواز سنی جب بڑے ہو گئے تو اپنی ماں سے پوچھا کہ میری پیدائش کے وقت وہ ''ٹن'' کی آواز کس چیز کی تھی تو والدہ نے کہا کہ بیٹے وہ اوپر سے پلیٹ گر کر نیچے فرش پر لگی تو ''ٹن'' کی آواز آئی، ایسا ذہین بچہ چھ سال کی عمر میں ضبط احوال کر سکتا ہے لہٰذا طاعون جارف سے یہی ۶۷ھ والا طاعون مراد ہے۔ یہ قول علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن قتیبہ وغیرہ کا ہے بندہ راقم کو بھی یہ پسند ہے۔

دوسرا قول علامہ عبدالغنی مقدسی اور علامہ نووی کا ہے ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ طاعون جارف کا مصداق ۸۷ھ میں واقع ہونے والا طاعون ''فتیات'' ہے جس کا ذکر ابھی آنے والا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں ''وھو الاظھر انشاء الله'' بہر حال طاعون جارف کا مفہوم سب طاعونوں میں پایا جاتا ہے لہٰذا قتادہ کی زندگی کا کوئی بھی طاعون ''جارف'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

حضرت قتادہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ طاعون جارف کے زمانہ تک تو ابوداؤد اعمٰی گلیوں میں گھوم گھوم کر بھیک مانگا کرتا تھا اس کی حیثیت محض ایک گداگر کی تھی پھر اچانک یہ محدث کیسے بنا جو حدثنا فلان و حدثنا فلان کہتا پھرتا ہے؟۔

۴۔ طاعون فتیات

یہ طاعون ۸۷ھ میں عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں بصرہ کوفہ اور شام میں واقع ہوا تھا اس کو طاعون فتیات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ فتیات فتیة کی جمع ہے نوجوان لڑکی کو کہتے ہیں چونکہ اس طاعون میں زیادہ تر نوجوان لڑکیاں نشانہ بنی تھیں اس لئے اس کو طاعون فتیات کہا گیا نیز اس میں اشراف لوگ مارے گئے تھے اس لئے اس کو طاعون اشراف بھی کہتے ہیں۔

علامہ نووی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ جس طاعون جارف کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ یہی طاعون فتیات ہے۔

۵۔ طاعون مسلم بن قتیبه

یہ طاعون رجب ۱۳۱ھ میں واقع ہوا اور مسلسل تین چار ماہ تک رہا روزانہ ایک ایک ہزار جنازے اٹھتے تھے اس طاعون میں

ایوب سختیانی رحمہ اللہ اور دیگر بڑے بڑے شیوخ فوت ہو گئے تھے۔ الغرض مختلف طواعین کا واقع ہونا تاریخ سے ثابت ہے یہ پانچ بڑے اور مشہور ہیں اس لئے ان کا ز ور وشور ہے۔

٦٤ـ **وحَدَّثَنِي** حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ قَالَ دَخَلَ أَبُو دَاوُدَ الْأَعْمَى عَلَى قَتَادَةَ فَلَمَّا قَامَ قَالُوا إِنَّ هَذَا يَزْعَمُ أَنَّهُ لَقِيَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ بَدْرِيًّا فَقَالَ قَتَادَةُ هَذَا كَانَ سَائِلًا قَبْلَ الْجَارِفِ لَا يَعْرِضُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِ فَوَاللَّهِ مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً وَلَا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً إِلَّا عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ ۔

ہمام کہتے ہیں کہ ابوداود اعمی حضرت قتادہ کے پاس آیا، پھر جب وہ اُٹھ کر چلا گیا تو طلبہ نے کہا یہ شخص گمان کرتا ہے کہ اس نے اٹھا رہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے، پس حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یہ تو طاعون جارف سے پہلے بھیک مانگا کرتا تھا، فن حدیث سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تھا، اور نہ اس فن میں کوئی گفتگو کرتا تھا، پس خدا کی قسم! نہ تو حضرت حسن بصری نے ہمیں کوئی حدیث بذات خود کسی بدری صحابی سے سن کر بیان کی اور نہ حضرت سعید نے ہمیں کوئی حدیث بذات خود کسی بدری صحابی سے سُن کر بیان کی، سوائے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے۔

تشریح

''عن بدری مشافھۃ'' حضرت قتادہؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسن بصری اور حضرت سعید بن المسیب دونوں عمر میں بھی اور علم وکمال میں بھی ابوداؤد اعمیٰ سے بہت بڑے ہیں ان حضرات کی تو کسی بدری صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ بدری صحابہ سے کوئی روایت کرتے ہیں البتہ حضرت سعید بن المسیب کی صرف حضرت سعد بن ابی وقاص بدری صحابی سے ملاقات ہوئی ہے پھر یہ اعمیٰ، دل کا اندھا اور گلیوں میں گھوم پھر کر بھیک مانگنے والا گدا گر کیسے کہتا ہے کہ اٹھارہ بدری صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے معلوم ہوا کہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ ''من ھذا'' یعنی فن حدیث میں کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا اور نہ اس میں گفتگو کرتا تھا۔

۱۹۔ابو جعفر ہاشمی مجروح　　　رَقبہ بن مَسقلہ جارح

٦٥ـ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ رَقَبَةَ أَنَّ أَبَا جَعْفَرٍ الْهَاشِمِيَّ الْمَدَنِيَّ كَانَ يَضَعُ أَحَادِيثَ كَلَامَ حَقٍّ وَلَيْسَتْ مِنْ أَحَادِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَرْوِيهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رقبۃ بن مَسقلہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر ہاشمی مدنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا یعنی صحیح باتوں کو حدیث بنا کر بیان کیا کرتا تھا، حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں ہوتے تھے (مگر) وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتا تھا۔

تشریح

''المدنی'' ابوجعفر ہاشمی وہی عبداللہ بن مسور مدائنی ہے جسکا تذکرہ مسلم شریف کے ابتدائی صفحات میں ہوگیا ہے وہاں ان کے نام کے ساتھ مدائنی لفظ لگا ہوا ہے اور یہاں مدنی لگا ہے تو ان الفاظ میں فرق یہ ہے کہ مدائنی تو مدائن کی طرف منسوب ہے البتہ مدنی مدینہ منورہ کی طرف منسوب ہے اس کے علاوہ جس مدینہ کی طرف جومنسوب ہوتا ہے اس کے ساتھ مدینی لگا دیا جاتا ہے تاکہ مدینۃ الرسول کی نسبت میں التباس نہ آئے لیکن علامہ نووی نے امام بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جو شخص پہلے مدینہ منورہ میں رہتا تھا اور پھر اس کو چھوڑ کر چلا گیا تو وہ مدنی کہلاتا ہے اور جو مدینہ ہی میں رہتا ہے اس کی نسبت کے ساتھ مدینی لکھا جاتا ہے۔ بہر حال یہ عجیب فرق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے ہم نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مدائن کی طرف نسبت مدائنی ہے اور مدینہ منصور وغیرہ کی طرف نسبت مدینی ہے اور مدینۃ الرسول کی طرف نسب مدنی ہے۔ یاد رہے مدائن فارس الگ ہے اور مدائن منصور الگ ہے جس کو منصور بادشاہ بنایا نے تھا اور ایک مدینۃ الرسول ہے یہ نسبتیں اسی لحاظ سے ہے۔ واللہ اعلم

''کلام حق'' یہ لفظ منصوب ہے جو ''احادیث'' مفعول بہ سے بدل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اچھا، بامطلب اور صحیح کلام ہوتا تھا اور حکمت پر مبنی ہوتا تھا لیکن وہ آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں ہوتی تھی اور ابوجعفر اس کو حدیث نبوی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا تو یہ جھوٹا کذاب تھا۔

۲۰۔ عمرو بن عبید مجروح یونس بن عبید جارح

٦٦۔ **حَدَّثَنَا** الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ أَبُوْإِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِبْنِ سُفْيَانَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ كَانَ عَمْرُوبْنُ عُبَيْدٍ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ ۔

(امام مسلم فرماتے ہیں کہ) ہم سے حسن حلوانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نُعیم نے بیان کیا (دوسری سند امام مسلمؒ کے تلمیذ اور صحیح مسلم کے راوی) ابواسحٰق کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یحییٰ ذہلی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نُعیم نے بیان کیا۔ نعیم کہتے ہیں کہ ہمیں طیالسی نے بیان کیا، وہ شعبہ سے وہ یونس سے روایت کرتے ہیں یونس کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید حدیثیں روایت کرنے میں جھوٹ بولا کرتا تھا۔

تشریح

''قال ابواسحاق'' امام مسلم کے شاگرد اور مسلم شریف کے راوی کا نام ابواسحاق ابراہیم بن محمد ہے یہاں امام مسلم نے

جوسند بیان کی ہے اس میں ان کے استاد محمد بن یحیی ذہلی کا نام آرہا تھا امام مسلم ان کے حوالہ سے کسی روایت کو بیان کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ امام بخاری اور محمد بن یحییٰ ذہلی کے درمیان خلقِ قرآن کا مسئلہ جب متنازع بن گیا تو امام مسلم نے ان سے تعلق توڑ دیا اوران کی ساری مرویات ان کو واپس کردیں، یہاں محمد بن یحییٰ کا نام آرہا تھا تو امام مسلم نے اپنے شاگرد ابواسحاق کے حوالہ سے یہ روایت نقل کردی اس نے محمد بن یحیی ذہلی کا نام لیا اورامام مسلم نے اپنے آپ کو بچالیا عجیب کمال ہے! یہاں یہ کمال بھی دیکھو کہ امام مسلم کے شاگرد ابواسحاق امام مسلم کے ساتھ مساوی بن گئے اوران کے استاد شریک بھائی بن گئے دونوں کے استاد محمد بن یحیی ذہلی ہوگئے۔ ''عمرو بن عبید ''ابوعثمان عمرو بن عبید بصری متوفی ۱۴۳ھ مشہور معتزلی تھا حسن بصری کے مشہور شاگردوں میں سے تھا بڑا زاھد تھا مگر واصل بن عطاء کی تحریک سے معتزلی بن گیا بلکہ داعی الی الاعتزال بن گیا، زاہد ہونے کے باوجود حدیث میں ضعیف تھا بلکہ ان پر کذب بیانی کا الزام بھی ہے تو معاملہ سنگین ہے امام مسلم رحمہ اللہ نے مسلسل چھ روایات میں عمرو بن عبید پر تنقید کو نقل کیا ہے یہاں جارح یونس ہے۔

۶۷۔**حَدَّثَنِي** عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ اَبُوْحَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَ بْنَ مُعَاذٍ يَقُوْلُ قُلْتُ لِعَوْفِ بْنِ اَبِي جَمِيْلَةَ اِنَّ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا قَالَ كَذَبَ، وَاللّٰهِ ! عَمْرٌو وَلٰكِنَّهٗ اَرَادَ اَنْ يَّحُوْزَهَا اِلٰى قَوْلِهِ الْخَبِيْثِ ۔

معاذ عنبری نے عوف بن ابی جمیلہ سے (جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں اوران کی تمام حدیثوں سے واقف ہیں) کہا کہ عمرو بن عبید نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ عوف نے کہا کہ بخدا عمرو نے جھوٹ کہا البتہ وہ چاہتا ہے کہ اس حدیث کو اپنے گندے عقیدے کے ساتھ جمع کرے۔

تشریح

''من حمل علینا السلاح'' یہ حدیث امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کیا ہے حدیث صحیح ہے لیکن عمرو بن عبید ہے چونکہ قدری معتزلی ہے اس لئے وہ اس حدیث سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنا چاہتا ہے کیونکہ معتزلہ وخوارج کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا، اہل سنت فرماتے ہیں کہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نجات پائیگا۔ مزید بحث کتاب الایمان میں انشاء اللہ آئے گی۔ یہاں جرح کرنے والے عوف بن ابی جمیلہ ہیں، انہوں نے عمرو بن عبید کو تین وجوہ سے جھوٹا کہا ہے ایک تو یہ کہ عمرو بن عبید نے حسن بصری سے احادیث کا درس نہیں لیا ہے دوسرا یہ کہ اگر یہ حدیث حسن بصری کی مسندات سے ہوتی تو حسن بصری کے خصوصی شاگرد اوران کے علوم کے امین عوف بن ابی جمیلہ کو اس کا پتہ ہوتا جب ان کو پتہ

نہیں تو عمرو بن عبید کو کیا پتہ چلا؟ معلوم ہوا جھوٹا ہے۔تیسرا یہ کہ عمرو بن عبید اس حدیث کا مفہوم غلط بیان کرتا ہے اور اپنے خاص عقیدہ کے لئے حدیث میں تحریف کرتا ہے لہٰذا خطا کار اور جھوٹا گناہ گار ہے۔''یحوزھا'' حوز جمع کرنے اور تائید حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔آنے والی روایت نمبر ۶۸ میں عمرو بن عبید پر جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہیں اس میں نفرق کا لفظ ہے جو سمع یسمع سے ہے ڈرنے کے معنی میں ہے اس کے بعد روایت نمبر ۶۹ ہے اس میں بھی جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہے، اس کے بعد روایت نمبر ۷۰ میں بھی جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہے اس کے بعد روایت نمبر ۷۱ میں عمرو بن عبید پر جرح کرنے والے ابوموسیٰ ہیں تو تین روایات میں ایوب سختیانی نے جرح کی ہے ایک میں یونس نے، ایک میں عوف بن ابی جمیلہ نے اور ایک میں ابوموسیٰ نے جرح کی ہے۔

۶۸۔**وحدثنا** عُبَيْدُاللهِ بْنُ عُمَرَالْقَوَارِيرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ قَدْلَزِمَ أَيُّوبَ وَ سَمِعَ مِنْهُ فَفَقَدَهُ أَيُّوبُ فَقَالُوالَهُ يَاابَابَكْرٍ ! إِنَّهُ قَدْلَزِمَ عَمْرَوبْنَ عُبَيْدٍ قَالَ حَمَّادٌ فَبَيْنَاانَايَوْمًا مَعَ أَيُّوبَ وَقَدْبَكَّرْنَا إِلَى السُّوقِ فَاسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ أَيُّوبُ وَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَيُّوبُ بَلَغَنِي انَّكَ لَزِمْتَ ذَاكَ الرَّجُلَ قَالَ حَمَّادٌ سَمَّاهُ يَعْنِي عَمْرًوا ؟قَالَ نَعَمْ يَاابَابَكْرٍ! إِنَّهُ يَجِيئُنَا بِاَشْيَاءَ غَرَائِبَ قَالَ يَقُولُ لَهُ أَيُّوبُ إِنَّمَا نَفِرُّ اَوْ نَفْرَقُ مِنْ تِلْكَ الْغَرَائِبِ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایک شخص ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا خاص شاگرد تھا اور اس نے حضرت ایوب سے حدیثیں بھی سنی تھیں، ایک دن ایوب نے اس کو غائب پایا تو (اس کے بارے میں طلبہ سے دریافت کیا) طلبہ نے عرض کیا کہ ''ابوبکر! وہ تو عمرو بن عبید کے پاس رہنے لگا ہے۔حماد کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ایوب کے ساتھ تھا اور ہم سویرے بازار جا رہے تھے کہ وہ شخص حضرت ایوب کے سامنے آ گیا، ایوب نے اس کو سلام کیا اور خیر خیریت پوچھی، پھر اس سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ رہنے لگے ہو؟ حماد کہتے ہیں کہ ایوب نے اس شخص کا نام لیا تھا یعنی عمرو بن عبید، اس شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں، اے ابوبکر! وہ ہم سے عجیب چیزیں بیان کرتا ہے (یعنی نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب حدیثیں روایت کرتا ہے) حماد کہتے ہیں کہ اس شخص سے ایوب نے کہا کہ: ہم ایسی عجیب وغریب حدیثوں سے دور بھاگتے ہیں یا یہ فرمایا کہ ڈرتے ہیں۔

۶۹۔ **وحدثنی** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِقَالَ حَدَّثَنَاسُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَاابْنُ زَيْدٍ يَعْنِي حَمَّادًا قَالَ قِيلَ لِاَيُّوبَ اِنَّ عَمْرَوبْنَ عُبَيْدٍرَوٰى عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَا يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ فَقَالَ كَذَبَ اَنَا سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عمرو بن عبید حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ روایت کرتا ہے کہ جو شخص نبیذ پی کر مست ہو جائے اس کو حد نہ لگائی جائیگی (یہ بات صحیح ہے کیا) ایوب نے کہا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے،

میں نے خود حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ''جس کو نبیذ پینے سے نشہ آجائے اس کو حد لگائی جائے گی۔''

۷۰۔ **وَحَدَّثَنِی** حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَاسُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَّامَ بْنَ اَبِی مُطِیعٍ یَقُوْلُ بَلَغَ اَیُّوبَ اَنِّی آتِی عَمْرًوا فَاَقْبَلَ عَلَیَّ یَوْمًافَقَالَ اَرَاَیْتَ رَجُلًا لَاتَأْمَنُهُ عَلٰی دِیْنِهٖ کَیْفَ تَأْمَنُهُ عَلَی الْحَدِیْثِ ؟۔

سلام کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کو یہ خبر پہنچی کہ میں عمرو بن عبید کے پاس جایا کرتا ہوں تو ایک دن میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ: بتاؤ! جس شخص کے دین سے تم مطمئن نہیں ہو اس کی حدیثوں پر کیسے اطمینان کر لیتے ہو؟ (یعنی تم عمرو کے مذہبِ اعتزال کو جب غلط سمجھتے ہو پھر اس بددین سے حدیثیں کیوں لیتے ہو؟)۔

۷۱۔ **وَحَدَّثَنِی** سَلَمَةُ بْنُ شَبِیْبٍ قَالَ حَدَّثَنَاالْحُمَیْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَاسُفْیَانُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَامُوْسٰی یَقُوْلُ حَدَّثَنَاعَمْرُوبْنُ عُبَیْدٍ قَبْلَ اَنْ یُّحْدِثَ ۔

ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید نے ہمیں نئی بات (اعتزال) نکالنے سے پہلے حدیث بیان کی۔

۲۱۔ قاضی واسط ابوشیبہ مجروح　　　امام شعبہ جارح

۷۲۔ **حَدَّثَنِی** عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِیُّ قَالَحَدَّثَنَااَبِیْ قَالَ کَتَبْتُ اِلٰی شُعْبَةَ اَسَأَلُهُ عَنْ اَبِیْ شَیْبَةَ قَاضِی وَاسِطٍ فَکَتَبَ اِلَیَّ لَاتَکْتُبْ عَنْهُ شَیْئًا وَمَزِّقْ کِتَابِیْ۔

معاذ عنبری کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو خط لکھا اور ابوشیبہ قاضی واسط کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مجھے جواب لکھا کہ اس سے کوئی حدیث نہ لکھو (یعنی اس کے پاس حدیث پڑھنے نہ جاؤ) اور میرا خط پھاڑ دو۔ (کیونکہ خدانخواستہ میری تحریر قاضی صاحب کے ہاتھ لگ گئی تو وہ میرے درپے آزار ہوں گے)۔

تشریح

''ابی شیبہ'' ابوشیبہ کا نام ابراہیم بن عثمان ہے کوفی متوفی ۱۶۹ھ یہ قاضی واسط تھے مشہور محدث ابوبکر بن ابی شیبہ، صاحب مصنف ابن ابی شیبہ کے دادا ہیں وہ اپنے اسی دادا کی طرف منسوب ہیں قاضی واسط نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے اگرچہ ابوداؤد، ابن ماجہ کا راوی ہے ''مزق کتابی'' یعنی امام شعبہ نے سائل کے جواب میں کہا کہ قاضی واسط سے حدیث مت لو یہ حدیث کے قابل نہیں ہے اور ساتھ یہ کہدیا کہ میرے اس خط کو پھاڑ کر ضائع کر دو کیونکہ یہ آدمی قاضی ہے اگر اس کو معلوم ہوا تو شاید میرے خلاف کچھ اقدام کرلیگا اس لئے ریکارڈ ختم کردو۔

۲۲۔ صالح مری مجروح　　　حماد بن سلمہ وھمّام جارحین

۷۳۔ **وَحَدَّثَنَا** الْحُلْوَانِیُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ حَدَّثْتُ حَمَّادَبْنَ سَلَمَةَ عَنْ صَالِحِ الْمُرِّیِّ بِحَدِیْثٍ عَنْ ثَابِتٍ

فَقَالَ كَذَبَ وَحَدَّثْتُ هَمَّامًا عَنْ صَالِحِ الْمُرِّيِّ بِحَدِيْثٍ فَقَالَ كَذَبَ ـ

عفان کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ کے سامنے (برائے توثیق) صالح مُرّی کی ثابت سے روایت بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ صالح مری نے جھوٹ کہا (اسی طرح) ہمام سے صالح مُرّی کی ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے بھی فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا۔

تشریح

''فقال كذب'' صالح بن بشیر بصری متوفی ۱۷۳ھ نیک صالح آدمی تھے مگر وعظ کہتے تھے اس لئے روایت حدیث میں ضعیف تھے ابوداؤد اور ترمذی میں ان سے روایتیں نقل کی گئی ہیں یہاں کذب کا مطلب وہی ہے جو پہلے گذرا ہے کہ ان صالحین کی زبان پر بے اختیار جھوٹ جاری ہوجاتا تھا ورنہ یہ انتہائی نیک زاہد بزرگ تھے ان کی آواز بہت اچھی تھی جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر رقت طاری ہوجاتی تھی خوف خدا کا مجموعہ تھے ان کی تلاوت اور اچھی آواز کی وجہ سے بعض لوگ موقع پر مر گئے ہیں۔

''مری'' بنومرہ کی ایک عورت نے اس کو آزاد کیا تھا اس لئے مرّی نسبت عتاقہ ہے۔ (نووی)

۲۳۔ حسن بن عمارہ مجروح امام شعبہ جارح

۷۴۔ وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ قَالَ لِيْ شُعْبَةُ اِئْتِ جَرِيْرَ بْنَ حَازِمٍ فَقُلْ لَهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَرْوِيَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ فَاِنَّهٗ يَكْذِبُ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ قُلْتُ لِشُعْبَةَ وَكَيْفَ ذَاكَ ؟ فَقَالَ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَكَمِ بِاَشْيَاءَ لَمْ اَجِدْ لَهَا اَصْلًا قَالَ قُلْتُ لَهٗ بِاَيِّ شَيْءٍ ؟ قَالَ قُلْتُ لِلْحَكَمِ اَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ ؟ فَقَالَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلَيْهِمْ وَدَفَنَهُمْ قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا تَقُوْلُ فِيْ اَوْلَادِ الزِّنَا ؟ قَالَ يُصَلّٰى عَلَيْهِمْ قُلْتُ مِنْ حَدِيْثِ مَنْ يُرْوٰى ؟ قَالَ يُرْوٰى عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ـ

ابوداود طیالسی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام شعبہ نے کہا کہ تم جریر بن حازم کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ آپ حسن بن عمارہ سے روایت کریں، کیونکہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ابوداود کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ شعبہ نے کہا کہ اس نے ہمیں حَکَم بن عتیبہ سے چند ایسی حدیثیں بیان کی ہیں کہ میں ان کی کوئی اصلیت نہیں پاتا، ابوداود کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس نے کون سی حدیثیں بیان کی ہیں؟ شعبہ نے کہا کہ میں نے حکم سے معلوم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحُد کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی ہے؟ تو حکم نے کہا کہ نہیں پڑھی ہے، اب حسن بن عمارہ حکم عن مقسم عن ابن عباس کی سند سے بیان کرتا ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور ان کو دفن کیا ہے (اگر یہ حدیث حکم کے پاس ہوتی تو وہ اس کے خلاف کیسے کہتے ؟) اسی طرح میں نے حکم سے معلوم کیا ہے کہ آپ ولد الزنا کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی میں نے معلوم کیا کہ یہ کس روایت سے ثابت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے (یعنی ان کا فتوی ہے) اب حسن بن عمارہ کہتا ہے کہ ہمیں حکم نے بیان کیا یحییٰ بن جزار سے روایت کرتے ہوئے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (کہ ولد الزنا کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حالانکہ یہ حسن بصری کا فتوی ہے حضرت علی کا فتوی نہیں ہے)۔

تشریح

''فانه یکذب'' حسن بن عمارہ بجلی کوفی متوفی ۱۵۳ھ بغداد کے قاضی تھے روایت حدیث میں نہایت ضعیف بلکہ متروک قرار دیئے گئے ہیں مگر تعجب ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی تعلیقات میں ان سے روایت لی ہے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی ان سے روایت لی ہے، زیر بحث روایت میں شعبہ نے ان پر کذب بیانی کا حکم لگایا ہے شعبہ نے اپنے اس دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کی ہیں پہلی دلیل جو زیر بحث روایت میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ شعبہ نے کہا کہ حسن بن عمارہ بے اصل روایات بیان کرتا ہے کیونکہ میں نے ایک دفعہ شیخ حکم سے پوچھا کہ کیا شہداء اُحد پر آنحضرت نے جنازہ کی نماز پڑھی تھی؟ تو شیخ حکم نے کہا کہ نہیں پڑھی تھی لیکن جب حسن بن عمارہ نے حدیث بیان کرنا شروع کی تو کہا کہ مجھے حکم نے بیان کیا، اس نے مقسم کے حوالہ سے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی کہ آنحضرت نے شہداء اُحد پر جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کو دفن کیا حسن بن عمارہ کی طرف سے حکم پر یہ صریح جھوٹ ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم سے پوچھا کہ کیا ولد الزنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں تو اس نے کہا کہ ہاں پڑھی جائے گی میں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حسن بصری سے یہی بات مروی ہے۔ اب یہی بات حسن بن عمارہ حکم کے حوالہ سے حضرت علی سے نقل کرتے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے کیونکہ حکم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے کہ حضرت علی نے ایسا کہا ہے بلکہ یہ حسن بصری کا فتوی ہے حضرت علی کا فتوی نہیں ہے اس پورے کلام میں یہ احتمال ہے کہ حسن بن عمارہ نے علی سے بھی سنا ہو مگر محدثین کے نزدیک خارجی قرآن سے استدلال کیا جاتا ہے اور حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹا ہے۔

۲۴۔ زیاد بن میمون مجروح	یزید بن ھارون جارح
۲۵۔ خالد بن محدوج مجروح	یزید بن ھارون جارح

۷۵۔ وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ وَذَكَرَ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَقَالَ حَلَفْتُ أَلَّا أَرْوِيَ عَنْهُ

شَيْئًا وَلَاعَنْ خَالِدِ بْنِ مَحْدُوجٍ وَقَالَ لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ حَدِيثٍ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ بَكْرٍ الْمُزَنِيِّ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ مُوَرِّقٍ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنِ الْحَسَنِ وَكَانَ يَنْسُبُهُمَا إِلَى الْكَذِبِ، قَالَ الْحُلْوَانِيُّ سَمِعْتُ عَبْدَالصَّمَدِ وَذَكَرْتُ عِنْدَهُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَنَسَبَهُ إِلَى الْكَذِبِ۔

یزید بن ہارون نے زیاد بن میمون کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ: میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے کوئی روایت نہیں کروں گا اور نہ خالد بن محدوج سے (کوئی روایت کروں گا) اور یزید نے کہا کہ میری زیاد سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے ایک حدیث پوچھی، پس اس نے وہ حدیث بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کر کے مجھ سے بیان کی پھر میں دوبارہ اس سے ملا تو اس نے وہ حدیث مورِّق بن مُشَمْرِج بن عبداللہ ابوالمعتمری عجلی بصری سے روایت کر کے بیان کی، پھر میں تیسری مرتبہ اس سے ملا تو وہی حدیث اس نے حسن بصری سے روایت کر کے سنائی۔ (حلوانی کہتے ہیں) اور یزید ان دونوں (زیاد و خالد) کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حسن حلوانی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالصمد بن عبدالوارث عنبری تنوری ابوسہل بصری کے سامنے زیاد بن میمون کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بھی اس کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا۔

تشریح

''زیادہ بن میمون'' یہ ثقفی بصری کذاب راوی ہے احادیث گھڑا کرتا تھا حضرت انس سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی مگران سے روایت گھڑتا تھا آنے والی روایت میں عطارہ والی حدیث اسی کی گھڑی ہوئی ہے حضرت انس سے خالد بن محدوج بھی روایت بیان کرتا ہے یہ بھی نہایت ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے زیادہ بن میمون پر امام مسلم نے جس انداز سے جرح نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک ہی حدیث کبھی کسی سے نقل کرتا ہے تو کبھی کسی اور سے نقل کرتا ہے اور اس میں جھوٹ بولتا ہے اس میں یہ احتمال اگرچہ موجود ہے کہ ایک ہی حدیث سب سے سنی ہو مگر خارجی قرائن سے محدثین معلوم کرتے ہیں اور حکم لگاتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹا کذاب ہے۔ ''سمعت عبدالصمد'' اس روایت میں عبدالصمد نے زیاد بن میمون پر کذب بیانی کا حکم لگا کر جرح کیا ہے۔

۷۶۔ **وَحَدَّثَنَا** مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَدْ أَكْثَرْتَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ فَمَالَكَ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُ حَدِيثَ الْعَطَّارَةِ الَّذِي رَوَى لَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ؟ فَقَالَ لِي اُسْكُتْ فَأَنَا لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ فَسَأَلْنَاهُ فَقُلْنَا لَهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي تَرْوِيهَا عَنْ أَنَسٍ؟ فَقَالَ أَرَأَيْتُمَا رَجُلًا يُذْنِبُ فَيَتُوبُ أَلَيْسَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَاسَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ مِنْ ذَاقَلِيلًا وَلَاكَثِيرًا إِنْ كَانَ لَايَعْلَمُ النَّاسُ فَأَنْتُمَا لَاتَعْلَمَانِ إِنِّي لَمْ أَلْقَ أَنَسًا۔

قَالَ أَبُوْدَاوُدَ فَبَلَغَنَا بَعْدُ أَنَّهُ يَرْوِي فَأَتَيْنَاهُ أَنَا وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقَالَ أَتُوبُ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ يُحَدِّثُ فَتَرَكْنَاهُ۔

محمود ابن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے ابوداود طیالسی سے کہا کہ آپ عباد بن منصور سے بکثرت روایتیں کرتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ آپ نے عطارہ والی روایت جو نضر بن شمیل نے ہم سے بیان کی ہے۔ عباد بن منصور سے نہیں سنی؟ (عطارہ (عطر فروش) حولاء بنت تویت کی روایت زیاد بن میمون حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے، اور زیاد سے عباد بن منصور اور ان سے نضر بن شمیل اور ان سے محمود بن غیلان نے سنی ہے ابوداود طیالسی بھی چونکہ عباد بن منصور کے خاص شاگرد ہیں، اس لئے ابن غیلان نے ان سے دریافت کیا کہ آپ عطارہ والی روایت کیوں بیان نہیں کرتے؟ کیا آپ نے یہ روایت عباد سے نہیں سنی؟) طیالسی نے جواب دیا کہ چُپکارہ! (وہ حدیث قابل روایت نہیں ہے) کیونکہ میں نے اور ابن مہدی نے زیاد سے (جو عباد کا استاذ ہے) ملاقات کی ہے، ہم نے اس سے پوچھا کہ یہ حدیثیں جو آپ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں (کیسی ہیں؟ آپ نے خود حضرت انسؓ سے سنی ہیں؟) تو اس نے جواب دیا کہ آپ دونوں حضرات مجھے بتائیں کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے، پھر توبہ کرے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے؟ طیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ: ہاں! (قبول فرمائیں گے) زیاد نے کہا کہ میں نے ان حدیثوں میں سے کوئی بھی حضرت انسؓ سے نہیں سُنی ہے، نہ تھوڑی نہ زیادہ، اگر دوسرے لوگ یہ بات نہیں جانتے تو کیا آپ حضرات بھی یہ بات نہیں جانتے کہ میری حضرت انس سے ملاقات نہیں ہوئی؟ طیالسی کہتے ہیں کہ پھر ہمیں اطلاع ملی کہ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے، تو میں اور ابن مہدی دوبارہ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں، پھر اس کے بعد بھی وہ حضرت انسؓ سے روایت کیا کرتا تھا، چنانچہ ہم نے اس کو چھوڑ دیا (یعنی اس کو متروک الحدیث قرار دیدیا)۔

تشریح

''حدیث العطارۃ'' یہ ایک صحابیہ عورت ہے اس کا نام حولاء بنت تویت ہے جو عطارہ سے معروف ہے، حدیث العطارہ ایک طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو تفصیل سے علامہ ابن جوزی نے موضوعات ابن جوزی میں نقل کیا ہے، اصابہ اور لسان المیزان میں بھی اختصار کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ عورت حضرت عائشہ کے پاس گئی اور اپنے خاوند کے ساتھ اپنے تعلقات کا تذکرہ کیا اس پر حضور اکرمؐ نے شوہر کے حقوق، ازدواجی تعلقات اور شوہر کے فضائل بیان کیے۔ علامہ نووی نے قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ ایک طویل حدیث ہے جو صحیح نہیں ہے۔

''فانا لقیت زیاد بن میمون وعبدالرحمن بن مهدی'' اس عبارت میں لقیت فعل فاعل ہے اور زیاد اس کا مفعول بہ ہے اور عبدالرحمن مرفوع ہے جس کا عطف لقیت کی ضمیر متصل پر ہے یہ بھی فاعل واقع ہے اور زیاد مفعول بہ ہے، فصل کی صورت میں ضمیر متصل پر عطف جائز ہے (فتأمل)۔

''فانتما لا تعلمان'' یہاں اس عبارت کو سمجھنا ضروری ہے وہ اس طرح کہ یہاں ''لا'' زائدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام

لوگ جاہل ہیں وہ نہیں سمجھتے تم دونوں سمجھتے ہو کہ میں نے انس سے کوئی روایت نہیں لی ہے یا اس عبارت میں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی ''افـانـتـمـا لاتـعـلـمـان؟'' یعنی اگر دوسرے لوگ نہیں سمجھتے ہیں تو کیا تم بھی نہیں سمجھتے ہو؟ تم تو سمجھتے ہو! یہ استفہام تقریری ہے عبارت صاف ہے اور دوسری صورت زیادہ واضح ہے۔

۲۶۔عبدالقدوس شامی مجروح شبابہ بن سوّار جارح

۷۷۔**حدَّثنا** حَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ شَبَابَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُالْقُدُّوسِ يُحدِّثُنَا فيقُولُ سُوَيْدُبْنُ عَقَلَةَ قَالَ شَبَابَةُ وَسَمِعْتُ عَبْدَالْقُدُّوسِ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَّخَذَالرَّوْحُ عَرْضاً قَالَ فَقِيْلَ لَهُ اَیُّ شَيْءٍ هٰذَا ؟ قَالَ يَعْنِيْ يُتَّخَذُ كُوَّةٌ فِي حَائِطٍ لِيَدْخُلَ عَلَيْهِ الرَّوْحُ ۔

شبابہ بن سوار مدائنی کہتے ہیں کہ عبدالقدوس ہم سے حدیث بیان کیا کرتا تھا، تو (سُوید بن غفلہ کی جگہ) سوید بن عقلہ (غین کے بجائے عین مہملہ اور فا کے بجائے قاف کے ساتھ) کہا کرتا تھا۔ شبابہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالقدوس کو (یہ حدیث نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذوا الرّوح غرضا۔ یعنی کسی رُوح (جاندار) کو (نشانہ کی مشق کے وقت) تیروں کا نشانہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: اس حدیث کو اس طرح) بیان کرتے ہوئے سنا کہ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يُتَّخذالرَّوح (بفتح الراء) عرضا (بالعين المهمله، سكون الراء)۔ شبابہ کہتے ہیں کہ عبدالقدوس سے پوچھا گیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ دیوار میں روشندان کھولا جائے، جس سے ہوا آئے (یعنی ہوا کے لئے دیوار میں عرض (چوڑائی) میں روشندان کھولنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اگر کسی کو روشندان کھولنا ہو تو لمبائی میں کھولے۔ استغفر اللہ)

تشریح

عبدالقدوس بن حبیب کلاعی دمشقی شامی کی حدیثوں کے ترک کرنے پر محدثین کا اجماع ہے عبدالقدوس صرف ضعیف نہیں بلکہ مغفل بے عقل بھی تھا کچھ تذکرہ اس کا پہلے بھی ہوا ہے۔ یہاں امام مسلم کا مقصود یہ ہے کہ وہ دنیا کو بتادیں کہ عبدالقدوس تصحیف بھی کرتا تھا، چنانچہ اس نے سوید بن عقلہ کو سوید بن غفلہ پڑھا، یہ تصحیف ہے کہ صورت خطی باقی ہے مگر حرکات اور نقطوں میں غلطی کر گیا یہی تصحیف کی تعریف ہے۔ عبدالقدوس سند اور متن دونوں میں گڑبڑ کرتا تھا مثلاً یہاں سند میں یہ نقصان کیا کہ عقلہ کے بجائے غفلہ بنادیا اور متن میں یہ نقصان کیا کہ رُوح کو رَوح بنادیا اور غَـرَضًا کو عَـرْضًا بنادیا حالانکہ رُوح سے ذی روح حیوان مراد ہے اور رَوح سے ہوا مراد ہے کہاں سے کہاں چلا گیا! پھر غَـرَضًا نشانہ کو کہتے ہیں اور عَـرْضًا چوڑائی کو کہتے ہیں دیکھو کیا سے کیا بنادیا! پھر جب ان سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا تو اس نے ایسا گندہ جواب دیا جس کی

طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا ہے اور ایک جائز کام کو ناجائز بتادیا کہ دیوار میں چوڑائی میں دریچہ بنانا تا کہ اس میں سے ہوا آتی رہے اس کو حضور مکرم نے منع کردیا ہے، استغفر اللہ من غفلۃ المغفلین تو سند و متن اور معنی و مفہوم سب میں ناکارہ تھا نہ معلوم یہ کیسا آدمی تھا؟ عالم تو ایسا نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ محدثین کے ہاں ایک دوسرا عبدالقدوس بھی ہے جو عبدالقدوس بن حجاج شامی خولانی حمصی کہلاتے ہیں وہ ثقہ قابل اعتماد راوی ہیں یہاں وہ مراد نہیں ہیں۔

۲۷۔ مہدی بن ہلال مجروح — حماد بن زید جارح

قَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَالْقَوَارِيرِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ حَمَّادَبْنَ زَيْدٍ يَقُوْلُ لِرَجُلٍ بَعْدَ مَاجَلَسَ مَهْدِيُّ بْنُ هِلَالٍ بِاَيَّامٍ مَاهٰذِهِ الْعَيْنُ الْمَالِحَةُ الَّتِيْ نَبَعَتْ قِبَلَكُمْ ؟ قَالَ نَعَمْ يَااَبَااِسْمَاعِيْلَ ! ۔

حماد بن زید نے مہدی بن ہلال کی تحدیث شروع کرنے کے چند دن بعد ایک شخص سے کہا کہ یہ کیسا نمکین چشمہ ہے جو تمہاری طرف سے اُبلا ہے؟ (یعنی حدیث شریف کی یہ کیسی نئی فیکٹری تمہاری طرف کھلی ہے؟) اس شخص نے (بطور تائید) کہا کہ، جی ہاں: اے ابو اسماعیل! (ابو اسماعیل حضرت حماد کی کنیت ہے)۔

تشریح

''جلس مهدی '' یعنی مہدی بن ہلال جب حدیثیں بیان کرنے کے لئے مسند نشین ہو گئے ''بایام'' یعنی ابھی چند دن ہوئے تھے ''العین المالحۃ '' نمکین چشمہ اور گندے پانی سے مراد من گھڑت روایات ہیں ''ابو اسماعیل '' یہ حماد بن زید کی کنیت ہے اس آدمی نے حماد کے اعتراض کو درست قرار دیا، مہدی بن ہلال بصری متروک راوی ہے یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ گمراہ شخص تھا قدریہ فرقہ سے اس کا تعلق تھا حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

۲۸۔ ابان بن ابی عیاش مجروح — ابوعوانہ جارح

۷۸۔ **وَحَدَّثَنَا** الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَوَانَةَ قَالَ مَا بَلَغَنِيْ عَنِ الْحَسَنِ حَدِيْثٌ اِلَّا اَتَيْتُ بِهٖ اَبَانَ بْنَ اَبِيْ عَيَّاشٍ فَقَرَأَهُ عَلَيَّ ۔

ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی کوئی حدیث ملی تو میں اس کو ابان بن ابی عیاش کے پاس لایا پس ابان نے وہ حدیثیں مجھے سنائیں۔

۷۹۔ **وَحَدَّثَنَا** سُوَيْدُبْنُ سَعِيْدٍقَالَ حَدَّثَنَاعَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍقَالَ سَمِعْتُ اَنَاوَحَمْزَةُ الزَّيَّاتُ مِنْ اَبَانَ بْنِ اَبِيْ عَيَّاشٍ نَحْوًا مِنْ اَلْفِ حَدِيْثٍ ، قَالَ عَلِيٌّ فَلَقِيْتُ حَمْزَةَ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَاسَمِعَ مِنْ اَبَانَ فَمَاعَرَفَ مِنْهَااِلَّاشَيْئًا يَسِيْرًا خَمْسَةً اَوْ سِتَّةً ۔

علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میں نے اور حمزہ زیات نے ابان سے تقریباً ایک ہزار حدیثیں سنیں، علی بن مسہر کہتے ہیں کہ پھر میں حمزہ زیات سے ملا، تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے ابان سے جو حدیثیں سنی تھیں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے صرف چند کو پہچانا، پانچ یا چھ کو۔

تشریح

''قال علی ''یعنی علی بن مسہر نے کہا کہ میں حمزہ زیات سے ملا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور ابان بن ابی عیاش کی حدیثوں کا پوچھا تو آنحضرت نے صرف پانچ یا چھ حدیثوں کا اقرار فرمایا باقی کورد کیا۔ اب اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ خواب کے ذریعہ سے کوئی حدیث نہ ثابت ہوسکتی ہے نہ رد ہوسکتی ہے اگرچہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ نبی کو خواب میں دیکھنا نبی ہی کو دیکھنا ہوتا ہے لہٰذا تصدیق وعدم تصدیق کا اعتبار ہے مگر قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ خواب حجت نہیں ہے بتانے والا بیشک نبی ہے مگر دیکھنے والا تو نبی نہیں ہے اس لئے بہتر جواب یہ ہے کہ محدثین کے ہاں ابان بن ابی عیاش دیگر قرائن کی وجہ سے مخدوش ہے لہٰذا یہ خواب صرف تائید اور اطمینان کے لئے کافی ہے۔ بہر حال ابان بن ابی عیاش بصری متوفی تقریباً ۱۴۰ھ تابعی صغیر ہے اور نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے ابوداؤد میں اس کی حدیث ہے۔

۲۹۔ اسماعیل بن عیاش مجروح ابواسحاق فزاری جارح

۳۰۔ بقیہ بن الولید مجروح ابواسحاق فزاری جارح

۸۰۔ **حَدَّثَنَا** عَبۡدُاللّٰهِ بۡنُ عَبۡدِالرَّحۡمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ اَخۡبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ بۡنُ عَدِيٍّ قَالَ قَالَ لِيۡ اَبُوۡاِسۡحَاقَ الۡفَزَارِيُّ اُكۡتُبۡ عَنۡ بَقِيَّةَ مَارَوٰى عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِيۡنَ وَلَاتَكۡتُبۡ عَنۡهُ مَارَوٰى عَنۡ غَيۡرِالۡمَعۡرُوۡفِيۡنَ وَلَاتَكۡتُبۡ عَنۡ اِسۡمَاعِيۡلَ بۡنِ عَيَّاشٍ مَارَوٰى عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِيۡنَ وَلَاعَنۡ غَيۡرِهِمۡ ۔

ابواسحٰق فزاری نے زکریا سے فرمایا کہ بقیۃ بن الولید کی وہ روایتیں لکھو جو وہ معروف اساتذہ سے کرتے ہیں اور وہ روایتیں نہ لکھو جو وہ غیر معروف اساتذہ سے کرتے ہیں اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی روایت نہ لکھو خواہ وہ معروف اساتذہ سے روایت کریں یا غیر معروف سے۔

تشریح

'' اسماعیل بن عیاش '' ابواسحاق فزاریؒ نے جو تنقید اسماعیل بن عیاش پر کی ہے اصحاب الجرح علماء اور محدثین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے بلکہ صحیح بات وہ ہے جو ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھی ہے کہ ''صدوق فی روایتہ عن اھل بلدہ

وخلط فی غیرھم ''یعنی شامی اساتذہ سے روایت میں ٹھیک ٹھاک ہیں شامیوں کے علاوہ اہل حجاز میں خلط ملط کرتے ہیں۔علامہ نووی نے بھی بہت سارے اقوال نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ اسی طرح ہے۔

۸۱۔ **وَحَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ بَعْضَ اَصْحَابِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ نِعْمَ الرَّجُلُ بَقِيَّةُ لَوْلَاانَّهُ كَانَ يَكْنِي الْاَسَامِيَ وَيُسَمِّي الْكُنٰى كَانَ دَهْرًايُحَدِّثُنَا عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْوُحَاظِيِّ فَنَظَرْنَا فَاِذَاهُوَعَبْدُالْقُدُّوْسِ ۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ بقیہ اچھے آدمی تھے، اگر وہ ناموں کو کنیت سے اور کنیت کو ناموں سے بدلا نہ کرتے، وہ عرصہ تک ہمیں ابوسعید وُحاظی سے حدیثیں سناتے رہے پھر جب ہم نے غور کیا تو وہ عبدالقدوس نکلا۔

تشریح

''ویسمی الکنی'' نام کو کنیت سے اور کنیت کو نام سے تبدیل کرنا ایک قسم کی تدلیس ہے تاکہ راوی کا صحیح تعارف نہ ہو اور ہیر پھیر کا میدان کھلا رہے، یہاں بقیہ پر جرح عبداللہ بن مبارک نے کیا ہے اور کہا ہے کہ بقیہ نام اور کنیت کی تبدیلی کرتے تھے یعنی تدلیس کی ایک قسم میں مبتلا تھے۔

تدلیس کی تین صورتیں مشہور ہیں: ①تدلیس الاسناد ② تدلیس الشیوخ ③تدلیس التسویة

تدلیس الاسناد یہ ہوتی ہے کہ راوی اپنے شیخ کو چھوڑ کر شیخ الشیخ کا حوالہ دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ گویا اس نے ان سے سنا ہے۔

تدلیس الشیوخ یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو غیر معروف کنیت سے یا غیر معروف نام سے ذکر کرے تاکہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں اور انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے مثلاً کنیت اور نام میں جو زیادہ غیر معروف ہو اسی کو ذکر کرے، عبداللہ بن مبارک نے بقیہ پر اسی تدلیس الشیوخ کا الزام لگایا ہے۔

تدلیس التسویة یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو حذف نہ کرے بلکہ حدیث کو عمدہ بنانے کے لئے اوپر کے کسی ضعیف راوی کو حذف کردے اور وہاں ایسا لفظ رکھدے جس میں سماع کا احتمال ہو اور اپنے شیخ سے برابری پیدا ہو جائے۔

بہر حال حدیث معنعن کی بحث میں تدلیس پر ان شاء اللہ کلام آنے والا ہے وہاں تدلیس کی تعریف اور اقسام کا بھرپور بیان ہے جو امام مسلم کی عبارت ممن عرف بالتدلیس و شھر بہ کے تحت آرہا ہے۔

۸۲۔ **وَحَدَّثَنِيْ** اَحْمَدُبْنُ يُوْسُفَ الْاَزْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّزَّاقِ يَقُوْلُ مَا رَأَيْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ يُفْصِحُ بِقَوْلِهٖ كَذَّابٌ اِلَّا لِعَبْدِالْقُدُّوْسِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَهٗ كَذَّابٌ ۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو کبھی کسی شخص کے بارے میں صاف کذّاب (بڑا جھوٹا) کہتے نہیں

سنا، سوائے عبد القدوس کے، پس میں نے ابن المبارک کو عبد القدوس کے بارے میں کذاب کہتے ہوئے سنا ہے۔

۳۰۔ معلیٰ بن عرفان مجروح ابونعیم جارح

۸۳۔ وَحَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِیُّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَانُعَيْمٍ وَذَكَرَ الْمُعَلّٰی بْنَ عِرْفَانَ فَقَالَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْوَائِلٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِصِفِّيْنَ فَقَالَ اَبُوْنُعَيْمٍ اَتُرَاهُ بُعِثَ بَعْدَالْمَوْتِ ؟

ابُونعیم فضل بن دُکین نے معلیٰ بن عرفان کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اس نے کہا: بیان کیا ہم سے ابووائل نے کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، اس پر ابونعیم نے کہا کہ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ مَرے پیچھے زندہ کیے گئے؟۔

تشریح

''مُعلی بن عرفان'' یہ متروک الحدیث راوی ہے منکر الحدیث اور غالی شیعہ تھا اور فنِ تاریخ سے بالکل جاہل آدمی تھا اپنے چچا ابووائل سے روایت کرتا ہے۔ ''بُعث بعدالموت'' حضرت ابن مسعود کا انتقال خلافت عثمانی ۳۲ھ میں ہوا ہے اور جنگ صفین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین ۳۷ھ میں ہوئی ہے اگر جنگ صفین میں حضرت ابن مسعودؓ تشریف لائے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مرنے کے پانچ سال بعد زندہ ہو کر آئے تھے اور یہ صریح غلطی ہے اس جھوٹ کا الزام ابووائل پر نہیں آتا، وہ ثقہ ہے، بلکہ یہ جھوٹ معلیٰ بن عرفان کی گردن پر ہے۔

۳۱۔ نامعلوم راوی مجروح عفان بن مسلم جارح

۸۴۔ حَدَّثَنِی عَمْرُوبْنُ عَلِیٍّ وَحَسَنُ الْحُلْوَانِیُّ كِلَاهُمَا عَنْ عَفَّانَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ كُنَّاعِنْدَاِسْمَاعِيْلَ بْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِثَبْتٍ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِغْتَبْتَهُ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ مَااغْتَابَهُ وَلٰكِنَّهُ حَكَمَ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ ۔

عفان کہتے ہیں کہ ہم ابن علیہ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کسی راوی سے روایت کی، تو میں نے کہا کہ وہ (مروی عنہ) ثبت (مضبوط راوی) نہیں ہے! عفان کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ آپ نے اس (مروی عنہ) کی غیبت کی ابن علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے غیبت نہیں کی، بلکہ حکم لگایا کہ وہ مضبوط راوی نہیں ہے۔

۳۲۔ محمد بن عبدالرحمٰن مجروح امام مالک جارح

۳۳۔ ابوالحویرث مجروح امام مالک جارح

۳۴۔شعبہ قرشی ہاشمی مجروح — امام مالک جارح

۳۵۔صالح مولی التوأمۃ مجروح — امام مالک جارح

۳۶۔حرام بن عثمان مجروح — امام مالک جارح

یحیٰ بن معین اور امام شافعیؒ نے فرمایا ''الروایۃ من حرامٍ حرام'' یہ شخص غالی شیعہ تھا ضعیف ہے اس کا نام حرام بن عثمان انصاری سلمی ہے۔

۳۷۔نامعلوم مجروح — امام مالک جارح

۸۵۔وَحَدَّثَنِی اَبُوجَعُفَرٍ قَالَالدَّارِمِیُّ حَدَّثَنَابِشُرُ بُنُ عُمَرَ قَالَ سَاَلُتُ مَالِكَ بُنَ اَنَسٍ عَنُ مُحَمَّدِ بُنِ عَبُدِالرَّحُمٰنِ الَّذِیُ یَرُوِیُ عَنُ سَعِیُدِ بُنِ الُمُسَیِّبِ ؟فَقَالَ لَیُسَ بِثِقَةٍ وَسَاَلُتُ مَالِكَ بُنَ اَنَسٍ عَنُ اَبِی الُحُوَیُرِثِ ؟ فَقَالَ لَیُسَ بِثِقَةٍ وَسَاَلُتُهُ عَنُ شُعُبَةَ الَّذِیُ یَرُوِیُ عَنُهُ ابُنُ اَبِیُ ذِئُبٍ ؟ فَقَالَ لَیُسَ بِثِقَةٍ وَسَاَلُتُهُ عَنُ صَالِحٍ مَوُلَی التَّوُاَمَةِ ؟ فَقَالَ لَیُسَ بِثِقَةٍ وَسَاَلُتُهُ عَنُ حَرَامِ بُنِ عُثُمَانَ ؟ فَقَالَ لَیُسَ بِثِقَةٍ وَسَاَلُتُ مَالِكاً عَنُ هٰؤُلَاءِ الُخَمُسَةِ ؟فَقَالَ لَیُسُوابِثِقَةٍ فِیُ حَدِیُثِهِمُ وَسَاَلُتُهُ عَنُ رَجُلٍ آخَرَ نَسِیُتُ اِسُمَهُ ؟فَقَالَ هَلُ رَاَیُتَهُ فِیُ کُتُبِیُ ؟قُلُتُ لَا قَالَ لَوُ کَانَ ثِقَةً لَرَاَیُتَهُ فِیُ کُتُبِیُ ۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے محمد بن عبدالرحمٰن کے بارے میں جو سعید بن المسیب سے روایت کرتا ہے دریافت کیا؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے امام مالک سے ابوالحویرث کے بارے میں دریافت کیا؟ تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور میں نے ان سے شعبہ کے بارے میں جن سے ابن ابی ذئب روایت کرتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے ان سے صالح مولی التوأمۃ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے ان سے حرام بن عثمان کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، میں نے امام مالکؒ سے ان پانچوں کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب اپنی حدیثوں میں قابل اعتماد نہیں ہیں میں نے ان سے ایک اور شخص جس کا نام میں بھول رہا ہوں دریافت کیا تو فرمایا کہ: تم نے اس کی روایت میری کتابوں میں دیکھی ہے، میں نے کہا نہیں امام مالک نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اس کو میری کتابوں میں ضرور دیکھتے۔

۳۸۔شرحبیل بن سعد مجروح — امام مسلم خود جارح

۸۶۔وَحَدَّثَنِی الُفَضُلُ بُنُ سَهُلٍ قَالَ حَدَّثَنِیُ یَحُیَی بُنُ مَعِیُنٍ قَالَ حَدَّثَنَاحَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابُنُ اَبِیُ ذِئُبٍ عَنُ شُرَحُبِیُلَ بُنِ سَعُدٍ وَکَانَ مُتَّهَماً ۔

حجاج کہتے ہیں کہ ہم سے ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، شرحبیل بن سعد سے روایت کرتے ہوئے اور وہ متہم تھے۔

تشریح

''شرحبیل بن سعد'' شرحبیل بن سعد مدنی متوفی ۱۲۳ھ صدوق ہیں۔

بخاری نے ادب المفرد میں اور ابوداؤد وابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے روایت لی ہے تقریباً سو سال عمر پائی تھی، آخر میں حافظہ خراب ہوگیا اس لئے بعض محدثین نے ان پر جرح کیا پہلے یہ ثقہ اور مغازی کے امام تھے۔

۳۹۔عبداللہ بن محرر مجروح　　عبداللہ بن مبارک جارح

۸۷۔ **وحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَادَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اِسْحَاقَ الطَّالِقَانِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ يَقُوْلُ لَوْخُيِّرْتُ بَيْنَ اَنْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَبَيْنَ اَنْ اَلْقَى عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مُحَرَّرٍ لَاخْتَرْتُ اَنْ اَلْقَاهُ ثُمَّ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلَمَّا رَاَيْتُهٗ كَانَتْ بَعْرَةٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْهُ ۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ جنت میں جاؤں یا عبداللہ بن محرر سے ملوں تو پہلے عبداللہ سے ملتا پھر جنت میں جاتا، مگر جب میں نے اس کو دیکھا تو مینگنی میرے نزدیک اس سے زیادہ اچھی چیز ہے۔

۴۰۔یحیٰ بن ابی اُنیسہ مجروح　　اس کا بھائی زید بن ابی اُنیسہ جارح

۸۸۔**وحَدَّثَنِی** الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَاوَلِيْدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ زَيْدٌ يَعْنِي اِبْنَ اَبِي اُنَيْسَةَ لَاتَأْخُذُوْاعَنْ أَخِيْ ۔

زید بن ابی اُنیسہ کہتے ہیں کہ: میرے بھائی سے روایت نہ لو۔

۸۹۔**وحَدَّثَنِی** اَحْمَدُبْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُالسَّلَامِ الْوَابِصِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرِ الرَّقِّيُّ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوقَالَ كَانَ يَحْيَى بْنُ اَبِي اُنَيْسَةَ كَذَّابًا ۔

عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ یحیٰ بن ابی انیسہ بڑا جھوٹا تھا۔

۴۱۔فرقد بن یعقوب مجروح　　ایوب سختیانی جارح

۹۰۔**حَدَّثَنِی** اَحْمَدُبْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِبْنِ زَيْدٍ قَالَ ذُكِرَفَرْقَدٌ عِنْدَاَيُّوْبَ فَقَالَ اِنَّ فَرْقَدًا لَيْسَ صَاحِبَ حَدِيْثٍ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کے سامنے فرقد کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا کہ فرقد فن حدیث کا آدمی نہیں تھا۔

تشریح

فرقد بن یعقوب سبخی متوفی ۱۳۱ھ صوفی زاہد راوی تھے مگر حدیث میں کمزور تھے اور کثیر الخطاء تھے ایوب سختیانی نے ان پر جرح کیا ہے۔

۴۲۔ محمد بن عبداللہ لیثی مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح
۴۳۔ یعقوب بن عطاء مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح

۹۱۔ وَحَدَّثَنِی عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرِ الْعَبْدِیّ قَالَ سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ سَعِیْدِ الْقَطَّانَ وَذُکِرَ عِنْدَہٗ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُبَیْدِبْنِ عُمَیْرِ اللَّیْثِیُّ فَضَعَّفَہٗ جِدًّا فَقِیْلَ لِیَحْیَی اَضْعَفُ مِنْ یَعْقُوْبَ بْنِ عَطَاءٍ ؟ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ مَا کُنْتُ اَرٰی اَنَّ اَحَدًا یَرْوِی عَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ۔

یحیٰ قطان کے سامنے محمد بن عبداللہ لیثی کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے اس کی نہایت تضعیف کی یحیٰ سے پوچھا گیا کہ آیا وہ یعقوب بن عطا سے بھی زیادہ کمزور ہے، یحیٰ نے فرمایا کہ جی ہاں پھر یحیٰ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص بھی محمد بن عبداللہ سے روایت کریگا۔

۴۴۔ حکیم بن جبیر مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح
۴۵۔ عبدالاعلی بن عامر مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح
۴۶۔ موسی بن دینار مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح
۴۷۔ موسی بن دہقان مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح
۴۸۔ عیسی بن ابی عیسی مدنی مجروح	یحیٰ بن سعید القطان جارح

۹۲۔ وَحَدَّثَنِی بِشْرُ بْنُ الْحَکَمِ قَالَ سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ سَعِیْدِ الْقَطَّانَ ضَعَّفَ حَکِیْمَ بْنَ جُبَیْرٍ وَعَبْدَالْاَعْلٰی وَضَعَّفَ یَحْیَی بْنَ مُوْسَی بْنَ دِیْنَارٍ قَالَ حَدِیْثُہٗ رِیْحٌ وَضَعَّفَ مُوْسَی بْنَ دِھْقَانَ وَعِیْسَی بْنَ اَبِی عِیْسَی الْمَدَنِیُّ۔

یحیٰ قطان رحمہ اللہ نے حکیم بن جبیر اور عبدالاعلیٰ کی تضعیف کی (یعنی ان کو کمزور راوی قرار دیا) اور حضرت یحیٰ قطان نے موسی بن دینار کی تضعیف کی، یحیٰ نے فرمایا کہ اس کی حدیث ریح (ہوا یا باد) ہے! اور یحیٰ قطان نے موسی بن دہقان اور عیسی بن ابی عیسی مدنی کی تضعیف کی۔

تشریح

''وضعف یحیی بن موسی بن دینار'' مسلم شریف کے تمام نسخوں میں یہاں یحیٰ کے بعد ابن کا لفظ موجود ہے لیکن اس سے معنی بگڑ جاتا ہے گویا مطلب یہ ہے کہ یحیٰ بن سعید قطان نے یحیٰ بن موسی بن دینار کو ضعیف کہا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں ابن کا لفظ کاتبوں کی غلطی ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یحیٰ بن سعید قطان نے موسی بن دینار کو ضعیف قرار دیا ہے تو ضعف فعل ہے اور یحیٰ اس کا فاعل ہے مراد یحیٰ بن سعید قطان ہے اور موسیٰ بن دینار مفعول بہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں اس غلطی کو درست کیا ہے۔

۴۹۔ عبیدہ بن معتب مجروح	عبداللہ بن مبارک جارح
۵۰۔ السری بن اسماعیل مجروح	عبداللہ بن مبارک جارح
۵۱۔ محمد بن سالم مجروح	عبداللہ بن مبارک جارح

قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عِيْسٰى يَقُوْلُ قَالَ لِيْ ابْنُ الْمُبَارَكِ اِذَاقَدِمْتَ عَلٰى جَرِيْرٍ فَاكْتُبْ عِلْمَهٗ كُلَّهٗ اِلَّاحَدِيْثَ ثَلَاثَةٍ لَاتَكْتُبْ عَنْهُ حَدِيْثَ عُبَيْدَةَ بْنِ مُعَتِّبٍ وَالسَّرِيِّ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ وَمُحَمَّدِبْنِ سَالِمٍ ۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن عیسی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن المبارک نے فرمایا کہ: جب تم جریر کے پاس پہنچو تو ان کی ساری حدیثیں لے لو، مگر تین شخصوں کی حدیثیں نہ لکھو، عبیدہ بن معتب کی حدیثیں نہ لکھو اور سری بن اسماعیل کی اور محمد سالم کی۔

ضعیف راویوں پر جو کلام ہوا یہ کافی ہے

قَالَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَشْبَاهُ مَاذَكَرْنَا مِنْ كَلَامِ اَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ مُتَّهَمِيْ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ وَاِخْبَارِهِمْ عَنْ مَعَايِبِهِمْ كَثِيْرٌ يَطُوْلُ الْكِتَابُ بِذِكْرِهٖ عَلٰى اِسْتِقْصَائِهٖ وَفِيْمَا ذَكَرْنَا كِفَايَةٌ لِمَنْ تَفَهَّمَ وَعَقَلَ مَذْهَبَ الْقَوْمِ فِيْمَا قَالُوْا مِنْ ذٰلِكَ وَبَيَّنُوْا ۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں جو ہم نے ذکر کیں یعنی ائمہ حدیث کا کلام متہم رُوات حدیث کے متعلق اور اُن ائمہ کا اطلاع دینا، رُوات کے عیوب کے بارے میں اتنا زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ کرنے سے کتاب بہت لمبی ہو جائے گی، اور جتنی باتیں ہم نے بیان کی ہیں وہ ان لوگوں کے لئے بہت کافی ہیں جو محدثین کا نقطہ نظر جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں جو انہوں نے کہی ہیں اور تفصیل سے بیان کی ہیں (یعنی جرح

رُوات کے سلسلہ میں ان کا نہج سمجھنا چاہتے ہیں)۔

تشریح

''قَالَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ'' معلوم ہونا چاہیے کہ ضعیف راویوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ابو جعفر عقیلی مکی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء الکبیر میں ۲۱۰۰ (اکیس سو) سے زائد ضعیف راویوں کے احوال لکھے ہیں پھر ہر ضعیف اور مجروح راوی پر متعدد ائمہ جرح وتعدیل کا کلام پایا جاتا ہے ایسی صورت حال میں سب کا احاطہ کرنا یقیناً مشکل کام ہے۔ تحفة المنعم شرح صحیح مسلم میں میں نے دل پر پتھر رکھ کر اختصار سے کام لیا ہے تاکہ قارئین پر بوجھ نہ بن جائے۔ امام مسلم نے بھی ۵۱ مجروحین پر کلام کیا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے گویا امام مسلم نے مجروح وجارح اور طریقۂ جرح کا انداز بطور مشت ازنمونۂ خروارے پیش فرمادیا ہے مقصد تو طلبہ کو صرف جرح وتعدیل کا انداز سمجھانا ہے ان شاء اللہ آگے طلبہ خود اس میدان میں کمر باندھ کر اتریں گے اور کام کریں گے۔

''اشباہ'' یہ شبہ کی جمع ہے مانند اور مثل کے معنی میں ہے ''معایب'' عیب اور عیوب سے ہے بُرائی اور عیب کو کہتے ہیں۔

''استقصاء'' گننا، ٹٹولنا، تلاش کرنا احاطہ کرنے کے معنی میں ہے ''تفھم'' سمجھنے کے معنی میں ہے ''عقل'' جاننے کے معنی میں ہے ''القوم'' محدثین کرام مراد ہیں۔

ضعیف روایتوں کا انبار لگانا مقصود شرعی نہیں ہے

وَاِنَّمَا اَلْزَمُوْا اَنْفُسَهُمُ الْكَشْفَ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ وَنَاقِلِي الْاَخْبَارِ وَأَفْتَوْا بِذٰلِكَ حِيْنَ سُئِلُوْا لِمَافِيْهِ مِنْ عَظِيْمِ الْخَطَرِ اِذِالْاَخْبَارُ فِى اَمْرِالدِّيْنِ اِنَّمَا تَأْتِىْ بِتَحْلِيْلٍ اَوْتَحْرِيْمٍ اَوْ اَمْرٍ اَوْنَهْيٍ اَوْتَرْغِيْبٍ اَوْتَرْهِيْبٍ فَاِذَاكَانَ الرَّاوِىْ لَهَالَيْسَ بِمَعْدَنٍ لِلصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ ثُمَّ اَقْدَمَ عَلَى الرِّوَايَةِ عَنْهُ مَنْ قَدْعَرَفَهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ مَافِيْهِ لِغَيْرِهِ مِمَّنْ جَهِلَ مَعْرِفَتَهُ كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهٖ ذٰلِكَ غَاشًّا لِعَوَامِ الْمُسْلِمِيْنَ اِذْلَايُؤْمَنُ عَلٰى بَعْضِ مَنْ سَمِعَ تِلْكَ الْاَخْبَارَ اَنْ يَّسْتَعْمِلَهَا اَوْ يَسْتَعْمِلَ بَعْضَهَا وَلَعَلَّهَا اَوْاَكْثَرَهَااَكَاذِيْبُ لَااَصْلَ لَهَا مَعَ اَنَّ الْاَخْبَارَ الصِّحَاحَ مِنْ رِوَايَةِ الثِّقَاتِ وَاَهْلِ الْقَنَاعَةِ اَكْثَرُمِنْ اَنْ يُّضْطَرَّ اِلٰى نَقْلِ مَنْ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَامَقْنَعٍ ۔

اور ائمۂ حدیث نے اسی لئے اپنے ذمہ لیا ہے، رُوات حدیث اور ناقلین اخبار کے عیوب کو کھولنا اور جب اُن سے اس بارے میں (یعنی ضعیف راویوں کے بارے میں) دریافت کیا گیا تو اسی لئے انہوں نے فتویٰ دیا ہے (یعنی ماہرانہ جرح کی ہے) کہ اس میں بڑا فائدہ ہے (یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے) کیونکہ دینی روایات وارد ہوتی ہیں تحلیل وتحریم یا امر ونہی یا ترغیب وترہیب ہی کے بارے میں پس جب حدیث کا راوی سچائی اور امانت داری کی کان

(مخزن) نہ ہو، پھر اس سے وہ شخص روایت کرنے لگے، جو اس کا حال جانتا ہے اور اس (مروی عنہ) میں جو خرابی ہے اس کو بیان نہ کرے، ان لوگوں سے جو اس کے حال سے واقف نہیں ہیں تو وہ شخص اپنے اس عمل سے گناہ گار ہوگا اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا ہوگا، کیونکہ اس کا اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ بعض وہ لوگ جو یہ حدیثیں سنیں، سب پر یا بعض پر عمل کریں اور ہوسکتا ہے کہ وہ سب (یا ان میں سے کچھ) یا ان میں سے اکثر جھوٹی، بے اصل ہوں، مع ہٰذا صحیح حدیثیں معتمد اور قابل اطمینان راویوں کی روایت سے اتنی زیادہ ہیں کہ غیر ثقہ نا قابل اعتماد لوگوں کی روایتوں کو قبول کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

وَلَا أَحْسِبُ كَثِيرًا مِمَّنْ يُعَرِّجُ مِنَ النَّاسِ عَلٰى مَا وَصَفْنَا مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الضِّعَافِ وَالْأَسَانِيدِ الْمَجْهُولَةِ وَيَعْتَدُّ بِرِوَايَتِهَا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ بِمَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ إِلَّا أَنَّ الَّذِي يَحْمِلُهُ عَلٰى رِوَايَتِهَا وَالْإِعْتِدَادِ بِهَا إِرَادَةُ التَّكْثِيرِ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْعَوَامِّ وَلِأَنْ يُقَالَ مَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَ فُلَانٌ مِنَ الْحَدِيثِ وَأَلَّفَ مِنَ الْعَدَدِ ـ وَمَنْ ذَهَبَ فِي الْعِلْمِ هٰذَا الْمَذْهَبَ وَسَلَكَ هٰذَا الطَّرِيقَ فَلَا نَصِيبَ لَهُ فِيهِ وَكَانَ بِأَنْ يُسَمّٰى جَاهِلًا أَوْلٰى مِنْ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى الْعِلْمِ ـ

اور میں یہی گمان کرتا ہوں کہ بہت سے وہ لوگ جو اعتماد کرتے ہیں اُن ضعیف حدیثوں پر اور مجہول سندوں پر جن کا حال ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان کو قابل روایت سمجھتے ہیں، اس ضعف اور کمزوری کو جانتے ہوئے جو ان روایات میں ہے (میرے گمان میں) ان لوگوں کو عوام الناس کے نزدیک تکثیر حدیث کا جذبہ ہی اُبھارتا ہے ان احادیث کو روایت کرنے پر اور ان کی طرف التفات کرنے پر اور (وہ بات) اس لئے ہے کہ کہا جائے فلاں محدث نے کس قدر حدیثیں جمع کی ہیں اور ان کی کس قدر تصانیف ہیں اور جو شخص فن حدیث میں یہ نقطۂ نظر رکھتا ہے اور یہ راستہ اپناتا ہے اس کا فن حدیث میں کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ شخص عالم کہلانے کے بجائے ''جاہل'' کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔

تشریح

''وانما الزموا أنفسهم'' اس عبارت سے لیکر باب الاحتجاج بالحدیث المعنعن تک امام مسلم نے جو کلام پیش فرمایا ہے میں اس کا سرسری خلاصہ نقل کرتا ہوں تا کہ میرے لئے آسانی ہو اور پڑھنے والوں کے لئے کچھ فائدہ ہو، امام مسلم فرماتے ہیں کہ محدثین نے اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اور انہوں نے اس پر فتوی بھی دیا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے والے راویوں پر تنقید کریں گے اور ان کے عیوب اور کمزوریوں کو ظاہر کریں گے کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے حلال وحرام کا قصہ ہے اگر ایک نا اہل محدث غلط سلط حدیثیں جاری کریگا تو عوام کالانعام اس سے شریعت بنادیں گے اور اس پر عمل کریں گے جس کا اثر دینی معاملات میں حلال وحرام، اوامر ونواہی اور جائز وناجائز پر پڑے گا کیونکہ حدیث کے نام سے جو مسلمان کوئی بات سنے گا تو وہ اس پر عمل کریگا تو ایک نا اہل محدث جب جانتے ہوئے ضعیف روایتوں کے بیان کرنے پر اقدام کریگا تو یقیناً وہ خود بھی گناہ گار ہوگا اور اس پر عمل

کرنے والے بھی گناہ گار ہونگے حالانکہ صحیح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو مسلمانوں کے لئے کافی ہے تو اس طرح من گھڑت روایات نقل کرنے کی آخر ضرورت کیا ہے؟ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس طرح من گھڑت روایات کے انبار لگانے میں ان لوگوں کی خواہش دراصل یہ ہوتی ہے کہ عوام الناس کے ہاں ان کی کثرت احادیث کا چرچا ہو اور لوگ واہ واہ کرنے لگ جائیں کہ دیکھو جی دیکھو فلاں محدث نے کتنی حدیثیں جمع کردی ہیں! اس نے تو کمال کیا کہ احادیث کا انبار لگا دیا! امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن علماء اور محدثین کا یہ خیال اور یہ نظریہ ہے وہ تو نا کام ہیں عالم نہیں ہیں بلکہ ان کو عالم کہنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کو جاہل کہا جائے۔ ''الحظ'' حصہ اور قسمت اور فائدہ کو کہتے ہیں ''معدن'' سونے چاندی کی کان کو کہتے ہیں ''الغاش'' دھوکہ دینے والا دھوکہ باز ''القناعة'' قناعہ کفایت کے معنی میں ہے یعنی جس آدمی کی بات کو کافی سمجھا جائے اور اس پر اعتماد آجائے۔ ''اذالاخبار'' اس میں اِذ تعلیلیہ ہے اخبار خبر کی جمع ہے، امام مسلمؒ نے خبر کا لفظ صحیح حدیث کے لئے بار بار استعمال فرمایا ہے ''اقدم'' یہ فعل ہے اور من عرفه اس کا فاعل ہے ''لغیرہ'' یہ لم یبین کے ساتھ متعلق ہے ''ممن جهل'' یہ ظرف مستقر ہو کر لغیرہ کے لئے صفت ہے ''کان آثما'' فاذا کان الراوی شرط ہے اور یہ جملہ جزاء واقع ہے ''آثماً'' کان کے لئے خبر اول ہے اور غاشا خبر ثانی ہے۔ ''یعرج'' تعریج سے ہے اعتماد و بھروسہ کے معنی میں ہے ''یعتد'' اعتبار کرنے کے معنی میں ہے ''توهن'' یہ باب تفعل سے ہے کمزور اور ضعیف کے معنی میں ہے ''المذهب'' چلنے کے راستے کو کہتے ہیں اس سے مذہب اسلام مراد نہیں ہے بلکہ چلنے کے راستے کو کہتے ہیں اور حدیث میں ایک رائے قائم کرنے کو کہتے ہیں جیسے هذا مذهب ابی حنیفه یعنی اس حدیث میں ابو حنیفہؒ اس راستے پر گئے ہیں، امام شافعی اس راستے پر گئے ہیں غیر مقلد حضرات جب مذہب کا نام سنتے ہیں تو جلتے ہیں کہ دیکھو احناف نے الگ مذہب بنایا ہے یہ ان حضرات کی عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

بَابُ صِحَّةِ الْاِحْتِجَاجِ بِالْحَدِيْثِ الْمُعَنْعَنِ الخ

حدیث معنعن سے استدلال کرنے کا بیان

وَقَدْتَكَلَّمَ بَعْضُ مُنْتَحِلِي الْحَدِيْثِ مِنْ اَهْلِ عَصْرِنَا فِي تَصْحِيْحِ الْاَسَانِيْدِ وَتَسْقِيْمِهَا بِقَوْلٍ لَوْضَرَبْنَا عَنْ حِكَايَتِهِ وَذِكْرِ فَسَادِهِ صَفْحًا لَكَانَ رَأْيًا مَتِيْناً وَمَذْهَبًاصَحِيْحًا اِذِالْاِعْرَاضُ عَنِ الْقَوْلِ الْمُطَّرَحِ اَحْرَى لِاِمَاتَتِهِ وَاِخْمَالِ ذِكْرِ قَائِلِهِ وَاَجْدَرُ اَنْ لَا يَكُوْنَ ذٰلِكَ تَنْبِيْهًا لِلْجُهَّالِ عَلَيْهِ غَيْرَاَنَّالَمَّاتَخَوَّفْنَا مِنْ شُرُوْرِ الْعَوَاقِبِ وَاغْتِرَارِ الْجَهَلَةِ بِمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ۔ وَاِسْرَاعِهِمْ اِلَى اِعْتِقَادِ خَطَأِ الْمُخْطِئِيْنَ وَالْاَقْوَالِ السَّاقِطَةِ عِنْدَالْعُلَمَاءِ رَاَيْنَاالْكَشْفَ عَنْ فَسَادِقَوْلِهِ وَرَدَّ مَقَالَتِهِ بِقَدْرِمَايَلِيْقُ بِهَامِنَ الرَّدِّ اَجْدَى عَلَى الْاَنَامِ وَاَحْمَدَ لِلْعَاقِبَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

اور تحقیق ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد محدثین نے، سندوں کو صحیح اور ضعیف قرار دینے کے سلسلہ میں ایسی بات کہی ہے کہ

اگر ہم اعراض کرتے اس کو نقل کرنے سے اور اس کا فساد ظاہر کرنے سے تو ہوتی وہ پختہ رائے اور صحیح مذہب کیونکہ مردود نظریہ سے اعراض کرنا زیادہ لائق ہے اس کو دفن کرنے کے لئے اور صاحب نظریہ کا نام مٹانے کے لئے اور زیادہ سزاوار ہے (اس بات کے) کہ وہ (تذکرہ) جاہلوں کی آگاہی کا سبب نہ بنے، مگر جب ہم نے خطرہ محسوس کیا انجام کی خرابی کا، اور جاہلوں کے دھوکہ میں آنے کا نئی باتوں سے اور ان کے جلد معتقد ہو جانے کا، خطا کاروں کی خطاء کا اور ان اقوال کا جو علماء کے نزدیک نا قابل اعتبار ہیں تو ہم نے لوگوں کے لئے مفید سمجھا اس قول کے فساد کو ظاہر کرنا، اور اس کی بات کی تردید کرنا، جتنی تردید اس کے لئے ضروری ہے اور ہم نے (اس کو) قابل ستائش جانا انجام کے لئے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تشریح

''وقد تکلم بعض منتحلی الحدیث'' باب افتعال سے انتحال جھوٹی نسبت کو کہتے ہیں یعنی کسی دوسرے شخص کا کلام اپنی طرف منسوب کرنا یا کسی ایک کا کلام ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا، اس علمی چوری کو انتحال کہتے ہیں یہ لفظ زیادہ تر اشعار کی چوری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا اطلاق ایسے محدث پر کیا گیا ہے جو خود محدث ہونے کا بڑا دعویدار ہو لیکن وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہو، گویا ایک شخص فن حدیث کا اہل نہیں ہے لیکن وہ فنِ حدیث کے ماہر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس کلام میں امام مسلم نے انتہائی سخت قلم چلایا ہے۔

اب یہاں دو اہم بحثیں ہیں ایک بحث یہ ہے کہ اصل نزاع اور اختلاف کس مسئلہ میں ہے؟ دوسری بحث یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شدید تنقید کا نشانہ کون لوگ ہیں؟ میں انہی دو مباحث کو واضح کرنا چاہتا ہوں:

پہلی بحث

اصل نزاع اور اختلاف حدیث معنعن میں ہے کہ آیا یہ متصل حدیث کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے حدیث معنعن کی تعریف یہ ہے کہ اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث معنعن اس کو کہتے ہیں جس کی سند میں اول سے آخر تک لفظ عَن آیا ہو جیسے ''حدثنا فلان عن فلان الخ'' بیان کرنے والے راوی کو مُعَنعِن کہتے ہیں اور اس طرح حدیث کو مُعَنعَن اور اس طرز کو عَنعَنہ کہتے ہیں۔ حدیث کے طرز بیان میں ایک طرز ''اَنّ'' کے ساتھ بھی ہے کہ اول سے آخر تک سند میں لفظ ''اَنّ'' استعمال کیا گیا ہو، اس طرح کی حدیث کو ''مُؤَنَّن'' کہتے ہیں، کبھی طرز حدیث سمعت کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے کبھی قال کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اول سے آخر تک سند میں ''سمعت'' یا ''قال'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں اب اختلاف اس میں ہے کہ آیا حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے اس میں چار صورتیں ہیں تین صورتوں میں محدثین کا اتفاق ہے کہ حدیث منقطع ہے چوتھی صورت میں اختلاف ہے اور وہی صورت محلِ نزاع ہے چاروں صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔پہلی صورت:۔اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ الگ الگ ہے اور یہ راوی عَن کے ساتھ نقل کرتا ہے تو یہ حدیث بالاتفاق منقطع ہے۔
۲۔دوسری صورت:۔اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے لیکن تمام محدثین کے ہاں عدم لقاء ثابت ہے اور یہ راوی عن کے ساتھ نقل کرتا ہے یہ بھی منقطع کے حکم میں ہے۔
۳۔تیسری صورت:۔اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے اور عدم لقاء کی تصریح بھی نہیں لیکن راوی شیخ مدلس ہے یہ بھی منقطع کے حکم میں ہے۔یہ تینوں صورتیں بالاتفاق منقطع ہیں۔
۴۔چوتھی صورت:۔اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے اور عدم لقاء کی تصریح بھی نہیں ہے اور ثبوت بھی نہیں ہے صرف لقاء کا امکان ہے اس صورت میں امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے درمیان اختلاف ہے جس کی تفصیل کچھ دیر بعد آرہی ہے لیکن یہاں حدیث معنعن میں دیگر کچھ اقوال بھی ہیں جو مرجوح اور نامقبول ہیں، ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ عنعنہ کے ساتھ نقل کی جانے والی حدیث مطلقاً غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں انقطاع کا احتمال بہر حال موجود ہے یہ قول باطل ہے کیونکہ احادیث صحیحہ کا بڑا ذخیرہ عنعنہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان طویل ملاقات اور صحبت عنعنہ کی قبولیت کے لئے شرط ہے یہ قول بھی باطل ہے۔معنعن کی ان تفصیلات کے بعد یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چوتھی صورت محلِ نزاع اور باعث اختلاف ہے کہ آیا حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے:

امام بخاریؒ کا موقف

امام بخاریؒ، علی بن مدینیؒ اور ابوبکر صیرفیؒ وغیرہ کے نزدیک حدیث معنعن منقطع کے حکم میں ہے جب تک ایک آدھ بار زندگی میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہ ہو یہ حدیث منقطع رہے گی امکان لقاء کافی نہیں ہے بلکہ اتصال حدیث کے لئے حقیقی ملاقات ضروری ہے۔

امام مسلمؒ کا موقف

امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک اتصال حدیث کے لئے امکان لقاء کافی ہے حقیقی ملاقات کی نہ ضرورت ہے اور نہ یہ شرط ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے مقدمۂ مسلم میں ان لوگوں پر شدید تنقید کی ہے جو اتصال حدیث کے لئے امکان لقاء کا انکار کرتے ہیں۔امام مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تمام محدثین نے کہیں بھی اتصال حدیث کے لئے ثبوت لقاء کی شرط نہیں لگائی ہے نہ کہیں اس کا ذکر موجود ہے تو ثبوت لقاء کا یہ من گھڑت قول کون کہاں سے اٹھا کر لایا ہے؟ امام مسلم نے دوسرا استدلال اس سے پیش کیا ہے کہ تابعین نے صحابہ کرام سے عنعنہ کے ساتھ بہت ساری روایات نقل فرمائی ہیں اور ائمہ حدیث نے اسکو قبول کرلیا ہے حالانکہ وہاں صرف امکان لقاء ہے حقیقی لقاء نہیں ہے تم کچھ انتظار کرو میں مکرر سہ کرر چند مثالیں پیش کرونگا تمہارا دماغ روشن ہوجائے گا۔

مختلف اقوال میں محاکمہ

حدیث معنعن کی بحث میں ان مختلف اقوال میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک فیصلہ کن محاکمہ پیش کیا ہے: فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے مطلقاً حدیث معنعن پر انقطاع کا حکم لگایا ہے انہوں نے تشدد سے کام لیا ہے اور جنہوں نے طویل ملاقات اور طویل صحبت کی شرط لگائی ہے انہوں نے بھی تشدد سے کام لیا ہے اور جنہوں نے صرف معاصرت کو کافی سمجھا اور امکانِ لقاء کو اتصال کے لئے معیار قرار دیا تو انہوں نے تساہل سے کام لیا معتدل اور متوسط طریقہ وہی ہے جو امام بخاری اور ان کے استاد علی بن مدینی نے اپنایا ہے کہ کم از کم زندگی میں ایک بار ملاقات اتصال حدیث کے لئے ضروری ہے۔ علامہ نوویؒ اور ابن رجب حنبلیؒ کی رائے بھی یہی ہے جو ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ امام بخاری کا مسلک راجح ہے۔ محاکمہ ومعادلہ کے ان اقوال کے پیش نظر یہاں چند اشعار نقل کرتا ہوں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے بنا کر پیش فرمائے ہیں:ـــــ

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْحَدِيْثِ الْمُعَنْعَنِ — فَقَدْ قِيْلَ مَوْصُوْلٌ وَ قَدْ قِيْلَ مُرْسَلُ
فَجُمْهُوْرُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَدْ شَرَطُوْا اللِّقَاءَ — وَ ذَا عَنْ عَلِيٍّ وَالْبُخَارِيِّ يُنْقَلُ
وَيَكْفِيْهِ اِمْكَانُ اللِّقَاءِ عِنْدَ مُسْلِمٍ — وَقَلْبِيْ اِلٰى قَوْلِ الْبُخَارِيْ اَمْيَلُ
فَاِنَّ اللِّقَاءَ فِيْهِ الشِّفَاءُ وَ سَكِيْنَةٌ — وَسَلْوَانُ قَلْبٍ ضَيِّقٍ يَتَمَلْمَلُ

دوسری بحث

دوسری بحث اس میں ہے کہ اس پُر تشدد کلام میں امام مسلم رحمہ اللہ کی تنقید کا نشانہ کون لوگ ہیں؟

۱۔ تو عام خیال یہ ہے کہ امام مسلم کے اس کلام کا نشانہ امام بخاری اور علی بن مدینی ہیں۔

۲۔ علامہ بلقینی رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ اصل تنقید علی بن مدینی پر ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حدیث معنعن لقاء کے بغیر صحیح ہی نہیں ہے جبکہ امام بخاری کے نزدیک صحیح تو ہے لیکن انہوں نے اس طرح کی حدیث اپنی کتاب بخاری میں نقل نہیں کی ہے اس طرز کے اپنانے سے امام بخاری ضمنی طور پر امام مسلم کے کلام کے زد میں آگئے قصداً و ارادۃً نہیں۔

۳۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے معمولی درجے کے کچھ محدثین پر رد کیا ہے ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ امام بخاری اور ان کے مایہ ناز استاد علی بن مدینی یا کسی اور بڑے محدث کی رائے بھی یہی تھی۔ لہٰذا امام مسلم نے ان حضرات پر قصداً رد نہیں کیا اور وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے جبکہ امام مسلم ان کے بڑے وفادار اور تابعدار تھے ان کی خاطر امام مسلم نے شیخ ذھلی سے تعلق توڑ دیا اور ان سے روایت لینا چھوڑ دی، وہ اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اس طرح کا قلم استاذوں پر چلانا ممکن نہیں ہے۔ بہر حال حافظ ابن کثیر اور علامہ بلقینی اور حضرت گنگوہی کی رائے قریب قریب ہے۔

۴۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام مسلم کی تنقید ابوبکر صیرفیؒ اور اس زمانہ کے کچھ گمنام محدثین پر ہے۔
بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ غیرت ایمانی اور حمیت شرعی ہے رضاء الٰہی کی خاطر ایسا کرنے میں ان شاء اللہ امام مسلمؒ ماجور ہونگے۔
ویسے علامہ ذہبی نے لکھا ہے (جو اس سے پہلے میں نے حوالہ کے ساتھ نقل بھی کیا ہے) کہ امام مسلم کے مزاج میں سختی تھی شاید یہ اسی کا نتیجہ ہو، نیز یہ احتمال بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے قصداً اپنی پوری کتاب صحیح بخاری میں ایک بار بھی امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا اور قال بعض الناس میں بعض مواضع میں ایسی شدید تنقید فرمائی ہے جس سے وہم ہوجاتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں یا نہیں؟ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بدلہ امام بخاری کے شاگرد کے ذریعہ سے چکا دیا ہو، چنانچہ اس تنقید کے علاوہ امام مسلم نے اپنی پوری کتاب میں اپنے مایہ ناز استاذ محمد بن اسماعیل بخاری کا نام تک نہیں لیا اور نہ صحیح مسلم میں ان سے کوئی روایت نقل کی ہے جبکہ یہ ان کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔
''تسقیمھا'' بیمار قرار دینا اس سے سند حدیث کو ضعیف قرار دینا مراد ہے ''ضربنا صفحا'' سے مراد اعراض کرنا ہے ''متیناً'' پختہ رائے ''المطرح'' باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بے توجہی کے ساتھ کسی بات کو کسی گوشہ میں پھینکنے کو کہتے ہیں مراد قول ساقط ہے ''احری'' زیادہ لائق اور مناسب کے معنی میں ہے ''اماتتہ'' مارنے کے معنی میں ہے مراد دفن کرنا اور مٹانا ہے کیونکہ باطل کو چھیڑنے سے وہ زندہ ہوجاتا ہے۔ ''اخمال'' خمول سے ہے گمنام بنانا، بے قدر کرنا ''اجدر'' لائق اور مناسب کے معنی میں ہے ''تخوفنا'' ڈرانا گھبرانا ''اغترار'' دھوکہ کھانا ''الاقوال الساقطۃ'' گرے پڑے اقوال، اس کا عطف اعتقاد پر ہے ''اجدی'' زیادہ نافع کے معنی میں ہے گویا ''احمد'' اس کی تفسیر ہے۔

وَزَعَمَ الْقَائِلُ الَّذِیْ افْتَتَحْنَا الْکَلَامَ عَلَی الْحِکَایَةِ عَنْ قَوْلِهٖ وَالْاِخْبَارِ عَنْ سُوْءِ رَوِیَّتِهٖ اَنَّ کُلَّ اِسْنَادٍ لِحَدِیْثٍ فِیْهِ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ وَقَدْ اَحَاطَ الْعِلْمُ بِاَنَّهُمَا قَدْ کَانَا فِیْ عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَائِزٌ اَنْ یَّکُوْنَ الْحَدِیْثُ الَّذِیْ رَوَی الرَّاوِیُّ عَمَّنْ رَوَی عَنْهُ قَدْ سَمِعَهٗ مِنْهُ وَشَافَهَهٗ بِهٖ غَیْرَ اَنَّهٗ لَا نَعْلَمُ لَهٗ مِنْهُ سِمَاعًا وَلَمْ نَجِدْ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الرِّوَایَاتِ اَنَّهُمَا الْتَقَیَا قَطُّ اَوْ تَشَافَهَا بِحَدِیْثٍ اَنَّ الْحُجَّةَ لَا تَقُوْمُ عِنْدَهٗ بِکُلِّ خَبَرٍ جَاءَ هٰذَا الْمَجِیْءَ حَتّٰی یَکُوْنَ عِنْدَهُ الْعِلْمُ بِاَنَّهُمَا قَدِ اجْتَمَعَا مِنْ دَهْرِهِمَا مَرَّةً فَصَاعِدًا اَوْ تَشَافَهَا بِالْحَدِیْثِ بَیْنَهُمَا اَوْ یَرِدَ خَبَرٌ فِیْهِ بَیَانُ اجْتِمَاعِهِمَا وَتَلَاقِیْهِمَا مَرَّةً مِنْ دَهْرِهِمَا فَمَا فَوْقَهَا فَاِنْ لَمْ یَکُنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ ذٰلِکَ وَلَمْ تَأْتِ رِوَایَةٌ صَحِیْحَةٌ تُخْبِرُ اَنَّ هٰذَا الرَّاوِیَ عَنْ صَاحِبِهٖ قَدْ لَقِیَهٗ مَرَّةً وَسَمِعَ مِنْهُ شَیْئًا لَمْ یَکُنْ فِیْ نَقْلِهِ الْخَبَرَ عَمَّنْ رَوَی عَنْهُ عِلْمَ ذٰلِکَ وَالْاَمْرُ کَمَا وَصَفْنَا حُجَّةٌ وَکَانَ الْخَبَرُ عِنْدَهٗ مَوْقُوْفًا حَتّٰی یَرِدَ عَلَیْهِ سِمَاعُهٗ مِنْهُ لِشَیْءٍ مِنَ الْحَدِیْثِ قَلَّ اَوْ کَثُرَ فِیْ رِوَایَةٍ مِثْلِ مَا وَرَدَ۔

اور گمان کیا اُس قائل نے جس کی بات نقل کرنے کے لئے اور جس کی بدفکری کی اطلاع دینے کے لئے ہم نے کلام

کا آغاز کیا ہے کہ حدیث کی ہر وہ سند جس میں فلان عن فلان ہو درآنحالیکہ یقینی طور پر ہمارے علم میں یہ بات ہو کہ وہ دونوں (یعنی راوی اور مروی عنہ) ایک زمانہ میں تھے اور ممکن ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس سے سنی ہو اور اس سے رُو در رُو ملی ہو، مگر ہمیں راوی کا مروی عنہ سے سماع معلوم نہ ہو، اور نہ کسی روایت میں یہ بات ہمیں ملی ہو کہ وہ دونوں کبھی ملے ہیں یا انہوں نے کوئی حدیث رُو در رُو لی دی ہے (بہر کیف اس نے گمان کیا) کہ استدلال درست نہیں ہے اس شخص کے نزدیک ہر اس حدیث سے جو اس طرح آئی ہو، تا آنکہ اس کو معلوم ہو کہ وہ دونوں زندگی میں ایک بار یا متعدد بار مل چکے ہیں، یا انہوں نے حدیث رو در رُو لی دی ہے یا کوئی ایسی روایت آئے جس میں ان دونوں کے زندگی میں ایک بار یا متعدد بار اکٹھا ہونے اور ملنے کی وضاحت ہو۔ پس اگر اس شخص کو اس بات کا علم نہ ہو اور نہ کوئی روایت ایسی آئی ہو، جو بتاتی ہو کہ اپنے رفیق (یعنی استاذ) سے روایت کرنے والا یہ راوی یقیناً اس سے ایک بار ملا ہے اور اس سے کوئی حدیث سنی ہے تو اس راوی کے حدیث نقل کرنے میں اُس استاذ سے جس سے وہ یہ روایت کرتا ہے۔ درآنحالیکہ صورت حال وہ ہو جو ہم نے بیان کی کوئی حجت نہ ہوگی، اور حدیث اُس شخص کے نزدیک موقوف ہوگی یہاں تک کہ اُس شخص کو راوی کا مروی عنہ سے حدیث سننا پہنچے خواہ وہ سماع کم ہو یا زیادہ کسی ایسی روایت کے ذریعہ، جو وارد ہونے والی روایت کے ہم پلہ ہو (یعنی وہ روایت جس میں سماع کا ذکر ہے سند کے اعتبار سے اس موقوف روایت کے ہم پلہ ہو، ضعیف نہ ہو)۔

تشریح

''وزعم القائل'' امام مسلم کی اس عبارت میں حشو اور تطویل تکرار اور تعقید ہے اس کو سمجھنے کے لئے خلاصہ کی ضرورت ہے تو اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن نام نہاد محدثین کی تردید کے لئے ہم نے کلام شروع کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی سند میں اگر فلان عن فلان عنعنہ موجود ہو اس سند اور اس حدیث کا کوئی اعتبار نہیں ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ راوی اور مروی عنہ دونوں کا زمانہ ایک ہے اور ملاقات ممکن اور جائز ہے اور آمنے سامنے راوی کا مروی عنہ سے سماع اور مشاہدہ کا امکان ہے صرف اتنی بات ہے کہ ہم کو سماع کا پتہ نہیں ہے اور کوئی خارجی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس سے سماع کا پتہ چل جائے مگر یہ باطل پرست اس پر بضد ہیں کہ نہیں نہیں جب تک ہمیں ان دونوں کی ملاقات کا یقینی علم نہ ہو یا کسی خارجی روایت سے ان کی ملاقات کی تائید نہ ہوتی ہو ہم نہیں مانیں گے! بالکل نہیں مانیں گے! یہ باطل پرست نام نہاد محدثین کہتے ہیں کہ اگر ان دونوں میں نہ ملاقات ثابت ہو اور نہ کوئی ایسی صحیح روایت موجود ہو جو یہ بتادے کہ ان کی ملاقات ہوئی ہے تو ایسی روایت نہ حجت ہے نہ قابل استدلال ہے بلکہ موقوف ہے۔

اس پوری عبارت میں تین جملے ہیں: پہلا جملہ ''وزعم'' سے ''فمافوقها'' تک ہے۔ دوسرا جملہ ''لم يكن سے حجة'' تک ہے

اور تیسرا جملہ ''و کان الخبر'' سے آخر کلام تک ہے۔ ''سوء رویتہ'' بدفکری اور غلط انداز کو کہتے ہیں عبارت میں کل اسناد ''ان'' کا اسم ہے اور ان الحجۃ اس کی خبر ہے یہ پہلے جملے کی وضاحت ہے پھر تکرار سے بھری ہوئی اس عبارت کے دوسرے جملے میں ''فان لم یکن'' کی عبارت فعل شرط ہے اور ''لم یکن فی نقلہ'' جزاء شرط ہے پھر ''لم یکن'' کے لئے فی نقلہ الخبر خبر مقدم ہے اور حجۃ اس کا اسم مؤخر ہے اس عبارت میں علم ذلك کا لفظ ہے جس سے مطلب بہت پیچیدہ ہو گیا مگر مسلم کے بعض نسخوں میں علم کا لفظ نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے ''مثل ماورد'' کا مطلب یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت اس موقوف روایت کی ہم پلہ ہو اس سے ضعیف نہ ہو۔

بہرحال امام مسلم نے بہت ہی عمدہ کلام کیا ہے مگر یہ ایک نصیحت ہے اس کلام سے مقابل مخاطب کو خاموش کرنا بہت مشکل ہے تو مقابل کیسے مطمئن ہوگا؟ کیونکہ اس کلام میں قانونی گرفت نہیں ہے۔

وَهٰذَا الْقَوْلُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فِي الطَّعْنِ فِي الْاَسَانِيْدِ قَوْلٌ مُخْتَرَعٌ مُسْتَحْدَثٌ غَيْرُ مَسْبُوْقٍ صَاحِبُهُ اِلَيْهِ وَلَا مُسَاعِدٌ لَّهُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ اَنَّ الْقَوْلَ الشَّائِعَ الْمُتَّفَقَ عَلَيْهِ بَيْنَ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْاَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا اَنَّ كُلَّ رَجُلٍ ثِقَةٍ رَوٰى عَنْ مِثْلِهِ حَدِيْثًا وَجَائِزٌ مُمْكِنٌ لَهُ لِقَاؤُهُ وَالسِّمَاعُ مِنْهُ لِكَوْنِهِمَا جَمِيْعًا كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَاِنْ لَمْ يَأْتِ فِي خَبَرٍ قَطُّ اَنَّهُمَا اجْتَمَعَا وَلَا تَشَافَهَا بِكَلَامٍ فَالرِّوَايَةُ ثَابِتَةٌ وَالْحُجَّةُ بِهَا لَازِمَةٌ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ هُنَاكَ دَلَالَةٌ بَيِّنَةٌ اَنَّ هٰذَا الرَّاوِيَ لَمْ يَلْقَ مَنْ رَوٰى عَنْهُ اَوْلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ شَيْئًا فَاَمَّا وَالْاَمْرُ مُبْهَمٌ عَلَى الْاِمْكَانِ الَّذِيْ فَسَّرْنَا فَالرِّوَايَةُ عَلَى السَّمَاعِ اَبَدًا حَتّٰى تَكُوْنَ الدَّلَالَةُ الَّتِيْ بَيَّنَّا۔

اور یہ قول اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی فرمائیں! سندوں پر اعتراض کے سلسلہ میں گھڑا ہوا اور نیا پیدا کیا ہوا قول ہے، اُس شخص سے پہلے کوئی اس کا قائل نہیں گذرا ہے اور نہ ائمۂ حدیث میں سے کوئی شخص اس قول میں اس کا مؤید ہے اور وہ بات (یعنی اُس قول کا ایجاد بندہ ہونا) اس طرح ہے کہ مشہور قول، جو متفق علیہ ہے، اخبار و احادیث کے تمام عالموں کے نزدیک ماضی میں اور حال میں وہ یہ ہے کہ کوئی بھی ثقہ (معتبر) آدمی جس نے اپنے جیسے ثقہ آدمی سے کوئی حدیث روایت کی ہو، درآنحالیکہ اس راوی کی اس مروی عنہ سے ملاقات اور اس سے حدیث سننا ممکن ہو، بایں سبب کہ وہ دونوں ایک زمانہ میں تھے، اگرچہ کسی روایت میں کہیں اس کی صراحت موجود نہ ہو کہ ان دونوں میں ملاقات ہوئی ہے، اور نہ یہ تصریح ہو کہ ان دونوں نے منہ درمنہ گفتگو کی ہے تو (بھی) روایت ثابت ہے اور اس کے ذریعے استدلال لازم ہے الا یہ کہ اس بات پر کھلی دلیل موجود ہو کہ اس راوی کی اس شخص سے جس سے وہ روایت کرتا ہے ملاقات نہیں ہوئی یا راوی نے مروی عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا، رہی وہ صورت جس میں معاملہ غیر واضح ہو اور وہ امکان موجود ہو، جس کی ہم نے وضاحت کی ہے، تو ہمیشہ روایت سماع پر محمول ہوگی تا آنکہ وہ دلالت پائی جائے جس کی ہم نے تشریح کی ہے۔

تشریح

''وھذا القول یرحمك اللہ'' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام میں بھی وہی باتیں کی ہیں جو اس سے پہلی عبارت میں کہی گئی تھیں اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اوپر جو رائے ذکر کی گئی ہے وہ ایک خودساختہ رائے ہے ماضی میں اس کا کوئی قائل نہیں تھا اور نہ قدیم وجدید محدثین میں سے کسی نے اس کی تائید کی ہے محدثین کی رائے تو یہ ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو اور امکان لقاء ہو تو ''اسناد معنعن'' متصل سمجھی جائے گی اگرچہ ہمیں کسی لقاء وسماع کی صراحت کا علم نہ ہو، ہاں اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک نہ ہو یا دونوں میں عدم لقاء کا ثبوت ہو تو پھر وہ سند متصل نہیں ہوگی۔ لیکن جس صورت میں معاملہ مبہم ہو عدم لقاء یا لقاء کی تصریح نہ ہو اور امکان لقاء ہو تو پھر اسناد معنعن سماع پر محمول ہوگی، خواہ مخواہ سماع ولقاء کے ثبوت کے پیچھے پڑ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل کا مطالبہ

فَيُقَالُ لِمُخْتَرِعِ هٰذَا الْقَوْلِ الَّذِيْ وَصَفْنَا مَقَالَتَهٗ اَوْ لِلذَّابِّ عَنْهُ قَدْ اَعْطَيْتَ فِيْ جُمْلَةِ قَوْلِكَ اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ عَنِ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ يَلْزَمُ بِهِ الْعَمَلُ ثُمَّ اَدْخَلْتَ فِيْهِ الشَّرْطَ بَعْدُ، فَقُلْتَ حَتّٰى يُعْلَمَ اَنَّهُمَا قَدْ كَانَا الْتَقَيَا مَرَّةً فَصَاعِدًا وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا فَهَلْ تَجِدُ هٰذَا الشَّرْطَ الَّذِيْ اِشْتَرَطْتَهٗ عَنْ اَحَدٍ يَلْزَمُ قَوْلُهٗ ؟ وَاِلَّا فَهَلُمَّ دَلِيْلًا عَلٰى مَازَعَمْتَ۔

پس کہا جائیگا اس قول کے موجد سے جس کی بات کی ہم نے وضاحت کردی ہے یا اس کے حمایتی سے کہ آپ نے دورانِ کلام یہ بات تسلیم کی ہے کہ ایک ثقہ آدمی کی دوسرے ثقہ آدمی سے روایت حجت ہے، اس پر عمل لازم ہے، پھر آپ نے بعد میں ایک شرط لگائی اور کہا کہ (یہ اُس وقت حجت ہے) جب ہمیں معلوم ہوجائے کہ وہ دونوں (راوی اور مروی عنہ) ایک بار یا متعدد بار مل چکے ہیں اور راوی نے مروی عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ تو کیا آپ نے جو شرط لگائی ہے اس کا ثبوت کسی ایسے شخص سے پاتے ہیں جس کی بات ماننی ضروری ہو؟ اور اگر نہیں پاتے تو اپنے دعویٰ کی کوئی اور دلیل پیش کیجئے۔

تشریح

''فَيُقَالُ لِمُخْتَرِعِ هٰذَا الْقَوْلِ'' خلاصہ یہ کہ ہر دعویٰ دلیل مانگتا ہے لہٰذا ہم اس باطل قول والے سے یا اس کے حمایتی اور دفاع کرنے والے سے دلیل طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے دورانِ کلام تسلیم کرلیا ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ دونوں ثقہ ہوں تو ان کی روایت حُجت ہے اور اس پر عمل لازم ہے پھر آپ نے ثبوت لقاء کی شرط لگائی ہے جو خودساختہ شرط ہے تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ خودساختہ شرط کسی قابل اعتماد محدث نے لگائی ہے؟ اگر آپ کے پاس نقلی دلیل نہیں ہے تو کم از کم عقلی دلیل ہی پیش کردیں دلیل کے بغیر آپ کی بات ہم کیسے مان سکتے ہیں!

دلیل نقلی تو نہیں ہے

فَاِنِ ادَّعٰی قَوْلَ اَحَدٍمِنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ بِمَازَعَمَ مِنْ اِدْخَالِ الشَّرِيْطَةِ فِي تَثْبِيْتِ الْخَبَرِ طُوْلِبَ بِهٖ وَلَنْ يَّجِدَ هُوَوَلَاغَيْرُهٗ اِلٰى اِيْجَادِهٖ سَبِيْلًا۔

پس اگر وہ شخص علمائے متقدمین میں سے کسی کے قول کا دعویٰ کرتا ہے اس بارے میں جو اس کا خیال ہے یعنی شرط بڑھانا حدیث کو پکا کرنے کے لئے تو اس سے اُس (قول) کا مطالبہ کیا جائے گا اور ہرگز نہیں پائے گا وہ اور نہ کوئی اور (اس کا حمایتی) ایسا قول ایجاد کرنے کی راہ۔

تشریح

''فَاِنِ ادَّعٰی'' مدعی کے پاس اپنے دعوی پر کوئی دلیل نقلی موجود نہیں ہے کیونکہ متقدمین محدثین میں سے کسی کا قول اس کی تائید نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کسی کا جعلی قول بھی پیش نہیں کرسکتا، پس ثابت ہوا کہ مدعی کا قول نو ایجاد، خانہ ساز اور ایجاد بندہ ہے۔

لو! دلیل عقلی حاضر ہے

وَاِنْ هُوَادَّعٰى فِيْمَا زَعَمَ دَلِيْلًا يُحْتَجُّ بِهٖ قِيْلَ لَهٗ وَمَاذٰلِكَ الدَّلِيْلُ ؟ فَاِنْ قَالَ: قُلْتُهٗ لِاَنِّيْ وَجَدْتُ رُوَاةَ الْاَخْبَارِقَدِيْمًا وَحَدِيْثًا يَرْوِيْ اَحَدُهُمْ عَنِ الْاٰخَرِ الْحَدِيْثَ وَلَمَّايُعَايِنْهُ وَلَاسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا قَطُّ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ اِسْتَجَازُوْا رِوَايَةَ الْحَدِيْثِ بَيْنَهُمْ هٰكَذَا عَلَى الْاِرْسَالِ مِنْ غَيْرِ سَمَاعٍ وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِيْ اَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْاَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ اِحْتَجْتُ لِمَا وَصَفْتُ مِنَ الْعِلَّةِ اِلَى الْبَحْثِ عَنْ سَمَاعِ رَاوِيْ كُلِّ خَبَرٍ عَنْ رَاوِيْهِ فَاِذَااَنَاهَجَمْتُ عَلٰى سَمَاعِهٖ مِنْهُ لِاَدْنٰى شَيْءٍ ثَبَتَ عِنْدِيْ بِذٰلِكَ جَمِيْعُ مَايَرْوِيْ عَنْهُ بَعْدُ فَاِنْ عَزَبَ عَنِّيْ مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ اَوْقَفْتُ الْخَبَرَ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدِيْ مَوْضِعَ حُجَّةٍ لِاِمْكَانِ الْاِرْسَالِ فِيْهِ۔

اور اگر وہ شخص دعویٰ کرے اپنی رائے کے سلسلہ میں کسی ایسی دلیل کا جس سے استدلال کیا جائے، تو اس سے پوچھا جائیگا کہ وہ دلیل کیا ہے؟ پس اگر وہ کہے کہ میں نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ میں نے ماضی اور حال کے رواتِ حدیث کو پایا ہے کہ ایک دوسرے سے حدیث روایت کرتے ہیں، حالانکہ راوی نے مروی عنہ کو اب تک دیکھا نہیں ہے، نہ اس سے کبھی کچھ سنا ہے، پس جب دیکھا میں نے کہ لوگ اس طرح آپس میں بغیر سنے ارسال (انقطاع) کے ساتھ حدیث روایت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ مرسل (منقطع) روایتیں ہمارے اصلی قول میں اور حدیث شریف کا علم رکھنے والوں کے اصلی قول میں حجت نہیں ہیں، تو مجھے ضرورت محسوس ہوئی اس خرابی کی وجہ سے جس کی میں نے وضاحت کی ہر حدیث کے راوی کے سماع کی تحقیق کرنے کی مروی عنہ سے، پس اگر مجھے راوی کا مروی عنہ سے سماع

کسی ایک جگہ بھی مل گیا تو میرے نزدیک اتنی بات سے اس راوی کی وہ تمام روایتیں ثابت ہو جائیں گی جو وہ مروی عنہ سے اس کے بعد روایت کرے گا، اور اگر اس کا علم مجھ سے مخفی رہ گیا تو میں حدیث کو موقوف قرار دوں گا اور وہ حدیث میرے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی، اس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہونے کی وجہ سے۔

فَيُقَالُ لَهُ فَإِنْ كَانَتِ الْعِلَّةُ فِي تَضْعِيفِكَ الْخَبَرَ وَتَرْكِكَ الْإِحْتِجَاجَ بِهِ إِمْكَانَ الْإِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَكَ أَلَّا تُثْبِتَ إِسْنَادًا مُعَنْعَنًا حَتَّى تَرَى فِيهِ السَّمَاعَ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ وَذٰلِكَ أَنَّ الْحَدِيثَ الْوَارِدَ عَلَيْنَا بِإِسْنَادِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ فَبِيَقِينٍ نَعْلَمُ أَنَّ هِشَامًا قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَأَنَّ أَبَاهُ قَدْ سَمِعَ مِنْ عَائِشَةَ كَمَا نَعْلَمُ أَنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَمِعَتْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ وَقَدْ يَجُوزُ إِذَا لَمْ يَقُلْ هِشَامٌ فِي رِوَايَةٍ يَرْوِيهَا عَنْ أَبِيهِ "سَمِعْتُ أَوْ أَخْبَرَنِي" أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَبِيهِ فِي تِلْكَ الرِّوَايَةِ إِنْسَانٌ آخَرُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَسْمَعْهَا هُوَ مِنْ أَبِيهِ لَمَّا أَحَبَّ أَنْ يَرْوِيَهَا مُرْسَلًا وَلَا يُسْنِدَهَا إِلَى مَنْ سَمِعَهَا مِنْهُ ـ وَكَمَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ فِي هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ أَيْضًا مُمْكِنٌ فِي أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَكَذٰلِكَ كُلُّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ سَمَاعِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ ـ وَإِنْ كَانَ قَدْ عُرِفَ فِي الْجُمْلَةِ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ قَدْ سَمِعَ مِنْ صَاحِبِهِ سَمَاعًا كَثِيرًا فَجَائِزٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَنْ يَنْزِلَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَةِ فَيَسْمَعُ مِنْ غَيْرِهِ عَنْهُ بَعْضَ أَحَادِيثِهِ ثُمَّ يُرْسِلُهُ عَنْهُ أَحْيَانًا وَلَا يُسَمِّي مَنْ سَمِعَ مِنْهُ وَيَنْشَطُ أَحْيَانًا فَيُسَمِّي الرَّجُلَ الَّذِي حَمَلَ عَنْهُ الْحَدِيثَ وَيَتْرُكُ الْإِرْسَالَ ـ وَمَا قُلْنَا مِنْ هٰذَا مَوْجُودٌ فِي الْحَدِيثِ مُسْتَفِيضٌ مِنْ فِعْلِ ثِقَاتِ الْمُحَدِّثِينَ وَأَئِمَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَسَنَذْكُرُهُ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ عَلَى الْجِهَةِ الَّتِي ذَكَرْنَا عَدَدًا يُسْتَدَلُّ بِهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْهَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى۔

تو اس مدعی سے کہا جائے گا کہ اگر آپ کے نزدیک حدیث کو ضعیف قرار دینے کی اور اس سے استدلال ترک کرنے کی وجہ، اس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہے تو آپ پر لازم ہے کہ کسی بھی معنعن اسناد کو ثابت نہ مانیں، جب تک کہ شروع سے آخر تک اس میں سماع کی صراحت نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بایں وجہ (لازم) ہے کہ هشام بن عروہ، عن ابیہ عن عائشہ کی سند سے جو حدیث ہمیں پہنچی ہے، اس کے بارے میں ہم بالیقین جانتے ہیں کہ ہشام نے اپنے والد عروہ سے سنا ہے اور یہ بھی (ہم جانتے ہیں) کہ ان کے والد عروہ نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے، جس طرح ہم اس بات کو بالیقین جانتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ جب ہشام اپنی روایت میں جسے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، سمعتُ یا اخبرنی نہ کہیں اور اس روایت میں ہشام اور ان کے والد کے درمیان کوئی واسطہ ہو، جس نے عروہ سے سن کر ہشام کو خبر دی ہو، اور خود ہشام نے اپنے والد سے اس حدیث کو نہ سنا ہو، (یہ احتمال اس صورت میں ہے) جب ہشام نے پسند کیا ہو کہ اس روایت

کو مرسَل (منقطع) بیان کریں، اور جس سے انہوں نے وہ روایت سنی ہے اس کی طرف نسبت نہ کریں (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ عبارت میں لَمّا (بفتح اللام و تشدید المیم) اور مرسَلاً (بفتح السین) ہو اور اگر لِماً (بکسر اللام و تخفیف المیم) اور مرسِلاً (بکسر السین) ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا بایں وجہ کہ ہشام نے پسند کی ہو یہ بات کہ وہ اس حدیث کو منقطع بنا کر روایت کریں اور جس سے انہوں نے وہ روایت سنی ہے اس کی طرف نسبت نہ کریں) اور جس طرح یہ بات ہشام اور عروہ کے درمیان ممکن ہے، اسی طرح عروہ اور عائشہؓ کے درمیان بھی ممکن ہے ،اسی طرح یہ احتمال حدیث کی ہر اس سند میں ہوسکتا ہے جس میں رُوات کا ایک دوسرے سے سماع مذکور نہ ہو، اگر چہ فی الجملہ یہ بات معلوم ہو کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے استاذ سے بہت کچھ سنا ہے، تاہم ان میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بعض روایات میں نزول (اُتار) اختیار کرے، اور اپنے استاذ کی بعض حدیثیں بالواسطہ سنے، پھر کبھی اس روایت کو استاذ سے ارسالاً (انقطاع کے ساتھ) ذکر کرے اور جس واسطہ کے ذریعہ وہ روایت سنی ہے اس کا نام نہ لے، اور کبھی نشاط میں ہو تو اس راوی کا نام لے جس سے حدیث لی ہے اور ارسال نہ کرے اور یہ بات جو ہم نے کہی ہے معتبر محدثین اور ائمۂ حدیث کے عمل سے احادیث میں بکثرت موجود اور مشہور ہے اور ابھی ہم ان کی چند روایتیں اس طرز کی جو ہم نے بیان کیا، ذکر کریں گے، جن سے اگر اللہ نے چاہا تو اور بہت سی روایتوں پر استدلال کیا جاسکے گا۔

فَمِنْ ذٰلِكَ

١۔ اَنَّ اَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيَّ وَابْنَ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعًا وَابْنَ نُمَيْرٍ وَجَمَاعَةً غَيْرَهُمْ رَوَوْا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحِلِّهِ وَلِحُرْمِهِ بِاَطْيَبِ مَا اَجِدُ ۔ فَرَوٰى هٰذِهِ الرِّوَايَةَ بِعَيْنِهَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَدَاوُدُ الْعَطَّارُ وَحُمَيْدُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَوُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ وَاَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

٢۔ وَرَوٰى هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ اِلَيَّ رَاْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ فَرَوَاهَا بِعَيْنِهَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

٣۔ وَرَوَى الزُّهْرِيُّ وَصَالِحُ بْنُ اَبِيْ حَسَّانَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ ، فَقَالَ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ فِي الْقُبْلَةِ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُرْوَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ۔

٤۔ وَرَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لُحُومَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ۔ فَرَوَاهُ حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا النَّحْوُ فِي الرِّوَايَاتِ كَثِيْرٌ يَكْثُرُ تَعْدَادُهُ وَفِيْمَاذَكَرْنَا مِنْهَا كِفَايَةٌ لِذَوِي الْفَهْمِ ۔

تو اُن روایات میں سے ہے:

(۱) ایوب سختیانی، ابن المبارک، وکیع، ابن نُمیر اور ان کے علاوہ ایک جماعت، ہشام بن عروہ سے روایت کرتی ہے، وہ اپنے والد عروہ سے، اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی، احرام کھولتے وقت، اور احرام باندھتے وقت، عمدہ سے عمدہ جو خوشبو میں پاتی۔

اب بعینہٖ اسی روایت کو لیث بن سعد، داؤد عطار، حُمید، وُہیب اور ابواُسامہ حضرت ہشام سے روایت کرتے ہیں: ہشام نے کہا کہ مجھے عثمان نے بتایا روایت کرتے ہوئے عروہ سے، وہ حضرت عائشہؓ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں (اس سند میں عثمان کا اضافہ دلیل ہے کہ پہلی سند میں انقطاع ہے)۔

(۲) اور ہشام نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک میری طرف جُھکا دیتے، میں آپ کے سر میں کنگھی کیا کرتی، درآنحالیکہ میں حائضہ ہوتی، اب بعینہ اسی روایت کو مالک بن انس امام زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ عروہ سے، وہ عمرہ سے وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

(اس سند میں عمرہ کا اضافہ دلیل ہے کہ پہلی سند میں ارسال ہے)۔

(۳) اور زہری اور صالح بن ابی حسان نے ابوسلمہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے تھے۔ اب یحیٰی بن ابی کثیر اسی قُبلہ والی روایت میں کہتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، ان کو عمر بن عبدالعزیز نے، ان کو عروہ نے اور ان کو حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے (اس اسناد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عروہ کے واسطے بڑھے ہوئے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ پہلی سند میں انقطاع ہے)۔

(۴) اور ابن عیینہ وغیرہ نے عَمرو بن دینار سے اور انہوں نے حضرت جابر سے روایت کی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی، اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اب اسی حدیث کو حماد بن زید حضرت عمرو سے، وہ محمد بن علی سے، وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (اس اسناد میں محمد بن علی کا اضافہ ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پہلی اسناد میں انقطاع ہے) اور یہ انداز روایات میں اتنا زیادہ ہے کہ جس کے شمار میں طوالت ہے اور ان میں سے جتنی

مثالیں ہم نے ذکر کی ہیں وہ عقل مندوں کے لئے کافی ہے۔

تشریح

''وان هو ادعی ''اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے صحت حدیث کے لئے ثبوت لقاء کی شرط لگائی ہے وہ اپنے مدعا پر اس طرح عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ راویانِ حدیث جب ایک دوسرے سے روایت بیان کرتے ہیں تو پُرانے زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ روایت تو کرتے ہیں لیکن انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ سنا ہے بس ارسال اور انقطاع کے ساتھ روایت چلاتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اصولی طور پر مرسل روایت حجت اور دلیل نہیں ہے تو اس خرابی کی وجہ سے ہم مجبور ہوئے کہ ہم یہ کہدیں کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان لقاء وسماع ضروری ہے اور اس کی جانچ پڑتال کرنی چاہئے اگر اس جانچ پڑتال میں ہمیں حدیث کی سند میں کسی ایک جگہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات یا سماع کا پتہ چلا تو ہم اس راوی کی تمام روایات کو قبول کرلیں گے لیکن اگر سماع ولقاء کا علم ہمیں نہیں ہوا تو ہم ارسال وانقطاع کے احتمال کی وجہ سے اس کی تمام روایات کو موقوف کہیں گے اور یہ حدیث ہمارے ہاں حجت نہیں ہوگی کیونکہ اس میں ارسال وانقطاع کا احتمال ہے۔

حدیث مرسل کی تعریف اور حکم

"المرسل.............. لیس بحجة"

مرسل ارسال سے چھوڑنے کے معنی میں ہے، مرسل کی تعریف یہ ہے کہ تابعی حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے اور صحابی کا واسطہ چھوڑ دے مثلاً قال سعید بن المسیب: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مرسل کے مقبول وعدم مقبول ہونے میں کئی اقوال ہیں:

۱۔مرسل مطلقاً حجت نہیں ہے ۲۔مرسل مطلقاً حجت ہے ۳۔صرف مرسل صحابی مقبول ہے اس کے علاوہ نہیں۔

۴۔صرف قرونِ ثلاثہ کی روایت کردہ مرسل مقبول ہے اس کے علاوہ نہیں۔

۵۔اگر مُرسِل صرف ثقہ راوی سے ارسال کرتا ہو خود بھی ثقہ ہو تو مقبول ہے اور اگر ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کے راوی سے روایت کرتا ہے تو روایت نامقبول ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔

۶۔اگر مرسَل روایت کی تائید میں کوئی اور روایت موجود ہو تو مقبول اور حجت ہے ورنہ نہیں ہے یہ مسلک شوافع کا ہے۔

۷۔صرف مندوبات میں مرسل حجت ہے واجبات میں حجت نہیں ہے۔

۸۔عیسی بن ابان کے نزدیک مرسل مسند سے اقویٰ ہے کیونکہ راوی نے کمال اعتماد کی بنیاد پر واسطہ حذف کیا ہے جیسے مرسلات

امام مالک ہیں یہ قول اور قول نمبر۲ ایک جیسے ہے یہاں تفصیل ہے۔

ان تمام اقوال میں دوقول مشہور ہیں:

پہلا قول امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء وتابعین کا ہے کہ اگر مرسِل خود ثقہ ہے اور عادل راوی سے روایت کرتا ہے تو وہ حجت ہے اور اگر غیر ثقہ سے بھی روایت کرتا ہے تو حجت نہیں ہے۔

دوسرا قول امام شافعی اور محدثین کا ہے کہ اگر مرسل روایت کی تائید میں کوئی دوسری روایت ہے تو قبول ہے ورنہ نہیں۔

بہر حال جمہور تابعین فقہاء اور اصولیین کے نزدیک ثقہ کی مرسل حجت ہے امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے نام جو مکتوب لکھا ہے اس میں یہ الفاظ مراسیل ابی داؤد میں منقول ہیں:

"واما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء في مامضى مثل سفيان الثورى ومالك والاوزاعى حتى جاء الشافعى فتكلم فيها"

ابن جریر طبری کہتے ہیں:

"اجمع التابعون بأسرهم على قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولاعن احدمن الائمة بعدهم الى رأس المئتين"۔ (عمدة المفهم،ص۵۳)

اس دلیل کا جواب

مدعی کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ارسال اور انقطاع کے احتمال سے حدیث کو ضعیف کہتے ہو اور اس کو قابل استدلال نہیں سمجھتے تو آپ پر لازم ہے کہ عنعنہ کے ساتھ نقل کردہ کسی بھی روایت کو قبول نہ کرو جب تک کہ اول سے آخر تک آپ کو سماع اور لقاء کا ثبوت نہ مل جائے۔ حالانکہ اس طرح آپ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ جس کسی سند میں عنعنہ ہے اور سماع اور لقاء کا ثبوت نہیں ہے تو اس میں بھی احتمال ہے کہ انقطاع اور ارسال ہو حالانکہ اس طرح آپ بھی نہیں کہتے اور نہ کر سکتے ہو کیونکہ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک سند میں اگر کسی راوی کی ملاقات مروی عنہ سے ثابت ہے تو اسی کی دوسری سند اور روایت میں ارسال اور انقطاع کا احتمال موجود ہے مثال کے طور پر ہشام اپنے باپ عروہ سے اور عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کرتا ہے تو ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ہشام نے اپنے باپ سے سنا ہے اور سماع ثابت ہے اسی طرح عروہ نے حضرت عائشہ سے سنا ہے اور سماع ثابت ہے جس طرح کہ حضرت عائشہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع قطعی طور پر ثابت ہے، اب اس میں اگر ہشام اپنے باپ عروہ سے عنعنہ کے ساتھ روایت بیان کرے اور سمعت یا اخبرنی کے الفاظ ادا نہ کرے تو اس میں احتمال ہے کہ ہشام اور عروہ کے درمیان کوئی واسطہ ہو جس کو ہشام نے کسی غرض سے چھوڑ دیا ہو گویا ہشام نے چاہا کہ اس کو مرسل بیان کرے

اور درمیان کے واسطے کوذکر نہ کرے۔یہی احتمال عروہ اور حضرت عائشہ کے درمیان بھی ہے تو اس طرح ثابت شدہ حقیقت میں راویانِ حدیث کبھی کبھی درمیان کا واسطہ گرادیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کبھی نشاط میں ہوتے ہیں تو پوری سند کو رجال کے ساتھ آخر تک بیان کردیتے ہیں جس کو نزول کہتے ہیں اور کبھی نشاط میں نہیں ہوتے ہیں تو سند سے کوئی واسطہ کاٹ دیتے ہیں جس کو صعود کہتے ہیں جبکہ سو فیصد معلوم ہے کہ جس سے عنعنہ کے ساتھ روایت بیان کررہا ہے اس سے سماع ثابت ہے، یہ مثالیں محدثین کے طرز بیان میں موجود ہیں، مشتے از نمونہ خروارے چار مثالیں پیش خدمت ہیں:

مثلاً۔حضرت عائشہ کی روایت ”کنتُ اطیب رسول الله صلی الله علیه و سلم الخ “ایوب سختیانی وغیرہ ایک جماعت نے عن هشام عن عروة عن عائشة کے الفاظ میں نقل کیا ہے مگر بعینہ یہی روایت ابواسامہ اوران کی جماعت نے عن هشام عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة بیان کیا ہے، یہاں عثمان کا واسطہ آگیا پہلی سند میں نہیں تھا تو کیا اس کو منقطع قرار دیا جائے گا؟

۲۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

عن هشام عن ابیه عن عائشة قالت کان النبی صلی الله علیه و سلم اذااعتکف یدنی الی راسه الخ

اس روایت کو بعینہ مالک بن انس اوران کے ساتھیوں نے عروة عن عَمرة عن عائشة کے الفاظ سے بیان کیا ہے یہاں عَمرہ کا واسطہ ہے پہلی روایت میں نہیں تو کیا اس کو مرسل اور منقطع کہو گے؟۔

۳۔ اسی طرح ابوسلمہ اوران کی جماعت نے حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

کان النبی صلی الله علیه و سلم یقبل وهوصائم۔

بعینہ اسی روایت کو ابوسلمہ نے عمر بن عبدالعزیز اور عروہ نے دو واسطوں سے نقل کیا ہے تو کیا پہلی والی حدیث منقطع مانی جائے گی؟

۴۔اسی طرح سفیان بن عُیینہ اوران کی جماعت نے ایک روایت یُوں بیان کی ہے:

عن عمروبن دینارعن جابرقال اطعمنا رسول الله صلی الله علیه و سلم الخ

بعینہ اسی روایت کو حماد بن زید اوران کی جماعت نے عَن محمدبن علی عن جابر ایک اضافی واسطہ سے ذکر کیا ہے تو کیا پہلی والی روایت منقطع سمجھی جائے گی؟

اس طرح دیگر کئی مثالیں بھی موجود ہیں جو علماء پر پوشیدہ نہیں ہیں مگر عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

بلاضرورت تفتیش نہ کریں جواب کی مزید وضاحت

فَـاِذَا کَـانَتِ الْعِلَّةُ عِنْدَ مَنْ وَصَفْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ فِی فَسَادِ الْحَدِیْثِ وَتَوْهِیْنِهِ اِذَالَمْ یُعْلَمْ اَنَّ الرَّاوِیَ قَدْسَمِعَ مِمَّنْ رَوَی عَنْـهُ شَیْـئًـا اِمْکَانَ الْاِرْسَالِ فِیْهِ لَزِمَهُ تَرْکُ الْاِحْتِجَاجِ فِی قِیَادِ قَوْلِهِ بِرِوَایَةِ مَنْ یُعْلَمُ اَنَّهُ قَدْسَمِعَ مِمَّنْ رَوَی

عَنْهُ اِلَّافِی نَفْسِ الْخَبَرِ الَّذِی فِیهِ ذِکْرُالسَّمَاعِ لِمَابَیَّنَّا مِنْ قَبْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الَّذِیْنَ نَقَلُوْاالْاَخْبَارَ اَنَّهُ کَانَتْ لَهُمْ تَارَاتٌ یُرْسِلُوْنَ فِیْهَاالْحَدِیْثَ اِرْسَالًا وَلَایَذْکُرُوْنَ مَنْ سَمِعُوْا مِنْهُ وَتَارَاتٌ یَنْشَطُوْنَ فِیْهَا فَیُسْنِدُوْنَ الْخَبَرَ عَلٰی هَیْئَةِ مَاسَمِعُوْافَیُخْبِرُوْنَ بِالنُّزُوْلِ فِیْهِ اِنْ نَزَلُوْا وَبِالصُّعُوْدِ فِیْهِ اِنْ صَعِدُوْا، کَمَا شَرَحْنَا ذٰلِكَ عَنْهُمْ ۔

وَمَاعَلِمْنَا اَحَدًا مِنْ اَئِمَّةِ السَّلَفِ مِمَّنْ یَّسْتَعْمِلَ الْاَخْبَارَ وَیَتَفَقَّدُصِحَّةَ الْاَسَانِیْدِ وَسَقْمِهَا مِثْلَ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیِّ وَابْنِ عَوْنٍ وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَیَحْیَی بْنِ سَعِیْدِ الْقَطَّانِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِیٍّ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ اَهْلِ الْحَدِیْثِ فَتَّشُوْا عَنْ مَوْضِعِ السَّمَاعِ فِی الْاَسَانِیْدِ کَمَا ادَّعَاهُ الَّذِی وَصَفْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ ۔

پس جب اس شخص کے نزدیک جس کا قول ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔حدیث کوضعیف اور کمزور قرار دینے کی وجہ جب یہ بات معلوم نہ ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے کچھ سنا ہےاس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہےتو اس کے قول کے مقتضی کے مطابق اس راوی کی روایت کو بھی نا قابل استدلال ماننا ضروری ہے،جس کے متعلق معلوم ہے کہ اس نے مروی عنہ سے سنا ہے، مستثنیٰ صرف وہ حدیث ہے جس میں سماع صراحۃً مذکور ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے ان ائمہ کے بارے میں جنہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں بیان کرتے آئے ہیں کہ ان کے احوال مختلف ہوتے تھے،بعض حالات میں وہ حدیث کو بالکل ہی مرسل (منقطع) روایت کرتے تھے،اور اس شخص کا نام نہیں لیتے تھے جس سے انہوں نے حدیث سنی ہوتی اور بعض حالات میں نشاط میں ہوتے تو وہ حدیث کی اسناد اس طرح بیان کرتے جس طرح انہوں نے حدیث سنی ہوتی، چنانچہ وہ حدیث کو نزول (اُتار) کے ساتھ بیان کرتے تھے اگر ان کی سند نازل ہوتی اور علُو کے ساتھ بیان کرتے تھے اگر ان کی سند عالی ہوتی جیسا کہ ہم اس کی تشریح (ان کی روایتوں کو بطور مثال ذکر کرکے) کر چکے ہیں۔

اور ہم کسی کو نہیں جانتے،ان ائمہ متقدمین میں سے جو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور سندوں کی صحت وضعف کی چھان بین کرتے ہیں، جیسے ایوب سختیانی،ابن عون،امام مالک،شعبہ،یحییٰ بن سعید قطان،ابن مہدی اور وہ محدثین جو ان کے بعد ہوئے،کہ انہوں نے سندوں میں سماع کے مقامات کی تفتیش کی ہو (کہ کہاں سماع ہے اور کہاں نہیں ہے؟) جیسا کہ اس شخص کا دعویٰ ہے،جس کا قول ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح

''فاذا کانت العلة'' خلاصہ یہ کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے احادیث کو اس بنیاد پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس میں سماع کی صراحت نہیں ہے اور راوی اور مروی عنہ کے درمیان ارسال اور انقطاع کا احتمال ہے تو اس شخص پر اپنے قول کے مطابق لازم ہے کہ وہ صرف اس حدیث کو قبول کرے جس میں سماع ہو اور جس میں سماع کی صراحت نہ ہو اس کو رد کردے حالانکہ ہم نے پہلے بیان

کیا ہے کہ راویوں کے مختلف احوال ہوتے ہیں کبھی نشاط میں ہوتے ہیں تو تمام راویوں کا نام لیتے ہیں اور کبھی دوسری کیفیت میں ہوتے ہیں تو کچھ واسطوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو علوِ سند اور نزول سند ان کے اپنے احوال ہیں اگر واسطے زیادہ ہوگئے تو سند نازل بن گئی واسطے کم ہوگئے تو سند عالی ہوگئی یہ محدثین کے ہاں ہے، ادھر صوفیاء کرام کے سلسلوں میں جتنے واسطے زیادہ ہوتے ہیں وہ سلسلہ عالی سمجھا جاتا ہے۔ ''فی قیاد قولہ'' اس کے قول کی روشنی میں اس کے تقاضے کے مطابق تو بالکل استدلال نہیں کرنا چاہیے۔ ''الافی نفس الخبر'' یہ استثناء واقع ہے۔ ''ترك الخبر'' یعنی صرف اس روایت سے استدلال جائز ہے جس میں سماع کی تصریح ہو۔

''وماعلمنا احدًا'' یعنی اکابر محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل کے بڑے علماء جو گذر چکے ہیں ہمیں کسی کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ بلاضرورت سماع ولقاء کی تفتیش کیا کرتے تھے ایوب سختیانی اور ان کی جماعت کے جبال العلم کو لیجئے کہ وہ احادیث میں ہر قسم تفتیش وتلاش اور جستجو کرتے ہیں لیکن انہوں نے سماع ولقاء کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ جب ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ سے نقل کرتا ہے تو اس میں بدگمانی کی کیا ضرورت ہے؟ ثقہ کا نقل کرنا آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے۔

بہر حال امام مسلم نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ایک وعظ ونصیحت ہے اس کی وجہ سے جرح وتعدیل کے میدان میں قانونی باریکیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے جو حضرات لقاء وسماع کی شرط لگاتے ہیں وہ تو ہر جگہ شرط نہیں لگاتے وہ فرماتے ہیں کہ کہیں بھی ہو زندگی بھر میں ایک آدھ ملاقات ضروری ہے اور واقعی یہ بات ضروری ہے۔

ہاں مدلس کی روایت کی تفتیش ضروری ہے

وَإِنَّمَا كَانَ تَفَقُّدُ مَنْ تَفَقَّدَ مِنْهُمْ سَمَاعَ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمْ إِذَا كَانَ الرَّاوِي مِمَّنْ عُرِفَ بِالتَّدْلِيْسِ فِي الْحَدِيْثِ وَشُهِرَ بِهٖ فَحِيْنَئِذٍ يَبْحَثُوْنَ عَنْ سَمَاعِهٖ فِيْ رِوَايَتِهٖ وَيَتَفَقَّدُوْنَ ذٰلِكَ مِنْهُ كَيْ تَنْزَاحَ عَنْهُمْ عِلَّةُ التَّدْلِيْسِ فَمَنِ ابْتَغٰى ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ مُدَلِّسٍ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ زَعَمَ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهٗ فَمَا سَمِعْنَا ذٰلِكَ عَنْ اَحَدٍ مِّمَّنْ سَمَّيْنَا وَلَمْ نُسَمِّ مِنَ الْاَئِمَّةِ۔

اور جن ائمہ حدیث نے مروی عنہم سے رُوات حدیث کے سماع کی تفتیش کی ہے، وہ اسی صورت میں کی ہے جب راوی بیان حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف ہو اور تدلیس میں اس کی شہرت ہو، تو اس وقت ائمہ حدیث اس کی روایت میں سماع کی تحقیق کرتے تھے اور اس راوی کے متعلق اس چیز کی جستجو کرتے تھے، تاکہ اس سے تدلیس کی خرابی دور ہو جائے مگر جو شخص غیر مدلس راوی سے اس بات کا خواہشمند ہے جیسا کہ وہ شخص کہتا ہے جس کا قول ہم نے نقل کیا ہے تو یہ بات ہم نے ائمہ حدیث میں سے کسی سے نہیں سنی، نہ ان سے جن کا ہم نے نام لیا ہے اور نہ اُن سے جن کا ہم نے نام نہیں لیا ہے۔

فَمِنْ ذٰلِكَ

۲۰۱۔ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيَّ وَقَدْ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَوٰى عَنْ حُذَيْفَةَ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ

الْاَنْصَارِیَّ وَعَنْ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَدِیْثًا یُسْنِدُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَیْسَ فِیْ رِوَایَتِهٖ عَنْهُمَا ذِکْرُ السَّمَاعِ مِنْهُمَا وَلَاحَفِظْنَا فِیْ شَیْءٍ مِنَ الرِّوَایَاتِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ یَزِیْدَ شَافَهَ حُذَیْفَةَ وَاَبَامَسْعُوْدٍ بِحَدِیْثٍ قَطُّ وَلَاوَجَدْنَا ذِکْرَ رُؤْیَتِهٖ اِیَّاهُمَا فِیْ رِوَایَةٍ بِعَیْنِهَا وَلَمْ نَسْمَعْ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ مَضٰی وَلَامِمَّنْ اَدْرَکْنَا اَنَّهٗ طَعَنَ فِیْ هٰذَیْنِ الْخَبَرَیْنِ الَّذَیْنِ رَوَاهُمَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یَزِیْدَ عَنْ حُذَیْفَةَ وَاَبِیْ مَسْعُوْدٍ بِضَعْفٍ فِیْهِمَا بَلْ هُمَاوَمَااَشْبَهَهُمَا عِنْدَ مَنْ لَاقَیْنَا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِیْثِ مِنْ صِحَاحِ الْاَسَانِیْدِ وَقَوِیِّهَا یَرَوْنَ اِسْتِعْمَالَ مَانُقِلَ بِهَا وَالْاِحْتِجَاجُ بِمَا اَتَتْ مِنْ سُنَنٍ وَآثَارٍ ۔ وَهِیَ فِیْ زَعْمِ مَنْ حَکَیْنَا قَوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَاهِیَةٌ مُهْمَلَةٌ حَتّٰی یُصِیْبَ سَمَاعَ الرَّاوِیْ عَمَّنْ رَوٰی وَلَوْ ذَهَبْنَا نُعَدِّدُ الْاَخْبَارَ الصِّحَاحَ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ یَهِنُ بِزَعْمِ هٰذَاالْقَائِلِ وَنُحْصِیْهَا لَعَجَزْنَا عَنْ تَقَصِّیْ ذِکْرِهَا وَاِحْصَائِهَا کُلِّهَا وَلٰکِنَّا اَحْبَبْنَا اَنْ نَنْصِبَ مِنْهَا عَدَداً یَکُوْنُ سِمَةً لِمَاسَکَتْنَا عَنْهُ مِنْهَا ۔

سوان روایات میں سے ہے:

۱،۲۔کہ عبداللہ بن یزید انصاری نے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کی ہے،ان میں سے ہرایک سے ایک ایک حدیث روایت کی ہے جس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔مگر عبداللہ کی روایت میں حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے سماع کی صراحت نہیں ہے اور نہ ہمیں کوئی ایسی روایت یاد ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ عبداللہ بن یزید نے حضرت حذیفہ اور حضرت ابومسعود انصاری سے منہ درمنہ کبھی کوئی حدیث لی ہو اور نہ کسی معین روایت میں ہم نے ان دونوں صحابیوں کو عبداللہ کے دیکھنے کا تذکرہ پایا ہے اور ہم نے اہل علم میں سے کسی سے نہیں سنا نہ ان سے جو ہم سے پہلے گذرے اور نہ ان سے جن کو ہم نے پایا کہ اس نے ان دونوں روایتوں پر ضعیف ہونے کا اعتراض کیا ہو جن کو عبداللہ بن یزید نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کیا ہے، بلکہ یہ دونوں روایتیں اور ان جیسی اور روایتیں حدیث شریف کے ان عالموں کے نزدیک جن سے ہماری ملاقات ہوئی ہے صحیح اور قوی سندوں میں سے ہیں وہ سب حضرات ان سندوں سے جو روایتیں نقل ہوئی ہیں ان کو کارآمد سمجھتے ہیں اور جو آثار وسنن ان سندوں سے آئے ہیں ان سے استدلال کے قائل ہیں درآنحالیکہ یہ روایتیں اس شخص کے خیال میں جس کا قول ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ضعیف اور بے کار ہیں تاآنکہ وہ شخص راوی کا مروی عنہ سے سماع پائے۔

اور اگر ہم ان سب حدیثوں کو جو ائمہ فن کے نزدیک صحیح ہیں اور شخص مذکور کے نزدیک ضعیف ہیں،شمار کرنے لگیں اور احاطہ کرنے کی کوشش کریں تو ان سب کو شمار کرتے کرتے ہم تھک جائیں گے،البتہ ہم چاہتے ہیں کہ ان میں سے چند روایتیں ایسی کھڑی کردیں جو علامت بن جائیں ان روایات کے لئے جن کے بیان سے ہم خاموش رہے ہیں۔

۴۰۳۔ وَهٰذَا اَبُوْ عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ وَاَبُوْ رَافِعٍ الصَّائِغُ وَهُمَا مِمَّنْ اَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَصَحِبَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ هَلُمَّ جَرًّا وَنَقَلَا عَنْهُمُ الْاَخْبَارَ حَتّٰى نَزَلَا اِلٰى مِثْلِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَذَوِيْهِمَا قَدْ اَسْنَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَلَمْ نَسْمَعْ فِيْ رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا اَنَّهُمَا عَايَنَا اُبَيًّا اَوْ سَمِعَا مِنْهُ شَيْئًا۔

۴۰۳۔ اور یہ ابوعثمان نہدی اور ابورافع صائغ ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور بدری صحابہ اور درجہ بدرجہ نیچے کے صحابہ کی صحبت پائی ہے اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور ان جیسے دوسرے صحابہ تک نیچے اتر کر روایتیں کی ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے مگر ہم نے کسی معین روایت میں یہ نہیں سنا ہے کہ ان دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو دیکھا ہے یا ان سے کچھ سنا ہے۔

تشریح

''وانما کان تفقد من تفقد'' اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن حضرات محدثین نے سند کے اتصال وانقطاع اور سماع وعدم سماع کی جہاں تفتیش کی ہے وہ تدلیس اور مشہور مدلسین کے بارے میں ہے تاکہ تدلیس کا دھبہ زائل ہوجائے لیکن غیر مدلسین کی اس طرح تفتیش جس طرح اس فاسد قول والے کررہے ہیں یہ تفتیش ہم نے کسی بھی اہل جرح وتعدیل سے نہیں دیکھی ہے۔ مدلس کی ہر حدیث میں سماع کی تحقیق ضروری ہے تاکہ حدیث میں تدلیس کی خرابی دور ہوجائے لیکن جو لوگ تدلیس بالکل نہیں کرتے یا تدلیس میں مشہور نہیں ہیں ان کے بارے میں تفتیش کرنے کا ہم نے کسی سے نہیں سنا ہے۔

تدلیس ومدلسین کی بحث

حدیث معنعن کی بحث میں ایک لفظ آیا ہے یعنی ''من عرف بالتدلیس'' اس لفظ سے تدلیس کی بحث شروع ہوجاتی ہے تدلیس باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے چھپانے اور لپیٹنے کے معنی میں ہے خاص کر بیوعات میں مبیعہ کے عیب کو چھپانے پر بولا جاتا ہے بائع جب اپنے سامان میں ناقص مال کو چھپا کر عمدہ مال دکھانے کی کوشش کرے تو یہ لغوی اعتبار سے تدلیس ہے اسی وجہ سے دلس، دجل اور دھوکہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس یہ ہے کہ کوئی راوی کسی وجہ سے روایت میں اپنے شیخ کا نام ظاہر نہ کرے بلکہ اس کو ساقط کرے اور اپنے شیخ کے شیخ کا نام اس انداز سے ذکر کرے کہ سننے والا یہ گمان کرے کہ اس نے اس سے سنا ہے حالانکہ اس نے نہ ان سے سنا ہے اور نہ ملاقات ہوئی ہے اس عمل کے مرتکب کو مدلّس کہتے ہیں اس کی روایت مدلّس ہوتی ہے اور یہ عمل ''تدلیس'' کہلاتا ہے تدلیس حرام ہے اور اس قسم کی روایت غیر معتبر ہے، مدلّس پانچ

قسم پر ہیں تو تدلیس کی بھی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ ایسامدلس جس نے زندگی میں شاذونادر ایک آدھ بار تدلیس کا عمل کیا ہو اس تدلیس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی روایت معتبر ہے جیسے یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہ اللہ کی تدلیس ہے تو ان کا عنعنہ معتبر ہے۔

۲۔ ایسامدلس جو تدلیس کرتا رہتا ہے لیکن وہ خود امام زمان ہے علم کا پہاڑ ہے تو اس کی روایت بھی معتبر ہے کیونکہ وہ خود ثقہ ہے اور ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے جیسے سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں یا اگر وہ مدلس خود امام زمان نہیں ہے لیکن ایسے لوگوں سے تدلیس کرے جو خود امام زمان ہوں یہ روایت بھی معتبر ہے جیسے سفیان بن عیینہ ہیں وہ خود تو امام زمان نہیں ہیں مگر جن سے روایت کرتے ہیں وہ امام زمان ہیں۔

۳۔ ایسامدلس جو کثرت سے تدلیس کرتا رہتا ہے اس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے۔

۴۔ ایسامدلس ہے جو تدلیس بھی کرتا ہے اور ضعفاء اور غیر ضعفاء ہر ایک سے روایت لے رہا ہے اور عنعنہ کر رہا ہے یہ مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے اس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے بلکہ سماع کی تصریح ضروری ہے۔

۵۔ ایساراوی ہے جو مدلس بھی ہے اور تدلیس کے ساتھ ساتھ طعن راوی کے اسباب بھی اس میں موجود ہیں تو اس کا عنعنہ بھی قبول نہیں ہے اور سماع کی تصریح کے ساتھ کوئی روایت بھی قبول نہیں ہے مثلاً وہ رأیتُ یا سمعتُ وغیرہ الفاظ سے روایت کرے تب بھی قبول نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس راوی نے زندگی میں ایک بار تدلیس کی اس کی روایت قطعاً معتبر نہیں ہے لیکن دیگر محدثین امام شافعیؒ کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو راوی کثرت سے تدلیس کرتا ہے اس کی روایت معتبر نہیں اور کثرت کی اس شرط کی طرف امام مسلمؒ نے شهر به سے بھی اشارہ کر دیا ہے وعرف بالتدلیس سے بھی اشارہ کیا ہے۔

تدلیس کی تین صورتیں اور بھی ہیں جو بہت مشہور ہیں جن کا تذکرہ بقیہ بن الولید مجروح نمبر ۲۹ پر کلام کے دوران ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ "کی تنزاح" ای تنکشف و تزول یعنی دور ہو جائے۔

لقاء وسماع کے علم کے بغیر صحیح روایات کی سولہ مثالیں

خلاصہ یہ کہ ائمہ جرح و تعدیل ضرورت کے بغیر ثقہ راویوں کے سماع و لقاء کی تحقیق و تفتیش نہیں کرتے بلکہ معاصرت اور امکان لقاء کو کافی سمجھتے ہیں ذخیرۂ احادیث میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں راویوں کا آپس میں نہ لقاء معلوم ہے نہ سماع کا پتہ چلتا ہے پھر بھی تمام محدثین ایسی روایات کو صحیح سمجھتے ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں ایسی سولہ مثالیں ملاحظہ فرمائیں اور پھر ان لوگوں کے باطل قول پر غور کریں کہ یہ قول کتنا غلط ہے۔

۵،٦۔ وَاَسْنَدَ اَبُوعَمْرٍو الشَّيْبَانِيُّ وَهُوَ مِمَّنْ اَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَكَانَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَاَبُوْمَعْمَرٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَخْبَرَةَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَيْنِ۔

اور ابو عمرو شیبانی اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ جوان تھے اور ابو معمر عبداللہ بن سخبرہ ہر ایک نے دو، دو حدیثیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہیں۔

۷۔ وَاَسْنَدَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وُلِدَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اور عُبید بن عُمیر نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے اور عُبید دور نبوی میں پیدا ہوئے ہیں۔

۸۔ وَاَسْنَدَ قَيْسُ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ وَقَدْ اَدْرَكَ زَمَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ هُوَ الْاَنْصَارِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَخْبَارٍ۔

اور قیس بن ابی حازم نے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے تین مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۹۔ وَاَسْنَدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ لَيْلٰى وَقَدْ حَفِظَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَصَحِبَ عَلِيًّا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۰۔ وَاَسْنَدَ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ۔

اور رِبعی بن حراش نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے دو مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۱۱۔ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَقَدْ سَمِعَ رِبْعِيٌّ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَرَوٰى عَنْهُ۔

اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے اور ربعی نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔

۱۲۔ وَاَسْنَدَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور نافع نے حضرت ابو شُریح خُزاعی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۳۔ وَاَسْنَدَ النُّعْمَانُ بْنُ اَبِيْ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ثَلَاثَةَ اَحَادِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نعمان نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے تین مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۱۴۔ وَاَسْنَدَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثاً۔

اورعطاء بن یزید لیثی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۵۔ وَاَسْنَدَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور سلیمان بن یسار نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۶۔ وَاَسْنَدَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَادِيْثَ۔

اور حمید نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

تشریح

''حتی نزلا''یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ راوی سے مرفوع حدیثیں بیان کیں''اسند''مرفوع حدیث بیان کرنے کے لئے یہاں تمام مثالوں میں اسند کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

سولہ مثالوں پر تبصرہ

فَكُلُّ هٰؤُلَاءِ التَّابِعِيْنَ الَّذِيْنَ نَصَبْنَا رِوَايَتَهُمْ عَنِ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ سَمَّيْنَاهُمْ لَمْ يُحْفَظْ عَنْهُمْ سَمَاعٌ عَلِمْنَاهُ مِنْهُمْ فِيْ رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا وَلَااَنَّهُمْ لَقُوْهُمْ فِيْ نَفْسِ خَبَرٍبِعَيْنِهِ۔ وَهِيَ اَسَانِيْدُ عِنْدَ ذَوِى الْمَعْرِفَةِ بِالْاَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ مِنْ صِحَاحِ الْاَسَانِيْدِ لَانَعْلَمُهُمْ وَهَّنُوْامِنْهَا شَيْئًاقَطُّ وَلَاالْتَمَسُوْ فِيْهَا سَمَاعَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ اِذِالسَّمَاعُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ مُمْكِنٌ مِنْ صَاحِبِهٖ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ لِكَوْنِهِمْ جَمِيْعًا كَانُوْا فِى الْعَصْرِ الَّذِىْ اِتَّفَقُوْا فِيْهِ۔

پس یہ سب تابعین جن کی نامزد صحابہ سے روایتیں ہم نے بطور مثال ذکر کی ہیں ان کے بارے میں ایسا سماع مروی نہیں ہے جسے ہم کسی معین روایت میں جانتے ہوں اور نہ کسی معین روایت میں یہ بات مروی ہے کہ ان تابعین نے ان صحابہ سے ملاقات کی ہے درآنحالیکہ یہ سب حدیثیں عارفین روایات واخبار کے نزدیک صحیح الاسانید ہیں اور ہم کسی محدث کونہیں جانتے کہ اس نے اُن روایتوں میں سے کسی کوضعیف کہا ہو، یا سماع کی تلاش اور جستجو کی ہو کیونکہ ہر ایک کا سماع مروی عنہ سے ممکن ہے غیر معروف نہیں ہے ان سب حضرات کے ایک ہی زمانہ میں ہونے کی وجہ سے۔

تشریح

''فکل ھؤلاء''خلاصہ یہ کہ اوپر جن تابعین کی صحابہ کرام سے روایتوں کی سولہ مثالیں ذکر کی گئی ہیں ان تابعین کا ان صحابہ سے روایت کرنے میں کہیں بھی سماع اور لقاء کا تذکرہ نہیں ہے پھر بھی تمام محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحیح الاسانید ہیں آج تک کسی نے ان روایتوں کوضعیف نہیں کہاہے اور نہ کسی نے ثبوت لقاء کی تفتیش وجستجو کی ہے کیونکہ زمانہ ایک ہونے کی وجہ سے لقاء وسماع

ممکن ہے اور اسی امکان کو اتصال سند کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

''نصبنارو ایتھم ''یعنی بطور مثال جن کی روایتیں ہم نے بیان کی ہیں ''وھن'' باب تفعیل سے کمزور کرنے کے معنی میں ہے۔

خاتمۂ کلام

وَكَانَ هٰذَاالْقَوْلُ الَّذِیْ اَحْدَثَهُ الْقَائِلُ الَّذِیْ حَكَيْنَاهُ فِیْ تَوْهِيْنِ الْحَدِيْثِ بِالْعِلَّةِ الَّتِیْ وَصَفَ اَقَلَّ مِنْ اَنْ يُّعَرَّجَ عَلَيْهِ وَيُثَارَ ذِكْرُهُ اِذْكَانَ قَوْلًا مُحْدَثًا وَكَلَامًا خَلْفًا لَمْ يَقُلْهُ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ سَلَفَ وَيَسْتَنْكِرُهُ مِنْ بَّعْدِهِمْ خَلَفَ فَلَا حَاجَةَ بِنَا فِیْ رَدِّهٖ بِاَكْثَرَ مِمَّاشَرَحْنَا اِذْكَانَ قَدْرُالْمَقَالَةِ وَقَائِلِهَا الْقَدْرَ الَّذِیْ وَصَفْنَا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی دَفْعِ مَاخَالَفَ مَذْهَبَ الْعُلَمَاءِ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَهُ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَامُحَمَّدٍوَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۔

اور یہ قول جسے اس قائل نے ایجاد کیا ہے، جس کو ہم نے نقل کیا ہے حدیث کو کمزور کرنے کے لئے اس سبب سے جس کا اس نے ذکر کیا ہے، کم رُتبہ ہے اس سے کہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اس کی تشہیر کی جائے، کیونکہ وہ ایک ایجاد کردہ قول اور فاسد کلام ہے جس کا متقدمین اہل علم میں سے کوئی قائل نہیں ہے اور جو لوگ بعد میں آئے وہ بھی اس قول کو اجنبی (غیر معروف) سمجھتے ہیں لہٰذا ہم نے جتنی تشریح کردی اس سے زیادہ تردید اور تشریح کی حاجت نہیں ہے کیونکہ بات کی اور اس کے قائل کی وقعت اتنی ہی ہے جتنی ہم نے بیان کی اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اس قول کو دفع کرنے کے لئے جو علماء کے مذہب کے خلاف ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور تمام تعریفیں تنہا اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور رحمتیں نازل فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ان کے صحابہ پر اور سلامتی نازل فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)۔

تشریح

''وکان ھذاالقول'' خلاصہ یہ کہ کافی تفصیل سے جس قول کی تردید کی جارہی ہے وہ قطعاً ناقابل التفات اور ناقابل تشہیر قول ہے کیونکہ وہ ایک خانہ ساز، نو ایجاد اور فاسد کلام ہے متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے اور متاخرین بھی اس کو ناپسندیدہ اجنبی کلام سمجھتے ہیں لہٰذا اس سے زیادہ اس قول کی تردید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی قابل قدر اور قابل اہتمام کلام نہیں نہ اسکے کہنے والا کوئی قابل قدر آدمی ہے بس متکلم اور اس کے کلام کی اتنی ہی وقعت تھی جتنا کہ ہم نے اس پر وقت صرف کیا آگے اللہ تعالیٰ ہی اس شخص کو دفع کرے جس نے عام علماء کے مسلک کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ اللہ ہمارا مددگار ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

''یعرج'' اعتماد کے معنی میں ہے ''یثار ذکرہ'' تشہیر کے معنی میں ہے ''خلفًا'' ساقط اور فاسد کلام مراد ہے۔

تمام احباب کرام پر یہ بات واضح ہو کہ مقدمۂ مسلم اور مقدمہ سے پہلے ابتدائی مباحث کی تحریرات میں جن کتابوں کی

طرف میں نے رجوع کیا ہے اور جن کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام دوبارہ لکھتا ہوں الگ الگ حوالہ جات لکھنا میں مناسب بھی نہیں سمجھتا اور وہ میرے لئے مشکل بھی ہے تو لیجئے مراجع اور حوالہ جات کا مأخذ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)فتح الملهم(۲) نووی(۳) توضیحات(٤) عمدة المفهم(٥) فیض المنعم(٦)نعمت المنعم(۷) نصر المسلم (۸)شرح مقدمہ مسلم(۹) درس مسلم(۱۰) دروس مسلم(۱۱)اور وہ مسودہ جو میں نے صحیح مسلم پڑھاتے ہوئے تیار کیا تھا۔واضح رہے کہ اس مقدمہ کے ترجمہ میں فیض المنعم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمة التحقیق

فقط فضل محمد غفر لہ یوسف زئی استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
حال نزیل قلندر آباد ضلع ایبٹ آباد صوبہ سرحد ہزارہ۔
جمعرات ۳ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ / ۷، اپریل ۲۰۱۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایک اہم تنبیہ

امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح مسلم میں کتاب الایمان سے پہلے بطور سند ایک سطر کی عبارت ہے جس میں امام مسلم رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ'' کے کلمات مذکور ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ الفاظ صرف صحابہ کے ساتھ خاص ہیں یا عام مسلمانوں کے لئے عام ہیں اسی طرح لفظ علیہ السلام ہے کہ آیا وہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے یا دیگر انسانوں پر بھی بولا جاسکتا ہے اسی طرح رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات ہیں کہ یہ کن لوگوں کے لئے استعمال کرنا چاہئے اور کن کے لئے نہیں، یہ پوری بحث ملاحظہ ہو۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود وسلام

قرآن کریم کی ایت ہے

﴿یاایھاالذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما﴾ (احزاب)

اس ایت میں مؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھیں لہٰذا علماء وفقہاء کا فتوی ہے کہ پوری زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے اور جب کسی مجلس میں نبی مکرم کا نام آجائے تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے، اور بار بار نام آنے پر بار بار درود پڑھنا مستحب ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نبی مکرم پر درود وسلام پڑھا کرو ادھر مسلمان ''اللھم صل و سلم علی النبی المکرم'' کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تُو اپنے محبوب پر درود وسلام نازل فرما، اس کا مطلب کیا ہے۔تو علماء لکھتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چونکہ بہت اونچی ہے اس لئے مسلمانوں نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور کہا کہ اے اللہ! نبی مکرم کی شان کے مطابق تو ہی صلوۃ وسلام نازل فرما ہم عاجز ہیں ہم صرف اس کی دعا کر سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود ابراھیمی پڑھنے کا حکم دیا۔الحمد للہ آج تک اہل حق اسی پر قائم ہیں احادیث میں جو صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ محدثین استعمال کرتے ہیں اس میں بھی استدعا ہے کیونکہ ماضی کا صیغہ لفظوں میں خبر ہے معنی میں انشاء ہے۔

(احکام القرآن اشرف علی تھانوی حزب خامس ص ۳۱۱)

مگر اس کے برعکس اہل بدعت نے کہا کہ ہم اپنی طرف سے درود بنا کر پڑھیں چنانچہ وہ اردو اور عربی میں ایک خود ساختہ درود پڑھتے ہیں جو ان کے غلط عقیدہ کی عکاسی کرتا ہے اگر کوئی مسلمان ان کے طرز پر نہیں پڑھتا ہے تو وہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص درود نہیں مانتا ہے پھر علما نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ صلوۃ وسلام کے الفاظ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہیں کسی

غیر کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مگر شیعہ حضرات اپنے اماموں کے لئے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں ابوطالب علیہ السلام، علی علیہ السلام، یہ وبا زبانوں پر تو شیعہ کے ہاں عام تھی لیکن اب ایران سے جو کتابیں چھپتی ہیں اس میں دھوکہ دینے کے لئے یہ الفاظ چھپائی میں عام کر دیئے گئے ہیں۔ علماء حق کے ہاں استقلال کے ساتھ غیروں کے لئے ان کلمات کا استعمال مکروہ تحریمی ہے ہاں بالتبع استعمال کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے، پوری تفصیل روح المعانی اور احکام القرآن الحزب الخامس للتھانوی رحمہ اللہ، ص ۳۱۱، پر ملاحظہ فرمائیں۔

بہرحال یہ خاص شعار ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے البتہ ملائکہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ منع نہیں ہے کچھ لوگ اس کو دعا کے طور پر لیتے ہیں پھر عام استعمال کرتے ہیں لیکن جب یہ انبیاء کرام کے لئے خاص شعار ہے تو شعار کو شعار پر رکھنا چاہئے۔ جن حضرات کے نبی ہونے یا نبی نہ ہونے میں اختلاف ہے جیسے حضرت لقمان یا حضرت خضر ہیں تو ان کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا چاہئے یا بالتبع سلام کہا جائے۔ (احکام القرآن حزب خامس ص ۳۱۸)

رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا استعمال

قرآن کریم میں جگہ جگہ صحابہ کرام کے لئے "رضی اللہ عنھم و رضوعنہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ کلمات صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہیں یا دوسروں کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے سلفاً وخلفاً علماء کی زبان پر اور تمام مسلمانوں کی زبانوں پر یہ کلمات صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے استعمال ہوئے ہیں یہاں امام مسلم رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ لکھا ہوا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ادھر صاحب ھدایہ کے کلام میں بعض مواضع میں شارح کے لئے، قال رضی اللہ عنہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس میں علما نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ لغوی اعتبار سے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہم روزمرہ ہر ایک مسلمان کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے تو یہ ایک دعاء ہے جو عام ہے یہی دعاء عربی میں رضی اللہ عنہ ہے۔ امام مسلم اور صاحب ہدایہ دونوں کے لئے ان کے شاگردوں نے اسی لغوی مفہوم میں یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کی الگ حیثیت ہے۔ لیکن اگر یہ لفظ اصطلاحی اعتبار سے استعمال کیا جائے تو یہ خاص شعار و اعزاز ہے جو صحابہ کے نام کے ساتھ خاص اور معروف و مشہور ہے، مشکوۃ ص ۵۶۳ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح منقول ہے۔

عن ابن عمر قال كنا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حيّ ابوبكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم۔ (رواہ الترمذی)

اس روایت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص اعزاز اور امتیاز ہے آنحضرت کے سامنے یہ امتیاز و اعزاز صرف تین خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوتا تھا بعد میں تمام صحابہ کا اعزاز و شعار رہا جو آج تک ہے اس مفہوم اور قاعدہ کے اعتبار سے لفظ صلی اللہ اور لفظ سلام انبیاء کرام کا امتیاز و شعار ہے اور لفظ رضی اللہ عنہ صحابہ کا شعار ہے اور لفظ رحمۃ اللہ علیہ علماء اور مؤمنین صالحین

کا اعزاز ہے اس کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا چاہئے اور لغوی مفہوم کی وجہ سے یہ شعار خراب نہیں کرنا چاہئے اگر لغوی مفہوم پر ڈٹ کر کوئی شخص مکابرہ کرنا چاہتا ہے تو ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اور اللہ جل جلالہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے امتیازی القاب ہیں اگر کوئی شخص محمد جل جلالہ کہدے اور محمد عزوجل کے الفاظ کہدے اور کہے کہ میں لغوی مطلب لیتا ہوں تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا؟ حالانکہ اس کا لغوی مفہوم یہ ہے عزت وعظمت اور بڑی شان والے محمد یہ مطلب تو بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا رضی اللہ کے الفاظ استعمال کے ساتھ صحابہ کے لئے ہیں بالتبع اوروں کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں بدعت پسند علماء تمام پیروں فقیروں اور اپنے بڑوں کے لئے یہ الفاظ بولتے ہیں ان کا یہ عمل غلط ہے اور لغوی مفہوم سے عموم پر استدلال کرنا بھی غلط ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کے لئے ''ؐ'' کا نشان ڈالنا جیسے محمدؐ اور رضی اللہ کے لئے ''ؓ'' کا نشان لکھنا اور رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ''رح'' کا نشان ڈالنا بعض کے نزدیک سخت منع ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طرح لکھنا توہین وتحقیر ہے۔ درمختار پر علامہ طحطاوی کا حاشیہ ہے اس نے سخت الفاظ میں اس کو مکروہ لکھا ہے۔

لیکن بہرحال یہ استحبابی امور ہیں اس میں سختی نہیں کرنی چاہئے۔ کتاب مسلم میں ہزاروں حدیثیں ہیں کہیں بھی صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں لکھا ہے الا ماشاء اللہ۔ مسلم میں ہزاروں محدثین کے نام ہیں مگر کسی کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ نہیں لکھا تو سختی نہیں کرنی چاہئے، شاید عرف کا اس میں کچھ دخل ہو۔ یاد رہے صحیح مسلم کے شارحین میں سے اکثر نے یہاں لفظ رحمۃ اللہ علیہ استعمال کیا ہے، بعض عربی نسخوں میں لفظ رضی اللہ عنہ موجود بھی نہیں ہے۔ شوافع حضرات کے ہاں لفظ رضی اللہ عنہ ہر کسی پسندیدہ شخص کے لئے بولا جاسکتا ہے شاید وہ بھی لغوی اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم۔

درس مسلم مورخہ ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ

کتاب الایمان

تمام مباحث سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے کتاب الایمان کو کیوں ذکر کیا ہے اور پھر حدیث جبریل کو تمام احادیث پر مقدم کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث مقدسہ کی کتابیں دو قسم پر ہیں ایک صحاح کے نام سے مشہور ہیں دوسری سنن کے نام سے ہیں صحاح کے مصنفین عموماً اپنی کتابوں کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں اور سنن کے مؤلفین عموماً کتاب الطہارۃ سے ابتدا کرتے ہیں بخاری اور مسلم چونکہ صحاح میں مشہور ہیں تو دونوں نے کتاب الایمان سے کتاب کو شروع کیا ہے کسی خارجی مقصد کے پیش نظر کبھی کتاب الایمان سے پہلے کچھ اور حدیثیں لاتے ہیں جس طرح امام بخاری نے بدؤ الوحی کو کتاب الایمان سے پہلے رکھا ہے جس سے آپ نے اشارہ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو مستند الی الوحی ہو۔ اسی طرح صاحب مشکوۃ نے کتاب الایمان سے پہلے حدیث انما الاعمال بالنیات کو رکھا ہے تا کہ اخلاص نیت کی طرف اشارہ ہوجائے ورنہ کتاب الایمان ہی حقیقت میں مقدم کرنے کا مستحق ہے کیونکہ تمام اعمال مثلاً عبادات ومعاملات، معاشرات واخلاقیات شخصی معاملات یا اجتماعی معاملات خوشی کے حالات یا غم کے حالات سب کی صحت وقبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اس لئے امام مسلم نے کتاب الایمان کو تمام اعمال پر مقدم رکھا ہے مگر یہاں بھی وہی خارجی ضرورت کے پیش نظر امام مسلم نے مقدمہ مسلم پہلے رکھا اور اس سے فارغ ہونے کے بعد کتاب الایمان رکھا، پھر حدیث جبریل کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث پورے دین کے لئے بمنزلہ خلاصہ اور نچوڑ ہے کیونکہ ۲۳ سال میں آسمان سے جو شریعت آئی تھی اس کا خلاصہ اور اجمال حدیث جبریل میں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ سوال وجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں پیش آیا بلکہ فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سوال وجواب حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہو، نوادرِ حمیدی میں لکھا ہے کہ یہ سوال وجواب حضرت جبریل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان بھی ہوا تھا مگر وہاں سوال کرنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور جواب جبریل دے رہے تھے اس سے آنحضرت کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ سائل جبریل امین ہیں۔ علامہ طیبی، قاضی عیاض مالکی، ملاعلی قاری اور شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث جبریل ہر قسم کی عبادات ظاہرہ اور باطنہ پر مشتمل ہے چنانچہ عقائد قلبیہ کی طرف لفظ ''الایمان'' میں اشارہ ہے اور اعضاء ظاہرہ سے متعلق اعمال کی طرف لفظ ''الاسلام'' میں اشارہ ہے اور اخلاص وسرائر کی طرف لفظ ''الاحسان'' سے اشارہ کیا گیا ہے غرضیکہ حدیث جبریل شریعت وطریقت وحقیقت اور سنن نبویہ اور آدابِ شرعیہ پر بطور اجمال حاوی اور محیط ہے اسی وجہ سے اس کو ''ام السنۃ'' کہتے ہیں جس طرح سورت فاتحہ ام القرآن ہے اسی طرح حدیث جبریل ام السنۃ ہے اسی لئے امام مسلم نے اس کو تمام احادیث پر مقدم رکھا ہے اب لفظ کتاب کا لغوی معنی یہ

ہے کہ کتاب مکتوب اور مجموع کے معنی میں ہے" الکتیبہ" لشکر کے مجموعے پر بولا جاتا ہے تو کتاب الایمان کا مطلب یہ ہوگا۔

هذامكتوب ومجموع في الاحاديث الواردة في الايمان۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کتاب اور باب اور فصل کی الگ الگ تعریف ہو جائے تو ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب کی تعریف

الكتاب هوطائفة من المسائل اعتبرت مستقلة اشتملت انواعااولم تشتمل۔

باب کی تعریف

الباب نوع من المسائل اشتمل عليها الكتاب وليست بفصل۔

فصل کی تعریف

الفصل طائفة من المسائل تغيرت احكامهابالنسة الى ماقبلها غيرمترجم بالباب والكتاب۔

شارح مسلم علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی" معروف اَلْاُبِّـی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اپنی شرح اکمال اکمال المعلم ج۱ص۸۷ پر لکھتے ہیں کہ کتاب اور باب اور فصل لانے کے دو فائدے ہیں ایک تو مسائل اخذ کرنے اور معلوم کرنے کا فائدہ ہوتا ہے کہ اس قسم کا مسئلہ فلاں کتاب پر فلاں باب میں ہو سکتا ہے دوسرا فائدہ قاری اور پڑھنے والے کو نشاط اور شوق دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ بور نہ ہو جائے اور خوش ہو کر تازہ دم ہو جائے کہ یہ کتاب یا یہ باب تو مکمل ہو گیا ہے اب آگے بڑھو اور شوق سے پڑھو اگر اول سے آخر تک بلاعنوان مسائل چلتے تو آدمی اُکتا جاتا اور پڑھنے میں بوجھ محسوس کرتا۔ قرآن کریم کی سورتوں اور پاروں کو نصف اور ربع وغیرہ میں بھی یہی قوانین ہیں۔

امامسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کو بہت عام رکھا ہے چنانچہ"باب الكبائر باب الوسوسة باب الايمان بالقدر باب بدء الوحی باب الشفاعة باب الاسراء اورباب رؤية الله" وغیرہ طویل ابواب کتاب الایمان کے تحت جمع فرمادیتے ہیں۔

امام بخاری نے ایسا نہیں کیا ہے انہوں نے کتاب العلم وغیرہ مباحث کو الگ رکھا ہے صاحب مشکوۃ کا طریقہ بھی بہت اچھا ہے کہ ہر موضوع کے لئے الگ عنوان قائم کیا ہے۔ بہرحال کتاب الطہارۃ تک سب نے انہیں مباحث کو چلایا ہے۔ اب یہاں سردست کتاب الایمان کا عنوان ہے اس کے پہلے جزء لفظ کتاب پر تو بحث ہوگئی اب لفظ ایمان پر بحث کی ضرورت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ایمان کی لغوی تحقیق

"ایمان" امن سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے۔ امن یأمن سمع یسمع سے لازمی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی بے خوف ہونا۔ اور باب افعال سے آمن ایماناً متعدی ہوتا ہے یعنی بے خوف بنانا۔ متعدی ہونے کی صورت میں امن ایماناً ایک یا دو

مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔جیسے امنتُ زیداً ، میں نے زید کو امن دیا اور امنت زیدا عمروا ، میں نے زید اور عمرو دونوں کو امن دیا۔متعدی ہونے کی صورت میں کبھی یہ متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے جیسے ﴿ وامنهم من خوف ﴾ اور کبھی متعدی بالصلۃ والحرف ہوتا ہے۔پھر یہ صلہ دو قسم پر ہوتا ہے کبھی با اور کبھی لام کے ساتھ آتا ہے۔اگر صلہ میں باء آجائے تو باء کا مدخول کبھی احکام میں سے ہوگا جیسے ﴿امن الرسول بماانزل اليه من ربه والمؤمنون﴾ ماانزل احکامات ہیں اور کبھی مدخول ذوات میں سے ہوگا۔

﴿كل امن بالله وملائكته وكتبه ورسله ﴾ یہ سب ذوات ہیں۔اور اگر امن متعدی بحرف اللام ہو تو ایمان کبھی اذعان ویقین اور تصدیق کے معنی میں آتا ہے۔جیسے ﴿لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرة ﴾ یعنی ہم یقین نہیں کرتے۔اذعان وتصدیق نہیں کرسکتے ﴿وماانت بمؤمن لنا ولو كنا صادقين﴾ ای وماانت بمصدق لنا ،اور کبھی اطاعت وانقیاد کے معنی میں آتا ہے۔جیسے ’’انؤمن لك واتبعك الارذلون ‘‘۔خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ایمان کا معنی صلہ کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتا ہے۔

ایمان کی شرعی اصطلاحی تعریفات

ایمان کی اصطلاحی تعریفات الفاظ کے اختلاف کے ساتھ کُل چھ ہیں۔اگرچہ مفہوم اور مرجع سب کا ایک ہی ہے تاہم تعدد تعریفات میں کچھ فوائد ہیں۔اس لئے میں چھ تعریفات مکمل نقل کرتا ہوں اگرچہ ایک بھی کافی ہے لیکن انشاء اللہ نقل کرنے میں برکت ہوگی۔

۱۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے:

الايمان هو التصديق بماعلم مجئ النبى صلى الله عليه وسلم به ضرورة تفصيلا فيماعلم تفصيلا واجمالا فيماعلم اجمالا ۔ (روح المعانی ج۱ ص ۱۱۰)

یعنی ایمان اس کا نام ہے کہ آدمی ان چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر متحقق ہو۔جو چیزیں تفصیل کے ساتھ ثابت اور معلوم ہوں اس کا تفصیلی طور پر اقرار وتصدیق کرے اور جو چیزیں اجمالی طور پر ثابت ہوں اس کا اجمالی اقرار کرے۔مثلاً نماز کا حکم اس کی رکعات کا حکم تفصیل کے ساتھ ، بدیہی اور ضروری ہے۔اس پر تفصیل سے ایمان لانا ضروری ہے۔اسی طرح زکوٰۃ ،صوم ،حج کا حکم تفصیل سے معلوم ومعروف اور ظاہر وبدیہی اور یقینی ہے تو اس پر تفصیل سے ایمان لانا فرض ہے۔اسی طرح اجمالی طور پر عذاب قبر یقینی بدیہی ہے۔اس پر اجمالی طور سے ایمان لازمی ہے اور عذاب قبر کی تفصیلات کا علم اخبار آحاد سے ثابت ہے وہ ضروری نہیں ہے۔تصدیق سے مراد انقیاد باطنی ہے۔صرف زبانی نہیں۔اسی لئے ہرقل کا اسلام معتبر نہ ہوا، نیز تصدیق سے منطقی تصدیق مراد نہیں ہے۔

’’ضرورۃ‘‘ سے مراد یہ ہے کہ ہر خاص وعام کو معلوم ہو یا اس کا ثبوت یقینی ہو اور ضروریات دین میں سے ہو۔

۲۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’فیصلة التفرقة بين الايمان والزندقة‘‘ میں ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے:

التصديق بجميع ماجاء به النبي صلى الله عليه وسلم والكفر تكذيب النبي صلى الله عليه وسلم في شيء مماجاء به ۔

اس تعریف کا یہ فائدہ ہے کہ ایمان کی تعریف کے ساتھ کفر کی تعریف بھی آگئی اس تعریف میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ پوری شریعت کا آدمی اقرار کرے لیکن کافر ہونے کے لئے پوری شریعت کا انکار ضروری نہیں ہے بلکہ اسلام کے کسی قطعی حکم کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے ''کتاب اللہ کا ظاہراً اور باطناً اقرار کرنا اور اس کے معانی کو قرآن وحدیث کے موافق استعمال کرنا''۔

۴۔ علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تعریف کی ہے:

تصديق النبي بماجاء به النبي بالاعتماد على النبي ۔

اس تعریف سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جولوگ عقل کے زوراور عقلی دلائل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اعتماد علی النبی نہیں بلکہ اعتماد اپنی عقل اور اپنی دلیل پر ہے۔

۵۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، مرزا مظہر جان جاناں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم ایمان کی تعریف میں فرماتے ہیں:

ایمان کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک اس کی حقیقت اور باطنی صورت ہے۔ ظاہری صورت تو یہ ہے کہ تصدیق بالجنان عمل بالارکان اقرار باللسان ہو، اور حقیقت ایمان یہ کہ مقتضاء طبع مقتضاء شرع کے تابع ہو جائے۔

۶۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

تصديق النبي بماجاء به مع التبري عن جميع ماسواه ۔

اس تعریف میں بہت اچھا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ماسوائے اسلام تمام قوانین کفریہ سے بیزاری کو بھی ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

ایمان کی ان تعریفات کے بعد ایمان کی چند اقسام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ایمان مطبوع : یہ فرشتوں کا ایمان ہے گویا یہ مہر شدہ ایمان ہے اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور نہ تبدیلی آسکتی ہے۔

۲۔ ایمان معصوم : (یعنی محفوظ) یہ انبیائے کرام کا ایمان ہے۔

۳۔ ایمان مقبول : یہ عام مؤمنین کا ایمان ہوتا ہے۔

۴۔ ایمان موقوف : یہ اہل زیغ وبطلان اور اہل بدعت کا ایمان ہے جوموقوف ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بدعت سے توبہ کرے اور ایمان کی طرف لوٹ کرآئے۔

۵۔ ایمان مردود : یہ منافقین کا ایمان ہوتا ہے جو نامقبول اور مردود ہے۔

کفر کی حقیقت اور اقسام

کفر چونکہ ایمان کا مقابل اور ضد ہے اس لئے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ''و بضدھا تتبین الاشیاء''۔
چنانچہ کفر لغوی اعتبار سے ستر اور چھپانے کے معنی میں ہے اور شریعت میں کفر کی تعریف وحقیقت کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ''والکفر تکذیب النبی فی شیء مماجاء به''۔
ایک مختصر تعریف کفار کی یہ بھی ہے ''الذین ستروا الحق عنادا''۔ یعنی جنہوں نے عناد کی وجہ سے حق کو چھپایا۔ یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ اسلام لانے کے لئے ضروری ہے کہ پورے اسلام کے سارے احکامات کا آدمی اقرار وتصدیق کرے لیکن کافر ہو جانے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک حکم کا انکار کر دیا جائے۔ اس سے عوام الناس کے اس نظریئے کی تردید ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ ایک دو حکموں کے انکار سے کچھ بھی نہیں ہوتا ہم تو کلمہ بھی پڑھتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ کافر تو وہ ہوگا جو پوری شریعت کے ایک ایک جزء کا انکار کرے اور اسلام سے بھاگ جائے۔ یہاں کفر کی چند اقسام بھی علماء نے بیان کی ہیں:

ا۔ کفر انکار :

جو شخص دل و زبان سے شدت کے ساتھ اسلام کا انکار کرتا ہے یہ کفر انکار ہے اسی پر عام کفار ہیں۔

۲۔ کفر جحود :

وہ یہ ہے کہ دل سے دین حق کو سچا سمجھتا ہے اس کی حقانیت کا قائل ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہے، یعنی خوب جانتا ہے مگر مانتا نہیں جیسے کفر ابلیس، کفر یہود دلیل یہ ہے ﴿وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا۔ (سورۂ نمل)

۳۔ کفر عناد و معاندہ :

وہ یہ ہے کہ اسلام کو دل سے بھی سچا جانتا ہے اور زبان سے بھی اقرار کرتا ہے لیکن دین حق کے علاوہ ادیان باطلہ سے بیزار نہیں ہوتا اور دین حق کی اطاعت نہیں کرتا جیسے کفر ہرقل اور کفر ابو طالب کہ دونوں میں انقیاد ظاہری نہیں تھا۔

۴۔ کفر نفاق :

یہ وہ ہے کہ دل میں تکذیب و انکار ہے صرف مصلحت و اغراض دنیویہ کے لئے زبان پر اقرار ہے۔ جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور ان کی پارٹی خواہ کوئی بھی ہو، نفاق کے اس شعبہ کے تحت دیگر بہت سارے اہل باطل زندیق، روافض، آغاخانی، قادیانی، بہائی، پرویزی اور ایک قسم کے کمیونسٹ بھی داخل ہیں کہ بوقت ضرورت کلمہ پڑھتے ہیں نماز بھی ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری طرف دین کی ضروریات میں سے کسی امر ضروری کا انکار کرتے ہیں۔ کمیونسٹوں کے مختلف درجات ہیں بعض نفاق میں ہیں اور بعض

واضح کفر میں جاپڑے ہیں۔

اعتراض نمبر۱

ایمان کی تعریف میں تصدیق کا لفظ بار بار آیا ہے اب کئی قسم کے لوگوں میں تصدیق قلبی نص صریح سے ثابت ہے لیکن وہ پھر بھی کافر ہیں، جیسے یہود کے بارے میں آیت ﴿یعرفونه کمایعرفون ابنائهم﴾ اس کے باوجود وہ قطعی طور پر کافر ہیں۔ تو تعریف ایمان دخول غیر سے مانع نہ ہوئی اس میں کافر داخل ہو گئے۔

جواب

مندرجہ بالا تمام تعریفات کو اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض قطعاً متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ پوری شریعت کی تصدیق اور چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان کی حیثیت سے پہچاننا اور چیز ہے ایک میں ماننا ہے دوسرے میں جاننا ہے دونوں میں بڑا فرق ہے لیکن شراح حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے اور پھر خود اس کا جواب بھی دیا ہے تو میں بھی اشارہ کرتا ہوں۔

تو اصل جواب یہ ہے کہ تصدیق سے مراد اختیاری تصدیق ہے اور یہود کی تصدیق غیر اختیاری بلکہ اضطراری تھی علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ اضطراری تصدیق درحقیقت تصدیق ہی نہیں بلکہ صرف تصور ہے ادھر حضرت شاہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعریف کی ہے اس میں اعتماد علی النبی کے الفاظ ہیں کہ نبی کی نبوت پر اعتماد کرتے ہوئے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ صرف عقل اور دلائل کے زور سے یا غیر اختیاری جذبات واحساسات اور رجحانات وتصورات کی وجہ سے دل میں تصدیق کے بیٹھنے کا نام ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا ایمان کی تعریف سے فرعون اور اس کی پارٹی اور یہود اور ان کی پارٹی نکل گئی۔

اعتراض نمبر۲

یہود سے متعلق جو اعتراض تھا مندرجہ بالا جواب سے اس کا جواب تو ہو گیا لیکن ہرقل اور ابوطالب سے متعلق تو ابھی اعتراض باقی ہے کیونکہ ان دونوں نے دل سے تصدیق بھی کی اور زبان سے اقرار بھی کیا۔ چنانچہ ہرقل نے یہاں تک کہا صحیح بخاری کے یہ الفاظ ہیں۔

"لو کنت عنده لغسلت عن قدمیه"۔ (بخاری ج۱ ص٤)

یعنی اگر میں اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہوتا تو میں آپ کے قدموں کو دھولیتا اور خدمت کرتا۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

والله انی لاعلم انه نبی مرسل ولکننی اخاف الروم علی نفسی ولولاذلك لاتبعته۔ (فتح الباری ج۱ ص ۳۷)

اتنی زوردار تصدیق اور شاندار اختیاری اقرار کے باوجود ہرقل کو کافر قرار دیا گیا اور امام بخاری نے تو ان کا قصہ سنا کر آخر میں فیصلہ بھی سنا دیا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا۔

اور ابو طالب نے تو تصدیق واقرار واختیار کی حد کردی۔ چنانچہ وہ اپنے اشعار وقصائد میں اعلان کرتے ہیں۔

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ ‏ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِى التُّرَابِ دَفِيْنَا

خدا کی قسم ! یہ لوگ اپنی جماعت لے کر اس وقت تک حملہ نہیں کر سکتے جب تک میں قبر میں دفن نہ کیا جاؤں۔

وَ دَعَوْتَنِىْ وَزَعَمْتَ اَنَّكَ صَادِقٌ ‏ وَصَدَقْتَ فِيْهِ وَكُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنًا

آپ نے مجھے دین کی دعوت دی اور آپ نے سچے ہونے کا دعویٰ بھی کیا آپ نے سچ کہا اور آپ اس میں امین بھی ہیں۔

وَ عَرَفْتُ دِيْنَكَ لَا مُحَالَةَ اَنَّهٗ ‏ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا

میں نے یقیناً آپ کے دین کو پہچان لیا کہ دنیا کے تمام ادیان سے یہ بہتر دین ہے۔

لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْ حَذَارُ مَسَبَّةٍ ‏ لَوَجَدْتَنِىْ سَمِحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

اگر لوگوں کے طعن اور گالی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین میں کھل کر سخاوت کرنے والا پالیتے۔

قریش کے بنو ہاشم سے بائیکاٹ کے موقع پر ابو طالب نے ایک شاندار قصیدہ لامیہ پڑھا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی انتہا ہے۔ اسلام کے محاسن کا تذکرہ ہے اور پھر مکمل اور بھرپور حمایت کا اعلان ہے۔ یہ قصیدہ (۹۲) اشعار پر مشتمل ہے۔ اور البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۵۱ پر موجود ہے۔

یہاں میرے استشہاد اور مطلب کے لئے تو ایک دو شعر کافی تھے لیکن میں نے قارئین کے سامنے ان کے فائدے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کے اظہار کے لئے اور مزید اشعار سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضرورت سے زیادہ اشعار نقل کئے ہیں پڑھئے اور لطف اٹھائیے۔

لَعَمْرِىْ لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدٍ ‏ وَاِخْوَتِهٖ دَابَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

اپنی عمر کی قسم! میں احمد مجتبیٰ اور ان کے احباب کی وجہ سے دائمی اور مسلسل عاشق کی طرح محبت میں مبتلا کیا گیا ہوں۔

فَمَنْ مِّثْلُهٗ فِى النَّاسِ اَىُّ مُؤَمَّلٍ ‏ اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

جب خوبیوں اور فضیلتوں میں مقابلہ شروع ہوجائے تو لوگوں میں ان کی طرح امید گاہ خلائق کون ہوسکتا ہے؟

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ ‏ يُوَالِىْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

وہ حق پر قائم، انصاف پسند، بُردبار اور سنجیدہ ہیں جو اپنے معبود کی عبادت اور تعلق سے کبھی غافل نہیں۔

كَرِيْمُ الْمَسَاعِىْ مَاجِدٌ وَابْنُ مَاجِدٍ ‏ لَهٗ اِرْثُ مَجْدٍ ثَابِتٌ غَيْرُ نَاصِلِ

ان کے کارنامے اچھے ہیں۔ وہ خود بزرگ اور بزرگوں کی اولاد ہیں ان کی بزرگی قدیمی اور موروثی ہے جو تغیر پذیر نہیں۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

وہ ایسے خوبصورت ہیں کہ ان کے چہرۂ انور کی برکت سے بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

وہ یتیموں کے غمخوار بیواؤں کے محافظ ہیں۔

یَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ رَحْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

بنو ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی پناہ لیتے ہیں پس وہ لوگ ان کی وجہ سے نعمتوں اور رحمتوں میں ہیں۔

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰهِ نَبْذِیْ مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

خانہ کعبہ کی قسم ! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے یارو مددگار چھوڑیں گے

جب تک ہم ان کے دفاع میں نیزہ بازی اور تیز اندازی نہ کریں۔

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم ان کو اس وقت دشمن کے حوالے کریں گے جب ہم سب ان کے اردگرد کٹ کر گر جائیں۔

اور اپنی بیویوں اور بچوں کو بھول جائیں۔

وَاَیَّدَهٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهٖ وَاَظْهَرَ دِیْنًا حَقُّهٗ غَیْرُ زَائِلِ

رب کائنات نے اپنی نصرت ومدد سے ان کی تائید کی ہے اور اس نے ایسا دین پیش کیا ہے جو نا قابل زوال ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ اَجِیْءَ بِسُبَّةٍ تَجُرُّ عَلٰی اَشْیَاخِنَا فِی الْمَحَافِلِ

بخدا ! اگر میری وجہ سے ہمارے بزرگوں پر ایسی بدنامی نہ آتی جس کے تذکرے مجالس میں ہونے لگے۔

لَکُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰی کُلِّ حَالَةٍ مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَیْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

تو ہم ہر حالت میں زمانہ بھر تک مذاق سے نہیں بلکہ سچے دل سے ان کی متابعت کرتے۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُکَذَّبٌ لَدَیْنَا وَلَا یَعْنِیْ بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

قریش کو خوب معلوم ہے کہ ہمارا لخت جگر ہمارے ہاں جھٹلایا نہیں جاتا اور نہ اہل باطل کے باطل قول سے ان کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

فَاَصْبَحَ فِیْنَا اَحْمَدُ فِیْ اَرُوْمَةٍ یُقَصِّرُ عَنْهَا سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

پس احمد مجتبیٰ ہمارے ہاں ایسی عزت اور شرافت پر فائز ہیں جسکے سامنے بڑوں بڑوں کی عزتوں کی دیواریں پست ہیں۔

حَدِبْتُ بِنَفْسِیْ دُوْنَهٗ وَحَمَیْتُهٗ وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرٰی وَ الْکَلَاکِلِ

میں نے ان پر اپنی جان جھکا کر حفاظت وحمایت کا حق ادا کر دیا اور میں نے بچاؤ کا ہر سامان اور سینہ سامنے رکھ کر ان کا دفاع کیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایمان کی تعریف میں ہرقل اور ابوطالب داخل ہو گئے کہ دونوں نے دل سے تصدیق بھی کی اور زبان سے اقرار بھی کیا تو تعریف مانع نہیں دخول غیر سے۔

جواب

اس اعتراض کا پہلا جواب تو وہی ہے کہ ایمان کی تمام تعریفات کو غور سے دیکھنے کے بعد یہ اعتراض ہی نہیں ہوتا لیکن چونکہ شارحین نے کیا ہے لہٰذا اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ اطاعت وانقیاد لازم ہے۔ اور انقیاد ظاہری کی طرف مندرجہ بالا تعریفات میں اشارے بھی موجود ہیں۔ نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے التزام شریعت کا عنوان اختیار کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے عنوان سے اسی مفہوم کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایماندار بننے کے لئے، قول القلب ضروری ہے اور قول القلب سے مراد یہی شریعت اور اطاعت ہے۔
شیخ ابوطالب مکی نے بھی التزام اطاعت کا عنوان اختیار کیا ہے۔ محقق ابن ہمام نے استسلام قلبی اور انقیاد باطنی کا عنوان اختیار کیا ہے جب ایمان کی تعریفات اور تصدیق قلبی کی تشریحات میں التزام شریعت اور انقیاد ظاہری کا مفہوم پڑا ہے تو پھر ہرقل اور ابوطالب ایمان کی تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ ہرقل نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ اگر روم کے لوگ ناراض نہ ہوتے اور ان کی مخالفت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں دین اسلام کی اتباع اور اطاعت کرتا تو انہوں نے خوفِ ذہابِ حکومت کی وجہ سے ایمان کی دولت عظمیٰ کو ترک کر دیا اس نے کہا: ''ابلغ صاحبك انه نبی ولكن لااترك ملكی''۔ (مسند بزار)
اسی طرح ابوطالب نے واضح الفاظ میں تصدیق واقرار لسانی کے ساتھ ساتھ دینِ حق کی اطاعت سے انکار کا بھی اعلان کیا ہے۔

''لولاتعیرنی قریش یقولون انماحمله علی ذالك الجزع لاقررت بهاعینك''۔ (رواہ مسلم کتاب الایمان)
یعنی اگر قریش مجھے یہ عار نہ دیتے کہ آگ سے ڈر کر ایمان لایا تو میں دینِ حق قبول کر کے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتا۔

چنانچہ آخری اعلان ابوطالب کا یہی تھا کہ میں اپنی قوم کے مذہب پر دنیا سے اٹھ رہا ہوں اور یہ بھی کہا ''اختار النار علی العار'' لہٰذا عدم اطاعت کی وجہ سے وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف میں ''والتبری عن جمیع ماسواہ'' فرمایا ہے اور ادیان باطلہ سے تبری وبیزاری کا اعلان نہ ہرقل نے کیا تھا اور نہ ہی ابوطالب نے۔ بس زبان سے دین اسلام کو اچھا کہتے رہے مگر اپنے مذہب سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے تو وہ کیسے اسلام میں آئے؟ اور ان پر کس طرح ایمان کی تعریف صادق آئے گی؟
شیعہ رافضی ابوطالب کو بہت بڑا مسلمان مانتے ہیں اور ان کے نام پر امام بارگاہوں کے نام رکھتے ہیں لیکن وہ کسی تصدیق قلبی

یا عدم تصدیق یا اقرار لسانی یا عدم اقرار کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ابو طالب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا والد ہے اور مولیٰ علی کا والد کیسے غیر مسلم ہوسکتا ہے، یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ بعض انبیائے کرام کے آباؤ اجداد یا اولاد غیر مسلم چلے آئے ہیں تو حضرت علی کے حق میں کیسے محال ہوسکتا ہے۔

ایمان کی حقیقت میں مشہور مذاہب

ایمان شرعی کی دو جہتیں ہیں:

۱۔ جہت دنیوی جس سے جان و مال کی حفاظت اس وقت ہوجاتی ہے جب کوئی شخص زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے۔

۲۔ جہت اخروی وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد عذاب اور خُلود فی النار سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

جہت دنیوی کے لئے اتفاقاً صرف اقرار لسانی کافی ہے اور جہت اخروی میں کل سات مذاہب ہیں۔ دو مذہب اہل حق کے ہیں اور پانچ مذاہب اہل باطل کے ہیں۔

۱۔ معتزلہ

اہل باطل میں سے پہلا مذہب معتزلہ کا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت اس طرح ہے۔

"الایمان هو التصدیق بالجنان و الاقرار باللسان و العمل بالارکان"۔

یعنی دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعمال اسلام اور ارکان اسلام پر عمل کرنا۔ اور ان کے نزدیک:

ومن ارتکب الکبیرة فهو خارج عن الاسلام غیر داخل فی الکفر وعندهم منزلة بین المنزلتین فی النار کمافی الایمان و الکفر منزلة بین المنزلتین۔

یعنی معتزلہ نے جو حقیقت ذکر کی ہے یہ ان کے عقیدے کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہے لیکن کفر میں داخل نہیں، بیچ کے ایک درجے میں ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک دوزخ میں بھی دو درجات کے درمیان ایک درجہ ہے جس میں نہ خالص کافر ہوں گے اور نہ خالص مسلمان ہوں گے بلکہ یہی مرتکب کبیرہ ہوں گے۔

۲۔ خوارج کا مذہب

اہل باطل میں سے دوسرا مذہب خوارج کا ہے ان کے ہاں ایمان کی حقیقت یہ ہے:

الایمان هو التصدیق بالجنان و الاقرار باللسان و العمل بالارکان ویخرج بالکبیرة من الاسلام ویدخل فی الکفر فهو کافر۔

یہ دونوں مذہب باطل ہیں کیونکہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین اور تمام اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے دل میں

مثقال ذرہ اور رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو وہ ''مُخَلَّدُ فِی النَّارِ ''نہیں ہوگا۔(یعنی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا) اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہلِ کبائر کے لئے ہے''شفاعتی لاھل الکبائر'' حدیث ہے۔اسی طرح یہ حدیث''یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان''اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما﴾ یہاں دونوں لڑنے والوں کو مسلمان کہا گیا۔

اسی طرح آیت ﴿یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا﴾ اسی طرح توبہ کرنے کی دیگر آیتیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث''وان زنی وان سرق''اس پر دال ہیں کہ مرتکب کبیرہ ناقص مؤمن ہے۔مگر مخلد فی النار نہیں بلکہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکلے گا تو یہ معتزلہ وخوارج کی بدعات واہیات میں سے ہیں کہ معتزلہ نے مسلم سے مسلمان کا نام چھین لیا اور خوارج نے مسلمان کو ایمان ومؤمن کے پیارے لفظ سے نکال باہر کیا اور کافر بنا کر چھوڑ دیا۔

۳۔جہمیہ کا مذہب

''الایمان هو معرفة القلب فقط''یعنی صرف قلبی معرفت کافی ہے اقرار لسانی اور عمل ارکانی کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے۔یہ باطل مذہب جہمیہ کا ہے یہ جہم بن صفوان کی جماعت کے لوگ ہیں۔یہ مذہب بالکل باطل ہے کیونکہ اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن کہتا ہے﴿یعرفونه کمایعرفون ابنائهم﴾ تو کیا یہ لوگ مسلمان ہوگئے؟اسی طرح ہرقل کو معرفت حاصل تھی حالانکہ وہ کفر پر مرا ہے اسی طرح ابو طالب کا حال تم نے پڑھ لیا تو کیا وہ صرف حصولِ معرفت سے مسلمان ہوگئے؟

یہود نا بہبود کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ولما جاء هم ماعرفوا کفروا به فلعنة الله علی الکافرین﴾

اگر صرف معرفت قلبی ایمان کے لئے کافی تھی تو ان کو کافر کیوں کہا؟اور کیا یہ مسلمان ہیں؟

۴۔مرجئہ کا مذہب

اہل باطل میں سے چوتھا مذہب مرجئہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"الایمان هو التصدیق فقط ولا تضر مع الایمان معصیة کمالا تنفع مع الکفر طاعة"۔

یعنی ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تعریف اتنی ہی ہے اب آگے اس تعریف کی روشنی میں وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت اور نافرمانی نقصان نہیں دیتی جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدہ نہیں دیتی۔

یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ دخول جنت کا وعدہ عمل صالح کے بغیر قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا ہے بلکہ تصدیق قلبی کے

ساتھ ''امنوا وعملوا الصلحات '' کا لفظ ہر جگہ لگا ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی اس مذہب کی نفی کرتی ہے کیونکہ ان حضرات سے نماز وغیرہ اعمال کے ترک کرنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ دخول جنت کے لئے اعمال صالحہ کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ کرامیہ کا مذہب

ان کے نزدیک ایمان کی تعریف یہ ہے: ''الایمان اقرار باللسان فقط''

یہ تعریف بھی غلط ہے اور یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ قرآن نے منافقین کو بدترین کافر قرار دیا ہے حالانکہ وہ اقرار لسانی میں کمی نہیں کرتے تھے۔

﴿ومن الناس من یقول امنّا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین ۔ اذاجاء ك المنافقون قالوا نشھدانك لرسول اللہ واللہ یعلم انك لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون﴾

اگر صرف اقرار لسانی کافی ہوتا تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کافر نہ کہتا۔ یہ لوگ محمد بن کرام کے پیروکار ہیں ان کا یہ شعر ہے۔

الفقہ فقہ لأبی حنیفة وحدہ   والدین دین محمد بن کرام

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لوگ عہد ﴿ الست بربکم قالوا بلی ﴾ کے اقرار کو ایمان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

۶۔ مذہب احناف وغیرہم:

اہل باطل کے پانچ مذاہب کے بعد دو مذہب اہلِ حق کے ہیں تو مسلسل گنتی کے لحاظ سے چھٹا مذہب اہل حق میں سے احناف اور جمہور متکلمین ابو منصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری وغیرھم کا ہے یہ کہتے ہیں کہ:

"الایمان ھو التصدیق بالجنان فقط"

آگے اس تعریف کا نتیجہ اور ثمرہ ہے کہ:

والعمل بالارکان والاقرار باللسان شرطان لاشطران للایمان۔

یعنی یہ ایمان کے لئے دو شرطیں ہیں مگر ایمان کے لئے شطر یا جزء یا رکن نہیں۔ اس مذہب کے مطابق ایمان قلبی امر بسیط کا نام ہے۔

۷۔ مذہب شوافع وغیرھم:

اہل حق میں سے جمہور محدثین شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایمان کی تعریف اس طرح ہے:

الایمان ھو التصدیق بالجنان والاقرار باللسان والعمل بالارکان ۔

ان کے نزدیک ان تین اشیاء سے ایمان مرکب ہے بسیط نہیں ہے۔

یہ دونوں اہلِ حق کی جماعت اہلِ سنت والجماعۃ میں سے ہیں ان کا آپس میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور ظاہری ہے جیسا کہ آیندہ تفصیل آرہی ہے۔ بہرحال اہلِ حق کے درمیان اتنا اختلاف تو یقینی ہے کہ احناف اور جمہور متکلمین ایمان کو بسیط کہتے ہیں اور شوافع وجمہور محدثین ایمان کو تین امور سے مرکب مانتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایمان کے مرکب ہونے پر بہت دلائل جمع کیے ہیں۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب؟ طرفین کے دلائل

یہاں ایک اہم بات سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ حضرات شوافع اور جمہور محدثین نے ایمان کی جو تعریف کی ہے یہ بعینہ وہی تعریف ہے جو معتزلہ اور خوارج نے کی ہے۔ لیکن یہ صرف لفظی مشابہت ہے ورنہ حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ معتزلہ اور خوارج ایمان کو اجزاء ثلاثہ سے ایسا مرکب مانتے ہیں کہ ایک جزء کے چھوٹ جانے سے ایمان ہی جاتا رہتا ہے اور ان کے نزدیک تارک اعمال "مخلد فی النار" ہے اسی طرح احناف اور متکلمین نے ایمان کی جو تعریف کی ہے وہ بعینہ وہی تعریف ہے جو مرجئہ نے کی ہے مگر یہاں بھی صرف لفظی مشابہت ہے ورنہ حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ احناف اور متکلمین اعمال کی ضرورت کو مانتے ہیں اور تارک اعمال کو فاسق گردانتے ہیں جبکہ مرجئہ کے نزدیک عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بہرحال تعریف کے اشتراک کی وجہ سے محدثین اور شوافع کو معتزلہ کا ہمنوا سمجھنا ایسا ہی ظلم ہوگا جس طرح کہ تعریف ایمان کے اشتراک لفظی کی وجہ سے احناف کو مرجئہ کا ہمنوا سمجھنا ظلم عظیم ہے۔

پھر امام صاحب کی طرف ارجاء کی نسبت کرنا بڑی ناانصافی ہے اگر معتزلہ اور خوارج کے ساتھ تعریف ایمان میں اشتراک لفظی حضرات شوافع ومحدثین کو معتزلہ وخوارج نہیں بناتا تو احناف کو کیوں مرجئہ بنا سکتا ہے؟

بہرحال ایمان کی تعریف جو احناف نے کی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایمان بسیط ہے اور احناف ایمان کو بسیط ہی مانتے ہیں اس پر ان کے ہاں جو دلائل ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کے دلائل

۱۔ ﴿ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنات الفردوس نزلا﴾ (الکھف، ۱۰)

قرآن میں جابجا ایمان پر عمل صالح کا عطف آیا ہے۔ اور عطف تغایر کو چاہتا ہے تو ایمان اور چیز ہے اعمال اور چیز ہے۔

﴿اولئك کتب فی قلوبھم الایمان﴾ (الحادلۃ: ۲۲)

﴿ولما یدخل الایمان فی قلوبکم﴾ (الحجرات: ۱٤)

﴿قالوا امنابافواهھم ولم تؤمن قلوبھم﴾ (المائدۃ:۴۱)

﴿الامن اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان﴾ (النحل:۱۰۶)

ان تمام آیتوں میں دل کومحل ایمان قرار دیا گیا ہے اور ایمان کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے۔دل کے اندر تو صرف عقیدۂ جازمہ آسکتا ہے اور وہ امر بسیط ہے وہاں ترکیب کا امکان نہیں۔

۲۔ ﴿من عمل صالحا من ذکراوانثی وھومؤمن فلنحیینه حیوۃ طیبة﴾ (النحل:۹۷)

اس آیت میں قبولِ عمل کے لئے ایمان کوشرط قرار دیا گیا ہے تو ایمان شرط ہے اور عمل مشروط ہے اور شرط ومشروط میں مغایرت ضروری ہے تو ایمان شرط کے درجہ میں اور چیز ہے اور عمل مشروط کے درجہ میں اور چیز ہے تو ایمان بسیط ہوا۔

۳۔ ایمان کی ضد کفر ہے اور کفر کا محل قلب ہے تو ایمان کا محل بھی قلب ہوگا''وبضدھاتتبین الاشیاء''جب محل قلب ہوا تو ایمان بسیط ہوا۔

۴۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے کلمہ پڑھا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا باز پرس پر جواب میں فرمایا کہ اس نے جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا دل میں ایمان نہ تھا۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''فھلاشققت من قلبه''معلوم ہوا کہ محل ایمان دل ہے تو بسیط ہے۔

۵۔ حدیث جبرئیل میں''مالایمان؟''کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے''ان تؤمن بالله وملائکته''کا ذکر فرمایا جو کہ تصدیق قلبی ہے کیونکہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر سب تصدیق قلبی کے قبیل سے ہے۔

۶۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے فرماتے''اٰمنوا''تو لوگ خود سمجھتے تھے کہ''اٰمنوا''سے مراد دل سے ماننا ہے تصدیق قلبی ذہن میں آتا تھا معلوم ہوا تصدیق قلبی ہی ایمان کا نام ہے اور دل کے اندر جو کچھ ہوگا وہ بسیط ہوگا مرکب نہیں ہوسکتا۔

شوافع کے دلائل

جمہور محدثین اور شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے ایمان کو تین اشیاء سے مرکب مانا ہے اس پر ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ﴿لیس البران تولواوجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرمن اٰمن بالله والیوم الاخر والملائکة والکتاب......﴾ الخ۔

اس آیت میں بہت سارے ابواب البر کو ایمان کے ساتھ لگا دیا ہے جس سے ایمان کی ترکیب کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلھا قول لااله الاالله وادناھااماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان ۔

اس حدیث میں بھی ایمان کے کئی شعبوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ایمان کی ترکیب کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الاالله واقام الصلوة ......الخ

اس حدیث میں ایمان کو پانچ ارکان سے مرکب بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مرکب ہے بسیط نہیں کیونکہ احادیث شریفہ میں اچھے اعمال کو ایمان کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا گیا ہے گویا یہ سب کچھ ایک ہی چیز یعنی ایمان کے کئی اجزاء ہیں اور ایمان ان سے مرکب ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں اسی قسم کی کئی آیات اور احادیث سے بار بار استدلال فرمایا ہے۔

خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا بحث مسطورہ اور دلائل مذکورہ کے بعد بطور خلاصہ یہ سمجھ لیں کہ اہلِ باطل کے پانچ مذاہب کے ساتھ اہلِ حق کا ایمان کی تعریف ایمان میں اور تفصیل و تحقیق میں اختلاف حقیقی اور معنوی ہے جس پر ایسے نتائج مرتب ہوتے ہیں جس کے درمیان بڑا فاصلہ اور طویل بُعد ہے اور اہلِ حق کے درمیان جو ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے یہ معنوی اور حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے جس کا مرجع ایک ہے۔ چند وجوہات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ اہلِ حق کا اختلاف باعتبار ملاحظ اور ماحول کے ہے ایک نے معتزلہ کو دیکھا ان کے تشدد اور تعدی اور خروج عن الحق کو دیکھا تو اعمال کو ایمان سے الگ کرنے کا حکم دیا جیسے احناف ہیں دوسروں نے مرجئہ کو دیکھا جنہوں نے اعمال کے بارے میں حد سے تجاوز کر کے اعمال کے مقام کو گرایا تو شوافع نے اعمال سے ایمان کو مرکب ماننے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ اہل حق کے درمیان ایمان کی تعریف میں اختلاف ''جہات'' کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ شوافع اور محدثین نے ایمان کی جہت کامل مکمل اور اعلیٰ جانب کو دیکھا تو اعمال کو ایمان میں شامل کیا اور ایمان کو مرکب کہدیا، احناف اور متکلمین نے ایمان کے ادنیٰ اور آخری درجہ کو دیکھا تو انہوں نے ایمان کو اعمال سے الگ کہہ کر اس کے بسیط ہونے کا قول اختیار کیا یعنی ایمان کا وہ درجہ لیا جس کے بعد ایمان نہیں ہے۔

۳۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ جمہور محدثین وشوافع کے نزدیک ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم ماہیت ہیں۔ احناف و متکلمین کے ہاں ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم وجود ہیں اور معتزلہ وخوارج کے ہاں ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم ذات ہیں۔

۴۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً نفس ایمان اور نفس تصدیق بمنزلہ ذات انسان ہے اور اعمال اطراف واعضاء ہیں کہ اعضاء کے نقص سے نقص آتا ہے مگر ذات تو اپنی جگہ پر موجود ہے یا شجرہ اور اغصان کی مثال لیجئے کہ درخت کی ایک تو ذات ہے اور دیگر شاخیں ہیں ذات اپنی جگہ پر قائم ہے شاخوں کی حیثیت الگ ہے۔ تو انسان اور درخت کے لئے اعضاء واغصان اجزاء ہیں لیکن یہ اجزاء **تحسنیه تزیینیه** ہیں **ترکیبیه** نہیں۔

اہل حق کے درمیان اگر یہ نزاع لفظی نہ مانا جائے تو پھر ان اجزاء سے مرکب ایمان کے قائل محدثین وشوافع مرتکب کبیرہ کو خوارج

کی طرح کافر کیوں نہیں مانتے اور معتزلہ کی طرح اس کو خارج اسلام کیوں نہیں کہتے؟

اور اگر احناف و متکلمین کے نزدیک اعمال کا اعتبار نہیں صرف تصدیق قلبی بسیط کافی ہے تو پھر تارک اعمال کو یہ حضرات فاسق کیوں کہتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ نزاع باعتبار ملاحظہ باعتبار جہات باعتبار اجزاء تحسینیه تحییلیه تزیینیه ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احناف و متکلمین کے اس نظریہ سے اعمال کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال کو جزء ایمان قرار دے کر تصدیق قلبی کی اہمیت بھی تو گھٹ جاتی ہے؟۔

پھر اعتراض یہ ہوا کہ احناف و متکلمین کے مذہب سے مرجئہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے مذہب سے معتزلہ اور خوارج کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال یہ سب نزاع لفظی ہے دونوں فریق اعمال کی قدر کرتے ہیں احناف تو اعمال میں زیادہ آگے ہیں۔ پس دونوں فریق نے اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کی حد سے تجاوز کو روکنے کے لئے بطور اصلاح وعلاج الگ الگ قول اختیار کر کے رائے قائم کی ہے۔ حضرات شوافع ومحدثین کے سامنے مرجئہ کا منظر تھا اور حضرات متکلمین واحناف کے سامنے معتزلہ کا منظر تھا۔

ایمان میں زیادت ونقصان کی بحث

حضرات محدثین وشوافع اور معتزلہ وخوارج ایمان کی زیادت ونقصان کے قائل ہیں اور ائمہ احناف و متکلمین کا اس میں اختلاف ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف دراصل اسی ماسبق اختلاف پر متفرع ہے جس میں یہ حضرات ایمان کے مرکب اور بسیط ہونے میں اختلاف کر چکے ہیں۔ پس جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں ان کے ہاں امر بسیط میں زیادت ونقصان نہیں ہے۔ کیونکہ بسیط حقیقی ''الذی مالا جزء له اصلاً'' کو کہتے ہیں اور بسیط عرفی ''مالا یرکب من لاجسام المختلفة'' مانتے ہیں وہ زیادت ونقصان کے قائل ہیں لہٰذا یہ اختلاف بھی پہلے اختلاف کی طرح لفظی ہے اختلاف حقیقی نہیں ہے۔

اس کلام کا خلاصہ یہ نکلا کہ جن حضرات محدثین اور شوافع نے اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے انہیں یہی کہنا چاہئے تھا کہ ''الایمان یزیدو ینقص'' کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ اعمال میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

اور جن حضرات متکلمین اور احناف نے ایمان کو صرف تصدیق قلبی کا نام دیا ہے اور اعمال کو اس کے مفہوم میں داخل نہیں مانا ہے، انہیں یہی کہنا چاہئے تھا کہ ''الایمان لایزیدو لاینقص'' کیونکہ تصدیق قلبی اعتقاد جازم کا نام ہے اور یہ امر بسیط ہے اس سے آگے تصدیق کا کوئی درجہ ہی نہیں اس لئے اس میں کمی بیشی کا امکان ہی نہیں۔ اگر کسی کا اعتقاد جازم جزم کی حد سے نیچے آ گیا تو وہ ایمان نہیں کیونکہ جزم سے نیچے ظن ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ظن کو ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ معلوم ہوا جن حضرات نے اعمال کو ایمان کا جزء مانا ہے ان کا فیصلہ یہی تھا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور جن حضرات نے اعمال کو ایمان سے الگ مانا ہے ان

کا فیصلہ یہی تھا کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

محدثین وشوافع حضرات نے ایمان کی زیادت ونقصان پر قرآن عظیم کی کئی آیتوں سے استدلال کیا ہے جس میں زیادت کا لفظ آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بخاری میں اس قسم کے دلائل کا ابتدائے کتاب الایمان میں انبار لگا دیا ہے چند دلائل ملاحظہ ہوں:

۱۔ ﴿لیزدادوا ایمانامع ایمانهم﴾۔ (فتح:٤)

۲۔ ﴿واذاتلیت علیهم ایاته زادتهم ایماناوعلی ربهم یتوکلون﴾ (انفال۲)

۳۔ ﴿لیزدادالذین امنوا ایماناولایرتاب الذین اوتوا الکتاب﴾ (مدثر۳۱)

٤۔ ﴿فاماالذین امنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون﴾ (بقرۃ ١٢٤)

٥۔ ﴿الذین قال لهم الناس ان الناس قدجمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل﴾

(آل عمران ۱۷۳)

٦۔ ﴿انهم فتیة امنوا بربهم وزدناهم هدی﴾ (کهف:۱۳)

۷۔ قال ابن عمر رضی الله عنه تعلمنا الایمان ثم تعلمناالقرآن فازددناایمانا۔

۹۔ وقال ابن مسعود رضی الله عنه : اللهم زدناایماناویقیناوفقها۔

محدثین کو احناف ومتکلمین کا جواب

۱۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن نصوص میں ایمان کی زیادت ونقصان کا ذکر ہے اس سے مراد حلاوت ایمان میں زیادتی ہے نفس ایمان میں زیادتی مراد نہیں یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں یعنی اجزاء تحسینیه، تزیینیه، تحییلیه میں زیادتی مراد ہے۔

۲۔ ایک ایمان اجمالی ہے اور ایک ایمان تفصیلی ہے ایمان اجمالی زیادت ونقصان کو قبول نہیں کرتا اور تفصیلی ایمان زیادت ونقصان کو قبول کر لیتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

الایمان المجمل لایزیدو لاینقص واماالمفصل فهویزید۔

۳۔ یہ زیادت اور نقصان مؤمَن بہ کی وجہ سے ہے کہ وحی کے ذریعہ سے جتنا مُؤمَن به بڑھتا رہتا ہے اس پر ایمان بھی بڑھتا ہے۔ مثلاً دو آیتوں پر ایمان لانے کی بعد دس آیتوں پر مزید ایمان لایا تو اس طرح مؤمن به کی وجہ سے ایمان بڑھتا رہتا ہے۔

۴۔ نزول وحی کے زمانے میں تو ''یزیدو ینقص'' ہوسکتا تھا لیکن وحی بند ہونے کے بعد اب تو لایزید و لاینقص ہی ہے۔

۵۔ مشہور قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ ''الایمان یزیدو لاینقص''

یعنی نصوص آیات واحادیث سے زیادت کا پتہ تو چلتا ہے لہٰذا زیادت ہے لیکن نقص ونقصان کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا نقصان نہیں ہے۔

۶۔ یہ زیادتی اور کمی نور ایمانی کے اعتبار سے ہے اصل ایمان کے اعتبار سے نہیں گویا اجزاء نورانیہ میں نقص اور انبساط آتا رہتا ہے۔

ایمان واسلام میں نسبت کی بحث

اسلام کی تعریف جب ہو جائے گی تو اس کی نسبت ایمان کے ساتھ آسانی سے سمجھ آجائے گی لہٰذا پہلے اسلام کی تعریف ملاحظہ ہو۔

۱۔ الاسلام عبارة عن التسليم والاستسلام بالاذعان والانقياد۔

۲۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الايمان اعتقاد والاسلام انقياد والاحسان استشهاد۔

۳۔ میر سید سند فرماتے ہیں:

الاسلام هو الخضوع والانقياد لما اخبربه النبي صلى الله عليه وسلم۔

۴۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کشاف میں فرمایا:

ان كل مايكون الاقرار باللسان من غير مواطاة بالقلب فهو الاسلام وما واطأفيه القلب اللسان فهو ايمان۔

یعنی جہاں زبانی اقرار موافقت دل کے بغیر ہو وہ اسلام ہے اور جہاں دل اور زبان دونوں موافق ہوں وہ ایمان ہے۔

۵۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ شریعت نے ایمان واسلام کو بطور ترادف بھی استعمال کیا ہے اور بطور تباین وتغایر بھی استعمال کیا ہے اور بطور تداخل بھی استعمال کیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

ترادف کی مثال

۱۔ ﴿فاخرجنا من كان فيها من المؤمنين فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين﴾ (ذاریات:۳۶)

علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ وہاں ایک ہی گھرانہ تھا جو حضرت لوط علیہ السلام کا تھا اسی کو مؤمن اور پھر مسلم فرمایا تو ترادف ثابت ہوا۔

۲۔ ﴿وقال موسىٰ ياقوم ان كنتم اٰمنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين﴾ (یونس:۸۴)

یہاں ایک ہی قوم کو مؤمن اور مسلم کہا گیا تو ترادف ثابت ہوا۔

تباین وتضاد کی مثالیں

۱۔ ﴿قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم﴾ (حجرات:۱۴)

اس آیت میں دیہاتیوں سے تصدیق قلبی اور اذعان وطمانینت کی نفی کی جو ''اٰمنا'' اور ''لم تؤمنوا'' کے مفہوم میں تھی۔

اوراستسلام ظاهراً باللسان والجوراح کوثابت کیا گیا جس سے تغایر، تباین اور تضاد واضح ہو گیا۔

۲۔ اس آیت میں اس تغایر وتضاد کی تائید مسند احمد کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ:

''الاسلام علانية والايمان فی القلب''۔

۳۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام سے بھی ایمان واسلام کے تباین وتغایر کا پتہ چلتا ہے کیونکہ وہاں جب ایمان کے متعلق سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله'' سے جواب دیا جوسب کے سب تصدیق قلبی کے تحت آتے ہیں۔ جواذعان ہے اور جب اسلام کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان تشهدان لااله الاالله وتقيم الصلوٰة.....الخ'' یعنی جواب میں سب کے سب تسلیم والی چیزیں آگئیں کہ یہ کرو، یہ کرو، یہ کرو، معلوم ہوا کہ ایمان واسلام میں فرق ہے تب ہی الگ سوال اور الگ جواب آیا جس میں تسلیم قولی اور تسلیم فعلی دونوں کا ذکر آگیا۔

٤۔ وفی حديث سعد رضی الله عنه انه صلی الله عليه وسلم اعطی رجلا اعطاءً ولم يعط الأخر فقال سعد يارسول الله تركت فلانالم تعطه وهومؤمن فقال اَوْ مسلم۔

اس سے تباین وتغایر واضح ہوجاتا ہے۔

۵۔ علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فرق درس بخاری میں بیان فرمایا جودرحقیقت حضرت شاہ صاحب کی تحقیق تھی جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کی مسافت ایک ہے صرف مبداء اور منتہیٰ کا فرق ہے۔ اسلام ظاہر سے شروع ہوتا ہے اور رچ بس کر باطن میں پہنچتا ہے اور ایمان کامل باطن سے شروع ہوکر پھوٹ پھوٹ کر ظاہر پر آجاتا ہے۔ اگر ایمان قوی ہے تو فوراً ظاہری اعضاء پراس کا اثر نمودار ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا سفر اندر سے شروع ہوکر باہر آتا ہے اور اسلام کا سفر باہر سے شروع ہوکر اندر کی طرف جاتا ہے۔

٦۔ الايمان والاسلام اذااجتمعاافترقاواذاافترقااجتمعا كالمسكين والفقير اذااجتمعاافترقا واذاافترقا اجتمعا۔

ایمان اور اسلام میں تداخل

بعض احادیث سے ایمان واسلام میں تداخل ثابت ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا:

ای الاعمال افضل ؟فقال :الاسلام فقال :ای الاسلام افضل ؟ فقال : الايمان ۔ (التعليق الصبيح)

تداخل کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام سے مراد تسلیم بالقلب اور عمل بالارکان دونوں لئے جائیں اور ایمان سے فقط تسلیم بالقلب مراد لیا جائے تو اسلام کے مفہوم کے اندر ایمان داخل ہوگیا مطلب یہ کہ:

مذکورہ روایت میں اسلام کے جواب میں ایمان آیا یعنی تسلیم بالقلب، اور اسلام خود تسلیم قلبی اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ تو ایمان

کو اسلام میں داخل کرلیا گیا جو تداخل ہے۔اسلام عام ہو گیا اور ایمان خاص ہو گیا۔

ایمان میں استثناء کا حکم

ایمان میں استثناء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کہے ''انامؤمن ان شاء الله'' یہ کہنا جائز ہے یا نہیں اس میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء کوفہ اور ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ ''انامؤمن ان شاء الله'' کہنا جائز ہے۔بعض احناف کی بھی یہی رائے ہے۔

۲۔ اہل تحقیق کے نزیک **انامؤمن** کے ساتھ ان شاءاللہ نہیں لگانا چاہیے۔یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔

۳۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مختلف اعتبارات کا لحاظ کر کے انا مومن ان شاءاللہ کا حکم معلوم کرنا چاہیے۔اگر کوئی شخص انامؤمن ان شاءاللہ فی الحال کے اعتبار سے کہتا ہے تو یہ نہیں کہنا چاہیے۔کیونکہ اس شخص کو حالاً اپنے ایمان میں تردد ہے اور اگر مستقبل کے متعلق کہتا ہے کہ ان شاءاللہ میں مؤمن ہوں گا یا تبرک کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔تاہم اس سے احتراز کرنا چاہئیے کیونکہ بعض صورتیں خطرناک ہیں۔

محل ایمان

شوافع کے ہاں ایمان کا محل قلب ہے کیونکہ نصوص میں ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے جیسے ''وقلبه مطمئن بالایمان'' امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے کہ محل ایمان دماغ ہے۔صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے کہ محل ایمان قلب ہے تو دماغ کی بات اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ہاں قلبی روشنی کے لئے دماغ بمنزلہ بلب ہے۔

باب بيان الايمان والاسلام والاحسان والقدر

ایمان، اسلام، احسان اور تقدیر کا بیان

تنبیہ : محترم قارئین میں یہاں شرح اور تشریح میں جو طرز اختیار کروں گا اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کی سہولت اور بیان کی وضاحت کے پیش نظر میں اس شرح میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھوں گا۔

۱۔ علامہ نووی نے جو عنوانات قائم کئے ہیں بعض جگہ وہ بہت لمبے ہوتے ہیں میں اس میں سے ضروری حصہ لیکر عنوان قائم کروں گا جس طرح اوپر عنوان میں ہے۔

۲۔ امام مسلم نے انتہائی سلیقہ سے ترتیب وار احادیث کو ایک موضوع سے متعلق درج فرمائی ہیں اور امام نووی نے اس پر عنوانات قائم کیے ہیں میں انشاءاللہ ہر حدیث کے ساتھ نمبر درج کروں گا اور پھر حدیث کا ترجمہ لکھوں گا پھر ان احادیث میں جہاں جہاں

تشریح طلب حدیث ہوگی اس کی تشریح کروں گا جو ساتھ ساتھ ہوگی یہ طریقہ علماء، طلباء اور مدرسین کے لئے آسان تر اور مفید تر ہوگا اور یہی میرا نصب العین ہے۔

۳۔ چونکہ ہر حدیث کے ساتھ نمبر لگا ہوا ہے اس لئے کسی لفظ کی تشریح میں کبھی کبھی کہا جائے گا کہ حدیث نمبر فلاں میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے۔

۴۔ کتابت کے لئے حدیث کا متن اور درج شدہ نمبر کے لئے میں صحیح مسلم کا وہ نسخہ پیش نظر رکھوں گا جو مکتبۃ البشری نے چھاپا ہے۔

۵۔ احادیث کا مسلسل نمبر لکھا جائے گا یعنی مقدمہ مسلم کی احادیث سے لیکر جلد اول کی تمام احادیث کو مکتبۃ البشری کے مسلسل نمبر کے ساتھ لکھا جائے گا جلد ثانی کے نمبرات کا حال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہاں پہنچ کر کیا کرنا ہوگا۔ اب اللہ جل جلالہ کے نام سے کتاب صحیح مسلم شروع ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نصرت و مدد فرمائے۔

قَالَ اَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِعَوْنِ اللّٰهِ نَبْتَدِئُ وَاِيَّاهُ نَسْتَكْفِي وَمَاتَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهُ۔

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کتاب کو اللہ عزوجل کی مدد سے شروع کر رہے ہیں، اسی سے کفایت طلب کرتے ہیں اور وہی اللہ جل جلالہ ہمیں توفیق دینے والا ہے۔

۹۳۔ **حَدَّثَنِي** اَبُوْخَيْثَمَةَ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ كَهْمَسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ ح:وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنِ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ وَهٰذَاحَدِيْثُهُ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِي الْقَدَرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ أَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَوْلَقِيْنَا أَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدَرِ فَوُفِّقَ لَنَاعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَاوَصَاحِبِي أَحَدُنَاعَنْ يَمِيْنِهِ وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ فَقُلْتُ اَبَاعَبْدَالرَّحْمٰنِ ! إِنَّهُ قَدْظَهَرَقِبَلَنَانَاسٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ أَنْ لَاقَدَرَ وَأَنَّ الْاَمْرَ أُنُفٌ قَالَ فَإِذَالَقِيْتَ أُولٰئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيْءٌ مِنْهُمْ، وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَاقَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ ثُمَّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْطَلَعَ عَلَيْنَارَجُلٌ شَدِيْدُبَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُسَوَادِالشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُالسَّفَرِ وَلَايَعْرِفُهُ مِنَّاأَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَأَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَابِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟قَالَ أَنْ تَلِدَالْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَاعُمَرُ!أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ۔

حضرت یحیٰی بن یعمر سے روایت ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے تقدیر کے معاملہ میں گفتگو کی وہ بصرہ کا ایک شخص معبد الجہنی تھا۔ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری حج یا عمرہ کے ارادہ سے چلے، ہم نے کہا کہ کاش ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی ایک مل جائے تو ہم ان سے تقدیر کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے پھرتے ہیں پوچھیں۔ پس حسن اتفاق سے ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب مسجد میں داخل ہوتے ہوئے مل گئے تو میں اور میرے ساتھی نے ان کو گھیر لیا۔ ہم میں سے ایک ان کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ہو گیا مجھے خیال ہوا کہ میرے ساتھی مجھے گفتگو کرنے دینگے میں نے کہا کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! ہماری طرف کچھ ایسے لوگ سامنے آئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم کے حصول کی جستجو میں رہتے ہیں ہم نے اس گروہ کے کچھ حالات بیان کئے اور کہا کہ وہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے اور تمام معاملات بس اچانک ہو جاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: جب تو ان لوگوں سے ملے تو انہیں بتلا دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم عبداللہ بن عمر کھاتا ہے اگر ان میں سے کسی شخص کے اس اُحد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے خرچ کر دیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو قبول نہیں فرمائیں گے یہاں تک کہ وہ تقدیر کا قائل ہو جائے اس کے بعد فرمایا کہ مجھ سے میرے والد حضرت عمر بن خطاب نے بیان کیا کہ ''ایک روز ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اسی دوران اچانک ایک شخص نہایت سفید براق کپڑے پہنے ہمارے سامنے نمودار ہوا، بال اس کے نہایت سیاہ تھے، اس کے اوپر نہ تو سفر کے کوئی آثار نمایاں تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے دونوں گھٹنے حضور علیہ السلام کے گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی ہتھیلیاں حضور علیہ السلام کی رانوں پر رکھ دیں اور کہا کہ: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتلایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں ہے اور محمد (صلی

اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کیا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر زادراہ میّسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہم بڑے حیران ہوئے کہ یہ شخص سوال کر کے پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے ملائک پر، اس کی کتابوں پر، اس کے انبیاء و رسل پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر، اس آدمی نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتلایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر اس کو نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایئے (کہ کب آئیگی؟) آپ علیہ السلام نے فرمایا: مسؤل اس بارے میں سائل سے زیادہ عالم نہیں اس نے کہا کہ مجھے پھر قیامت کی علامات کے بارے میں ہی بتلایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لونڈی اپنی سیدہ کو جنم دے اور تو دیکھے کہ وہ لوگ جو ننگے پاؤں پھرنے والے تھے جن کے پاس تن ڈھانکنے کے لئے کپڑے نہیں تھے اور جو بکریوں کے چرانے والے تھے وہ لوگ لمبی لمبی بلند و بالا عمارات بنا رہے ہیں۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کافی دیر ٹھہرا رہا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! کیا تم سائل کے بارے میں جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور تمہارے پاس تمہارا دین تمہیں سکھلانے کے لئے آئے تھے۔

٩٤۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُبْنُ عُبَيْدُالْغُبَرِيُّ وَأَبُو كَامِلٍ الْفُضَيْلُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْجَحْدَرِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍعَنْ مَطَرِ الْوَرَّاقِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ لَمَّا تَكَلَّمَ مَعْبَدٌ بِمَاتَكَلَّمَ بِهٖ فِيْ شَأْنِ الْقَدَرِ أَنْكَرْنَاذٰلِكَ قَالَ فَحَجَجْتُ أَنَاوَحُمَيْدُبْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَجَّةً وَسَاقُواالْحَدِيْثَ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ كَهْمَسٍ وَإِسْنَادِهٖ وَفِيْهِ بَعْضُ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانُ أَحْرُفٍ۔

حضرت یحییٰ بن یعمر فرماتے ہیں کہ جب معبد الجہنی نے مسئلہ تقدیر کے بارے میں غلط اور گمراہ کن باتیں کرنا شروع کیں تو ہم نے اس کا انکار کیا میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری ایک مرتبہ حج کو گئے۔ آگے سابقہ حدیث کو ہی اپنی سند سے بیان کیا کچھ کمی بیشی کے ساتھ۔

٩٥۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِالْقَطَّانُ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ وَحُمَيْدِبْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَالَقِيْنَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَذَكَرْنَا الْقَدَرَ وَمَايَقُوْلُوْنَ فِيْهِ وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ كَنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ عَنْ عُمَرَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْهِ شَيْءٌ مِنْ زِيَادَةٍ وَقَدْ نَقَصَ مِنْهُ شَيْئًا۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری دونوں فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر سے ملے اور مسئلہ تقدیر کا تذکرہ کیا اور لوگوں میں جو غلط بات اس بارے میں کہی جا رہی تھی اس کے بارے میں ذکر کیا اور پھر سابقہ حدیث کچھ کمی بیشی کے ساتھ بیان فرمائی۔

۹۶۔**وَحَدَّثَنِي** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ۔

حجاج بن الشاعر یونس بن محمد معتمر بواسطہ والد یحییٰ بن یعمر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان ہی حدیثوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

۹۷۔**وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ تَلَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۚ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳٤) قَالَ ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز لوگوں کے سامنے حاضر تھے کہ اس اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتب پر، اس سے ملاقات پر اور اس کے انبیاء ورسل پر اور ایمان رکھو آخرت میں اٹھائے جانے پر۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی

کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، تم فرض نماز قائم کرو، فرض زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے کہا یارسول اللہ! احسان کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی اور عبادت اس طرح کرو کہ گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس معاملہ میں مسؤل سائل سے زیادہ نہیں جانتا لیکن میں تم سے قیامت کے علامات بیان کروں گا۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے تو وہ قیامت کی علامات میں سے ہے جب ننگے بدن اور ننگے پاؤں پھرنے والے لوگ قوم کے سردار بن جائیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور جب مویشی چرانے والے بڑی بلند و بالا عمارتیں بنانے لگیں تو یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ عزّ وجل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ان اللہ عندہ علم الساعۃ﴾ الخ ''بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ سب جاننے والا خبردار ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص واپس ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے دوبارہ میرے پاس لاؤ، لوگ اسے لینے کے لئے دوڑے تو انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل تھے اور لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

۹۸۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْحَيَّانَ التَّيْمِيُّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ غَيْرَ اَنَّ فِيْ رِوَايَتِهٖ اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ بَعْلَهَا يَعْنِى السَّرَارِيَّ۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، محمد بن بشر ابوحیان تیمی سے دوسری روایت بھی اسی طرح منقول ہے صرف بجائے ''رب'' کے ''بعل'' کا لفظ ہے مطلب یہ ہے کہ جب باندی اپنے شوہر کو جنم لے گی۔ (شوہر سے مراد بھی مالک ہے)۔

۹۹۔ **وَحَدَّثَنِىْ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عُمَارَةَ وَهُوَ ابْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوْنِىْ فَهَابُوْهُ اَنْ يَّسْاَلُوْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَجَلَسَ عِنْدَ رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْاِسْلَامُ؟ قَالَ لَا تُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكِتَابِهٖ وَلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ كُلِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْاِحْسَانُ؟ قَالَ اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اِنْ لَا تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَتٰى تَقُوْمُ السَّاعَةُ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَا رَاَيْتَ الْمَرْءَةَ تَلِدُ رَبَّهَا فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَاِذَا رَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَاِذَا رَاَيْتَ رِعَاءَ الْبَهْمِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا فِىْ خَمْسٍ مِنَ

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ صلے وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا صلے وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ م بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ج إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳۴) قَالَ ثُمَّ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوهُ عَلَيَّ فَالْتُمِسَ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا جِبْرِيلُ أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوا إِذَا لَمْ تَسْأَلُوا ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھو لوگوں کو سوال کرنے سے خوف محسوس ہوا چنانچہ ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اس نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا۔ پھر کہا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! احسان کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ سے اس طرح ڈرتے رہو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی آپ نے فرمایا اس معاملہ میں مسؤل عنہ، سائل سے زیادہ واقف نہیں اور میں تمہیں اس کی علامات کے بارے میں بتلاتا ہوں۔ جب تم دیکھو کہ عورت اپنے آقا کو جنم دے تو یہ اس کی علامت ہے اور جب تم دیکھو کہ ننگے پیر اور ننگے بدن رہنے والے گونگے بہرے لوگ زمین کے بادشاہ بن جائیں تو یہ علامات قیامت میں سے ہے اور جب تم دیکھو کہ جانوروں کے چرانے والے بلند و بالا عمارتیں بنا رہے ہیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ قیامت ان پانچ غیبی چیزوں میں شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿ان اللہ عندہ علم الساعۃ...... الخ﴾۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس بلاؤ چنانچہ اسے تلاش کیا گیا لیکن تلاش کرنیوالوں نے اسے نہیں پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ان کی زبان سے دین جان لو جبکہ تم نے خود سوال نہیں کیا۔

تقدیر کا بیان

تشریح

"کان اول من قال فی القدر بالبصرۃ معبدالجھنی"

"یحییٰ بن یعمر" میم پر فتح اور ضمہ دونوں جائز ہے ان کی کنیت ابوسلیمان ہے بصری ہے ابوالاسود دؤلی سے علم نحو سیکھا ہے حجاج بن

یوسف نے خراسان کی طرف جلاوطن کیا وہاں حجاج کے مخالفین نے ان کو قاضی بنا دیا۔

یہاں اس سند میں ''ح'' تحویل کا آیا ہے مقدمہ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے حآ قال و حدثنا پڑھنا چاہئے (و ھذا حدیثہ...... امام مسلم حدثنا اور حدثنی میں بڑی احتیاط کرتے ہیں نیز انبأنا اور حدثنا میں فرق کا لحاظ رکھتے ہیں۔ یہاں امام مسلم نے انتہائی احتیاط کے پیش نظر اشارہ کیا ہے کہ دونوں راویوں نے معنی کے اعتبار سے ایک ہی حدیث کو بیان کیا ہے۔لیکن الفاظ فلاں راوی کے ہیں یہ امام مسلم کی عام عادت ہے دوسرے محدثین بہت کم اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔ان دوسندوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی والی سند میں عنعنہ کے ساتھ روایت ہے اور دوسری سند میں تحدیث کے ساتھ ہے،دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں عبداللہ بن بریدہ کا نام مذکور ہے اور دوسری سند میں نام نہیں بلکہ ابن بریدہ مذکور ہے تحویل کے ساتھ کئی سندوں کے لانے میں اسی قسم کے فوائد ہوتے ہیں کبھی تائید اور متابع وشاہد کی غرض سے تحویلات آتی ہیں۔امام مسلم بہت زیادہ تحویلات لاتے ہیں پھر امام بخاری پھر ابوداؤد اور پھر دیگر محدثین کا معمول رہا ہے اب یہ بات ہے کہ مذکورہ حدیث کس سند کو دی جائے گی تو راجح یہ ہے کہ پہلی سند کو روایت ملے گی بعض نے کہا کہ مضبوط سند کو روایت دی جائے گی۔

''بالبصرۃ'' 'ب' پر فتح ہے اس کو تصغیر کے ساتھ بُصیرہ بھی کہتے ہیں اس کی طرف نسبت بصری ہوتی ہے اس میں 'ب' پر کسرہ وفتح دونوں جائز ہوتا ہے مشہور صحابی عتبہ بن غزوان نے اس کو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بنا کر آباد کیا اس شہر میں کبھی بت پرستی نہیں ہوئی ہے آج کل عراق کے ماتحت بڑا شہر ہے ''معبد الجھنی ''جھینہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے یہ شخص حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھتا تھا سوسن یہودی سے اس نے یہ عقیدہ لیا اور بصرہ میں پھیلا دیا جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

''یَتَقَفَّرُون العلم ''یعنی علمی شغل رکھتے ہیں اس میں بحث اور تحقیق کرتے ہیں یہ لفظ یتفقرون بھی پڑھا گیا۔اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ لوگ دقیق وعمیق مسائل میں بحث کرتے ہیں ''وذکر من شانھم ''یعنی ابن بریدہ نے کہا کہ یحیٰی بن یعمر نے ان لوگوں کی علمی فضیلت بیان کی ''اُنف'' یہ استیناف سے ہے ''روض انف'' اس باغیچہ کو کہتے ہیں جو سالم اور محفوظ ہو کوئی جانور اس میں نہ چرا ہو،مطلب یہ کہ جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے اس کی پہلے سے کوئی لکھت نہیں ہے۔سب کچھ نئے سرے سے ظاہر ہو رہا ہے۔

''حتی یؤمن بالقدر ''یعنی جب تک تقدیر پر کوئی ایمان نہیں لاتا اس کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا چاہے وہ کچھ بھی کرے۔حضرت ابن عمرؓ کے کلام میں معتزلہ کی تکفیر پر تصریح نہیں ہے اگر چہ اس میں ان کی تکفیر کی طرف اشارہ ہے۔مگر قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ معتزلہ کی وہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم بالکائنات کی نفی کرتے ہیں اور ان کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (فتح الملہم)

یہاں اس حدیث نمبر ۹۳ میں یؤمن بالقدر کا لفظ ہے اس سے تقدیر مراد ہے اور تقدیر میں تفصیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔
سب سے پہلے تقدیر کی لغوی تعریف اور پھر اس کی اصطلاحی تعریف لکھی جاتی ہے۔

تقدیر کی تعریف

''القدر'' دال متحرک بھی ہے اور ساکن بھی ہے یہ کسی چیز کا اندازہ کرنے اور کسی چیز میں تنگی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ﴿انا کل شیء خلقناہ بقدر﴾ یہ اسی اندازے اور تقدیر کی طرف اشارہ ہے تو لغت میں تقدیر اندازہ کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں تقدیر سے متعلق علماء کی تعبیرات مختلف ہیں چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے ۔

۱۔ القدر تعیین کل مخلوق بمرتبته التی توجد من حسن وقبح ونفع وضرر ۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵)

یعنی تقدیر ہر مخلوق کی ہر حیثیت وصفت کے تعین کا نام ہے خواہ وہ نفع یا ضرر کی صفت ہو یا حسن اور قباحت کی ہو۔

۲۔ کچھ دیگر علماء نے اس طرح کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش عالم سے پہلے جن چیزوں کا اندازہ فرمایا ہے اور لوح محفوظ میں ان کو مقرر کیا ہے اسی کے مطابق اس کا تفصیلی وجود ظاہر ہوگا یہی تقدیر ہے، اس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے کسی چیز کا اندازہ نہ ہوا ہو اور تقدیر کی لکھت نہ ہوئی ہو اور تفصیل میں وہ چیز آجائے جو چیزیں اس کائنات میں تفصیلاً جاری ہیں وہ پہلے سے تقدیر میں عند اللہ معین ومقرر ہیں آپ یوں سمجھیں کہ مثلاً زید کے تفصیلی حالات پیدائش سے لے کر وفات تک اللہ تعالیٰ کے علم میں آگئے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تقدیر میں لکھ دیا، اب زید کے پیدا ہونے کے بعد اس کی تمام ترکات وسکنات اسی اجمالی لکھت کے مطابق ہوں گے لیکن تقدیر نے اس کو مجبور نہیں کیا بلکہ اسے اختیار دیا ہے اس آزادانہ اختیار کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا اور اللہ کے علم میں آگیا اسی کے مطابق اس کے تفصیلی حالات ظاہر ہوں گے۔

۳۔ ملا علی قاریؒ نے یہ تعریف کی ہے ''ھو مایقدرہ اللہ من القضایا''۔ (المرقات، ج ۱ ص ۲۵۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روز اول سے سارے فیصلوں کو جو مقدر کیا ہے اسی کا نام تقدیر ہے۔

منکرین تقدیر کا فتنہ کب شروع ہوا؟

خلفائے راشدین کے دور میں کسی نے تقدیر کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی کو اس میں تردّد ہوا، صحابہ کرام کے بالکل آخری دور میں بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں بحثیں شروع کیں، بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے امور کا علم اس کے ظہور سے پہلے نہیں ہوتا جب کوئی عمل ظاہر ہوجاتا ہے تب اللہ کو اس کا علم ہوجاتا ہے اس کی تعبیر ان کے ہاں یہ تھی ''الامر انف ای مستانف ''یعنی پہلے سے کوئی نظام لکھت یا لوح محفوظ وغیرہ نہیں ہے جو ہوجاتا ہے اسی سے تقدیر بنتی ہے اس شخص کا رد خود صحابہ کرام میں سے عبد اللہ بن عمرؓ نے کیا، یہ عنوان چونکہ غلط بلکہ گمراہ کن تھا اس لئے اس پر تردید آنے کے بعد اس عنوان سے یہ مسئلہ آگے نہ چل سکا، ہاں معتزلہ نے اس کو ایک اور رنگ دیا اور اس کو آگے چلایا وہ عنوان یہ تھا کہ آیا بندوں میں اپنے افعال کے اختیار کرنے کی قدرت ہے یا نہیں یعنی بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں چنانچہ ''خلق افعال العباد'' کے عنوان سے انکار تقدیر کا مسئلہ خلفاء

بنوعباس کے دور میں بہت آگے بڑھ گیا اور اس کے اصول وفروع پر بہت جھگڑے ہوئے، اسی میں سے امام احمد بن حنبلؒ اور معتزلہ حکام کے درمیان خلق قرآن کا وہ بڑا مشہور معرکہ بھی ہے جو کئی سالوں تک آزمائش کا میدان بنا رہا، معبد جھنی کا استاذ سوسن یہودی تھا دونوں نے بصرہ میں تقدیر کا یہ جھگڑا کھڑا کیا، پھر معبد جھنی اور اس کے بعد غیلان نامی شخص نے اس عقیدہ کو عراق اور حجاز میں پھیلا دیا۔ عمرو بن عبید نے جب اس مسئلہ کو اُچھالا تو حجاج بن یوسف نے اس کو قتل کیا۔ حسن بصریؒ کی مجلس سے واصل بن عطاء اٹھ کھڑا ہوا اور اس فتنہ کو شروع کیا ادھر حجاز میں ایک زمانہ میں بیت اللہ کی عمارت میں آگ لگی اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ تقدیر الٰہی کی بنیاد پر لگی تو دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تقدیر نہیں بنائی اس طرح حجاز میں یہ مسئلہ پھیل گیا۔ (فتح الملہم)

تقدیر پر ایمان کا مطلب

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے خواہ وہ عمل خیر کا ہو یا شر کا ہو، اور یہ سب کچھ بندوں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کے ارادے سے ہو رہا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کفر سے ناراض ہوتا ہے اس لئے کفر ومعصیت کے لئے سزا کا وعدہ کیا ہے اور ایمان وطاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ (مرقات، ج۱ص۲۵۶)

حضرت جعفر صادقؒ کا مقولہ ہے ''لا جبر ولا قدر ولکن الامر بین الامرین''۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''من لم یؤمن بقدرہ من خیر وشر فقد کفر''۔

تقدیر ایک پوشیدہ راز ہے

تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس پر اللہ نے کسی مقرب فرشتہ یا کسی مقرب رسول کو بھی مطلع نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس میں عقلی بحث وتمحیص جائز نہیں ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ایک گروہ اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کے تحت جنت کے لئے بنا دیا اور دوسرے گروہ کو اپنے عدل کے تحت دوزخ کے لئے بنا دیا دونوں کو اختیار دیا کسی کو مجبور نہیں کیا، ایک شخص نے حضرت علیؓ سے تقدیر جاننے کے لئے پوچھا تو آپؓ نے جواب دیا۔

''طریق مظلم فلاتسلکه ''ایک تاریک راستہ ہے اس پر نہ جاؤ، اس نے پھر سوال کیا آپؓ نے فرمایا'' بحر عمیق فلاتلجه ''ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو، اس شخص نے پھر سوال کیا آپ نے فرمایا'' سر الله قد خفی علیك فلاتفتشه'' اللہ تعالیٰ کا ایک مخفی راز ہے اس کو فاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

کیفیة المرأ لیس المرأ یدرکها　　فکیف کیفیة الجبار فی القدم

''ایک انسان کی کیفیت کو دوسرا انسان نہیں پا سکتا تو قدیم بادشاہ قہار و جبار کے رازوں کو انسان کیسے پاسکے گا؟''

اس موضوع سے متعلق دو اشعار ملاحظہ ہو ؎

ہزار نکتۂ باریک تر زمو این جا است نہ ہر کہ سر بترا شد قلندری داند

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

تقدیر وقضاء میں کیا فرق ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ قضاء وقدر کے معنی مشترک ہیں ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے اور کبھی کبھی مختلف معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ قدر تو اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی اجمالی فیصلہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہوتا ہے اور قضاء اس کا خارجی تفصیلی خاکہ ہوتا ہے یا اس کی خارجی تکمیل ہوتی ہے جیسے ''فقضاھن سبع سموات'' یہ سات آسمان اپنے وجود کے اعتبار سے اسی اجمالی تقدیر کے لئے خارجی تفصیلی خاکے ہیں اور بعض مرتبہ قضاء سے مراد علم اجمالی ازلی ہوتا ہے اور قدر سے مراد خارج میں اس کا تفصیلی وجود ہوتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج۱ص۹۲)

بعض عارفین نے اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جیسے ایک مصور انجینئر کے ذہن میں ایک خاکہ ہوتا ہے پھر وہ خارج میں اس کا ایک نقشہ بناتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ایک صورت معہودہ ہے اس کو قدر کہتے ہیں اسی کے مطابق خارج میں ایک صورت آتی ہے وہ قضاء ہے اس قضاء کے تابع ہو کر بندہ کا قدر کے مطابق عمل کرنا کسب کہلاتا ہے۔ مثال اس طرح ہے کہ ایک مصور انجینئر اپنی صورت ذھنیہ کے مطابق کاغذ پنسل سے ایک خاکہ بناتا ہے تلمیذ اس خاکہ میں خطوط کا لحاظ کرتے ہوئے رنگ بھرتا ہے تو صورت ذھنیہ قدر ہے خارج میں اس کا خاکہ قضاء ہے اور خاکہ میں رعایت کے ساتھ رنگ بھرنا عبد کا کسب ہے تو جس طرح یہ رنگ بھرنا صورت ذھنیہ کے عین مطابق ہے اسی طرح بندہ کا کسب تقدیر الٰہی کے عین مطابق ہے اور بندہ تقدیر کے خلاف نہیں کرسکتا، خلاصہ یہ کہ مکان بنانے سے پہلے جو خاکہ ذہن میں آتا ہے یہ بمنزلہ قدر ہے اور اسی نقشہ کے مطابق جو مکان تیار ہو کر موجود فی الخارج ہوا یہ قضاء ہے۔ تاہم اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ قضاء وقدر میں ترادف ہے دونوں ایک ہی ہیں۔

مسئلہ تقدیر میں مختلف مذاہب

تقدیر کے مسئلہ میں کل تین مذاہب ہیں ایک اہل حق کا اور دو اہل باطل کے ہیں، اہل حق اہل سنت والجماعہ ہیں اور اہل باطل جبریہ اور معتزلہ ہیں تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ جبریہ کا مذہب

تقدیر کے متعلق جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض جماد کی طرح ہے اس کے افعال کا اعتبار نہیں اور تقدیر کے سامنے یہ بے بس اور بے حس پتھر ہے یہ لوگ ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں تقدیر کا ذکر ہے جیسے

﴿وماتشاء ون الا ان یشاء الله رب العالمین﴾۔

جواب

جبریہ کا مذہب صریح البطلان یعنی واضح طور پر باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت لازم آتی ہے کیونکہ جب انسان مجبور محض ہے اور اس کو اپنے فعل کا کچھ بھی اختیار نہیں بلکہ جو کچھ کیا وہ اللہ نے کیا تو پھر انسان کو جزا وسزا کے محکمہ میں گھسیٹ کر لانا کہاں کا انصاف ہے تو جس مذہب اور عقیدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت لازم آتی ہے اس کے باطل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

جبریہ کے مذہب کے باطل ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر عقلمند شخص اپنے وجدان سے اس بات کو سمجھتا ہے کہ افعال اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق ہے مثلاً وجدان یہ فیصلہ کرتی ہے کہ حرکت ارتعاش یعنی ہاتھ کا شل ہو کر حرکت کرنا غیر اختیاری ہے اور حرکت بطش یعنی قصد کر کے حرکت کرنا اختیاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال میں ایک حد تک بااختیار ہے اور ایک حد سے آگے بے اختیار ہے جبریہ کا انسان کو بالکل مجبور ومعذور اور بے بس و بے حس کہنا ضلالت بھی ہے اور حماقت بھی ہے اگر یہ اس طرح مجبور تھا تو اس کو افعال کرنے نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیوں دیا؟ حضرت علیؓ نے اسی قسم کے شخص سے فرمایا کہ پاؤں اٹھاؤ اور کھڑے رہو اس نے پاؤں اٹھایا حضرت علیؓ نے فرمایا دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ اور کھڑے رہو، اس نے کہا یہ تو ممکن نہیں اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا بس انسان اتنا بااختیار ہے اور اتنا بے اختیار ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ جس حد تک انسان جاسکتا ہے اسی حد تک یہ مکلّف اور جوابدہ ہے اور جہاں سے آگے نہیں جاسکتا ہے وہاں کا جوابدہ نہیں۔ نیز اختیار اور بے اختیار کا فیصلہ تو ایک بے عقل کتا بھی کرتا ہے دیکھو جب کوئی انسان اس کو پتھر مارتا ہے تو وہ پتھر کو چھوڑ کر مارنے والے انسان کے پیچھے دوڑتا بھونکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پتھر بے جان کا کیا قصور ہے اصل قصور تو اس بااختیار انسان کا ہے جو اپنے فعل سے پتھر مارتا ہے۔

اختیار کس طرح ہے؟

جب یہ معلوم ہوا کہ عقل سلیم اور وجدان صحیح کا اٹل فیصلہ ہے اور دنیا کا یہ مشاہدہ ہے کہ بعض افعال اختیاری بھی ہیں تو وہ اختیار کس طرح ہے حالانکہ ﴿وماتشاء ون الا ان یشاء الله﴾ آیت بتا رہی ہے کہ انسان کا ارادہ نہیں چلتا ہے سب کچھ مشیت الٰہی کے تحت چل رہا ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو توجیہ الارادہ کا اختیار دیا گیا ہے یعنی جب وہ ارادہ کرتا ہے اور توجہ کرتا ہے تو مشیت الٰہی کی طرف سے اس کی موافقت آتی ہے اس توجہ اور اس ارادہ میں یہ انسان با اختیار ہے اور یہی اس کے لئے قدرت متوھمہ ہے اور اسی قدرت متوھمہ پر مواخذہ ہوتا ہے یعنی یہ انسان جب کوئی فعل کرنا یا نہ کرنا چاہتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے تو کوئی رکاوٹ نہیں بس ادھر انسان حرکت ارادی کرتا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق آتی ہے تو اس میں یہ مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے ہاں جو کچھ کرتا ہے اس کی لکھت پہلے سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اس نے اس شخص کے اس با اختیار فعل کو پہلے معلوم کیا اور پھر لکھ دیا اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ اسی لکھت کے مطابق ہے اس کی ایک مثال یہ سمجھ لیں کہ ایک ڈاکٹر نے کسی مریض سے کہہ دیا کہ فلاں چیز کھاؤ گے تو مرجاؤ گے اس شخص نے وہ چیز کھالی اور مرگیا تو ڈاکٹر نے علامات اجمالیہ وجود یہ سے بتایا تھا کہ مروگے اب جو مرگیا تو ڈاکٹر کے قول سے تو نہیں مرا نہ ڈاکٹر کے لکھنے سے مرا بلکہ وہ تو اپنے اس فعل سے مرا ہے جس سے ڈاکٹر نے منع کیا تھا۔

بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم میں جو اجمال ہے جس کا نام تقدیر ہے وہ پہلے سے موجود ہے خارج میں پایا جانے والا فعل بندہ کا اپنا فعل ہے یہ بے شک تقدیر کے موافق ہے لیکن یہ شخص تقدیر کے ہاتھوں مجبور نہیں بلکہ تقدیر کی لکھت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے احوال کو آزاد ماحول میں دیکھ کر پھر لکھ دیا۔ چنانچہ اب جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس کی دوسری ذرا زیادہ واضح مثال اس طرح ہے کہ مثلاً ایک ریلوے ٹائم ٹیبل ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں گاڑی فلاں ٹائم فلاں جگہ سے چلے گی فلاں ڈرائیور ہوگا فلاں جگہ اتنی دیر کرے گی فلاں اسٹیشن پر فلاں وقت پہنچے گی اتنا ایندھن کھائے گی وغیرہ وغیرہ اس طرح پورے دن اور پورے سفر کا ٹائم ٹیبل تیار ہو کر سامنے آگیا اور مرتب ہو کر موجود ہوا تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ گاڑی ٹھیک اسی ٹائم ٹیبل کے مطابق انہیں ہدایات پر چلتی ہے لیکن یہ ٹائم ٹیبل اس گاڑی کو نہیں چلاتا بلکہ ڈرائیور یا گاڑی کا سسٹم ہے جس سے وہ چلتی ہے بالکل اسی طرح لوح محفوظ ہے جس پر انسان کی تقدیر لکھی ہوئی ہے وہ انسان کی زندگی کا ٹائم ٹیبل ہے جس کے مطابق انسان کی زندگی کی یہ گاڑی اس کے اپنے کسب واختیار سے سفر کر رہی ہے فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ محیط ہے تو انسانی گاڑی اس علم وتقدیر سے مخالف نہیں ہوسکتی اور ریل گاڑی کے پروگرام میں تخالف وتغیر آسکتا ہے کبھی آہستہ کبھی کیسا کبھی کیسا۔

ان تشریحات وتوضیحات کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ جبریہ کا مذہب باطل محض ہے اور انہوں نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اہل سنت والجماعۃ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کے لئے مستقل اختیار کی نفی ہے جیسا کہ معتزلہ انسان کے لئے مستقل اختیار کے قائل ہیں اس آیت میں اس ضعیف غیر مستقل محدود اختیار کی نفی نہیں ہوتی ہے جو دیگر نصوص اور عقل سلیم اور وجدان صحیح سے انسان کو حاصل ہے۔

۲۔ معتزلہ قدریہ کا مذہب

ان کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے کسی تقدیر کا پابند نہیں بلکہ اپنے افعال کا انسان خود خالق ہے پہلے سے کوئی لکھت نہیں ورنہ مواخذہ محال ہو جائے گا۔

یہ مذہب بھی صریح البطلان ہے اور جبریہ کی طرح یہ لوگ بھی اہل باطل ہیں ان کا یہ مذہب جبریہ کی ضد ہے ان کے مذہب کے باطل ہونے پر بہت نصوص موجود ہیں چند آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ﴿وماتشاؤن الا ان یشاء الله رب العالمین﴾ (تکویر)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں ہے۔

۲۔ ﴿ان کل شیء خلقناه بقدر﴾ (قمر:۴۹)

اس سے تقدیر کا ثبوت ہوتا ہے۔

۳۔ ﴿قل لااملك لنفسی نفعاً ولاضراً الاماشاء الله﴾ (اعراف:۸۸)

اس سے بھی تقدیر کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

پہلا جواب

اہل حق نے معتزلہ کو کئی جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ تمہارا عقیدہ صریح نصوص کے خلاف ہے۔

دوسرا جواب

یہ کہ تمہارے عقیدے کے پیش نظر انسانی تخلیقات اللہ تعالیٰ کی تخلیقات سے زیادہ ہو جائیں گی اور یہ باطل ہے لہٰذا تمہارا عقیدہ باطل ہے کیونکہ طاعات سے معصیات زیادہ ہیں تو انسانی تخلیقات زیادہ ہو جائیں گی۔

تیسرا جواب

یہ کہ تمہارے عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ کچھ معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر موجود ہو رہے ہیں جو موجب عجز یا نقص ہے حالانکہ معاصی طاعات پر غالب ہیں تو اکثری افعال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر آگئے اور یہ عقیدہ غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ اس بات سے بچنا چاہتے ہیں کہ ''شر'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق ہے تو عجیب بات یہ ہے کہ شر کی طرف نسبت سے بچنے کی کوشش میں صریح شرک میں پڑ گئے اور کہا کہ خالق خود انسان ہے یہ لوگ اس مثال کے مصداق بن گئے۔ ''فرمن المطر ووقف تحت المیزاب'' ہم الزامی جواب میں کہتے ہیں کہ ابلیس شر اور شرارت کا پتلا ہے اس کو کس نے پیدا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کا کوئی اور خالق ہے جس نے اس کو پیدا کیا؟ تو یاد رکھو تخلیق شر کمال

ہے جیسا کہ تخلیق خیر کمال ہے ہاں کسب شر مذموم ہے۔ تاہم عموماً شر کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے یا نفس کی طرف نسبت ہوتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی نہ ہو جائے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یوں کہو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے خالق ہے یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ خنزیر کا خالق ہے یہ بے ادبی ہے۔

دلچسپ مکالمہ

عبد الجبار ہمدانی معتزلی، استاذ ابو اسحاق اسفرائنی کی مجلس میں آ کھڑے ہوئے اور کہا ''سبحان من تنزہ عن الفحشاء'' یعنی گناہ کی نسبت اللہ کے حق میں فحشاء ہے اس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ استاذ اسفرائنی نے فرمایا ''سبحان من لایجری فی ملکہ الامایشاء'' ہمدانی نے کہا ''ایشاء ربنا ان یعصی'' استاذ نے کہا ''ایعصی ربنا قسرا'' ''فبھت'' ہمدانی کا مطلب یہ تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کی نافرمانی کی جائے تو استاذ اسفرائنی نے جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جبری طور پر ہوتی ہے؟ اس پر ہمدانی لاجواب ہو گیا۔ (فتح الملہم، ج ۱ ص ۴۷۹)

قرآن کریم کی کئی آیات سے تقدیر کا ثبوت ملتا ہے جس سے واضح طور پر معتزلہ کا مذہب باطل ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿انا کل شیء خلقناہ بقدر﴾ (قمر:۴۹) ﴿یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب﴾ (رعد:۳۹)

﴿وکل شیء فعلوہ فی الزبر وکل صغیر وکبیر مستطر﴾ (قمر:۵۲،۵۳)

ان واضح آیات اور احادیث کی تصریحات کے بعد معتزلہ کا تقدیر سے انکار محض خرافات اور عقل کا فقدان ہے۔

''شر'' کی تخلیق میں حکمت

تمام عقلاء و حکماء اس پر متفق ہیں کہ دنیوی بادشاہ میں دو صفات کا موجود ہونا ضروری ہے ایک صفت لطف و کرم اور دوسری صفت قہر و جلال، اول اس لئے کہ اپنوں پر رحم کرے الطاف و مہربانیاں کرے اگر یہ صفت نہیں تو ایسے بخیل اور کنجوس کو کون بادشاہ بنائے گا اور اس کی بادشاہت کو کون تسلیم کرے گا ایسا شخص اگر بادشاہ بن بھی گیا تو یہ نقص اور عیب جلد ہی اس سے بادشاہت چھین لے گا۔ دوم صفت قہر بھی ضروری ہے تا کہ لوگ بے جا تعدی و تجاوز اور بے جا جرأت نہ کریں کسی نے کہا ہے ؎

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
یہ بھی سجن واہ واہ وہ بھی سجن واہ واہ

اللہ تبارک و تعالیٰ بادشاہ علی الاطلاق ہے اس کے لطف و کرم کی صفت کے مظہر فرشتے ہیں اور قہر و غضب کا مظہر شیطان ہے اسی طرح انسانوں میں ابرار صفت لطف و کرم کے مظہر ہیں اور فجار صفت قہر کے مظہر ہیں یہ اس لئے ضروری ہے تا کہ دونوں صفات کا ظہور ہو سکے، اسی طرح ایک ایسی جگہ بھی ہونی چاہیئے جہاں صفت لطف و کرم اور جمال کا ظہور ہو اور وہ جگہ جنت ہے۔ ایسے ہی

ایک جگہ ایسی بھی ہونی چاہئیے جہاں صفت قہر وغضب کا ظہور ہو اور وہ جگہ دوزخ ہے۔تو جنت اور دوزخ کا وجود، ابرار واشرار کا وجود، خیر اور شر کا وجود شہنشاہ مطلق کے لئے ضروری ہے تا کہ دنیا کی گاڑی آزمائش کے میدان میں خیر اور شر کی دو پٹریوں پر رواں دواں رہے اور حق و باطل کا مقابلہ گرم ہو کیونکہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغ مصطفوی سے شرار ابو لہبی

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ ایک ہے تخلیق شر اور دوسرا ہے کسب شر، تخلیق شر محمود ہے اور کسب شر مذموم ہے دونوں کے جداگانہ احکام ہیں مگر دونوں کی تخلیق تو کمال ہے مجموعہ عالم کی ترتیب میں حسن تب ہی آتا ہے جب اس میں خیر وشر کے دونوں رنگ موجود ہوں۔ ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن — اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

در کار خانہ عشق از کفر نا گزیر است — دوزخ کرا بسوزد گر بو لہب نہ باشد

تنبیہ !

تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور دوسری تقدیر مبرم ہے تقدیر معلق میں تغیر آتا ہے مگر تقدیر مبرم میں کبھی فرق اور تغیر نہیں آتا، ان دونوں کو اجل معلق اور اجل مبرم بھی کہتے ہیں۔

اجل معلق کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ایک فیصلہ لکھ دیا ہو مگر اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی رکھ دیں مثلاً لکھا کہ فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال ہوگی لیکن اگر اس نے والدین کی خدمت کی یا متقی پرہیز گار رہا تو اس کی عمر اسی سال ہو جائے گی۔قسم دوم اجل مبرم ہے یہ اللہ تعالیٰ کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس میں جو کچھ مقرر اور متعین ہے اس میں کبھی بھی تغیر ممکن نہیں جو فیصلہ تقدیر مبرم میں ہو چکا ہے وہی ہو کر رہے گا۔اذا جآء اجلھم فلا یستأخرون ساعة ولا یستقدمون۔(سورت یونس ۴۹)

شرح حدیث جبریل

یہ ایک جامع حدیث ہے اور شریعت مطہرہ کے تمام شعبوں پر محیط ہے چونکہ ان بنیادی باتوں کے سوالات حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے اس لئے اس کو حدیث جبریل کہتے ہیں۔جب سوال کرنے والے جبرئیل ہوں اور جواب دینے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو پھر اس حدیث کی بنیادی مضامین کی شان خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ کا بیان ہے کہ یہ حدیث تمام عبادات ظاہری اور باطنی اور ایسے احکامات پر مشتمل ہے جو ایمان، اعمال، جوارح اور اخلاص سرائر سے متعلق ہیں۔یہاں تک کہ شریعت کے تمام علوم اس کی طرف راجع ہیں اور سب اس سے پھوٹ پھوٹ کر پھیلتے ہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے علامہ قرطبی نے فرمایا کہ ''یصلح ان یقال له ام السنة ''یعنی جس طرح سورۃ فاتحہ قرآن کے لئے ام القرآن ہے یہ حدیث تمام احادیث کے لئے ''ام السنة'' ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ امام بغویؒ نے اپنی کتاب مصابیح اور شرح السنۃ کی ابتداء اسی حدیث شریف سے کی ہے۔
اس حدیث سے متعلق گزشتہ مباحث میں بھی چند باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں ملاحظہ کریں۔
''بینما'' یہ لفظ مفرد ہے اور ظرفیت کے لئے آتا ہے اور جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ ''اذ'' اور ''بینما'' دونوں ظرف زمان بمعنی مفاجاۃ آتے ہیں اور یہی مفاجاۃ کا معنی اس ظرف کا عامل بنتا ہے، حدیث کا معنی یہ ہوا۔

وقت حضورنافی مجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجأنا طلوع ھذاالرجل۔

ترجمہ کرنے میں ''بینما'' کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں یا اسی درمیان اور اسی دوران۔ ''ذات یوم'' لفظ ذات بڑھایا گیا ہے یہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہاں مجازاً مطلق زمان مراد نہیں بلکہ دن ہی مراد ہے۔ نیز لفظ ذات کلام کی تحسین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ بعض نے اس کو مقحم یعنی زائد بھی کہا ہے۔ ''نحن عند رسول اللہ'' ایک روایت میں ''فی آخر عمرہ'' کا لفظ آیا ہے۔ بعض شارحین حجۃ الوداع کے بعد دس ہجری میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس آمد کا وقت بتایا ہے۔ گویا حضرت جبریل علیہ السلام تمام احکام نازل ہونے کے بعد امور دین کی تثبیت وتقریر اور مضبوطی کے لئے آئے اور اجمالی خاکہ ایک ہی مجلس میں پیش کیا۔ آنے والی روایت میں ہے ''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بارزاللناس'' ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نمایاں جگہ پر تشریف فرماتھے کیونکہ صحابہ نے آپ کی اجازت سے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترہ بنایا تھا تاکہ امتیاز آجائے۔ اسی روایت سے قرطبی نے علماء اساتذہ اور مدرسین کے لئے نمایاں جگہ بنانے پر استدلال کیا ہے۔ بشرطیکہ ضرورت ہو، اس حدیث کا شانِ ورود یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم نے آنحضرت سے سوال پر پابندی لگائی تھی تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلونی فھابوا ان یسألوہ فجاء جبرئیل'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے سوال پوچھو تو صحابہ سوال کرنے سے گھبرا گئے تب جبرائیل آئے اور سوالات کئے۔
''اذطلع علینا رجل'' دخل کے بجائے طلع زیادہ مناسب تھا کیونکہ طلوع الشئ دفعۃ ہوتا ہے۔ یا لفظ طلع کمال ظہور، کمال عظمت اور علوِّ مرتبت کے لئے اختیار کیا جیسے ''طلع البدر علینا یا طلع الشمس'' کے الفاظ عظمت کے لئے بولے جاتے ہیں۔
تیسری وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ یہ شخص چونکہ جبرئیل امین تھے اور فرشتے نورانی مخلوق ہیں اس نور اور روشنی کے لئے طلع کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب تھا۔ ''رجلٌ'' میں تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی ایک شان والا آدمی نمودار ہوا، فرشتہ ہمیشہ جب کسی کی شکل اپناتا ہے تو مردوں کی شکل میں آتا ہے۔ عورت کی شکل میں نہیں آیا کرتا۔ ''شدید بیاض الثیاب'' یہاں اضافت لفظیہ تخفیف کے لئے ہے۔ اور مضاف الیہ میں الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔ یعنی ''شدید بیاض ثوبہ'' اور اگر شدید مضاف پر تنوین پڑھا جائے تو بیاض اس کا فاعل بن جائے گا۔ یعنی ''شدید بیاض ثوبہ'' سفید لباس اختیار کرنے سے اشارہ کیا کہ سب سے عمدہ لباس سفید ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''البسوا ثیاب البیض فانھا اطھر

واطیب و کفنوا فیھا موتاکم" اور سفید لباس اختیار کرنے سے توحش دور ہو جاتا ہے اس لئے اس کو اختیار کیا، اس جملے کی تشریح آنے والے شدید سواد الشعر کے جملہ میں بھی چلے گی۔ ان دونوں جملوں کے ملانے سے علم دین کے طلباء کے لئے چند مفید آداب حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حصول علم کے لئے پہلا ادب تو یہ ہے کہ طالب علم صاف ستھرا ہو خواہ پرانا کپڑا ہو مگر صاف ہو نظافت ہو دوسرا ادب یہ کہ علم دین کے حصول کا زمانہ جوانی کا ہے کہ اس میں ہر مشقت برداشت کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور ذہن اور حافظہ اور دیگر قویٰ بھی ترو تازہ ہوتے ہیں۔

"ولا یعرفه منا احد"۔

سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کو نہیں جانتا تھا ممکن ہے پورے مجمع میں کوئی جاننے والا ہو؟۔

جواب

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گمان کے مطابق سب کی طرف یہ نسبت کی یا یہ کہ حاضرین مجلس کے قول اور تصریح کے مطابق یہ فرمایا کیونکہ وہ قول عثمان بن غیاث کی روایت میں اس طرح ہے۔

"فنظر القوم بعضهم الی بعض فقالوا مانعرفه"

"حتی جلس الی النبی صلی الله علیه وسلم" اس روایت میں کچھ اجمال ہے۔ مسند امام اعظم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ اس طرح ہے۔

عن ابن مسعود الی ان قال السلام علیك یارسول الله فقال وعلیك السلام فقال یارسو ل الله ادن فقال ادن قال فدنا حتی جلس ...... الخ

جلوس اور قعود مترادف الفاظ ہیں جو بیٹھنے کے معنی میں ہیں۔

"فأسند رکبتیه الی رکبتیه": سوال یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنے میں بے ادبی کا احتمال ہے ایسا کیوں کیا؟

اس کے چند جوابات ہیں۔

۱۔ طلب علم میں اپنی شدید حاجت واحتیاج ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے ایسا کیا۔

۳۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔

۴۔ اپنی ہیئت وحیثیت چھپانے کے لیے ایسا کیا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔

''ووضع کفیه علی فخذیه'' ''کفیه'' کی ضمیر تو اس آنے والے سائل جبریل امین کی طرف لوٹتی ہے یہ طالب علم کے باادب بیٹھنے کا انداز ہے کہ دوزانو ہو کر قعدہ کی شکل میں بیٹھ کر دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دے گویا ہر متعلم کو ادب کا درس دیا۔

''فخذیه'' اس میں ضمیر اگر سائل کی طرف راجع ہے تو اس میں کمالِ ادب کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ لیکن امام بغوی علامہ طیبی اسماعیل تیمی وغیرہ علماء کے نزدیک یہ ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے کہ اس سائل نے اپنے دونوں ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے۔ ان علماء کی اس رائے کی تائید نسائی کی روایت سے ہوتی ہے کیونکہ کہ اس میں تصریح ہے۔ ''ثم وضع یدیه علی رکبتی النبی صلی الله علیه و سلم'' اس تصریح کے بعد اس میں بحث نہیں کرنی چاہیے کہ ضمیر کس طرف کی لوٹتی ہے؟۔

البتہ یہاں پھر وہی سوال اٹھے گا کہ یہ صورت کیا بے ادبی کی نہیں ہے؟ اس کے وہی جوابات ہیں جو اوپر کے جملے میں دیئے گئے ہیں کہ اس سے وہ اپنا گنوار پن ظاہر کرنا چاہتے تھے تاکہ ملک اور فرشتہ ہونا پوشیدہ رہے، یا توجہ مبذول کرانا چاہتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے اس کو مجاز پر حمل کیا ہے کہ اس سے مراد کمال قرب ہے لیکن مجاز لینے کی کیا ضرورت ہے؟ حقیقت موجود ہے، بہر حال جبریل امین کی آمد و گفتگو اور سوال وجواب پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر شارحین نے جو کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مطمح نظر ابہام، اخفاء حال اور لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے ورطۂ حیرت اور التباس میں ڈالنا تھا۔ کبھی آپ تہذیب یافتہ لوگوں کا طرز اختیار کر کے یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ نووارد انتہائی درجہ کے مہذب، باوقار اور آدابِ تعلیم سے واقف ہیں اور کبھی ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس سے آداب مجلس سے ناواقف ہونے دیہاتی اور بدوی ہونے کا خیال آتا ہے۔ کبھی اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر مہذب انداز میں بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی ناواقف دیہاتیوں کی طرح گھٹنوں سے گھٹنا ٹیک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ کبھی یارسول اللہ کہہ کر تہذیب کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور کبھی یا محمد کہہ کر گنوار پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کبھی سلام کر کے مجلس میں آنے کی اجازت مانگتے ہیں اور کبھی گردنوں کو پھلانگ کر دیہاتیوں کی طرح آگے بڑھتے ہیں کبھی عمدہ وعمیق سوال کرتے ہیں تو جواب ملنے پر خود تصویب کر کے واقفیت اور ناواقفیت کے تضاد کو جمع کرتے ہیں۔ بدن اور لباس پر آثار سفر ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے مقیم معلوم ہوتے ہیں اور کسی کا ان کو نہ پہچاننا مسافر ہونے کی دلیل ہے۔ عجیب یہ ہے کہ جبریل امین نے (تعمیه) اور اخفاء کے تمام طور طریق اپنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک نہ پہچانا اور جانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل تھے۔

''وقال یامحمد''۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح خطاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد

ہے ﴿لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا﴾ اس کے باوجود جبریل امین نے یا محمد سے آپ کو کیوں پکارا ہے؟ نیز قرآنی ممانعت کے ساتھ ساتھ اس طرح خطاب کرنے میں بے ادبی کا پہلو بھی ہے۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ اس خطاب اور اس ممانعت کے مکلّف اور پابند انسان ہیں فرشتے نہیں، یہ اچھا جواب ہے کیونکہ کئی دیگر مقامات میں جبریل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نام سے پکارا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ لفظ محمد وصفی معنی بمعنی ستودہ صفات ''حمیدہ خصال والے'' مراد لئے گئے ہیں عَلَمی معنی مراد نہیں ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ جبریل امین اپنے آپ کو چھپا رہے تھے اس کے لئے اس طرح کا پکارنا ضروری تھا۔ بہر حال جب شارحین حدیث نے اس میں بے ادبی کا احتمال نکالا ہے تو اب ''یا محمد'' کہہ کر پکارنا حرام ہے اور جب عقیدہ بھی فاسد ہو پھر اس میں کیا شک ہے۔

ایک بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نے مشکوۃ کی شرح لکھی ہے اس مقام پر وہ لکھتے ہیں ''اب حضور کو 'یــامــحــمــد'' کہہ کر پکارنا حرام ہے''۔ بریلوی حضرات کے اعلیٰ امام احمد رضا خان صاحب اپنی کتاب تجلی الیقین ص ۲۶ پر لکھتے ہیں:

ولہذا اعلماء تصریح فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نام لیکر ندا کرنی حرام ہے اور واقعی محل انصاف ہے کہ جسے اس کا مالک و مولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ وہ ادب سے تجاوز کرے۔ (تجلی الیقین ص ۲۶)

''اخبرنی عن الاسلام'' یہاں پر امر استدعاء کے معنی میں ہے۔ استعلاء اور حکم کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔

''الاسلام هو الانقياد الظاهر بشرط الانقياد الباطن'' الاسلام میں الف لام حقیقت شرعیہ کے لئے ہے۔ اور ایک روایت میں شرائع الاسلام کے الفاظ بھی ہیں۔ اسی لئے اس کا جواب ارکان خمسہ سے دیا گیا ہے۔ صرف تعریف نہیں بتائی اور نہ یہاں ایمان و اسلام کی اصطلاحی تعریفات بتانا مقصود ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ مسلم، کتاب حمیدی، جامع اصول، ریاض الصالحین اور مشکوۃ میں اسلام سے متعلق سوال و جواب کو مقدم لایا گیا ہے اور مصابیح میں ایمان کا سوال و جواب مقدم کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مقام کا تقاضا یہ تھا کہ اسلام مقدم ہو کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے سیکھنے اور تعلیم کے لئے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری طور پر جواب دیا کیونکہ آپ حکمت تدریجیہ کے اصول پر جواب دیا کرتے تھے۔ اس لئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہم کو مقدم کر کے ذکر فرماتے تھے۔لہٰذا یہاں ظاہری انقیاد سے تدریجاً ترقی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا ذکر فرمایا پھر اس سے ترقی کر کے احسان کا تذکرہ فرمایا جو اخلاص کا مقام ہے گویا یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی ایک صورت تھی، ورنہ ایمان تو اساسِ اسلام اور اساسِ دین ہے وہ سب سے مقدم ہے۔یا جواب یہ ہے کہ یہ تقدیم یا تاخیر بعض رواۃ کی طرف سے تصرف ہے جو ہوتا رہتا ہے اور مختلف اسلوب اختیار کرتے رہنا محدثین کی عام عادت ہے اور جہاں ایمان مقدم ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دین کے لئے اساس اور بنیاد ہے اس کے بغیر کسی عمل کا اعتبار نہیں ہے۔

''ان تشهد'' یہاں ''أن'' مصدر یہ ہے جس نے تشہد کو شہادۃ مصدر بنا دیا۔''ان لااله الاالله'' میں أن مخففه من الثقيله ہے۔ جو ''انه'' کے معنی میں ہے اور ضمیر شان ہے اور ''لااله الاالله'' کلمة التوحید ہے۔

"والتوحيد في اللغة وحدانية الشيء، واصطلاحاً اثبات ذات الله بالوحدانية"۔عقيدةً وقولاً وعملاً وعرفاً وثبوتاً ودواماً۔

کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مشابہت سے پاک ہے۔

توحید سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''للتوحيد لبّان وقشران كالجوز......الخ'' یعنی توحید کے لئے دو چھلکے ہیں۔ اور دو مغز ہیں جس طرح اخروٹ اور بادام میں ہوتا ہے۔اقرار باللسان توحید کے لئے اوپر کا چھلکا ہے اور اعتقاد بالجنان دوسرا چھلکا ہے جس طرح بادام کی گٹھلی پر ایک چھلکا ہوتا ہے پھر خود گٹھلی دوسرا چھلکا ہے پھر لُب ہے۔توحید کا لب یہ ہے کہ انسان کائنات کی تمام اشیاء کو ایک اللہ کی تخلیق مانے اور یہ جانے کہ سب کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو سب کا فاعل مختار ہے۔اور پھر تمام اسباب کو ان کے مسببات کے ساتھ جڑا ہوا مانے، اس کے بعد لُبُّ اللُّب ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی نظر کائنات میں صرف ایک اللہ پر ہی ہو، دیگر کوئی چیز اس کی نظر نہ آئے اور اسی واحد لاشریک ذات کے مراقبہ میں مستغرق ہو جائے۔تو قشر اور قشر القشر اور لب اور لب اللب یہ چار چیزیں توحید میں ہیں۔

''محمد رسول الله'' اس جملے سے نبوت اور رسالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شہادت کے مفہوم میں ''محمد رسول الله'' کا مفہوم خود پڑا ہوا ہے کیونکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں تو کبھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی صرف شہادت کے لفظ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

''ان استطعت اليه سبيلا'' امام شافعیؒ کے ہاں حج کے لئے استطاعت مال کا نام ہے، لہٰذا معذور بیمار پر بھی حج فرض ہے جبکہ وہ مالدار ہو وہ اپنے نائب کو پیسہ دے کر حج کرائے گا۔امام مالکؒ کے نزدیک استطاعت بالبدن ہے کہ آدمی صحت منداور تندرست ہو تو اس پر حج فرض ہے پیدل جائے گا راستے میں کمائے گا کھائے گا اور آگے بڑھتا جائے گا۔احناف کے ہاں زاد وراحلہ کا حاصل ہونا استطاعت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بعض روایات میں حج کا ذکر نہیں ہے، بعض میں روزے کا ذکر نہیں ہے حج کا ہے، بعض میں ترتیب میں آگے

پیچھے ہے کہ حج کا ذکر پہلے ہے روزہ کا بعد میں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ راویوں کے تصرفات میں سے ہے کہ کسی نے کسی کو ذکر کیا کسی نے کسی اور کو ذکر کیا۔ کسی کو ایک طرح یاد تھا اور کسی کو کسی اور طرح یاد تھا اسی میں تقدیم تاخیر بھی ہوگئی۔

"قال صدقت فعجبنا له" یعنی صحابہ کو اس پر تعجب ہوا کہ

۱۔ یہ شخص سائل بن کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے اور پھر تصدیق کر کے اپنے عالم ہونے کا اظہار کر رہا ہے جو تضاد ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کے تعجب کی دوسری وجہ علامہ قرطبیؒ نے بیان فرمائی ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ علم کا منبع اور سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر کوئی بھی ان علوم کو نہیں جانتا، یہ سائل کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے نہیں تو یہ کیسے تصدیق کرتے ہیں کیونکہ تصدیق کے لئے سابق علم کا ہونا ضروری ہے۔

"قال فاخبرنی عن الایمان" یہاں پر بھی امر استدعا کے معنی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ سوال مؤمن بہ اور متعلقات ایمان سے ہے، حقیقت ایمان اور تعریف سے نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں مؤمن بہ امور کا ذکر کیا ورنہ حقیقی ایمان تو تصدیق قلبی ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ آپ نے "اخبرنی عن الایمان" کے جواب میں "ان تؤمن" فرمایا۔ تو یہ تو "تعریف الشیء بنفسہ" ہوئی، جواب یہ ہے کہ سوال میں ایمان شرعی کا ذکر ہے اور جواب میں ایمان لغوی کا ذکر ہے تو حد اور محدود الگ الگ ہیں۔ نیز ایمان جب جواب میں آیا تو اس کے صلہ میں با آیا اور ایمان اس صلہ کی وجہ سے "تعترف" کے معنی میں ہوا۔ یعنی سائل نے پوچھا ایمان شرعی کیا ہے؟ جواب دیا گیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ......الخ کے اقرار کا نام ایمان ہے۔

وملائکته : یہ اصل میں "مألکة من الالوکة" سے بمعنی الرسالۃ ہے پھر ہمزہ پر لام کو مقدم کیا تو "ملئکة" ہوگیا پھر ہمزہ کا فتحہ لام کو دیا اور ہمزہ حذف کر دیا گیا تو "ملك" رہ گیا جس کی جمع "ملائکة" ہے۔ امام بیہقی کی تحقیق کے مطابق فرشتوں سے متعلق یہ عقیدہ اور ایمان رکھنا چاہئے۔

۱۔ یہ عقیدہ ہو کہ انکا وجود ہے اور یہ اللہ کی عظیم مخلوق ہے۔

۲۔ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عظیم مرتبہ سے فرشتوں کو نوازا ہے اور انہیں عالم بالا و عالم سفلی کے بڑے کاموں پر مامور کیا ہے۔

۳۔ یہ عقیدہ ہو کہ "لایعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایؤمرون"۔

۴۔ یہ عقیدہ ہو کہ بعض فرشتے انبیاء کی طرف اللہ کی جانب سے سفراء ہیں بعض دوسرے کاموں میں ہیں۔

فرشتوں کے بارے میں نیچری اور سرسید کے پیروکاروں نے بڑی زیادتی کی ہے کہ جو نظر نہیں آتا اس کا انکار کرو، اس لیے وہ فرشتوں اور جنات کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے جسم میں بہت ساری چیزیں ہیں مثلاً لوہا ہے، شوگر ہے، چونا وغیرہ ہے جو نظر نہیں آتا مگر کوئی انکار نہیں کرتا۔ ماچس کی تیلی میں آگ کہاں نظر آتی ہے دودھ میں مکھن کہاں نظر آتا ہے۔ مگر کوئی انکار نہیں

کرتا تو صرف فرشتوں کا انکار کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ کوئی شرعی ضابطہ ہے کہ جو نظر نہ آئے اس کا انکار کرو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کے اکثر پیروکار دہریہ بن جاتے ہیں۔ فرشتوں کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں چار فرشتے مشہور ہیں۔ فرشتوں پر اجمال اور تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ یہاں ملائکہ کو رسولوں پر مقدم کر کے ذکر کیا ہے؟ یہ تقدیم فضیلت کے اعتبار سے نہیں بلکہ تقدیم ذکری ہے نہ کہ رتبی۔ ویسے بھی فرشتے وجود کے اعتبار سے مقدم ہیں تو پہلے ذکر کیا۔

و کتبـــہ : تمام صحائف اور کتب مراد ہیں۔ اس پر ایمان یہ ہے کہ اللہ کا کلام ہے قدیم ہے مجرد از حروف وصوت ہے۔ یہ کتابیں انبیاء کرم علیہم السلام پر بواسطہ فرشتہ یا براہ راست اتری ہیں اور قرآن کریم سب سے افضل ہے جو عربی میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے۔ قرآن کے آنے کے بعد سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوگئیں قرآن کریم ان کے لئے ناسخ ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ کل آسمانی صحائف ایک سو بتائے جاتے ہیں اور چار مشہور کتابیں ہیں یہ کتب اور صحائف کل ایک سو چار ہو جاتے ہیں۔ پچاس صحائف حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اترے اور دس حضرت آدم علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے۔ اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ اور باقی چار مشہور کتابیں مشہور زبانوں میں مشہور نبیوں پر اتریں۔ جس کی ترتیب اس طرح ہے کہ: تعم، فعم، اسع، زید، حروف سے سب کی طرف اشارہ ہے۔

''تــعم ''یعنی تورات عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تاء سے تورات عین سے عبرانی اور میم سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

''فــعــم ''یعنی فرقان مجید عربی زبان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ف سے فرقان عین سے عربی اور میم سے محمد کی طرف اشارہ ہے۔

''اســع ''یعنی انجیل سریانی زبان میں عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ الف سے انجیل سین سے سریانی اور عین سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

''زید ''یعنی زبور یونانی میں داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زا سے زبور یا سے یونانی اور دال سے داؤد علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

اجمال یا تفصیل کے ساتھ ان تمام کتب وصحائف پر ایمان لانا ضروری ہے۔

"ورسلـــہ" رسولوں پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان لانا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے نبیوں کو بھیجا یہ خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی پر مامور تھے۔ انکو معجزے دیئے گئے تھے وہ کبائر سے قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ پاک اور معصوم تھے اور جن لغزشوں کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے ہم کو ان کا تذکرہ موضوع بحث بنا کر نہیں کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ اگر معمولی لغزش پر سخت سرزنش کرے تو کر سکتا ہے۔

انبیاء کرام ایک معتمد روایت کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، جن میں تین سو تیرہ رسول تھے، ''کم وبیش'' کا کلمہ لگا کر

تعداد انبیاء کرام کا تذکرہ کرنا چاہئے تا کہ کلام میں احتیاط آجائے۔ نبی اور رسول کا فرق اور اصطلاحی تعریف ابتدائے کتاب میں ہو چکی ہے۔

الیوم الآخر : سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ وہ دنیا کا آخری دن ہے۔ نیز اس دن کے بعد رات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، تو وہ آخری دن ہوا، آخرت پر ایمان یہ ہے کہ ایک دن یہ کارخانۂ عالم ختم ہو جائے گا انسان کا جسم روح کے ساتھ جوڑ کر میدان محشر تک حساب کے لئے لایا جائے گا پھر جنت یا دوزخ ٹھکانہ بنے گا۔

وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ : اس جملے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو تقدیر کو مانتے ہی نہیں یا مانتے ہیں لیکن شر کا خالق ''اہرمن'' اور خیر کا خالق ''یزدان'' کو مانتے ہیں جیسا کہ مجوس کا عقیدہ ہے، مؤمن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ خالق خیر وشر ایک اللہ ہے۔ خلق تو کمال ہے، ہاں اکتساب شر جو انسان کرتا ہے وہ عیب ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو تفصیلات خارج میں آتی ہیں۔ اس کا ایک اجمالی خاکہ ہے، اسی خاکے کے مطابق تمام تفصیلات رونما ہوتی ہیں، اس مسئلے کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

یہاں ''تـؤمـن'' کو لوٹا کر اعادۂ بعد عہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی جب کلام طویل ہو جاتا ہے تو عامل کو لوٹا کر کلام شروع کیا جاتا ہے تا کہ بھولا ہوا سبق یاد آجائے۔ جیسا شاعر نے اعادۂ بعد عہد کے لئے ''انی'' کو لوٹایا ہے۔

قد علم الحی الیمانین اننی اذا قلت اما بعد انی خطیبھا

قال فاخبرنی عن الاحسان : بغیر صلہ جب لفظ احسان آجائے تو اس کا مفہوم اخلاص ہوتا ہے یعنی اخلاص کے معنی میں ہے اور اگر صلہ کے ساتھ آجائے تو پھر یہ اچھائی اور انعام کے معنی میں آتا ہے۔ ''احسن الیہ ای انعم علیہ'' لغوی طور پر احسان اچھائی کے معنی میں ہے، اور اس کی اصطلاحی تعریف وہی ہے جو حدیث شریف میں ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں احسان کا ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ جملۂ اولیٰ سے مشاہدۂ حق کا بیان مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے وقت عابد پر ایسی کیفیت طاری ہونی چاہئے گویا کہ واقعی مشاہدۂ حق ہو رہا ہے اور عبادت میں ذوق وشوق، عظمت وحیاء اور اکمل درجہ کی استغراقی کیفیت ہونی چاہئے اگر چہ دنیا میں فی الحقیقت ذات حق کا مشاہدہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ پھر جملہ ثانیہ میں مراقبۂ حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر چہ تم دنیا میں مشاہدہ تو نہیں کر سکتے ہو مگر کم از کم یہ تو دھیان رہے کہ ذات حق تجھے دیکھ رہی ہے گویا پہلے جملے میں مقام شہود کا ذکر ہے اور دوسرے جملے میں مقام غیبوبت کا ذکر ہے۔ دونوں سے مراد اخلاص پیدا کرنا ہے۔ عابد کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ارفع واعلیٰ حالت مشاہدہ کی کیفیت ہے جو مقام مشاہدہ ہے اور ادنیٰ حالت مقام مراقبہ ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے شریعت اور طریقت کا فرق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جب علم کی کشمکش اور دلائل کا زور ہو تو یہ شریعت ہے اور جب طمانینت آجائے تو یہ طریقت ہے یا اس طرح سمجھا جائے کہ آدمی جب احکام اسلام پر بتکلف چلتا رہے تو یہ شریعت ہے اور جب طبعیت بن جائے تو یہ طریقت ہے، احسان اسی طریقت کے درجے کا نام ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فضل الباری جلد دوم میں فرماتے ہیں: ''اصل چیز تو ایمان ہے اور وہ جذر قلب میں ہوتا ہے اور جب وہ ترقی کرتا ہے تو جوارح یعنی ظاہری اعضاء پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر اس ایمان پر جو شخص انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق مزاولت (ہیشگی) کرتا ہے تو اس باقاعدگی اور مزاولت سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس کو احسان کہا جاتا ہے۔ انبیاء کرام اس فن کے بڑے بڑے اساتذہ ہیں۔ گویا اسلام ترقی کر کے ایمان بنتا ہے اور ایمان ترقی کر کے احسان بنتا ہے۔ شریعت جو ایمان واسلام کا مجموعہ ہے اس کی باقاعدہ مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے یہی طریقت ہے۔ بعض گمنام بریلوی صوفیوں نے یہاں احسان کا مقام بتاتے ہوئے حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ ''ان لم تکن تراہ'' یعنی اگر تمہارا وجود ختم ہو جائے اور تم اس کو فنا کر دو اور خود مٹ جاؤ تب اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکو گے تیرا اپنا وجود ہی اس رؤیت میں بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ ترجمہ غلط ہے اور یہ مطلب لینا حدیث میں تحریف ہے۔ اپنے آپ کو فنا کرنا اپنی جگہ پر ایک اہم عمل ہے اور صحیح ہے لیکن حدیث کا مصداق یہ نہیں ہے۔ یہ مطلب غلط اس لئے ہے کہ اگر ''تراہ'' جزا ہے ''ان لم تکن'' کے لئے تو جواب شرط کی وجہ سے ''تراہ'' کا الف باقی نہیں رہنا چاہئے تھا بلکہ گر جانا چاہئے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ''ان لم تکن'' کے لئے ''تراہ'' جزا ہو جائے تو ''فانہ یراك'' کا کیا بنے گا؟ وہ جملہ تو مہمل رہ جائے گا حالانکہ وہ جزا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ''ان لم تکن'' نہیں ہے۔ بلکہ ''ان لا تراہ'' ہے۔ جیسے آگے روایت میں ہے پھر کیا کرو گے؟۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ خواہ کوئی اپنے آپ کو فنا کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا یہ شرح اور یہ توجیہ اور یہ مطلب حدیث کی عبارت اور معنی دونوں کے منافی ہے۔ بعض روایات میں یہاں بھی حضرت جبرائیل نے ''صدقت'' کا جملہ کہا ہے۔ مگر شاید راویوں نے اختصار کے پیش نظر یا بھول کر چھوڑ دیا۔ ''قال فاخبرنی عن الساعة'': یہ سوال نفس وقوع قیامت کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ وقوع قیامت تو قطعی اور یقینی ہے بلکہ یہ سوال تعیین وقت کے لئے تھا اور ایک روایت میں ''متی الساعة'' یعنی قیامت کب آئے گی کے الفاظ ہیں جو اس بات کی تائید ہے کہ سوال تعیین وقت سے متعلق تھا۔ ''الساعة'': زمانے کے اس جزء غیر معین کا نام ہے جس کے (۲۴) اجزاء سے دن رات بن جاتے ہیں۔ یہاں ساعة کا اطلاق قیامت پر ہوا ہے۔ قیامت کے تین مراحل ہیں:

۱۔ قیامت کُبریٰ یہ وہ ہے جب کارخانۂ عالم اپنی کل کائنات کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

۲۔ دوسرا مرحلہ قیامت وسطیٰ کا ہے یہ وہ ہے کہ ایک قرن ختم ہو جائے مثلاً قرن صحابہ یا قرن تابعین یا تبع تابعین۔

۳۔ تیسرا مرحلہ قیامت صغریٰ ہے اور وہ ہر آدمی کی ذاتی اور شخصی موت ہے یعنی ''من مات فقد قامت قیامته'' قیامت کا عقیدہ

اسلام کے بنیادی اور اہم عقائد میں سے ہے جن قوموں سے یہ عقیدہ نکل گیا ہے وہ قومیں بریک فیل گاڑی کی طرح تباہ ہوگئیں۔ مثلاً یہود و نصاریٰ کا عقیدۂ آخرت اپنے بڑوں اور بزرگوں کے متعلق غلط خیالات و نظریات کی وجہ سے خراب ہو گیا کہ ان بزرگوں نے ہم کو بخشوادیا ہے اس پر وہ لوگ تباہ ہو گئے پھر آغا خانیوں، رافضیوں اور پھر بریلویوں کے عقائد آخرت کے بارے میں جتنے کمزور ہو گئے اتنے ہی وہ اعمال سے دور جا گرے۔ کیونکہ آخرت کی جواب دہی کا عقیدہ دنیاوی زندگی کو کنٹرول کرتا ہے ورنہ ہر آدمی یہ کہے گا کہ: ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

''ما المسؤل عنها باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے بارے میں قیامت تک جس سے بھی سوال کیا جائے گا وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہوگا۔ بلکہ عدم علم میں دونوں برابر ہونگے۔ باعلم میں باء تاکید نفی کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا ادری'' یا ''لا اعلم'' نہیں فرمایا بلکہ ایک طویل جملہ اختیار فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ''لا اعلم'' اور ''لست اعلم'' سے زیادہ سے زیادہ اپنی ذات سے علم قیامت کی نفی ہوتی ہے لیکن اس طویل جملے سے آپ نے ایک ضابطہ بتادیا ہے کہ قیامت کے بارے میں کوئی بھی سائل جب بھی سوال کرے گا تو عدم علم میں دونوں یعنی سائل و مسئول برابر ہونگے عدم علم کی مساوات صرف قیامت کے بارے میں ہے باقی احکامات میں نہیں ہے۔

سوال

اہل بدعت اس جملے میں معنوی تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے متعلق جتنا علم تجھے ہے اتنا ہی مجھے ہے کوئی زیادہ نہیں یہ مفہوم چند وجوہ سے غلط ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب تک یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ یہ جبرائیل ہیں۔

۲۔ اگر دونوں کو قیامت کا علم تھا تو پھر اَمارت سے جواب کیوں دیا گیا۔

۳۔ قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے بالکل واضح ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھر یہاں یہ کھینچا تانی صریح غلطی ہے، غیب بمعنی ملکہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے جزئیات کا علم اگر کسی کو ہو گیا تب بھی کلیات کا علم کسی کو نہیں ہے۔

سوال: حضرت جبریل امین نے یہ سوال کیوں کیا جب کہ ان کو معلوم تھا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

جواب: حضرت جبریل نے آکر یہ سوال اس لئے کیا تاکہ آئندہ کوئی شخص قیامت سے متعلق سوال نہ کرے گویا اس سوال و جواب سے سامعین اور امت کے تمام افراد کو قیامت سے متعلق سوالات سے منع کر دیا گیا۔

سوال: بعض صوفیاء کو بعض مغیبات کا علم کیسے ہوتا ہے؟ کیا ان کے مکاشفات کو علم غیب کہا جاتا ہے؟

جواب: غیب کے کچھ مبادی اور اصول ہیں اور کچھ لواحقات ہیں۔ مبادی اور اصول مفاتیح الغیب کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں

جانتا نہ ملک مقرب اور نہ نبی مرسل۔ لواحقات کو اللہ تعالیٰ کبھی محبوبین پر ظاہر فرما دیتا ہے لیکن یہ پھر غیب نہیں رہتا۔ کیونکہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ ظاہرہ کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے۔ کسی کے بتانے یا القاء والہام کے ذریعے سے یا مکاشفہ کے ذریعے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ علم غیب کی تعریف سے خارج ہے۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی ابتدا میں غیب کی تعریف اس طرح کی ہے۔

یؤمنون بالغیب المراد به الخفی الذی لایدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل ۔ (بیضاوی، ج۱ ص:۱۸)

یعنی علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ کے ادراک سے بالاتر ہو کر کسی کو حاصل ہو جائے۔ جس پر عقل کی دسترس نہ ہو لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ الہام، مکاشفات وغیرہ سے حاصل شدہ علوم یا تو اسباب کے ذریعے سے حاصل ہیں یا غیر یقینی ظنیات ہیں جو علم غیب سے خارج ہیں۔

نوادرِ حمیدی میں ہے کہ یہی گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درمیان بھی ہوئی تھی لیکن وہاں سوال کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور جواب دینے والے حضرت جبرائیل تھے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سوال حضرت جبرائیل اور جواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامات قیامت

قال فاخبرنی عن اَماراتها : بفتح الهمزة جمع امارة ای علامة وفی روایة عن اشراطها وفی روایة ساخبرک وساحدثك عن اشراطها ۔

قیامت کی علامات دو قسم پر ہیں: علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ، علامات صغریٰ ظہور مہدی تک ہیں اور خود ظہور مہدی اور خروج دجال ونزول عیسیٰ وخروج یاجوج وماجوج تا قیام قیامت سب علامات کبری ہیں۔ اس حدیث میں ظہور مہدی سے پہلے واقع ہونے والی علامات صغری مراد ہیں۔

قال ان تلد الامة ربتها : یعنی لونڈی اپنے مولی کو جنے گی۔

یہاں سب سے پہلے یہ امر تشریح طلب ہے کہ لفظ ''ربتھا'' میں تائے تانیث کیوں لائی گئی ہے حالانکہ یہاں لفظ رب بمعنی آقا ومولیٰ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تانیث اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ یہاں تلد میں ولادت کا صیغہ آیا ہے اب براہ راست ولادت کی نسبت رب کی طرف نامناسب تھی اس لئے ربھا کی جگہ ربتھا ذکر کیا گیا تا کہ رب العباد کے لفظ کے ساتھ لفظی اشتراک بھی نہ آئے۔ اگرچہ خصوصی اضافت کے ساتھ رب کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے ان احادیث میں ربھا لفظ مذکر بھی آیا ہے بہرحال اس جملے کے سمجھنے کے لئے علماء نے کئی انداز سے اس کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔

پہلا مطلب

یہ کہ نافرمانی بڑھ جائے گی یہاں تک کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسا کہ سردار اپنی لونڈی سے کرتا ہے کہ وہ سردار اسے گالی دیتا ہے، مارتا ہے یا خدمت میں رکھتا ہے۔ یہی سلوک اولاد بھی کرے گی۔ لڑکی کا ذکر اس لئے کہ یہ اطاعت گزار ہوتی ہے جب پردہ نشین لڑکی کا یہ حال ہوگا تو لڑکوں کا کیا حال ہوگا گویا زمانہ کے انقلاب وانعکاس کی طرف اشارہ ہے۔ غلام آقا بن جائے گا تربیب حاصل کرنے والا مُربّی بن جائے گا۔ اس صورت میں ربتھا کا لفظ مجاز أوالدین کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

دوسرا مطلب

یہ ہے کہ بیٹی ماں پر نافرمانی کی کثرت کی وجہ سے ایسا حکم چلائے گی جس طرح سردارنی اپنی لونڈی پر چلاتی ہے۔

تیسرا مطلب

یہ کہ اس سے اشارہ ہے کہ قربِ قیامت میں شرفاء اور باعزت مقام والے لوگ ذلیل ہوجائیں گے اور ذلیل قسم کے لوگ عزت کے مقام پر آجائیں گے جس طرح ماں کا مقام عزت کا ہے پھر بیٹی آقا بن جائے گی تو معاملہ الٹ جائے گا۔

چوتھا مطلب

یہ کہ اس میں کثرت فتوحات اسلامیہ کی طرف اشارہ ہے کہ غلام اور آقا زیادہ ہوجائیں گے لونڈیوں کی کثرت ہوجائے گی تو لوگ فساد احوال کی وجہ سے لونڈیوں کو بیچنا شروع کردیں گے اسی خرید وفروخت میں ایسا بھی ہوجائے گا کہ ماں اپنے بیٹے کے ہاتھ میں فروخت ہوجائے گی۔ تو اب بیٹا آقا ہے جس کو اس لونڈی ماں نے جنم دیا ہے تو لونڈی نے آقا کو جنم لیا۔

پانچواں مطلب

یہ کہ لونڈیوں کی اولاد میں سے بادشاہ بن جائیں گے تو یہ مائیں اس بادشاہ بیٹے کی رعیت میں آجائیں گی تو لونڈی نے آقا کو جنم دیا۔
حافظ ابن حجر علامہ خطابی ملا علی قاری علامہ سندھی اور مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سب نے مندرجہ بالا توجیہات میں سے کوئی نہ کوئی توجیہ کی ہے۔

''وان تری الحفاة العراة'' یہ بھی انقلاب احوال کی طرف اشارہ ہے کہ: کل کے فقیر چرواہے کوٹھیوں کے مالک بن جائیں گے

کیسے کیسے ویسے ویسے ہوگئے
اور ویسے ویسے کیسے کیسے ہوگئے؟

''یتطاولون فی البنیان '': یعنی عالیشان عمارتوں اور محلات میں ایک دوسرے پر فخر اور تکبر کرنے لگ جائیں گے۔ گویا بکریوں کے چرواہے جو ''اعجز خلق اللہ واضعفھم '' ہوتے ہیں ان میں انقلاب اور تغیر آجائے گا کہ وہ تکبر کرنے لگ جائیں

گے۔صرف اونٹوں والے ہی نہیں جو طبعاً متکبر ہوتے ہیں بلکہ بکریوں والے بھی متکبر ہو جائیں گے جو طبعاً متواضع ہوتے ہیں۔

''الحفات'' جمع حافی ننگے پاؤں پھرنے والے۔''العراۃ'' جمع عاری ننگے بدن والے۔''العالۃ'' عائل کی جمع ہے مفلس آدمی۔

''رعاء'' جمع راعب بمعنی چرواہا۔''الشاء'' جمع شاۃ بکریاں۔''الصم''اصم کی جمع ہے بمعنی بہرا۔''البکم'' بکم کی جمع ہے بمعنی گونگا یعنی حق کے سننے کہنے سے بہرے اور گونگے ہونگے۔''یتطاولون'' یعنی فخر وتکبر کریں گے محلات بنانے میں مقابلہ کریں گے۔

''فلبثت ملیا'' ملاء پر ہونے کو کہتے ہیں یہاں ملیاً زمانہ طویلہ کے معنی میں ہے۔اب یہاں یہ اشکال آتا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں اس ملیاً کا تعین موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے تین دن کے بعد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون تھا؟۔

ادھر حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ مجلس میں آنحضرتؐ نے بتادیا کہ یہ جبریل تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ان دونوں روایتوں میں تعارض نظر آرہا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس سائل کی تلاش میں کئی صحابہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے حضرت عمر بھی چلے گئے اور پھر وہ اپنے گھر گئے اور جب تین دن کے بعد حضورؐ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سائل کون تھا؟اور آپ کے چلے جانے کے بعد مجلس کے سامنے حضورؐ نے حقیقت حال بیان فرمادی کہ یہ جبریل تھے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

''قلت اللہ ورسولہ اعلم'' اعلم کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمر اللہ اور اس کے رسول کو تو اعلم بتارہے ہیں اور اپنے آپ کو صرف عالم بتارہے ہیں بلکہ یہاں اعلم کا لفظ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ اصل فعل کے معنی میں آیا ہے جیسے''الصیف احر من الشتاء'' کہ یہاں''احر''نفس حرارت کے معنی میں آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہے حالانکہ جاڑوں کا موسم گرم ہوتا ہی نہیں۔صحابہ کرام نے ہمیشہ ادب کا لحاظ کرکے''اللہ ورسولہ اعلم'' کا جملہ استعمال کیا ہے۔

''فانہ جبرئیل ای اذا فوضتم العلم الی اللہ ورسولہ فانہ جبرئیل'' اس عبارت میں فا جزائیہ کے آنے کی وجہ معلوم ہوئی،اللہ تعالیٰ کا علم کلی اور اصلی ہے۔اللہ کے بتانے سے رسول کو علم ہوجاتا ہے تو ادب کا تقاضا یہی ہے کہ''اللہ ورسولہ اعلم'' کہے اور صحابہ کرام نے ہمیشہ اس ادب کا خیال رکھا ہے۔

''یعلمکم دینکم'' یہاں دین اسلام ایمان واحسان اور دیگر علوم خود آنحضرتؐ نے بتادیئے لیکن چونکہ جبریل امین سائل تھے اور اچھا سوال نصف العلم ہوتا ہے اس وجہ سے مجازاً ان کی طرف''یعلمکم'' کی نسبت کی گئی۔اور چونکہ دین اسلام کے اول مخاطبین صحابہ کرام ہی تھے اس لئے''دینکم''فرمایا ورنہ یہ دین تو قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔جبریل امین کے چلے جانے کے بعد آنحضرت کو پتہ چلا کہ یہ جبریل امین تھے چنانچہ دار قطنی کی تفصیلی مذکورہ عبارت کے بعد یہ ہے:''فخذوہ عنہ والذی نفسی بیدہ ماشتبہ علی منذ اتانی قبل مرتی ھذہ وماعرفتہ حتی ولی'' اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ورنہ اتنی طویل گفتگو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں پہچانا اور جب اللہ تعالیٰ نے بتادیا تو پہچان لیا بس جب وحی کا کنکشن جڑتا ہے تو معلوم ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔

سعدی بابا رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

یکے پرسید ازاں گم کرد فرزند　　که اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی　　چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال مابرق جہاں است　　دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا:

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار　　ہر کہ گوید ما بدانم توازو باور مدار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیل　　جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

"فی خمس" ای علم تعیین الساعة فی ضمن خمس لایعلمهن الاالله"۔

یہاں سوال یہ ہے کہ مغیبات صرف یہ پانچ تو نہیں ہیں نہ اس میں بند ہیں پھر صرف ان کا ذکر کیوں ہوا؟

جواب یہ ہے کہ یہ سائل کے سوال کے جواب میں چند مغیبات کا ذکر ہے حصر مقصود نہیں ہے بڑے بڑے کلیدی مغیبات کا بیان ہے۔

اب ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی نبی یا فرشتہ کو کلی علم نہیں دیا گیا اور علم جزئی شرعیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وافر مقدار میں دیا تھا اور علم جزئی تکوینیات سے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دیا تھا کہ تمام انبیاء کا علم اس کے مقابلے میں ایک قطرہ بنسبت دریا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلی علم کے مقابلہ میں کل اہل اللہ کا علم ایک قطرہ بنسبت دریا ہے۔

ثم قرأ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳٤)

منصور بادشاہ نے خواب میں موت کا فرشتہ دیکھا تو اس سے پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے موت کب آئے گی فرشتہ نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کر دیا منصور پریشان ہو گیا کسی نے تعبیر دی کہ عمر میں پانچ دن باقی ہیں کسی نے کہا پانچ ماہ کا اشارہ ہے کسی نے پانچ سال کا کہا حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے کہ موت کا وقت پانچ مغیبات میں سے ہے اللہ ہی کے پاس اس کا علم ہے۔

فوائد حدیث جبرائیل برائے طلباء دین

ا۔ لباس میں سفید تر اور پاکیزہ صاف لباس پہننا چاہئے۔

۲۔ حضرت جبرائیل کے شدت سواد شعر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم دین کے حصول کا اعلیٰ زمانہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے پھر استقامت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہئے۔

۳۔ طالب علم اپنے استاذ اور مربی کے بالکل قریب بیٹھا کرے یعنی ادب کے ساتھ سامنے قریب ہوکر بیٹھے۔

۴۔ مفید باتوں کا سوال کرنا چاہئے کیونکہ اچھا سوال نصف علم ہے۔

۵۔ اپنی لاعلمی پر شرم محسوس نہ کرے بلکہ جو بات معلوم نہیں تو صاف کہہ دیا کرے کہ مجھے معلوم نہیں۔

۶۔ طالب علم حصول علم کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ بڑھائے بلکہ گمنام ہوکر اپنے مقصد میں لگا رہے گویا کوئی اس کو جانتا ہی نہیں جس طرح یہاں جبریل امین نے اپنے آپ کو چھپا کر گمنام رکھا۔

۷۔ طالب علم کو چاہیئے کہ ایسے علوم اور وسائل کا اہتمام کرے جو عقائد و اعمال سے متعلق ہوں جن کا دنیا و آخرت میں فائدہ واضح ہو۔

۸۔ حصول مقصد اور حصول علم کے بعد فوراً اپنے مقصود اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جائے بیکار مدارس میں نہ پڑا رہے۔

''ربھــا'' یہ لفظ دونوں طرح مذکور ہے تانیث کی ساتھ بھی ہے اور تذکیر کیساتھ بھی آیا ہے رب سے مراد آقا ہے حدیث ۹۸ میں بعلها کا لفظ آیا ہے اس سے بھی ربھا مراد ہے یعنی لونڈی آقا کو جنم لیگی ''یعنی السراری'' یہ جمع ہے اس کا مفرد سرية ہے مشدد ہے لونڈی کو کہتے ہیں یہ سُرور سے ہے لونڈی کو وطی کے لئے رکھتے ہیں جس میں سرور ہے یا یہ سِرّ سے ہے جو نکاح کے معنی میں ہے لونڈی کے ساتھ بھی چھپ کر جماع کیا جاتا ہے۔

باب بیان الصلوة الخمسة وارکان الاسلام

پانچ نمازوں اور دیگر فرائض اسلام کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۱۰۰۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدِبْنِ جَمِيلِ بْنِ طَرِيفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فِيمَاقُرِئَ عَلَيْهِ عَنْ اَبِي سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ اَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَانَفْقَهُ مَايَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَاهُوَيَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ ؟قَالَ لَااِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ وَصِيَامُ شَهْرِرَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ ؟ فَقَالَ لَااِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ وَذَكَرَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا ؟ قَالَ لَا اِلَّااَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَالرَّجُلُ وَهُوَيَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَااَزِيْدُعَلٰى هٰذَاوَلَااَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ ۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل نجد میں سے ایک شخص پراگندہ بال لئے حاضر ہوا۔اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جاتی تھی لیکن وہ جو کہتا تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگیا۔پس وہ اسلام کے بارے میں سوال کررہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں،اس نے کہا کیا میرے اوپر ان کے علاوہ بھی فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو تم بطور نفل ادا کرو اور رمضان کے مہینہ کے روزے فرض ہیں۔اس نے کہا کیا میرے اوپر ان کے علاوہ بھی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو تم نفل رکھو،اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوۃ کا ذکر فرمایا تو اس نے کہا کیا میرے اوپر اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو بطور تقرب خرچ کرو۔راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ خدا کی قسم! میں نہ اس سے زیادہ کچھ کروں گا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کامیاب ہوگیا اگر اس نے سچ کہا۔

۱۰۱۔**حَدَّثَنِیْ** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَاالْحَدِيثِ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ أَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔اس فرق کے ساتھ کہ ان کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے باپ کی قسم! اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگیا یا فرمایا کہ اس کے باپ کی قسم! اگر سچا ہے تو جنت میں داخل ہوگیا۔

تشریح

''ابی سھیل'' ابوسہیل کا نام نافع بن مالک ہے حضرت امام مالک کے چچا ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ کی کنیت ابومحمد ہے،آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے، بدر میں آپ کو ایک اور ساتھی کے ہمراہ ابوسفیان کے قافلے کی خبر کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔اُحد کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاع میں تیر کھا کھا کر ہاتھ شل ہوگیا تھا،نیزہ اور تیر کے ۷۵ زخم آپ کے جسم پر لگے تھے،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسی میدان میں یہ اعزاز دیا''اوجب طلحة ''یعنی طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کرادی،واقعہ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۳۶ھ میں ۶۴ سال کی عمر میں شہید کر دیئے گئے۔''جاء رجل '' کہتے ہیں یہ ضمام بن ثعلبہ تھے جو سعد بن بکر کی طرف سے وفد وجرگہ بن کر آئے تھے،اس حدیث میں''رجل ''مبہم آیا ہے،کوئی تعین نہیں کہ یہ کون

تھا، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک ہی واقعہ تھا یا الگ الگ واقعہ اور الگ الگ شخص تھے؟

علامہ طیبی، حافظ تورپشتی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں واقعات ایک ہی شخص کے ہیں اور سائل بھی ایک ہی ہے جن کا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، یہ حضرات اپنی تائید میں قرائن اور بعض احادیث کے اشارات اور امام مسلم کے طرز بیان کو پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ امام مسلم کی عادت ہے کہ وہ آنے والی روایت کو پہلی روایت کے لئے بطور تفسیر اور وضاحت لاتے ہیں آنے والی روایت نمبر۱۰۲ میں امام مسلم نے تو کسی کا نام نہیں لیا لیکن اسی روایت میں امام بخاری نے صحیح بخاری میں ضمام بن ثعلبہ کے نام کی تصریح فرمائی ہے۔ دوسری طرف امام قرطبی امام نووی اور شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں، دونوں حدیثوں کا طرز بیان بھی مختلف ہے، دونوں جگہ سوالات کا انداز بھی مختلف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت کے کلمات میں بھی فرق ہے لہٰذا پہلی چند حدیثوں میں واقعہ ضمام بن ثعلبہ کا ہے اور آنے والی حدیث ابو ہریرۃؓ میں واقعہ سعد بن احزم کا ہے طبرانی نے یہی بیان کیا ہے ادھر صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ حدیث نمبر۱۰۸ نعمان بن قوقل سے متعلق ہے تو الگ الگ واقعات ہیں۔ ضمام بن ثعلبہ کا الگ ہے سعد بن احزم کا الگ ہے اور نعمان بن قوقل کا واقعہ الگ ہے تینوں کا ذکر صحیح مسلم میں ہے۔

''من اھل نجد'' نجد بلند زمین کو کہا جاتا ہے، اس کا مقابل تہامہ ہے جو نشیب زمین میں واقع ہے، آج کل حجاز پر اہل نجد کی حکومت ہے، ریاض اور اس کے اطراف کے علاقے نجد میں آتے ہیں۔ ''ثائر الراس'' یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ''منتشر شعر الراس'' پراگندہ بال تھے، یا بطور مبالغہ فرمایا کہ اتنے پراگندہ تھے گویا سر ہی پراگندہ تھا۔ ''دوی'' یہ دوی النحل کی طرح ہے بھنبھناہٹ مراد ہے، علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوی سے مراد ایسے کلمات ہیں جن کی آواز تو سنی جاسکتی ہو، مگر مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو، جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔ اس شخص کے بالوں اور لباس کی حیثیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک طویل سفر کر کے آیا تھا اور سوال کے دوران گنگناہٹ کی آواز سے معلوم ہوا کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قدرتی رعب پڑ رہا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو نوازا تھا۔ ''فاذا ھو یسأل'' اذا مفاجاتیہ'' تعجب کے لئے لایا گیا ہے کہ ایسے ضعیف پراگندہ حال اور ایسے بدوی دیہاتی سے، اسلام کے متعلق سوال کرنا باعث تعجب اور غیر متوقع تھا۔

''عن الاسلام'' ای عن فرائضه التی فرضت علی من وحّدالله و صدق رسوله لاعن حقیقة الاسلام۔

یعنی اسلام کے ان فرائض کے متعلق سوال کر رہا تھا جو رسول کے ماننے والے ہر موحد پر فرض ہوتے ہیں، اسلام کی حقیقت اور تعریف کے بارے میں سوال نہیں تھا، اسی وجہ سے جواب میں فرائض وارکان کا ذکر آیا ہے شہادتین کا ذکر نہیں ہے۔ یہ شخص چونکہ پہلے سے مسلمان تھا اس لئے شہادتین کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بخاری شریف کی روایت سے اس کی تائید ملتی ہے وہاں یہ الفاظ ہیں ''فاخبرنی ماذافرض الله علی من الصلوات''۔

سوال

سوال یہ ہے کہ فرائض اسلام میں یہاں حج کا ذکر کیوں نہیں آیا؟

جواب

ممکن ہے اس وقت حج فرض نہیں ہوا ہو کیونکہ حج مختلف اقوال کے مطابق سات یا آٹھ یا نو ہجری میں فرض ہوا تھا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ آدمی ممکن ہے کہ قابل حج نہیں تھا، غریب آدمی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ذکر چھوڑ دیا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ ممکن ہے کسی راوی نے نسیاناً یا بطور اختصار اس کا ذکر نہیں کیا ہو، حالانکہ بخاری میں روایت کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔
''فاخبره النبی بشرائع الاسلام''، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو تمام شرائع کی خبر دے دی تھی جس میں حج بھی آتا ہے۔ ''خمس صلوات''، یعنی پانچ نمازیں قائم کرنی ہیں ''اقامة خمس صلوات'' او'' خذ خمس صلوات''۔

سوال

اس روایت میں وتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ پانچ فرائض کے علاوہ سب کو نوافل کہا گیا ہے جب کہ وتر کا وجود بھی ہے اور وجوب بھی ہے۔

جواب

ایک جواب یہ ہے کہ اس وقت وتر کا وجوب نہیں ہوا تھا، عیدین کا وجوب بھی نہیں ہوا تھا۔

دوسرا جواب

یہ کہ یہاں فرائض کا سلسلہ اور بیان تھا، وتر کا سلسلہ فرائض کا نہیں بلکہ واجب کا ہے یا وتر عشا کی نماز کے تابع ہے عشاء کا ذکر وتر کے لئے کافی تھا تو الگ ذکر نہیں کیا، باقی عیدین تو صلوٰۃ سنویہ یعنی سالانہ نماز تھی یہاں صلوٰۃ یومیہ کا ذکر چل رہا ہے۔
''وذکر له الزکوة'' چونکہ صحابی کو زکوۃ کے بارے میں بعینہ وہ الفاظ یاد نہیں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے تھے اس لئے کمال احتیاط کے ساتھ صحابی نے مفہوم بیان کیا کہ حضرتؐ نے زکوۃ کا ذکر بھی کیا۔

شروع نوافل کا حکم

''الا ان تطوع'' اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تیرے ذمہ فرض نمازیں تو صرف پانچ ہیں، ہاں اگر نوافل ادا کرنا چاہو تو ادا کر سکتے ہو، یہ مطلب واضح ہے مگر یہ اس وقت ہے جبکہ استثناء منقطع ہو الا بمعنی لکن ہو۔ لیکن اگر استثناء متصل ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تیرے ذمہ صلوات خمسہ کے سوا کوئی نماز واجب نہیں، ہاں اگر نوافل شروع کرو گے تو اس کے بعد وہ واجب ہو جائیں گے

جن کا مکمل کرنا ضروری ہوگا، بدلیل قولہ تعالیٰ ﴿لاتبطلوا اعمالکم﴾ نیز صحابہ کرام کا نفلی حج پر اجماع ہے کہ شروع فی الحج کے بعد اس کا اتمام واجب ہوجاتا ہے ان دلائل کے بعد ابن حجر رحمہ اللہ کے اس اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی کہ نوافل میں شروع کے بعد اس کے اتمام کو لازم کہنا بلا دلیل ہے نص قرآنی اور اجماع صحابہ بڑی دلیل ہے۔ خود شوافع حضرات بھی نفلی حج اور نفلی عمرہ کے شروع کرنے کے بعد اتمام کو واجب سمجھتے ہیں اور اس مسئلہ میں امت کا اتفاق ہے، احناف پر یہ اشکال ضرور آتا ہے کہ جب نص قرآنی اور احادیث سے اتمام ثابت ہے تو پھر نوافل کے اس اتمام کو فرض کیوں نہیں کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿لاتبطلوا اعمالکم﴾ اپنی دلالت میں قطعی نہیں اگر چہ ثبوت میں قطعی ہے تو اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

"لاازیدو لاانقص"......ای لاازید فی التبلیغ ولاانقص، اولا ازید فی السوال ولاانقص فی العمل، اولاازید من تلقاء نفسی ولاانقص کذلك اوالکلام علی محاورۃ العرب والعجم اواراد الرجل کمال الاطاعۃ......

مزید تفصیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آرہی ہے۔

"افلح الرجل" الف لام جنس کے لئے ہے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس طرح عزم بالجزم کرکے پابندی کرے۔

فلاح کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی ہے وہ یہ کہ زندگی بھی ملے اور زندگی کے تمام اسباب بھی مل جائیں۔ دوسری اخروی ہے وہ یہ کہ نجات تام حاصل ہوجائے "افلح" کا کلمہ تمام بھلائیوں کے لئے جامع کلمہ ہے، بعض نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے

"بانه بقاء بلافناء وغناء بلافقر وعز بلاذل وعلم بلاجهل"۔

"ان صدق" آنے والی حدیث نمبر ۱۰۷، اور اس حدیث میں الفاظ کا تفاوت ہے، وہاں یقین کے جملے غیر مشروط ہیں۔ یہاں "ان صدق" کے ساتھ مشروط کیا ہے تو اگر واقعات دو ہیں، آدمی الگ الگ ہیں جس طرح سوال سے بھی پتہ چلتا ہے اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے تو پھر تو کوئی اشکال نہیں معاملہ صاف ہے، لیکن اگر ایک ہی واقعہ ہے، ایک ہی آدمی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ آنے والی حدیث میں جزم اور یقین کے ساتھ حکم اس وقت سنایا گیا ہے جب کہ یہ شخص موجود نہیں تھا اور جس وقت موجود تھا تو شک ڈال دیا تاکہ آدمی غرور وتکبر اور سستی میں نہ پڑجائے یا یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ لوگوں کے احوال کے تغیر سے وحی کے ذریعے سے نیا نیا حکم آتا رہتا تھا، کبھی یقین کی حالت تھی، کبھی شک کی ہوگئی، حدیث نمبر ۱۰۱ میں "افلح وابیه" کے الفاظ ہیں۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے غیر اللہ اور آباؤ اجداد کے نام کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں خود قسم کھائی ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یمین لغو ہے جو عرب کی زبان پر قسم کا ارادہ کیے بغیر آتی ہے جبکہ ممانعت حقیقی وقصدی قسم کی ہے نیز ممکن ہے

کہ یہ ممانعت سے پہلے زمانہ کی بات ہو یا نبی مکرم کے لئے جواز ہو، امت کے لئے منع ہو۔

باب السؤال عن أركان الإسلام

فرائض اسلام کے بارے میں حضورؐ سے سوال کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۰۲۔**حَدَّثَنِی** عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَتَانَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ ؟ قَالَ:صَدَقَ.قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ ؟ قَالَ:اللَّهُ. قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ ؟ قَالَ: اللَّهُ. قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ ؟ قَالَ: اللَّهُ .فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ آللَّهُ أَرْسَلَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا: قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى قَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ!لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا تو ہمیں یہ بات بہت اچھی لگتی کہ گاؤں کے لوگوں میں سے کوئی عقلمند شخص آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرے اور ہم سنتے رہیں۔ پس ایک شخص دیہات کا رہنے والا آیا اور کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے اور اس نے ہمیں یقین دلایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا کہ پس یہ بتلایئے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا کہ یہ پہاڑ جو ہیں ان کو کس نے کھڑا کیا؟ اور ان میں رکھیں وہ چیزیں جو ان میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا تو اس ذات کی قسم! جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو کھڑا کیا۔ کیا آپ کو واقعتاً اللہ تعالیٰ نے

رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!۔اس نے کہا آپ کے قاصد نے بتلایا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں!۔اس نے کہا کہ آپ کے قاصد نے بتلایا کہ ہمارے اوپر ہمارے اموال میں زکوۃ فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔وہ بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے کیا اس نے آپ کو زکوٰۃ کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔وہ کہنے لگا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی بتلایا کہ ہمارے اوپر سال میں ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ کہا وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں!۔اس نے کہا کہ آپ کے قاصد نے ہمیں بتلایا کہ ہم پر زادراہ کی استطاعت کی صورت میں بیت اللہ کا حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کہا۔راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ پیٹھ موڑ کر جانے لگا اور کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نہ ان میں کوئی زیادہ کروں گا اور نہ ہی ان میں کوئی کمی کروں گا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح

''نھینا'' یعنی بلا ضرورت سوال کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔

''یعجبنا'' یعنی ہمیں اچھا لگتا تھا کہ کوئی عقلمند دیہاتی آجائے اور سلیقہ سے سوال کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے اور ہمیں فائدہ ہو، دیہاتی لوگ سوال کرنے میں جری ہوتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سے ناراض نہیں ہوتے تھے، ان کو سوال کرنے کی ممانعت کا علم بھی نہیں ہوتا تھا ''فجاء رجل'' اس آدمی سے مراد ضمام بن ثعلبہ ہے امام مسلم نے ان کے نام کی تصریح نہیں کی مگر امام بخاری میں کتاب العلم میں اس کے نام کی پوری وضاحت ہے کہ ضمام بن ثعلبہ نے مسجد کے پاس اونٹ باندھ لیا اور اندر آکر پوچھا ''ایکم محمد'' کہ تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے صحابہ نے کہا کہ ''ھذا الرجل الابیض المتکی'' یہ روشن چمکدار چہرے والا شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے آکر نبی اکرمؐ سے کہا ''یا ابن عبد المطلب'' اے عبد المطلب کے بیٹے۔اس کے جواب میں حضرت نے بھی بے توجہی سے فرمایا ''قد اجبتك'' سمجھ لو کہ میں نے سن لیا اور جواب بھی دیدیا اس پر اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے سوال کروں گا اور سختی کروں گا آپ ناراض نہ ہو حضرت پاکؐ نے فرمایا جو چاہو سوال کرو اس پر اس شخص نے زبردست تمہید کے بعد سوالات کیے اور حضرت نے جوابات دیئے اس شخص کے سوالات میں عجیب خوبصورت ترتیب تھی کہ پہلے اس نے کائنات کے صانع کا پوچھا کہ وہ کون ہے پھر قسم کھلا کر پوچھا کہ آپ

اسی صانع کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول ہیں تو پھر بھیجنے والے کے حق اور واسطہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کا حکم اس طرح ہے؟ یہاں زعم کا لفظ شک وتردد کے لئے نہیں ہے بلکہ یقین کیلئے ہے اہل لغت میں سے سیبویہ نے جگہ جگہ اس کو استعمال کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے ضمام بن ثعلبہ سے زیادہ اچھا سوال کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

۱۰۳۔**حَدَّثَنِی** عَبْدُاللّٰہِ بْنُ ہَاشِمٍ الْعَبْدِیُّ حَدَّثَنَا بَھْزٌ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ الْمُغِیْرَۃِ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: قَالَ أَنَسٌ کُنَّا نُھِیْنَا فِی الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ وَسَاقَ الْحَدِیْثَ بِمِثْلِہٖ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات سے منع کر دیا گیا تھا۔ آگے سابقہ حدیث کے مثل پوری حدیث بیان کی۔

باب الایمان الذی یدخل به الجنة

اس ایمان کا بیان جس سے آدمی جنت میں داخل ہو

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۰۴۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَاأَبِی حَدَّثَنَاعَمْرُوبْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ طَلْحَۃَ قَالَ حَدَّثَنِی أَبُوْأَیُوْبَ أَنَّ أَعْرَابِیًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَفِی سَفَرٍفَأَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِہٖ أَوْبِزِمَامِھَا ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! أَوْیَامُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِی بِمَایُقَرِّبُنِی مِنَ الْجَنَّۃِ وَمَایُبَاعِدُنِی مِنَ النَّارِ قَالَ فَکَفَّ النَّبِیُّ ثُمَّ نَظَرَفِی اَصْحَابِہٖ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وُفِّقَ أَوْلَقَدْ ھُدِیَ قَالَ کَیْفَ قُلْتَ ؟ قَالَ فَأَعَادَفَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُاللّٰہَ وَلَاتُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلَاۃَ وَتُؤْتِی الزَّکَاۃَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَۃَ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی یا لگام پکڑ لی پھر کہا کہ یارسول اللہ! یا یہ کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اس چیز کے بارے میں بتلائیے جو مجھے جنت سے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سن حضور علیہ السلام ذرا دیر رُکے اور پھر اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ بے شک اس شخص کو توفیق دی گئی ہے یا فرمایا کہ ہدایت دی گئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کیا کہا؟ اس نے دوبارہ وہی بات لوٹائی تو آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت اور بندگی کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کیا کر اور صلہ رحمی کیا کر اونٹنی کو چھوڑ دے۔

۱۰۵۔**وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍقَالَا حَدَّثَنَا بَھْزٌحَدَّثَنَا شُعْبَۃُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عُثْمَانَ بْنِ

عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَاَبُوْهُ عُثْمَانُ أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوْسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هٰذَا الْحَدِيْثِ ۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ مذکورہ سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندگی کر اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کیا کر۔

۱۰۶۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُوالْأَحْوَصِ ح:وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِيْنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ تَعْبُدُاللّٰهَ لَاتُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ تَمَسَّكَ بِمَاأُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ إِنْ تَمَسَّكَ بِهِ ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت سے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، اور اہل قرابت سے صلہ رحمی کا معاملہ کیا کرو، جب وہ واپسی کے لئے مڑا تو آپ صلی للہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بات کا اسے حکم دیا گیا اگر ان پر مضبوطی سے قائم رہا تو جنت میں داخل ہوگا۔

۱۰۷۔**وَحَدَّثَنِي** اَبُوْبَكْرِابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَاوُهَيْبٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍعَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّاجَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَاعَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُاللّٰهَ لَاتُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَاأَزِيْدُعَلٰى هٰذَاشَيْئًا أَبَدًا وَلَاأَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ جسے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوجاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت قرار دو اور نماز قائم کرو، فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں کبھی بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں

کروں گا اور نہ میں اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ واپسی کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو دیکھے۔

تشریح

''دخلت الجنة'' یعنی دخول اوّلی سے داخل ہوجاؤں جس میں کسی قسم کی سزا وعذاب نہ ہو، دخول جنت کی اصلی علت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے مگر نیک اعمال وسیلہ اور سبب ہیں۔

''تعبدالله'' یہ خبر بمعنی امر ہے ''ای اعبدالله'' یا ''ان'' مصدر یہ مقدر ہے ''ای ان تعبدالله''۔

سوال

سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو توحید اپنانے کا حکم نہیں دیا شہادتین کا ذکر نہیں فرمایا جو کہ دخول جنت اور صحت عمل کے لئے ضروری ہے۔

پہلا جواب

عبادت سے مراد توحید و شہادتین ہے، اس صورت میں یہ شخص ابھی تک مسلمان نہیں ہوا ہوگا تو اس کو حکم دیا کہ توحید اپناؤ۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ شخص پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس نے پوچھا تھا ''ماذافرض الله علی'' یعنی مجھ پر اللہ کے کیا فرائض ہیں؟ اس صورت میں توحید اور بیزاری شرک کا ذکر بطور تبرک اور بطور تاکید ہوا ہے۔

''ولاتشرك به شيئا'' یعنی شرک جلی اور شرک خفی سے بطو توحید اور عبادت کو اپناؤ، اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت سے مراد توحید کا کلمہ ہے اور توحید کے ضمن میں رسالت بھی آگئی، اس روایت میں حج کا ذکر نہیں شاید اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا ہوگا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے ہی ارکان کا بیان مقصود تھا، یا کسی راوی نے اختصار کیا ہے۔ ''والذی نفسی بیده'' معلوم ہوا بغیر ضرورت قسم کھانا جائز ہے ''لاازیدو لاانقص منه'' اس جملہ کے کئی مطلب ہیں۔

ا۔ میں اس تعلیم کی تبلیغ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں کمی بیشی نہیں کروں گا چونکہ یہ شخص قوم کا بڑا تھا تو پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔

۲۔ لاازیدفی السوال ولاانقص فی العمل.

۳۔ لاازید شیئا من تلقاء نفسی ولا انقص کذالك من نفسی.

۴۔ یا یہ کلام بطور محاورہ ہے کہ جب آدمی مثلاً کوئی چیز خریدتا ہے تو کہتا ہے قیمت میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوگی، یہاں اصل مقصود کمی کرنا ہے زیادتی کا لفظ تبعاً محاورہ میں آگیا اسی طرح حدیث میں ''لاازید'' کا لفظ تبعاً آگیا ہے مقصود ''لاانقص'' ہے ورنہ

عبادت میں تو زیادت مطلوب ہے۔

۵۔ حق بات یہ ہے کہ یہ عبارت اور یہ جواب ''کمال اطاعت'' سے کنایہ ہے۔ ''من سرہ ''یعنی جن کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ جنتی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ اس شخص کا حال اور اس کا انجام محمود ہے اور یہ مامون العاقبت ہے اور سزا کے بغیر دخول اولی کے ساتھ یہ شخص جنت میں جائے گا تو آپ نے یہ بشارت دیدی اس شخص کا نام سعد بن احزم تھا۔ (کذافی الطبرانی)

۱۰۸۔**حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِابْنُ أَبِیْ شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِیْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِیْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ!أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن قوقل تشریف لائے اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر میں فرض نماز کی ادائیگی کرتا رہوں اور حرام کو حرام سمجھتا رہوں اور حلال کو حلال جانوں کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہاں!۔

۱۰۹۔**وَحَدَّثَنِی** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِی صَالِحٍ وَأَبِی سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! بِمِثْلِهِ وَزَادَ فِيهِ وَلَمْ أَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ شَيْئًا۔

یہ حدیث بھی سابق حدیث کی طرح منقول ہے

۱۱۰۔**وَحَدَّثَنِی** سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ وَهُوَابْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ أَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ شَيْئًا أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَاللّٰهِ لَاأَزِيدُ عَلَى ذٰلِكَ شَيْئًا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے اگر میں فرض نمازیں پڑھوں اور رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال قرار دوں اور حرام کو حرام اور اس کے علاوہ کچھ مزید عمل نہ کروں کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کروں گا۔

باب بیان ارکان الاسلام و دعائمه العظام

اسلام کے پانچ بڑے بنیادی ارکان کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۱۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمَدَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسَةٍ عَلَى أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ فَقَالَ رَجُلٌ الْحَجِّ وَصِيَامِ رَمَضَانَ ؟ قَالَ لَا صِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ هٰكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر (۲) اقامت صلوٰۃ پر (۳) ادائیگی زکوٰۃ پر (۴) رمضان کے روزوں پر اور (۵) حج پر۔ ایک شخص کہنے لگا حج اور رمضان کے روزے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! رمضان کے روزے اور حج۔ (یعنی روزہ پہلے اور حج بعد میں) میں نے اس کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

تشریح

''بنی الاسلام علی خمسة'' یاد رہے کہ اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے زیر بحث حدیث کی تفصیل وتشریح سب کی تشریح ہوگی۔

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اسلام کی تشبیہ ارکان کے دوام واستمرار میں ایک خیمہ ومکان سے دی ہے، جس میں ایک اصل عمود وستون ہوتا ہے اور باقی اطناب واوتاد ہوتے ہیں، اصل عمود پر خیمہ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے قطب پر باقی ارکان گھومتے ہیں، وہ قطب اور مرکزی ستون کلمۂ شہادت ہے اور باقی ارکان اطناب واوتاد ہیں۔ اگر خیمہ کے اطناب واوتاد میں سے کنارے کا کوئی ستون گر جاتا ہے تو اس طرف میں نقص تو آجاتا ہے لیکن خیمہ کھڑا رہتا ہے، اور اگر کناروں کے سارے ستون گر جائیں مگر بیچ کا عمود اعظم باقی ہو تو نام کا خیمہ پھر بھی باقی ہوگا، اگرچہ اس سے کام نہیں لیا جاسکتا، نہ وہ سایہ کا قابل ہوگا اور نہ گرمی سردی سے بچاؤ کی صلاحیت رکھے گا لیکن اگر خیمہ کا عمود اعظم اور مرکزی قطب کا ستون گر گیا جس پر خیمہ کے قیام کا مدار ہے تو اب نام کا خیمہ بھی باقی نہیں رہے گا اگرچہ کناروں کے چاروں ستون موجود ہوں مگر وہ خیمہ کو گرنے سے نہیں بچاسکیں گے اور یہ خیمہ زمین بوس ہوجائے گا، بعینہ یہی تشبیہ اور یہی صورت حال اسلام کی عالیشان عمارت کی ہے، جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج چار ستون ہیں جو کناروں میں واقع ہیں

اورکلمہ شہادت بیچ کا عمود اعظم ہے، اگر باقی ارکان میں نقص آتا ہے تو اس عمارت میں تو نقص آجائے گا مگر عمارت باقی رہتی ہے لیکن اگر کلمہ شہادت کے رکن میں نقص آگیا اور اس کا وجود قائم نہ ہو رہا یا قائم ہونے کے بعد ختم ہو گیا تو اب اسلام کی عمارت باقی نہیں رہ سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب جنازے میں حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات مشہور شاعر فرزدق سے ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا

"مااعددت لمثل هذاالمقام؟فقال شهادة ان لااله الاالله منذ كذاسنة فقال هذا العمود فاين الاطناب؟

تو اس حدیث میں پانچ مشہور اصول دین اور مشہور ارکان کا ذکر کیا گیا ہے جو فرضیات عینیہ ہیں، اس کے علاوہ باقی تمام اعمال اس کے ضمن میں ہیں کیونکہ شہادت سے مراد "تسليم بجميع ماجآء به النبي صلى الله عليه وسلم" ہے اس میں اسلام کے تمام احکام آگئے، خلاصہ یہ ہے کہ مشہور ارکان کا ذکر کیا، باقی کی نفی مراد نہیں یعنی فرضیات عینیہ کا ذکر کیا، فرضیات کفایہ وغیرہ کی نفی مقصود نہیں۔

سوال

فقہاء کرام نے قبول اسلام کے لئے صرف شہادتین کو کافی سمجھا ہے حالانکہ بناء اسلام پانچ اشیاء پر ہے؟

جواب

اس کا جواب واضح ہے کہ شہادتین کے ضمن میں پورا اسلام اپنے تمام محاسن کے ساتھ ملحوظ اور مراد ہے۔

سوال

یہ ہے کہ اس روایت سے اسلام کا صرف پانچ چیزوں پر مبنی ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت میں "بضع وسبعون شعبة" فرمایا ہے تو تطبیق کیا ہے؟

جواب

اس کا جواب بھی گذر گیا ہے کہ پانچ تو مشہور ومعروف ارکان ہیں اور ان معروف اور غیر معروف سب کو ملا کر ستر سے کچھ اوپر بنائے جاتے ہیں۔"على ان يوحدالله" توحید تمام عبادات کی جڑ ہے تمام اعتقادات کا خلاصہ ہے دوسرے تمام آسمانی مذاہب اگرچہ زبانی توحید کے قائل ہیں مگر خالص توحید جو توحید ربوبیت اور توحید الوہیت اور توحید صفات ہے وہ صرف اسلام میں ہے دوسری روایت میں اسی کو شہادت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

شهادة : اعراب کے اعتبار سے یہ کلمہ مجرور بھی ہے کہ یہ بدل ہے خمس سے اور وہ مجرور ہے، اور منصوب بھی ہے "اعنی" فعل محذوف کی وجہ سے "اى اعنى شهادة الخ" اور یہ کلمہ مرفوع بھی ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی "احداهاشهادة الخ" شہادتین کو عام طور پر ایک خصلت شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں تلازم ہے کبھی کبھی الگ بھی ذکر کیا جاتا ہے۔حج کے ساتھ استطاعت کا ذکر بوجۂ شہرت نہیں کیا، اقام الصلوة میں نفس نماز مقصود نہیں بلکہ تمام آداب وفرائض ومحاسن کے ساتھ اس کا قیام

مقصود ہے، ایتاء الزکاۃ میں استمرار کی طرف اشارہ ہے حج کا درجہ مؤخر ہے کیونکہ حج سات یا آٹھ یا نو ہجری میں فرض ہوا ہے اور روزہ دو ہجری میں فرض ہوا مگر ترتیب کا لحاظ راوی نے نہیں رکھا، یہ تصرف رواۃ میں سے ہے مگر یہاں اصرار کے باوجود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ترتیب کی تبدیلی کے لئے تیار نہیں اور بار بار فرماتے ہیں کہ نہیں صیام پہلے ہے اور حج کا ذکر بعد میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شارع کے اطلاقات اور ترتیبات کا بہت خیال رکھنا چاہیے حضرت ابن عمر نے دونوں روایتیں بیان فرمائی ہیں شاید ایک ترتیب کو بھول گئے یا اس ترتیب کو راجح قرار دیا۔ اس حدیث سے مرجئہ پر صریح رد ہے جو اعمال کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ارکانِ خمسہ میں ترتیب

۱۔ عبادات دو قسم پر ہیں یا قلب سے متعلق ہوں گی یا غیر قلب سے متعلق ہوں گی، اول کی مثال شہادتین ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے، غیر قلب سے جو متعلق ہیں وہ پھر دو قسم پر ہیں، ایک وہ ہیں جن کا تعلق کرنے سے ہے، دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق کسی فعل کے چھوڑنے سے ہے، یہ دوسری قسم روزہ ہے جس میں کھانا پینا اور جماع ترک کیا جاتا ہے، اول قسم عبادت پھر تین قسم پر ہے، یا صرف بدن سے متعلق ہوگی وہ نماز ہے، یا صرف مال سے متعلق ہوگی، وہ زکوٰۃ ہے، یا مشترک ہوگی وہ حج ہے۔

۲۔ یا ترتیب کو یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو قسم کی صفات ہیں، صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ تو صلوٰۃ کا تعلق صفات جلالیہ سے ہے کہ بندہ معبود کے سامنے کمال عبودیت اور کمال عاجزی سے پیش ہو کر آتا ہے اور ذوالجلال کے سامنے زمین پر ناک رگڑتا ہے۔

زکوٰۃ بھی صفات جلالیہ سے ہے کیونکہ انسان ممسک ہے ﴿وانه لحب الخير لشديد﴾ اس حالت میں مال خرچ کرنا اور رضائے خدا میں زکوٰۃ دینا عظمت جلال کی جلالیت کی نشانی ہے۔

روزہ اور حج مظہر جمال ہیں اول میں عاشق اپنے محبوب کے لئے بھوکا رہتا ہے اور دوسرے میں عاشق محبوب کے لئے گھر بار بیوی بچوں کو چھوڑ کر محبوب کے مکان کی طرف جاتا ہے وہاں پہنچ کر طواف کرتا ہے۔ کبھی دوڑتا ہے کبھی در و دیوار کو بوسہ دیتا ہے۔

امر على الديار ديار ليلى   اقبل ذالجدار و ذا الجدارا

وما حب الديار شغفن قلبي   ولكن حب من سكن الديارا

ومن عادتي حب الديار لاهلها   وللناس فيما يعشقون مذاهب

۳۔ یا ارکان خمسہ کی ترتیب میں یوں کہیں کہ ارکان خمسہ میں سے پہلے شہادتین ہے یہ قولی عبادت ہے اور زبانی طور پر محبوب کا تذکرہ ہے عاشق کا سب سے پہلا کام یہی ہوتا ہے نظم و نثر کے سارے داؤ پیچ اسی زبانی تذکروں کے گرد گھومتے پھرتے ہیں اقرار توحید اسی کا نام ہے۔ دوسرا کام محبوب کی انتہائی تعظیم ہوتی ہے۔ یہی صلوٰۃ اور نماز ہے جو مجموعہ تعظیم الٰہی ہے۔ عاشق کا تیسرا کام محبوب کے لئے مال لٹانا ہوتا ہے زکوٰۃ اسی کا نام ہے۔ عاشق کا چوتھا کام محبوب کے لئے بھوکا رہنا ہے روزہ اسی کا نام

ہے۔عاشق کا پانچواں کام محبوب کے لئے اپنا گھر بار چھوڑنا ہوتا ہے اور محبوب کے گھر اور اس کے کھنڈرات میں جا کر گھومنا ہوتا ہے۔حج اسی کو کہا جاتا ہے اس لئے فرمایا''بنی الاسلام علی خمس......الخ۔

۱۱۲۔**حَدَّثَنَا** سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّابْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَاسَعْدُبْنُ طَارِقٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعْدُبْنُ عُبَيْدَةَ السُّلَمِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ عَلَى أَنْ يُعْبَدَاللّٰهُ وَيُكْفَرَبِمَادُونَهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔(۱)اللہ کی بندگی کی جائے اور اس کے سوا تمام باطل معبودوں کی تکفیر کی جائے۔ (۲)نماز قائم کی جائے(۳)زکوۃ ادا کی جائے(۴)بیت اللہ کا حج کیا جائے(۵)رمضان کے روزے رکھے جائیں۔

۱۱۳۔**حَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَاعَاصِمٌ وَهُوَابْنُ مُحَمَّدِبْنِ زَيْدِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے(۱)لا الہ الا اللہ کی شہادت اور محمد اعبدہ ورسولہ کا اقرار(۲)اقامت صلوٰۃ(۳)ایتاءِ زکوۃ(۴)حج بیت اللہ(۵)صوم رمضان۔

۱۱۴۔**وَحَدَّثَنِي** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ يُحَدِّثُ طَاوُسًا أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَلَاتَغْزُوْ؟فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ۔

حضرت طاوسؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے(۱)اقرار شہادت کلمۂ توحید(۲)اقامت صلوۃ(۳)ادائیگی زکوۃ(۴)رمضان کے روزے(۵)بیت اللہ کا حج۔

تشریح

جس شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے جہاد نہ کرنے کا سوال کیا تھا''الاتغزوا''اس کا نام حکیم تھا اور پروالی حدیث میں جس شخص نے ابن عمرؓ سے اصرار کیا کہ حج مقدم مذکور ہے صیام بعد میں ہے اس شخص کا نام یزید بن بشر سکسکی تھا حضرت ابن عمرؓ فتنوں کی جنگوں

میں شریک نہیں ہوتے تھے فتنۂ حجاج بن یوسف کے وقت لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ عبد اللہ بن زبیر کا ساتھ دیکر جہاد کیوں نہیں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ اسلام کی پانچ بنیادی ارکان میں جہاد نہیں ہے وہ موجودہ آپس کی جنگوں کی نفی فرمارہے ہیں مطلق جہاد کی نفی نہیں ہے عمدۃ القاری سے ایسا ہی معلوم ہورہا ہے۔علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے سائل کے سوال سے سمجھ لیا کہ وہ جہاد کو ارکان اسلام میں سے سمجھ رہا ہے اس لئے آپ نے جواب دیا کہ جہاد ارکان اسلام میں سے نہیں ہے اس لئے اس حدیث میں جہاد کا تذکرہ نہیں ہے تو اس سے جہاد کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتح الملہم)

باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ ورسولہ وقصۃ وفد عبد القیس

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور احکام دین پر ایمان لانا اور وفد عبد القیس کا قصہ

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چھ احادیث کو ذکر کیا ہے تین روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے ہیں اور تین حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہیں تفصیل حدیث نمبر ۱۱۶ کے تحت آرہی ہے مگر حدیث کے الفاظ میں صحیح بخاری کے الفاظ کا خیال رکھا گیا ہے تو الفاظ میں کچھ تفاوت نظر آئے گا۔

۱۱۵۔ **حَدَّثَنَا** خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَعْمَلُ بِهِ وَنَدْعُوا إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا قَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ فَقَالَ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُقَيَّرِ وَزَادَ خَلَفٌ فِي رِوَايَتِهِ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَعَقَدَ وَاحِدَةً۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد القیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ کے ایک محلہ کے افراد ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اور ہم آپ کے پاس سوائے اشہر حرام کے نہیں آسکتے ہمیں ان باتوں کا حکم دیجئے جن پر ہم عمل کریں اور جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس کی طرف بلائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم

دیتا ہوں اور چار کے کرنے سے روکتا ہوں۔(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفسیر وضاحت ان سے بیان کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے کی گواہی دینا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کا رسول ہونے کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرو (۴) اور یہ کہ تم جو مالِ غنیمت حاصل کرو اس کا خُمس دیا کرو اور میں تمہیں منع کرتا ہوں دبّاء سے، حنتم سے نقیر سے اور مقیر سے۔ خلف بن ہشام نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کے اقرار کو بتاتے وقت ایک انگلی سے اشارہ کیا۔

تشریح

''قوله اناهذالحی من ربیعه'' الحی کا لفظ بنابر تخصیص منصوب ہے یعنی یہاں نَخُصّ فعل محذوف ہے اس کے لئے الحی مفعول بہ ہے یہ جملہ معترضہ ہے اور من ربیعۃ کائن کے ساتھ متعلق ہے یہ ''اِنَّا'' کے لئے خبر ہے اسم اِنَّ اِنَّا کے ساتھ لگا ہے اصل عبارت اس طرح ہے ''اناهذالحی حی کائن من ربیعة ای انا من ربیعة مخصوصون بهذالحی'' فتح الملہم نے اس طرح عبارت نکالی ہے ''اناهذالحی حی من ربیعة'' یعنی ہمارا جو یہ قبیلہ ہے یہ ربیعہ قبیلہ سے ہے۔ بخاری کی عبارت پیچیدہ نہیں ہے۔

''عقدواحدة'' یعنی گنتی کرنے کی غرض سے آنحضرت نے ایک انگلی بند فرمائی۔ قسطلانی نے یہی مطلب لیا ہے۔ عام ترجمہ ''اشارہ کیا'' سے کیا گیا ہے۔

۱۱۶۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ أَبِی شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ أَبُوبَكْرٍحَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ الآخَرَانِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُابْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِی جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَیِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَأَتَتْهُ اِمْرَأَةٌ تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِالْجَرِّ فَقَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ أَتَوْارَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْوَفْدِ ؟أَوْ مَنِ الْقَوْمِ ؟ قَالُوْا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْبِالْوَفْدِ غَيْرَخَزَايَاوَلَاالنَّدَامَى قَالَ فَقَالُوْا يَارَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّانَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ وَإِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَاالْحَیَّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَإِنَّا لَانَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِی شَهْرِالْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍفَصْلٍ نُخْبِرْبِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ قَالَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ قَالَ أَمَرَهُمْ بِالإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَقَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَاالإِيمَانُ بِاللّٰهِ ؟ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُؤَدُّوْاخُمُسًا مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا. قَالَ النَّقِيرُ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقِيرُ وَقَالَ اِحْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوابِهِ مِنْ وَرَائِكُمْ وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ فِی رِوَايَتِهِ مَنْ وَرَاءَكُمْ وَلَيْسَ فِی رِوَايَتِهِ الْمُقِيرُ۔

حضرت ابوجمرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے درمیان مترجم کے فرائض انجام

دیا کرتا تھا۔ایک بار ایک عورت ان کے پاس آئی اور مٹکہ کی نبیذ کے بارے میں سوال کیا؟ ابن عباس نے فرمایا: عبدالقیس کے وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کونسا وفد ہے یا فرمایا کونسی قوم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا اور خوش آمدید ہو اس قوم یا وفد کو جو رسوائی اور ندامت سے محفوظ رہے۔راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس دور دراز کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر قبیلہ حائل ہے اور ہم سوائے اشہر حرام کے آپ کے پاس آنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ہمیں آپ ایسے واضح احکامات کا حکم دیجئے جن کے بارے میں ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی بتلا دیں اور ان احکامات پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا: انہیں (۱) ایمان باللہ وحدہ کا حکم دیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو اللہ کو ایک ماننے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔(۲) اقامتِ صلوۃ کا حکم دیا۔(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا (۴) رمضان کے روزوں کا حکم فرمایا (۵) اور مالِ غنیمت کے خمس کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔آپ نے منع فرمایا ان میں (۱) دباء سے (۲) حنتم سے (۳) مزفت سے اور (۴) نقیر یا مقیر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور اس کو اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی ان کے بارے میں بتلا دو۔ابو بکر بن ابی شیبہؒ کی روایت میں "من ورائکم ہے من وراءکم کے بجائے اور ان کی روایت میں مقیر کا ذکر نہیں ہے۔

تشریح

"ابو جمرۃ" ان کا نام نصر بن عمران ہے بصرہ کے رہنے والے تھے حضرت ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے بصرہ کا گورنر بنایا تھا بصرہ کی زبان فارسی تھی اس لئے حضرت ابن عباس کو ترجمان کی ضرورت پڑی ابو جمرہ ترجمانی کر رہے تھے حضرت ابن عباس ان کی بہت قدر کرتے تھے ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ حضرت ابن عباس کے شاگرد اور خادم و ترجمان تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ ابو جمرہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ان کو کوئی کہہ رہا ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کرو اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔حضرت ابن عباس کا موقف ایک ساتھ کرنے کا تھا اس خواب سے اس موقف کی تائید ہوگئی تو آپ خوش ہو گئے اور ابو جمرہ کو اپنے پاس رکھا اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

"ان وفد عبدالقیس" وفد وافد کی جمع ہے جیسے رکب راکب کی جمع ہے، وفد اس جرگہ کا نام ہے جو کسی قوم کی طرف سے اشراف پر مشتمل جماعت ہو اور کسی امیر و حاکم کے پاس اپنی حاجت کے سلسلہ میں جائے۔عبدالقیس ان کے بڑے دادا کا نام تھا یا وفد کے لیڈر کا نام تھا، یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا اور قبیلہ ربیعہ بنی نزار سے ان کا تعلق تھا جو قبیلہ مضر کے مقابل تھے۔

وفد عبدالقیس کب مدینہ آیا تھا؟

عبدالقیس بحرین کا ایک بڑا قبیلہ تھا، یہ وفد مدینہ منورہ کب آیا تھا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کب حاضری دی تھی؟ اکثر علماء اور شارحین کے قول کے مطابق یہ وفد ۸ھ میں آیا تھا اور یہ لوگ برضا و رغبت خود مسلمان ہو کر آئے تھے، امام تاریخ علامہ واقدی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ اسی قول کی طرف گئے ہیں۔ امام مغازی ابن اسحاق اور ابن کثیر وغیرہ اہل تاریخ کے نزدیک یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا۔ ابن اثیر اور تاریخ خمیس والے نے اس وفد کی آمد کو ۱۰ھ میں بتایا ہے۔

تحقیق کے بعد یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ یہ وفد دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا ایک مرتبہ ۶ھ میں اور دوسری دفعہ ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

وفد عبدالقیس کی آمد کا سبب

بحرین کے لوگ تاجر پیشہ تھے، ان میں سے ایک تاجر منقذ بن حیان بغرض تجارت مدینہ منورہ آیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلچسپی سے اہل بحرین کے شرفاء کے حالات ان سے معلوم کئے اور خصوصیت سے ایک صاحب منذر بن عائذ کے حالات دریافت کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منقذ بن حیان کو اسلام کی دعوت دی، وہ مسلمان ہو گئے اور کچھ ضروری چیزیں اسلام کی سیکھ کر واپس وطن جانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے سرداروں کے نام خط لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا منقذ بن حیان یہ خط لے کر بحرین پہنچا اور منذر بن عائذ ملقب باشج عبدالقیس کے ہاتھ میں دے دیا۔ منقذ بن حیان اشج عبدالقیس کا داماد تھا ان کی بیوی اشج کی بیٹی تھی وہ منقذ بن حیان کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتی تھی اور حیران ہو جاتی تھی اس نے اپنے باپ اشج کے سامنے اس کا تذکرہ کیا کہ میرا شوہر جب سے مدینہ سے واپس آیا ہے وہ عجیب عجیب عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ اشج نے آنحضرت صلی اللہ کا خط کھول کر پڑھا اور بیٹی سے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مسلمان ہو گیا پھر انہوں نے مجمع میں یہ خط پڑھ کر سنایا لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اس دفعہ یہ وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ پہنچ کر سب نے دوڑ دوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، دست بوسی کی لیکن اشج نے پہلے ساتھیوں کا سامان محفوظ کیا، پھر اونٹ باندھ دیئے، پھر نئے کپڑے پہن کر نہایت وقار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، دست مبارک کو بوسہ دیا، شکل و شباہت اچھی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے جب دیکھا تو اشج کہنے لگا یا رسول اللہ! انسان کی یہ کھال تو مشکیزہ کی مانند ہے، اصل انسان تو یہ نہیں ہے درحقیقت ''الانسان باصغریہ'' یعنی دو چھوٹے اعضاء کی وجہ سے انسان انسان ہے اور وہ دل اور زبان ہیں۔ اشج سے حضور نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں ''الحلم و الاناۃ'' دانائی اور بردباری، اشج نے کہا کہ

یا رسول اللہ! کیا یہ خصلتیں پیدائشی ہیں یا میں نے کسب سے حاصل کی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ میں یہ پیدائشی ہیں اس پر وہ خوش ہوئے اور پھر کہا: ''الحمدالله الذی جبلنی علی خلیقتین یحبهماالله و رسوله'' حلم اس سنجیدگی کو کہتے ہیں جس کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہو اور اناۃ اس بردباری کو کہتے ہیں جس کا تعلق آدمی کی اپنی ذات سے ہو۔ (کذا فی الابی)

چونکہ منذر بن عائذ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشج کا لقب دیا، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ منذر بن عائذ کو اشج کا لقب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا پھر وہ اشج عبد القیس سے مشہور رہا۔

''من القوم او من الوفد'' اس کلام میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''من القوم'' فرمایا تھا یا ''من الوفد'' فرمایا تھا، یہ صحابہ کرام کا نہایت احتیاط اور ان کی اعلیٰ ذہانت اور امانت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی کہ تلفظ میں تغیر کو گوارا نہیں کرتے تھے، لفظ ''او'' کے بعد ''قال'' پڑھا جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ سوال یا تو تعارف کے لئے تھا یا طلب استیناس کی غرض سے تھا، یہ آپ کی عام عادت تھی جس میں محبت ہی محبت تھی۔ ''قالوا ربیعه'' ای نحن من ربیعة بن نزار، ہمارا تعلق ربیعہ سے ہے۔ ''قال مرحبا'' ''مرحب مصدر میمی بمعنی وسعت ہے'' ای اصاب القوم رحباو وسعة'' یہ لفظ اسی فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے'' رحب یرحب رحبا و مرحبا'' وسعت اور کشادگی کے معنی میں ہے۔

''غیر خزایا'' غیر حال ہے اس لئے منصوب ہے خزایا، خزیان کی جمع ہے اور خزی ذلت و رسوائی کے معنی میں ہے۔

''ولا ندامی'' یہ ندمان کی جمع ہے جو نادم پشیمان کے معنی میں ہے، اگرچہ ندمان کا ایک معنی ہمنشین بھی ہے مگر وہ یہاں مراد نہیں بلکہ نادم کے معنی میں استعمال ہوا ہے، بعض نے ندامی کو نادم کی جمع کہا ہے، مگر یہ قید لگا دی ہے کہ یہ خلاف القیاس ہے کیونکہ نادم کی جمع قیاس کے مطابق نادمین ہے، بہر حال ''خزایا'' کا ہم وزن بنانے کی غرض سے ''ندامی'' لایا گیا ہے ورنہ نادمین لایا جاتا اور ہم وزن کا خیال عربی کلام میں رکھا جاتا ہے، جیسے ''عشایا'' کے لئے ''غدایا'' لایا جاتا ہے حالانکہ غداۃ کی جمع غداوت ہے نہ کہ غدایا، اسی طرح لادریت کی رعایت کرکے ''لادریت ولاتلیت'' لایا گیا ہے حالانکہ یہ ''لاتلوت'' ہے مگر پڑوس کا خیال رکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وفد کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ تم سے ہماری لڑائی نہیں ہوئی، لڑائی سے پہلے از خود اسلام قبول کرکے آگئے تو لڑائی کی رسوائی سے بچ گئے، نیز جنگ نہ ہونے کی صورت میں پشیمانی بھی اٹھانی نہ پڑی، ورنہ اگر جنگ ہوتی آدمی قتل ہو جاتے یا گرفتار و زخمی ہوتے تو اب پشیمانی ہوتی کہ کاش جنگ نہ کرتے پہلے مسلمان ہو جاتے۔

''الشهر الحرام'' یہاں ''الشهر'' میں الف لام جنس کے لئے ہے جس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے، تو ''الشهر الحرام'' سے تقدس و احترام کے چار مہینے مراد ہیں جن میں تین ایک ساتھ ہیں اور ایک الگ ہے۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم ایک ساتھ ہیں اور رجب الگ ہے لہٰذا یہاں گویا مفرد کے ساتھ جمع کا معاملہ کیا گیا ہے کہ ''الشهر الحرام'' سے چاروں مہینے مراد ہیں اور اس کی تائید بخاری و مسلم کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ وہاں ''اشهر الحرم'' جمع کا لفظ موجود ہے مسلم کی آنے والی حدیث ۱۱۸

کو دیکھ لو، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں اس وفد نے ''الشھر الحرام'' سے صرف رجب کا مہینہ مراد لیا ہے کیونکہ قبیلہ مضر کے لوگ رجب کا احترام بے حد کرتے تھے حتی کہ رجب کا نام رجب مضر ہو گیا تھا۔ اس رائے کی تائید بیہقی اور ابو بکرہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ ''الشھر الحرام'' سے مراد رجب مضر ہے، اس رائے کے مطابق ''الشھر الحرام'' میں الف لام عہد کے لئے لیا جا سکتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ۹ ھ میں جزیرۂ عرب آزاد ہو چکا تھا پھر اس وفد نے مضر کی جنگ اور راستہ کی بات کیوں اٹھائی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وفد ایک دفعہ ۲ ھ کو آیا تھا یہ اسی وقت کی بات ہے اس وقت قبیلہ مضر مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ''من شقة بعيدة'' شقة دور دراز سفر کو کہتے ہیں یہاں بعیدہ کا لفظ تاکید کے لئے ذکر کیا ہے۔

''امر فصل''، فصل کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فاصل کے معنی میں ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہو یا فصل مفصول و مفصل کے معنی میں ہے کہ ہمیں خوب تفصیل سے بتا دیجئے تا کہ ہم کسی اور کی طرف محتاج نہ ہوں۔

''نخبر به''، یعنی ہم ان واضح اور دو ٹوک احکامات کو واپس جا کر اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے، اس سے اشاعت دین کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور تبلیغ کی ذمہ داری کا احساس بھی معلوم ہوتا ہے مگر پہلے سیکھ کر تیار ہونے اور پھر جانے کے اصول کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، تفصیل سے سیکھو پھر جاؤ۔

''وندخل به الجنة'' نخبر به و ندخل، دونوں فعل مجزوم بھی ہیں کیونکہ یہ ''مرنا'' امر کے جواب میں آئے ہیں اور دونوں جملہ مستانفہ کی صورت میں مرفوع بھی ہیں، دخول جنت سے مراد یہ کہ ہم رضائے الٰہی کا خاص مقام چاہتے ہیں جو جنت ہے کیونکہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کے مجموعے کا نام ہے۔

اب اعتراض نہیں آئے گا کہ عمل دخول جنت کا مؤثر ذریعہ نہیں، مؤثر علت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، عمل تو صرف وسیلہ ہے تاہم نفس جنت کا سوال بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی مامور بہ حکم ہے مگر اعلیٰ خلوص کی بات ہی اور ہے۔

''وسالوه عن الاشربة'' اشربہ جمع شراب، بمعنی مشروب ہے اور جواب سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا فرمایا کہ تم تو مشروب کا پوچھتے ہو میں تو ان مشروبات کے برتنوں کو بھی جائز نہیں سمجھتا، جن میں کبھی شراب رکھنے بنانے اور پینے کا عمل ہوا تھا، کیونکہ یہ برتن مذکرات ہیں، ان سے روکنا بھی تاکیدی حکم ہے تا کہ شراب سے بھی مکمل اجتناب و نفرت ہو جائے، جب اس کی نفرت صحابہ کے دلوں میں بیٹھ گئی، تب برتن رکھنے کی اجازت بھی مل گئی، بہر حال اشربة بحذف مضاف ہے ''ای عن ظروف الاشربة'' کیونکہ یہ لوگ مسلمان تھے حرمت شراب کے پہلے سے قائل تھے۔

''فامرهم باربع''، یعنی آنحضرت نے ان کو چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا۔

سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اجمال میں چار چیزوں کا وعدہ کیا گیا کہ ''فامرهم باربع'' مگر تفصیل میں پانچ اشیاء

کا ذکر آگیا ہے یعنی ایمان، نماز، زکوۃ، صوم، اعطاء خمس یہ پانچ چیزیں ہیں اور اگر تفصیل واجمال ایک ہے تو پھر صرف ایمان کا ذکر ہو گیا اور اسی کی فروعات کا ذکر آگیا اور چار چیزوں کا وعدہ پورا نہ ہو؟۔

جواب

اس کے کئی جوابات ہیں اور شارحین نے چھوٹی چھوٹی وجوہات کو بھی کھینچ کر کئی جوابات بنادیئے ہیں، میں دو تین باتیں بیان کروں گا جو اہم ہیں۔

ا۔ پہلا جواب

یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چار چیزوں کا وعدہ فرمایا تھا اور ''اقام الصلوٰۃ، ایتاء الزکوۃ، صوم رمضان، وان تعطوا من الخمس'' تک چاروں کو بیان فرمایا۔ رہ گیا شہادتین کا ذکر تو وہ تو طیہ وتمہید اور تبرک کے طور پر تھا کیونکہ یہ لوگ پہلے سے مسلمان تھے، ان کے لئے شہادتین کا ذکر صرف بطور تبرک ہی ہوسکتا ہے، اس کی تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے جہاں شہادتین کا ذکر ہی نہیں، چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۹۱۲ پر یہ حدیث اس طرح ہے:

عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ عَلَيُهِ السَّلَامُ اَرُبَعُ وَ اَرُبَعُ(۱) اَقِيُمُوا الصَّلوٰةَ(۲) وَاٰتُو الزَّكوٰةَ(۳) وَصَوُمُ رَمَضَانَ (٤) وَاعُطُوُا خُمُسَ مَاغَنِمُتُمُ الخ۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کا تذکرہ چار چیزوں کے وعدے میں نہیں ہے، جہاں ذکر کیا گیا ہے وہاں بطور تبرک تو طیہ وتمہید ذکر کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گنتی کے وقت شہادتین پر انگلی بند فرمادی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ گنتی میں امر اول تھا، مگر علماء نے لکھا ہے کہ یہ توحید کی طرف اشارہ تھا گنتی کی طرف نہیں تھا، کیونکہ اس کے بعد آپ نے دوسری انگلی کو نہ بند کیا نہ اشارہ کیا، اگر گنتی ہوتی تو سب میں انگلی بند فرمادیتے۔

۲۔ دوسرا جواب

یہ ہے کہ شہادت کو امر اول شمار کیا جائے اور نماز، زکوۃ، روزہ یہ چار ہوگئے۔ اور خمس کا جو ذکر آیا ہے اس کا عطف ''امرھم'' پر ہو جائے عبارت اس طرح ہوگی ''امرھم باربع وامرھم ان تعطوا من المغنم الخمس'' تو خمس کا ذکر گنتی کے اندر نہیں بلکہ وفد کے ماموارت میں سے ہے کہ یہ کرو، یہ کرو اور خمس ادا کرو۔ یہ دو جواب سب سے عمدہ اور قابل اعتماد ہیں۔

۳۔ تیسرا جواب

یہ بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کی گنتی فرمائی تھی مگر کسی راوی نے اختصار کر کے سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے اجمال وتفصیل کو ذکر کردیا یہ عجیب جواب ہے۔

۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ شہادتین سے لے کر خمس تک چار چیزوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمادیا اور مال غنیمت اور خمس وغنیمت کا ذکر بطور اضافہ اس وفد کی مناسبت سے ان کے لئے اس لئے کیا کہ یہ لوگ قبیلہ مضر سے جہاد کے میدان میں برسر پیکار تھے ان کو اس حکم کی ضرورت تھی۔

اس حدیث میں حج کا حکم مذکور نہیں کیونکہ حج ۹ ھ میں فرض ہوا تھا اور وفد عبد القیس ایک دفعہ ۹ ھ سے پہلے آیا تھا۔

''ونهاهم عن اربع ''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار قسم کے ایسے برتنوں سے منع فرمایا جس میں وہ لوگ شراب بناتے تھے۔ جن کے مسامات بند ہوتے تھے اور اس میں بہت جلدی شراب بنتی تھی اور جلدی سکر آتا تھا ابتداء میں اس میں نبیذ بنانے کو بھی منع فرمایا کہ کہیں دوبارہ شراب بنانا شروع نہ ہو جائے یہ کل چار برتن تھے۔

۱۔ ''الحنتم ''حنتم اور مٹکا مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔

۲۔ ''الدباء '' یہ ایک قسم کا گول کدو ہے جب خشک ہوتا ہے اور اسکے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے تو یہ اندر سے بہترین برتن ہے اوپر سے پکڑنے کے لئے ایسی گردن ہے گویا پکڑنے ہی کے اندازے پر تخلیق ہوئی ہے اس کو تونبی بھی کہتے ہیں اب بھی قبائل اور کوہستانی علاقوں میں لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں اس میں پانی اور لسی ٹھنڈار کھنے کے لئے رکھتے ہیں۔

۳۔ ''النقیر '' یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تنا اندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔

۴۔ ''المزفت '' یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تارکول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن مزفت یا روغن قار جو کشتیوں پر ملا جاتا تھا، جاہلیت میں شراب کے ان برتنوں پر مسامات بند کرنے کی غرض سے مل لیا کرتے تھے، مزفت یہی روغنی برتن ہے ابتداء میں حرمت شراب کے وقت ان برتنوں کی بھی ممانعت تھی پھر اجازت مل گئی جیسے مشکوۃ زیارۃ القبور میں یہ روایت ہے ''ونهيتكم عن النبيذ الافي سقاء فاشربوافي الاسقية كلها ولا تشربوا مسكرا''۔ (مشکوۃ ص ۱۵۳)

ائمہ احناف کا یہی مسلک ہے اور یہی دلیل ہے باب الاشربہ مشکوۃ، ص ۳۷۰ میں بھی اسی قسم کی روایات ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں ان برتنوں کا استعمال اب بھی ناجائز ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ کے ایک قول اور فتویٰ کو لیتے ہیں کہ انہوں نے منع فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت بعد میں ختم ہوگئی تھی لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ کے قول میں تاویل کی جائے گی کہ شاید ان کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو۔

''واحفظوهن ''اس سے معلوم ہوا کہ پہلے سیکھو پھر جا کر سکھاؤ، پہلے تبلیغ کی تیاری کرو پھر جا کر تبلیغ کرو، خوب یاد کرو تا کہ بیان

کرنے میں غلطی نہ آئے۔

۱۱۷۔**وَحَدَّثَنِی** عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِی ح:وَحَدَّثَنَا نَصْرُبْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ قَالَ أَخْبَرَنِی أَبِی قَالَاجَمِیْعًا حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ أَبِی جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَاالْحَدِیْثِ نَحْوَحَدِیْثِ شُعْبَةَ وَقَالَ أَنْهَاكُمْ عَمَّایُنْبَذُ فِی الدُّبَّاءِ وَالنَّقِیْرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَزَادَ ابْنُ مُعَاذٍ فِی حَدِیْثِهِ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ أَشَجِّ عَبْدِالْقَیْسِ إِنَّ فِیْكَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں جوحدیث شعبہ کے موافق ہے اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں منع کرتا ہوں ان برتنوں سے جن میں نبیذ بنائی جاتی ہے دُبّاء، نقیر، حنتم اور مزفت سے۔ ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کردہ حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا: بیشک تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں: (۱) بردباری وتحمل (۲) عقلمندی۔

۱۱۸۔**حَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ أَیُّوبَ حَدَّثَنَاابْنُ عُلَیَّةَ حَدَّثَنَا سَعِیْدُبْنُ أَبِی عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنِی مَنْ لَقِیَ الْوَفْدَ الَّذِیْنَ قَدِمُوْا عَلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِالْقَیْسِ قَالَ سَعِیْدٌ وَذَكَرَقَتَادَةُ أَبَانَضْرَةَ عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ فِی حَدِیْثِهِ هٰذَا أَنَّ أُنَاسًامِنْ عَبْدِالْقَیْسِ قَدِمُوْا عَلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَانَبِیَّ اللّٰه! إِنَّا حَیٌّ مِنْ رَبِیْعَةَ وَبَیْنَنَا وَبَیْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ وَلَانَقْدِرُ عَلَیْكَ إِلَّا فِی أَشْهُرِالْحُرُمِ فَمُرْنَابِأَمْرٍنَأْمُرُبِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ إِذَا نَحْنُ أَخَذْنَا بِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهِ شَیْئًا وَأَقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَصُوْمُوْا رَمَضَانَ وَأَعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْغَنَائِمِ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِیْرِ قَالُوْا یَانَبِیَّ اللّٰه ! مَاعِلْمُكَ بِالنَّقِیْرِ قَالَ بَلَی جِذْعٌ تَنْقُرُوْنَهُ فَتَقْذِفُوْنَ فِیْهِ مِنَ الْقُطَیْعَاءِ قَالَ سَعِیْدٌ أَوْقَالَ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ تَصُبُّوْنَ فِیْهِ مِنَ الْمَاءِ حَتّٰی إِذَاسَكَنَ غَلَیَانُهُ شَرِبْتُمُوْهُ حَتّٰی إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوْإِنَّ أَحَدَهُمْ لَیَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهِ بِالسَّیْفِ قَالَ وَفِی الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ وَكُنْتُ أَخْبَؤُهَاحَیَاءً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَفِیْمَ نَشْرَبُ یَارَسُوْلَ اللّٰه ؟ قَالَ فِی أَسْقِیَةِ الْأَدَمِ الَّتِی یُلَاثُ عَلَی أَفْوَاهِهَا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰه ! إِنَّ أَرْضَنَا كَثِیْرَةُ الْجِرْذَانِ وَلَاتَبْقَی بِهَا أَسْقِیَةُ الْأَدَمِ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ وَإِنْ أَكَلَتْهَاالْجِرْذَانُ وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ قَالَ وَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ عَبْدِالْقَیْسِ إِنَّ فِیْكَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے عبد القیس کے اس وفد سے ملاقات کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (سعید بن ابی عروبہؒ کہتے ہیں کہ قتادہ نے ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعہ کا نام لیا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ عبد القیس کے کچھ لوگ حضور کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اور ہم آپ کے پاس اشہر حرام کے علاوہ بقیہ مہینوں میں آنے پر قادر نہیں ہیں لہٰذا ہمیں ایسے واضح احکامات کا حکم کیجئے جن سے ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی حکم دیں اور جنت میں داخل ہو جائیں جب ہم میں سے کوئی ان پر عمل کرے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کو کرنے اور چار باتوں سے رُکنے کا حکم کرتا ہوں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) نماز قائم کرو (۳) زکوٰۃ ادا کیا کرو (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھو (۵) اور جو مالِ غنیمت حاصل کرو اس کا خمس (بیت المال کو) ادا کرو اور چار باتوں سے روکتا ہوں (۱) دباء سے (۲) حنتم سے (۳) مزفت سے (۴) نقیر سے۔ انہوں نے کہا۔ یا نبی اللہ! نقیر کے متعلق کیا آپ جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! کیوں نہیں۔ نقیر ایک تنہ ہے جسے تم اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہو پھر اس میں قطیعاء ڈال کر اس میں اوپر سے پانی ڈالتے ہو۔ (سعید کہتے ہیں یا قطیعاء کی جگہ تمر کہا) یہاں تک کہ جب اس کا اُبال اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو اسے نوش جاں کرتے ہو۔ حتی کہ تم میں سے کوئی تلوار سے اپنے چچازاد بھائی کی ٹانگ مار ڈالتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں ایک شخص تھا اس کو اسی نشہ کی بدولت ایک زخم لگ چکا تھا اس نے کہا کہ میں اس زخم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپاتا پھر رہا تھا آپ سے حیا کے مارے۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کس برتن میں پئیں؟ فرمایا کہ چمڑے کے ان مشکیزوں میں جن کے منہ باندھ دیئے جاتے ہیں۔ عبد القیس کے لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے علاقے میں چوہوں کی بھرمار ہے چمڑے کے مشکیزے تو وہاں باقی نہیں رہیں گے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ ان کو چوہے کاٹ ڈالیں، اگر چہ چوہے ان کو کھالیں، اگر چہ چوہے ان کو کھا جائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس سے فرمایا: بے شک تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ (۱) عقلمندی اور (۲) تحمل و بردباری۔

تشریح

''قولہ فماعلمك بالنقیر ''یعنی اے اللہ کے رسول! آپ نقیر کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم جو درخت کے تنے کو کھود

کرید کر برتن بناتے ہو وہی نقیر ہے۔

''فتقذفون'' قذف، پھینکنے کے معنی میں ہے یعنی تم اس برتن میں پانی اور کھجور ڈالتے ہو اور نبیذ بناتے ہو''القطیعاء'' ایک قسم کے کھجور کو کہتے ہیں''قال وفی القوم'' راوی نے کہا کہ اس قوم میں ایک شخص تھا اس کو اسی طرح نشہ کی وجہ سے زخم لگا تھا جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اس نے کہا کہ میں شرم کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زخم چھپاتا تھا''یلاث'' وہ نرم چیز جس کا منہ تسمہ سے باندھا جاتا ہو''الجرذان'' جیم پر کسرہ ہے جُرذ مفرد ہے ایک خاص قسم کا بڑا چوہا مراد ہے یہ چوہے نرم چیز کو کاٹ کر کھاتے ہیں اس کو چھچھوندر کہتے ہیں۔شاعر ساحر متنبّی کہتا ہے ۔

لقد اصبحت جرذ المستغیر اسیر المنایا صریع العطب

۱۱۹۔وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ غَیْرُ وَاحِدٍ لَقِیَ ذَاكَ الْوَفْدَ وَ ذَكَرَأَبَا نَضْرَةَ عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ أَنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَیْسِ لَمَّا قَدِمُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ ابْنِ عُلَیَّةَ غَیْرَأَنَّ فِیْهِ وَتُذِیْفُوْنَ فِیْهِ مِنَ الْقُطَیْعَاءِ وَالتَّمْرِ وَالْمَاءِ وَلَمْ یَقُلْ قَالَ سَعِیْدٌ أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے بہت سے ان حضرات نے بیان کیا جو کہ وفد عبدالقیس سے ملے اور قتادہ نے حضرت ابونضرہ کے واسطہ سے نقل کیا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب وفد عبدالقیس نبی اکرم کے پاس آیا پھر وہی حدیث بیان کی اس میں''وَتُذِیْفُوْنَ فِیْهِ مِنَ الْقُطَیْعَاءِ وَالتَّمْرِ وَالْمَاءِ'' کے الفاظ ہیں اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کا قول من التمر بھی مذکور نہیں۔

تشریح

''وَتُذِیْفُوْنَ'' اس روایت میں''وَتُذِیْفُوْنَ'' کا لفظ آیا ہے وہ بھی ملانے اور ڈالنے کے معنی میں ہیں''تمر'' چھوہاروں کو کہا گیا ہے اور''القطیعاء'' کھجور کو کہا گیا ہے۔

۱۲۰۔ وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُبْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا أَبُوْعَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ ح : وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَاابْنُ جُرَیْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِیْ أَبُوْقَزَعَةَ أَنَّ أَبَانَضْرَةَ أَخْبَرَهُ وَحَسَنًا أَخْبَرَهُمَاأَنَّ أَبَاسَعِیْدٍالْخُدْرِیَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ وَفْدَعَبْدِالْقَیْسِ لَمَّا أَتَوْ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَانَبِیَّ اللّٰهِ ! جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَائَكَ مَاذَایَصْلُحُ لَنَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ ؟ فَقَالَ لَاتَشْرَبُوْا فِی النَّقِیْرِ قَالُوْا یَانَبِیَّ اللّٰهِ ! جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاءَ كَ أَوَتَدْرِیْ مَاالنَّقِیْرُ ؟ قَالَ نَعَمْ الْجِذْعُ یُنْقَرُ وَسَطُهُ وَلَافِی الدُّبَّاءِ وَلَافِی الْحَنْتَمَةِ وَعَلَیْكُمْ بِالْمُوكَی ۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وفد عبدالقیس کے لوگ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو کہنے لگے اے اللہ کے نبی! اللہ ہمیں آپ پر قربان کردے۔ ہمارے واسطے کون سے برتن پینے کے لئے صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا نقیر میں نہ پیو۔ انہوں نے کہا اللہ کے نبی! اللہ ہمیں آپ پر فدا کردے کیا آپ جانتے ہیں کہ نقیر کیا ہے؟ فرمایا: ہاں! وہ لکڑی ہے جسے درمیان سے کھودڈالا جائے اور نہ دباء (کدّو کے برتن) میں پیو۔ نہ حنتمہ (سبز لاکھی مٹکے) میں پیو۔ اور تم کو چاہیئے کہ موکاء (چمڑے کی وہ مشک جسکا منہ ڈوری سے بندھا ہوا ہو) استعمال کرو۔

تشریح

''الموکیٰ'' اس روایت میں ''الموکیٰ'' کا لفظ آیا ہے او کی باب افعال سے ہے ہر نرم چیز کو تسمہ سے باندھنے کے معنی میں ہے مراد مشکیزہ ہے جس کو اوپر سے باندھا جاسکتا ہے یہاں اس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسی نرم اشیاء میں نبیذ بنانے سے شراب بن جانے کا خطرہ نہیں ہے اس کو استعمال کرو اور مندرجہ بالا چار قسم کے برتنوں میں مسامات نہیں ہوتے ہیں اس میں نبیذ بہت جلد شراب بن جانے کا خطرہ ہے اس کو استعمال نہ کرو بعد میں برتنوں کی یہ ممانعت ختم کردی گئی جس طرح تفصیل گزر چکی ہے۔

باب الدعاء الی شرائع الاسلام وقصة معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

ارکان اسلام کی دعوت اور معاذ بن جبل کے یمن جانے کا قصہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین حدیثوں کو ذکر فرمایا ہے اور حضرت معاذ بن جبل کا یمن کی طرف جانے کو بیان کیا ہے۔

۱۲۱۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ قَالَ أَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ صَيْفِي عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ أَبُوبَكْرٍ رُبَّمَا قَالَ وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُعَاذًا قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوالِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: تم ایک ایسی قوم سے ملوگے جو اہل کتاب ہے، پس تم ان کو بلانا اس بات کی طرف کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے اور میرے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہونے کی۔ پس اگر وہ اس

بات میں اطاعت گذاری کریں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو ان کے اغنیاء و مالداروں سے لی جائے گی اوران کے فقراء ومساکین کو دی جائے گی۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو ان کے عمدہ اموال کو وصول کرنے سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

تشریح

''ان معاذا'' امام مسلمؒ نے اس سند میں انتہائی احتیاط اور گہری تحقیق سے کام لیا ہے وہ اس طرح کہ ایک سلسلہ سند میں عن ابن عباس عن معاذ کو عنعنہ کے ساتھ بیان کیا پھر دوسرے طریق میں شیخ وکیع کے حوالہ سے عن ابن عباس ''ان معاذاً'' کو انّ کے ساتھ بیان کیا جو حدیث مؤنّن کہلاتی ہے اب اس میں کلام ہے کہ حدیث مؤنّن اور معنعن ایک جیسے ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ جمہور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ انّ اور عن ایک جیسے ہیں دونوں اتصال پر محمول ہیں لیکن علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ انّ اور عن میں فرق ہے اور وہ یہ کہ عن کے ساتھ بیان کردہ حدیث اتصال پر محمول ہے اور انّ کے ساتھ بیان کردہ روایت انقطاع پر محمول ہے تو حدیث مرسل بن جاتی ہے امام مسلم نے اسی باریکی کو مدنظر رکھ کر تفصیل فرمادی کہ دونوں لفظوں میں فرق ہے۔

''بعثنی''، یعنی مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی اور گورنر بنا کر یمن روانہ کردیا، چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا آپ کے ساتھ دور تک نبی مکرمؐ چلتے رہے اور نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے رہے نبی مکرم پیدل تھے اور حضرت معاذؓ سواری پر سوار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام سے معلوم ہوا کہ یہ آخری ملاقات ہے اس پر حضرت معاذ رونے لگے نبی مکرمؐ نے فرمایا:

"اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِی الْمُتَّقُوْنَ حَیْثُ کَانُوْا مَنْ کَانُوْا"

''کہ لوگوں میں میرے قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ کوئی بھی ہو کہیں بھی ہو''۔

اس کو کسی شاعر نے فارسی شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

گر بامنے دریمنے نزد منے　　　گر بے منے نزد منے دریمنے

یعنی اگر میری سنت پر چلو گے تو خواہ یمن میں ہو میرے پاس ہو لیکن اگر میرے طریقے پر نہیں چلو گے تو میرے پاس ہو کر بھی یمن میں ہو۔

اب یہ بات غور طلب ہے کہ حضرت معاذؓ کس سنہ ہجری میں یمن گئے تھے؟

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دس ہجری میں حجۃ الوداع سے کچھ پہلے پیش آیا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں ۹ ھ بتایا ہے جبکہ آنحضرت غزوۂ تبوک سے واپس آگئے تھے۔

بعض نے حضرت معاذ کا یمن کی طرف جانا فتح مکہ کے سال میں بتایا ہے۔

حضرت معاذ گورنر بھی تھے اور قاضی بھی تھے اس زمانہ میں یہ سب ذمہ داریاں والی اور گورنر کی ہوتی تھیں حضرت معاذ مسلسل گورنر رہے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کیا اور نبی اکرم کے مقرر کردہ گورنروں کو اپنے علاقوں سے واپس کر دیا حضرت معاذ بھی پیچھے ہٹ گئے پھر صدیق اکبر نے کارروائی کی اور یہ گورنر واپس چلے گئے حضرت معاذؓ کافی عرصہ گورنر رہے پھر آپ شام چلے گئے اور طاعون عمواس کی وجہ سے انتقال فرماگئے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے مختلف علاقوں میں پانچ گورنر مقرر کئے تھے۔ چنانچہ ان کے علاقوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کو صنعاء یمن کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۲۔ حضرت زیاد بن لبیدؓ کو یمن کے علاقہ حضرت موت کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۳۔ حضرت مہاجر بن امیہؓ کو ''کندہ'' کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۴۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ کو ساحل یمن عدن وغیرہ کا گورنر بنایا تھا۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کے علاقے ''جند'' کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جند کے علاقہ میں حضرت معاذ کی مسجد اب تک موجود ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۵۴۶)

''فادعهم'' اگر کسی کافر قوم کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو تو جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب ہے۔ اگر دعوت پہنچی ہو تو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ یمن چونکہ عمومی طور پر فتح ہو چکا تھا لہٰذا یہ جہاد کی اصطلاحی دعوت نہیں ہے بلکہ ارکان اسلام کی طرف بلانا مقصود ہے اس میں غیر مسلم بھی تھے اس لئے پہلے شہادتین کی دعوت کا ذکر کیا گیا پھر نماز اور زکوۃ کی بات آگئی اب یہاں سوال یہ ہے کہ ارکان اسلام پانچ ہیں یہاں حج اور صوم کا ذکر کیوں نہیں ہے؟۔

اس کا جواب شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں ارکان اسلام کے بیان کرنے کی بات آتی ہے تو وہاں پورے پانچ ارکان کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جہاں دعوت دینے کی بات آتی ہے تو وہاں تین ارکان کی دعوت دی جاتی ہے یعنی شہادتین اور نماز اور زکوۃ کا ذکر ہوتا ہے یہاں دعوت کی بات تھی اس لئے تین پر اکتفاء کیا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی ایت ﴿فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة﴾ میں بھی صرف تین ارکان کا ذکر ہے، نیز یہاں واسطہ اہل کتاب سے پڑنے والا تھا اور وہ اہل علم تھے اس لئے حضرت معاذ کو انتہائی مؤثر اور مہذب انداز سے تدریجاً کلام کرنے کا حکم دیا گیا پھر چونکہ کفار فروعات کے مخاطب نہیں ہیں اس لئے بنیادی ایمان کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا پھر تدریجاً آگے بڑھنے کا کہا گیا اسلامی دُعاۃ میں بھی اسی طرح سلیقہ ہونا چاہئے۔ (فتح الملہم)

یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ یہاں مفروضہ نمازوں کی بات تھی اس لئے وتر کا تذکرہ نہیں آیا وہ واجب ہے اسی طرح عیدین ہیں۔

''افترض عليهم صدقة'' صدقہ سے یہاں زکوۃ مفروض مراد ہے ''اغنیائهم'' اس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ صرف مسلمان

مالداروں پرفرض ہے"علی فقرائھم "اس جملہ میں اشارہ ہے کہ زکوۃ لینے والا صرف مسلمان فقیر ہوسکتا ہے، اس میں اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ علاقے کی زکوۃ اسی علاقے کے فقراء کو دیا جائے الا یہ کہ دوسرے علاقے کے فقراء زیادہ محتاج اور بے بس ہوں پھر زکوۃ وہاں بھیجی جاسکتی ہے۔

"ایاك و کرائم اموالھم "یعنی ان کے عمدہ مال صدقہ میں لینے سے بچو"کرائم کریمة " کی جمع ہے نفیس اور عمدہ تر مال کو کہتے ہیں۔

"واتق دعوۃ المظلوم "یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ غیر مظلومین کی بددعا کی قبولیت کے لئے تو رکاوٹیں ہوسکتی ہیں لیکن مظلوم کی بددعاء اور قبولیت کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ اس کی قبولیت کے سامنے فرشتے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

شاعر نے خوب کہا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درحق بہر استقبال می آید

ترجمہ : مظلوموں کی فریاد سے ڈرو کیونکہ ان کی بددعا کے وقت دربارِ الٰہی سے قبولیت استقبال کے لئے آتی ہے۔

۱۲۲۔**حَدَّثَنَا** ابْنُ أَبِی عُمَرَ حَدَّثَنَا بِشْرُبْنُ السِّرِیِّ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ ح:وَحَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَیْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ زَکَرِیَّاءَ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ یَحْیَی بْنِ صَیْفِیٍّ عَنْ أَبِی مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَی الْیَمِنِ فَقَالَ إِنَّكَ سَتَأْتِی قَوْمًا بِمِثْلِ حَدِیْثِ وَکِیْعٍ۔

مذکورہ سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ بقیہ حدیث وکیع کی سابقہ حدیث کی طرح ہے۔

تشریح

"ح "یہ حا تحویل ہے ایک سند سے دوسری سند کی طرف کسی غرض کے تحت تحویل ہوتی ہے اس کی تفصیل ابتدا میں گذر چکی ہے یہاں اس تحویل سے غرض اور مقصود یہ ہے کہ پہلی سند میں تحدیث کے الفاظ ہیں اور دوسری سند میں عنعنہ ہے۔

"بمثل حدیث "امام مسلمؒ اکثر و بیشتر بمثله یا مثله یانحوہ کے الفاظ لاتے ہیں تو اگر بعینہ سابقہ سند کے الفاظ لاحق سند میں ہوں تو وہاں مثلہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر الفاظ میں کچھ فرق ہو تو پھر نحوہ کے الفاظ آتے ہیں۔

۱۲۳۔**حَدَّثَنَا** أُمَیَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَیْشِیُّ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ إِسْمَاعِیْلَ بْنِ أُمَیَّةَ عَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَیْفِیٍّ عَنْ أَبِی مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا إِلَی الْیَمَنِ قَالَ إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَی قَوْمٍ أَهْلِ کِتَابٍ فَلْیَکُنْ أَوَّلَ مَاتَدْعُوهُمْ إِلَیْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِذَاعَرَفُوا اللّٰهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِی یَوْمِهِمْ وَلَیْلَتِهِمْ فَإِذَا فَعَلُوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْفَرَضَ

عَلَيۡهِمۡ زَكَاةً تُؤۡخَذُ مِنۡ أَغۡنِيَائِهِمۡ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمۡ فَإِذَا أَطَاعُوۡا بِهَا فَخُذۡ مِنۡهُمۡ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمۡوَالِهِمۡ ـ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: تم ایک اہل کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو۔ لہٰذا سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلانا۔ جب وہ اللہ کی معرفت حاصل کرلیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں ان کے دن اور رات میں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو کر گذریں تو انہیں بتلانا کہ اللہ عزّ وجل نے ان پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو ان کے اموال سے لی جائے گی اور ان کی فقراء پر لوٹائی جائے گی۔ جب وہ اسے مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرو اور ان کے اعلیٰ اور قیمتی مال (کے لینے سے) بچو۔

باب الامر بقتال الناس حتى يشهدوا وقتال من منع الزكاة

کفار اور مانعین زکوٰۃ سے اقرار ایمان تک لڑنے کا حکم

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت آٹھ احادیث ذکر فرمائے ہیں۔

١٢٤ ـ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيۡبَةُ بۡنُ سَعِيۡدٍ حَدَّثَنَا اللَّيۡثُ بۡنُ سَعۡدٍ عَنۡ عُقَيۡلٍ عَنِ الزُّهۡرِيِّ قَالَ أَخۡبَرَنِيۡ عُبَيۡدُ اللّٰهِ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُتۡبَةَ بۡنِ مَسۡعُوۡدٍ عَنۡ أَبِيۡ هُرَيۡرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَاسۡتُخۡلِفَ أَبُوۡبَكۡرٍ بَعۡدَهُ وَكَفَرَ مَنۡ كَفَرَ مِنَ الۡعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِ لِأَبِيۡ بَكۡرٍ كَيۡفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ ؟ وَقَدۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أُمِرۡتُ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوۡلُوۡا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنۡ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدۡ عَصَمَ مِنِّيۡ مَالَهُ وَنَفۡسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ أَبُوۡبَكۡرٍ وَاللّٰهِ ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنۡ فَرَّقَ بَيۡنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الۡمَالِ وَاللّٰهِ لَوۡ مَنَعُوۡنِيۡ عِقَالًا كَانُوۡا يُؤَدُّوۡنَهُ إِلٰى رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلۡتُهُمۡ عَلٰى مَنۡعِهِ فَقَالَ عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِ فَوَاللّٰهِ ! مَاهُوَ إِلَّا أَنۡ رَأَيۡتُ اللّٰهَ قَدۡ شَرَحَ صَدۡرَ أَبِيۡ بَكۡرٍ لِلۡقِتَالِ فَعَرَفۡتُ أَنَّهُ الۡحَقُّ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا سو کیا تو اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کیسے لوگوں سے قتال کریں گے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنے مال، جان کو محفوظ کرالیا۔ مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ضرور قتال

کروں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، کیونکہ زکوٰۃ مال میں حق ہے (اللہ کا) خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے دینے سے منع کریں گے تو میں ان سے اس رسی کے نہ دینے پر بھی قتال کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ معاملہ کچھ نہ تھا الا یہ کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتال کے بارے میں شرح صدر عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ میں جان گیا کہ حق بات یہی ہے۔

تشریح

''لما توفی رسول الله صلی الله علیه و سلم'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوا، آپ کے انتقال کے ساتھ جزیرۂ عرب میں فتنۂ ارتداد کا بہت بڑا طوفان کھڑا ہو گیا اسلامی تاریخ میں یہ سب سے بڑا فتنہ تھا جس کو فتنہ ارتداد سے یاد کیا جاتا ہے ''ردة'' رجوع اور پیچھے ہٹنے کو کہتے ہیں وجود اسلام کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانا یا ضروریات دین میں سے کسی حکم کا انکار کرنا یا مذاق اڑانا ارتداد کہلاتا ہے مرتد صرف اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام سے پھر جائے دوسرے مذاہب سے پھر جانے والے کو مرتد نہیں کہتے ہیں کیونکہ ان کا نہ مذہب باقی ہے نہ اس کی حیثیت باقی ہے۔

''واستخلف ابوبکر'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اتفاقی اور اجماعی تھی صرف ایک شخص سعد بن عبادہ نے کچھ پس وپیش کیا مگر آخر میں بیعت کی، حضرت علیؓ نے بھی پانچ چھ ماہ بعد بیعت کی لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس خلافت بلافصل کا منکر کافر ہے۔

''وکفر من کفر من العرب'' اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ۷۰ فیصد مسلمان فتنۂ ارتداد میں اسلام سے پھر گئے صرف اہل مکہ اور اہل مدینہ اور بحرین کے اہل ''جواثی'' اس فتنہ سے محفوظ رہے چنانچہ ایک شاعر اس طرح نقشہ پیش کر کے اپنے علاقے کی تعریف کرتا ہے شاعر کا نام اعور شنّی ہے۔

وَالْمَسْجِدُ الثَّالِثُ الشَّرْقِيُّ كَانَ لَنَا وَالْمِنْبَرَانِ وَفَصْلُ الْقَوْلِ فِي الْخُطَبِ

اور مشرق میں واقع تیسری نمبر کی ہماری مسجد فتنہ سے محفوظ تھی اور دو منبر بھی محفوظ تھے جس پر دوٹوک خطبے دیئے جاتے تھے۔

أَيَّامَ لَامِنْبَرَ لِلنَّاسِ نَعْرِفُهُ إِلَّا بِطِيبَةَ وَالْمَحْجُوجِ ذِي الْحُجُبِ

یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ لوگوں کا کوئی معروف منبر نہیں رہا صرف مدینہ اور مکہ میں منبر محفوظ تھے۔

بحرین کے اس مسجد کو مسجد عبدالقیس بھی کہتے ہیں اور علاقے کے لوگ اہل ''جواثی'' کہلاتے ہیں اہل جواثی جب فتنہ گر لوگوں کے شدید محاصرہ میں آگئے تو بنو بکر کے ایک شاعر نے اہل مدینہ اور صدیق کے سامنے بذریعہ اشعار اس طرح فریاد کی۔

أَلَا أَبْلِغْ أَبَابَكْرٍ رَسُولًا وَفِتْيَانَ الْمَدِينَةِ أَجْمَعِينَا

اے لوگو! ابوبکر صدیقؓ اور مدینہ منورہ کے سارے نوجوانوں کو یہ پیغام پہنچادو۔

فَهَلْ لَكُمْ إِلَى قَوْمٍ كِرَامٍ قُعُودٍ فِي جُوَاثَا مُحْصَرِينَا

کیا تمہیں ان شریف لوگوں کی کوئی فکر ہے جو شہر جواثی میں حالت محاصرہ میں پڑے ہیں۔

كَأَنَّ دِمَائَهُمْ فِي كُلِّ فَجٍّ دِمَاءُ الْبُدْنِ تَغْشَى النَّاظِرِينَا

گویا ہر گلی میں ان کا خون اونٹوں کے خون کی طرح بہہ رہا ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو حیرت زدہ بناتا ہے۔

تَوَكَّلْنَا عَلَى الرَّحْمٰنِ أَنَّا وَجَدْنَا النَّصْرَ لِلْمُتَوَكِّلِينَا

ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے کیونکہ ہم نے توکل کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد دیکھی ہے۔

فتنۂ ارتداد کے اس خطرناک احوال میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کو چٹان سے زیادہ ثابت قدم رکھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں صدیق اکبر انبیاء کرام کے مقام پر کھڑے تھے۔ ''قَامَ فِي الرِّدَّةِ مَقَامَ الْأَنْبِيَاءِ'' یعنی انبیاء کرام کی طرح اکیلے پوری دنیا کا مقابلہ کر رہے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابتداء میں حضرت ابوبکر کے اقدام کو تعجب سے دیکھا مگر آخر میں ہم سب نے اس کی تعریف کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتنہ ارتداد کے زمانے میں میرے ابا جان پر اتنے بڑے مصائب آگئے تھے کہ اگر وہ بڑے پہاڑ پر اُتر جاتے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

مرتدین سے جنگ کے بارہ میں صدیق وفاروق کا اختلاف

''قال عمربن الخطاب لابی بکر کیف تقاتل الناس؟''

یہاں سب سے اہم بحث یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے درمیان اختلاف مرتدین کی کونسی قسم میں تھا اس کے معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہاں مرتدین کی تمام اقسام کو بیان کریں، اور قاضی عیاض کے کلام اور علامہ خطابی کے بیان اور ابن حزم اور علامہ نووی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ کی ترتیبات اور تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر ایک مجموعی کلام اور واضح بیان تیار کر کے اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں۔ تو لیجئے! پانچ قسم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمودار ہو گئے۔

پہلی قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کو بالکل چھوڑ دیا اور مرتد ہو کر اپنے جاہلیت والے دین کی طرف لوٹ گئے اور مشرکین سے جا ملے اس قسم کے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

دوسری قسم کے لوگ

اس قسم کے لوگوں نے جھوٹی نبوتیں کھڑی کردیں علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نبوت کا دعویٰ کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گیا، صنعاء یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے ساتھ بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا اور جنگ کے لئے میدان میں نکلا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنر کو شہید کیا اور پورے علاقہ پر قبضہ جمالیا، بنو اسد کے لوگوں میں طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعوی کیا اور مسلح جتھا تیار کیا۔ بنو تمیم میں ایک عورت نے نبوت کا دعوی کیا جس کا نام سجاح تھا یہ عیسائی عورت تھی اور عراق میں رہتی تھی اس نے خالی میدان دیکھا تو عراق سے آکر اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور کہا نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ "لانبی بعدی" کہ میرے بعد کوئی مرد نبی نہیں آئے گا آپؐ نے "لانبیة بعدی" نہیں فرمایا جس سے کسی عورت کی نبوت پر پابندی ہو، اس قسم کے جھوٹے نبیوں کے خلاف جنگ کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں تھا، چنانچہ یمامہ میں حدیقۃ الموت میں مسیلمہ کذاب مردار ہو گیا وحشی بن حربؓ اور حضرت ابودجانہؓ نے اس کو واصل جہنم کیا۔

دوسرا جھوٹا عبہلہ یعنی اسود عنسی بھی بڑا فتنہ باز تھا بڑا شعبدہ باز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آنحضرت کے مقرر کردہ فارسی گورنر شہر بن باذامؓ کو شہید کیا اور اس مسلمان بیوی "ازاذ" کو زبردستی اپنے نکاح میں رکھا آنحضرت نے ان کے قتل کا حکم دیا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسود عنسی کو قتل کر دے، چنانچہ اس کے گھر کے اندر سے ایک فارسی گروپ تیار ہو گیا مقتول گورنر شہر بن باذامؓ کی بیوی "ازاذ" نے اس کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا اور بہت ہی مشقتوں اور خطرات سے گذر کر فیروز دیلمی اور ان کے ساتھیوں نے رات کے وقت اس کو قتل کیا اور سر قلم کیا پھر صبح کی اذان میں اعلان کیا "اشهد ان محمد رسول الله وان عبهلة كذاب" یہ کہہ کر اس کے سر کو سامنے میدان میں پھینک دیا جبرئیل امین نے آنحضرت کو وحی کے ذریعہ سے بتادیا آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو خوشخبری سنائی اور فرمایا "فیروز فاز فیروز" یعنی فیروز کامیاب ہو گیا کہ اس نے اسود عنسی کو قتل کر دیا۔

سجاح عورت نے جب حالات کو دیکھا اور حضرت خالدؓ کے بڑھنے کا سنا تو مسیلمہ کذاب سے صلح کر لی اور ان پر ٹیکس مقرر کر کے اپنی قوت ان کے ہاتھ فروخت کر دی اور واپس عراق چلی گئی مسیلمہ کذاب سے اس کا نکاح بھی ہو گیا تھا جس پر ایک مسلمان ظریف شاعر نے کہا ؎

اَمَّتْ سَجَاحُ وَوَالَاهَا مُسَيْلِمَةُ كَذَّابَةٌ فِي بَنِي الدُّنْيَا وَكَذَّابُ

یعنی سجاح بیوہ ہو گئی تھی تو مسیلمہ کذاب نے اس کے ساتھ نکاح کیا اوپر نیچے دونوں بین الاقوامی جھوٹے ہیں۔

نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں چوتھا شخص طلیحہ اسدی تھا یہ بھاگ کر شام کے عیسائیوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے لگا ان کو اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز سے ایمان کی توفیق دی اور یہ ارتداد کے بعد مسلمان ہو گیا۔

تیسری قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے توقف سے کام لیا اور کہنے لگے کہ صبر کرو انجام کیا نکلتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اگر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو اس طرف جائیں گے ورنہ دوسری طرف چلے جائیں گے گویا یہ منافق قسم کے لوگ تھے ''مذبذبين بين ذلك لاالى هؤلآء ولاالى هؤلآء'' جس طرح یہ خاموش تھے صحابہ کرام نے بھی ان کو ایسا ہی چھوڑ دیا۔

چوتھی قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جو دین اسلام کے تمام احکامات کو مانتے تھے لیکن انہوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا پھر ان میں بھی دو طبقے بن گئے تھے اور دونوں طبقے تاویل سے کام لے رہے تھے ایک طبقہ نے یہ تاویل کی کہ زکوۃ ایک عارضی وقتی حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ دیتے تھے آپ دعا فرماتے آپ کی دعا باعث سکون تھی جس طرح قرآن میں ہے

﴿خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بهاوصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم﴾ (توبہ:۱۰۳)

اب حضور اکرمؐ کے بعد کسی کی وہ حیثیت نہیں نہ کسی کی دعاء باعث سکون ہے لہٰذا زکوۃ کا معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ تھا آپ کے چلے جانے کے بعد ہم کسی کو زکوۃ نہیں دیں گے۔

مانعین زکوۃ کے دوسرے طبقے نے یہ تاویل کی کہ حضور اکرمؐ کے بعد ہم پر کسی کی اطاعت لازم نہیں ہے ہم دین پر چلیں گے لیکن ابوبکر کی اطاعت اور ان کو زکوٰۃ دینے کے ہم پابند نہیں ہیں اب ہم اپنے سرداروں کے حکم پر چلیں گے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ خود زکوٰہ دینا چاہتے تھے مگر ان کے سرداروں مثلاً مالک بن نویرہ نے ان کو دینے سے منع کر دیا، اسی سلسلہ میں بنوعبس کے شاعر حطیۂ بدبخت نے کہا ۔

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذْكَانَ بَيْنَنَا ــــ فَيَا لَهْفَنَا مَا بَالُ دِيْنِ اَبِىْ بَكْرٍ

یعنی ہم نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی جب تک وہ ہمارے اندر تھے ہائے افسوس اب ابوبکر کے دین کا کیا بنے گا۔

اَيُوْرِثُهَا بَكْرًا اِذَا مَاتَ بَعْدَهٗ ــــ فَتِلْكَ لَعَمْرُ اللّٰهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ

کیا جب ابوبکر مریں گے تو اس کے بعد کوئی اور بکر وارث بن کر آئے گا قسم بخدا یہ کمر توڑنے والی بات ہے۔

مانعین زکوٰۃ کے یہ دونوں طبقے جہاں زکوٰۃ کا انکار کر رہے تھے اس کے ضمن میں یہ بغاوت کا اعلان بھی کر رہے تھے، لہٰذا حضرت ابوہریرہؓ نے جو فرمایا کہ ''وكفرمن كفرمن العرب'' اس میں پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں پر کفر کا لفظ بطور حقیقت صادق آتا ہے اور چوتھی قسم کے لوگوں پر بطور مجاز لفظ کفر بولا گیا ہے ورنہ حقیقت میں یہ لوگ باغی تھے لیکن بغاوت کا لفظ اس وقت متعارف

نہیں تھا تو لفظ کفر کا اطلاق مجازاً ان پر کیا گیا لفظ بغاوت حضرت علیؓ کے زمانہ میں مشہور ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا اختلاف اور آپس میں جو بحث ومناظرہ ہوا ہے وہ مانعین زکوۃ کے اسی قسم کے بارے میں تھا۔

دلائل

دونوں حضرات نے زیر بحث حدیث ''امرت ان اقاتل الناس '' سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حدیث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگ توحید کا اقرار نہیں کریں گے نماز نہیں پڑھیں گے زکوۃ نہیں ادا کریں گے میں ان سے لڑتا رہوں گا لیکن جب یہ کام شروع کردیں گے تو ان سے لڑنا جائز نہیں ہے لہٰذا جب یہ لوگ توحید کا اقرار کر رہے ہیں دین پر بھی چل رہے ہیں صرف زکوۃ میں تاویل کرتے ہیں تو آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں؟

صدیق اکبر نے جواب دیا کہ دیکھو جو لوگ نماز اور زکوۃ میں فرق کریں گے میں ان کے خلاف ضرور لڑوں گا زکوۃ نماز کی طرح فریضہ ہے نماز کے انکار پر تو تم بھی لڑنے کو جائز مانتے ہو لہٰذا زکوۃ کا حکم بھی اسی طرح ہے، نیز حدیث میں ترک قتال کے لئے تین غایات ہیں اقرار ایمان، اقامت صلوۃ، ایتاء زکوۃ، تو یہ لوگ تو عدم ایتاء زکوۃ کی وجہ سے بھی واجب القتال ہیں، نیز اسی حدیث میں الا بحق الاسلام کا لفظ موجود ہے اور زکوۃ بھی حق الاسلام ہے اس کے انکار پر آپ عدم قتال کی بات کیسے کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے صدیق! حالات نازک ہیں آپ نرمی کریں اس پر صدیق نے فرمایا ''اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ '' یعنی وحی آنا بند گئی ہے دین مکمل ہوگیا ہے دین کے احکامات ٹوٹتے رہیں گے اور میں زندہ رہوں گا ایسا نہیں ہوسکتا خدا کی قسم! جو لوگ زکوۃ میں بکری کا چھوٹا بچہ بھی منع کریں گے یا جوری حضور اکرم کو اموال زکوۃ کیساتھ دیتے تھے اس کو بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا جو لوگ نماز اور زکوۃ میں فرق کریں گے میں ان سے لڑوں گا ''اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ ''تم جاہلیت میں بہادر تھے اب اسلام میں بزدل بن رہے ہو۔ اس استدلال اور صدیق کے عزم مصمم کو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ صدیق ظاہراً و باطناً ہر لحاظ سے حق بجانب ہیں اس لئے حضرت عمر نے ان کی رائے کی طرف رجوع کر لی۔

پانچویں قسم کے لوگ

یہ وہ خوش قسمت لوگ تھے جن کے دل ودماغ میں ذرہ برابر وسوسہ نہ آیا اور ان بڑے فتنوں کے سامنے ذرہ برابر ان کے قدم نہیں ڈگمگائے بلکہ جہاد کے لئے کمر باندھ لی اور ایک سال تک مرتدین کے خلاف برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ جزیرۂ عرب میں اسلام اسی نہج پر آگیا جس پر آنحضرت چھوڑ کر گئے تھے ایک سال کی جنگوں میں طرفین کے (۶۰۰۰۰) ساٹھ ہزار آدمی مارے گئے صحابۂ کرام میں سے بارہ سو تو صرف حفاظ قرآن اور بڑے بڑے علماء شہید ہوگئے اس کے علاوہ کتنے شہید ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ ایک کتاب میں نے تالیف کی ہے عمدہ کتاب ہے یہ تمام تفصیلات اس میں بڑے پیمانے پر موجود

ہیں، میں نے یہاں نووی اور فتح الملہم کے مندرجات کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھدیا ہے اور فتنہ ارتداد کتاب کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

جیش اسامہ کے بارے میں اختلاف

حضرت عمر فاروق اور صدیق اکبر کے درمیان ایک اور اختلاف بھی پیدا ہو گیا تھا جو جیش اسامہ کے بھیجنے یا نہ بھیجنے سے متعلق تھا حضرت اسامہؓ کو نبی اکرمؐ نے تین ہزار لشکر دیکر روما سلطنت سے لڑنے کے لئے روانہ کر دیا تھا آنحضرت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے جنگی جھنڈا باندھ کر حضرت اسامہ کے ہاتھوں میں دیا اور پھر بطور وصیت تاکید کے ساتھ فرمایا کہ جیش اسامہ کو ہر حال میں اپنی منزل کی طرف روانہ کر دو، جیش اسامہ ابھی مدینہ کی حدود مقام ''جرف'' میں تھا کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا اب صورت حال یکسر بدل گئی قبائل عرب نے اسلام کے خلاف محاذ قائم کیا قبیلہ غطفان اور فزارہ قبیلہ عبس وذبیان، اسد اور بنو یربوع مدینہ کے امن وحفاظت کے لئے خطرہ بن گئے انہوں نے صدیق سے مذاکرات کیے اور کہا کہ ہم پورے اسلام کو مانتے ہیں لیکن آپ ہم سے زکوۃ معاف کر دیں عام صحابہ اور عمر فاروق کا خیال تھا کہ اس میں مصلحت سے کام لینا چاہئے لیکن صدیق اکبر نے انکار کیا اس پر یہ قبائل مایوس ہو کر واپس گئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملہ ہو سکتا تھا ان حالات کے پیش نظر مقام جرف سے حضرت اسامہ نے صدیقؓ کے نام ایک خط لکھا اور فرمایا کہ اس وقت مناسب ہے کہ ہم مدینہ واپس آجائیں کیونکہ مدینہ منورہ کا دفاع ضروری ہے پھر مناسب وقت پر روما سلطنت سے جنگ کے لئے ہم روانہ ہو جائیں گے یہ خط حضرت عمرؓ لے کر صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اسامہ کی یہ رائے ہے عام صحابہ کی یہی رائے ہے میری بھی یہی رائے ہے اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا حالات جیسے بھی ہوں نتائج کیسے بھی ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترتیب دیا ہوا لشکر ضرور بضرور اپنے مہم پر روانہ ہو گا اس کے جواب میں حضرت عمرؓ کے ساتھ عام صحابہ نے موافقت کی اور فرمایا کہ اے صدیق! حالات انتہائی نازک ہیں آپ لشکر اسامہ کو جانے سے روک دیں اس کے جواب میں صدیق اکبر نے عام مجمع میں اس طرح اعلان فرمایا، خدا کی قسم! جس جھنڈے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسامہ کے لئے باندھا ہے میں اسے ہرگز نہیں کھولوں گا خدا کی قسم! اگر مجھے بھیڑیئے اور کتے کاٹ کرا چک بھی لیں تب بھی میں اسامہ کا لشکر روانہ کروں گا میرے جسم کی بوٹیاں پرندے نوچ کر لے جائیں وہ مجھے پسند ہے لیکن نبی مکرمؐ کے فیصلے میں تغیر برداشت نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر ازواج مطہرات پر بھی کتے اور بھیڑیئے حملہ آور ہو جائیں تب بھی میں جیش اسامہ کو روانہ کروں گا بخدا! اگر کوئی اور نہ ملا تو اس مہم پر میں اکیلے جاؤں گا یہ کہہ کر آپ نے تیاری شروع کر دی۔

اس پر عمر فاروق نے فرمایا کہ اے صدیق! اگر آپ لشکر اسامہ کو بھیجنا ہی چاہتے ہو تو پھر اس کے امیر اسامہ کو تبدیل کریں وہ عمر کے لحاظ سے کمسن ہے اور جنگ کا تجربہ بھی نہیں ہے کسی آزمودہ کار شخص کو امیر لشکر بنائیں یہ انصار کا بھی مطالبہ ہے۔

یہ سن کر صدیق اکبر نہایت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر کو کیسے بدل دوں تم کیا بات کرتے ہو یہ کہہ کر صدیق اکبر نے عمر فاروق کی داڑھی پکڑ کر جھٹکا دیا اور فرمایا ''اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ '' تم تو جاہلیت میں بڑے بہادر تھے اب اسلام میں بزدل بن رہے ہو؟۔ بہر حال صدیق اکبر کے استقلال کے سامنے صحابہ خاموش ہوگئے اور جیش اسامہ اسی حیثیت سے روانہ ہوا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ جو قبائل تردد میں تھے کہ اب اسلام ختم ہوجائیگا اور مسلمانوں کی قوت ٹوٹ جائے گی ان کو یقین ہوگیا کہ مسلمان تو پہلے سے زیادہ مضبوط ہیں یہ تو روما سلطنت سے لڑنے جارہے ہیں ابھی صبر کرو اور بغاوت نہ کرو اس کے بعد صدیق اکبر نے مرتدین کے خلاف صحابہ کرام کے اتفاق کے ساتھ جنگ شروع کی ایک سال تک مرتدین کے خلاف جنگ لڑی گئی تب جا کر اسلام اپنے اصل نہج پر آگیا۔ الحمدلله حمداً کثیراً

سوال

اس مقام پر شیعہ روافض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر نے مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کی اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنائیں یہ ناجائز تھا۔

جواب

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم شیعہ کو کہتے ہیں کہ تم تو تمام صحابہ کو مرتد سمجھتے ہو ابوبکر وعمر کو کافر سمجھتے ہو جب ایک شخص مسلمان ہی نہیں ہے تو تم ان کو کسی گناہ کا الزام کیسے دیتے ہو؟ کیا غیر مسلم کے لئے ارتکاب کبیرہ اتنا بڑا جرم ہے جس کی وجہ سے ان پر الزام لگانا اور اعتراض کرنا ضروری ہوگیا معلوم ہوا تمہارا اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں صرف اعتراض کرنا مقصود ہے شرم کرو اور ایک چلو پانی میں ڈوب مرو۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ان جنگوں میں تو حضرت علی نے بھی حصہ لیا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے نیز یہ بھی یاد رکھو کہ اسی جنگ میں حضرت علی نے بنوحنفیہ کی ایک عورت کو گرفتار کیا اور پھر آپ نے اس سے نکاح کرلیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد بن الحنفیہ تھا تو تمہارا اپنے اس دادا کے بارے میں کیا خیال ہے اور اپنے خدا حضرت علی کے بارے میں کیا خیال ہے سچ ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد　　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کو نیک لوگوں کے طعن کی طرف متوجہ کردیتا ہے۔

''عِـقَـالًا'' عقال عقل سے ہے اور عقل روکنے کے معنی میں ہے یہاں اس رسی کو عقال کہا گیا ہے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوۃ دینے والے لوگ وہ رسی بھی دیتے تھے جس سے اونٹ وغیرہ جانور باندھے

جا سکتے تھے بخاری کی روایت میں عناقا کا لفظ بھی آیا ہے عناق بکری کے بچے کو کہتے ہیں، بعض علماء کا خیال ہے کہ عقال کا لفظ وہم ہے اصل لفظ عناق ہے امام بخاریؒ نے بھی ابواب الاعتصام میں ترجیح عناق کو دی ہے اور مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر نے مبالغۃً فرمایا کہ اگر فرض کرلو بکری کا بچہ بھی نبی اکرم کو دیا گیا ہے اور اب مجھ سے روکا جارہا ہے تو اس معمولی چیز پر بھی لڑوں گا۔ امام بخاری کے علاوہ علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ صدیق نے دونوں لفظ استعمال فرمائے ہوں کبھی عناق کا لفظ بولا ہو اور کبھی عقال کا لفظ استعمال فرمایا ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''امرت'' یہ مجہول کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ اس کا فاعل متعین تھا کہ ''اللہ'' ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دینے والا اللہ ہی ہوتا ہے جس طرح صحابہ کہتے ہیں ''امرنا'' تو وہاں فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعین ہوتے ہیں تو ''امرت'' کا مطلب یہ ہوا ''امرنی اللہ بان اقاتل الناس''۔

سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ اسلام میں جزیہ کا حکم بھی ہے جس سے کافر ذمی بن کر زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح معاہد بھی بغیر قتال کے رہ سکتا ہے، کفار سے صلح بھی جائز ہے حالانکہ اس حدیث میں مطلق لڑنے کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر سے لڑے بغیر کوئی اور صورت نہیں۔ اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

ا۔ پہلا جواب

یہ دیا گیا ہے کہ ''الناس'' میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور اس سے جزیرۂ عرب کے مشرکین مراد ہیں جن کے لئے ''اما السیف او الاسلام'' کا حکم ہے اس کی تائید نسائی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''امرت ان اقاتل المشرکین''۔

۲۔ دوسرا جواب

اس سے ملتا جلتا ہے کہ ''الناس'' سے مراد اہل عرب ہیں ذمی اور معاہد خود نکل گئے کیونکہ یہ عام حکم ہے اور ہر عام مخصوص البعض ہوتا ہے تو لڑنے والوں سے لڑیں گے، ذمی اور معاہد ان سے مستثنیٰ ہیں کذا قال الطیبی۔

۳۔ تیسرا جواب

اس حدیث کی غایت میں تاویل کرنے سے دیا گیا ہے یعنی ''حتی یتسلموا او یستسلموا'' کہ یا اسلام حقیقۃً لے آئیں یا اسلام کے سامنے جھک جائیں اور استسلام کی صورت میں ذمی اور معاہد داخل ہیں کیونکہ اب اس نے اطاعت کی ہے یعنی جہاد سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں اسلام یا استسلام، کافر کفر پر رہتے ہوئے جب اسلامی حکومت قبول کرتا ہے تو اعلاء کلمۃ اللہ متحقق ہوگیا۔

سوال

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں شہادتین کا ذکر موجود ہے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بھی ہے لیکن یہاں نہ صوم کا ذکر ہے نہ حج کا یہ کیوں؟

جواب

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اختصار من الراوی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اب تک روزہ اور حج کا حکم نہیں آیا تھا۔ نیز یہ دعوت اسلام ہے جو ان تین ارکان میں منحصر ہے پہلے تفصیل گذر گئی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ارکان کو بیان کرنا نہیں تھا بلکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اور نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کرے یہ ان کے مسلمان ہونے کی علامت ہے اب ان سے تعرض کرنا جائز نہیں ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں شہادتین کے اقرار کا ذکر ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''جميع ماجاء به النبي صلى الله عليه وسلم'' کا اقرار کرتا ہے اس میں ساری شریعت آ گئی۔

تارک صلوۃ کا حکم

اس حدیث میں چونکہ حفظ کے لئے کلمہ شہادت کے بعد نماز کا ذکر آیا ہے اس لئے شارحین نے تارک صلوۃ کے حکم سے متعلق ایک بحث چھیڑ دی ہے، اس کو آپ اس طرح سمجھ لیں کہ تارک صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ لوگ ہیں جو نماز چھوڑنے کو حلال سمجھتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے قریب نہیں جاتے، یہ لوگ اتفاقاً کافر مرتد اور واجب القتل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے مگر اس کی فرضیت کو مانتے ہیں چھوڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اس قسم کے لوگوں میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نصوص قرآنی اور تصریحات حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ قصداً متعمداً تارک صلوٰۃ نے کفر کا ارتکاب کیا اس لئے احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق راہویہ کا مسلک ہے کہ بلا عذر عمداً فرض نماز چھوڑنے والا کافر ہے، اس کو قتل کیا جائے گا اور یہ قتل مرتد کا قتل ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں مگر اس جرم کی سزا قتل ہے اور یہ قتل مرتد کا نہیں بلکہ فاسق فاجر کا قتل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے گا، بابا سعدیؒ کہتے ہیں کہ تارک صلوۃ کو قرض نہ دو جو شخص خدا کا قرض ادا نہیں کرتا وہ تیرا قرض کیا ادا کرے گا۔

بہر حال اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ انجام کے اعتبار سے تارک صلوٰۃ کے بارے میں امت کے فقہاء نے مارنے کا حکم دیا ہے خواہ فوراً ہو یا جیل کی صورت میں تاخیر سے ہو، خواہ کفراً ہو، خواہ سزاً ہو، اس سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جن حضرات نے تارک صلوٰۃ کو کافر مرتد قرار دیا ہے ان کے دلائل وہ آیات واحادیث ہیں جن میں تارک صلوٰۃ کی طرف کفر کی نسبت کی گئی ہے اور وہ بہت سی احادیث ہیں، مگر جو حضرات تارک صلوٰۃ کے کافر ہو جانے کے قائل نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں

اس طرح تاویل کی جائے گی کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا اس سے لڑا جائے مارا نہ جائے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مرتد ہو گیا اس کو قتل کر دو کیونکہ مرتکب کبیرہ کے بارے میں امت کا فیصلہ ہے کہ وہ خارج اسلام نہیں تو پھر تارک صلوٰۃ کو مرتد کیسے کہیں گے پھر ان احادیث کو تشدید تغلیظ اور تھدید پر حمل کریں گے کیونکہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ کبھی امت میں تارک صلوٰۃ کو قتل نہیں کیا گیا۔

''الا بحق الاسلام'' یعنی اس شخص کا خون قصاص حدود وارتداد میں محفوظ نہیں ہوگا بلکہ قصاصاً قتل ہوگا۔ نیز اگر شادی شدہ ہے مسلمان ہے اور زنا کیا تو رجم کیا جائے گا یا مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تو قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اسلام ہی کا حق ہے، اسلام نے کہا ہے کہ ایسا کرو اور وہ صرف تین کام ہیں۔ جس میں نماز شامل نہیں۔

''وحسابهم علی الله'' یعنی ظاہراً بچ گیا باطناً معاملہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ہم باطن کے فیصلوں کے مکلف نہیں ہیں۔

مطلب حدیث

اس حدیث مبارک کا حاصل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں سے قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ لوگ تین کام نہ کرلیں (۱) شہادتین کا اقرار (۲) اقامتِ صلوٰۃ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا، جو لوگ یہ تین کام کرلیں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے تو ان کی جان و مال محفوظ ہو جائے گی اب ہمارے لئے ان کے مال وجان سے تعرض کرنا جائز نہیں ہوگا البتہ مسلمان ہو جانے کے بعد اگر کسی موقع پر اسلام ہی کا تقاضا ہو تو وہ مارے جانے سے معصوم نہ رہے گا ظاہر حکم لگے گا باطن کا معاملہ اللہ سپرد ہے۔

ترتیب احکام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے توحید وتبلیغ کا کام شروع ہوا، تلاوت قرآن کا دور شروع ہوا ابھی تک عام فرائض واحکام نہیں آئے تھے پھر نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی پھر ہجرت ہوئی پھر زکوٰۃ فرض ہوئی، پھر روزوں کا حکم مدینہ میں ۲ھ سے پہلے آیا، پھر چھ یا سات یا نو ہجری کو حج فرض ہوا، پھر دوسرے احکام آئے ہجرت کے متصل مدینہ منورہ میں جہاد کی مشروعیت کا حکم آیا، دفاع کی اجازت کے بعد اقدام کا حکم آیا مسجد الحرام کے قریب نہ لڑنے کے بعد وہاں بھی لڑنے کا حکم آ گیا، اشہر حرم میں جنگ پر پابندی کو بھی اٹھا لیا گیا اور آخرت میں تا قیام قیامت مطلق جہاد کا حکم آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عالمی اعلان فرمایا ''امرت ان اقاتل الناس الخ'' اب یہی حکم باقی ہے اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ تفصیلات کے لئے مسلم جلد ثانی کتاب الجہاد کا انتظار کیجئے۔ اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے۔

عجیب مناظرہ

تارک صلوٰۃ کی تکفیر وعدم تکفیر میں امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی ایک دلچسپ بحث ہوئی وہ اس طرح کہ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ

سے تارک صلوٰۃ کے بارے میں جب پوچھا تو امام احمدؒ نے فرمایا کافر ہے امام شافعیؒ نے سوال کیا کہ پھر وہ کس طرح مسلمان ہوگا آپ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلمہ تو وہ پہلے سے پڑھتا ہے نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہے تو بغیر ایمان کے نماز کیسے پڑھ لے؟ اس پر امام احمدؒ خاموش ہوگئے۔

۱۲۵۔ **وَحَدَّثَنِي** أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ أَحْمَدُ حَدَّثَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان محفوظ کرالیا سوائے کسی حق کے بدلہ میں اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۲۶۔ **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنِ الْعَلَاءِ ح: وَحَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائیں۔ جو وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور اموال کو بچالیا۔ مگر کسی حق کے بدلہ میں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۲۷۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ وَعَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے۔

۱۲۸۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ

مَهْدِيٍّ قَالَ جَمِيعًا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾۔ (الغاشیۃ:۲۱،۲۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں جب انہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرا لئے مگر کسی حق کے بدلہ میں اور انکا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ پڑھی۔

۱۲۹۔**حَدَّثَنَا** أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ! حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، جب وہ یہ سب کرلیں تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال بچا لئے مگر کسی حق کے بدلہ میں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۳۰۔ **وَحَدَّثَنَا** سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِيَانِ الْفَزَارِيَّ عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ۔

حضرت ابو مالکؒ اپنے والد (طارق بن اشیم الاشجعی) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبودان باطلہ کی تکفیر کی اس کا مال اور خون حرام ہوگیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۳۱۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح: وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ ابْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَحَّدَ اللّٰهَ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهِ۔

مذکورہ سند سے یزید بن ہارون ابی مالک بواسطۂ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا آگے بعینہ سابقہ فرمان نقل فرماتے ہیں۔

باب صحة اسلام من لم يغرغر وقصة موت ابى طالب

حالت نزع سے پہلے اسلام مقبول ہے ابو طالب کی موت کا قصہ

اس عنوان کے تحت امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۳۲۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التَّجِيبِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتّٰى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبٰى أَنْ يَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة:۱۱۳) وَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾۔ (القصص:۵٦)

حضرت سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کا مرض الموت شروع ہوا تو ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو طالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کو بیٹھا ہوا پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا: اے چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے۔ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے لئے گواہی دوں گا یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ دونوں کہنے لگے کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کلمہ لا الہ الا اللہ ابو طالب کے سامنے پیش کرتے رہے اور وہی بات کہتے رہے کہ میں اللہ کے یہاں آپ کی گواہی دوں گا یہاں تک کہ ابو طالب نے جو آخری بات ان سے کہی یہ تھی کہ عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کردیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ضرور بالضرور آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ما كان للنبى و الذين امنو......الخ﴾، پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ ان پر ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ

دوزخی ہیں۔اور ابو طالب کے بارے میں یہ آیت اللہ عز وجل نے نازل فرمائی: ﴿انک لاتھدی من احببت﴾ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

تشریح

''لماحضرت اباطالب الوفاۃ'' حَضَرَت قربت کے معنی میں ہے یعنی وفات کا وقت قریب ہو گیا اس سے حالت نزع اور حالت غرغرہ مراد نہیں ہے کیونکہ اس وقت نہ کسی کے ایمان لانے کا اعتبار ہے اور نہ دعوت دینے کا کوئی فائدہ ہے جب تک عالم غیب کا پردہ پڑا رہتا ہے تو آدمی دنیا میں شمار ہوتا ہے تو ایمان کا اعتبار ہوتا ہے اور جب عالم غیب کا پردہ ہٹ گیا اور عالم غیب کی کسی چیز کا مشاہدہ ہو گیا پھر کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو حضور وفات کا مطلب یہ ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کے دلائل اور علامات ظاہر ہونے لگے۔

ابو طالب کا نام عبد مناف تھا طالب ان کا بیٹا تھا اس کے نام سے کنیت ہے دوسرا بیٹا علی تیسرا جعفر چوتھا عقیل تھا طالب کفر پر مرا ہے باقی تین مسلمان ہو گئے ابو طالب ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے انتقال کر گئے ہیں جبکہ نبی مکرم کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی ابو طالب کی وفات سے تین دن بعد خدیجہ کبریٰ کا انتقال ہوا دونوں مکہ کے قبرستان المعلاۃ کے بالائی حصہ میں مدفون ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا۔ابو طالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت اور حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی خواجہ عبد المطلب نے ان کو خاص تاکید کی تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پال لیں کہ ان کو اپنے باپ کی وفات کا کبھی احساس نہ ہو، واقعی ابو طالب نے اس وصیت کا حق ادا کیا تین سال تک شعب ابی طالب میں موت و زیست کی زندگی جیل میں حضور اکرمؐ کے ساتھ کاٹی اور ہر موقع میں کفار سے آپ کا دفاع کیا ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ایمان نہ لانا ایک تکوینی امر تھا ورنہ اگر ابو طالب کھل کر مسلمان ہو جاتے تو وہ کفار سے حضور اکرمؐ کے دفاع کے اس طرح پوزیشن میں نہ رہتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا اس وقت آپ کے نو چچاؤں میں سے صرف چار زندہ تھے ان میں تین سگے چچا تھے یعنی عباس، حمزہ اور ابو طالب اور ایک سوتیلا چچا تھا جس کا نام ابولہب تھا ابولہب تو مسلمان بھی نہیں ہوا اور آنحضرت کو مکہ میں سب سے زیادہ اس نے ستایا ابو طالب بھی مسلمان نہیں ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ حمایت اور خدمت کی ابو طالب نے اسلام کو بھی خوب پہچانا تھا اور نبی مکرم کو بھی خوب جانتا تھا کہ سب کچھ حق ہیں چنانچہ وہ اسلام کے بارے میں کھل کر کہتا ہے۔

وعرفت دینك لا محالة انه	من خیر ادیان البریة دینا
لولا الملامة او حذار مسبة	لوجدتنی سمحا بذاك مبینا
ودعوتنی وزعمت انك صادق	وصدقت فیه وکنت ثم امینا
واللہ لن یصلوا الیك بجمعهم	حتی اوسد فی التراب دفینا

ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اور بنوہاشم کی حمایت میں ایک مشہور قصیدہ پڑھا ہے جو۹۲،اشعار پرمبنی ہے ۔ اورالبدایہ والنہایہ نے اس کونقل کیا ہے میں نے اس کے چند اشعار کتاب الایمان کی ابتدائی مباحث میں نقل کیا ہے وہاں دیکھنا چاہئیے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔بطور لطف چند اشعار یہاں بھی لکھدیتا ہوں ابوطالب نبی مکرمؐ کی مدح میں کہتے ہیں۔

حلیم رشید عادل غیر طائش ۔۔۔ یوالی الھاًلس عنه بغافل

کریم المساعی ماجدو ابن ماجد ۔۔۔ له ارث مجد ثابت غیرناصل

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ۔۔۔ ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

کذبتم وبیت الله نبذی محمدا ۔۔۔ و لما نطاعن دونه و نناضل

و نسلمه حتی نصرع حوله ۔۔۔ و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

''قوله جائه رسول الله صلی الله علیه و سلم ''ابوطالب کی بیماری نے جب شدت اختیار کی تو قریش کے بڑے بڑے سردار آخری دیدار اور عیادت کی غرض سے ان کے گھر آئے ابوجہل بدبخت بھی تھا جس کی کوشش یہ تھی کہ ابوطالب کہیں آخر وقت میں اپنے بھتیجے کے دین کو قبول نہ کرلے چنانچہ کمرہ ان سرداروں سے بھر گیا دانستہ طور پر ابوجہل نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں آگے جگہ نہ دی بلکہ دروازہ کے پاس جگہ دی تاکہ چچا اور بھتیجے کے قریب ہونے سے شفقت بھڑک کر ابوطالب مسلمان نہ ہوجائے آنحضرتؐ نے ابوطالب سے فرمایا کہ چچا جان میرے کان میں چپکے سے کلمہ پڑھ لو میں قیامت میں گواہی دوں گا کہ ابوطالب ایمان پر مرا ہے بعض روایات میں ہے کہ ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ابوجہل نے عار دلائی کہ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور بھتیجے کی اطاعت کر رہے ہو آگ اور موت سے ڈر رہے ہو یہ کیا کر رہے ہو؟ چنانچہ ابوطالب نے رجوع کرلیا اور آخری کلمہ یہ کہا''علی ملة عبدالمطلب ''یعنی اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر مر رہا ہوں،قرآن وحدیث کی عام تصریحات اور اسلام کا عام ضابطہ یہی ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا ہے۔عام شیعہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب اعلیٰ درجہ کا مؤمن ہوکر مرا ہے شیعہ نے کچھ غیر ثابت شدہ روایات یا کچھ اشارات سے استدلال بھی کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کا یہاں دلائل سے کچھ سروکار نہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوطالب مولیٰ علی کا باپ ہے تو مولیٰ علی کا باپ کیسے کافر ہوسکتا ہے حالانکہ ان مسکینوں کو یہ پتہ نہیں کہ بڑے بڑے انبیاء کے باپ دادا یا اولاد غیر مسلم گذرے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اور تقدیر کا معاملہ ہے کہ﴿یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی﴾شیعہ عام طور پر ابوطالب کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں شیعہ کی بدبختی کو دیکھو کہ جو صحابہ کرام قطعی طور پر مؤمن اور جنتی ہیں ان کو تو مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسے صدیق وعمر وعثمان وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں اور ابوطالب کو مسلمان بلکہ ابوطالب علیہ السلام کہتے ہیں بغض وحسد کا ناس ہو ۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

راضی آنکھیں ہر عیب دیکھنے سے اندھی ہوتی ہیں لیکن ناراض آنکھیں برائیاں ہی دکھاتی ہیں۔

''ام واللہ ''حرف ''ما ''ہمزہ استفہام یا حروف جارہ کے داخل ہونے سے ایسے مقامات میں تخفیف کی غرض سے الف گرادیا جاتا ہے اگر چہ باقی رکھنا بھی جائز ہے اس جیسے کلام میں تاکید کی طرف اشارہ ہے اصل کلام اس طرح ہے ''اما واللہ لافعلن ''''ای حقا واللہ لاستغفرن''۔

''فانزل اللہ ''یعنی ایک آیت میں تو عام مسلمانوں کو اور آنحضرت کو عام مشرکین کے استغفار سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور ایک آیت میں ابوطالب کے لئے استغفار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور فرمایا ﴿انک لاتھدی من احببت﴾ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر کتنا بوجھ ہوگا کہ زندگی بھر کے محسن ابوطالب آگ کی طرف جارہا ہے اس عظیم غم میں اگر یہ مسلمان ہوجاتے تو کتنی بڑی خوشی ہوتی حضرت عمر فاروق فرماتے تھے کہ اگر میرا باپ خطاب مسلمان ہوتا مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنا کہ ابوطالب کے ایمان سے خوشی ہوتی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں ابوطالب کی ہدایت کے لئے کتنا بڑا جذبہ ہوگا اسی غم کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿انک لاتھدی من احببت﴾۔ (سورت قصص:۵۶)

اب یہاں سوال یہ ہے کہ نبی اور رسول کا کام تو ہدایت دینا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ہدایت کے علمبردار تھے یہاں ہدایت کی نفی کیسی کی گئی ہے کیا یہ منصب رسالت کے منافی نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت دو قسم پر ہے ایک ھدایت بمعنی اراءۃ الطریق ہے اور دوسرا ایصال الی المطلوب ہے انبیاء کرام کا کام اور منصب اراءۃ الطریق ہے ایصال الی المطلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو یہاں اس دوسری قسم کی نفی کی گئی ہے اراءۃ الطریق کی نفی نہیں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر روح المعانی ج ۸ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''ھدایۃ موصلۃ الی البغیۃ لامحالۃ ''یعنی آپ ایسی ہدایت نہیں کر سکتے ہیں کہ وہ لامحالہ مقصود تک پہنچا دے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے کئی جگہ ﴿انک لاتھدی﴾ کو ''لاتقدر'' کے معنی میں لیا ہے یعنی آپ کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ ابوطالب کو اسلام میں داخل کردے اگرچہ وہ آپ کو محبوب ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے ابوطالب کے اسلام کو مختلف فیہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں ''ومسئلۃ اسلامہ خلافیۃ ''یعنی ابوطالب کے اسلام لانے نہ لانے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ان کے کفر کو اجماعی قرار دیا ہے انہوں نے شیعہ کی روایات کا اعتبار نہیں کیا اور ابوطالب کے قصائد پر بھی اعتماد نہیں کیا، علامہ مزید فرماتے ہیں:

''ثم ان القول بعدم اسلامہ لاینبغی سبہ والتکلم فیہ بفضول الکلام''۔ (روح المعانی ج۸)

یعنی فرض کرلو کہ ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے پھر بھی ان کو برا کہنا اور ان کی برائی میں فضول باتیں کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ جائے کیونکہ آنحضرت کو اپنے چچا سے محبت تھی اور احتیاط کا تقاضا

بھی یہی ہے کیونکہ

ع ''ولَاجلِ عَينٍ اَلفُ عَينٍ تُكرَمُ''۔(روح المعانی ج۸) یعنی ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا اکرام کیا جاتا ہے۔

بہرحال علماء لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں خاموش رہنا چاہیئے اور ابو طالب کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔

۱۳۳۔**وحَدَّثَنَا** إِسحَاقُ بنُ إِبرَاهِيمَ وَعَبدُ بنُ حُمَيدٍ قَالَ أَخبَرَنَا عَبدُالرَّزَّاقِ أَخبَرَنَا مَعمَرٌ ح: وَحَدَّثَنَا الحَسَنُ الحُلوَانِيُّ وَعَبدُ بنُ حُمَيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعقُوبُ وَهُوَ ابنُ إِبرَاهِيمَ بنِ سَعدٍ قَالَ أَخبَرَنَا أَبِي صَالِحٍ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهرِيِّ بِهَذَا الإِسنَادِ مِثلَهُ ۔ غَيرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انتَهَى عِندَ قَولِهِ فَأَنزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهِ وَلَم يَذكُرِ الآيَتَينِ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ وَيَعُودَانِ بِتِلكَ المَقَالَةِ وَفِي حَدِيثِ مَعمَرٍ مَكَانَ هَذِهِ المَقَالَةِ الكَلِمَةُ فَلَم يَزَالَا بِهِ ۔

مذکورہ سند سے زہری رحمہ اللہ کی یہی سابقہ روایت منقول ہے مگر اس روایت میں دونوں آیتوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

۱۳۴۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بنُ عَبَّادٍ وَابنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَروَانُ عَن يَزِيدَ وَهُوَ ابنُ كَيسَانَ عَن أَبِي حَازِمٍ عَن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ عِندَ المَوتِ قُل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشهَدُ لَكَ بِهَا يَومَ القِيَامَةِ فَأَبَى قَالَ فَأَنزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّكَ لَا تَهدِي مَن أَحبَبتَ﴾ الآيَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے ان کی موت کے وقت فرمایا: لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے قیامت کے روز میں آپ کے لئے گواہی دوں گا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿انک لاتھدی من احببت﴾۔

۱۳۵۔**حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بنُ حَاتِمِ بنِ مَيمُونٍ حَدَّثَنَا يَحيَى بنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بنُ كَيسَانَ عَن أَبِي حَازِمٍ الأَشجَعِيِّ عَن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ قُل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشهَدُ لَكَ بِهَا يَومَ القِيَامَةِ قَالَ لَولَا أَن تُعَيِّرَنِي قُرَيشٌ يَقُولُونَ إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الجَزَعُ لَأَقرَرتُ بِهَا عَينَكَ فَأَنزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّكَ لَا تَهدِي مَن أَحبَبتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعلَمُ بِالمُهتَدِينَ﴾۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا: لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے قیامت کے روز اس لا الہ کے کہنے کی گواہی دوں گا آپ کے لئے۔ انہوں نے کہا: اگر مجھے قریش عیب نہ دیتے کہ ابو طالب گھبراہٹ ڈر سے یہ کلمہ کہہ گیا تو میں تمہاری آنکھیں یہ کہہ کر ٹھنڈی کر دیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿انک لاتھدی من احببت﴾۔

تشریح

''لولاان تعیرنی قریش '' یہ لفظ عار سے بنا ہے مقصد یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد قریش اپنی مجالس میں مجھے طعنے دیں گے اور میرے آباواجداد کو برے الفاظ سے یاد کریں گے اگر یہ نہ ہوتا تو میں ایمان لاتا چنانچہ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں کہا ہے ۔

فواللہ لولاان اجیء بسبہ تجرعلی اشیاخنا فی المحافل

لکناتبعناہ علی کل حالۃ من الدھر جداً غیرقول التھازل

گویا ابوطالب سمجھتے بوجھتے یوں کہہ رہے ہیں ''اختار النارعلی العار'' کہ میں عار پر نار کو ترجیح دیتا ہوں۔

''الجزع'' یہ گھبراہٹ کے معنی میں ہے کہ لوگ عار دیں گے کہ ابوطالب موت سے یا آگ سے ڈر گیا ایک نسخہ میں ''الخرع'' کا لفظ آیا وہ دھشت اور ضعف کے معنی میں ہے۔ عجیب لوگ تھے جانتے ہوئے کہ تباہی ہے اور چھلانگ لگا رہے ہیں حالانکہ تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ موت اور آگ ایسی چیزیں ہیں کہ جس سے ڈرنا چاہئے ''ایاك و العار'' اگر عربی جملہ ہے تو ''ایاك و النار'' بھی تو ہے۔ ''لاقرت'' معلوم ہوا کہ ابوطالب کو بھی خوب معلوم تھا کہ ان کے ایمان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے خوش ہونگے لیکن تقدیر آڑے آگئی۔ بہرحال جس کسی کو بڑی خوشی حاصل ہوجاتی ہے تو جسم کے تمام مشاعر و اعضا فرحت محسوس کرتے ہیں تو آنکھیں بھی خوش ہوکر ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں اسی کا تذکرہ ابوطالب نے کیا ہے کہ ایمان لاکر میں آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔

باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً

جو شخص عقیدہ توحید پر مرا وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگیا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں پندرہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۳٦ ـ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ كِلَاهُمَا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ حُمْرَانَ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَيَعْلَمُ أَنَّهُ لَاإِلٰهَ إِلَااللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ـ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

تشریح

ابوبکر بن ابی شیبہ امام مسلم کے استاذ ہیں جو مشہور امام ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ کے مؤلف ہیں ''اسماعیل بن علیہ'' اسماعیل اپنے باپ ابراہیم اور اپنی ماں علیہ دونوں کی طرف منسوب ہیں امام مسلم کی احتیاط کو دیکھیں کہ ایک استاذ نے ابن علیہ کہا دوسرے نے

ابن براہیم تو امام مسلم نے فرق کو واضح کیا کہ فلاں استاد نے ابن ابراہیم کہا اور فلاں نے ابن علیہ کہا۔ شیخ اسماعیل اپنی والدہ علیہ کی طرف نسبت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ''خالد'' ان کے والد کا نام مھران ہے ان کی کنیت ابوالمنازل ہے ان کے نام کے ساتھ الحذاء کا لفظ بعد والی روایت میں لگا ہوا ہے خیال جاتا ہے کہ شاید یہ جوتوں کا کام کرتے تھے مگر ایسا نہیں بلکہ یہ کسی موچی کے پاس بیٹھتے تھے تو حذاء سے مشہور ہو گئے۔ تابعین میں سے ہیں ''حمران'' حا پر ضمہ ہے یہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں اس وقت کے غلام بھی محدث تھے ان کے والد کا نام ابان ہے یعنی حمران بن ابان یہ حضرت عثمان سے روایات لیتے ہیں۔

''دخل الجنة'' اس باب کی تمام احادیث میں ایک ہی مضمون ہے وہ یہ ہے کہ جس نے صدق دل سے کلمۂ شہادت اور توحید کا اقرار کیا وہ قطعی طور پر جنتی ہے یعنی یوں سمجھو کہ وہ جنت میں داخل ہو گیا یہاں ماضی کا صیغہ اسی یقین کو پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے ان احادیث میں جس انداز سے بھی بیان آیا ہے آخر نتیجہ اسی ایک بات پر جا کر نکلتا ہے کہ توحید کے عقیدے پر جس کی موت آگئی وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کیا ہے بعض میں یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت کے دخول سے روکا نہیں جا سکتا بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے وہ چاہیگا داخل کریگا۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دیگا بعض روایات میں ہے کہ ایسے شخص کو جنت کی بشارت دیدو۔ بعض روایات میں ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نہیں کھا سکتی۔

اب ان روایات سے چند مباحث پیدا ہوتے ہیں انہیں مباحث پر کچھ کلام ملاحظہ فرمائیں مگر سب سے پہلے توحید سے متعلق کلام کرنے کی ضرورت ہے۔

توحید کی تعریف

علامہ میر سید سند شریفؒ جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ اپنی کتاب التعریفات مطبع قدیمی کتب خانہ کے ص۵۱ پر توحید کی لغوی و اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

التوحيد فى اللغة الحكم بان الشىء واحد وفى اصطلاح اهل الحقيقة تجريدالذات الالٰهية عن كل مايتصور فى الافهام ويتخيل فى الاوهام والاذهان وهوثلاثة اشياء معرفة الله تعالىٰ بالربوبية والاقرار بالوحدانية ونفى الانداد عنه جملة ـ (التعريفات ص ٥١)

ترجمہ: توحید لغت میں کسی چیز پر واحد ہونے کا حکم لگانے کو کہتے ہیں اور محققین کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو ہر اس چیز سے پاک ماناجائے جو کسی انسان کے وھم و فھم اور ذہن و گمان کے احاطۂ تصور میں آجائے توحید کی یہ حقیقت تین اشیاء پر مشتمل ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کو رب ہونے کی حیثیت سے پہچاننا (۲) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا (۳) تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرنا۔

جیسے شاعر نے کہا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

علامہ اُبّیؒ مالکیؒ نے اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے ''کُلُّ مَاخَطَرَبِبَالِكَ فَاللّٰهُ مُخَالِفٌ لِذٰلِكَ''
یعنی جو کچھ تمہارے دل کے احاطے میں آ گیا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ ہے۔

باب سعدیؒ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بہت اچھے انداز سے اس طرح بیان کیا ہے ۔

اے بر تر از قیاس و گمان وھم و ز ہر چہ گفتہ اند و شنیدم و خواندیم

اے وہ ذات جو قیاس اور وہم و گمان سے بالاتر ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے یا میں نے سنا یا پڑھا ہے اس سے بالاتر ہے۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ماہچناں در اول وصف تو ماندیم

لکھنے کے رجسٹر ختم ہو گئے عمر انتہاء کو پہنچ گئی لیکن ہم اب تک تیری پہلی صفت تخلیق میں عاجز پڑے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ البالغہ میں توحید پر عمدہ کلام کیا ہے کچھ حصہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ ''جتنی نیکیاں اور عبادات ہیں اس کی جڑ اور بنیاد توحید ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا وصف توحید پر منحصر ہے توحید کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی عظمت پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو تمام عبادات کے لئے بمنزلہ دل قرار دیا ہے کہ اگر توحید صحیح ہے اور درست ہے تمام عبادات درست ہیں اور اگر توحید فاسد ہے تو تمام نیکیاں اور اعمال فاسد ہیں۔

شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا دوسرا کسی کو واجب الوجود تسلیم نہ کرنا۔

۲۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک تسلیم کرنا۔

توحید کے یہ دونوں مرحلے تمام انسان مانتے ہیں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب نے ان دونوں مرحلوں میں خلاف نہیں کیا۔

۳۔ زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ ہیں اس کا مدبر اور چلانے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ کو سمجھنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

یہ دونوں صفات ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں اور انسانوں نے انہی دو صفات میں اختلاف کیا ہے توحید کے خلاف یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے سارے فرقے انہی دو صفات کے مخالف ہیں۔'' (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۰)

باب سعدیؒ نے توحید اور موحد کی اس طرح تعریف کی ہے۔

موحد کہ ریزے بزیرے زرش و گر آراہ می نہی برسرش

یعنی موحد کے پاؤں کے نیچے لالچ کے لئے سونے کا ڈھیر بنا دو یا اس کے سر پر قتل کے لئے آرا رکھدو۔

امید و ہراسش نہ باشد زکس برین است بنیاد توحید و بس

یعنی اس کو کسی سے سونے کی لالچ نہیں ہوگی اور نہ قتل کا ڈر ہوگا بس اسی پر توحید کی بنیاد ہے اور بس۔

سلطان باھو رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

یقین دانم درین عالم کہ لا معبود الا ھو ولا موجود فی الکونین و لا مقصود الا ھو

چوں تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری مجو از غیر حق یاری لا فتاح الا ھو

''وھو یعلم''علم سے علم یقینی اور عقد جازم مراد ہے صرف قلبی معرفت کافی نہیں ہے اور عقد جازم انقیاد ظاہری اور تسلیم باطنی کو مستلزم ہے لہٰذا عقد جازم کا عقیدہ رکھنے کے بعد اگر کسی شخص کو زبانی اقرار کا وقت نہیں ملا یا وقت ملا مگر فوراً زبان سے اقرار نہ کیا یا زبانی اقرار کا اسکو علم نہیں تھا یا زبانی اقرار پر قادر نہیں تھا یا کسی نے ان سے زبانی اقرار کا مطالبہ نہیں کیا اور یہ شخص پہلے مرگیا تو ان تمام صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس نے اقرار نہیں کیا یہی عقد جازم ایمان کے لئے کافی ہے یہ شخص جنتی ہے یعلم کا یہی مفہوم ہے۔ (مرقات)

اس حدیث میں مرجئہ کا شدید رد ہے۔ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا جملہ مستلزم ہے اگر کہیں مذکور ہو تو بہت اچھا ورنہ لا الہ الا اللہ شہادتین کے لئے بطور عنوان ہے محمد رسول اللہ اس کے ساتھ لازم ہے۔

''دخل الجنۃ''دخول اولی ہو یا دخول ثانوی ہو پوری تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

''مات''اس جملہ کی کچھ تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ فرض کرلو جس شخص نے بے تحاشا گناہ کیے پھر معصیت کے اس مرتکب شخص نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو اب اس کی کیا حیثیت ہے قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے مرجئہ کہتے ہیں''لا تضر المعصیۃ مع الایمان''یعنی ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچا سکتی خوارج نے کہا''تضرہ یکفر بھا''یعنی معصیت نقصان پہنچاتی ہے یہ آدمی کافر ہو جائے گا۔ معتزلہ نے کہا کہ مرتکب کبیرہ دائمی دوزخی ہے نہ اس کو مؤمن کہا جاسکتا ہے اور نہ کافر کہا جاسکتا ہے بلکہ فاسق کے نام سے یاد کیا جائیگا متکلمین میں سے اشاعرہ نے کہا کہ یہ مرتکب کبیر مؤمن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے معاف کرے تو دوزخ نہیں جائے گا اور اگر کچھ وقت کے لئے ان کو سزا ہو جائے تو آخر کار دوزخ سے باہر آئیگا اور جنت میں داخل ہوگا یہ حدیث معتزلہ اور خوارج پر حجت ودلیل ہے کیونکہ یہاں اعمال کا ذکر نہیں ہے۔

بظاہر اگر چہ یہ حدیث مرجئہ پر حجت نہیں ہے مگر یہاں دخول جنت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ یہاں سزا بھگتنے کے بعد دخول مراد ہے تا کہ تمام نصوص میں مطابقت آجائے خیال رہے کہ شرک کی تعریف اور عبادت کی تعریف آئندہ آنے والی ہے۔

۱۳۷۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ أَبِی بَکْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنِ الْوَلِیدِ أَبِی بِشْرٍ سَمِعْتُ حُمْرَانَ یَقُولُ سَمِعْتُ عُثْمَانَ یَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ مِثْلَهُ سَوَاءً۔

اس سند سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل یہی روایت نقل کرتے ہیں جو گذر گئی ہے۔

امام مسلم نے اس سند کے ذکر کرنے سے عنعنہ کو ختم کر دیا جو پہلی سند میں تھا۔

۱۳۸۔حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ النَّضْرِبْنِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوالنَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتّٰى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! لَوْجَمَعْتَ مَابَقِيَ مِنْ أَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهِ عَلَيْهَا قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُوالْبُرِّ بِبُرِّهِ وَذُوالتَّمْرِ بِتَمْرِهِ قَالَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَذُوالنَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَمَاكَانُوا يَصْنَعُونَ بِالنَّوَى ؟ قَالَ كَانُوا يَمُصُّونَهُ وَيَشْرَبُونَهُ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَذَلِكَ أَشْهَدُأَنَّ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَايَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَشَاكٍّ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔لوگوں کا زادسفر ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض لوگوں نے اپنی سواریاں (اونٹ) ذبح کرنے کا ارادہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ! کاش کہ آپ لوگوں کے سامان کو منگوا کر جمع کر لیں اور اس پر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو جس کے پاس گیہوں تھے وہ اپنے گیہوں لے کر آ گیا،جس کے پاس کھجور تھی وہ اپنی کھجور لے کے آ گیا،اور جس کے پاس گٹھلی تھی وہ گٹھلی ہی لے کر آ گیا۔راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ گٹھلیوں سے وہ کیا کرتے تھے؟ فرمایا اسے چوستے تھے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دعا فرمائی پوری قوم نے اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا تو اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ سے کوئی بندہ اس حال میں کہ وہ اس شہادتین کے بارے میں شک نہ کرتا ہو مگر یہ کہ جنت میں داخل ہو گیا۔

تشریح

''فی مسیر'' اس سفر سے غزوۂ تبوک کا سفر مراد ہے ساتھ والی روایت میں تصریح ہے کہ یہ غزوۂ ۹ ؁ھ میں ہوا،تیس ہزار کا لشکر تھا دور دراز سفر تھا اس لئے آنحضرت نے اہتمام کے ساتھ تیار ہو کر نکلنے کا حکم دیا اور جہت سفر کا واضح طور پر اعلان کرایا پھر بھی راستے میں بھوک و پیاس نے ستانا شروع کر دیا کیونکہ تیس ہزار آدمیوں اور دس ہزار گھوڑوں کی خوراک کا انتظام کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

''ازوادالقوم'' راستے کا خرچہ مراد ہے''نفدت'' کا معنی ہے کہ خرچ ختم ہو گیا''حمائلھم'' یہ جمع ہے اس کا مفرد ''حمولۃ'' سواری مراد ہے بعض نسخوں میں''جمائلھم'' جیم کے ساتھ ہے جس کا مفرد جمل ہے یعنی اونٹ''فقال عمر

حضرت عمر کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! ہم صحراء میں ہیں طویل راستہ ہے اگر اونٹوں کو اسی طرح ذبح کر کے کھالیا تو پھر سواری کے بغیر لوگ گرمی سے مرجائیں گے لہٰذا مجاہدین کے پاس جو کچھ خوارک ہے آپ اس کو منگوالیں اور دسترخوان پر رکھ کر برکت کی دعا کرائیں چنانچہ آنحضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور اس پر عمل شروع ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ مفضول شخص اپنی رائے فاضل پر پیش کرسکتا ہے "فجاء ذو البربره "یعنی صاحب گندم نے گندم پیش کیا "النواة" کھجور کی گٹھلی کو نواۃ کہتے ہیں۔ "یصنعون بالنواة "یعنی کھجور کی گٹھلیوں کے ساتھ صحابہ کا کیا کام تھا۔ "یمصونه" مطلب یہ کہ بھوک سے جب کمر ٹوٹ جاتی تو ہم ان گھٹلیوں کو منہ میں رکھ کر چوس لیا کرتے تھے "فدعا علیها "یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف جمع شدہ اموال پر برکت کی دعا فرمائی تو برکت آ گئی "حتی ملأ القوم "یعنی پورے لشکر نے اپنے تمام برتنوں کو بھر دیا چونکہ یہاں معجزہ کا ظہور ہوا اس لئے یہ موقع اثبات توحید اور اثبات رسالت کے لئے اچھا موقع تھا تو آپ نے اس کا اظہار فرمایا۔

۱۳۹ـ**حَدَّثَنَا** سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ وَأَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ جَمِيعًا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ شَكَّ الْأَعْمَشُ قَالَ لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ! لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْعَلُوا قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَلٰكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبَسَطَهُ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِكَفِّ ذُرَةٍ قَالَ وَجَعَلَ يَجِيءُ الْآخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ قَالَ وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطَعِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ قَالَ فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ قَالَ فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى مَا تَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَؤُوهُ قَالَ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک کا زمانہ تھا تو لوگوں کو بھوک نے آ گھیرا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یارسول اللہ! کاش آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اپنے اونٹوں کو نحر کریں اور ان کا گوشت کھائیں اور تیل حاصل کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا! ایسا کرلو۔ راوی کہتے ہیں کہ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا یارسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کرلیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ ان کے بچے ہوئے زادراہ کو منگوائیں پھر ان پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمائیں شاید اللہ تعالیٰ

اس میں کوئی سبیل پیدا کردیں۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے۔پھر آپ نے دسترخوان منگایا اسے بچھایا اور پھر بچے ہوئے زادراہ کو منگوایا۔راوی کہتے ہیں کہ کوئی شخص مٹھی بھر جو لایا تو کوئی مٹھی بھر کھجور لایا اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا۔یہاں تک کہ دسترخوان پر ان چیزوں کا تھوڑا سا ڈھیر بن گیا۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں ڈال لو۔چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے برتنوں میں لینا شروع کردیا یہاں تک کہ پورے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا جسے بھر نہ لیا ہو۔راوی کہتے ہیں کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی بچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہ رکھتا ہو وہ جنت سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

تشریح

''مجاعة'' سخت بھوک کو کہتے ہیں ''لو اذنت لنا'' یہاں تمنا کے لئے ہے علماء کہتے ہیں کہ اگر امیر الحرب اونٹوں کا ذبح کرنا مناسب سمجھے تو سفر میں اونٹوں کو ذبح کیا جاسکتا ہے لیکن اجازت کے بغیر اصولی طور پر سفر میں اونٹوں کو ذبح کرنا منع ہے کیونکہ پیدل چلنے سے مجاہدین مرجائیں گے ''نواضحنا'' یہ ناضحۃ کی جمع ہے نواضح وہ اونٹ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے پانی کا مشکیزہ بھر کر لایا جاتا ہے اور کھیتوں اور انسانوں کو پلایا جاتا ہے ''وادّهنا'' مطلب یہ کہ ہم چربی پگھلا کر اس سے تیل حاصل کردیں گے کھائیں گے اور بدن پر ملیں گے۔''بنطع'' نون کا فتح بھی ہے اور کسرہ بھی ہے طا ساکن ہے مشہور لغت نون کا کسرہ اور طا کا فتح ہے۔''بكف ذرة'' یعنی مٹھی بھر جوار لایا گیا ذرۃ مکئی کو بھی کہتے ہیں ''بکسرة'' روٹی کے پرانے ٹکڑے کو کسرۃ کہتے ہیں ''غیر شاك'' یہ یقین کی طرف اشارہ ہے کہ دل میں عقد جازم ہو شک نہ ہو اسی کو اس سے پہلے حدیث میں ''وھو یعلم'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے ''فیحجب'' یہ حجاب سے ہے یعنی توحید کے حامل شخص کو دخول جنت سے روکا نہیں جاسکتا ہے۔

۱۴۰۔**حَدَّثَنَا** دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ يَعْنِي ابْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ جَابِرٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِيءٍ قَالَ حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ حَدَّثَنَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللّٰهِ وَابْنُ أَمَتِهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ، کہا اور اس بات کا قائل رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو القاء کردیا تھا اور وہ روح اللہ

ہیں اور جنت ودوزخ کے حق ہونے کا قائل رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے۔

تشریح

"وان محمدا عبده:ای عبده الاجل ورسول الاکمل وان عیسی عبدالله ورسوله"۔

یہاں یہ شبہ اور اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کرنے اور آپ کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی جبکہ سب انبیاء کرام عبدیت اور رسالت میں شریک ہیں اور اہل ایمان سب کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خیالات رکھنے والی دو قومیں جزیرہ عرب میں آباد تھیں، ایک یہود تھے دوسرے نصاریٰ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں قومیں اپنے خیالات میں افراط اور تفریط میں مبتلا تھیں۔ ایک طرف یہود نے نہ صرف یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا بلکہ یہود نا بہبود نے آپ علیہ السلام پر بیہودہ الزامات لگائے اور آپ کی والدہ صدیقہ پر بہتان باندھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور انجیل کو جھٹلایا۔ دوسری طرف نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ان کو تین خداؤں میں ایک خدا بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک کار قرار دیا اس لئے ان کے غلط عقائد اور افراط اور تفریط کو اعتدال پر لانے کے لئے آنحضرت خصوصیت سے حضرت عیسیٰ کے مقام کو واضح کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاء کرام کے مصدق بن کر آئے تھے سب کی حیثیت بتانے والے بن کر آئے تھے اور یہ شریعت اور یہ امت چونکہ وسط اور متعدل امت تھی اس لئے افراط وتفریط سے پاک ایک پاکیزہ نظریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے سامنے رکھا۔

انہی خصوصی احوال اور خاص ضرورت کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خصوصیت کے ساتھ آیا تا کہ ان سے متعلق صحیح صورت حال سے عوام وخواص کو آگاہ کیا جائے اور دونوں جانب کی افراط وتفریط کو باطل کیا جائے تا کہ یہ لوگ دخول جنت کے مستحق حال سے عوام وخواص کا آگاہ کیا جائے اور دونوں جانب کی افراط وتفریط کو باطل کیا جائے تا کہ یہ لوگ دخول جنت کے مستحق بن جائیں، چنانچہ "عبدالله" کے الفاظ سے نصاریٰ پر رد ہو گیا کہ وہ اللہ کے بندے تھے نہ کہ اللہ کے ساتھ شریک تھے نہ اس کے بیٹے تھے "ورسوله" سے یہود پر رد کیا جو ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

"وابن امته" اس سے بھی دونوں فرق پر رد بلیغ کیا کیونکہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ ابن اللہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن اللہ نہیں "ابن امة الله" تھے اور یہود پر یہ رد ہو گیا کہ حضرت مریم اللہ کی خاص بندی ولیہ تھیں "امته" کی اضافت تشریفیہ سے اس طرف اشارہ ہو گیا پھر "امتہ" کی اضافت سے نصاریٰ پر رد کیا جو کہتے ہیں کہ مریم اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے فرمایا بیوی نہیں، خاص بندی تھی۔

''امتہ'' کی اضافت تشریفیہ سے یہود پر اس طرح رد کیا کہ مریم اللہ تعالیٰ کی مقبول اور برگزیدہ پاکیزہ بندی تھیں ان کی طرف زنا کی نسبت یہودیوں کی خباثت وخساست ہے، یہود پر یہ رد بھی کیا جو کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ العیاذ باللہ فلاں شخص کی ناجائز اولاد تھے فرمایا وہ حضرت مریم کے بیٹے تھے ان کا باپ نہیں تھا اگر باپ ہوتا تو ماں کی طرف کیوں منسوب ہوتے۔

''وکلمتہ''یعنی کلمۂ کن سے بلا باپ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا یا کلمہ سے مراد حجۃ اللہ ہے کہ وہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت ودلیل تھے کہ اللہ نے ان کو بغیر باپ اپنی قدرت سے پیدا کیا یا اپنی والدہ کی برأت اور اپنی نبوت ورسالت پر بچپن میں دلیل بن کر کہا ﴿انی عبداللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا﴾ چنانچہ کلمۃ اللہ کہلائے۔

حکایت نمبر ا

حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک عیسائی پادری کا مناظرہ قرار پایا موضوع ''ابنیۃ مسیح'' تھا جب مناظرہ کی تاریخ آ گئی تو حضرت شیخ الہند کو پتہ چلا وہ مناظرہ میں حاضر ہوئے اور خیال کیا کہ یہ پادری کہنہ مشق تجربہ کار ہے کہیں نوجوان اشرف علی کو شکست نہ دے اس لئے خود آئے اور مناظرے کے لئے خود پیش ہوئے، عیسائی پادری نے اپنے بیان میں کہا کہ دیکھو مسلمانو! تمہارا قرآن حضرت مسیح کو ''کلمۃ اللہ'' کہتا ہے تو اب تم بتاؤ مسیح کلمہ تھے یا نہ تھے، پادری کا خیال تھا کہ مسلمان کہیں گے کہ بے شک قرآن نے ان کو کلمہ کہا ہے وہ کلمہ تھے تو میں کہوں گا کہ بس ''کلمۃ اللہ'' اور ''ابن اللہ'' ایک ہی چیز ہے۔

حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ تھے اور قرآن نے ان کو کلمہ کہا ہے لیکن کلمہ تین قسم پر ہے: اسم، فعل، حرف اب تم بتاؤ کہ حضرت عیسی علیہ السلام ان تین قسم میں سے کس قسم میں داخل تھے؟ اب پادری ہکا بکا رہ گیا اور حیران ہو کر ایسا بھاگا کہ مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔

''الی مریم''مریم عابدہ کے معنی میں ہے، قرآن عظیم میں تیس بار اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حضرت مریم کا نام ذکر کیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ یہ اشارہ بھی دینا چاہتا ہے کہ مریم اللہ کی بیوی نہیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی بھی شخص مجلسوں اور عوام الناس کے سامنے اپنی بیوی کا نام نہیں لیتا ہے پھر اس کے ساتھ ابن مریم کا کلمہ لگا کر بتادیا کہ میرا نہیں مریم کا بیٹا ہے۔

''وروح ای ذوروح منہ اوھو روح منہ او کان لہ معجزۃ یحیی بہ الاموات'' یا وہ نفخۂ جبرائیل سے پیدا ہوئے اور جبرائیل کا نام ''روح الامین'' ہے اس لئے ان کو روح فرمایا بہر حال یہاں روح سے ''مابہ الحیوۃ'' حیوانی روح مراد نہیں ہے۔ نیز یہاں من تبعیض کے لئے نہیں جس سے جزئیت ثابت ہو جائے بلکہ من ابتدائیہ ہے معنی یہ ہے ''وروح مخلوق من أمراللہ ای بامراللہ''۔

حکایت نمبر ۲

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں ایک بڑے نصرانی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے ایک قاری صاحب سے قرآن کریم کی آیت ﴿وکلمته القاها الی مریم وروح منه﴾ کو پڑھتے ہوئے سنا تو کہنے لگا کہ عیسائی بھی تو اس سے زائد کچھ نہیں کہتے بس یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہیں، یعنی اللہ کا ایک جز ہے اور نبی ہیں اس عیسائی عالم نے "منه" میں "من" تبعیض کے لئے لیا اس پر دین اسلام کے عالم علی بن حسین بن واقد رحمہ اللہ نے اس کے سامنے قرآن کی یہ آیت پڑھی ﴿وسخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعامنه﴾ (جاثیہ:۱۳) اور پھر فرمایا کہ اگر من تبعیض کے لئے ہے تو پھر زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب کو اللہ تعالیٰ کا جزء تسلیم کرو یہ سن کر وہ عیسائی مسلمان ہوگیا۔

"والجنة والنار حق" یعنی جنت ودوزخ کے جو احوال قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ سب حق ہیں جنت کا وجود بھی ثابت ہے دوزخ کا وجود بھی ہے اور اس میں جزاوسزا کے سارے واقعات بھی حق ہیں اس سے ایسے فلاسفہ وزنادقہ اور ملحدین دھریوں پر رد مقصود ہے جو کہتے ہیں جنت شنت کچھ نہیں باغ شاغ ہے دوزخ شوزخ کچھ نہیں دھپکا شبکا ہے مرزا غالب الحاد کے انداز سے کہتا ہے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

"ادخله الله علی ما کان من العمل" یعنی خواہ وہ عمل اچھا ہو یا برا ہو قلیل ہو یا کثیر ہو جیسا بھی عمل ہو اس اچھے عقیدہ کے بعد وہ آدمی جنت میں جائے گا۔ اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ "انتهاءً ومآلاً" یہ شخص دخول جنت کا مستحق ہے اس میں بھی معتزلہ اور خوارج پر واضح رد وتردید ہے جو مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام مانتے ہیں۔

۱۴۱ـ وَحَدَّثَنِی أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِئٍ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وَلَمْ يَذْكُرْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ۔

اس سند سے ابن ہانی سے بھی یہی روایت منقول ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس کے جو عمل بھی ہو خدا اسے جنت میں داخل فرمائے گا لیکن اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے گا اندر چلا جائے گا۔

۱۴۲ـ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي ؟ فَوَاللّٰهِ ! لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمُوهُ

الْيَوْمَ وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَأَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عسیلہ الصنابحی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس مرض الموت کے وقت داخل ہوا میں رونے لگا۔انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ٹھرو!تم کیوں رورہے ہو؟ خدا کی قسم!اگر مجھ سے گواہی مانگی جائے گی تو میں تمہارے لئے گواہ بن جاؤں گا اوراگر میری شفاعت وسفارش قبول کی جائے گی تو میں ضرور تمہاری سفارش کروں گا اوراگر میں استطاعت رکھوں گا تو تمہیں ضرور نفع پہنچاؤں گا۔پھرفرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بھی سنی ہے اوراس میں تمہارے واسطے خیروبھلائی ہے تو وہ میں نے تم سے بیان کردی ہے سوائے ایک حدیث کے اوروہ حدیث میں آج عنقریب تم سے بیان کروں گا جب کہ میں قریب الموت ہوں۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور محمد رسول اللہ کی گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام کردی۔

تشریح

محمدبن یحیی ابن حبان: ح. پرزبر ہے ب پر شد ہے یہ تابعی ہیں۔حضرت انسؓ کو دیکھا ہے''ابن محیریز ''ان کا نام عبداللہ ہے یعنی عبداللہ بن محیرز ابن جنادہ القرشی یہ بیت المقدس میں رہتے تھے اوزاعی شام فرماتے تھے کہ لوگو!تم میں سے جو کوئی کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے وہ ابن محریر کی اقتداء کرلے اللہ اس قوم کو گمراہ نہیں کریگا ابن محیریز کی موت کے بعد رجاء بن حیوہ نے کہا قسم بخدا میں ابن محیریز کا وجود زمین والوں کے لئے امن کا ذریعہ سمجھتا تھا۔''الصنابحی ''انکی کنیت ابوعبداللہ ہے اورنام عبدالرحمٰن بن عُسیلہ ہے صنابح صاد پرضمہ ہے یہ قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے یہ جلیل القدر تابعی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان لانے کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے جب جحفہ پہنچے تو پانچ دن پہلے نبی اکرم صلی اللہ کا انتقال ہوگیا تھا اکابرصحابہ سے انہوں نے علم پڑھا۔ایک نام صنابح بن الاعسر ہے وہ صحابی ہیں اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔''انہ قال ''یعنی صنابحی نے کہا کہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ پرداخل ہوا جبکہ وہ موت کی حالت نزع میں تھے۔''احیط بنفسی ''یعنی موت نے میرا احاطہ کیا ہوا ہے اب میں زندگی سے مایوس ہوں''حرم الله عليه النار ''اس میں فصاحت اور بلاغت کے ساتھ تاکیداورمبالغہ ہے کہ آدمی کے بجائے آگ کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آگ اس کے جسم پرحرام ہے حرام ہونے کا مطلب اوراس کی تفصیل آئندہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں آرہی ہے۔

۱۴۳۔**حَدَّثَنَا** هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُؤَخَّرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَامُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّيْكَ

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَسَعْدَیْکَ ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَسَعْدَیْکَ ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُبْنُ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی الْعِبَادِ؟ قَالَ قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ أَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَایُشْرِکُوْابِہٖ شَیْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُبْنُ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَسَعْدَیْکَ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ ؟ قَالَ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَایُعَذِّبَھُمْ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سواری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے درمیان سوائے پالان کی پچھلی لکڑی کے اور کچھ حائل نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کچھ دیر چلتے رہے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل! میں کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کچھ دیر چلتے رہے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک! فرمایا کیا تم جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: بے شک بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اس کی بندگی اور عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر چلے پھر فرمایا: کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے جب وہ اس کی بندگی اور عبادت کریں اور اس کے ساتھ شریک نہ کریں؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

تشریح

"الردف والردیف: التابع الذی یرکب خلف الراکب" شہسوار کے پیچھے بیٹھنے والے کو ردیف کہتے ہیں، یہ لفظ گھوڑے گدھے وغیرہ کے لئے زیادہ استعمال ہوتا ہے، جس طرح اونٹ پر دو سواروں کو زیادہ تر زمیل کہتے ہیں، کبھی اونٹ سوار ساتھی کو بھی ردیف کہتے ہیں۔ "علی حمار" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع وانکساری کبھی کبھی گدھے پر سواری کی ہے جس سے گدھے کی قسمت جاگ اٹھی کہ اس کا پسینہ ناپاک نہ رہا اور جھوٹے میں بھی نجاست نہ رہی، ساتھ والی روایت میں اس گدھے کا نام عفیر مذکور ہے۔ یہاں ایک اہم بات سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس گدھے سے چھوٹے چھوٹے گدھے مراد نہیں جو ہمارے ہاں ہوتے ہیں جن پر سواری کرنا عموماً معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ یہاں گدھے سے عرب کا وہ بڑا گدھا مراد ہے جو قریباً خچر کے برابر ہوتا ہے جس طرح بڑے سفید گدھے ہوتے ہیں ان پر سوار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں تھی حضرت معاذؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ساتھ سوار ہونا بھی بتاتا ہے کہ یہ بڑا گدھا تھا۔ "مؤخرۃ الرحل" رحل کجاوہ کو کہتے ہیں، مؤخرۃ الرحل کجاوے کی اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے سوار آدمی تکیہ اور ٹیک لگاتا ہے یہ سوار کے پیچھے ہوتی ہے دو آدمیوں کے

بیچ میں آگے سوار کے لئے الگ اور آخری سوار کے لئے الگ لکڑی ہوتی ہے یا صرف آگے والے سوار کے لئے ہوتی ہے۔ ''مؤخرة الرحل'' کا اطلاق دونوں پر ہوسکتا ہے۔لفظ مؤخرۃ الرحل چار طرح پڑھا جاتا ہے۔(۱) باب افعال سے اسم فاعل کے وزن پر (۲) باب تفعیل سے بھی اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے (۳) باب تفعیل سے اسم مفعول کے وزن پر بھی آتا ہے (۴) آخرة الرحل بھی آتا ہے اول اور آخری لغت فصیح تر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس تعیین اور تبیین اور اس ہیئت و کیفیت بیان کرنے سے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وضاحت سے قرب بیان کرنا ہے اور پوری کیفیت بیان کرنے یہ بتانا ہوتا ہے کہ صحابی جو حدیث بیان کر رہا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس نے نہایت تیقظ اور ہوشیاری و بیداری سے یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے ۔حدیث کے الفاظ تو کیا اس کی کیفیات وھیئات تک اس کے دل ودماغ میں محفوظ ہیں۔

حق العبد علی اللہ کی بحث

''یا معاذ هل تدری ماحق الله'' بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حق کے بارے میں تو کوئی کلام اور کوئی شبہ نہیں ہاں دوسرے جملہ میں کلام ہے جہاں ''حق العباد علی الله'' کے الفاظ آئے ہیں پس اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ حق باطل کے مقابلے میں بھی آتا ہے حق ثابت اور واجب کے معنی میں بھی ہے لازم کے معنی میں بھی ہے اور لائق اور جدیر کے معنی میں بھی آتا ہے اب معتزلہ نے حق العبد علی الله میں حق بمعنی واجب اور لازم لیا ہے تو ان کے نزدیک بندوں کا حق بطور عدل اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہوتا ہے ہدایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ بحق فلاں کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی بندے کا وجوبی حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں ہے تو وہاں یہی معتزلہ والا حق مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ لوگ لازم اور واجب قرار دیتے ہیں اس کی نفی ہدایہ نے کی ہے۔ بہر حال مذکورہ حدیث ظاہری طور پر معتزلہ کی دلیل ہے اہل السنۃ والجماعۃ حدیث کی کئی توجیہات کرتے ہیں۔

۱۔ اول توجیہ یہ ہے کہ حق کے کئی معنی ہیں پس ''حق الله علی العباد'' میں واجب اور لازم کا معنی اور ''حق العباد علی الله'' میں لائق اور جدیر کا معنی لیا جائیگا۔

۲۔ خطابی نے کہا ہے کہ یہاں ''حق العبد علی الله'' صرف پہلے جملہ کے مقابلہ میں مشاکلۃً ہے، یہی رائے شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔

۳۔ یہ حق، اللہ تعالیٰ نے رحمۃً شفقۃً احساناً واکراماً اپنے اوپر خود لیا ہے گویا خود ایک عہد اپنے اوپر لیا ہے تو پہلے جملہ میں حق وجوبی لزومی ہے اور دوسرے جملہ میں حق ''تَفَضُّلِی'' احسانی لیا جائے گا۔

''ان یعبدوہ'' اس میں عبادات اور توحید دونوں کا ذکر آگیا اور بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حق مکمل عبادات اور کامل وخالص توحید

کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے۔

''ان لایشرکوابه فی الافعال والاعمال والاقوال والاحکام'' اس میں رسالت بھی آگئی اور تمام اعمال بھی آگئے تو اللہ تعالیٰ کے حسن سلوک اور وعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ اس موحد کو عذاب نہ دے کیونکہ اگر توحید کے ساتھ اعمال صالحہ کی پابندی کی ہے تو عدم دخول نار کا وعدہ ہے اور اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوئی ہے تو ''عدم خلود فی النار'' کا وعدہ ہے کہ دائماً عذاب نہ دے گا۔

عبادت کی تعریف

عام مفسرین نے عبادت کا مفہوم ''غایة الخشوع والخضوع'' بیان کیا ہے، یعنی انتہائی تذلیل اور انتہائی تعظیم کا نام عبادت ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''مدراج السالکین'' میں عبادت کی تعریف اس طرح کی ہے۔

''العبادۃ عبارۃ عن الاعتقاد والشعوربان للمعبود سلطة غیبة(ای فی علم والتصرف)فوق الاسباب یقدربها علی النفع والضرر فکل دعاء ونداء وثناء وتعظیم ینشاء من هذاالاعتقاد فهی عبادۃ۔ (مدراج السالکین ج۱ص۴۰)

ترجمہ: عبادت اس شعور اور عقیدے کا نام ہے کہ معبود برحق کو علم تصرف میں مخلوق پر مافوق الاسباب طریقے پر ایک غیبی قدرت اور تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع اور ضرر پر قادر ہے پس ہر دعا اور پکار اور ہر تعظیم وثناء جو اس اعتقاد سے پیدا ہوتی ہے۔ وہی عبادت ہے۔

بہرحال اوپر حدیث میں توحید کا جو مفہوم ہے یہاں عبادت کا مفہوم بھی اسی طرح ہے میر سید سند شریف نے التعریفات میں ص ۱۰۵ میں عبادت کی مختصر تعریف اس طرح کی ہے ''العبادۃ هوفعل المکلف علی خلاف هوی نفسه تعظیماً لربه'' یعنی اپنے رب کی تعظیم میں اپنی خواہشات کے خلاف ایک مکلف آدمی جو کام کرتا ہے اس کا نام عبادت ہے۔

شرک کی تعریف

شرک اور اشراک کا لغوی معنی شریک کرنا ہے اور اصطلاح میں شرک اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا، مشرکین مکہ اور بت پرست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھراتے تھے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کو غیروں میں مانتے تھے جیسے غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارنا یا غیر اللہ کے سامنے سجدہ لگانا یا اس کو غیب دان سمجھنا یا عبادت میں اس کے لئے حصہ مقرر کرنا، اس حدیث میں توحید اور عبادت کا جو مفہوم اوپر لکھا گیا ہے شرک اور شریک کا مفہوم بالکل اس کا عکس ہے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے شرک کی چار اقسام بتائے ہیں۔

۱۔ **شرک فی العلم:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ''علم غیب'' کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے۔

۲۔ **شرک فی التصرف:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تدبیر عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے۔

۳۔ شرک في الدعا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو غائبانہ حاجات میں پکارا جائے۔

۴۔ شرک في الفعل: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر نذر و نیاز دیا جائے اور غیر اللہ کے لئے عبادات شرعیہ میں سے کوئی عبادت مختص کر کے تحریم و تحلیل کا درجہ ان کو دیا جائے اوپر حدیث میں شرک کے عنوان کی یہی مختصر تحقیق ہے پوری تفصیل حجۃ اللہ البالغہ اور تقویۃ الایمان میں ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی آیت ۲۲۱ ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ کے فوائد اور تفسیر میں شرک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا اس ایت سے حرام ٹھہرا اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہتا ہے سو کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر، سورت بقرہ:۲۲۱)

اس حدیث میں ''لبیك'' کا لفظ آیا ہے لبیک کا معنی یہ ہے کہ میں بار بار آپ کی بات سننے کے لئے تیار ہوں ''وسعدیك'' یعنی میں بار بار خدمت و اطاعت کے لئے موجود ہوں دونوں لفظوں کا اس حدیث میں تین بار تکرار آئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام شان کی غرض سے اور توجہ دلانے کے مقصد سے تین بار یہ کلمات دہرائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والے کلام کو نہایت غور سے سن لیا جائے اور اس کی طرف توجہ تام ہو اور کلام کا اہتمام ہو۔

''صدقامن قلبه'' یہ جملہ اس حدیث میں نہیں ہے مگر مسلم کے دیگر طرق میں ہے اس سے پہلے روایت نمبر ۱۳۰ میں ''غیر شاك'' اور اس کے بعد روایت نمبر ۱۴۷ میں متیقناً کے الفاظ آئے ہیں سب کا مطلب ایک ہی ہے اب سوال یہ ہے کہ ان قیودات کے لگانے کا مقصد کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان قیودات کا مقصد یہ ہے کہ منافق لوگ حدیث کی اس بشارت سے خارج ہو جائیں کیونکہ منافقین کلمۂ شہادت میں نہ صادق ہیں نہ ان کو یقین ہے اور نہ استقامت و استدامت ہے۔

۱۴۴۔ حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوالْأَحْوَصِ سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَيْمُونٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ قَالَ فَقَالَ يَامُعَاذُ! أَتَدْرِيْ مَاحَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ ؟ قَالَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَايُشْرِكُوابِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَايُعَذِّبَ مَنْ لَايُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ ! أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قَالَ لَاتُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر جس کا نام "عفیر" تھا بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ شرک نہ کرے اسے عذاب نہ دے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ انہیں یہ خوشخبری مت سناؤ وہ اسی پر اکتفانہ کر بیٹھیں۔

۱۴۵۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِیْ حَصِیْنٍ وَالْأَشْعَثَ بْنِ سُلَیْمٍ أَنَّهُمَا سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ یُحَدِّثُ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَامُعَاذُ! أَتَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ ؟ قَالَ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ یُعْبَدَاللّٰهُ وَلَایُشْرِكُ بِهِ شَیْئًا قَالَ أَتَدْرِیْ مَاحَقُّهُمْ عَلَیْهِ إِذَافَعَلُوْا ذٰلِكَ ؟ فَقَالَ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَّایُعَذِّبَهُمْ ۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ ایسے ادا کریں؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ کہ ان کو عذاب نہ دے۔

۱۴۶۔**حَدَّثَنَا** الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِیَّاءَ حَدَّثَنَا حُسَیْنٌ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ أَبِیْ حَصِیْنٍ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ هِلَالٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذًا یَقُوْلُ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَجَبْتُهُ فَقَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ نَحْوَ حَدِیْثِهِمْ ۔

اس سند سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے جواب دیا فرمایا: کہ تم کو معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ باقی حدیث وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔

۱۴۷۔**حَدَّثَنِیْ** زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُبْنُ یُوْنُسَ الْحَنَفِیُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ أَبُوْ كَثِیْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ أَبُوْهُرَیْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَنَا أَبُوْبَكْرٍوَعُمَرُ فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَعَلَیْنَاوَخَشِیْنَا أَنْ یُقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا وَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ أَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَیْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا

فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رَبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَالرَّبِيعُ الْجَدْوَلُ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَاشَأْنُكَ ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَأَتَيْتُ هَذَاالْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي فَقَالَ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ قَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَاالْحَائِطِ يَشْهَدُأَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَاقَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ فَقَالَ مَاهَاتَانِ النَّعْلَانِ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ ؟ فَقُلْتُ هَاتَيْنِ نَعْلَا رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُأَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهِ مُسْتَيْقِنًا بِهَاقَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِإِسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ ! فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً وَرَكِبَنِي عُمَرُ فَإِذَا هُوَعَلَى أَثَرِي فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ ؟ قُلْتُ لَقِيتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِإِسْتِي قَالَ ارْجِعْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعُمَرُ! مَاحَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ ؟ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَبَعَثْتَ أَبَاهُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُأَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُونَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ ۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی لوگوں میں بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور تشریف لے گئے) اور ہمارے پاس واپس آنے میں بہت دیر کردی تو ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا پاکر نقصان نہ پہنچادیں چنانچہ لوگ گھبراہٹ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں سب سے پہلے گھبرایا تھا لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ میں بنونجار کے انصار کے ایک باغ تک جا پہنچا اور اس کے چاروں اطراف گھوما کہ کہیں دروازہ مل جائے لیکن دروازہ نہ ملا۔ اچانک دیکھا کہ ایک پانی کی نالی باغ کے باہر کے ایک کنویں سے باغ کے اندر تک جارہی ہے پس میں سمٹ کر اس نالی کے راستہ سے باغ میں داخل ہوگیا جیسا کہ لومڑی سمٹتی ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! یارسول اللہ! فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس ہمارے پاس آنے میں بہت دیر کردی تو ہمیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کو ہمارے بغیر دشمن نقصان نہ پہنچادے لہٰذا ہم گھبرا گئے سب سے پہلے

مجھے گھبراہٹ ہوئی تو میں اس باغ تک پہنچا اور پھر نالی کی راہ سے لومڑی کی طرح سمٹ کر اندر گھس گیا اور میرے پیچھے یہ سب لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! اور اپنے دونوں جوتے مبارک عطا فرمائے اور کہا کہ میرے ان دونوں جوتوں کو لے جاؤ اور اس باغ سے باہر جس ایسے شخص سے ملو جو لا الہ الا اللہ کی گواہی کامل یقین کے ساتھ دیتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ تو سب سے پہلے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! یہ جوتے کیسے؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین ہیں مجھے یہ جوتے دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ میں جس ایسے شخص سے ملوں جو لا الہ الا اللہ کی گواہی اطمینان قلب کے ساتھ دیتا ہو میں اسے جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ میں کولہوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا ابو ہریرہ! واپس لوٹو۔ میں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور فریاد کر کے رونے ہی والا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے پیچھے آپہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں حضرت عمر سے ملا تو انہیں وہ بات بتلائی جسے بتانے کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا۔ انہوں نے میرے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ میں کولہوں کے بل گر پڑا اور کہا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تمہارے اس فعل کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر بھیجا تھا کہ جس ایسے شخص سے ملو جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دل کی یقین کے ساتھ دیتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایسا مت کیجئے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی پر تکیہ کر لیں گے لہٰذا آپ انہیں اعمال میں لگے رہنے دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا انہیں عمل پر لگے رہنے دو۔

تشریح

''کنا قعودًا'' ای قاعدین فی نفرٍ، تین سے دس تک کی جماعت پر نفر کا اطلاق ہوتا ہے پھر مطلقاً قوم اور جماعت پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ ''بین اظهرنا'' اس کلمہ میں یا تو لفظ بین ''مقحم'' یعنی زائد ہے ای من اظهرنا، اور یا لفظ اظهرنا زائد ہے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے ''ای من بیننا'' ''اظهر'' ظهر کی جمع ہے پشت کو کہتے ہیں لوگ جب بیٹھتے ہیں تو پیٹھوں کے درمیان ہوتے ہیں یعنی آپ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے ''فابطاء'' ابطاء سے ہے دیر کرنے کے معنی میں ہے یعنی آپ دیر تک واپس نہیں آئے تو ہم گھبرا گئے۔ ''خشینا ان یقتطع دوننا'' خشیت خوف مع التعظیم کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ''خشیت اللہ'' کہہ سکتے ہیں اور ''هبت الله'' نہیں کہہ سکتے ہیں ''یقتطع'' ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے معنی میں ہے، ''دوننا'' کا لفظ یہاں

متجاوزاً اور بعیداً کے معنی میں ہے ''دون'' کالفظ ورے ورے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ''ادون'' کم تر کے لئے بھی بولا جاتا ہے ''ای خشینا ان یصاب بمکروہ من عدو اوغیرہ متجاوزاً عنا وبعیداً منا''۔ ''وفزعنا'': سوال یہ ہے کہ خشینا پہلے آیا ہے اس کے بعد ''فزعنا'' کی کیا ضرورت تھی جب کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے تو علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو مترادفین کا ایک دوسرے پر عطف ہے اور اس سے گھبراہٹ کا تسلسل بتانا مقصود ہے۔ ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خشیت اور فزع میں فرق ہے خشیت تو دل کا خوف ہے جس کا اثر ابھی ظاہری جسم پر ظاہر نہ ہوا ہو لیکن فزع اس اضطراب کا نام ہے جس میں آدمی اس طرح بے چین ہو کر جسم کے ظاہر پر اس کا اثر ظاہر ہو جائے جیسے یہاں بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہونا اور تلاش میں پھیلنا ظاہر ہوا، ملاعلی قاری رحمہ اللہ کا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں تاکید کے بجائے تاسیس ہے اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے۔ ''حائطا'' جس باغ کے اردگرد چار دیواری ہوتی ہے اسے حائط کہتے ہیں گویا ''محاط بالجدران'' ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو غالب گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہوں گے۔ اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی محبت نے محبوب کی خوشبو سونگھ لی تو وہاں گئے۔ ''فدرت به'' ''دار، یدور، اردگرد گھومنے کے معنی میں ہے۔ ''ھل اجد بابا ای قائلاً فی نفسی ھل اجد الخ'' ''فلم اجد'' حضرت ابو ہریرہؓ کو انتہائی بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے دروازے کا علم ہی نہ ہو سکا ورنہ دروازہ تو ہوگا یا ''فلم اجد'' یعنی کھلا دروازہ نہ مل سکا جو تھے وہ سب بند تھے۔ ''فاذا ربیع'' ربیع نہر صغیر یعنی چھوٹا سا نالہ پانی کا جو باہر کے کنوئیں سے دیوار کے جوف میں ہوتا ہوا اندر کو جا رہا تھا اسی راستہ سے میں اندر داخل ہوا ربیع کی تفسیر کسی راوی نے جدول سے کی ہے دونوں ایک ہی چیز ہے۔ ''من بئر خارجة'' یہ جملہ تین طرح پڑھا جاتا ہے اول احتمال یہ کہ بئر موصوف اور خارجۃ صفت ہے یعنی یہ نالہ ایک ایسے کنوئیں سے اندر کو آرہا تھا کہ وہ کنواں باہر تھا یہ توجیہ سب سے اچھی اور سب سے زیادہ مناسب اور واضح ہے۔ دوسرا احتمال یہ کہ بئر مضاف ہو اور خارجہ مضاف الیہ ہو اور خارجہ آدمی کا نام ہو یعنی خارجہ صاحب کے کنوئیں سے یہ نالہ آرہا تھا۔ تیسرا احتمال یہ کہ بئر تنوین کے ساتھ ہو اور خارجہ مرفوع ہو اور ''ہ'' ضمیر جدار کی طرف لوٹتی ہو یعنی ''من بئر خارجه'' یعنی ایک کنواں جو دیوار سے باہر تھا بہرحال اول احتمال مشہور ہے۔

''فاحتفزت'' احتفاز اعضاء کے سکیڑنے کو کہتے ہیں ''وھو ضم الاعضاء'' اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحقؒ نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ع پس گرد آورد م دست و پائے خود را

لومڑی جب جسم کو سکیڑ کر تنگ جگہ میں داخل ہوتی ہے اس کو احتفاز کہتے ہیں یعنی میں سکڑ گیا اور داخل ہو گیا۔ ''فقال ابو ھریرة'' بطور تعجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استفہام کے ساتھ پوچھا ''انت ابو ھریرة'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال یا تو اس لئے کیا کہ آپ اس بشارت اور وحی کی وجہ سے بشریت سے غائب استغراقی کیفیت میں تھے تو استفہام حقیقت پر مبنی ہے کہ پہچانا نہیں یا استفہام تقریری ہے یعنی ابو ہریرہ ہی ہو نا؟ اچھا ابو ہریرہ ہو؟ یا استفہام تعجب کے لئے ہے کہ سب راستے بند ہیں تم

کیسے آ گئے تعجب ہے تم ابوہریرہ ہو؟'' "وھؤلاء الناس ورائی " یہ اقتباس ہے قرآن کریم کی آیت ''قال ھؤلاء علی اثری وعجلت الیك رب لترضی ''۔ ''واعطانی نعلیه'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی خبر اگر چہ مفید یقین تھی مگر اس خبر کو مزید یقینی بنانے کے لئے بطور نشانی نعلین مبارکین دیئے تا کہ ہر سننے والے کو بلاتر دد اس بشارت پر یقین آجائے۔ ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام نوری میں تجلی طوری حاصل ہوئی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فاخلع نعلیك انك بالوادالمقدس طوی '' کے طور پر جوتے اتار دیئے۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو جوتے کیوں دیئے کوئی اور چیز بطور نشان کیوں نہیں دی؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اور کوئی چیز شاید اس وقت نہیں تھی۔ دوسرا جواب یہ کہ جوتوں سے اشارہ کیا'' ثبات علی الدین '' کی طرف کیونکہ ثابت قدمی اور جوتوں کا خاص تعلق ہے۔

''فبشرہ بالجنة '' دیوار کے پیچھے کا لفظ اتفاقی طور پر آیا ہے مراد یہ ہے کہ جس کی یہ صفت ہو کہ یقین کے ساتھ کلمہ پڑھتا ہو وہ جنتی ہے خواہ وہ دیوار کے پیچھے ہو یا کسی اور جگہ ہو اور خواہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسکو خوشخبری پہنچائے یا نہ پہنچائے کیونکہ ابوہریرہؓ تمام لوگوں کو خوشخبری کہاں پہنچا سکتے تھے تو مراد وہی ہے کہ جس کی بھی یہ صفت ہو وہ جنتی ہے۔ ''فخررت لاستی ''خر یخر، گرنے کے معنی میں ہے ﴿وخر موسی صعقا﴾ ''لاستی ای علی مقعدی ،است، مقعد اور سرین کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت عمرؓ نے سینے میں سے مکا را تو میں ایڑی اور سرین کے بل پیچھے کو گرا۔'' فاجھشت: جھش، اور اجھاش، مزید و مجرد دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی گریہ وزاری کرتے ہوئے کسی کی پناہ میں جانے کو کہتے ہیں جیسا بچہ روتا ہوا ماں کے پاس جاتا ہے یہ رونا یا تو درد کی وجہ سے تھا یا بے احترامی کی وجہ سے تھا۔'' ورکبنی عمر ''یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ ایسا تعاقب کیا گویا وہ میرے کندھوں پر سوار آرہے ہوں مراد متصل مسلسل آنا ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مقابلے میں ابوہریرہ رضی اللہ کو مار کر کیوں گرایا؟ شیعہ روافض بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پوری امت بڑے چھوٹے بے بس تھے اور ان کی مداخلت برابر دین میں جاری تھی لوگ تقیہ کرتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تقیہ کیا اور خلافت چھوڑ دی۔

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ اس بشارت کا اعلان تو واجب نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین تھے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اس پریشانی کا علاج بالضد کیا کہ یہ پریشان ہوئے اب ان کو جنت کی

بشارت دینی چاہئے اور چونکہ اس خالی باغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس طرح ہوا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم استغراق میں تھے تو یہ بشارت سنادی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کیفیت میں نہیں تھے بلکہ آپ پر جمال کے بجائے جلال کی صفت غالب تھی اس لئے انہوں نے سوچا تھا کہ شاید اس سے لوگ سستی میں پڑ کر نماز چھوڑ دیں گے اس مصلحت دینی اور اس امر شرعی کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بشارت کو کچھ مدت کے لئے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ادھر حضرت معاذ رضی اللہ کی روایت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بشارت سنانے سے روکا تھا تو امتثال امر نبی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مار کر واپس کر دیا اور یہ مارنا لوجہ اللہ تھا اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے تحت ان کے فیصلے کو برقرار رکھا اور بشارت کو مخفی رکھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سختی سے لوٹایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کریں گے کہ اس بشارت کا ظاہر کرنا اگر ضروری نہ ہو تو مصلحت کے تحت اس کو مؤخر کر لیا جائے تاکہ لوگ سست نہ ہوں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے معلم اور شیخ واستاذ کی حیثیت رکھتے تھے کسی مصلحت کے تحت شاگرد کو مارنا جائز ہے ناجائز نہیں ہے۔

بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخذہ نہیں کیا اور آج ملحد و بے دین اٹھ کر اعتراض کرتے ہیں یہ محض فساد اور بغض صحابہ کی ایک نشانی ہے۔

۱۴۸۔**حَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذُبْنُ جَبَلٍ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ فَقَالَ يَامُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَامُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ !وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَامُعَاذُقَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! وَسَعْدَيْكَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍيَشْهَدُأَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ إِلَّاحَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَفَلَا أُخْبِرُبِهَا النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا ؟ قَالَ إِذًا يَتَّكِلُوا فَأَخْبَرَبِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے سواری پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! انہوں نے فرمایا: لبیک یارسول اللہ و سعدیك ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! انہوں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ و سعدیك! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: کہنے لگے ''لبیک یارسول اللہ و سعدیك ''! فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بندہ کہ گواہی دے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ نہ بتلاؤں کہ

انہیں خوشی حاصل ہو؟ فرمایا تب تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہیں گے؟ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لئے اس حدیث کو بیان کیا۔

تشریح

''الا حرمه الله على النار''۔

سوال

یہاں ایک اہم سوال ہے کہ ایک شخص مثلاً اقرار شہادتین کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو کیا وہ بھی ''حرام على النار'' ہوگا حالانکہ دوسری روایت سے عُصاۃ مومنین کا جہنم میں جانا اور شفاعت یا سزا بھگتنے کے بعد واپس آنا ثابت ہے تو بظاہر ان دو قسم کی روایات میں تعارض وتضاد ہے نیز مذکورہ حدیث کے پیش نظر تو اعمال کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ اعمال کا ایک مقام ہے۔ الغرض جن روایات میں صرف کلمہ توحید پر دخول جنت کی ضمانت دی گئی ہے اور حرمت دوزخ کا فیصلہ سنایا گیا ہے وہ روایات اعمال صالحہ کو ضروری قرار دینے والی روایات سے متعارض ومتصادم ہیں۔

جواب

اس اعتراض کے چند جوابات شارحین حدیث دیتے ہیں اور کتاب الایمان کی کئی احادیث پر اس قسم کے اعتراض کے یہی جوابات ہیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ پہلا جواب

اگر کسی شخص نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا یا گناہ کیا مگر سچے دل سے توبہ کی اور معاف ہو گیا تو یہ شخص اولاً جنت میں داخل ہوگا اور ابتداہی سے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی تو ''حرمه الله على النار'' اس پر صادق ہے۔ لیکن اگر اس شخص نے گناہ کیا تو بہ بھی نہ کی نیکی سے گناہ زیادہ بھی ہیں اور کوئی گناہ معاف بھی نہ ہوا تو ایسا شخص انتہاءً دوزخ پر حرام ہے یعنی ''حرمه الله على النار'' اس کے حق میں سزا بھگتنے کے بعد ہے کہ اس کے لئے دائمی دوزخ نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا جواب

یا مطلب یہ ہے کہ کلمۂ شہادت اپنے تمام تقاضوں اور حقوق کے ساتھ پڑھا یعنی امتثال اوامر کیا اور اجتناب نواہی کیا اس کے لئے ''حرمه الله على النار'' ہے یعنی کلمہ تو مفتاح جنت ہے مگر اس کے لئے دندانے ضروری ہیں ''کما قال وهب بن منبه رحمه الله''۔

۳۔ تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس کلمہ شہادت سے اس شخص کا کلمہ مراد ہے جس نے کلمہ پڑھا لیکن اعمال کا موقع نہیں ملا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

۴۔ یا ''تحریم الخلود'' مراد ہے کہ ہمیشہ آگ میں رہنا اس کے لئے حرام ہے۔
۵۔ یا ان کو کافروں والی آگ نہیں جلائے گی کیونکہ کافروں کے لئے عذاب بطور اہانت وتحقیر ہے مومن کا عذاب بطور تطہیر ہے۔
۶۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک انفرادی خاصیت ہوتی ہے انفرادی حالت میں وہ اثر اور خاصیت ظاہر ہو کر کام کرتی ہے مگر جب دوسری اشیاء سے مل جاتی ہے تو مغلوب ومخلوط ہو کر اپنا اثر نہیں دکھاتی مثلاً زہر ہے اس کی خاصیت قتل کرنا ہے مگر دوسرے اجزاء سے مل کر معجون مرکب بن کر مفید بن جاتا ہے اور بطور دوا استعمال ہوتا ہے اسی طرح پانی کی طبیعت برودت ہے مگر دھوپ یا آگ کی مجاورت سے حرارت آکر برودت ختم ہو جاتی ہے، بعینہ اسی طرح کلمہ شہادت ہے اس کی انفرادی خاصیت تو بالکل وہی ہے جو مذکورہ حدیث میں ہے کہ دوزخ کی آگ اس کے پڑھنے والے پر حرام ہے مگر قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے لہٰذا دوسری اشیاء معاصی اور گناہ وغیرہ سے مل کر کلمہ شہادت کی خاصیت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو انفرادی اور ذاتی اثر وہی ہے جو حدیث میں بتایا گیا ہے لیکن قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے لہٰذا آگ سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کی ضرورت اب بھی برقرار ہے اور جو شخص گناہ گار ہے وہ آگ میں گرفتار ہے، سزا بھگتنے یا شفاعت کے بعد دوزخ سے رہا ہو سکتا ہے کتاب الایمان میں اس قسم کی حدیثوں کے یہی جوابات ہیں۔

''تأثما، ای تجنبا عن الاثم'' یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اس حدیث کو عوام الناس کے سامنے بیان کر دیا تاکہ کتمان علم کا گناہ نہ ہو جائے۔ اس حدیث سے ایک عام قاعدہ سمجھ میں آگیا کہ بعض دقیق احکامات بعض لوگوں کے لئے باعث تشویش بنتے ہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے اس قسم کے مسائل رکھنا مناسب نہیں بلکہ ان سے مخفی رکھنا چاہئے جب کہ ان احکام کا تعلق کسی عمل سے بھی نہ ہو اور عوام الناس کی عقلوں سے بالاتر بھی ہوں تو عوام کو اس میں الجھا کر برباد نہیں کرنا چاہئے جیسے صفات باری تعالیٰ کے مسائل ہیں یہ مسائل عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہیں لہٰذا ان میں پڑنا نہیں چاہئے ''کلموا الناس علی قدر عقولھم''۔

''افلا اخبر بھا الناس'' یعنی میں لوگوں کو یہ بشارت نہ سناؤں وہ خوش ہو جائیں گے کہ اعمال کے بغیر بھی جنت میں جانا ممکن ہے آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بشارت نہ دو، لوگ اجمال پر بھروسہ کرلیں گے تو اعمال کو چھوڑ دیں گے، صرف کلمہ کے بھروسہ پر بیٹھ جائیں گے ''اتکال'' بھروسہ کو کہتے ہیں یہاں کئی روایات میں اس طرح مختلف الفاظ آئے ہیں سب کا مقصد یہی ہے حضرت ابوہریرہؓ کو جو عمر فاروقؓ نے سختی سے منع کیا تھا تو وہ اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ حضرت معاذؓ کی ان چند روایات میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اسی کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اس بشارت کے سنانے سے ابوہریرہؓ کو سختی سے روکا تھا۔ شیعہ لوگ اس پر بہت ناراض ہیں کہ ابوہریرہؓ کو مارا حضور اکرم کی بات نہ مانی، میں کہتا ہوں تم کو ابوہریرہؓ سے کتنی محبت ہے؟ ہاں البتہ عمر فاروقؓ سے بغض ہے۔

سوال

سوال یہ ہے کہ معاذؓ نے خوشخبری دینے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا

اگر سارے اعمال ملحوظ تھے تو پھر روکنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ''لا یشرکوا'' کو بغیر قیودات کے سمجھ کر اعمال کو چھوڑ دیں گے کیونکہ نو مسلم ہیں تو اجمال کو لے لیں گے، قیودات سے واقف نہیں ہوں گے، اس لئے اس ابتدائی دور کے پیش نظر لوگوں کو بشارت سنانے سے منع کیا لیکن اعمال کی تفصیل سمجھنے کے بعد جب اعمال راسخ ہو گئے اور اعمال چھوڑنے کا خطرہ ختم ہو گیا تو حضرت معاذؓ نے اس علمی امانت کو امت کے سپرد کر کے بیان کیا یا یہ ابتداء میں ممانعت تھی پھر جب ''بلغوا عنی'' فرمایا تو عوام کو بتانے کی عام اجازت ہو گئی۔

سوال

اس سے ملتا جلتا ایک اور سوال ہے کہ حضرت معاذؓ نے ممانعت کے باوجود یہ روایت آخر میں کیوں بیان کی؟

پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ ممانعت اسلام کے ابتدائی دور کے لئے تھی حضرت معاذؓ نے آخر وقت میں بتا دیا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ ممانعت ایک مخصوص جماعت کے لئے تھی عام نہ تھی بعد میں حضرت معاذؓ نے عوام کے لئے بیان کیا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے بوقت انتقال بتا دیا تا کہ کتمان علم کی وعید سے بچ جائیں جس طرح آنے والی روایت میں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاذؓ کو بشارت کے مخفی رکھنے کا حکم وقتی اور عارضی تھا دائمی اور ابدی نہیں تھا۔

''فیتکلوا'' نہی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے ان ناصبہ مقدر ہے اس لئے منصوب ہے ''ای ان یتکلوا'' اتکال، بھروسہ اور اعتماد و تکیہ کے معنی میں ہے یعنی لوگ صرف کلمہ توحید کے اجمال پر جم جائیں گے اعمال میں سست ہو جائیں گے یہاں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے سے منع فرمایا کہ بتانے میں خطرہ ہے اسی کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سختی سے منع فرمایا کہ لوگ اجمال پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے معلوم ہوا حضرت عمرؓ کا وہ فعل درست تھا۔

فتح الملہم میں علامہ عثمانیؒ نے حضرت شاہ انور شاہ کاشمیریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہاں اتکال اور بھروسہ اور سستی فرائض اور واجبات میں مراد نہیں بلکہ مندوبات مستحبات اور نوافل وزوائد میں سستی کرنا مراد ہے۔

۱۴۹۔**حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ) قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ

أَصَابَنِی فِی بَصَرِی بَعْضُ الشَّیْءِ فَبَعَثْتُ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنِّی أُحِبُّ أَنْ تَأْتِیَنِی تُصَلِّیَ فِی مَنْزِلِی فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّی قَالَ فَأَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِهِ فَدَخَلَ وَهُوَ یُصَلِّی فِی مَنْزِلِی وَأَصْحَابُهُ یَتَحَدَّثُوْنَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ أَسْنَدُوْا عُظْمَ ذٰلِكَ وَكُبْرَهُ إِلٰی مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ وَدُّوْا أَنَّهُ دَعَا عَلَیْهِ فَهَلَكَ وَوَدُّوْا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ وَقَالَ أَلَیْسَ یَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ ؟ قَالَ إِنَّهُ یَقُوْلُ ذٰلِكَ وَمَا هُوَ فِی قَلْبِهِ قَالَ لَا یَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ فَیَدْخُلَ النَّارَ أَوْ تَطْعَمَهُ قَالَ أَنَسٌ فَأَعْجَبَنِی هٰذَا الْحَدِیْثُ فَقُلْتُ لِابْنِی اُكْتُبْهُ فَكَتَبَهُ ـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمود بن الربیع نے عتبان بن مالک کے حوالہ سے بیان کیا۔محمود نے کہا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو عتبان سے ملاقات کی اور میں نے کہا کہ مجھے آپ کے واسطہ سے ایک حدیث پہنچی ہے انہوں نے کہا میری بصارت میں کچھ کمی آگئی تھی لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قاصد بھیجا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مستقل جائے نماز بنالوں۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام اس دوران باہم گفتگو کر رہے تھے صحابہ کی اکثریت نے مالک بن دخشیم/دخشم/دخیشم/دخشن کی طرف نفاق کی نسبت کی اور انہوں نے یہ چاہا کہ حضور علیہ السلام اس پر بددعا فرمادیں تاکہ وہ ہلاک ہوجائے اور وہ چاہتے تھے کہ اسے کسی مصیبت کا سامنا ہو۔اسی اثنا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کرلی اور فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللہ اور میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت نہیں دیتا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا بیشک وہ یہ کہتا تو ہے لیکن اس کا یقین اس کے دل میں نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دے گا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا یا فرمایا کہ اسے آگ نہیں کھائے گی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت اچھی لگی تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو۔اس نے اس حدیث کو لکھ لیا۔

تشریح

''فروخ'' یہ عجمی ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہتے ہیں کہ فروخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا جن سے عجم کی نسل چلی ہے اس سند میں ایک خوبی ہے کہ تین صحابہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت انس صحابی ہیں محمود بن الربیع صحابی ہیں اور عتبان بن مالک صحابی ہیں،اس سند میں دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اصاغر سے اکابر روایت کرتے ہیں مثلاً حضرت انس ہر لحاظ سے بڑے ہیں خواہ عمر ہو خواہ علم ہو خواہ عقل و تدبر اور تجربہ ہو وہ اپنے سے چھوٹے محمود بن ربیع سے روایت

کرتے ہیں۔ "قال قدمت المدینۃ "اس قال کا فاعل محمود بن ربیع ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اس صحابی کی عمر چھوٹی تھی پھر کہیں چلے گئے انہوں نے حضرت عتبان بن مالک کے متعلق کسی سے یہ حدیث سنی تھی مگر کچھ حضرات ان کی اس حدیث میں شک کرتے تھے اس کو دور کرنے کے لئے مدینہ آ کر انہوں نے چاہا کہ براہ راست حدیث کی سماعت کرے چنانچہ حضرت عتبان سے ملاقات ہوئی تو تفصیل معلوم کی جس کے جواب میں حضرت عتبان نے پوری تفصیل سے قصہ بتادیا۔" اصابنی فی بصری "بعض روایات میں ضریر البصر کا لفظ ہے بعض میں انکرت بصری کا لفظ ہے بعض میں ساء ت بصری ہے بعض میں اعمی کا لفظ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی آخر میں بالکل نابینا ہو گئے تو مختلف احوال کی وجہ سے مختلف الفاظ آئے ہیں۔

حضرت عتبان بن مالک مسجد قباء کے پاس رہتے تھے اپنی قوم کے امام تھے ان کے گھر اور مسجد کے درمیان پانی کا نالہ تھا جب بارش ہوتی تو نالہ پانی سے بھر جاتا مسجد جانا مشکل ہو جاتا تو انہوں نے سوچا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر پر بلالوں گا آنحضرت یہاں نماز پڑھ لیں گے پھر میں اس جگہ کو مسجد میں تبدیل کر دوں گا اور گھر والے مل کر جماعت کریں گے اس مقصد کے لئے حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نفل پڑھنا شروع کیا جن کی نشاندھی حضرت عتبان نے کی تھی اس وقت حضرت کی آمد کی وجہ سے اڑوس پڑوس کے سارے مسلمان اس گھر میں جمع ہو گئے تھے مگر ایک صحابی مالک بن دخشم نہیں آئے تھے صحابہ نے منافقین کا تذکرہ کیا تو مالک بن دخشم کا ذکر بھی منافقین کے ساتھ کیا علاقے کے صحابہ کا خیال تھا کہ نبی مکرم اس کو بددعا دیدیں گے اس کو نقصان پہنچ جائے گا۔

"ثم اسندوا عظم ذلك و كبره " کبرہ کاف پر زبر بھی ہے اور زیر بھی ہے عُظم اور کُبر دونوں مترادف الفاظ ہیں بعض مترجمین نے اس جملے کا غیر معروف ترجمہ کیا ہے میں نے بڑی کوشش کے بعد اس جملے کو علامہ نوویؒ کی مدد سے اس طرح سمجھ لیا ہے، یعنی صحابہ نے آپس میں منافقین کی قباحتوں اور آفتوں اور مُصیبتوں کا ذکر کیا اور پھر سب کا سرغنہ مالک بن دخشم کو قرار دیا، بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ گفتگو کے اکثر حصہ کو مالک بن دخشم سے ملا دیا یہ بھی صحیح ہے، مالک بن دخشم اور دخیشم دونوں نام ہیں دخشن اور دخیشن نام بھی ملتے ہیں اب دیکھنا ہے کہ اس صحابی کی حیثیت کیا ہے تو جن حضرات نے ان کو منافقین سے ملا دیا تھا یہ ان حضرات کی غلط فہمی تھی جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور فرمادیا تو حقیقت یہ ہے کہ مالک بن دخشم صحیح ایمان والے صحابی تھے ایک قول کے مطابق یہ بیعت عقبہ میں بھی شریک ہوئے تھے بدر میں مالک بن دخشم شریک ہوئے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے، بدر میں سھیل بن عمرو کو آپ نے گرفتار کیا مسجد ضرار کے جلانے پر آپ مقرر تھے انصاری تھے نفاق سے بالکل بیزار تھے البتہ کچھ معاشرتی اور تجارتی اور انسانی تعلقات منافقین کے ساتھ تھے جس سے ظاہری طور پر محلِ بحث بن گئے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس کی تردید فرمادی اور ان کو سچا مؤمن قرار دیا۔ ایک بریلوی مولوی نے اس جگہ لکھا ہے کہ نبی

اکرم کو دلوں کا حال معلوم تھا آپ نے علم غیب کی بنیاد پر دیکھا کہ دل میں ایمان ہے۔ میں کہتا ہوں ان بیچاروں کو علم غیب کا ہیضہ ہو گیا ہے ان کو نبی کی نبوت تو نظر نہیں آتی بس علم غیب نظر آتا ہے اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے غیب پر قدرت رکھتے تھے تو پھر نبوت کی کیا حیثیت رہتی ہے، مشرکین مکہ کا بڑا اعتراض تو یہی تھا کہ یہ نبی نہیں ہے وحی نہیں آتی ہے خدا کی طرف سے کچھ نہیں ہے یہ خود کاہن ہے غیب کی باتیں کرتا ہے۔

''اکتبہ فکتبہ''یعنی حضرت انس کو یہ حدیث بہت پسند آئی تو آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کو میرے لئے لکھدو تو اس نے لکھدیا اس سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت کے زمانہ میں بھی احادیث کے لکھنے کا عمل شروع ہو گیا تھا منکرین حدیث اندھے ہیں۔

۱۵۰۔**حَدَّثَنِي** أَبُوبَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ عَمِيَ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ فَخُطَّ لِي مَسْجِدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ قَوْمُهُ وَنُعِتَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُمِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عتبان بن مالک نے فرمایا کہ وہ نابینا ہو گئے تھے لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیجا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائیے اور میرے لئے ایک جگہ کو بطور مسجد مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی قوم کے کچھ لوگ بھی آئے ان میں سے ایک شخص جسے مالک بن الدخشم کہا جاتا تھا غائب تھا آگے سابقہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔

باب من رضی باللہ رباو بالاسلام دیناو بمحمدؐ نبیا

جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے قانون ہونے پر اور محمدؐ کے رسول ہونے پر راضی ہوا

اس باب میں امام مسلم نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۱۵۱۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ وَبِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ وَهُوَابْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ ابْنِ سَعْدٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاقَ طَعْمَ الإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہوا اور اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

رسول ہونے پر راضی رہا۔

تشریح

''ذاق طعم الایمان ''ذاق:ای وجدو اصاب و نال، یعنی حلاوت ایمانی پائی، ابن حجر رحمہ اللہ نے معنوی حلاوت کے بجائے حسی حلاوت کا قول کیا ہے جس کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے عجیب تر قرار دیا ہے۔''رضی ''یعنی اسلام کے لئے سینہ کھل گیا اور دل مطمئن ہو گیا ظاہراً اور باطناً انقیاد حاصل ہو گیا۔''بالله ربا ''اللہ کی ربوبیت پر راضی اس طرح کہ نہ شکایت نہ حکایت، ہر حالت پر اور زمانے کی ہر نیرنگی پر راضی، اسلام پر راضی اس طرح کہ تمام احکامات کو بلا چوں و چرا بجالائے، رسول اللہ پر راضی اس طرح کہ طبعی طور پر رسول اللہ سے محبت ہو جس کی وجہ سے آپ کی سنت اور آپ کے طریقے پسند ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضا ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

ای ان یکون صابراً علی بلائه شاکراً علی نعمائه راضیا بقدره وقضائه ومنعه واعطائه وان یعمل بجمیع شرائع الاسلام بامتثال الاوامر واجتناب الزواجر وان یتبع الحبیب حق متابعته فی سننه وآدابه واخلاقه ومعاشرته۔

اس حدیث کا مضمون اس کے بعد والی حدیث نمبر ۱۶۵ کی طرح ہے کہ شہد کی لذت حسی و معنوی وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس کا ذائقہ درست ہو، صفراوی امراض سے اس کا ذائقہ زبان ماؤف اور خراب نہ ہوا ہو، اسی طرح ایمان کی لذت بھی وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جو اسلامی عقائد اور صحیح صفات اسلامیہ سے متصف ہو، وہ اسلام و ایمان اور نبی آخر الزمان پر اسی طرح عقیدہ رکھتا ہو جس کا اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے۔ آنے والی حدیث نمبر ۱۶۵ میں پوری تفصیل آرہی ہے۔

باب بیان شعب الایمان افضلها وادناها

ایمان کے اعلیٰ اور ادنیٰ شعبوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۵۲۔ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُوعَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح

''والحیاء'' حیاء کی تعریف اور مکمل بحث ساتھ والی حدیث میں ہے یہاں ایک اضافی بات لکھی جاتی ہے وہ یہ کہ حیاء کے لئے اگر باعث شرع ہوتو وہ حیاء شرعی کہلاتی ہے اور حیاء شرعی کا مخالف فاسق ہوتا ہے اور اگر حیاء کے لئے باعث عقل ہوتو وہ حیاء عقلی کہلائی جاتی ہے اور حیاء عقلی کا مخالف مجنون ہوتا ہے اور اگر حیاء کا باعث عُرف ہوتو وہ حیاء عرفی کہلائی جاتی ہے جس کا مخالف ابلہ (احمق) ہوتا ہے، عربی عبارت ملاحظہ ہو۔

ان کان الباعث علی الحیاء الشرعی فهوالحیاء الشرع ومن خالفه فهوفاسق وان کان الباعث علی الحیاء العقل فهوالحیاء العقلی ومن خالفه فهومجنون وان کان الباعث علیه العرف فهوالحیاء العرفی ومن خالفه فهوابله۔

بعض کتابوں میں بعض اشیاء میں افراط وتفریط کے بارے میں بہت اچھا لکھا ہے کہتے ہیں۔

افراط الحیاء الخور وتفریطه الخلاعة وافراط العلم الدهاء وتفریطه البلادة وافراط الشجاعة التهور وتفریطه الجبانة وخیرالامور اوسطها۔

یعنی حیاء میں افراط بزدلی ہے اور تفریط فحاشی ہے اور علم میں افراط دھوکہ وچالاکی ہے اور تفریط بیوقوفی ہے اور شجاعت میں افراط ظلم ہے اور تفریط بزدلی ہے اور بہتر امور درمیانہ ہیں۔

۱۵۳ـ **حَدَّثَنَا** زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌعَنْ سُهَیْلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الإِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ أَوْبِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَدْنَاهَاإِمَاطَةُ الْأَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِیْمَانِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر (۷۰) یا ساٹھ (۶۰) سے کچھ زائد شعبے ہیں۔ان میں سب سے افضل (شعبہ) لا الہ الا اللہ کہنا اور سب سے ادنی شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

تشریح

''هریرة'' هرة: کی تصغیر ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کے نام ونسب میں بہت اختلاف ہے، اصل نام میں تقریباً تیس اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جاہلیت میں عبدالشمس یا عبدعمرو تھا۔اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن تھا، احمد وحاکم نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں صحیح تر تحقیق یہ ہے کہ ان کا نام اسلام میں عبدالرحمٰن بن صخر تھا، آپ کا تعلق دوس قبیلہ سے تھا، آپ کی کنیت اتنی غالب آگئی کہ گویا آپ کا اور کوئی نام ہی نہ تھا، ۷ھ جنگ خیبر کے موقع پر آپ اسلام لائے تھے، پھر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ چمٹ گئے، ملازمہ ومواظبہ کیا، علم دین سیکھنے کے شوقین تھے، بھوکے پیٹ رہتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے آپ ساتھ رہتے، اس ساتھ رہنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تیز حافظہ کے مالک تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ سو سے زیادہ صحابہ وتابعین نے آپ سے علم حاصل کیا ہے۔

ابو ہریرہ کنیت پڑنے کی وجہ خود ابو ہریرہؓ کی روایت سے ابن عبد البر نے نقل کیا ہے، فرمایا کہ میں نے ایک دن آستین میں بلی اٹھا رکھی تھی کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ بلی ہے یعنی ''ھرۃ'' آپ نے فرمایا ''فانت ابو ھریرہ'' بس یہ کہنا تھا کہ اصل نام غائب ہوگیا اور کنیت غالب آگئی، آپ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں ۵۹ھ کو مدینہ منورہ میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

''اَلْاِیْمَانُ'' اَیْ ثَمَرَاتُ الْاِیْمَانِ وَفُرُوْعِهِ لِاَنَّ الْاِیْمَانَ هُوَالتَّصْدِیْقُ الْبَسِیْطُ۔

''بضع و بضعة'' دونوں روایتیں ہیں، مونث کے لئے بضعة تانیث کے ساتھ اور مذکر کے لئے بضع ہوتا ہے، پھر تین سے نو تک عدد میں زیادہ تر استعمال ہوا، بضع کا مادہ جتنا الٹ پلٹ کر کے رکھو گے سب میں ٹکڑا اور قطعۃ کا مفہوم ہوگا مثلاً، بضع، عبض، ضبع، ضبعة عضب، سب قطعہ کے معنی میں ہے۔

سوال

یہاں ایک واضح اشکال ہے کہ اس حدیث میں ''بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ'' کا ذکر ہے، بخاری شریف میں ''سِتُّوْنَ'' کا ذکر ہے، ایک روایت میں صرف ''ستون'' ہے، ایک اور روایت میں ''اربع و ستون'' کا ذکر ہے، سب میں تضاد ہے اس کا کیا جواب ہے؟

پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا ہے بلکہ ساکت رہتا ہے جس میں تعارض نہیں آتا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ من جانب اللہ تمام شعبے مکمل نہ تھے، تو پہلے ساٹھ کا ذکر تھا، پھر بذریعہ وحی ستر کا حکم آگیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح ''بضع و سبعون'' والی روایت ہے کیونکہ یہ کثرت سے آئی ہے۔

تیسرا جواب

یہ کہ بعض شعبوں میں تداخل کر کے کم کا ذکر کیا جاتا ہے اور جب تداخل نہ کیا جائے تو زیادہ کا ذکر ہو جاتا ہے۔ ویسے ان اعداد کو اگر تکثیر پر حمل کیا جائے تو پھر تحدید کا مسئلہ ہی نہیں رہتا ہے تو پھر تعارض ہی نہیں، تکثیر کے لئے عدد کا آنا معروف ہے۔

''شعبة'' لغت میں شاخ اور غصن الشجر کو کہتے ہیں یہاں خصلت محمودہ، خصلت حمیدہ مراد ہے۔

''فافضلها''فاتفریعیه تفصیلیه ہے یا جزائیہ ہے یعنی ''اِذَا کَانَ الْاِیْمَانُ ذَاشعب فافضلها............الخ۔

''وادناها''اگر ادنیٰ دنو سے قرب کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوگا''اقربهامنزلة''یعنی قرب وتقریب کے حصول میں قریب تر ہے، ایک روایت میں''ارفعها''بھی ہے جو دنو بمعنی تقرب کی تائید ہے اور اگر ادنیٰ دنائت سے لیا جائے تو پھر کمتر اور حقیر کے معنی میں ہوگا۔ یعنی کم تر شعبہ''اماطة الاذی''ہے سیاق وسباق سے یہ زیادہ مناسب ہے۔''اماطة''باب افعال کا مصدر ہے، ہٹانے کے معنی میں ہے''الاذی''تکلیف دہ اور گندی چیز جیسے پتھر کانٹے، غلاظت وغیرہ کو راستے سے ہٹانا مراد ہے۔

اس حدیث میں شعبہ اولیٰ عبادات قولیه سے متعلق ہے، شعبہ ثانیہ طاعات فعلیه سے متعلق ہے یا پہلا شعبہ معامله مع الحق سے وابستہ ہے اور شعبہ ثانیہ معاملہ مع الخلق سے وابستہ ہے۔

''وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ''سوال یہ ہے کہ حیاء ایمان کے شعبوں میں داخل ہے پھر اس کو الگ کیوں ذکر کیا گیا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ''تخصيص بعدالتعميم''ہے اور یہ حیاء کی شان بڑھانے کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ شعبة من تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی حیاء ایمان کے شعبوں میں سے ایک عظیم الشان اور اہم شعبہ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیاء تمام شعب الایمان پر حاوی ہے اور تمام شعبوں کے لئے سبب اور داعی ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے انسان خصائل حمیدہ حاصل کرسکتا ہے اور اس پر قائم رہ سکتا ہے اس لئے اس کو الگ ذکر کیا گیا۔

حیاء کی تعریف اور قسمیں

حیاء کی بڑی دو قسمیں ہیں: ایک حیاء ایمانی دوسری حیاء طبعی ہے، یہاں حدیث میں حیاء سے حیاء ایمانی شرعی مراد ہے۔

(۱) جس کی ایک تعریف اس طرح ہے''هُوَ خُلُقٌ يَمْنَعُ الشَّخْصَ مِنَ الْفِعْلِ الْقَبِيْحِ بِسَبَبِ الْاِيْمَانِ''۔

یعنی حیاء اس ملکہ اور خلق کا نام ہے کہ ایمان کی وجہ سے قبیح فعل سے منع کرتی ہے۔ جیسے ننگا ہونا، لوگوں کے سامنے فحش حرکات کرنا، زنا کرنا وغیرہ وغیرہ، ان چیزوں سے یہ ایمانی شرعی حیاء منع کرتی ہے۔

(۲) حیاء ایمانی کی دوسری تعریف شیخ جنید بغدادیؒ نے اس طرح کی ہے''هُوَ كَيْفِيَةُ التَّقْصِيْرِ عِنْدَمُشَاهَدَةِ نِعَمِ اللّٰهِ وَتَقْصِيْرِ الْعَبْدِ''یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نظارہ کر کے اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں کو دیکھ کر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یہی حیاء ہے۔

(۳) حیاء ایمانی کی تیسری تعریف اس طرح کی گئی ہے''اَنْ لَايَرَاكَ مَوْلَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ''اس تعریف کے پیش نظر حیاء بعینہ احسان کا مقام ہے، اس لئے یہ حدیث، حدیث جبرائیل کے لئے بمنزلہ اجمال ہے، حدیث جبرائیل میں تین چیزوں کا بیان تھا، ایمان، اسلام اور احسان، اس حدیث میں''فَافْضَلُهَا''سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور''ادناها''میں اسلام کی طرف اشارہ ہے اور''والحياء''میں احسان کی طرف اشارہ ہے۔

حیاء طبعی کی تعریف اس طرح ہے ''هو تغير وانكسار يعترى المرء من خوف مايلام عليه'' مطلب یہ ہے کہ قابل ملامت کام کے خوف سے جب کسی شخص کے اعضاء اور بدن پر انقباض طاری ہو جاتا ہے یہی حیاء طبعی ہے۔

ان دونوں تعریفوں کے فرق اور اس تشریح سے علامہ تورپشتیؒ کا وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ حیاء تو غیر مسلموں میں بھی ہوتی ہے تو کیا ان میں ایمان کا شعبہ آ گیا؟

جواب واضح ہے کہ حدیث میں ایمانی حیاء کو ایمان کا شعبہ کہا گیا ہے، طبعی حیاء حدیث کا مصداق نہیں۔

دوسرا جواب علی حَدِّفتح يفتح ہے یعنی فتح یفتح باب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں حروف حلقی ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں حرف حلقی آ جائے وہاں فتح یفتح کا باب ہوگا اسی طرح ایمان کے لئے حیاء ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جہاں حیاء ہو وہاں ایمان ہوگا۔ حیاء کی چند اقسام بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

۱۔ حیاء جنایت

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی حیاء تھی کہ سر جھکائے جنت میں بھاگ رہے ہیں، اللہ نے فرمایا کیوں بھاگتے ہو؟ عرض کیا ''حياء منك ياالله''۔

۲۔ حیاء حشمت

جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذی سے متعلق مسئلہ حشمت و حجاب کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پوچھا بلکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وغیرہ کے واسطہ سے سوال کیا۔

۳۔ حیاء اجلال

کہ جلال کی وجہ سے حیاء آئی جیسا کہ ''تسربل اسرافيل بجناحيه حياء من الله لاجلاله ''۔ یعنی اسرافیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے حیاو جلال کی وجہ سے اپنے آپ کو پروں میں چھپالیا۔

بہر حال شعب ایمان پر کئی علماء نے کئی تصانیف لکھی ہیں۔

١٥٤ - **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ الْحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ ۔

حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک آدمی کو سنا کہ وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء تو ایمان میں سے ہے۔

۱۵۵ ـ **حَدَّثَنَا** عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ مَرَّ بِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يَعِظُ أَخَاهُ ـ

سابقہ روایت اس سند سے بھی آیا ہے، اس روایت میں ''مر برجل من الانصار'' کے الفاظ ہیں کہ ایک انصاری کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔

تشریح

''عن سالم'' یہ سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں جلیل القدر تابعی ہیں ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں فقہاء سبعہ کے نام اس شعر میں ہیں۔

الا کل من لا یقتدی بائمة   فقسمته ضیزی من الحق خارجة

فخذهم عبیدالله عروة قاسم   سعید ابی بکر سلیمان خارجة

سالم اپنے باپ ابن عمر کے مشابہ تھے جس طرح ابن عمر اپنے باپ عمر فاروق کے مشابہ تھے، قالہ سعید بن المسیبؒ اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ ''زهری عن سالم عن ابیه'' کی جو سند ہے یہ تمام سندوں سے صحیح تر سند ہے زہری کو سالم سے حد درجہ عقیدت اور محبت تھی زہریؒ کے والد بیٹے کو اس شدید عقیدت پر ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگو! دیکھو تم کو اس پر تعجب نہیں آتا ہے کہ ایک شیخ الحدیث اپنے شیخ کا بوسہ لیتے ہیں۔ (فتح الملہم)

''یعظ اخاه'' یعنی ایک انصاری صحابی اپنے بھائی کو عتاب آمیز نصیحت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھائی اگر اسی طرح ہر کام میں حیاء کرو گے تو ہر کام سے پیچھے رہ جاؤ گے اپنا جائز حق بھی نہیں لے سکو گے اتنی حیاء نہ کرو اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور حیاء سے منع نہ کرو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے اگر باحیاء شخص سے حیاء کی وجہ سے مال رہ گیا تو اس کو آخرت کا بڑا ثواب مل جائیگا مشاہدہ اور تجربہ گواہ ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ اسلام کا مزاج حیاء ہے اور دوسری اقوام کا مزاج بے حیائی ہے۔

۱۵۶ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا السَّوَّارِ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ إِنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا وَمِنْهُ سَكِينَةً فَقَالَ عِمْرَانُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صُحُفِكَ ؟ ـ

حضرت عمران بن حصین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء سے صرف خیر ہی آتی ہے یہ سن کر بشیر بن کعب کہنے لگے کہ حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض حیاء سے وقار اور سکون

نصیب ہوتا ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ سنا تو فرمایا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بیان کرتا ہوں اور تو اپنے صحیفوں اور کتابوں کی باتیں مجھ سے بیان کرتا ہے۔

۱۵۷ ـ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ إِسْحَاقَ وَهُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ حَدَّثَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ مِنَّا وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ فَحَدَّثَنَا عِمْرَانُ يَوْمَئِذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ قَالَ أَوْ قَالَ الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ أَوِ الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةً وَوَقَارًا لِلّٰهِ قَالَ وَمِنْهُ ضَعْفٌ قَالَ فَغَضِبَ عِمْرَانُ حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ وَقَالَ أَلَا أَرَى أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُعَارِضُ فِيهِ؟ قَالَ فَأَعَادَ عِمْرَانُ الْحَدِيثَ قَالَ فَأَعَادَ بُشَيْرٌ فَغَضِبَ عِمْرَانُ قَالَ فَمَا زِلْنَا نَقُولُ فِيهِ إِنَّهُ مِنَّا يَا أَبَا نُجَيْدٍ إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم حضرت عمران بن حصین کے پاس اپنے لوگوں کی ایک جماعت کی شکل میں بیٹھے تھے ہمارے درمیان بشیر بن کعب بھی تھے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے ہم سے اس دن حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا سب کی سب خیر ہی ہے یا فرمایا: بالکل خیر ہے۔ بشیر بن کعب کہنے لگے: ہم نے بعض کتابوں میں یا حکمت کی باتوں میں دیکھا ہے کہ سکون اور وقار اللہ تعالیٰ کے لئے یہ اوصاف بھی حیا ہی سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ حیا کی ایک قسم بزدلی اور بوداپن ہے۔ بشیر رضی اللہ عنہ کی اس بات پر حضرت عمران رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا کہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو اس میں تعارض کر رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حدیث بیان کی تو بشیر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ وہی بات کہی پھر تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آ گیا ہم نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ اے ابونجید! بشیر ہم میں سے ہے اس کے اندر کوئی عیب نہیں ہے۔

تشریح

"فی رھط" دس سے کم افراد پر مشتمل جماعت کو "رھط" کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ یہ سب مرد ہوں کوئی عورت اس میں نہ ہو جمعہ "اراھیط"۔ "بشیر" یہ جلیل القدر تابعی ہیں یہ لفظ تصغیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ان کے علاوہ مکبر استعمال ہوتا ہے۔ "ابو نجید" یہ عمران بن حصینؓ کی کنیت ہے نُجَید ان کے بیٹے کا نام ہے۔ "الحیاء خیر کله" یعنی شرعی حیاء خیر ہی خیر ہے اور شرعی حیاء خیر ہی کہلاتی ہے رہ گئی طبعی حیاء تو اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ بعض دفعہ حیا کرنے سے نقصان ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حیا طبعی ہوتی ہے شرعی نہیں ہوتی۔ "بعض الکتب او الحکمة" یہاں او کا لفظ شک کیلئے ہے راوی کو شک ہوا کہ بشیر بن کعب نے کونسا لفظ استعمال کیا یعنی بعض حکمت اور حکماء و عقلاء کی کتابوں میں ہم نے پڑھا ہے کہ بعض حیا تو

بیشک خیر ہوتی ہے اس میں سکون اور وقار اور سنجیدگی ہوتی ہے یہ تو خیر ہی خیر ہے مگر بعض حیاء باعث ضعف باعث نقصان اور باعث بزدلی ہوتی ہے تو مطلقاً حیاء میں خیر نہیں ہے بلکہ کچھ خیر اور کچھ غیر خیر ہے۔

''فغضب عمران ''حضرت عمران بن حصینؓ اسی بات پر غصے ہوئے جس میں حضرت بُشیر نے حیاء کو دو قسموں کی طرف تقسیم کیا جبکہ حدیث میں کل حیاء کو خیر قرار دیا گیا ہے اس کلام میں اگر چہ صراحت کے ساتھ حدیث کا معارضہ نہیں ہے نہ بُشیر کی یہ نیت تھی مگر صورۃً یہ معارضہ کی صورت بن گئی ہے اس لئے حضرت عمران غصے ہوئے نیز حضرت بشیر نے حکماء کی کتابوں کو نبی پاک کی حدیث کے پرکھنے کے لئے معیار بنایا، ہونا یہ چاہئے تھا کہ حدیث کے فیصلے کو معیار بناتے صحابی کے غصہ ہونے کے لئے یہ دوسری وجہ تھی دونوں صورتوں میں لفظوں کا مناقشہ تھا اس لئے دیگر صحابہ نے عمران بن حصینؓ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

''احمر تاعیناہ ''یعنی غصہ سے صحابی کی دونوں آنکھیں سرخ لال ہو گئی۔ یہاں نحوی اعتبار سے ایک اشکال ہے کہ جب اسم فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ مفرد ذکر کیا جاتا ہے یہاں فعل واحد کے بجائے تثنیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عرب کے کئی قبائل کی لغت اسی طرح ہے کہ وہ فاعل کے اسم ظاہر ہونے کے باوجود فعل کو جمع یا تثنیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اہل کوفہ کی عام لغت اسی طرح ہے یا یہ ''وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ''اور ''اکلونی البراغیث ''کے طریق پر ہے کہ فعل میں جو ضمیر مضمر ہے وہ مبدل منہ ہے اور اسم ظاہر اس سے بدل ہے پھر مبدل اور مبدل منہ ملکر فاعل بن جاتا ہے۔

''انہ منایاابانجید ''یعنی یہ شخص ہمارا ساتھی ہے پکا مؤمن ہے ان میں نفاق وغیرہ نہیں ہے ان کی نیت اچھی ہے آپ صرف اس لفظی مناقشہ میں ان کی سخت گرفت نہ کریں۔

۱۵۸۔ **حَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ حَدَّثَنَا أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ حُجَيْرَ بْنَ الرَّبِيعِ الْعَدَوِيَّ يَقُولُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی حماد بن زید والی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

باب جامع اوصاف الاسلام اَلْاِسْتِقَامَةُ

استقامت اسلام کے جامع اوصاف میں سے ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۵۹۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح: وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي

أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ قُلُ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمُ ۔

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتلا دیجئے کہ پھر آپ کے بعد کسی سے اس کے بارے میں نہ سوال کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو: امنت باللہ ۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، ثم استقم، پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

تشریح

حضرت سفیانؓ کی کنیت ابوعمر ہے۔ یہ شخص صحابی ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے گورنر مقرر تھے، بنوثقیف سے ان کا تعلق تھا اور طائف کے باشندہ تھا، ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں۔

''فی الاسلام ''یعنی تکمیل اسلام سے متعلق ایک جامع قول ارشاد فرمائیں، اس جملہ میں توابع اسلام سب کے سب آگئے گویا پوری شریعت کی بات ہوگئی۔ ''امنت باللہ ''یعنی ان تمام چیزوں پر ایمان لایا ہوں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس میں بھی پوری شریعت آگئی۔ ''ثم استقم '' یہ لفظ قرآن کریم کی آیت ﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا﴾ سے ماخوذ ہے یعنی اوامر کے امتثال پر اور نواہی سے اجتناب پر ڈٹ کر قائم رہو، یہ حدیث ''جوامع الکلم'' میں سے ہے، جو اصول اسلام توحید اور ارکان اسلام یعنی طاعات پر مشتمل ہے توحید کی طرف اشارہ ''امنت باللہ '' سے ہوا اور باقی طاعات کی طرف اشارہ ''ثم استقم '' سے ہوا کیونکہ استقامت اس کا نام ہے کہ ہر مامور کا امتثال ہو اور ہر محظور سے اجتناب ہو اگر ذرا بھی اوامر ونواہی میں فرق آگیا تو ''اعوجاج ''ٹیڑھا پن آجائے گا جو استقامت کے منافی ہے۔ اس طرح اس حدیث میں اعمال قلب، اعمال بدن، ایمان، اسلام اور احسان سب آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے کہا ہے ''الاستقامة خیر من الف کرامة ''پس اگر کوئی شخص مامور کو چھوڑتا ہے تو استقامت جاتی ہے یا منہی عنہ کا ارتکاب کرتا ہے تو استقامت نہیں رہتی ہے، یہ پل صراط کی طرح باریک تیز دھار نوک دار تلوار پر سفر ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیبتنی ھود واخواتھا '' کیونکہ ان سورتوں میں ''فاستقم کماامرت '' کا حکم تھا۔

استقامت کا مفہوم

۱۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں صحیح راستہ پر استقامت اتنی مشکل ہے جتنا کہ عالم آخرت میں پل صراط پر استقامت مشکل ہوگی، اس دنیا میں استقامت کا ہر پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جب استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ''ان لاتشرك باللہ شیئا ''یعنی استقامت خالص توحید کا نام ہے۔

۳۔ حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا گیا تو فرمایا ''تستقیم علی الامر والنھی ولا تروغ روغان الثعالب ''یعنی حق و باطل کے وقت حق پر مضبوط ڈٹ جاؤ اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر قلابازیاں نہ کھاؤ۔

۴۔ حضرت عثمانؓ نے استقامت کے متعلق فرمایا ''اخلصوا العمل للہ''یعنی خالص رضائے الٰہی کے لئے ہر کام کرنا استقامت ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''داوموا الفرائض کلھا''یعنی تمام فرائض پر دوام و استمرار کے ساتھ قائم رہنا استقامت ہے۔

باب بیان تفاضل الاسلام و ایُّ امورہ افضل؟

احکام اسلام میں تفاوت اور سب سے افضل عمل کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

علامہ نوویؒ نے جو عنوانات لگائے ہیں اس سے وہ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کئی شعبے ہیں اور جس چیز کے کئی شعبے اور انواع ہوں وہ مرکب ہوتی ہے لہٰذا ایمان ذو اجزاء ہے اور مرکب ہے جب مُرکب من الاجزاء ہے تو یزید و ینقص ہے اور یہی شوافع اور جمہور محدثین کا مسلک ہے میں نے کتاب الایمان کی ابتداء میں اس بحث کو مکمل مدلل لکھدیا ہے یہ مسئلہ اصل میں امام بخاری کے شایان شان ہے وہ اس میدان کے شہسوار اور بلا مقابلہ بادشاہ ہیں دوسرے لوگ نقل تو بیشک کرلیں گے لیکن اس مسئلہ میں ان کی طرح ذوق کہاں سے لائیں گے ائمہ احناف اور جمہور متکلمین کی طرف سے ابتدائی مباحث میں جوابات دیئے گئے ہیں کہ ایمان اصل میں عقد جازم کا نام ہے اس میں ترکیب نہیں وہ بسیط ہے اس لئے لایزید و ینقص ہے جہاں اجزاء کی وجہ سے مرکب نظر آتا ہے تو یہ ایمان کے لئے اجزاء تحسینیہ ہیں ترکیبیہ نہیں ہیں اجزاء تکملیہ ہیں اجزاء نورانیہ ہیں۔تو ایمان ''کم'' کے اعتبار سے لایزید و ینقص ہے ہاں ''کیف'' کے اعتبار سے یزید و ینقص ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

۱۶۰۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا لَیْثٌ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رُمْحِ بْنِ لُمُھَاجِرِا اَخْبَرَنَا اللَّیْثُ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِی الْخَیْرِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور یہ کہ جان پہچان والے اور اجنبی ہر ایک کو سلام کرو۔

تشریح

اس سند میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سارے محدثین مصری ہیں اور بڑے بڑے امام اس کے راوی ہیں اس میں ایک ''اللیث'' ہے یہ لیث بن سعد ہیں ان کی امامت و جلالت پر یہ شاہد عدل ہے کہ امام شافعی اور ابن بکیر نے ان کے بارے میں

فرمایا کہ لیث امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے لیث مصر کے بڑے مفتی تھے۔''ابو الخیر''ان کا نام مرثد بن عبداللہ ہے۔''عمرو'' یہ واؤ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہ عُمر اور عمرو میں فرق آجائے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریشی ہیں اپنے والد صاحب سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے باپ سے گیارہ بارہ یا تیرہ سال چھوٹے تھے کثیر العلم اور کثیر العبادت صحابی تھے کثرت سے رونے کی وجہ سے آخر عمر میں نابینا ہو چکے تھے حدیث نبوی کے کاتب تھے مکہ یا طائف یا مصر میں ۵۶ھ میں انتقال کر گئے تھے۔

''ای الاسلام خیر ''ای ای اعمال الاسلام خیر، یعنی اسلام کا کونسا عمل یا کونسی خصلت سب سے بہتر اور افضل ہے اس کے جواب میں یہاں دو چیزیں آئی ہیں ایک چیز ''تطعم الطعام'' ہے یہاں ان مصدریہ مقدر مان کر اطعام الطعام کے معنی میں لینا ہوگا تو حمل درست ہو جائیگا کھانا کھلانا اسلام کے اچھے اخلاق میں سے ایک اچھی صفت ہے جس سے مسلمانوں کی اجتماعیت الفت اور محبت بڑھ جاتی ہے۔قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ الفت ومحبت اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے جس سے اسلام کا نظام منظم ہو جاتا ہے۔بہر حال ضیافت وسخاوت والفت ومحبت وہ صفات ہیں جس سے دل کے امراض خبیثہ دفع ہو جاتے ہیں۔

''و تقرأ السلام ''یعنی جان پہچان والا ہو یا نہ ہو سلام کو عام کرنا بہترین خصلتوں میں سے ایک خصلت وصفت ہے سلام عام کرنے سے بھی الفت محبت اور اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اس میں کچھ خرچ کرنا بھی نہیں پڑتا ہے اور فوائد بہت ہیں اس لئے معاشرہ میں سب سے زیادہ کنجوس آدمی وہی ہوتا ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے سلام کرنا اگر چہ سنت ہے مگر اس کا جواب دینا واجب ہے بشرطیکہ سلام کرنے والے نے مناسب وقت میں سلام کیا ہو، سلام کے کئی مواضع ہیں آئندہ ابواب السلام میں انشاءاللہ تفصیل آجائیگی۔

یہاں بھی اَن مصدریہ مقدر مان کر''اقراء السلام'' بنایا جا سکتا ہے جس طرح تطعم الطعام میں ہے۔سلام کرنا اس امت کی خصوصی علامت ہے غیر مسلم پر سلام کی ابتدا نہیں کرنی چاہئے اسی طرح فاسق پر بھی ابتدا نہیں کرنی چاہئے البتہ ان کے سلام کا جواب مناسب طریقہ سے دیا جا سکتا ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطعام الطعام کو افضل عمل بتایا کیونکہ اس میں ابدان کی بقاء ہے، پھر افشاء سلام کو احسان واکرام کے لئے بہترین گفتگو قرار دیا اور اس کو عام وخاص کے لئے عام کیا تاکہ یہ صرف اللہ کی رضا کے لئے بن جائے اور اس میں کوئی تملق وتصنع نہ رہ جائے بلکہ ہر ایک کے لئے عام ہو جائے ایک حدیث میں اس نقصان کو بیان کیا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں سلام صرف ان لوگوں تک خاص ہو کر رہ جائیگا جن کے ساتھ جان پہچان ہو۔ (فتح الملہم)

۱۶۱۔**وحَدَّثَنِی** اَبُوالطَّاهِرِ اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِوبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ الْمِصْرِیُّ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ یَزِیْدَبْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِی الْخَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ یَقُوْلُ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرٌ ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سے مسلمان بہتر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تشریح

''ابن وھب'' ھو عبداللہ بن وھب، یہ جلیل القدر محدث ہیں اہل مصر ہر لحاظ سے انہیں پر اعتماد رکھتے تھے کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے خط میں کسی کو فقیہ کہہ کر یاد نہیں کرتے تھے مگر صرف ابن وھب کو فقیہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

''عمرو بن الحارث'' یہ بھی مصر کے بڑے مفتی تھے بڑے امام تھے امام مالکؒ ان کو ''درۃ الغواص'' یعنی سمندر کے غوطہ خوروں کے مایہ ناز موتی کہتے تھے ابن وھب فرماتے ہیں کہ میں نے تین سوستر استاذوں سے احادیث حاصل کی ہیں مگر میں نے عمرو بن الحارث جیسا حافظ الحدیث کسی کو نہیں دیکھا۔ ''ای المسلمین خیر'' یعنی مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہوتا ہے۔

سوال

یہاں ایک مشہور سوال اور اشکال ہے وہ یہ کہ احادیث میں ''ای المسلمین خیر'' کی طرح ''ای الاسلام احب، ای الاعمال افضل وغیرہ'' مختلف سوالات آنحضرتؐ سے کیے گئے ہیں اور سب کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی اعمال وافعال میں سب سے افضل عمل کونسا ہے ان سب سوالات کا جواب بظاہر ایک ہی آنا چاہئے، کیونکہ سب سے افضل عمل تو ایک ہی ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کے سوالات کے جوابات مختلف آئے ہیں ایسا کیوں ہے؟ چنانچہ یہاں ''من سلم المسلمون'' آیا ہے بعض جگہ ''تطعم الطعام'' آیا ہے بعض جگہ ''الصلوٰۃ لوقتها'' آیا ہے بعض جگہ ''الجهاد فی سبیل اللہ'' آیا ہے، تو اب ہم کس عمل کو سب سے افضل عمل کہہ دیں؟

جواب

شارحین حدیث نے اس اشکال کے کئی جوابات دیئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سائلین کے احوال کے اعتبار سے جواب دیا گیا ہے جس میں جو کمی محسوس کی گئی اسی کے ازالے کے لئے جواب دیا گیا ہے، یا جس میں جو استعداد محسوس کی گئی اسی کے مطابق جواب دیا گیا ہے۔

۲۔ زمانے کے احوال کے اعتبار سے جواب دیا گیا ہے حج کے زمانہ میں حج کے عمل کو سب سے افضل کہا گیا جہاد کے زمانہ میں جہاد کو سب سے افضل کہا گیا نمازوں کے اوقات میں ترغیب کی غرض سے نماز کو سب سے افضل کہا گیا قربانی کے زمانہ میں یا زکوۃ اور صیام کے ایام میں اس کو سب سے افضل عمل کہا گیا تو زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے تعارض نہیں ہے۔

۳۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ افضل ایک نوع ہے جس کے تحت ایک فرد نہیں بلکہ کئی افراد ہیں تو جن جن اعمال پر افضلیت کا حکم لگایا گیا ہے وہ سب اسی نوع کے افراد ہیں جو اس نوع کے تحت داخل ہیں اور ایک نوع کے افراد ایک دوسرے کے مخالف

اور معارض نہیں ہوتے ہیں بلکہ معاون ہوتے ہیں۔

۴۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ افضلیت کے اعتبارات مختلف ہوتے ہیں مثلاً صدیق اکبرؓ ''رحم امۃ'' کے اعتبار سے افضل ہیں عمر فاروقؓ ''اشدھم فی امر اللہ'' کے اعتبار سے افضل ہیں، حضرت عثمانؓ ''اصدقھم حیاء'' کے اعتبار سے افضل ہیں اور حضرت علیؓ ''اقضاھم علی'' کے اعتبار سے افضل ہیں۔ جہات کے اختلاف کی وجہ سے جوابات میں اختلاف آیا ہے تو کوئی تضاد وتعارض نہیں ہے۔ بہر حال زیر بحث حدیث میں جو سب سے بہتر مسلمان کے بارے میں سوال کیا گیا ہے تو آنحضرت نے ''من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ'' سے جواب دیا ہے ساتھ والی حدیث میں تشریح آرہی ہے۔

۱۶۲۔**حدّثنا** الحَسَنَ الحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ اَبِيْ عَاصِمٍ قَالَ عَبْدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوعَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاالزُّبَيْرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تشریح

''المسلم'' اس سے کامل مسلمان مراد لیا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ آئے کہ جس کے ہاتھ وزبان سے عام مسلمان محفوظ نہ ہوئے تو کیا وہ شخص مسلمان نہیں رہے گا؟ تو عام شارحین کامل مسلمان مراد لیتے ہیں لیکن اس تقدیر نکالنے سے شارع علیہ السلام کی غرض فوت ہوجاتی ہے، اس لئے کامل کے ساتھ ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ یہ حصر ادعائی ہے کہ مسلمان تو بس وہی ہے جس کے ہاتھ وزبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اس کا فائدہ بھی یہی حصر ہے نیز عربی محاورہ بھی ہے کہ ''الناس العرب، المال الابل'' یہ سب حصر ادعائی کے قبیل سے ہیں یعنی ''افضل المال الابل، افضل الناس العرب'' تو الف لام جنسی مدح کے لئے ہے۔ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ علمی تحقیق اور قیودات کی تدقیق وتعمیق کی حد تک تو یہ قید لگانا درست ہے لیکن یہ تاویل اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے کلام میں زور باقی نہیں رہتا اور مقصود شارع فوت ہوجاتا ہے، اس قسم کی تمام احادیث کا یہی مطلب لینا چاہیئے کہ مؤمن تو وہی ہے جس میں امن ہو، مسلم تو وہی ہے جس میں سلامتی ہو مہاجر وہی ہے جس میں ہجرت عن المعاصی ہو، مجاہد تو وہی ہے جس میں جہد فی العمل ہو، وہ کیا مسلمان جس میں سلامتی کا مادہ نہیں وہ کیا مؤمن جس میں امن کی صفت نہیں وہ کیا مہاجر جس میں ہجرت کی صفت نہیں، وہ کیا مجاہد جس میں جہد فی العمل اور مشقت عبادت نہیں۔

سوال

یہاں یہ اعتراض ہے کہ سلامتی کی صفت اگر کسی غیر مسلم میں آجائے یا مسلم میں صرف سلامتی ہو باقی ارکان نہ ہو تو کیا وہ کامل مسلم ہو جائے گا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں معاملہ باب فتح یفتح کے قبیل سے ہے کہ اس کے لئے حرف حلقی کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں حرف حلقی آجائے وہاں فتح یفتح کا باب ہوگا، اسی طرح مسلم کے لئے سلامتی ضروری ہے لیکن اگر یہ صفت غیر مسلم میں آجائے تو ضروری نہیں کہ وہ مسلمان کہلائے، مسلمان کے لئے یہ اوصاف ضروری ہیں۔

''المسلمون'' یہاں ایک اشکال ہے کہ ایذاءرسانی سے حفاظت کو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا گیا حالانکہ ناجائز ایذارسانی تو کسی کافر بلکہ جانور کی بھی منع ہے جس طرح کہ احادیث وقرآن میں اس کی تصریح ہے تو یہاں المسلمون کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟

جواب

چونکہ مسلمانوں کی ایذارسانی سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے، یہ قید احترازی نہیں بلکہ قید اتفاقی ہے کہ مسلمان سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے ورنہ ناحق طور پر ایذا کسی مرد وزن، مسلم وغیر مسلم بلکہ جانور کی بھی جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں المسلمون کی جگہ ''من سلم الناس من لسانہ ویدہ'' کے الفاظ آئے ہیں اور ''المؤمن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم'' کے الفاظ مذکور ہیں۔

اس کے بعد یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدود اللہ کی تنفیذ اور اجراء، تعزیرات، ضرب اطفال، جہاد فی سبیل اللہ یہ سب امور اصلاح کے لئے ہیں، یہ عرفاً ایذاء نہیں یا شرعاً مستثنیٰ ہیں اور ''المسلمون'' کہہ کر جہاد کو الگ کر دیا گیا ہے کیونکہ جہاد کفار سے ہوتا ہے۔ بہرحال حدیث میں بلاوجہ اور بلاغرض صحیح ناحق طور پر ایذارسانی سے منع کیا گیا ہے صحیح وجہ اور معقول سبب سے سزا دینا منع نہیں ہے۔

''من لسانہ'' ایذاءلسانی میں سب وشتم، لعن طعن، غیبت، چغلخوری، بہتان وغیرہ سب داخل ہیں، زبان کو ''ید'' پر مقدم کیا اس لئے کہ زبان کی ایذاء، زندوں، مردوں حاضرین، غائبین، اگلوں پچھلوں اور ابرار و فجار سب کو عام ہے یا اس لئے مقدم کیا کہ زبان کی کاٹ بڑی سخت ہوتی ہے تو اس کی ایذاء عام بھی ہے اور تام بھی ہے کسی نے عربی میں کہا ہے ۔

جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

کسی نے فارسی میں کہا۔

جراحت نیزہ را گردد بدارو ولے جرحے زباں را نیست دارو

کبھی زبان نکال کر مذاق واستہزاء کیا جاتا ہے "لسانہ" اس کو بھی شامل ہے۔ "ویدہ" ہاتھ کی ایذاء رسانی میں ضرب، قتل، ہدم، دھکا دینا اور کسی کے خلاف ناجائز تحریر لکھ دینا یا ہاتھ سے اشارہ کر کے ایذا پہنچانا سب داخل ہیں۔ ہاتھ بول کر کنایہ سب اعضاء سے کیا گیا ہے کیونکہ ہاتھ ہی سے تمام افعال کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے بطور خاص ہاتھ کا ذکر ہوا ہے، ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھ بھی ہے اور اس سے معنوی ہاتھ یعنی کسی چیز پر قبضہ جمانا اور ناجائز طور پر دبانا بھی داخل ہے۔

۱۶۳۔ **وَحَدَّثَنِیْ** سَعِیْدُبْنُ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدِالْاُمَوِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِیْ حَدَّثَنَا اَبُوْبُرْدَۃَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کونسا اسلام سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

۱۶۴۔ **وَحَدَّثَنِیْہِ** اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعِیْدِالْجَوْھَرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَۃَ قَالَ حَدَّثَنِیْ بُرَیْدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ بِھٰذَاالْاِسْنَادِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ ؟ فَذَکَرَ مِثْلَہٗ ۔

اس سند سے بھی یہ روایت اسی طرح مذکور ہے باقی اس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا مسلمان افضل ہے۔

باب بیان خصال من اتصف بھن وجدحلاوۃ الایمان

ان خصلتوں کا بیان جن کے اپنانے سے ایمان میں لذت پیدا ہوتی ہے

امام مسلم نے اس عنوان کے تحت تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۶۵۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَمُحَمَّدُبْنُ یَحْیَی بْنِ اَبِیْ عُمَرَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ جَمِیْعًا عَنِ الثَّقَفِیِّ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَھَابِ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَبِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّاسِوَاھُمَا وَاَنْ یُحِبَّ الْمَرْءُ لَایُحِبُّہٗ اِلَّااللّٰہِ وَاَنْ یَکْرَہَ اَنْ یَعُوْدَ فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَہُ اللّٰہِ مِنْہُ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں (خصلتیں) ایسی ہیں جس کے اندر بھی ہوں وہ ان کی وجہ سے حلاوت ایمانی حاصل کر لے گا۔ (۱) اللہ اور اس کا رسول ہر شخص اور چیز سے زیادہ محبوب رکھے۔ (۲) اور جو کسی انسان سے محبت کرے تو خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ (۳) اور جس کو اللہ تعالیٰ نے جہنم

کی آگ سے بچالیا وہ کفر کی طرف واپس لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے جیسا آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

تشریح

اس سند میں ایوب سے ایوب سختیانی مراد ہے تابعی ہیں امام ابوحنیفہؒ نے بھی ان سے حدیث پڑھی ہیں۔

''ثلاث'' ثلاث مبتداء ہے اور ''من کن فیه'' پورا جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے۔ اب سوال یہ کہ ہے کہ ثلاث نکرہ ہے یہ کس طرح مبتدا واقع ہوا ہے جبکہ مبتدا کے صحیح ہونے کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے ثلاث نکرہ ہے محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ مخصصہ ہے یہ خود صفت ہے اس موصوف محذوف ہے جو خصال کا لفظ ہے'' ای خصال ثلاث '' اب اعتراض نہیں رہیگا۔ نیز شرح جامی میں وضاحت موجود ہے کہ جب نکرہ سے استفادہ ہوسکتا ہے تو نکرہ مبتدا واقع ہوسکتا ہے''کوکب انقص الساعة'' مثال موجود ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ''ثلاث'' میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی تین بڑی چیزیں ہیں تو اس سے تخصیص پیدا ہوگئی۔

''وجه'' یہ ادراک کے معنی میں ہے نیز یہ "ذاق" اور "صادف" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔

''حلاوة الایمان '' اس حلاوت سے حلاوت ظاہری بھی مراد لی جاسکتی ہے جو حلاوت حسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور حلاوت سے یہاں معنوی حلاوت بھی مراد لی جاسکتی ہے اگر یہاں حلاوت معنوی ہو تو اس کی تشریح اس طرح ہوسکتی ہے۔

ای استلذاذ الطاعات و ایثار الطاعات علی جمیع الشهوات و تحمل المشقات فی مرضات الله و رسوله و الرضا بالقضاء فی جمیع الحالات۔ (مرقات)

اگر یہاں حلاوت سے حسی حلاوت مراد ہو تو اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ حلاوت ایمانی سے مراد وہ قلبی لذت ہے جس کو دوسری روایات میں بشاشت قلبی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس لذت کے سامنے دنیوی لذائذ کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے اس کو آدمی منہ میں بھی محسوس کرسکتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثانی نے فتح الملہم میں لکھا ہے کہ ظاہری اور حسی حلاوت کا قول فقہاء کرام نے کیا ہے اور صوفیاء کرام نے اس حلاوت سے معنوی حلاوت مراد لیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حلاوت سے حسی اور ظاہری حلاوت مراد لیا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے ایسے بھی گذرے ہیں جن کو ذکر اللہ میں ظاہری طور پر ایسی لذت محسوس ہوتی تھی جیسے وہ منہ میں کوئی میٹھی چیز چوس رہے ہیں۔ بہر حال اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتا رہے ہیں کہ ایمان کی اصل حلاوت وہی آدمی چکھ سکتا ہے جس کا دل روحانی صفات سے منور ہو اور وہ روحانی اعتبار سے بالکل تندرست ہو، اگر کوئی شخص روحانی طور پر بیمار ہو یعنی اس کا دل روحانی صفات سے عاری

ہو تو وہ شخص ایمان کی حلاوت بالکل محسوس نہیں کر سکتا ہے اس کی مثال ایک تندرست اور بیمار شخص کی طرح ہے اگر کوئی آدمی تندرست اور صحت مند ہے تو وہ شہد کی حلاوت کو اس طرح پا سکتا ہے جس طرح کہ شہد کی حقیقت ہے لیکن اگر کوئی شخص صفراء کا مریض ہے تو وہ شہد کو چکھ کر اعلان کرے گا کہ یہ کڑوا ہے حالانکہ شہد کڑوا نہیں ہوتا بلکہ یہ قصور اس شخص کی بیماری کا ہے کہ صفراء کی وجہ سے اس کو ایک لذیذ ترین چیز کڑوی لگتی ہے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص روحانی امراض میں مبتلا ہے تو وہ اسلام کی حقیقی لذت کو کبھی محسوس نہیں کر سکتا ہے، وہ الٹا اس لذیذ ترین نعمت کو کڑوا قرار دینے کی کوشش کرے گا لیکن اگر روحانی اعتبار سے یہ شخص تندرست ہے تو وہ ایمان کی اعلیٰ ترین لذت کو محسوس کر کے اس کا اعتراف کرے گا اور اعلان کرے گا کہ ہاں یہ لذیذ ترین نعمت ہے روحانی تندرست کے لئے۔

اس حدیث میں حلاوت ایمان کی چاشنی محسوس ہونے کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب ہو، دوم یہ کہ اگر کسی مخلوق سے محبت ہو تو وہ بھی صرف اللہ کے لئے ہو، سوم یہ کہ مسلمان ہونے کے بعد کفر سے اتنی نفرت ہو جتنی آگ میں ڈالنے سے ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس نے ایمان کی لذت محسوس کی تو شریعت پر چلنا آسان ہوگا ورنہ بڑی تکلیف محسوس کر کے بھاگے گا۔

''من کان '' یہاں تقدیری عبارت ماننا ضروری ہے یعنی ''احداها محبة من كان الله ورسوله احب الخ ''احب، سے محبت اختیاری شرعی مراد ہے۔ متکلمین علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے محبت کا مطلب اس کے احکامات اور طاعات سے محبت کرنا ہے مگر علماء عارفین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا مطلب اس کی ذات سے محبت کرنا ہے، یہ قول راجح ہے۔

''مما سواهما'' یہ سواهما عام ہے ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو، مال میں سے ہو یا جاہ و منصب میں سے ہو یا شہوات میں سے ہو۔

سوال

اشکال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اللہ تعالیٰ کا نام اور اپنا نام تنبیہ کے ساتھ ایک ضمیر میں جمع فرمایا ہے یعنی ''مما سواهما'' اسی طرح خطبہ نکاح میں بھی دونوں کو ایک ضمیر ''هما'' میں جمع فرمایا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک خطیب کو ان الفاظ پر ڈانٹا تھا جنہوں نے یہ الفاظ کہے تھے ''من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى '' فقال عليه السلام بئس الخطيب انت قم ''اب اس کا جواب کیا ہوگا؟ شارحین حدیث اس سوال کے کئی جواب دیتے ہیں۔

پہلا جواب

یہ کہ یہ اعتراض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ نہیں ہے کیونکہ ایک چیز امت کے لئے منع ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے منع نہیں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً ''ھما'' کی ضمیر میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ناموں کو اکٹھا فرمایا ہے تو آپ سے تو شرک، تسویہ اور برابری کا وہم نہیں ہوسکتا لیکن دوسروں میں یہ احتمال ہے کہ وہ اتحاد ضمیر کی وجہ سے اشتراک اور مساوات کا گمان کرے اس لئے منع کیا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اطاعت میں دونوں کو جمع کرنا تو صحیح ہے کیونکہ ایک کی اطاعت ناتمام ہے اور وہ گیا معصیت کا معاملہ تو اس میں ایک کی معصیت بھی تباہ کن ہے اور خطیب نے دونوں کی معصیت کو تباہی وگمراہی کے لئے ضروری بنا دیا۔

تیسرا جواب

یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بغیر اجازت خطبہ کے لئے کھڑا ہونا اور خطبہ دینا کس قدر بے ادبی کی بات ہے شاید اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش فرمائی یہ وجہ کسی کتاب میں نہیں ملی ممکن ہے صحیح ہو ورنہ بندہ معافی کا خواستگار ہے۔

وثانیتھا محبۃ من احب عبدا حرا کان او عبدا مملوکاً لا یحبہ ای لا یحبہ لغرض وعرض وعوض ولا یشوب محبتہ حظ دنیوی ولا امر بشری بل محبتہ تکون خالصۃ للہ تعالیٰ۔

محبت رکھے پاک لینے دینے کی منہ میں خاک

''وثالثتھا کراھۃ من یکرہ ان یعود ''عود کے دو معنی لئے جاسکتے ہیں اول یہ کہ ایک آدمی اسلام پر پیدا ہوا اور اسی پر پھلا پھولا اب یہ شخص کفر کی طرف لوٹنے کو برا مانتا ہے تو یہ عود ''صیرورت'' کے معنی میں ہے گویا اس کا معنی ابتداء کسی چیز کی طرف رجوع اور لوٹنے کا ہوا۔

عود کا دوسرا معنی حالت اولیٰ کی طرف لوٹنے کا ہے یہ ان لوگوں کے لئے مناسب ہوگا جو پہلے کفر پر تھے پھر مسلمان ہو گئے اب دوبارہ حالت اولیٰ حالت کفر کی طرف لوٹنے کو برا مانتے ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کی حلاوت کا جو بیان ہوا ہے اس پر یہ بحث ہوئی ہے کہ آیا یہ حلاوت حسی ہے کہ آدمی منہ میں محسوس کرے یا یہ معنوی حلاوت اور مٹھاس ہے؟ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسی مٹھاس کا قول کیا ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے جس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے سخت تعجب کا اظہار کیا ہے کہ حسی مٹھاس کیسے ہوسکتی ہے، مگر صوفیاء کرام کی اکثریت اس کے قائل ہے کہ حسی ظاہری مٹھاس ہوسکتی ہے، بہرحال صفائی باطن کے ساتھ اس کا تعلق ہے تو اصحاب کمال اس تشریح کو نظر انداز نہیں کرسکتے ہیں عام علماء نے معنوی حلاوت مراد لیا ہے۔ علامہ عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ عارف باللہ شیخ ابو جمرہ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہاں حلاوت معنوی ہے یا حسی ہے ایک طبقہ نے حلاوت معنوی پر حدیث کو محمول کیا ہے یعنی جس میں حلاوت آگئی تو ان کو قطعی علم

حاصل ہوگیا کہ ایمان کا عقیدہ پکا ہے اور احکام ایمان پر جھک کر چلنا چاہئے۔فقہاء کرام کا طبقہ اسی طرف گیا ہے دوسرے طبقہ نے اس حلاوت کو حسی حلاوت پر حمل کیا ہے اور حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے یہ صوفیاء کا مسلک ہے۔علامہ عثمانی نے اس مسلک کو راجح کہا ہے کیونکہ اس میں حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل ہوجاتا ہے آپ نے صحابہ کرام کی جماعت سے چند مثالیں پیش فرمائیں کہ دیکھو حضرت بلال نے جب یہ لذت محسوس کی تو آگ پر لیٹنا آسان ہوگیا ایک صحابی کو نماز میں تین تیر لگے مگر وہ لذت نماز سے پیچھے نہیں ہٹے۔ابراہیم بن ادھم نے کہا کہ ہم جس لذت کو پارہے ہیں اگر وقت کے بادشاہ ہوں کو اس کا پتہ چلے تو وہ تلواریں لیکر ہم سے لڑنے لگ جائیں گے جنید بغدادی نے کہا کہ رات کے تہجد گذار اپنے تہجد میں وہ لذت محسوس کرتے ہیں جو کھیل کے شوقین اپنے کھیل میں محسوس نہیں کر سکتے ہیں۔

اس حدیث میں تین صفات کا بیان ہے اول دو صفات تو ''تحلی و تزین بالفواضل و الفضائل'' کے قبیل سے ہیں اور تیسری صفت ''تخلی من الرذائل'' کے قبیل سے ہے گویا اس میں اشارہ ہوگیا کہ کفر سے براءت کا اعلان بھی ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔''انقذ'' چھڑانے کے معنی میں ہے ''یقذف'' پھینکنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں ''یُلقیٰ'' کا لفظ ہے معنی ایک ہی ہے یہ حدیث اس سے پہلے حدیث ذاق طعم الایمان کے ساتھ مضمون میں ایک جیسے ہے۔

۱۶۶۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَايُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ اَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَاَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین خصلتیں ہیں جس کے اندر موجود ہوں وہ ایمان کا مزہ پائے۔(۱) جو شخص کسی سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔(۲) جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔(۳) جسے اللہ نے آگ سے بچالیا ہو اور وہ کفر کی طرف واپس پھرنے کو سخت ناپسند کرے اور اس کو آگ میں ڈالا جانا زیادہ پسند ہو۔

۱۶۷۔**حَدَّثَنِي** اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَأَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ اَنْبَأَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ مِنْ اَنْ يَرْجِعَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا۔

اس سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا لفظ زائد ہے کہ دوبارہ یہودی یا نصرانی ہونے سے آگ میں لوٹ جانے کو زیادہ بہتر سمجھے۔

باب وجوب محبة رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا واجب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۶۸۔**وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ ح:وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِالْعَزِيزِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِالْوَارِثِ الرَّجُلُ حَتَّى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ـ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے گھر والوں، اس کے مال و دولت اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

تشریح

''انس'' انس بن مالک بن نضر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں انکی والدہ ام سلیمؓ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت لے آئی جبکہ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور انکی والدہ ام سلیم نے ابوطلحہؓ سے نکاح کیا تھا ام سلیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ''خویدمك ادع الله له'' آنحضرت نے اس طرح دعا فرمائی ''اللهم بارك فى ماله وولده واطل عمره واغفر ذنبه'' اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اولاد میں اس طرح برکت آگئی کہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ۹۸ بچے دفن کیے ہیں مال میں اس طرح برکت ہوگئی کہ سال میں دوبار پھلوں کی فصل آتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے تعلیم فقہ وحدیث کے لئے بطور معلم بصرہ بھیجا تھا فرمایا کہ عمر سے اب اکتا گیا ہوں اور آنحضرت کی آخری دعا مغفرت کی امید رکھتا ہوں دس سال تک حضور اکرمؐ کے خاص خادم رہے اور ایک سو تین سال کی عمر پا کر بصرہ میں ۹۳ھ میں انتقال فرما گئے یا ۹۵ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ سے ۱۲۸۶ حدیثیں مروی ہیں آپ کی کنیت ابوحمزہ ہے خزرجی انصاری ہیں۔

''احب اليه من والده'' احب محبوب کے معنی میں ہے ''والده'' عاقل کے نزدیک اہل و مال بلکہ اپنے نفس سے بھی والد اور ولد معزز ہوتے ہیں چنانچہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے مگر ان کو بچاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث انس میں ''نفس'' کا لفظ نہیں اور دوسری روایات میں ہے اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب والد کا لفظ آ گیا تو والد تو نفس سے زیادہ عزیز ہے لہٰذا نفس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بخاری کی روایت میں ''والد'' کو ''ولد'' پر مقدم کیا ہے کیونکہ والد وجود کے اعتبار سے مقدم بھی ہے اور معظم بھی ہے اور اگر ولد مقدم ہے، جیسے صحیح مسلم کی روایت ہے تو پھر شفقت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے والد سے مراد من له الولد ہے تو من له الولد میں ماں باپ دونوں آ گئے۔ یہ سب بطور تمثیل ہے، عام اعزہ اصول و فروع نفس اور مال مراد ہے اس

کے بعد ''والناس اجمعین ''میں تعیم بعد تخصیص ہے جس میں تمام انسان آگئے۔زیر بحث حدیث میں ''اھلہ'' کا لفظ آیا ہے اس میں انسان آگئے اور ''ومالہ''میں سارے مال آگئے۔

اقسام محبت

ابن بطال رحمہ اللہ نے محبت کو تین انواع پر تقسیم کیا ہے:

ا۔ محبت عظمت جیسے والدین سے محبت ہوتی ہے۔

۲۔محبت شفقت جیسے اولاد کی محبت۔

۳۔محبت لذت جیسے میاں بیوی کی محبت ہوتی ہے۔اس حدیث میں ان تینوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''والد'' سے پہلی قسم ''ولد'' سے دوسری قسم اور ''الناس اجمعین '' سے تیسری قسم کی طرف اشارہ ہے۔اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ محبت یا بڑے سے ہوتی ہے یا چھوٹے سے اور یا مساوی سے ہوتی ہے۔حدیث میں ''والدہ'' سے بڑے،ولدہ سے چھوٹے،والناس اجمعین، سے مساوی کی طرف اشارہ ہے تینوں قسم محبت آگئی۔

سوال

یہاں یہ مشہور اشکال ہے کہ اس حدیث میں محبت رسول کو ایمان کے لئے معیار بنایا گیا ہے جبکہ طبعی محبت والدین اور اولاد کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے تو پھر کون مومن رہے گا، نیز محبت غیر اختیاری چیز ہے اس کو ایمان کا معیار کیسے بنایا گیا؟

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ محبت کی تین قسمیں ہیں۔

اول

محبت طبعی ہے جیسے اولاد والدین وغیرہ سے محبت ہوتی ہے، یہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔یہ قسم خارج عن البحث ہے کیونکہ ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا'' ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں طبعی محبت مراد نہیں۔

دوم

محبت عقلی ہے وہ یہ کہ ایک کام خواہش کے خلاف ہے طبیعت اس سے انکار کرتی ہے لیکن عقل کہتی ہے کہ اس میں فائدہ ہے تو یہ شخص اس کام کو کرتا ہے یا اس چیز کو استعمال کرتا ہے اگرچہ مزاج اور خواہش کے خلاف ہے مثلاً مریض ہے وہ کڑوی دوا کو طبعاً مکروہ سمجھتا ہے نہار منہ کریلے کا پانی سوہان روح سمجھتا ہے مگر عقلاً بیماری کے پیش نظر اس کو اچھا سمجھتا ہے۔کیونکہ اس میں شفاء ہے

بالکل اسی طرح یہاں یہ محبت ہے کہ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے کہ یہ کام کرو اور والدین واولاد کا حکم آجائے کہ یہ کام نہ کرو تو اگرچہ طبعی میلان والدین کی طرف ہے لیکن عقل کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لو کیونکہ اس میں اخروی فائدہ ہے مثال کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنے والدین کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں اولاد کے قتل کا حکم دیتے ہیں کیونکہ وہ کفار ہیں یا کفار سے جہاد کا حکم دیتے ہیں تو طبعاً یہ کام بھاری ہے مگر عقل کہتی ہے کہ فلاح دارین اسی میں ہے اس پر عمل کرنا ہے تو وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے یہ عقلی تقاضا ہے، حدیث میں ہم سے جس محبت کا مطالبہ ہے وہ یہی محبت عقلی ہے نہ کہ محبت طبعی جو غیر اختیاری بھی ہے۔

سوم

محبت ایمانی شرعی ہے یہ بھی یہاں مطلوب ہے اور وہ یہ ہے کہ

"ایثار جمیع اغراض المحبوب علی اغراض غیرہ حتی القریب والنفس وھذالحب ھوالناشی عن الایمان والاجلال والتوقیر والرحمۃ"۔

بعض شارحین نے "لایؤمن" میں "لا" نفی کمال کے لئے لیا ہے کہ کامل مومن نہیں ہوسکتا ہے بخاری شریف باب الایمان والنذور۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

لانت یارسول اللہ احب الی من کل شیء الامن نفسی فقال لاوالذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک فقال عمر فانك الآن واللہ احب الی من نفسی فقال علیہ السلام الآن یاعمر۔ (بخاری باب النذور)

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طبعی محبت کا تقاضا کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کیسے ہوسکتی ہے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ کا پرتو ڈالا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طبعی محبت کا اقرار کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ایمان کامل ہوگیا۔

حضرت سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا ذوق ہے کہ اس حدیث میں محبت سے مراد وہ محبت ہے جس کی ابتداء عقلی ہو اور انتہاء طبعی ہو کیونکہ صحابہ کرام نے اسی طبعی محبت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔

۱۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صدمہ کو صحابہ برداشت نہ کرسکے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو وقتی طور پر وفات کا انکار ہی کردیا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ غم کی وجہ سے کسی کے سلام سننے یا جواب دینے کے قابل نہ رہے، کچھ صحابہ تو مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام وغیرہ چلے گئے بغیر محبوب کے مدینہ میں رہنا مشکل ہے اور عام صحابہ پر روشن دنیا تاریک ہوگئی۔ اسی حالت میں جب عبداللہ بن زید بن عبدربہ صاحب اذان کو ان کے بیٹے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی

اطلاع دے دی اس وقت وہ اپنے باغ میں کام کررہے تھے تو انہوں نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح دعا مانگی اے اللہ! تیری اس کائنات میں ان آنکھوں سے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا جب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں تو مجھے ان آنکھوں کی ضرورت نہیں اے مولا! میری نگاہوں کو چھین لے چنانچہ دعاء ختم ہوتے ہی وہ نابینا ہوگئے یہ طبعی محبت تھی۔ (فتح الملہم)

۲۔ جنگ احد میں جب کفار نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کر کے حملہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس وقت میرا دفاع کرے اور وہ میرے ساتھ جنت میں رہے، اس اعلان پر انصار میں سے یکے بعد دیگرے سات صحابہ کرام نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر شہادت کا جام نوش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آنے دی یہ طبعی محبت تھی۔ (ابن ہشام)

۳۔ اسی غزوۂ احد میں جب عارضی شکست ہوئی اور مدینہ منورہ میں یہ وحشت ناک خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے تو مدینہ منورہ سے عورتیں بے اختیار احد کے میدان کی طرف دوڑ پڑیں اسی میں ایک خاتون کلثوم بنت رافع تھیں، راستہ میں کسی نے بتادیا کہ جنگ احد میں تیرا شوہر شہید ہوگیا ہے وہ کہنے لگی کہ شوہر کی بات چھوڑو مجھے بتاؤ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حالت میں ہیں پھر کسی نے کہا کہ تیرا باپ بھی شہید ہوگیا، اس نے پھر وہی جواب دیا پھر کسی نے کہا کہ تیرا بھائی بھی شہید ہوگیا ہے وہ مسلسل یہ کہہ رہی تھیں کہ مجھے بتاؤ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب احد پہنچ کر اس نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم دیکھ لیا تو فرمانے لگی ''کل مصیبة بعدك یارسول الله جلل ''یعنی جب آپ خیرت سے ہیں تو باقی ساری مصیبتیں چھوٹی چھوٹی اور ہیچ ہیں، یہ طبعی محبت تھی۔ (فتح الملہم)

۴۔ مدینہ منورہ کے ایک منافق نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں کچھ زبان درازی کی جس کا پتہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے سامنے تذکرہ فرمایا بیٹے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے قتل کرنے کی اجازت مانگی حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، تاہم اس صحابی نے جا کر اپنے منافق باپ سے کہا کہ یہ کہدو کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم معزز اور بزرگ ہیں اور تم ذلیل ہو ورنہ قتل کردوں گا اس نے کہہ دیا کہ حضور معزز ہیں اور میں ذلیل ہوں تب بیٹے نے اسے چھوڑ دیا یہ طبعی محبت تھی۔

۵۔ علماء کرام نے کئی جگہ اس واقعہ کو لکھا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سینگی لگوا کر خون نکلوادیا اور پھر ایک صحابی کو دیا کہ جا کر اسے کسی پوشیدہ مقام میں گرادو اس نے جا کر سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا یہ مقدس خون میں زمین پر کیسے گرادوں چنانچہ انہوں نے وہ خون پی لیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''القیت اخفی مکانه'' میں نے اسے پوشیدہ مقام پر ڈال دیا یہ سب طبعی محبت کے آثار تھے۔

۶۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب کفار قتل کرنے کے لئے میدان میں لے آئے اور سولی پر چڑھادیا تو ابوسفیان نے کہا کہ کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ اس وقت تیری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ہوں ہم ان کی گردن تلوار سے اڑادیں اور تم

اپنے گھر میں ہو؟ اس کے جواب میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے محبت کا اس طرح عظیم اظہار فرمایا ''خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ میں کانٹا بھی چبھے اور میں آزاد ہو کر گھر میں رہوں'' یہ طبعی محبت تھی جس کا مظاہرہ صحابہ کرام نے کیا اور امت کو یہ تعلیم دی کہ محبت کی ابتداء اگرچہ عقلی اور شرعی ہو لیکن اس کی انتہاء طبعی ہونی چاہئے بعض شارحین نے اس صحابی کا نام زید بن دثنہ لکھا ہے۔

اسباب محبت: جمال، کمال، نوال

محبت کے تین بڑے اسباب ہیں:

۱۔ پہلا سبب جمال ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جمال عطا کیا تھا آپ کا جمال شمائل سے ظاہر اور واضح ہے ابوعلی سینا ایک بڑے فلسفی اور بڑے حکیم گزرے ہیں انہوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''حسن'' تناسب اعضاء اور اعتدال اعضاء کا نام ہے اور شمائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معتدل الاعضاء تھے لہٰذا آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی حسین پیدا نہیں ہوا ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''انا ملیح واخی یوسف صبیح'' کسی نے کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں　　تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

واحسن منك لم ترقط عینی　　واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب　　کانك قد خلقت کما تشاء

فاق النبیین فی خلق و فی خلق　　ولم یدانوه فی علم ولا کرم

منزه عن شریك فی محاسنه　　فجوهر الحسن فیه غیر منقسم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

لنا شمس وللآفاق شمس　　وشمسی خیرمن شمس السماء

فشمس الناس تطلع بعد فجر　　وشمسی تطلع بعد العشاء

پھر فرمایا

لواحی زلیخا لو رأین جبینه　　لآثرن بالقطع القلوب علی الید

یعنی اگر زلیخا کی سہیلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی تو انگلیوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر من وجهك المنير لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه بعد ازخدا بزرگ توئی قصہ مختصر
لن یخلق الرحمان مثل محمد ابدا و علمی انه لم یخلق
مظہر چہ توان کرد بیاں وصف جمالش شد خالق کونین ثنا خوان محمد ﷺ

۲۔ محبت کا دوسرا سبب کمال ہے آپ کے کمالات کا احصاء تو ممکن نہیں مگر ختم نبوت کا جو کمال ہے یہ ایسا کمال ہے جس کے اثرات سے اولین اور آخرین سب ہی بیک وقت مستفیض ہورہے ہیں۔

وکل ایٍ من رسل الکرام به فانه ماتصلت من نوره بهم
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

ختم نبوت اس اعتبار سے کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اولیاء اللہ اور اولا د آدم کو جو دینا تھا وہ دے دیا پھر آنحضرتؐ پر کمالات کی تکمیل فرمادی گویا اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جتنے کمالات تھے وہ سب ہم نے اپنے نبی کو عنایت کیے روحانیات کی تکمیل آپ پر کردی، اب کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش نہیں کیونکہ روحانیت اور مادیات جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اب اس کے بعد کسی کو کچھ دینے کی گنجائش نہیں گویا انعامات اور کرامات کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمادی۔

مضت الدهور وما اتین بمثله ولقد اتی فعجزن عن نظر ائه
نفسی الفداء لمن اخلاقه شهدت بانه خیر مولود من البشر
آفاقہا گردیدہ ایم مہر و بتان ورزیدہ ایم
بسیار خوباں دیدہ ایم لیکن تو چیزے دیگرے

۳۔ محبت کا تیسرا سبب نوال ہے نوال عطیہ اور جود وسخاوت کو کہتے ہیں۔ آپ پر جود کی انتہاء ہو چکی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان میں آپ کی سخاوت تیز ہوا کی طرح ہوتی تھی آپ نے یہ تعلیم دی کہ ''ولا تخش من ذی العرش اقلالا'' ایک دیہاتی کو آپ نے وادی بھر کر بکریاں دے دیں کبھی آپ کی زبان پر عطیہ کی موجودگی میں ''لا'' کا کلمہ نہیں آیا۔

ماقال "لا" قط الا فی تشهده لولا التشهد لکان لائه نعم
نفسی الفداء لقبرانت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

میدان حنین میں آپ نے اپنے صحابہ کے علاوہ غیر مسلموں کو ہزاروں اونٹ دے کر عالم انسانیت کو حیرت میں ڈال دیا، نو مسلموں کے ایک ایک آدمی کو سوسو اونٹ دے کر فیاضی اور سخاوت کا ریکارڈ قائم فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمال بدرجہ اتم تھا کمال بدرجہا کمل تھا۔ نوال بدرجہ اعم تھا تو آپ سے محبت رکھنا

آپ کا ذاتی حق ہے، اس لئے شرعی طور پر آپ سے محبت رکھنے کو اس حدیث میں جو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے یہ آپ کا ذاتی استحقاق ہے جو ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۱۶۹۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد اور والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

باب من الایمان ان یحب لاخیه المسلم مایحب لنفسه

ایمان کا تقاضا ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہی مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے

امام مسلمؒ نے اس باب میں دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۰۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ اَوْقَالَ لِجَارِهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حضرت انس بن مالکؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی یا پڑوسی کے لئے وہی چیز نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح

اس سند کے تمام راوی بصری ہیں۔ (نووی)

''ابن بشار'' یہ محمد بن بشار ہیں ان کا لقب بندار ہے بندار کا معنی حافظ ہے یہ حافظ الحدیث تھے احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے تقریباً پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں ''قتادة'' یہ قتادہ بن دعامہ ہیں ان کی جلالت شان اور علم و عرفان پر اتفاق ہے نابینا پیدا ہوئے تھے۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس امت میں پیدائشی اکمہ ممسوح العین قتادہ کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ قتادۃ کا نام بھی اپنے نظیر آپ ہے وہ اس طرح کہ صحاحِ ستہ کی کتابوں میں کسی راوی کا نام قتادہ نہیں ہے

صرف اس قتادہ بن دعامہ کا نام مذکور ہے۔ (فتح الملہم)

''لایؤمن احدکم'' یہاں لانفی کمال کے لئے ہے جیسے''لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد ،لاایمان لمن لاعھدلہ''۔یا یہ کہا جائے فلان لیس بانسان سب میں کمال کی نفی ہے۔حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ اس تاویل سے شارع کے کلام کا مقصد فوت ہو جاتا ہے لہٰذا ظاہری الفاظ کو برقرار رکھنا چاہیئے۔تاکہ کلام میں زور باقی رہے اگرچہ یہ کلام زجراً وتوبیخاً تھدیداً وتغلیظاً ہے اس کا مرتکب کافر نہیں ہے۔

''لاخیہ''اس سے مسلمان بھائی مراد ہے اگرچہ بعض روایات میں''ماتحب للناس''کے الفاظ موجود ہیں جس میں عموم ہے کہ ذمی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں عموم کا احتمال بھی ہے اور تخصیص کا احتمال بھی ہے۔

''اوقال لجارہ''امام مسلمؒ نے اس روایت کو شک کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کچھ اور محدثین نے بھی شک کیساتھ روایت کی ہے مگر امام بخاریؒ نے''لاخیہ''کہہ کر بغیر شک کے ذکر کیا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس سے نیک امور مراد ہیں کہ جونیکیاں اور بھلائیاں اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ غیروں کے لئے بھی پسند کرے چنانچہ نسائی کی روایت''یحب لاخیہ من الخیر مایحب لنفسہ''میں خیر کا لفظ موجود ہے۔علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے منہیات وممنوعات کا پسند کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ''من الخیر''کا لفظ ممنوعات کو شامل نہیں ہے (فتح الملہم)

سوال

یہاں پر ایک سوال واشکال ہے وہ یہ کہ ہر آدمی اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہی چیز دوسروں کے لئے پسند کرتا ہو مثلاً گاڑی جوان کی اپنی ہے اس کو وہ اپنے ہی لئے پسند کرتا ہے یہ نہیں کہ وہ اس کو دوسرے کے حوالہ کردے اس طرح حدیث پر وہ کیسے عمل کریگا؟۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ماننا پڑیگا یعنی یحب لاخیہ مثل مایحب لنفسہ ،یعنی اپنی پسند کی چیز کی مانند اور اس کی نظیر اپنے بھائی کے لئے پسند کرے مثلاً اپنے علم کی طرح علم دوسروں کے لئے اپنے مال وکمال کی طرح مال وکمال دوسروں کے لئے پسند کرے تو اس میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑیگا اور بھائی کے لئے ہمدردی پیدا ہوگی محبت بڑھے گی عداوت اور حسد دور ہوتا جائیگا یہ تو مساوات کا عجیب نسخہ ہے اور تواضع کا درس ہے۔

حکایت

فتح الملہم میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ بعض اللہ والوں کے گھر میں بہت چوہے

ہوگئے تھے تو اس سے کسی نے کہا حضرت! آپ گھر میں بلی پال لو یہ چوہے بھاگ جائیں گے اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ بلی کی آواز سے چوہے بھاگ کر پڑوسی کے گھر میں چلے جائیں گے تو اس طرح میں ایسا ہو جاؤں گا کہ گویا میں نے ایک چیز کو دوسروں کے لئے پسند کی جبکہ میں اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتا ہوں تو میں اس حدیث کے خلاف نہیں کرسکتا۔

۱۷۱۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ قَالَ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے پڑوسی یا اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح

يحيى بن سعيد القطان الاحول التيمي البصري الامام الحجة المتفق على جلالته و توثيقه و تميزه في هذا الشان اه۔

یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ یحیٰی بن سعید القطان بیس سال سے روزانہ ایک قرآن ختم پڑھتے تھے اور چالیس سال سے مسجد میں ظہر کے زوال کے وقت ان کی نفل نماز فوت نہیں ہوئی۔ علامہ اسحاق شہیدؒ فرماتے ہیں کہ میں عصر کے وقت یحیٰی بن سعید قطان کو دیکھتا کہ نماز پڑھنے کے بعد آپ اپنی مسجد کے ایک مینار کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے تھے اس وقت آپ کے سامنے علی بن مدینیؒ احمد بن حنبلؒ اور یحیٰی بن معین اور اسی طرح دیگر بڑے بڑے کبار علماء کھڑے ہوجاتے اور آپ سے حدیث لیتے تھے یہ سب حضرات اسی طرح پاؤں پر مغرب تک کھڑے رہتے تھے نہ ہیبت کی وجہ سے کوئی بیٹھنے کی جرأت کرتا تھا اور نہ یحیٰی بن سعید قطان ان کو بیٹھنے کا حکم دیتے تھے۔ (فتح الملہم)

باب تحريم ايذاء الجار

پڑوسی کو تکلیف دینا حرام ہے

امام مسلم نے اس باب میں صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۲۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو۔

تشریح

''بوائقه'' یہ بائقة کی جمع ہے بڑی تباہی اور شدید آفت ومصیبت کے معنی میں ہے۔''لایدخل الجنة'' اس جملہ پر ایک سوال ہے۔

سوال

سوال یہ ہے کہ پڑوسی کی ایذارسانی گناہ ہے تو اس کی وجہ سے اس شخص کے جنت میں داخل نہ ہونے کا کیا مطلب ہے کیا یہ شخص کافر ہوگیا؟ اس سوال کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو پڑوسی کی ایذارسانی کو جائز سمجھتا ہے تو حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اس لئے جنت میں داخلہ ممنوع ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اس دخول سے دخول اوّلی کی نفی مراد ہے یعنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا بغیر سزا کے نہیں جاسکتا ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم تشدیداً تهدیداً تغلیظاً زجراً و توبیخاً ہے۔

بہر حال اسلام پڑوسی کے حقوق پر بہت زور دیتا ہے کیونکہ معاشرہ کی بہترین اور پُرامن تشکیل کا مدار پڑوسیوں پر ہے اگر یہ آپس میں شیر وشکر ہیں تو زندگی کے باقی شعبے پُرامن اور خوش حال رہتے ہیں لیکن اگر پڑوسیوں کے حالات آپس میں بگاڑ کا شکار ہیں تو پورا معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے ہر پڑوسی اپنے پڑوسی سے جب خطرہ میں رہیگا تو وہ گھر سے باہر نہیں جاسکے گا بلکہ اپنے گھر کا چوکیدار بن کر رہ جائے گا اور زندگی دوزخ کا نمونہ پیش کریگی شیطانوں کا ایک خاص گروپ اور این جی اوز کا ٹولہ گھروں کے بگاڑنے میں اور پڑوسیوں کے لڑانے میں لگے رہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا عام معاشرہ تباہ ہو کر رہ جائے۔

باب الحث على اكرام الجار والضيف

پڑوسی اور مہمان کی تکریم پر ابھارنے کا بیان

امام مسلمؒ نے اس باب میں چار احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۳۔**حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى اَنْبَانَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِی يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِی سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا

اَوْلِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ہمیشہ خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

تشریح

''فلیقل خیرا اولیصمت '' صمت یصمت ، نصر ینصر اور ضرب یضرب سے سکوت کے معنی میں ہے اصمت بھی صمت کے معنی میں آتا ہے تصمیت باب تفعیل سے خاموش کرانے کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ یا خیر کی بات ہوتی ہے اور یا شر کی ہوتی ہے اور یا انہیں دو میں سے کسی ایک کی طرف لوٹنے والی بات ہوگی تو لفظ ''خیر'' میں ہر مطلوب و مقصود اور اچھے اقوال داخل ہو گئے خواہ وہ فرض کے درجہ میں ہوں یا واجب وسنت اور مستحب کے درجہ میں ہوں یا ان کے متعلقات میں سے ہوں ان تمام باتوں کے کرنے کی اجازت شریعت نے دیدی، اس کے علاوہ جو باتیں اور اقوال ہیں وہ شر ہیں یا شر کے متعلقات میں سے ہیں جس کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص ایمان سے متصف ہے اس کو مخلوق خدا پر شفقت کرنے سے بھی متصف ہونا چاہئے اور شفقت کی صورت یہ ہے کہ ان سے خیر کی بات کرے اور شر کی بات سے سکوت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے اعضاء کی طرح بطور نعمت زبان بھی عطا فرمائی ہے جس کے بیشمار فوائد ہیں تو ایک مؤمن آدمی کو چاہئے کہ وہ اس زبان کو باطل سے بچائے اور حق میں لگائے ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''عن عبداللہ بن عمرؓ ان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللّٰہ تقسی القلب''۔ (ترمذی)

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح زبان کے فوائد بیشمار ہیں وہیں پر اس کے خطرات بھی بیشمار ہیں ان خطرات سے بچنے کے لئے سب سے عمدہ طریقہ خاموشی اور سکوت ہے حدیث میں آیا ہے کہ ''من صمت نجا''۔ (ترمذی، فتح الملہم)

استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں ''السکوت فی وقتہ صفۃ الرجال کما ان النطق فی موضعہ من اشرف الخصال ''۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بولنے کو اپنا عمل تصور کیا تو وہ فضول گفتگو کبھی نہیں کر سکے گا یعنی فضول گفتگو کو جب عمل تصور کریگا تو برے عمل سے بچنے کی کوشش کریگا۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اپنی زبان کو خوب قابو میں رکھتا ہے وہ لوگوں کی زبانوں سے خوب محفوظ رہتا ہے۔ (نووی)

عقلاء کا یہ جملہ ہے ''البلاء مؤکل بالمنطق ''یعنی آفات وبلایا کا تعلق بولنے سے ہے جو خاموش رہا وہ محفوظ رہا پڑوسی کے حقوق

کا بیان اس سے پہلے حدیث میں گذر چکا ہے۔عارفین کہتے ہیں کہ اگر بولنا چاندی کی طرح عمدہ ہے تو خاموش رہنا سونے کی طرح عمدہ ہے اور جس کا سکوت مفید نہیں اس کا بولنا بھی بیکار ہے۔

''فیلکرم ضیفه'' ضیافت مہمان نوازی کو کہتے ہیں ضیافت اسلام کے آداب میں سے ہے اور انبیاء کرام اور صالحین کے اخلاق میں سے ہے، شیخ لیثؒ نے کہا ہے کہ ایک دن رات تک ضیافت کرنا واجب ہے مگر عام فقہاء نے ضیافت کو واجب نہیں کہا ہے بلکہ اسلام کے مکارم اخلاق میں سے اس کو شمار کیا ہے۔ (نووی)

ہاں اگر مہمان کی موت کا خطرہ ہو تو پھر کھلانا واجب ہے اسی طرح عہد ذمہ میں اگر ضیافت کی شرط لگائی گئی ہو تو بھی ذمی کے ذمہ مجاہدین کی ضیافت واجب ہے۔

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضیافت تین قسم پر ہے پہلے دن تو کھانے کے ساتھ مہمان کو تحفہ بھی پیش کرنا چاہئے اور دوسرے دن خوب پُر تکلف کھلانا چاہئے اور تیسرے دن ماحضر کے ساتھ تواضع کرنا چاہئے اور تین دن کے بعد کھلانا صدقہ اور خیرات ہے۔علماء نے لکھا کہ جن ذمیوں پر بوقت ذمہ کھانا کھلانا مقرر کیا گیا ہو تو ان پر ضیافت کرنا لازم ہے اگر وہ مہمان مجاہدین کو نہیں کھلائیں گے تو ان سے زبردستی چھین لینا جائز ہے۔اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ضیافت شہری پر دیہاتی کے لئے لازم ہے یا دیہاتی پر شہری کے لئے لازم ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کے لوگوں پر ایک دوسرے کے لئے لازم ہے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت دیہاتیوں پر لازم ہے کیونکہ مسافر جب شہر میں آتا ہے تو شہر میں ہوٹل ہوتے ہیں دیہاتی وہاں کھائے لیکن شہری اگر دیہات میں جاتا ہے تو وہاں کوئی ہوٹل نہیں ہوتا ہے لہٰذا دیہاتیوں پر ضیافت لازم ہے۔ایک موضوع روایت بھی لوگ پیش کرتے ہیں ''الضیافة علی اهل الوبر ولیست علی اهل المدر'' یعنی ضیافت دیہاتی پر لازم ہے شہری پر لازم نہیں یہ حدیث من گھڑت روایت ہے۔ (فتح الملہم)

باب کی اس حدیث میں انسان کے مبدأ و معاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر ایمان لاتا ہے کہ بغیر مثال اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور وہ شخص اس پر بھی ایمان لاتا ہے کہ انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ بھی دیگا تو پیدا بھی اسی نے کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر بدلہ بھی وہی دیگا اس طرح عقیدہ رکھنے والا آدمی مذکورہ صفات پر عمل کرے گا۔

۱۸۴ـ**حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ حَصِيْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَسْكُتْ ـ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان

کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔

۱۷۵۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ حَصِيْنٍ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی بحدیث سابق نقل کرتے ہیں مگر اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے۔

۱۷۶۔ **حَدَّثَنَا** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو اَنَّهُ سَمِعَ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ يُخْبِرُ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحِ الْخُزَاعِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهٖ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَسْكُتْ۔

حضرت ابوشریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے خیر کی بات کہنی چاہئے ورنہ خاموش رہے۔

باب بیان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من الایمان

امر بالمعروف اور نھی عن المنکر ایمان کے اجزاء میں سے ہیں

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں علامہ محی الدین نووی نے عنوان میں کافی طوالت سے کام لیا ہے اور ایک نزاعی مسئلہ میں یکطرفہ فیصلہ سنایا ہے کہ "وان الایمان یزید وینقص" حالانکہ مذکورہ چاروں احادیث میں اس مسئلہ کا ذکر تو درکنار اشارہ تک نہیں ہے اسی مسلکی جانب داری نے علامہ نووی کے عنوانات کو مشکوک بنا دیا ہے حالانکہ الایمان یزید وینقص کے بارے میں عام علما فرماتے ہیں......

۱۔ کہ یہ زیادت وکمی ایمان کی حلاوت میں ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

۲۔ ایمان اجمالی میں نہیں بلکہ ایمان تفصیلی میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے۔ (امام ابوحنیفہؒ)

۳۔ مؤمن بہ کی وجہ سے زیادت وکمی آتی ہے۔

۴۔ نزول وحی کے وقت زیادت ونقصان ہوتا تھا اب نہیں ہوتا ہے۔

۵۔ زیادت ہوتی ہے کمی نہیں ہوتی ای یزید و لا ینقص۔(امام مالک وابوحنیفہ)
۶۔ اجزاء نورانیہ میں زیادت آتی ہے اصل ایمان میں نہیں۔
۷۔ کیف میں زیادت ونقصان آتا ہے کم میں نہیں۔
بہر حال یہ مسئلہ امام بخاری اور صحیح بخاری کا ہے جہاں مزہ آتا ہے علامہ نوویؒ اور ہم تو صرف تماش بین ہیں۔
"لکل فن رجال ولکل موضع مقال"۔
کتاب الایمان کی ابتداء میں اس مسئلہ پر بھر پور کلام ہو چکا ہے۔ وہاں یہ جامع جملہ مذکور ہے کہ اعمال ایمان کے لئے لازم ذات ہیں یالازم الجنس ہیں یالازم الوجود ہیں۔ معتزلہ لازم الذات مانتے ہیں جمہور لازم الجنس اور احناف لازم الوجود مانتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر تفصیلی کلام

قال اللہ تعالیٰ ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾۔
علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق چند قیمتی جملے ارشاد فرمائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین متین کے عظیم ترین احکامات میں سے ایک اہم حکم ہے اسی قطب اعظم کی ترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا اگر خدانخواستہ اس کو موقوف کردیا گیا تو جہالت پھیلتی چلی جائے گی اور امت مسلمہ میں فساد عام ہو جائے گا آبادیاں ویران ہو جائیں گی لوگ تباہ برباد ہو جائیں گے وہ قیامت تک اس تباہی کا شعور وادراک نہیں کرسکیں گے قیامت میں معلوم ہو جائے گا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت کیا تھی۔ بہر حال المعروف کا لفظ شناسا اور جانے پہچانے کے معنی میں ہے تو جس کو شریعت نے معروف کہا ہے شرعاً وہی معروف ہے اور جس کو شریعت نے منکر قرار دیا ہے شرعاً وہی منکر ہے اب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ امر معروف کے تحت ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ تک نیکی داخل ہے اسی طرح المنکر کے تحت بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ داخل ہے اس میں کسی تخصیص کی گنجائش نہیں ہے امر اور نہی میں ایک پہلو شریعت کا ایجابی پہلو ہے اور دوسرا سلبی پہلو ہے اول کو مامورات اور اوامر کہتے ہیں اور دوسرے کو نواہی اور منہیات کہتے ہیں۔ ایک پہلو نرم ہے دوسرا گرم ہے جس طرح بجلی میں ایک گرم تار ہوتا ہے اور ایک ٹھنڈا تار ہوتا ہے دونوں میں تلازم ہے امر اور نہی کی بھی یہی حیثیت ہے اس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے جس طرح بعض لوگ کرتے ہیں۔
اب نتیجہ یہ نکلا کہ امر بالمعروف کو لیجئے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا اور مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا معروف کا ایک ادنیٰ درجہ ہے اور کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا اور کفار کو توحید کی طرف دعوت دینا امر بالمعروف کا ایک اعلیٰ درجہ ہے یا مثال کے طور پر منکر کو لیجئے کہ جس طرح بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا کھڑے ہو کر الٹے ہاتھ

سے پانی پینا جس طرح منکر کا ادنیٰ درجہ ہے اور اس سے منع کرنا نہی عن المنکر ہے اسی طرح کفر وشرک اور بدعت وزندقہ بھی منکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس سے روکنا بھی نہی عن المنکر ہے۔

گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں ایک ابتدائی اور ادنی درجہ ہے اور ایک انتہائی اور اعلیٰ درجہ ہے اب جو شخص معروف یا منکر کے جس درجہ میں محنت اور کام کریگا وہ اسی کے مطابق ثواب پائیگا اگر کسی کو مکروہات سے منع کرتا ہے تو اس کے مناسب ثواب ملے گا اور اگر کفر سے روکتا ہے تو اس کے مطابق ثواب پائے گا اسی طرح معاملہ معروف کا بھی ہے اور دونوں کے الگ الگ درجے ہونگے، ظاہر ہے کہ جتنا بڑا کام کیا اتنا بڑا انعام ملے گا ایسا تو نہیں ہوگا کہ کام تو کیا چھوٹا سا اور بڑے ثواب ملنے کی امید میں انتظار کرنے لگا ایسا نہیں ہوگا" لایقاس الملوك بالحدادین "اسی طرح جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام نہیں کیا اس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس نے اس میں کام ہی نہیں کیا تو ثواب کہاں سے ملے گا اور کیوں ملیگا؟ جو کیا اسی کا ثواب ملے گا۔ نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں تلازم ہے دونوں کو کرنا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ جما لے کہ صرف معروف کا حکم کروں گا منکر خود بخود ختم ہوجائے گا اور یہ شخص اپنے بیانات اور مکتوبات میں نشر کرتا رہتا ہے کہ معروف کو کرتے رہنا اور منکر کو نہ چھیڑنا ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے کیونکہ یہ نیا فلسفہ اور نئی ایجاد ہے اور نئی شریعت ہے اس کے لئے العیاذ باللہ نئے نبی اور نئے قوانین وقواعد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کے پرانے قوانین میں ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے جس میں تلازم کی طرف اشارہ ہے اب اگر کسی شخص کی حکمت عملی سے نہی عن المنکر کے بغیر کہیں منکر کا ازالہ ہوگیا تو یہ حکمت عملی شریعت کے کسی حکم کو موقوف یا منسوخ نہیں کرسکتی نیز نہی عن المنکر کی ضرورت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرضی مثال بیان کرنا کہ معروف کی مثال روشنی کی طرح ہے اور منکر اندھیرا ہے جب روشنی آئے گی اندھیرا خود ختم ہوجائیگا یہ مفروضہ غلط ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے متواتر حکم کو ان مثالوں سے نہ توڑا کرو ﴿فلا تضربوا الله الامثال﴾۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعریف

اب آیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی اصطلاحی تعریف سمجھ لیجئے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ لفظ "امر" اور لفظ "نھی" کا شرعی مفہوم کیا ہے چنانچہ اصول فقہ کی تمام کتابوں مثلاً اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی وغیرہ میں اصول فقہ کے علماء نے امر اور نہی کی تعریفات اس طرح لکھی ہیں۔

۱۔ الامر هو قول القائل لغیره علی سبیل الاستعلاء "افعل"۔(اصول الشاشی، نورالانوار)

۲۔ الامرامرته اذا کلفته ان یفعل شیئا ۔(مفردات القرآن)

۳۔ الامر طلب الفعل وموجبه عندالجمهور الالزام والنهی قول القائل لغیره علی سبیل الاستعلاء لاتفعل۔(حسامی)

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر آرڈر کے معنی میں ہے جس میں غیر کو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کام کرو اور اس کو کرنا ہوگا اس میں رضا کارانہ طور پر کام کرنے کی اپیل والتماس اور درخواست نہیں ہوتی ہے بلکہ دوٹوک الفاظ میں حکم ہوتا ہے کہ یہ کام کرو اگر نہیں کیا تو سزا کے لئے تیار ہو جاؤ اور ان تمام تعریفات سے معلوم ہوگیا کہ آج کل تبلیغی حضرات امـــــر کے مفہوم کو التماس اور اپیل و درخواست کے معنی میں سمجھ بیٹھے ہیں، کرتے ہیں التماس اور ثواب لیتے ہیں ''امر'' کا ''فیاعجبالھم''۔

امـــر کا صیغہ تقریباً ۲۵ معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن شریعت نے اپنی شرعی اصطلاح میں امر کا جو مفہوم فراہم کیا ہے وہ وہی مفہوم ہے جو اوپر اصول فقہ کی کتابوں میں درج ہے جس میں آرڈر کا مفہوم پڑا ہے اور چونکہ امر کا یہ مفہوم قوت نافذہ اور طاقت کا تقاضا کرتا ہے اسی وجہ سے نزول قرآن کے وقت تیرہ سال تک اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں ''تـأمـرون بالمعروف وتنهون عن المنكر'' کے الفاظ اور اس اصطلاح کو قرآن میں بالکل ذکر نہیں فرمایا، جب مسلمانوں نے اور پیغمبر اسلام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آسمان سے جہاد کا حکم آگیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''تـأمـرون بـالمعروف وتنهون عن المنكر'' کی اصطلاح کو بیان فرمایا، آپ کو کسی بھی مکی سورت میں یہ اصطلاح اور یہ الفاظ نہیں ملیں گے یہ سب مدنی سورتوں میں ہے۔

گویا اسلامی حدود اور سزائیں، تعزیرات اور جہاد اوامر اور نواہی یہ سب ایک ہی عنوان یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف نام ہیں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں: کہ اگرچہ امر معروف اور نہی پچھلی امتوں میں تھی جس کی تفصیل قرآن وحدیث میں ہے مگر اول تو ان امتوں میں جہاد کا حکم بڑے پیمانے پر نہ تھا اس لئے ان کا امر زبان اور دل سے ہوسکتا تھا امت محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر معروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں۔ (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۷)

حضرت مفتی محمد شفیع کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ امر ونہی کے مفہوم کا جو اعلیٰ اور بلند درجہ ہے وہ جہاد ہے چنانچہ جہاد کے حکم کے آنے کے بعد ہی اسلام نے امر اور نہی کی اصطلاح کو اپنایا ہے۔ چند تفاسیر سے چند عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ معلوم ہوجائے کہ امر ونہی اور جہاد میں کیا نسبت ہے۔

۱۔ علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے ''فان الجهاد ضرب من الامربالمعروف والنهى عن المنكر'' یعنی جہاد مقدس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ (ج ۳ ص ۱۱۹)

۲۔ علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں۔

فـجـعـل الـلـه الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فرقابين المؤمنين والمنافقين فدل على ان اخص اوصاف المؤمنين الامربالمعروف والنهى عن المنكر ورأسها الدعاء الى الاسلام والقتال عليه ۔ (قرطبی، ج ٤ ص ٤٧)

۳۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ﴿کنتم خیرامة اخرجت للناس﴾ کے تحت لکھا ہے۔

قال ابوهريرة كنتم خيرالناس للناس تاتون بهم فى السلاسل فى اعناقهم حتى يدخلوافى الاسلام وقال ابوهريرة نحن خيرالناس للناس نسوقهم بالسلاسل الى الاسلام ۔ (ترمذی،ج۱ ص۳۹۱)

۴۔علامہ روح المعانی نے "کنتم خیرامة" کے تحت حضرت ابن عباس کی تفسیر کو اس طرح نقل کیا ہے۔

وعن ابن عباس ان المعنى تأمرونهم ان يشهدواان لااله الاالله وتقاتلونهم عليها و لااله الاالله هواعظم المعروف وتنهون عن المنكر والمنكر هوالتكذيب وهوانكر المنكر ۔(روح المعانی،ج٤ص٢٨)

۵۔ تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازیؒ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر تو دوسری امتوں میں بھی تھی پھر یہ امت کیوں خیرالامم قرار دے دی گئی؟

اس سوال کا جواب علامہ رازیؒ نے اس طرح دیا ہے۔(عربی عبارت کو نقل کر رہا ہوں)

الجواب : قال القفالؒ تفضيلهم على الامم انما حصل لاجل انهم يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر بآكدالوجوه وهوالقتال لان الامربالمعروف قديكون بالقلب و باللسان و باليد و اقواها مايكون بالقتال لانه القاء النفس فى خطر القتل واعرف المعروف الدين الحق والايمان بالتوحيد والنبوة وانكرالمنكر الكفر بالله فكان الجهاد فى الدين محملا لاعظم المضارلغرض ايصال الشخص الى اعظم المنافع فوجب ان يكون الجهاد اعظم العبادات ولماكان الجهاد فى شرعنااقوى منه من سائر الشرائع لاجرم صار ذلك موجبا لفضل هذه الامة من سائر الامم ۔ (تفسیر کبیر ج۸ص۱۹۱،۱۹۲)

۶۔شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ﴿کنتم خیرامة﴾ کے تحت امر معروف کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے۔

یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اس دوصفت میں امر معروف یعنی جہاد اور ایمان یعنی توحید کی تقید (تاکید) اسقدر اور دین میں نہیں۔ (موضح القرآن،ص۱۰۳)

شاہ عبدالقادر آیت ﴿ولتکن منکم امة﴾ کے تحت امر معروف سے متعلق اس طرح لکھتے ہیں معلوم ہوا مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے۔

مندرجہ بالا لکھی جانے والی تمام عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر کے شرعی اصطلاحی مفہوم میں دعوت کے ساتھ جہاد کا مفہوم پڑا ہے جو امر کا اصل اور بنیادی مفہوم ہے اور اسی جہاد کی وجہ سے یہ امت خیرالامم بنی ہے لہٰذا امر کے مفہوم سے جہاد کو خارج نہیں کیا جاسکتا بلکہ جہاد کے بغیر امر کا مفہوم مکمل ہی نہیں ہوسکتا تبلیغی جماعت کے لوگ یا تو خود دھوکہ میں پڑے ہیں یا دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

امر بالمعروف کا حکم

امر بالمعروف کرنے کا حکم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یہ کام کر رہی ہو تو باقی مسلمانوں کا ذمہ ساقط ہو جائے گا ہاں اگر کسی شخص کو کسی خاص منکر کا علم ہو اور دوسروں کو نہ ہو اور وہ شخص اس منکر کے ازالہ پر قادر بھی ہو تو اس وقت امر بالمعروف کرنا اس کے لئے فرض عین ہو جائے گا۔ اسی طرح امر بالمعروف اس وقت بھی فرض عین ہو جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو برائی سے روکدے اور سامنے سے وہ شخص منع ہونے سے مکمل انکار کردے اب براہ راست اس منکر کی نہی اس شخص پر فرض ہو جائے گی۔ امر بالمعروف کے باب میں ہر آدمی پر دو چیزیں لازم اور واجب ہیں۔ پہلی چیز تو امر معروف اور نہی منکر کرنا واجب ہے اور دوسری چیز اس پر خود عمل کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص خود عمل نہیں کرتا تو یہ بہت بڑا جرم ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص امر اور نہی کے فریضہ کو ترک کرے، ایک نیک کام اگر نہ کرسکا دوسرا تو کرے البتہ ایسے شخص کی دعوت اور وعظ میں تاثیر نہیں ہوگی مگر کرنا لازم ہے۔ عارفین کا کلام ہے ''انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال'' بابا سعدی نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے کہ عمل نہ کرنے والا وعظ ہی نہ کرے، چنانچہ بابا سعدی فرماتے ہیں

باطل است آنچہ مدعی گوید   خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنی مدعی کا یہ کہنا غلط ہے کہ سویا ہوا شخص کسی سوئے ہوئے کو بیدار نہیں کرسکتا، دیکھو دیوار پر لکھی ہوئی عبارت سے لوگ نصیحت لیتے ہیں۔

اس بحث کے بعد یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ امر اور نہی کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی کو پہچانتا ہو اور اس کے پاس اس کا علم ہو ورنہ وہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دیگا اور نقصان اٹھائے گا یہی وجہ ہے کہ ﴿ولتکن منکم﴾ میں ''مِــنْ'' تبعیض کے لئے ہے کیونکہ ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہے ہاں علماء نے لکھا ہے کہ جو طبقہ جن اوامر و نواہی سے مناسبت رکھتا ہو اس کو اسی شعبہ کے دائرہ میں امر اور نہی پر مامور کیا جائے چنانچہ حکام کے لئے حدود و تعزیرات کا شعبہ سنبھالنا چاہئے وہ اس کو نافذ کریں اور علماء کے ذمہ شریعت کے دقیق مسائل ہیں وہ ان کی دعوت دیں اور عام نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا عوام کے ذمہ ہے یعنی واضح موٹے موٹے احکام کو عوام بیان کریں تفصیلات میں نہ جائیں۔ بعض علماء نے ان ذمہ داریوں کو اس طرح ترتیب کیساتھ تقسیم کیا ہے کہ حکام کے لئے امر بالسنان ہے یعنی نیزہ کی نوک پر دعوت دیکر منکرات سے لوگوں کو باز رکھیں اور علماء کے لئے امر باللسان ہے اور عوام الناس کے لئے دل سے برا ماننے کا درجہ ہے۔ اس کے بعد یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر آمر اور داعی کے سامنے فرض حکم آ گیا تو اس کی دعوت فرض ہے اور اگر واجب ہے تو دعوت بھی واجب ہے اور اگر حکم استحبابی ہے تو دعوت بھی مستحب ہے اور سنت کی دعوت بھی سنت ہے ہاں اگر خوف فتنہ ہو تو پھر امر معروف ترک کیا جاسکتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم میں امر بالمعروف کی اور نہی عن المنکر کی جو بحث کی ہے وہ سرکاری محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی

بحث ہے جسے دوسرے الفاظ میں ”حسبــــــہ“ کہا گیا ہے، ۲۰۰۵ھ میں صوبہ سرحد میں جوحسبہ ایکٹ مجلس عمل کی حکومت نے تیار کیا تھا وہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ تھا بہرحال کوئی مانے نہ مانے ہمارا کام بتادینا تھا۔

۱۷۷۔ **حدّثنا** اَبُوبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ ح: وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُابْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ کِلَاھُمَا عَنْ قَیْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ وَھٰذَاحَدِیْثُ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَۃِ یَوْمَ الْعِیْدِ قَبْلَ الصَّلَاۃِ مَرْوَانُ فَقَامَ اِلَیْہِ رَجُلٌ فَقَالَ الصَّلَاۃُ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ ؟ فَقَالَ قَدْتُرِکَ مَاھُنَالِکَ فَقَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ اَمَّاھٰذَافَقَدْقَضٰی مَاعَلَیْہِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

طارق بن شہابؒ کہتے ہیں کہ عید کی نماز سے پہلے خطبہ کا دستور سب سے پہلے مروان نے شروع کیا۔ ایک آدمی کھڑا ہوا تو اس نے کہا کہ نماز خطبہ سے پہلے ہے؟ مروان کہنے لگا یہ سلسلہ یہاں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے تو اپنی ذمہ داری پوری کردی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اسے ختم کرے اور زبان سے بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

تشریح

”قال“ سند کے آخر میں اس قال کا فاعل طارق بن شہاب ہے جو سند میں مذکور ہے اس روایت کا پورا منظر نامہ اسی نے بیان کیا ہے۔

”اول من بدأ بالخطبۃ“ یعنی عید کے دن سب سے پہلے جس شخص نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا ان کے والد حکم کو ناپسندیدہ شخص قرار دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا مروان بن حکم سے امام بخاری نے دو حدیثیں بھی نقل فرمائی ہیں مگر یہ مروان کے خراب ہونے سے پہلے کی بات ہے پھر امام بخاریؒ نے ان کو قابل اعتماد نہیں سمجھا ”مس ذکر“ میں جس شرطی (پولیس والا) کا تذکرہ آیا ہے وہ یہی مروان ہے۔ مستدرک حاکم میں مروان کے بارے میں سخت وعید کی حدیثیں ہیں مگر علامہ ذھبی نے اس کو رد کیا ہے بندہ عاجز کچھ نہیں کہہ سکتا ورنہ لکھنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ حضرت طلحہ کے قتل میں بھی اس کو ملوث کیا جاتا ہے مگر امام ذھبی نے اس کو رد کیا ہے البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں ان کا غلط طرز عمل شامل ہے یزید کے مرنے کے بعد شام میں یہ بغاوت کر کے بادشاہ بنا۔ جبکہ عالم اطراف میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت تھی اپنے دور حکومت میں اس نے بعض دینی احکام میں تبدیلی کی کوشش کی انہی میں سے ایک تبدیلی یہ تھی کہ عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ کو اس نے جاری کردیا اس طرح کرنے کا ایک

پس منظر تھا وہ یہ کہ اس دور میں دو جماعتیں تھیں ایک حضرت علیؓ کی جماعت تھی اس کو شیعان علی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، دوسری جماعت حضرت معاویہؓ کی تھی جس کو شیعان معاویہ کہا جاتا تھا، مروانی اور بنوامیہ اپنے خطبوں میں شیعان علی کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کرتے تھے جس کو عوام پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا عید کی نماز ہو چکنے کے بعد لوگ خطبہ سننے سے پہلے اٹھ کر چلے جاتے تھے مروان اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا یہ قصہ اسی زمانہ کا ہے، چنانچہ مروان بن حکم نے یہ ترتیب بنائی کہ عید کی نماز سے خطبہ پہلے کر دیا تاکہ نماز کی مجبوری میں لوگ خطبہ سنیں اس پر صحابہ کرام نے نکیر کیا یہی قصہ اس روایت میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے یہ کام مروان نے شروع کیا، بعض غیر مستند روایات میں یہ نسبت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہؓ کی طرف کی گئی ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت کے تحت خطبہ کو عید کی نماز سے پہلے رکھا۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے کئی دلائل وقرائن سے ثابت کیا ہے کہ ان حضرات کی طرف یہ نسبت غلط ہے فرمایا ''وان ماحکی عن عمرو عثمان ومعاویة فلایصح'' حافظ ابن حجرؒ نے بھی فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری)

بہرحال عیدین کے خطبوں کو نماز کے بعد پڑھنے پر اور نماز کو مقدم کرنے پر اجماع منعقد ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

''فقام الیه رجل'' کہتے ہیں یہ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ ابوسعید خدری اور مروان اور ابومسعود انصاری تینوں ایک ساتھ عید گاہ میں آرہے تھے مصنف عبدالرزاق میں ابومسعود انصاری کا ذکر موجود ہے۔

سوال

یہاں ایک اہم سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید شان والے صحابی ہیں مروان پر تنقید کرنا ان کا حق تھا تو وہ اس شخص سے کیسے پیچھے رہ گئے ؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم شریف میں باب صلوۃ العید کے تحت ایک روایت آئی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ ابوسعید خدری مروان کو نماز پڑھانے کی طرف کھینچ رہے تھے اور مروان منبر کی طرف زور لگا رہا تھا، پھر دونوں کا مکالمہ ہوا تو ابوسعید خدریؓ نے ان کو چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے انکار تو ابوسعید خدریؓ کر چکے تھے شاید اس شخص نے اس کے بعد نکیر کی ہو جس کی تائید حضرت ابوسعید خدریؓ نے کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعات میں تعدد ہوا ایک مرتبہ ایسا ہوا جو زیر بحث قصہ میں ہے جہاں کسی وجہ سے ابوسعید خدری نے تاخیر سے کام لیا یا اس شخص نے ان کو بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

''قد ترك ماهنالك'' یعنی وہ طریقہ اب نہیں رہا وہ متروک ہو چکا ہے اب نماز سے خطبہ پہلے جاری کیا گیا ہے، اسلام کے احکامات کے بارے میں اس قسم کی بات صرف مروان نے نہیں کی بلکہ آج تک روشن خیال اسی قسم کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ شریعت مقدسہ کے مبارک احکامات کی جگہ اپنی اغراض فاسدہ کو شریعت کا رنگ دیکر جدت پسندی کا مظاہرہ کریں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا محکم دین ہے جس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے آج وہی حکم جاری ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا تھا مروان کا نام لینے والا کوئی نہیں اور نہ ان کا نو ایجاد طریقہ موجود ہے دین باقی ہے مروان باقی نہیں ہے۔

''من رای منکم '' پہلی چیز تو برائی کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے جب تک کوئی شخص کسی منکر کو دیکھتا نہیں اس وقت تک اس کی طرف برائی کے ازالہ کا حکم متوجہ نہیں ہوتا اور جب اس نے برائی کو دیکھ لیا تو طاقت کی صورت میں ہاتھ سے اس کا ازالہ کرنا اور مٹانا فرض ہے بشرطیکہ کسی بڑے فتنے کا خطرہ نہ ہو۔ ''منکم '' کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ان حضرات پر ہے جو معروف اور منکر کو جانتے ہیں اور وہ لوگ ''متفق علیہا ''اور ''مختلف فیہا '' مسائل میں فرق کر سکتے ہوں وہ ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہوں اور مکی و مدنی نصوص میں فرق کر سکتے ہوں ''ولتکن منکم امۃ'' میں ''من'' تبعیضیہ سے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہر حال قوت سے نافذ کرنے والے احکامات کا تعلق حکمرانوں سے ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل اوامر و نواہی کا تعلق علماء سے ہے اور عام فہم مسائل کی ذمہ داری عوام الناس پر ہے مثلاً اس طرح کے سطحی مسائل جن کو عوام الناس جانتے ہوں مثال کے طور پر یہ کہنا کہ شراب حرام ہے اور نماز پڑھنا فرض ہے روزہ فرض ہے سود کھانا حرام ہے اس سے زیادہ فلسفے بیان کرنا اور دو دو گھنٹے بیان کرنا عوام کے لئے جائز نہیں ہے جس طرح غیر عالم اہل تبلیغ کرتے ہیں ''فلیغیرہ بیدہ'' یعنی ہاتھ ڈال کر برائی کو روک دے اور اس کے خلاف مسلح جدوجہد کرے یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس میں قوت بازو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو در حقیقت جہاد کرنے اور اس کے علاوہ منکرات کے دفع کرنے کو شامل ہے ''بیدہ'' زور بازو کی طرف اشارہ ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ منکر اور برائی کا ازالہ ہو جائے فقط ازالہ مقصود ہے خواہ وہ زبان سے ہو یا کسی اور حکمت سے ہو لہٰذا نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے یہ ان حضرات کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں ''بیدہ '' کا لفظ موجود ہے اگر ہاتھ سے روکنے اور ''ید '' کا لفظ مذکور نہ ہوتا تو پھر ان کی بات سنی جا سکتی تھی لیکن جب ہاتھ سے روکنے کی تصریح موجود ہے تو اس کے بعد دوسرا معنی لینا حدیث سے اعراض یا اس پر اعتراض کے مترادف ہے جس میں تحریف کا خطرہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر کے ازالہ کے تین درجات بتائے ہیں جس میں پہلا درجہ ازالہ بالید ہے اب ازالہ بالید کے درجہ کو اپنی کمزوریوں کے پردوں میں چھپانا اور اس میں تاویلیں کرنا اور اس کے لئے مثالوں کو بیان کرنا اور قصوں سے اس کی افادیت کو کم کرنا یہ دین کا کام نہیں نہ دین کی کوئی خدمت ہے ﴿فلا تضربوا للہ الامثال﴾ تبلیغی جماعت کو چاہئے کہ دین کے تابع ہو جائیں دین کو اپنا تابع نہ بنائیں۔

''فبلسانہ '' زبان سے منکر کے ازالہ کا مطلب یہ ہے کہ حق کو کھول کر بیان کیا جائے واضح الفاظ میں زبان سے حق کا اعلان کیا جائے اور پھر اس حق کو دوسروں تک پہنچایا جائے اس میں زبان سے تہدید و تغلیظ بھی ہو موقع و محل کے مناسب گرمی بھی ہو

اور نرمی بھی ہو ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی ہو، اس فریضہ کو آج کل علماء کرام تدریس کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں مساجد میں خطبات وتقریر اور جرائد ورسائل میں تحریر کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں، جماعت تبلیغ کے احباب چلوں اور گشتوں کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں اور دین اسلام کے مجاہدین میدان جہاد میں کفار واغیار پر مجاہدانہ للکار اور جہادی اشعار کی یلغار سے پورا کر رہے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی لازم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ آدمی پہلے زبان کے ذریعہ سے نرمی سے سمجھائے اگر نہیں مانا تو پھر سختی کرے اور اگر قدرت وطاقت ہو تو پھر ہاتھ ڈال کر منع کردے مثلاً شراب کو ضائع کردے اور طبل باجے کے آلات کو توڑ ڈالے۔

زجاجۃ المصابیح میں لکھا ہے کہ اگر امر کرنے والے آمر کی غالب رائے ہو کہ لوگ اس کی بات کو قبول کرلیں گے اور منکر سے باز آجائیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر واجب ہے اور اگر گمان یہ ہو کہ لوگ نہیں مانیں گے گالیاں دیں گے بلکہ ماردیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر ترک کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر بڑے فتنہ کے اٹھنے کا خطرہ ہو تو اس وقت بھی نہیں عن المنکر ترک کرنا جائز ہے اور اگر داعی اور امر کرنے والا آدمی تمام مشقتوں کو برداشت کرسکتا ہے تو پھر نہی عن المنکر کرنا افضل ہے اور یہ آدمی مجاہد ہے، علامہ زندیسیؒ نے لکھا ہے کہ امر بالید حکام کا کام ہے امر باللسان علماء کا کام ہے اور امر بالقلب عوام الناس کا کام ہے۔

''فبقلبه'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس منکر سے نفرت ہو اس کے مرتکب پر غصہ ہو اور دل میں پکا ارادہ ہو کہ جب موقع ملے گا تو میں ہاتھ سے اس منکر کو ختم کردوں گا یہ ادنیٰ درجہ ایمان ہے اگر یہ جذبہ بھی دل میں نہیں تو پھر دل میں کچھ بھی نہیں۔

''اضعف الایمان'' یعنی ایمان کے ثمرات کا یہ کمزور ثمرہ ہے اور ایمان کے حوالے سے یہ آدمی آخری درجہ کا مسلمان ہے اس کے بعد وہ مسلمان نہیں رہیگا کیونکہ جو شخص برائی اور بھلائی میں فرق نہیں مانتا وہ اپنی شریعت اور قرآن وحدیث کے اوامر اور نواہی کا انکار کرتا ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ حرام سے نہی کرنا واجب ہے مکروہات سے نہی مستحب ہے۔ یہ شخص ایمان میں کمزور تر اس لئے قرار دیا گیا کہ اس نے قوت کے پہلے دو درجوں کو نظر انداز کیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں امر بالمعروف کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) داعی کا عالم ہونا، (۲) رضاء الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہونا، (۳) جس کو دعوت دے رہا ہے اس پر شفقت ونرمی کرنا، (۴) ہر مشقت پر صبر کرنا، (۵) داعی جو کہتا ہو اس پر خود عمل بھی کرتا ہو۔

۱۷۸ ـ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ اِسْمَاعِيْلَ ابْنِ رَجَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ فِىْ قِصَّةِ مَرْوَانَ وَحَدِيْثِ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ ـ

یہ روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے، شعبہ اور سفیان والی سابقہ سند کی طرح بعینہ مذکور ہے۔

۱۷۹۔ **حَدَّثَنِیْ** عَمْرُو النَّاقِدُ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ النَّضْرِ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّاكَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَايَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَالَايُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَمُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ قَالَ اَبُوْرَافِعٍ فَحَدَّثْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَاَنْكَرَهُ عَلَیَّ فَقَدِمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَنَزَلَ بِقَنَاةَ فَاسْتَتْبَعَنِیْ اِلَيْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَعُوْدُهٗ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْنَا سَاَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذَالْحَدِيْثِ فَحَدَّثَنِيْهِ كَمَا حَدَّثْتُهُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَالِحٌ وَقَدْ تُحُدِّثَ بِنَحْوِ ذٰلِكَ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے مبعوث نہیں فرمایا کسی قوم میں مگر یہ کہ اس قوم میں سے اس نبی کے کچھ حواری اور ساتھی ہوتے تھے جو اس نبی کی سنتوں کو لازم پکڑتے تھے، اس کے احکامات کی اتباع واقتداء کرتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے پیچھے ناخلف لوگ آیا کرتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا ہو سو جو شخص ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو ان سے زبان کے ذریعہ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو دل کے ذریعے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔اس کے بعد ایمان نہیں۔رائی کے دانہ کے برابر بھی۔ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے اسے عجیب اور غیر معروف قرار دیا۔اتفاقاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وادیٔ قناۃ میں تشریف لائے تو ابن عمر رضی اللہ مجھے لے کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے۔میں بھی ان کے ساتھ چلا جب ہم بیٹھ گئے تو میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی جیسے میں نے ابن عمر سے بیان کی تھی۔صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابورافع سے اسی طرح بیان کی گئی ہے۔

تشریح

''مامن نبی''یعنی مجھ سے پہلے جتنے انبیاء آئے ہیں ان کے کچھ خاص خاص لوگ ہوتے ہیں۔

سوال

یہاں یہ اشکال ہے کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسا نبی آئیگا جس کے ساتھ ایک آدمی امتی ہوگا، بعض

کے ساتھ دو امتی آئیں گے اور بعض کے ساتھ کوئی بھی امتی نہیں ہوگا یہاں اس حدیث میں ہے کہ ہر نبی کے ساتھ خاص لوگ رہے ہیں ان دونوں حدیثوں میں واضح تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے ؟

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں باعتبار اکثر فرمایا گیا ہے تو یہ قاعدہ اکثر یہ ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے لہٰذا کسی نبی کے ساتھ کوئی امتی نہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ نبی اور رسولوں میں فرق ہے تو رسولوں کے ساتھ حواری کا ہونا ضروری ہے نبی کے لئے ضروری نہیں یہاں نبی سے رسول مراد ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں عبارت محذوف ماننا پڑیگا یعنی "مامن نبی له اتباع "مطلب یہ ہوا کہ جس کے اتباع ہوں اس کے لئے حواری ہوتے ہیں اور جن کے اتباع نہیں ہونگے تو حواری بھی نہیں ہونگے۔ (نووی)

"حواریون" علامہ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حواری سے مراد انبیاء کرام کے خاص خاص مخلص بے داغ اور منتخب لوگ ہیں بعض نے کہا کہ اس سے انبیاء کے انصار مراد ہیں بعض نے کہا کہ مجاہدین مراد ہیں بعض نے کہا کہ انبیاء کے بعد جو لوگ اس نبی کے خلیفہ بننے کے قابل ہوں وہ مراد ہیں۔ (نووی)

خلاصہ یہ کہ حواریوں سے مراد اس نبی کے وہ خالص دوست مراد ہیں جو اس نبی کے ہر حکم پر مر مٹنے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور اس نبی کی سنت پر چلتے ہیں خود حدیث میں حوارین کی دو صفت مذکور ہیں۔"ثم انها" یہ ضمیر قصہ ہے جسے ضمیر شان اور ضمیر قصہ سے یاد کرتے ہیں۔

"جاهدهم بقلبه "یعنی دل سے ان پر غضبناک ہو اور پکا ارادہ کیا ہو کہ اگر موقع ملا تو ان کے خلاف ہاتھ اٹھا کر لڑیں گے۔

"فهو مؤمن "مؤمن میں تنوین تنکیر کے لئے ہے جس سے مختلف انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو پہلا مؤمن کامل ہے دوسرا مومن متوسط درجہ کا ہے اور تیسرا مؤمن ادنی درجہ کا ہے اس کے بعد ایمان نہیں۔"حبة خردل "یعنی ان تین درجات کے بعد ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے خردل سرسوں کے دانے کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ رائی کے دانے سے کیا جاتا ہے اکثر طلبہ رائی بولتے ہیں اور جانتے نہیں ہیں۔"بقناة" مدینہ کی وادیوں میں ایک وادی کا نام وادی قناۃ ہے یہی مراد ہے۔

"فاستتبعنی "یعنی ابورافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور حضرت ابن مسعود کی عیادت کے لئے گئے۔

"وقد تحدث "مجہول کا صیغہ ہے کسی کمزوری کی طرف اشارہ ہے کہ شاید ابن مسعودؓ کا ذکر اس روایت میں ثابت نہیں ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ ابن مسعودؓ کے طرز کلام (نظریہ) کے موافق بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ایسے موقعوں پر صبر کی تلقین کرتے تھے۔ (نووی)

بہر حال امام مسلمؒ نے بڑے وثوق سے اس کو ذکر کیا ہے شک کی گنجائش نہیں ہے، علامہ الابّی المالکی فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا اس حدیث کو غیر محفوظ کہنا بڑا ہی تعجب خیز ہے۔ (الابی)

''خلوف'' نابکار، نانجار، ناخلف لوگ مراد ہیں جو قائم مقام بننے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔ خلوف خا کے ضمہ کے ساتھ جمع ہے اس کا مفرد خلف ہے اگر لام ساکن ہو تو نالائق، نابکار مراد لیا جاتا ہے جو شرارت میں قائم مقام ہو اور اگر لام پر زبر ہو تو اس سے اچھا قائم مقام مراد ہوتا ہے یہاں نالائق خلف مراد ہے جس کی تفسیر حدیث میں مذکور ہے کہ کرنے کا کام تو نہیں کرتے ہیں اور نہ کرنے کے کام کو کرتے ہیں بلکہ اس پر مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جیسے شیعہ روافض کے جلوس، جھنڈے اور پنجے، اہل بدعت کے جلوس، قبے، نقشے اور جھنڈے، سیاسی پارٹیوں کے جھنڈے جلوس جلسے اور بینر یہ سب کچھ ان کے ہاں اہم ہیں مگر نماز روزہ زکوۃ اور حج غائب ہیں۔

۱۸۰ـ **وحَدَّثَنِيهِ** اَبُوبَكْرِبْنُ اِسْحَاقَ بْنِ مُحَمَّدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِیْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَاعَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ الْفُضَيْلِ الْخَطْمِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ مَوْلَی النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاكَانَ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّاوَقَدْكَانَ لَهٗ حَوَارِيُّوْنَ يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِهٖ وَيَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِهٖ مِثْلَ حَدِيْثِ صَالِحٍ وَلَمْ يَذْكُرْ قُدُوْمَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاجْتِمَاعَ ابْنِ عُمَرَ مَعَهٗ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی نہیں ہے مگر یہ کہ اس کے کچھ حواری ہوتے ہیں جو اس کے طریقوں پر چلتے ہیں اور اس کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں۔ آگے سابقہ حدیث اور اس کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں۔ آگے سابقہ حدیث کی طرح سے پوری بیان کی لیکن اس میں ابن مسعودؓ کی آمد کا ذکر نہیں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجتماع کا ذکر نہیں ہے۔

باب تفاضل اهل الایمان و رجحان اهل الیمن فیه

اہل ایمان کے ایمان میں تفاوت اور اہل یمن کی ترجیح

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تیرہ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایمان کی زیادت اور نقصان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل ایمان اپنے ایمان میں ایک

دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور ایمان کی زیادت میں اہل یمن سب سے آگے ہیں لہٰذا ''الایمان یزید و ینقص'' ثابت ہوگیا اور یہی جمہور محدثین وفقہاء اور امام بخاری کا مسلک ہے مگر جمہور متکلمین اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ''الایمان لا یزید ولا ینقص'' کیونکہ ایمان عقد جازم کا نام ہے جو بسیط ہے اگر ہے تو ہے اور اگر نہیں ہے تو نہیں ہے، جہاں زیادت ونقصان کے الفاظ قرآن وحدیث میں آئے ہیں تو وہ

۱۔ حلاوت ایمان میں کمی وزیادت ہوسکتی ہے۔(شاہ ولی اللہؒ)

۲۔ ایمان تفصیلی میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے مگر ایمان اجمالی میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی ہے۔

۳۔مؤمن بہ کی وجہ سے زیادت وکمی ہوسکتی ہے کہ دس ایتوں پر ایمان لانا زیادہ ہے پانچ پر کم ہے۔

۴۔ نزول وحی کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا اب نہیں۔

۵۔ اجزائے نورانیہ تزینیہ میں کمی زیادتی ہوتی ہے اصل ایمان میں نہیں۔

۶۔ نصوص ظاہرہ کی وجہ سے ایمان میں زیادت کے ہم قائل ہیں مگر کمی کے قائل نہیں۔(امام ابوحنیفہؒ)

۷۔ ایمان میں کیفاً زیادتی ونقصان ہوتا ہے مگر کماً نہیں ہوتا ہے۔

بندہ عاجز نے کئی دفعہ یہ جوابات لکھے ہیں لوگ سمجھیں گے کہ یہ تکرار ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ نوویؒ بھی اپنے مدعا پر بار بار تکرار کرتے ہیں تو ہم مجبور ہیں۔

۱۸۱۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُواُسَامَةَ ح:وَحَدَّثَنَا اِبْنُ نُمَيرٍ حَدَّثَنَا اَبِي ح: وَحَدَّثَنَا اَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اِدْرِيسَ كُلُّهُم عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ اَبِي خَالِدٍ ح: وَحَدَّثَنَايَحيٰى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ اِسْمَاعِيلَ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسًا يَرْوِي عَنْ اَبِي مَسْعُودٍ قَالَ اَشَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اَلَااِنَّ الْاِيْمَانَ هٰهُنَا وَاِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوْبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ عِنْدَاُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِي رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ۔

حضرت ابومسعود الانصاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے یمن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا آگاہ رہو ایمان وہاں ہے، اور بے شک شقاوت اور دل کی سختی جانوروں کے چرانے والوں میں ہوتی ہے جو اونٹوں کی دموں کی جڑ کے پاس ہوتے ہیں، جہاں سے شیطان کے دو سینگ نکلتے ہیں یہ چرواہے ربیعہ اور مضر میں ہیں۔

تشریح

''الا'' یہ تنبیہ کے لئے ہے یعنی یاد رکھو خوب سمجھ لو اور سنو کہ ایمان یمن میں ہے۔''القسوۃ'' قساوت قلبی اور دلوں کا سخت ہونا مراد

ہے۔ ''غلظ القلوب'' غلظۃ کی جمع ہے سختی کے معنی میں ہے۔
اب سوال یہ ہے ان دونوں لفظوں میں کیا فرق ہے؟
اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں ترادف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ قسوت دلوں کی اس سختی اور قساوت کو کہتے ہیں جو کسی کے وعظ سے نرم نہ ہو اور غلظ دلوں کی اس حالت کا نام ہے کہ ان میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو نرم ہونا تو دور کی بات ہے۔
''فی الفدادین'' یعنی اوپر کی دونوں صفتیں غلظ اور قسوت، فدادین میں ہیں اب سوال یہ ہے کہ یہ فدادین کون ہیں اور اس کا مطلب کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فدادین فداد کی جمع ہے اور فداد کی دو تشریحات ہیں، ایک تشریح یہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے اونٹ بہت زیادہ ہوں جو دوسو سے لیکر ایک ہزار تک پہنچ جاتے ہوں ''الفدید اهل کثیره'' کو کہتے ہیں دوسری تشریح یہ ہے کہ امام لغت شیخ اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ فدادین وہ لوگ ہیں جو اپنے جانوروں کے پیچھے زور زور سے چیختے چلاتے ہوں اور اس کو ہنکاتے بھگاتے ہوں اور ہل جوتنے کے وقت بیلوں پر ھوھو کی آوازیں نکالتے ہوں اس مفہوم کے مطابق فدادین کا مصداق زمیندار، چوھدری، ملک، نواب اور خرناٹ قسم کے وڈیرے جو کھیتی باڑی اور اونٹوں کی کثرت کی وجہ سے ہر وقت چیختے رہتے ہیں ''عنداصول اذناب الابل'' کے الفاظ اس معنی پر واضح قرینہ ہے کہ بیلوں کی دموں کے پاس شور کرتے رہتے ہیں۔
امام لغت علامہ ثعلب فرماتے ہیں ''الْفَدَّادُوْنَ الْجَمَّالُوْنَ الْبَقَّارُوْنَ الْحَمَّارُوْنَ وَالرَّعْيَان'' یعنی فدادین اونٹوں والے بیلوں بھینسوں والے گدھوں والے اور بکریوں والے چرواہے ہیں اس سے پہلی تشریح اور اوپر والے معنی کی تائید ہوتی ہے۔
بہرحال ان جانوروں کے اختلاط کی وجہ سے ان میں جانوروں کی صفات آگئیں کیونکہ جو آدمی جس حیوان کے ساتھ رہتا ہے اس کی صفات اس میں آجاتی ہیں تو بکریوں میں مسکنت ہے لیکن اونٹوں، بیلوں اور گدھوں میں تو حماقت وغضب وحسد ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ شیطان کے دوسینگوں کے ظاہر ہونے کا کیا مطلب ہے، تو جواب یہ ہے کہ خود شیطان کا وجود مراد ہے تفصیل یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت نے مدینہ منورہ سے یا تبوک سے جو اشارہ نجد کی طرف کیا ہے تو یہ علاقے مدینہ سے مشرق کی جانب واقع ہیں تو صبح کے وقت جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان سامنے کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ جو لوگ سورج کو پوجتے ہیں اس سے شیطان کی پوجا بھی ہوجائے اس طرح سورج شیطان کے سر کے دونوں جانبوں سے نکل کر آتا ہے بتانا یہی ہے کہ مشرقی علاقوں میں فتنے ظاہر ہونگے۔
علامہ اُبّی مالکی فرماتے ہیں کہ قرن جماعت کو بھی کہتے ہیں تو یہاں قرنان سے دو جماعتیں مراد ہیں جو مضر اور ربیعہ ہیں، یہ لوگ اسلام کے بہت زیادہ مخالفت کرتے تھے تو اس کو شیطان کے دوسینگ کہا گیا ہے۔ آئندہ ''رأس الکفر'' کی تشریح میں تفصیل آرہی ہے۔
''فی ربیعة و مضر'' یہ فدادین سے متعلق ہے یعنی یہ فدادین ربیعہ اور مضر میں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں اشارہ انہی دو جماعتوں کی طرف ہے مولوی رسول سعیدی نے مسلم کی شرح میں یہاں لکھا ہے کہ اس مشرقی علاقہ سے نجد مراد ہے اور نجد ہی سے مسیلمہ کذاب اٹھا تھا اور محمد بن عبدالوہاب نکلا تھا یہ شیطان کے دوسینگ ہیں۔ میرے خیال میں اس نے شروحات کا خیال

نہیں کیا بلکہ وہابیوں کے ساتھ کینہ وحسد کی وجہ سے ایسا لکھا مسیلمہ کذاب کی بات تو صحیح ہے لیکن محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کا قول شاید حسد کا نتیجہ ہے اگر چہ ہمیں عبدالوہاب سے دلچسپی نہیں ہے۔

عام شارحین لکھتے ہیں کہ مدینہ سے مشرقی جانب جو علاقے ہیں اس سے بڑے بڑے فتنے ظاہر ہونگے، دجال اور یاجوج ماجوج وغیرہ بڑے بڑے فتنے اسی طرف سے آئیں گے دجال ایک جزیرۂ میں بند ہے رستاباذ سے نمودار ہوکر اصفہان ایران میں ظاہر ہوگا۔ مولانا مفتی رفیع صاحب نے لکھا ہے کہ پاکستان بھی مدینہ سے مشرقی جانب میں ہے ہمیں بھی اہتمام کے ساتھ فتنوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔

''حیث یطلع قرنا الشیطان'' یہاں حیث ظرف مکان ہے جگہ کے معنی میں ہے یعنی جہاں شیطان کے دو سینگ ظاہر ہونگے اس سے مراد وہ علاقے ہیں جو مدینہ سے مشرقی جانب میں واقع ہیں کہ یہاں سے فتنے ظاہر ہونگے مدینہ اور تبوک سے نجد مشرق میں واقع ہے، علامہ ابی نے اس سے نجد مراد لیا ہے۔

۱۸۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُو الرَّبِیعِ الزَّهْرَانِیُّ اَنْبَانَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ حَدَّثَنَا اَیُّوبُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً الْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل یمن آگئے ہیں وہ نرم دل لوگ ہیں۔ ایمان بھی یمانی، فقہ بھی یمانی اور حکمت بھی یمانی ہے۔

تشریح

''ارق افئدۃ'' یہ فؤاد کی جمع ہے دل کو کہتے ہیں مگر فؤاد اور قلب میں معمولی سا فرق ہے وہ یہ کہ قلب دل کے اوپر حصہ پر بولا جاتا ہے اور فؤاد اس کے اندر حصہ کو کہتے ہیں اسی معمولی فرق کے لحاظ سے شاید فؤاد کے ساتھ ارق کا لفظ لگایا گیا ہے جو نسبتاً زیادہ نرمی کی طرف اشارہ ہے اور قلب کے ساتھ اضعف کا لفظ لگایا گیا ہے جو نسبتاً کم نرمی کی طرف اشارہ ہے۔

''یمان'' اصل میں ''یَمَنِیٌّ'' تھا، ی، نسبتیہ کو گرا کر الف عوض میں دیا گیا تو یمان ہوگیا امام طحاوی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا کہ ایمان میں اہل نجد افضل ہیں تو آنحضرت نے فرمایا ''کذبت ان الایمان یمان''۔ (علامہ الابی)

''الفقہ'' فقہ سے مطلقاً دین کی سمجھ بوجھ مراد ہے متعارف فقہ مراد نہیں وہ اصطلاح بعد میں آئی ہے یہاں فقہ سے دین کی سمجھ بوجھ عقل وفہم تدبر ودانش وفراست اور ہر شعبہ میں دین کی مہارت مراد ہے۔ آج کل کی اصطلاحی فقہ کی تعریف یہ ہے

''ھو العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المکتسب من ادلتھا التفصیلیة''۔ (تعریفات)

فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے۔

"معرفة النفس مالها وماعليها" ۔

''الحكمة'' عواقب اموراور انجام پر نظر رکھنے کو حکمت کہتے ہیں ابن دُرید فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عظمت اور بزرگی کا باعث بنے اور پستی اور قباحت سے منع کرے وہ حکمت ہے، عربی عبارت یہ ہے

"كل كلمة وعظتك اوزجرتك او دعتك الى مكرمة او نهتك عن قبيح فهي حكمة "۔

''الايمان يمان'' یعنی ایمان تو اہل یمن کا ایمان ہے۔

سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ جب ایمان یمانی ہے، فقہ یمانی ہے، حکمت یمانی ہے، تو اہل حجاز کے لئے کیا رہ گیا؟ حالانکہ ایمان کا نزول مکہ میں ہوا، عرفان وایمان وایقان کا مرکز مکہ ہے یہ مھبط وحی ہے آخر زمانہ میں ایمان سمٹ کر مکہ ومدینہ میں رہ جائے گا غرضیکہ ابتدا وانتہاء مکہ سے ہے تو یہ فضیلت یمن کی کیسی؟ حالانکہ اس باب کی آخری حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''والايمان في الحجاز'' کہ ایمان کا مرکز مکہ ومدینہ ہے اس تعارض واعتراض کا جواب کیا ہے ؟

جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ لفظ یمان خود مکہ مکرمہ پر بولا گیا ہے کیونکہ مکہ کا کچھ حصہ اطراف یمن سے ملتا ہے خانہ کعبہ کے ایک کونے کا نام رکن یمانی ہے گویا یہ الفاظ ''الايمان مكي'' کے معنی میں ہیں یہ ایک جواب ہے لیکن اس کے دینے سے نہ دینا بہتر ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا اس وقت آپ تبوک میں تھے اور آپ نے دائیں طرف اشارہ فرمایا اور دائیں طرف مکہ اور مدینہ ہے گویا الايمان يمان مکہ اور مدینہ کی طرف اشارہ تھا نہ کہ یمن کی طرف، یہ جواب اس قابل ہے کہ اس کو ذکر کیا جائے لیکن یہ تسلی کے لئے کافی نہیں ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس سے انصار کی جماعت مراد ہے کیونکہ انصار کے بڑے قبائل کا سلسلۂ نسب اہل یمن سے جاملتا ہے گویا آپ نے انصار کے ایمان کی تعریف فرمائی، یہ جواب بھی حقیقت سے بہت دور معلوم ہوتا ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ یہ تعریف اس زمانہ کے موجودہ چیدہ چیدہ اہل یمن کی تعریف تھی مطلقاً اہل یمن یا ہمیشہ کے لئے اہل یمن کی تعریف نہیں تھی اس وقت یمن میں اویس قرنی، ابومسلم خولانی اور ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ موجود تھا تو یہ مخصوص اہل یمن کی تعریف تھی یہ

جواب اچھا ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ الایمان یمان فی نفسہ اہل یمن کی تعریف ہے اس کا منفی پہلو مراد نہیں ہے کہ اہل یمن اچھے ہیں اور اہل حجاز اچھے نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اہل یمن کا ایمان بہت اچھا ہے کسی اور کے ایمان کی نفی نہیں ہے بلکہ ''الایمان فی الحجاز'' کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ کسی اور کی نفی نہیں ہے نہ مفہوم مخالف ہے بلکہ اس حدیث کا ایک پس منظر ہے اس کو یوں سمجھ لیں کہ بنوتمیم کا ایک وفد آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنوتمیم ایمان کی دولت قبول کرلو انہوں نے کہا کہ ایمان ہم لے آئے ہیں ہمیں پیسہ دیدو حضرت ناراض ہوگئے پھر اہل یمن آئے آپ نے ان کے سامنے وہی بات رکھی تو انہوں نے آنحضرت کے منشاء کے مطابق جواب دیا تو آپ نے فرمایا ایمان تو اہل یمن کا ایمان ہے یہ جواب اچھا ہے۔

ان جوابات میں پہلے تین جوابات میں مجاز کی طرف جانا پڑتا ہے، شارحین نے لکھا ہے کہ جب حقیقت پر عمل ممکن ہو تو مجاز کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

۱۸۳۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ ح:وَ حَدَّثَنِیْ عَمْرُوْالنَّاقِدُ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ یُوْسُفَ الْاَزْرَقُ کِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۱۸۴۔ **وحَدَّثَنِیْ** عَمْرٌو النَّاقِدُ وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ وَهُوَابْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاکُمْ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَضْعَفُ قُلُوْبًا وَاَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں، وہ نرم دل اور رقیق القلب ہیں، فقہ یمانی ہے اور حکمت بھی یمانی ہے۔

۱۸۵۔ **حَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأْسُ الْکُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْفَخْرُ وَالْخُیَلَاءُ فِیْ اَهْلِ الْخَیْلِ وَالْاِبِلِ الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّکِیْنَةُ فِیْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر کا مرکز مشرق کی طرف ہے، فخر اور تکبر گھوڑوں اور اونٹوں والوں میں ہے جو چیختے چلاتے ہیں، وبر والے ہیں جب کہ سکون ونرمی بکریوں والوں میں ہے۔

تشریح

''رأس الکفر نحو المشرق ''یعنی کفر کا امام اور سرغنہ مشرق کی جانب میں ہے مدینہ منورہ سے مشرق میں نجد، عراق، ایران کے علاقے واقع ہیں ان تمام کفریہ طاقتوں کا سرغنہ اس زمانہ میں مجوس فارس تھے جو کفر میں بہت سخت تھا، ربیعہ ومضر بھی کفر میں سخت تھے تا تاری فتنہ بھی مشرق سے اٹھا تھا دجال بھی اسی علاقے ''استاباذ'' سے نکل کہ اصفہان میں ظاہر ہوگا، یاجوج ماجوج بھی اسی علاقے درہ داریال کے پیچھے ہیں۔ لہٰذا رأس الکفر کے تحت یہ تمام فتنے ملحوظ نظر رکھنا چاہئے، صرف عبدالوہاب نجدی کو اس کا مصداق قرار دینا بریلویوں کا مشغلہ ہے جبکہ ہم اہل حق طائفہ منصورہ کے لوگ ہیں نہ ہم نجدی ہیں نہ وھابی ہیں نہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں۔

''الخیلاء'' خود پسندی تکبر مراد ہے خود تکبر کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے یہ خیلاء کا مطلب ہے۔ ''الغنم ''یعنی سکینہ عاجزی اور وقار بکریوں کے پالنے والوں میں ہے کیونکہ بکری ایک مسکین جانور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام نے بکریاں چرائیں ہیں آنے والی روایت میں الشآء کا لفظ ہے اس کا مفرد شاۃ ہے بکری کو کہتے ہیں۔ ''الوبر'' وبر پشم کو کہتے ہیں اونٹوں کے پشم سے خیمے بنا کر اس میں رہنے والے خانہ بدوش اھل وبر ہیں وبر کا اطلاق جس طرح اونٹوں کے بالوں پر ہوتا ہے اسی طرح گھوڑے کے بال پر بھی وبر کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۷۶۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْكُفْرُ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْوَبَرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یمانی ہے کفر مشرق کی طرف ہے سکون واطمینان اہل غنم میں ہے، فخر وریاء کاشتکاروں میں ہے جو گھوڑوں والے اور اونٹوں والے ہیں۔

۱۸۷۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فخر وتکبر چیخنے والوں میں ہے جو اونٹوں والے ہیں جبکہ سکون واطمینان بکریوں والوں میں ہے۔

۱۸۸۔ **وَحَدَّثَنَا** عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، ابوالیمان سے وہ شعیب سے وہ زہری سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہے مگر اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ایمان بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی ہے۔

۱۸۹۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوالْيَمَانِ عَنْ شُعَيْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَاَضْعَفُ قُلُوْبًا اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ اَلسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُوَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِيْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ قِبَلَ مَطْلِعِ الشَّمْسِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا: یمن والے آئے ہیں یہ بہت نرم دل اور ضعیف القلب ہیں۔ ایمان بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی ہے، نرمی بکری والوں میں ہے اور فخر وغرور مشرق کی طرف سخت دل اونٹ والوں میں ہے۔

۱۹۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْكُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَلْيَنُ قُلُوْبًا وَاَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ رَاْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن والے آئے ہیں جو بہت نرم دل اور رقیق القلب ہوتے ہیں ایمان بھی یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی اور کفر کی چوٹی مشرق کی طرف ہے۔

۱۹۱۔ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَالْاِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ "رَاْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ"۔

اعمش سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اسی سند کے ساتھ مذکور ہے مگر اس میں اخیر کا جملہ نہیں۔

۱۹۲۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ ح: وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُبْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِيْ ابْنَ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَالْاِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ وَزَادَ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ اَصْحَابِ الشَّاءِ۔

اعمش رحمہ اللہ سے یہ روایت حدیث سابق کی طرح منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ فخر وغرور اونٹوں والوں میں ہے اور مسکینی وعاجزی بکری والوں میں۔

۱۹۳۔ **وَحَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوالزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِيْ

اَلْمَشْرِقِ وَالْاِیْمَانُ فِیْ اَھْلِ الْحِجَازِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دلوں کی سختی اور جفا مشرق میں ہے اور ایمان اہل حجاز میں ہے۔

تشریح

''الجفاء'' تہذیب سے عاری گنوار لوگ جس میں جفا اور سختی و سنگ دلی اور گنوار پن ہوتا ہے وہ مراد ہیں ''مَنْ سَکَنَ الْبَادِیَۃَ جَفَا'' حدیث ہے۔

''والایمان فی الحجاز'' اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اہل حجاز مکہ و مدینہ کو ایمان کی مرکزیت حاصل ہے اور اہل یمن میں کچھ چیدہ چیدہ افراد کی وجہ سے وقتی طور پر ایمان کا اعزاز حاصل تھا یا اہل یمن فی نفسہ اچھے ایمان والے تھے یہ مطلب نہیں کہ حجاز میں اچھے ایمان والے نہیں تھے اس حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

باب لایدخل الجنة الا المؤمنون

جنت میں مؤمنین کے سوا کوئی نہیں جائیگا

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کا اخراج کیا ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ ایمان کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا مگر یہاں اس عنوان کے تحت دو حدیثوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس ایمان کے ذریعہ سے جنت میں جانا ممکن ہے وہ ایمان کیسے حاصل ہوگا؟ تو اس ترتیب کو یہاں اس طرح بتایا گیا ہے کہ ایمان کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان آپس میں محبت پیدا کریں اور محبت تب پیدا ہوگی جب آپس میں جوڑ پیدا ہو جائے اور جوڑ پیدا کرنے کے لئے بڑا ذریعہ سلام کو عام کرنا ہے جب سلام عام ہوگا تو محبت آئے گی جب محبت آئے گی تو ایمان کامل ہوگا جب ایمان کامل ہوگا تو جنت ملے گی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ سلام کو جتنا عام کر سکتے ہو عام کرو اس سے بغض وحسد اور تقاطع وفساد ختم ہونگے اور تواضع اور انکساری اور دیگر اچھی صفات پیدا ہونگی جو دخول جنت کے اسباب ہیں۔

۱۹۴۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ وَوَکِیْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْ اَوَلَااَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوْالسَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہونگے یہاں تک کہ صاحبِ ایمان ہو جاؤ اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی

بات نہ بتلاؤں جب تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام کی کثرت کیا کرو۔

۱۹۵۔ وَحَدَّثَنِی زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ ! لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِیْ مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٍ ۔

سابقہ حدیث اس سند سے اعمش کے طریق پر منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ صاحبِ ایمان ہو جاؤ۔

باب بيان الدين النصيحة

دین خیر خواہی کا نام ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۹۶۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّیُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِسُهَيْلٍ اِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِيْكَ قَالَ وَرَجَوْتُ اَنْ يُسْقِطَ عَنِّیْ رَجُلًا قَالَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِیْ سَمِعَهُ مِنْهُ اَبِیْ كَانَ صَدِيْقًا لَهٗ بِالشَّامِ ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةَ قُلْنَا لِمَنْ ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ ۔

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس کے لئے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے ائمہ کے لئے اور عامۃ المسلمین کے لئے۔

تشریح

''ورجوت'' اس سند میں کچھ پیچیدگی ہے اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ سہیل کے باپ کا نام ابوصالح ہے جو کنیت سے مشہور ہے، سفیان نے سہیل سے کہا کہ میرے اور آپ کے والد ابوصالح کے درمیان ایک واسطہ ہے جو قعقاع ہے اگر آپ اپنے والد ابوصالح سے براہ راست روایت نقل کر دیں تو قعقاع کا واسطہ ساقط ہو جائے گا جس سے میری سند آپ کے والد ابوصالح تک عالی ہو جائے گی۔ محدثین کے ہاں واسطے جتنے کم ہوں سند عالی ہو جاتی ہے مگر صوفیاء کے نزدیک سلسلہ میں جتنے واسطے زیادہ ہوں سند عالی ہو جاتی ہے۔ بہر حال سفیان کے سوال کے جواب میں سہیل نے کہا کہ میرے باپ نے جس استاذ سے یہ حدیث سنی ہے میں نے بھی انہی سے سنی ہے یہ کہہ کر سہیل نے مختصر سند بیان کی لہٰذا اب درمیان سے قعقاع اور ابوصالح کے دو واسطے ساقط ہو گئے اور سفیان کی سند انتہائی عالی ہو گئی کیونکہ سہیل، عمرو کی جگہ پر آ گئے اور اس نے براہِ راست عطا بن یزید سے روایت نقل کی جس کو امام مسلم نے آخر تک بیان کیا ہے۔ سہیل نے یہ وضاحت بھی کی کہ میرے باپ نے جس سے یہ حدیث سنی وہ شام میں

تھے اور میرے باپ کے دوست تھے جن کا نام عطاء بن یزید ہے جس طرح ان سے میرے باپ نے روایت لی میں نے بھی انہی سے لی اور اس نے تمیم داری سے روایت کی۔

''تمیم داری'' آپ کا نام تمیم بن اوس ہے یہ پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہوگئے ''داری'' یہ نسبت ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ نسبت کس وجہ سے ہے. جمہور علماء کی رائے ہے کہ دار بن ہانئ ان کے دادا تھے انہی کی طرف داری نسبت ہے۔ دیگر علماء کا خیال ہے کہ یہ نسبت اصل میں دیری ہے، دَیر ایک علاقے کا نام ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہیں لیکن تمام منقولہ روایات میں تمیم داری ہے اب ہم دیری کی طرف کیسے جائیں گے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ نسبت ان کے قبیلہ بنی عبدالدار کی طرف ہے۔ بہرحال حضرت تمیم داریؓ کی خصوصیات میں سے ہیں کہ آنحضرت نے حدیث ''جساسہ'' میں فرمایا کہ حدثنی تمیم داری، یہ بڑا اعزاز ہے آپ ایک رکعت میں صبح تک ایک قرآن پڑھتے تھے ایک دفعہ تہجد قضا ہوا تو ایک سال تک رات کو جاگتے رہے۔ تمیم داری سے امام بخاری نے کوئی حدیث نہیں لی ہے البتہ امام مسلمؒ نے ان سے صرف یہ ایک حدیث بیان کی ہے تمیم داری ۹ھ میں اسلام لائے مدینہ میں رہے پھر شام کی طرف منتقل ہوگئے وہاں وفات پائی۔

''الدین النصیحة'' یعنی دین کا سب سے بڑا ستون خیر خواہی ہے، یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے جس کے الفاظ مختصر ہیں مگر معانی کثیرہ پر مشتمل ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ''النصیحة'' کی تعریف اور جامع مفہوم یہ ہے کہ یہ ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے سامع کی ہر قسم کی بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہو۔ (الأبی)

''قال لله'' اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی درحقیقت آدمی کی اپنی خیر خواہی ہے کیونکہ اس کا نفع خود ان کو حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن صفات کے مستحق ہیں وہ ساری کی ساری صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص مان لیا جائے تفصیل یہ کہ عبادات صرف اللہ کے لئے کرے اس کے تمام احکامات پر عمل کرے، مخلوق سے ان کی عدم مشابہت کا عقیدہ رکھے اس کو ہر قسم عیب سے پاک اور ہر خوبی سے متصف مانے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے ان سے پوچھا کہ ''النصح لِلّٰہ'' کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا کہ النصح لله یہ ہے کہ ''ان یقدمه فی کل شیء عن جمیع العالمین'' یعنی ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام عالم پر مقدم مانا جائے۔

''النصح لکتابه'' کتاب اللہ کی خیر خواہی یہ کہ اس پر ایمان لایا جائے اس کے تمام مندرجات اور تعلیمات کو مانا جائے اور دنیا کے تمام قوانین سے اس کا قانون بالاتر مانا جائے اسکو اللہ تعالیٰ کا ابدی کلام تسلیم کیا جائے ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک مانا جائے اس کو اللہ تعالیٰ کا منزل کلام مانا جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ تسلیم کیا جائے اس کو قدیم کلام کے طور پر تسلیم کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ

رَدَّتْ بَلَاغَتُھَا دَعْوٰی مُعَارِضِھَا   رَدَّ الْغَیُوْرِیَدَ الْجَانِیْ عَنِ الْحَرَمِ

قرآن کی فصاحت اور بلاغت نے مقابل باطل کو ایسا دفع کیا جس طرح ایک غیور آدمی مجرم کا اتھ اپنے اہل وعیال سے دفع کرتا ہے۔

''النصح للرسول ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کو نبی برحق نبی آخر الزمان مان کر ایمان لایا جائے آپ کی تعلیمات کو قبول کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے آپ کو خاتم النبیین تسلیم کیا جائے آپ کو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم مانا جائے ،آپ کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ انسان تسلیم کیا جائے آپ کو عالیشان بشر یعنی افضل البشر مانا جائے آپ کی سنتوں پر چلنے کی کوشش کی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے۔

جہاں تک آپکی تقلید ہے اسی حد تک   سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

آپ کو امت کا سب سے بڑا خیر خواہ مانا جائے اور اللہ تعالیٰ کی امانت کو احسن طریقہ سے امت تک پہنچانے والا مانا جائے آپ سے قلبی محبت رکھی جائے اور تمام رسولوں کے سردار مانا جائے اور یہ اقرار کیا جائے۔

فاق النبیین فی خلق وفی خلق   و لم یدانوہ فی علم و لا کرم

''النصح للائمۃ ''مسلمانوں کے بادشاہوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ جب تک وہ اسلام پر قائم ہیں ان کی اطاعت کی جائے بغاوت نہ کی جائے اگر ہو سکے تو ان کو آخرت یاد دلانے کی نصیحت اور وعظ کیا جائے ان کے لئے غائبانہ دعا کی جائے اور ان کی ہر قسم اصطلاح کی کوشش کی جائے۔

''وعامتھم ''عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے جھگڑا نہ کریں مصافحہ اور سلام کی کوشش کریں ان کی مدد کی بھرپور کوشش کریں ان کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھیں ان کے غم میں شرکت کریں اور ان کی ہر لحاظ سے تعاون کریں۔

بہرحال ان کلمات کی تشریح میں مختلف شراح نے مختلف ادیبانہ کلام کیا ہے کوئی متعین تشریح نہیں ہے خیر خواہی کا ایک جامع مفہوم ہے۔

۱۹۷۔ **حَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَھْدِیٍّ سُفْیَانُ عَنْ سُھَیْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَزِیْدَ اللَّیْثِیِّ عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ ۔

سابقہ سند سے تمیم داری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں۔

۱۹۸۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اُمَیَّۃُ بْنُ بِسْطَامَ حَدَّثَنَا یَزِیْدُیَعْنِی ابْنَ زُرَیْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَھُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُھَیْلٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَزِیْدَ سَمِعَہٗ وَھُوَیُحَدِّثُ اَبَاصَالِحٍ عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیْ عَنْ رَسُوْ لِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ ۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی مثل سابق نقل کرتے ہیں۔

۹۹۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ نُمَیْرٍ وَاَ بُوْاُسَامَۃَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسٍ عَنْ

جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر۔

تشریح

''عن جریر بن عبدالله البجلی'' یہ شان والے صحابی ہیں بجل قبیلہ کی طرف منسوب ہے تو بجلی ہے بجلی کی طرح خوبصورت تھے ان کا لقب ''یوسف هذه الامة'' تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوا تھا اور مجھے جب بھی حضور اکرم نے دیکھا تو آپؐ نے تبسم فرمایا آخر میں کوفہ میں رہنے لگے پھر قرقیسیا کی طرف منتقل ہو گئے اور ۵۱ھ میں وفات پائی، بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ دس ھجری کے رمضان میں مسلمان ہوئے اور آنحضرت کا انتقال اسی سال بارہ ربیع الاول میں ہوا گویا چند ماہ قبل آپ مسلمان ہوئے تھے۔

عجیب حکایت

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طبرانی میں سند کے ساتھ ایک عجیب واقعہ لکھا ہے علامہ اُبی نے بھی اس کو نقل کیا ہے دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جریرؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ میرے لئے ایک گھوڑا خرید لو، اس نے تین سو درہم کا خرید لیا مگر پیسہ ابھی تک ادا نہیں کیا قیمت ادا کرنے کی غرض سے حضرت جریرؓ گھوڑے کے مالک کے پاس گئے یا گھوڑے کا مالک ان کے پاس آ گئے تا کہ قیمت وصول کرے حضرت جریرؓ نے ان سے کہا کہ آپ کا یہ گھوڑا تین سو سے زیادہ قیمت کا ہے آپ مجھے چار سو درہم پر دو گے؟ اس نے کہا یہ آپ کی مرضی پر ہے پھر حضرت جریر نے (جب گھوڑا ٹٹولا تو) فرمایا کہ آپ کا گھوڑا چار سو درہم سے زیادہ کا ہے کیا آپ پانچ سو درہم کے دو گے؟ اس نے کہا یہ آپ کی مرضی پر ہے اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ ایک ایک سو درہم بڑھاتے رہے اور فرماتے رہے کہ یہ گھوڑا اس سے زیادہ قیمت کا ہے یہاں تک کہ آٹھ سو درہم تک قیمت بڑھا کر اس کو ادا کر دی پوچھنے والوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو فرمانے لگے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی حضرت نے فرمایا کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو گے یہ شخص دیہاتی ہے اس کو مارکیٹ ریٹ کا پتہ نہیں ہے اس لئے میں نے یہ خیر خواہی کی۔ ''فرضی الله عنه وعن جميع الصحابة''۔

فتح الملہم میں لکھا ہے کہ جریر جب کسی سے خرید و فروخت کرتے تو فرماتے ''اعلم ان ما اخذنا منك احب الينا مما اعطينا كه فاختر''۔ یعنی ہم نے تم سے جو سودا لیا وہ اس سے بہتر ہے جو کچھ قیمت ہم نے دیا ہے تم کو سوچنے اور اقالہ کرنے کا اختیار ہے۔

''بایعت'' شرعی ترتیب کے لئے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنے کا نام بیعت ہے، یہ شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ

شریعت ہی کا ایک حصہ ہے شریعت ابتدا ہے اور طریقت انتہا ہے جیسے ڈرائیونگ جب گراؤنڈ میں ہو تو یہ ابتدا ہے اور ہاتھ کی صفائی کے لئے جب روڈ پر گاڑی لائی جائے تو یہ انتہاء ہے یا جب تک دلائل کی کشمکش ہو، تو یہ شریعت ہے جب طمانیت آجائے تو یہ طریقت ہے ایک ایمان واسلام کا مقام ہے یہ شریعت ہے ایک احسان کا درجہ ہے یہ طریقت ہے۔ بیعت کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ بیعت علی الاسلام ۲۔ بیعت علی الجهاد ۳۔بیعت علی الاعمال الصالحة ٤۔ بیعت علی الخلافة

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پہلی تین اقسام کی بیعت ہوتی رہتی تھی، چوتھی بیعت صدیق اکبر کے زمانہ سے شروع ہوئی آج کل جو بیعت ہے اس کا اصل شریعت میں موجود ہے قرآن کریم میں بھی صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کی تفصیلات اور پھر خانقاہی نظام کا وجود صحابہ کے دور میں نہیں تھا وہ ان کاموں کے لئے جہاد سے فارغ کہاں تھے بس ان کے مدارج عالیہ کے حصول کے لئے مجلس نبوی کافی تھی اور یا میدان جہاد کافی تھا۔ کچھ خشک لوگ بیعت کا انکار کرتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے البتہ آج کل ٹھگوں کا زور ہے جنہوں نے اس پاکیزہ طریقہ کو بدنام کیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیح چیز کا بھی انکار کیا جائے اب زیر بحث حدیث میں بیعت علی الاعمال ہے اس کا انکار کون کرسکتا ہے۔

۲۰۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ سَمِعَ جَرِيْرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ بَايَعْتُ النَّبِىَّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

۲۰۱۔ **حَدَّثَنَا** سُرَيْجُ بْنُ يُوْنُسَ وَيَعْقُوْبُ الدَّوْرَقِىُّ قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِىِّ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِى فِيْمَا اسْتَطَعْتَ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قَالَ يَعْقُوْبُ فِىْ رِوَايَتِهِ قَالَ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ سنوں گا اور اطاعت کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تلقین فرمائی کہ بیعت کے الفاظ میں ''فیما استطعت'' میری استطاعت کے مطابق، کے الفاظ بڑھا لو اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

تشریح

''فلقننی فیما استطعت''، تلقین تعلیم کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت نے یہ اصلاح فرمادی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کا مطلب یہ ہے جو تیرے بس اور تیری طاقت میں ہو یہ آنحضرت کی طرف سے امت پر بڑی شفقت ہے کیونکہ ہر چیز

میں ہر مسلمان کی خیر خواہی تو انسان کے بس میں نہیں ہے جو تکلیف مالا یطاق ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو استطاعت کے ساتھ مقید فرمادیا "قال یعقوب فی روایتہ قال حدثنا سیار " یہاں ایک دقیق نکتہ کی طرف امام مسلم نے اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ یہاں امام مسلم کے دو شیخ ہیں ایک سریج بن یونس ہے دوسرا یعقوب دورقی ہے ان دونوں نے مذکورہ سند میں ھشیم سے یہ روایت نقل کی ہے مگر ھشیم نے عن سیار کا لفظ استعمال کیا ہے اور ھشیم مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے اس نقص کو دور کرنے کے لئے امام مسلم نے ایک تابع کو ذکر کیا جس میں یعقوب فرماتے ہیں کہ ھشیم نے "حدثنا سیار " کہا ہے جس سے عنعنہ ختم ہو گیا "سبحان اللہ امام مسلم کی احتیاط اور علمی گہرائی"۔

باب نقصان الایمان بالمعاصی والزنا

گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان کا نقصان ہوتا ہے

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں آٹھ احادیث کو ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے امام مسلم رحمہ اللہ نے ایمان کے مختلف شعبوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا اور اشارۃً کنایۃً وتصریحاً اپنے مسلک الایمان یزید وینقص کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی اب یہاں سے ابواب الوسوسہ تک کئی ابواب میں امام مسلم نے کفر کے شعبوں کو بیان کرنا شروع کر دیا آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کفر ایمان کی ضد ہے جب کفر ذو اجزاء ہے تو اس کا مقابل ایمان بھی ذو اجزاء ہے اور جب ذو اجزاء ہے تو یزید وینقص ہے اور ضد سے چیز کا تعارف ہوتا ہے شاعر ساحر کہتا ہے۔

ونذیمھم وبھم عرفنا فضلہ و بضدھا تتبین الاشیاء

یعنی ہم انکی مذمت کرتے ہیں لیکن ممدوح کی فضیلت کو ہم نے انہی کی وجہ سے پہچان لیا ہے اور ہر چیز ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

۲۰۲۔ **حَدَّثَنِی** حَرمَلَةُ بنُ یَحیَی بنِ عَبدِاللّٰهِ بنِ عِمرَانَ التُّجِیبِیُّ اَنبَاَنَاابنُ وَهبٍ قَالَ اَخبَرَنِی یُونُسُ عَنِ ابنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعتُ اَبَاسَلَمَةَ بنَ عَبدِالرَّحمٰنِ وَسَعِیدِبنِ المُسَیِّبِ یَقُولَانِ قَالَ اَبُوهُرَیرَةَ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزنِی الزَّانِی حِینَ یَزنِی وَهُوَمُؤمِنٌ وَلَایَسرِقُ السَّارِقُ حِینَ یَسرِقُ وَهُوَمُؤمِنٌ وَلَایَشرَبُ الخَمرَ حِینَ یَشرَبُهَا وَهُوَمُؤمِنٌ۔ قَالَ ابنُ شِهَابٍ فَاَخبَرَنِی عَبدُالمَلِكِ بنُ اَبِی بَکرِ بنِ عَبدِالرَّحمٰنِ اَنَّ اَبَابَکرٍ کَانَ یُحَدِّثُهُم هٰؤُلَاءِ عَن اَبِی هُرَیرَةَ ثُمَّ یَقُولُ وَکَانَ اَبُوهُرَیرَةَ یُلحِقُ مَعَهُنَّ وَلَایَنتَهِبُ نُهبَةً ذَاتَ شَرَفٍ یَرفَعُ النَّاسَ اِلَیهِ فِیهَا اَبصَارَهُم حِینَ یَنتَهِبُهَاوَهُوَمُؤمِنٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو شراب

پیتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالملک بن ابی بکر نے بتلایا کہ ابوبکر یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے اور فرماتے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا کہ کوئی مال لوٹنے اور اچکنے والا ایسا نہیں کہ وہ ایسا مال جس کی طرف لوگوں کی نگاہ اٹھتی ہوا سے لوٹے مگر یہ کہ وہ لوٹتے وقت مومن نہیں ہوتا۔

تشریح

''لایزنی الزانی'' یہ مسئلہ پہلے کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ معتزلہ وخوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام مخلد فی النار ہے پھر معتزلہ کے ہاں داخل فی الکفر نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں منزلة بین المنزلتین ہے کہ نہ مسلمان ہے کیونکہ اسلام سے نکل گیا ہے نہ کافر ہے کیونکہ اس میں عمداً داخل نہیں ہوا ہے ان کے ہاں دوزخ میں بھی اس طرح منزلة بین المنزلتین کا مقام ہوگا۔ خوارج نے تو داخل فی الکفر بھی مان لیا، اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، یہ حدیث معتزلہ اور خوارج کی دلیل ہے کیونکہ ''وھو مؤمن'' کے لفظ میں ایمان کی نفی ہے نیز بظاہر یہ حدیث دیگر نصوص قرآنیہ اور فرامین نبویہ سے متعارض بھی ہے مثلاً

۱۔ ﴿ان اللہ لایغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ اگر شرک کے علاوہ کبائر موجب کفر ہوتے تو ان کی مغفرت کی گنجائش کہاں ہوتی۔ معلوم ہوا مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

۲۔ ﴿وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما﴾ یہاں آپس میں لڑنے والوں کو مؤمن کے نام سے یاد کیا ہے، حالانکہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے۔

۳۔ حدود اللہ اور قصاص کی جتنی آیتیں ہیں ان میں مرتکب کبیرہ کے لئے ایک سزا مقرر ہے اگر وہ خارج اسلام ہوتا تو مرتد ہو جاتا اور مرتد کی سزا اس پر نافذ ہوتی معلوم ہوا مرتکب کبیرہ خارج اسلام نہیں۔

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ''وان زنی وان سرق'' جیسی احادیث سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے کہ ارتکاب کبیرہ کے باوجود جنت جائیگا تو یہ جمہور کے مستدلات بھی ہیں اور زیر بحث حدیث سے معارض بھی ہیں معتزلہ نے چونکہ زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے اس لئے اس حدیث کی توجیہ اور تاویل اور اس کو صحیح محمل پر حمل کرنا ضروری ہے تاکہ تمام نصوص میں توافق اور تطابق آجائے۔

۱۔ توجیہ اول یہ کہ یہاں زانی کے ایمان کی جو نفی آئی ہے یہ کمال ایمان کی نفی ہے اصل ایمان کی نفی نہیں ہے۔

۲۔ توجیہ دوم علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام لفظوں میں خبر ہے مگر معنوی طور پر انشاء ہے یعنی زانی اگر مؤمن ہے تو وہ زنا کا عمل نہ کرے اس توجیہ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ''لایزن'' جزم اور ''لا'' نہی کے ساتھ ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ حین ظرف اس توجیہ کا انکار کرتا ہے کیونکہ زنا کی نہی مطلقاً

ہے حین یزنی کے ساتھ مقید کرنے کا کیا فائدہ ؟

۳۔ توجیہ سوم علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں ایمان کے ایک اہم شعبہ حیاء کی نفی ہے جو یہ قبیح فعل کرتا ہے وہ مومن نہیں یعنی باحیاء نہیں رہتا ہے ایمان کا اہم شعبہ حیاء اس سے چلا جاتا ہے جیسے کہا گیا ہے ''بے حیاباش وہر چہ خواہی کن''۔

۴۔ توجیہ چہارم یہ کہ یہاں نور ایمان کی نفی مراد ہے امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی توجیہ کی ہے کہ نور ایمان باقی نہیں رہتا۔

۵۔ توجیہ پنجم یہ کہ اس سے ایمان شہودی کی نفی مراد ہے کہ اگر یہ شخص اللہ کو حاضر ناظر مانتا تو اس حضوری کی حالت میں کبھی یہ حرکت نہ کرتا۔ جبکہ چھوٹے بچے کی موجودگی میں کوئی شخص ایسی حرکت نہیں کرسکتا ہے۔

۶۔ توجیہ ششم یہ کہ یہ حکم زجر وتوبیخ اور تغلیظ وتشدید پر محمول ہے کہ اس قبیح حرکت کا مرتکب مؤمن نہیں رہا بلکہ فاسق فاجر بن گیا۔

۷۔ توجیہ ہفتم امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس قبیح حرکت کی وجہ سے ایمان دل سے نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا رہتا ہے پھر واپس آتا ہے نیز ترمذی میں مرفوع حدیث بھی اسی طرح ہے۔

''ینتھب'' انتھاب کسی کا مال زبردستی چھیننا ''نھبة'' لوٹے ہوئے مال کو کہتے ہیں ''یرفع الناس الیها ابصارھم ''یعنی اس کی جرأت پر تعجب کریں گے اس کے ظلم سے ڈرتے ہوئے صرف اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے اور کچھ کر نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ڈاکہ ڈالنے والے سے لوگ ڈرتے ہیں۔

''ولا یغل 'غلول مال غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں پھر مطلق خیانت پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور بدعہدی پر بولا جانے لگا ہے۔

''فایاکم ایاکم '' یہ تاکید کے لئے ہے یا تحذیر ہے کہ تم ان گناہوں سے بچو بچاؤ اس حدیث میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر آگیا ہے یعنی حالت ایمان کا تقاضا ہے کہ آدمی ان دونوں حقوق میں تجاوز نہ کرے۔

''ھؤلاء'' اس سے لوگوں کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اوپر مذکورہ معاصی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی زنا سرقہ اور شرب خمر کی طرف اشارہ ہے پھر ان تین گناہوں کو بطور خاص ذکر کیا کیونکہ یہ تمام مفاسد کی جڑیں ہیں زنا ان تمام شہوات کی جڑ ہے چوری، حب الدنیا کی جڑ ہے اور شراب حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غفلت واعراض کی جڑ ہے اور ڈاکہ زنی لوگوں کے مال وجان کی توہین کی جڑ ہے اس لئے اسلام میں یہ بڑے گناہ شمار ہوتے ہیں اور اسی کی تقبیح بیان کرنا مقصود ہے، دوسری سند میں ڈاکہ ڈالنے کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ وعید کبائر کے ارتکاب پر ہے صغائر پر نہیں ہے'' وکان ابو ھریرہ ''یعنی حضرت ابوھریرہ اوپر مذکورہ کبائر کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کو بھی ملاتے تھے۔

سوال

امام مسلم کے اس طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لا ینتھب نھبة'' کے الفاظ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہیں اور ان کی طرف سے ادراج فی الحدیث ہے۔

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ابونعیم نے امام مسلم پر جن احادیث کا استخراج کیا ہے اس میں ہمام بن منبہ کی سند سے اس نے اس لفظ کو مرفوع حدیث ثابت کیا ہے لہٰذا امام مسلم کے طرز بیان سے شک میں نہیں پڑنا چاہئے ، حدیث نمبر ۲۰۳ میں دیکھو!
''واقتص الحدیث بمثلہ مع ذکر النھبۃ'' کے الفاظ ہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یلحقھن کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ اس کو نبی مکرم کی حدیث کی حیثیت سے سابقہ کبائر کے ساتھ ملاتے تھے یہ مطلب نہیں کہ اپنی طرف سے اضافہ فرماتے تھے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے بھی دیگر سندوں میں اس کو مرفوع حدیث قرار دیا ہے تو شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔
پھر بعض راویوں نے ذات شرف کو ذکر کیا ہے بعض نے ذکر نہیں کیا ہے یہ تصرف رواۃ میں سے ہے۔
''ذات شرف'' شرف کے دو مطلب ہیں ایک عظیم الشان اور عظیم القدر ڈاکہ کے معنی میں ہے دوسرا مشہور کے معنی میں ہے کہ لوگ جھانک جھانک کر ان کو دیکھیں اور حیران رہ جائیں کہ دن دھاڑے کیسے ڈاکہ ڈال رہا ہے۔

۲۰۳۔ **وَحَدَّثَنِی** عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ شُعَیْبِ بْنِ اللَّیْثِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی عَنْ جَدِّی قَالَ حَدَّثَنِی عُقَیْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِی اَبُوبَكْرِ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزْنِی الزَّانِیْ وَاقْتَصَّ الْحَدِیْثَ بِمِثْلِهٖ مَعَ ذِكْرِ النُّهْبَةِ وَلَمْ یَذْكُرْ ذَاتَ شَرَفٍ ۔قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِی سَعِیْدُبْنُ الْمُسَیَّبِ وَاَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثَ اَبِی بَكْرٍ هٰذَا اِلَّا النُّهْبَةَ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں مگر اس میں شرف کے ہونے کا تذکرہ نہیں۔ اور ابن شہاب بیان کرتے ہیں مجھ سے سعید بن المسیب اور ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے، مگر اس میں لوٹ کا تذکرہ نہیں ہے۔

۲۰۴۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ مِهْرَانَ الرَّازِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ وَاَبِی بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ عُقَیْلٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِی بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ وَذَكَرَالنُّهْبَةَ وَلَمْ یَقُلْ "ذَاتَ شَرَفٍ"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مثل سابق نقل کرتے ہیں اور اس میں لوٹ کا تذکرہ ہے مگر عمدہ بہترین کا ذکر نہیں۔

۲۰۵۔**وَحَدَّثَنِی** حَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحُلْوَانِیُّ حَدَّثَنَا یَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاھِیمَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِیزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مَوْلٰی مَیْمُوْنَۃَ وَحُمَیْدِبْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

حسن بن الحلوانی یعقوب بن ابراہیم عبدالعزیز ابن مطلب صفوان بن سلیم، عطاء بن یسار حمید ابن عبدالرحمٰن ابو ہریرہؓ سے (وہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (روایت کرتے ہیں)۔

۲۰۶۔**وَحَدَّثَنَا** قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِیزِ یَعْنِی الدَّرَاوَرْدِیَّ عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیہِ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

قتیبہ بن سعید عبدالعزیز علاء بن عبدالرحمٰن بواسطۂ والد ابو ہریرہؓ سے (وہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (روایت کرتے ہیں)۔

۲۰۷۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ھَمَّامِ بْنِ مُنَبِّہٍ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ ھٰؤُلَاءِ بِمِثْلِ حَدِیْثِ الزُّھْرِیِّ غَیْرَاَنَّ الْعَلَاءَ وَصَفْوَانَ ابْنَ سُلَیْمٍ لَیْسَ فِی حَدِیْثِھِمَا یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْہِ فِیْھَا اَبْصَارَھُمْ وَفِی حَدِیْثِ ھَمَّامٍ یَرْفَعُ اِلَیْہِ الْمُؤْمِنُوْنَ اَعْیُنَھُمْ فِیْھَا ھُوَ حِیْنَ یَنْتَھِبُھَا مُؤْمِنٌ وَزَادَ وَلَا یَغُلُّ اَحَدُکُمْ حِیْنَ یَغُلُّ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاِیَّاکُمْ اِیَّاکُمْ۔

محمد بن رافع، عبدالرزاق معمر ہمام بن منبہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں باقی یہ تمام حدیثیں زہری کی حدیث کی طرح ہیں۔مگر عطاء اور صفوان بن سلیم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ لوگ اپنی آنکھیں اس لوٹ کی طرف اٹھائیں تو وہ مؤمن نہیں اور یہ بھی زیادتی ہے کہ تم میں سے کوئی مال غنیمت میں خیانت نہ کرے اس لئے کہ وہ اس خیانت کے وقت مؤمن نہیں لہذا ان چیزوں سے بچو اور احتراز کرو۔

۲۰۸۔**حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ سُلَیْمَانَ عَنْ ذَکْوَانَ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَایَسْرِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَایَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَالتَّوْبَۃُ مَعْرُوْضَۃٌ بَعْدُ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے سابقہ روایت بعینہٖ نقل کی گئی ہے، مگر اس فرق سے کہ اس روایت میں لُوٹ کا ذکر نہیں ہے، جب کہ اس حدیث کے آخر میں فرمایا: اور توبہ اس کے بعد پیش ہو گی۔

تشریح

"والتوبۃ معروضۃ بعد" یعنی ان بڑے کبائر کے ارتکاب کے بعد اگر کوئی آدمی گناہ سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کیا تو یہ شخص معاف ہوکر جنت میں داخل ہوگا اس جملہ میں معتزلہ اور خوارج پر صریح رد ہے جو مرتکب کبیرہ کے لئے توبہ کی گنجائش کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ اب یہ شخص دوزخ میں جائیگا اور پھر کبھی واپس نہیں آئیگا یہ نظریہ معتزلہ اور خوارج کے خرافات میں سے ہے یہ لوگ عام شریعت کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی من پسند شریعت کو پسند کرتے ہیں۔

۲۰۹۔ **حَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ ذَکْوَانَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهُ اللّٰهُ قَالَ لَایَزْنِیْ الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ ثُمَّ ذَکَرَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ شُعْبَةَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا مگر یہ کہ اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا...... باقی شعبہ والی روایت کی طرح بیان کرتے ہیں۔

باب بیان خصال المنافق

منافق کی خصلتوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے پانچ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۱۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَیْرٍ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ ح: وَحَدَّثَنِیْ زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ کَانَتْ فِیْهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ غَیْرَ اَنَّ فِیْ حَدِیْثِ سُفْیَانَ وَاِنْ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار خصلتیں جس کے اندر ہوں وہ خالص منافق ہے جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) معاہدہ کرے تو غداری کرے (۳) وعدہ کرے تو اس کی مخالفت کرے (۴) جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

تشریح

"اربع من کن فیه"

نفاق کی تعریف اور پس منظر

نفاق اور نافقاء جنگلی چوہے یربوع کے دھوکے والے سوراخ اور سرنگ کو کہتے ہیں اس چوہے کی عادت ہے کہ نرم زمین میں خاص طریقہ پر لمبا سرنگ بناتا ہے اور اس میں مختلف جہات سے نکلنے کے راستے چھوڑتا ہے یہ سب چور راستے ہوتے ہیں منافق آدمی بھی اسی طرح اسلام میں دھوکہ سے کام لیتا ہے ایک جہت سے اسلام میں داخل ہو کر اسلام کا اظہار کرتا ہے مگر دوسری جانب سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ نفاق کی تعریف میر سید سند شریف نے اپنی کتاب ''التعریفات'' میں اس طرح کی ہے

"النفاق اظهار الایمان باللسان و کتمان الکفر بالقلب"۔ (ص۱۶۸ حرف النون)۔

نفاق کی دوسری تعریف اس طرح ہے ''النفاق هو اظهار خلاف ما ابطن''۔

نفاق کا پس منظر اس طرح ہے کہ جب کوئی نئی تحریک شروع ہوتی ہے تو ابتدا میں دو جماعتیں میدان میں ہوتی ہے ایک جماعت تحریک کے حامی ہو کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی ہے اس کے مقابل دوسری جماعت اس تحریک کو مٹانے پر اتر آتی ہے اور جان دینے تک اس کی مخالفت کرتی ہے اس سخت مقابلے میں دونوں طرف سے کھرے لوگ میدان میں ہوتے ہیں لیکن جب اس نئی تحریک کے کامیاب ہونے کے کچھ آثار نمودار ہو جاتے ہیں تو ایک مطلب پرست خود غرض تیسری جماعت پیدا ہو جاتی ہے جو ان دونوں جماعتوں کے ساتھ روابط قائم کر دیتی ہے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نئی تحریک کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارے تعلقات ان سے رہیں گے اور اگر یہ نئی تحریک ناکام ہو جاتی ہے تو ہمارے تعلقات پرانے لوگوں سے برقرار رہیں گے مکہ میں خود غرض جماعت نہیں تھی لیکن مدینہ منورہ میں جب اسلام کے غلبہ کے آثار ظاہر ہونے لگے تو منافقین کی یہ تیسری جماعت وہاں پیدا ہوگئی درحقیقت منافقین نے ہر زمانے میں اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا ہے قرآن عظیم میں سورت بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں مخلص مسلمانوں کے بارے میں اور ختم الله سے ایک ایت خالص کفار کے بارے میں اتری اور منافقین کے بارے میں تیرہ آیتیں اتریں کیونکہ ان کے احوال پوشیدہ تھے اور خطرناک تھے۔

زیر بحث ان چند احادیث میں منافقین کی چند علامات بیان کی گئی ہیں تاکہ اس مار آستین سے مسلمان بچ جائیں۔

''اربع من کن فيه'' یعنی جس شخص میں نفاق کی چار خصلتیں آگئیں وہ خالص منافق ہوگا۔

سوال

شبہ یہ ہے کہ اس حدیث میں منافق کی چار علامات کا ذکر ہے جبکہ اس کی بعد والی روایت میں تین کا ذکر ہے تو کیا یہ تعارض نہیں ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عدد میں حصر کرنا مقصود نہیں ہے کبھی تین کا ذکر آ گیا کبھی چار کا آ گیا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اعداد میں ایک عدد کا دوسرے سے تعارض نہیں ہوتا کیونکہ عدد اکثر عدد اقل کا منافی نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے اضافہ ہوتا رہتا تھا تو پہلے تین علامات کا بیان آ گیا پھر اس میں اضافہ ہو کر چار کا بیان آ گیا۔

سوال

یہاں ایک اور اہم سوال ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص مسلمان ہے کلمہ شہادت پر قائم ہے مگر اس میں تین چار خصلتیں منافقین کی موجود ہیں تو کیا وہ منافق بن جائیگا اگر ایسا ہوا تو مسلمان تو بہت کم رہ جائیں۔

اس سوال کے کئی جوابات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ خصلتیں منافقین میں بطور طبیعت ثانیہ کے ہوتی ہیں اس پر لفظ ''اذا'' دلالت کر رہا ہے، یعنی جب بھی بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب بھی وعدہ کرتا ہے تو دھوکہ کرتا ہے مسلمان میں اس طرح نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اس کلام مین تشبیہ ہے یعنی ان خصلتوں کا مرتکب منافقین کی طرح ہے خود منافق نہیں ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ شخص پوری شریعت کے اعتبار سے منافق نہیں ہے ہاں جس کے ساتھ جھوٹ کا معاملہ ہوا یا بدعہدی کا معاملہ ہوا یا خیانت کا معاملہ ہوا تو اس میں یہ شخص منافق ہے نہ کہ پوری شریعت میں تو جس طرح کفر دون کفر ہے اسی طرح نفاق دون نفاق ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ جو شخص ان خصلتوں کو جائز سمجھتا ہے وہ حقیقی اور خالص منافق ہے ورنہ نہیں۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ یہ کوئی خاص جماعت تھی جو حضور اکرم کے زمانہ میں تھی جس کی یہ خصلتیں تھیں ان کی طرف اشارہ ہے عام مسلمانوں کی بات نہیں ہے گویا المنافق میں الف لام عہدی ہے کوئی خاص جماعت مراد تھی۔

چھٹا جواب

یہ ہے کہ یہ چاروں خصلتیں ایک ساتھ جب کسی کے قلب میں جمع ہو جائیں تو وہ منافق خالص ہے لیکن اگر الگ الگ ایک ایک

خصلت کسی میں آگئی تو وہ منافق نہیں بنے گا۔ بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیقی منافق ہوتے تھے کہ وحی سے ان کا پتہ چلتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد عملی نفاق کا حکم تو لگایا جا سکتا ہے مگر نفاق حقیقی کا حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ دل کے ایمان کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا تو حکم لگانا مشکل ہوگا تعین مشکل ہے ورنہ اعتقادی منافقین کی کوئی کمی نہیں ہے۔

''واذا وعد غدر'' یہ وعید اس وعدہ خلافی پر ہے کہ آدمی وعدہ کرتے وقت دل میں یہ خیال جمالے کہ وعدہ پورا نہیں کروں گا لیکن اگر وعدہ پورا کرنے کا پکا ارادہ ہو مگر کوئی عذر اور مجبوری آگئی تو اس وعدہ خلافی پر یہ وعید نہیں ہے، ان وعیدات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کے بغیر وعدہ خلافی حرام ہے ہاں اگر عطیہ کا وعدہ کیا پھر خلاف کیا تو وہ مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں وعد کا لفظ خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے ہاں اگر وعد کے ساتھ مفعول کا ذکر آجائے تو پھر خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ''وعدته خیرا و وعدته شرا''۔ حدیث میں خیر کا وعدہ مراد ہے شر کے وعدے کو پورا نہ کرنا مستحب ہے۔

''خان'' یہ خیانت سے ہے خلاف وعدہ کے عموم میں داخل ہے۔ ''فجر'' یعنی جھگڑے کے وقت گالی دیتا ہے تو فجور کا لفظ تقویٰ کی ضد ہے یعنی حق سے ہٹ جاتا ہے جس میں گالیاں وغیرہ برائیاں جمع ہو جائیں گی۔ ''خلة'' یہ خصلة کی معنی میں ہے یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ نووی، فتح الملہم، الابی اور دیگر کتب کا خلاصہ ہے۔

ایک حدیث میں من علامات المنافق کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان مذکورہ علامات کے علاوہ دیگر علامات بھی ہیں ''مولی الحرقه'' حرقہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو قبیلہ جھینہ کی ایک شاخ ہے ''العمی'' بنو العم کی طرف منسوب ہے قبیلہ تمیم کی شاخ ہے آنے والی روایت کا لفظ ہے۔

۲۱۱۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سُهَيْلٍ نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامات ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔

تشریح

''اٰیة المنافق ثلاث'' یہاں پر ایک فنی اشکال ہے وہ یہ کہ ''اٰیة'' مفرد ہے اور مبتدا واقع ہے اور ''ثلاث'' اس کی خبر ہے جو جمع ہے تو مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ''اٰیة'' کے ساتھ جنس کا معاملہ کیا گیا ہے اور جنس قلیل و کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تین علامات میں سے ہر ایک کو الگ الگ علامت قرار دیا گیا ہے تو یہ بھی مفرد ہے اور " آیۃ " بھی مفرد ہے بعض روایات میں علامات جمع کا لفظ بھی آیا ہے۔

آنے والی روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعیدات منافق اعتقادی کے لئے ہیں کیونکہ وہاں " وان صلی وصام " کے الفاظ آئے ہیں تو منافق عملی نہیں ہوا۔

۲۱۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اِسْحَاقَ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِى الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوْبَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَلَامَاتِ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَةٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَائْتُمِنَ خَانَ ۔

اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے آیۃ المنافق کی جگہ علامات المنافق ہے اس روایت میں۔

۲۱۳۔ **حَدَّثَنَاهُ** عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ العَمِّىُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ اَبُوزُكَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ الْعَلَاءَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ يُحَدِّثُ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ وَقَالَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔ (اس اضافہ کے ساتھ) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ وہ روزہ بھی رکھے، نماز بھی پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی خیال کرے۔

۲۱۴۔ **وَحَدَّثَنِى** اَبُونَصْرِ التَّمَّارُ وَعَبْدُالْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِىْ هِنْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ وَذَكَرَ فِيْهِ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی یحییٰ بن محمد کے طریقہ پر نقل کرتے ہیں اور اس میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

باب ایمان من قال لاخیه المسلم یا کافر

اس شخص کا حکم جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہدیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۱۵۔ **حَدَّثَنِى** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَاعُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَااَكْفَرَالرَّجُلُ اَخَاهُ فَقَدْبَاءَ بِهَااَحَدُهُمَا ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان

بھائی کی تکفیر کرے تو بے شک دونوں میں سے ایک کفر کو لیکر جاتا ہے۔

تشریح

''اذا اکفر'' باب افعال سے اکفار کا معنی کسی کو کافر قرار دینا اور کافر کہنا ہے باب تفعیل سے بھی یہی معنی ہے ''الا باء بھا'' باء یبوء لوٹنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں حـار کا لفظ ہے اس کا معنی بھی یہی ہے۔ جو رجع کے معنی میں ہے یعنی جس شخص نے اپنے مؤمن بھائی کو کافر کہدیا تو کہنے والا کافر بنے گا یا جس کو کہا گیا ہے وہ کافر ہوگا۔

سوال

یہاں ایک مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے حالانکہ اھل السنّت والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا اب اگر ایک شخص نے دوسرے کو کافر کہدیا اور اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ دین اسلام باطل ہے اور یہ آدمی کافر ہے تو یہ ایک کبیرہ گناہ ہے اس سے اس آدمی پر کفر کا حکم ان احادیث میں کیسے لگایا گیا ہے؟ اس سوال کے کئی جوابات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پہلا جواب

یہ ہے کہ جو شخص اس گناہ کبیرہ کو جائز اور حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ اس نے عقیدہ ایمان اور کلمۂ شہادت پر حملہ کیا ہے اور اس کو کفر کہا ہے تو کافر ہو گیا۔

۲۔ دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ جملہ اس کو کفر تک لیجائیگا یعنی یہ عمل مفضی الی الکفر ہے جس میں کافر ہو جانے کا خوف ہے آج اگر یہ شخص کافر نہیں ہوا تو بار بار کہنے سے ایک نہ ایک دن کفر تک پہنچ جائے گا۔

۳۔ تیسرا جواب

یہ ہے کہ رجـعـت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا گناہ اس پر لوٹ کر آئے گا جس طرح ایک حدیث میں ہے کہ یہ جملہ زمین و آسمان میں گھومتا ہے کہ کہیں ٹھکانہ مل جائے پھر اس کے پاس جاتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے اگر وہاں جگہ نہیں ہے تو پھر کہنے والے پر لوٹ کر آتا ہے یعنی گناہ اس پر آتا ہے۔

۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ کفر سے یہاں کفر دون کفر مراد ہے اور کفر دون کفر کی اصطلاح حضرت ابن عباس کی اصطلاح ہے جو آج تک جاری ہے۔

۵۔ پانچواں جواب

یہ ہے کہ یہ حکم زجراً و توبیخاً، تھدیداً و تشدیداً اور تغلیظاً ہے، یہ جواب اچھا ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں پڑے گی یہ جوابات ہر جگہ جاری ہونگے۔

۲۱۶۔ **وَحَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنے بھائی کو کافر کہا تو بے شک اس نے اس کا دونوں میں سے ایک کے لئے اقرار کیا ہے اگر وہ کافر ہی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے پر لوٹ جائے گا۔

۲۱۷۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنِ عَبْدِالْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَيُّمَا رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ! وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے جانتے بوجھتے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے کسی ایسی چیز پر دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں اور اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور جس نے کسی کو کافر کہہ کر پکارا، یا کہا اے اللہ کے دشمن! اور حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اسی کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

تشریح

''وھو یعلمہ'' یعنی جان بوجھ کر کہتا ہے تو اس وقت وعید ہے ورنہ نہیں ہے جان بوجھ کر کی صورت یہ ہے کہ اپنا باپ زیادہ شہرت والا نہیں یہ کسی مشہور آدمی کو اپنا باپ قرار دیتا ہے۔ ''الا کفر'' اس میں ایک تاویل یہ ہے کہ جب اسکو حلال سمجھے تو کافر ہے دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ کفران نعمت ہے گویا کفر دون کفر پر محمول ہے۔ ''ادعیٰ مالیس لہ'' یعنی کسی خاندان یا نسب میں نہیں اس کی طرف نسبت کرتا ہے جیسے جولاہا ہے مگر اپنے آپ کو انصاری کہتا ہے یا قصائی ہے اپنے آپ کو قریشی کہتا ہے یا عالم و پیر نہیں ہے

مگر جبہ قبہ پہن کر اپنے آپ کو عالم فاضل اور پیر فقیر کہتا ہے یا کسی کمال سے متصف نہیں ہے اور اپنے آپ کو اس کی طرف دعویٰ کر کے منسوب کرتا ہے "فلیس منا" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دین سے خارج ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس خاص شعبہ میں وہ مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے باقی اسلام میں ہے یا یہ اسلوب حکیم کے طرز پر ہے کہ حضرتؐ نے جس کو کہا کہ مجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو وہ روتا ہوا آئے گا اور توبہ کریگا اور معافی مانگے گا گناہ چھوڑیگا اور یہی مقصود حاصل کرنا مطلوب ہے یا یہ کلام زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ اور تہدید پر مبنی ہے "ولیتبؤ مقعده" یہ کلام امر و انشاء بمعنی خبر ہے یعنی ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے اپنا ٹھکانا جھنم میں بنالیا۔ "او قال عدو الله" یہ منادی بحذف حرف ندا ہے منصوب ہے اصل عبارت یہ ہے یا عدو الله اے اللہ کے دشمن یہ سب الفاظ اور اس کی حقیقت واپس جا کر کہنے والے کی گردن پر پڑ جاتی ہے۔

باب حال ایمان من رغب عن ابیه

اس شخص کے ایمان کا حکم جس نے اپنے باپ کا انکار کیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کا اخراج کیا ہے۔

۲۱۸۔ **حَدَّثَنِي** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آباء سے مت پھرو جس نے اپنے باپ سے انحراف کیا اس نے کفر کیا۔

تشریح

"رغب عن ابیه" اعراض و انکار کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ کی جگہ کسی اور کی طرف نسبت کرتا ہے کیونکہ اپنا باپ غریب ہے اور صاحب شہرت بھی نہیں ہے اور جس کی طرف نسبت کرتا ہے وہ مشہور ہے صاحب جاہ و جائیداد ہے۔

رغب عن ابیه ای ترك الانتساب اليه و جحده يقال رغبت عن الشيء تركته و كرهته۔

"فهو كفر" اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر نہیں تو اس جملہ کو صحیح محمل پر حمل کرنا ہوگا۔

۱۔ ایک محمل یہ ہے کہ اس کفر سے عام کفر مراد نہیں بلکہ خاص کفر مراد ہے وہ یہ کہ یہ شخص صرف اسی شعبہ میں کفر پر ہے عام نہیں۔

۲۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا اب یہ کافر ہوا یا نہیں اس سے بحث نہیں ہے۔

۳۔ یہ کفر دون کفر ہے ایک کفر مخرج عن الملة ہوتا ہے یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت سے آدمی کو نکال دے۔

۴۔ یہ کفران نعمت ہے یہ آدمی ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دیا یہ اس سے انکار کر رہا ہے۔

۵۔ یہ حکم زجراً و توبیخاً تشدیداً و تغلیظاً و تھدیداً ہے۔

۲۱۹۔ **حَدَّثَنِی** عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ اَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ اَبِی عُثْمَانَ قَالَ لَمَّا ادُّعِیَ زِيَادٌ لَقِيتُ اَبَابَكْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا الَّذِی صَنَعْتُمْ ؟ اِنِّی سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِی وَقَّاصٍ يَقُولُ سَمِعَ اُذُنَایَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَيَقُولُ مَنْ ادَّعٰى اَبًافِی الْاِسْلَامِ غَيْرَاَبِيهِ يَعْلَمُ اَنَّهٗ غَيْرُ اَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ فَقَالَ اَبُوبَكْرَةَ وَاَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابو عثمانؒ کہتے ہیں کہ جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تو میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا عمل کیا ہے میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جس نے اسلام کی حالت میں اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کو باپ بنانے کا دعویٰ کیا جانتے بوجھتے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔ تو ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

تشریح

''لما ادعی زیاد'' دعوی نسب کے معنی میں ہے دَعِیٌّ کی جمع ادعیاء ہے دو غلے اور غیر ثابت شدہ نسب والے کو کہتے ہیں یہاں مطلب یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے زیاد کے بھائی ہونے اور ابو سفیان کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا تو اس پر ابو عثمان نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اعتراض کیا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ چونکہ ابو بکرہؓ زیاد کے ماں شریک بھائی تھے دونوں سمیہ کے بطن سے تھے اس لئے ان پر اعتراض ہوا۔

زیاد کے استلحاق کا پس منظر

دور جاہلیت میں آٹھ قسم کے نکاح تھے اس میں ایک نکاح تعین ونامزدگی کے نام سے مشہور تھا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ چند آدمی کسی عورت سے نوبت بنوبت جماع کرتے تھے جب بچہ پیدا ہو جاتا تو یہ عورت سب کو بلا کر کہتی کہ تم نے جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے اب یہ بچہ پیدا ہوا ہے اے فلاں یہ تیرا بچہ ہے اس نامزدگی اور تعین سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا سمیہ نامی ایک عورت بھی جو عرب کے مشہور حکیم حارث بن کلدہ کی باندی تھی جاہلیت میں لونڈیاں مختلف مردوں سے اشتراک عمل کے ساتھ جز وقتی برائے نام نکاح کر کے اس طرح جماع کرتی تھیں ابو سفیان نے اسلام سے پہلے اسی طرح عمل سمیہ کے ساتھ کیا جس سے زیاد پیدا ہوا۔ ابو سفیان نے اس پر دو گواہ بھی بنا لئے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے آٹھ نکاحوں میں صرف نکاح شرفاء کو باقی چھوڑا دوسرے تمام نکاحوں کو باطل قرار دیا لیکن اس قسم کے نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے تھے اسلام نے اس کو ثابت النسب قرار

دیا زیاد کا معاملہ بھی اسی طرح تھا لیکن چونکہ اسلام پھیل چکا تھا اسلئے زیاد کے باپ کو ماننے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا کہ ان کی طرف نسبت کرے اس لئے کسی نے ان کو زیاد بن ابیہ سے کسی نے زیاد بن سمیہ سے اور کسی نے زیاد بن امہ کے نام سے یاد کیا زیاد جب جوان ہوا تو یہ بہت قابل تھا لیڈر تھا ہوشیار اور مدبر اور بہادر تھا زندگی کا اکثر حصہ حضرت علیؓ کے ساتھ گذارا اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہا، زیاد نے حضرت معاویہ کو خط لکھا اور گواہوں کو پیش کیا کہ میں آپ کا بھائی ہوں مجھے قبول کرو، حضرت معاویہؓ نے گواہوں کی بنیاد پر زیاد کو اپنا بھائی بنالیا یہ استلحاق کی ایک شکل تھی مگر عام لوگوں نے اس کو قبول کرنے میں تأمل سے کام لیا اور زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا کہنے کے لئے تیار نہیں ہوئے بلکہ اس استلحاق پر اعتراض بھی کیا یہی اعتراض ابوعثمان نے ابوبکرہ پر کیا چونکہ زیاد، ابوبکرہ کا ماں شریک بھائی تھا اور حضرت معاویہ کا باپ شریک بھائی تھا لہٰذا دونوں پر اعتراض ہوا کہ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر جنت حرام ہے، تم لوگوں نے یہ کیا کیا کہ حارث بن کلدہ کے بجائے زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب کیا اور سب کو معلوم ہے کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا نہیں بلکہ حارث بن کلدہ کا ہے کیونکہ ''الولد للفراش وللعاهر الحجر'' حضرت ابوبکرہؓ نے اعتراف کیا کہ میں نے بھی یہ حدیث سنی ہے اس طرح نہیں ہونا چاہئے تھا مگر ہوگیا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے زندگی بھر زیاد سے قطع تعلق کیا تھا۔

بہرحال مودودی صاحب نے بھی حضرت معاویہؓ پر خلافت وملوکیت میں چند اعتراضات کیئے ہیں اس میں ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ مگر مودودی صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ یہ جاہلیت کے نکاح کا معاملہ تھا اسلام سے پہلے کا واقعہ تھا ابوسفیان اس وقت مسلمان بھی نہیں تھا اسلام نے جاہلیت کے اس قسم کے واقعات کے نسب کو تسلیم کیا ہے حضرت عائشہؓ نے بھی زیاد کو ایک موقع پر زیاد بن ابی سفیان کے نام سے یاد کیا ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں ہے کہ عام مسلمانوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس کو مودودی صاحب نے صرف اس لئے چھیڑا ہے تاکہ حضرت معاویہؓ پر طعن وتشنیع کا ایک موقع ہاتھ آجائے یہ تو انصاف نہیں ہے۔ آج اگر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہو اور مودودی صاحب کی اس زندگی کو چھیڑنا شروع کردے جس میں مودودی صاحب داڑھی منڈا، کوٹ پتلون اور ٹائی میں نظر آرہے ہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جوان لڑکیوں کے ساتھ گھوم پھر رہے ہیں پارکوں اور جھیلوں میں مختلف تفریحات میں اچھل کود میں مصروف ہیں تو کیا یہ اس مودودی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا جو لمبی داڑھی کا مالک ہے عمدہ شیروانی ہے منبر پر بیٹھے ہوئے قرآن وحدیث کا درس دے رہے ہیں؟

بہرحال یہ زیاد وہی ہے جس کا بیٹا عبیداللہ بن زیاد تھا جس نے حضرت حسین کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

''فالجنة علیه حرام'' اس میں وہی تاویلات کرنی پڑیگی جو اس قسم کی احادیث میں کرنی پڑتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ جنت حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دخول اوّلی کے ساتھ داخل نہیں ہوگا سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا۔

۲۔ اس ناجائز کو اگر حلال جانے تو کافر ہوگیا پھر ہمیشہ کے لئے جنت اس پر حرام ہوگی۔

۳۔ یہ حکم زجراً و توبیخاً تغلیظاً و تشدیداً و تهدیداً ہے۔

''وانا سمعته'' سائل نے جو سوال کیا تھا اس کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت ابوبکرہؓ کو اس کا علم ہے اس لئے حضرت ابوبکرہؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنی ہے مجھے بھی معلوم ہے میں بھی خوش نہیں ہوں مگر کیا کروں۔

۲۲۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ اَبِىْ زَائِدَةَ وَاَبُومُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِىْ عُثْمَانَ عَنْ سَعْدٍ وَاَبِىْ بَكْرَةَ كِلَاهُمَا يَقُوْلُ سَمِعَتْهُ اُذُنَاىَ وَوَعَاهُ قَلْبِىْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعَى اِلَى غَيْرِاَبِيْهِ وَهُوَيَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُاَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہی سابقہ حدیث منقول ہے مگر ذرا سے فرق کے ساتھ۔

باب بيان سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۲۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ وَعَوْنُ بْنُ سَلَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ طَلْحَةَ ح:وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ قَالَ زُبَيْدٌ فَقُلْتُ لِاَبِىْ وَائِلٍ اَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ يَرْوِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ نَعَمْ وَلَيْسَ فِىْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ قَوْلُ زُبَيْدٍلِاَبِىْ وَائِلٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ زبید بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے خود سنا ہے کہ وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے، ابووائل نے کہا کہ جی ہاں۔ شعبہ کی حدیث میں زبید اور ابووائل کا یہ قول نہیں ہے۔

تشریح

''سباب المسلم فسوق'' سب یسب، باب نصر ینصر سے مصدر ہے جس طرح قتل کے مصادر میں قتال اور کذب میں کذاب آتا ہے اسی طرح سب کا مصدر سبابا آتا ہے۔

علامہ نووی سبّ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں ''السب فی اللغة الشتم والتکلم فی عرض الانسان بمایعیبه۔ (نووی جلد۱ص۲۷۳)

علامہ میر سید سند شریفؒ نے شتم کی تعریف اس طرح کی ہے ''الشتم وصف الغیر بمافیه نقص وزدراء''۔ (حرف الشین)
ان دونوں تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب وشتم دونوں میں ترادف ہے کہ کسی انسان کی عزت کو بٹہ لگانا اور گالی گلوچ دینا سب وشتم ہے بعض علما نے معمولی سا فرق کیا ہے کہ ''سبّ'' مطلق بدگوئی کو کہتے ہیں کبھی اس میں گالی بھی ہوجاتی ہے۔ لیکن شتم فقط گالی پر بولا جاتا ہے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی کو ناحق گالی دینا حرام ہے۔ ''فسوق'' فسق لغت میں خروج کے معنی میں ہے کہتے ہیں ''فسقت الفارة'' یعنی چوہا اپنے سوراخ سے باہر آگیا۔
اصطلاح شرع میں فسق کی تعریف اس طرح ہے ''هو الخروج عن طاعة الله ورسوله''۔ ''قتال'' قتال بمعنی مقاتلہ ہے صرف لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں خالص قتل کرنے کو نہیں کہتے ہیں البتہ قتال کے ضمن میں کبھی قتل متحقق ہوجاتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

۲۲۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِى شَيْبَةَ وَابْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ كِلَاهُمَا عَنْ اَبِى وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی منقول ہے۔

''کفر''

تشریح

سوال

اس پر وہی اشکال ہے کہ اس حدیث سے معتزلہ وخوارج کا مسلک ثابت ہورہا ہے کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہے۔

ا۔جواب

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان سے لڑنے کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ حرام کو حلال کہنا کفر ہے۔
قرآن کا اعلان ہے کہ ''ولا یحرمون ماحرم الله رسوله''۔ اس جواب پر یہاں فتح الملہم نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے سباب اور قتال میں فرق کرنا لغو ہوجاتا ہے کیونکہ قتال کی طرح سباب کو حلال سمجھنا بھی کفر ہے نہ کہ فسق اور حدیث میں فسق کا لفظ ہے۔

۲۔دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں کفر دون کفر بمعنی کفران نعمت مراد ہے کہ امن وامان کی نعمت کو بدامنی میں تبدیل کررہا ہے۔

۳۔تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں ''فعل کفعل الکافرین'' کے معنی میں ہے کافر نہیں کافروں کی طرح ہے گویا صرف تشبیہ ہے۔

۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم تشدیداً و تغلیظاً زجراً و توبیخاً و تھدیداً ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ ایمان کے شعبوں کے بیان سے فارغ ہو کر مسلسل کفر کے شعبے بیان فرما رہے ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترجعوا بعدی کفارا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے بعد کافر نہ بنو

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۲۳۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِيْعًا عَنْ مُحَمَّدِبْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح:وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍوَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ سَمِعَ اَبَازُرْعَةَ يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهٖ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا: لوگوں کو خاموش کراؤ، پھر فرمایا: میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض لوگ بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

تشریح

''حجۃ الوداع'' ودع وداعاً اورودع تودیعاً رخصت کرنے کے معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں اپنی امت کو رخصت کیا اور فرمایا کہ شاید آئندہ سال تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے، یہ خطبہ آپ نے منیٰ میں یوم النحر کے دن یا تین ماہ بعد، ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔ ''استنصت الناس'' سین اور تا مبالغہ کے لئے ہے اصل باب انصات ہے خاموش کرنے کے معنی میں ہے۔ ''بعدی'' اس سے آپ نے اپنے وفات کی طرف اشارہ کیا جس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کی زندگی میں ایسا نہیں ہو گا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد شروع ہو گیا جس میں ایک دوسرے کی گردنیں ماری گئیں پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور آج بھی جاری و ساری ہے۔ ''کفاراً'' یہ کافر کی جمع ہے یہ لفظ مفسَّر ہے ''یضرب بعضکم رقاب بعض'' کفارا کے لئے تفسیر ہے مطلب یہ ہے کہ آپس کی گردنیں اڑا کر کافر نہ بنو۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ آپس کی گردنیں اڑانا اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اس کے مرتکب کو کافر کیسے کہا گیا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک تو یہ کافر نہیں ہے گناہ گار ہے معتزلہ کے نزدیک کافر ہے۔

اس اعتراض کے کئی جوابات کئی بار دے چکا ہوں اب تھک گیا ہو علامہ نووی چلا تا رہتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عمداً قتل کرنے والا مسلمان اس قتل سے کافر ہو جاتا ہے۔ ویسے ان کی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً ایک آدمی خوب نشانہ باندھتا ہے تاکہ کسی مسلمان یا عالم دین کو قتل کردے نشانہ خطا نہ جائے تو اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ مجھے اس کا قتل کرنا جائز ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔
''ویحکم ویلکم '' یہ دونوں الفاظ مترادفہ ہیں تعجب اور ہمدردی کے لئے استعمال ہوتے ہیں عرب نے اس کو بددعا کے لئے وضع کیا مگر اس کو تعجب اور ترحم میں استعمال کرتے ہیں ویل میں کچھ شدت ہے اور ویح میں کچھ نرمی ہے وہ اس طرح کہ ویل اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت میں واقع ہو گیا اور ویح اس کے لئے ہے کہ جو ہلاکت میں واقع ہونے والا ہے۔

٢٢٤۔ **وَحَدَّثَنَا** عُبَیْدُاللّٰہِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

٢٢٥۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاَبُوْبَکْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَیْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ یُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَیْحَکُمْ اَوْقَالَ وَیْلَکُمْ لَاتَرْجِعُوْابَعْدِیْ کُفَّارًایَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: تمہارے اوپر افسوس ہے میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

٢٢٦۔ حَدَّثَنِیْ حَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیَی بْنُ یَحْیَی اَخْبَرَنَاعَبْدُاللّٰہِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُبْنُ مُحَمَّدٍ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهٗ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ شُعْبَۃَ عَنْ وَاقِدٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی شعبۃ عن واقد کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

باب اطلاق اسم الكفر على الطعن فى النسب والنياحة

نسب میں طعن کرنے اور نوحہ کرنے پر کفر کا اطلاق

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

٢٢٧۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ ح:وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ وَاللَّفْظُ لَهٗ حَدَّثَنَا اَبِیْ وَمُحَمَّدُبْنُ عُبَیْدٍ کُلُّهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِیْ

النَّاسِ هُمَابِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِى النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جوان کے لئے کفریہ باتیں ہیں (۱) نسب میں عیب جوئی کرنا (۲) میت پر نوحہ (چیخنا، گریہ) کرنا۔

تشریح

"اثنتان" ای خصلتان، یعنی لوگوں میں دو عادتیں ایسی ہیں جو کفر کے درجہ میں ہیں۔ "الطعن فی النسب" یعنی لوگوں کے انساب میں طعن کرنا تو جس طرح اپنا جھوٹا نسب بیان کرنا حرام ہے اسی طرح دوسروں پر نسب میں طعن کرنا بھی حرام ہے سب انسان حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہیں پھر نسب میں طعن کا کیا مطلب ہوا کہ فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے اسلام میں کفوٴ کا اعتبار ہے تو اچھا نسب اچھا ہے مگر یہ تعارف کے لئے ہے لڑائی کے لئے نہیں، اللہ تعالیٰ نے نسب کے بارے میں "لتعارفوا" فرمایا ہے "لتحاربوا" نہیں فرمایا ہے نسب کی حفاظت ضروری ہے لیکن اچھوت کا معاملہ تو ہندوؤں کا ہے۔ "والنیاحة" میت پر بین کرنے کو نوحہ کہتے ہیں کہ بے جا اس کی تعریف و بڑائی ہو زبان پر شکایت ونفرت کے الفاظ ہوں چیخ چیخ کر مردے کو "واجبلاہ واویلاہ" کہا جائے جاہلیت میں اس کام کے لئے کرایہ پر نوحہ کے ماہرین کو بلایا جاتا تھا آج کے دور میں شیعہ اور روافض نے اس کام کو سنبھالا ہے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے یہاں اس کو کفر کہا گیا ہے تو وہی جوابات یہاں بھی ہیں جو اس سے پہلے لکھے گئے ہیں یہ کفر دون کفر ہے یا مستحل کے لئے یہ وعید ہے یا یہ کافروں والا کام ہے یا زجراً و توبیخاً تغلیظاً وتشدیداً وتہدیداً ہے۔

باب تسمية العبد الآبق كافرا

بھگوڑے غلام پر کافر کا اطلاق

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۲۸۔ **حَدَّثَنِى** عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِى ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ أَيُّمَا عَبْدٍأَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ ۔ قَالَ مَنْصُورٌ قَدْوَاللّٰهِ رُوِىَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّى أَكْرَهُ أَنْ يُرْوَى عَنِّى هٰهُنَا بِالْبَصْرَةِ ۔

منصور بن عبدالرحمٰن، شعبی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے کہ انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ: جو غلام بھی اپنے آقا سے بھاگ جائے اس نے کفر کیا یہاں تک کہ وہ واپس آجائے تو منصور نے کہا خدا کی قسم! یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے لیکن میں نہیں پسند کرتا کہ یہ حدیث بصرہ میں مجھ سے روایت

کی جائے (اس لئے موقوف بیان کیا)۔

تشریح

''ابق''سمع ونصر وضرب تینوں ابواب سے ہے غلام کے بھاگنے کو کہتے ہیں۔

''فقد کفر'' یہاں بھی کفر کے اطلاق میں وہی جوابات ہونگے جو اس سے پہلے لکھے جاچکے ہیں۔

''وقال منصور ''منصور نے اس مرفوع روایت کو جریر بن عبداللہ پر موقوف کر کے بیان کیا اب وضاحت فرماتے ہیں کہ میرے بھائیو دوستو اور بزرگو غور سے سنو یہ حدیث مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن میں نے اس کو موقوف کیوں بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہاں بصرہ میں رہتا ہوں جو معتزلہ کا گڑھ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اب اگر میرے واسطے سے ان کو ایک مرفوع حدیث مل گئی تو وہ اس کو میرے حوالے سے بہت مشہور کریں گے اور اپنے غلط مذہب کو رواج دیں گے، لوگ بعد میں تاویلیں کریں گے مگر فتنہ برپا ہو چکا ہوگا اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کو مرفوع بیان کروں۔ شیخ منصور کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ اگر حکمت کے پیش نظر بعض مسائل کو بعض مقامات میں نہ چھیڑا جائے تو یہ درست ہوگا۔

بہر حال زیر بحث حدیث مرفوع حدیث ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

۲۲۹۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ دَاوٗدَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔

حضرت جریر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو غلام اپنے آقا سے بھاگ گیا اس سے ذمہ ساقط ہوگیا۔

تشریح

''الذمة''اس سے قدر و قیمت اور احترام بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور اس سے امان وضمان اور حفاظت ورعایت بھی مراد لیا جاسکتا ہے مطلب یہ کہ اس غلام کی جان پہلے محفوظ تھی اب مالک کی طرف سے اس کی جان کی حفاظت باقی نہیں رہی اور شریعت نے اس پر جو حفاظت کی چادر ڈالی تھی وہ بھی اٹھالی گئی اب یہ غیر محفوظ ہے اور یہ سب کچھ اس کے بھاگنے کی وجہ سے ہوا۔

۲۳۰۔ **حَدَّثَنَا** یَحْیَى بْنُ یَحْیَى اَخْبَرَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ كَانَ جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةٌ۔

حضرت جریر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

شرح

''لم تقبل لہ صلوۃ'' فرض نماز کا قبول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ غلام مسلمان نہیں رہا تو بات پھر کفر کی طرف چلی جائے گی جس کے جوابات بار بار دیئے گئے ہیں۔ بہرحال نماز قبول نہ ہونا اور چیز ہے اور جائز نہ ہونا اور چیز ہے جب شرائط کی صحت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو جائز ہوجائے گی لہٰذا نماز پڑھنا پڑیگا مگر ثواب نہیں ملے گا۔

باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

گردش کواکب سے بارش کے نزول کا عقیدہ کفر ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۲۳۱۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ فِيْ اِثْرِالسَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی حدیبیہ کے مقام پر رات میں آسمان ابر آلود تھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں نے صبح کی مجھ پر ایمان کی ساتھ اور کفر کے ساتھ، پس جس نے یہ کہا کہ اللہ نے اپنے فضل ورحمت سے ہم پر بارش برسائی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا منکر ہے۔ اور جس نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی گردش کی وجہ سے بارش برسی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

تشریح

''بالحديبية'' مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں جس کو آج کل عرب شميسى کہتے ہیں جدہ کی طرف جاتے آتے وقت یہ حرم کی آخری حد ہے جہاں غیر مسلمین کا داخلہ منع ہے۔

''اثر سماء'' سماء سے مراد بارش ہے اور یہ اطلاق ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا نزل السمآء بارض قوم رعينا ها و ان كانوا غضابا

یہاں آسمان سے بارش کا نزول مراد ہے ''أثر'' بعد کے معنی میں ہے یعنی بارش کے بعد۔

''مطرنا بنؤ کذا'' نوء مفرد ہے اس کی جمع انواء ہے شاعر ساحر کہتا ہے۔

جمد القطار و لو رأته کما تری بُهِتت فلم تتبجس الانواء

اب سوال یہ ہے کہ نوء کیا چیز ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ چاند کے مختلف برجوں اور منازل القمر پر بولا جاتا ہے یہ ستاروں کے ناموں سے کنایہ ہے یہ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو چاند کے اٹھائیس منازل کہے جاتے ہیں۔ جب ان میں سے ایک ستارہ مشرق میں سے طلوع ہوتا ہے تو اسی وقت ایک ستارہ مغرب میں غروب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ سال بھر میں ان کا یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے ہر ستارے کے حصے میں تیرہ دن آتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک گردش کرنے والا ستارہ ہے جس کو وہ کوکب سیارہ کہتے ہیں پہلے آسمان پر قمر ہے، دوسرے پر عطارد ہے، تیسرے پر زہرہ ہے چوتھے پر شمس ہے پانچویں پر مریخ ہے چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے آٹھویں آسمان پر ثوابت ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے اور نواں آسمان فلک اطلس ہے ان پر کوئی ستارہ نہیں ہے۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں آٹھواں آسمان وہ ہے جس کو شریعت نے کرسی کہا ہے اور نواں آسمان وہ ہے جس کو شریعت نے عرش کہا ہے۔ آٹھویں آسمان پر ستاروں کے جھمگٹے سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں یہ بارہ شکلیں ہیں نام یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت، ستاروں سے بنے ہوئے حیوانات کی شکلوں میں یہ بارہ شکلیں درحقیقت آسمانوں کے بارہ برج ہیں اگر شیر کی شکل ہے تو یہ برج اسد ہے اگر کیکڑے کی شکل ہے تو یہ برج عقرب ہے۔ بہرحال یہی بارہ برج کواکب سیارہ کے منازل ہیں اہل نجوم اور عرب جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو ستارہ جس برج میں جاتا ہے اس کی تاثیر پیدا ہوتی ہے مثلاً بارش ہوتی ہے یا بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے جس کا ستارہ جس طرح گردش میں ہوگا اسی طرح اثر ظاہر ہوگا اسلام نے ان چیزوں کو فساد عقیدہ قرار دیکر منع کیا ہے اور نو آسمانوں کا بھی انکار کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان ستاروں میں سے جو مغرب میں ڈوب کر غروب ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے بارش ہوتی ہے ان ستاروں کو اردو میں پچھتر ستارے کہتے ہیں موسم ربیع میں بارشیں ہوتی ہیں عرب کے ہاں وہ اسی پچھتر سے ہوتی ہیں، ہمارے صوبہ سرحد کے علاقے میں لوگوں نے اسی طرح ستاروں کے نام رکھے ہیں اور بارش کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ایک ستارے کا نام سُہیل رکھا ہے اس کی جوڑی کا نام سہیلئی رکھا ہے ایک کا نام گُوپ رکھا ہے اسکی جوڑی کا نام گُپڑئیں رکھا ہے ویسے اس رات میں سخت بارش ہوتی ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ سہیل طلوع ہوگیا۔ زیر بحث حدیث میں اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ ''کافر بی'' مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اس ستارے کو بارش کے لئے مؤثر حقیقی سمجھ لیا اور عقیدہ رکھا کہ یہی ستارہ بارش برساتا ہے تو یہ حقیقی کفر ہے آدمی کافر ہے تاویل کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ستارے کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتا مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے مگر پھر بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ باقی محکمہ موسمیات والے علامات اور حسابات سے کچھ غیر

یقینی فیصلے کرتے ہیں جو علم غیب نہیں ہے اور فیصلہ بھی کبھی سچا کبھی جھوٹا ثابت ہوجاتا ہے وہ علم نجوم کا حصہ ہے۔

۲۳۲۔ **حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَاابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى مَاقَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالَ مَاأَنْعَمْتُ عَلَى عِبَادِي مِنْ نِعْمَةٍ إِلَّاأَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِهَاكَافِرِينَ يَقُولُونَ الْكَوَاكِبُ وَبِالْكَوَاكِبِ ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے تمہار پروردگار عزوجل نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ: میں نے اپنے بندوں کو کوئی نعمت ایسی نہیں جو نہ دی ہو مگر ان میں سے ایک جماعت نے ان نعمتوں کا کفران کیا وہ کہتے ہیں کہ ستارے اور ستاروں سے بارش ہوئی (یعنی سب ستاروں کے گردش کی وجہ سے ہے)۔

تشریح

"الکواکب" ای الکواکب امطرت، یعنی کواکب اور ستاروں نے بارش برسائی یہ کفر ہے۔

"وبالکواکب" ای المطر بالکواکب ،یعنی کواکب کی وجہ سے بارش ہوگئی یہ غلط عقیدہ ہے۔

۲۳۳۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ الْحَارِثِ ح: وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَاعَمْرُوبْنُ الْحَارِثِ أَنَّ أَبَايُونُسَ مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّاأَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَاكَافِرِينَ يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ الْكَوْكَبُ كَذَاوَكَذَا وَفِي حَدِيثِ الْمُرَادِيِّ بِكَوْكَبِ كَذَاوَكَذَا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان سے بارش (برکت) نازل فرمائی مگر یہ کہ لوگوں میں سے ایک گروہ نے صبح کو اس کا انکار کیا۔ بارش تو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی یا فلاں کا کام ہوا۔

۲۳۴۔ **وَحَدَّثَنِی** عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُبْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَابْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُوزُمَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ مُطِرَالنَّاسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌوَمِنْهُمْ كَافِرٌ قَالُوا هَذِهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿فَلَاأُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾(الواقعة:۷۵) حَتَّى بَلَغَ﴿ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ ۔ (الواقعة:۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک بار لوگوں پر بارش نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے کچھ نے شکر کرتے ہوئے صبح کی اور کچھ لوگوں نے کفر کرتے ہوئے صبح کی۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی گردش صحیح ثابت ہوئی۔ فرمایا کہ پھر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿فلا اقسم بمواقع النجوم سے تجعلون رزقکم انکم تکذبون﴾ تک۔

تشریح

''لقد صدق نوء کذا و کذا ،، یعنی فلاں فلاں ستارے نے سچ مچ بارش برسائی دیکھو جو شخص اس طرح عقیدہ رکھتا ہے اس کے کفر میں کیا شک ہے۔ ''فلا اقسم ،، یعنی قسم کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی قسم کھاتا ہوں ، یا لفظ ''لا ،، تحسین کلام کے لئے ذکر کیا جاتا ہے ترجمہ میں نہیں آتا ، یا ''لا ،، سے سابقہ کلام کی نفی مراد ہے یعنی ایسا نہیں جس طرح تم سمجھ رہے ہو۔

''و تجعلون رزقکم ،، یعنی تم نے اپنا کام ہی یہی بنالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جھٹلاتے ہو اور ستاروں کی طرف غلط نسبت کرتے ہو آیت کریمہ کے اسی آخری جملہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ بہرحال امام مسلم خوب زور وشور سے کفر کے شعبوں کو بیان فرمارہے ہیں درمیان میں ایمان کے اجزاء کے لئے ایک باب باندھا ہے جو ابھی آرہا ہے۔

باب حب الانصار وعلی من الایمان

انصارؓ اور علیؓ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو درج فرمایا ہے۔

۲۳۵۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْاَنْصَارِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں انصار کا بغض بھرا ہوتا ہے اور مومن کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں انصار کی محبت ہوتی ہے۔

تشریح

مکہ مکرمہ سے جو صحابہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے ان کو مہاجرین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور مدینہ میں جن صحابہ نے مہاجرین کو سینہ سے لگایا ، ان کو ٹھکانہ دیا اور ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ لائے اور اسلام پر دل وجان سے عمل کیا اور جانی ومالی قربانیاں دیں ان صحابہ کو انصار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلام کی اس بنیادی خدمت کی وجہ

سے دشمنان اسلام سب سے زیادہ انصار سے جلتے تھے کہ یہی لوگ مدینہ میں اسلام کے پھیلنے پھولنے کا ذریعہ بنے ہیں مدینہ کے منافقین کی سب سے زیادہ حسد انہی انصار سے تھی اس لئے انصار سے محبت رکھنے کو اسلام نے ہر مسلمان کے لئے ایمان کا حصہ اور علامت قرار دیا، اسی طرح حضرت علیؓ کی جرأت وشجاعت کو دیکھ کر منافقین جلتے تھے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تیری مثال عیسیٰ کی طرح ہے ایک فریق اس کی محبت کے افراط میں گمراہ ہوا اور ایک فریق اس کی عداوت کی تفریط میں گمراہ ہوا، چنانچہ روافض شیعہ حضرت علیؓ کی محبت میں افراط کر کے گمراہ ہو گئے اور ناصبی خوارج آپ کی عداوت میں گمراہ ہو گئے اس لئے ان احادیث میں انصار کے ساتھ حضرت علی کو بھی معیار قرار دیا گیا ہے کہ انصار اور علی سے محبت رکھنا ایمان کا حصہ اور نشانی ہے اور بغض رکھنا نفاق کا حصہ اور نشانی ہے۔ ''فلق الحبة'' دانے کو زمین میں پھاڑ کر پودا اگانا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے ''فالق الاصباح'' میں فلق کی اسی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے'' وبرأ النسمه'' برأ پیدا کرنے کو کہتے ہیں اور نسمہ روح کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی دلیل ہے، بہر حال قسم میں تاکید پیدا کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے ان چیزوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ مجھ سے محبت صرف مؤمن رکھتا ہے اور جو کوئی بغض رکھے گا وہ منافق ہو گا، شیعہ ان احادیث کو سن کو خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اور اہل سنت منافق ہیں یہ ان حضرات کی بڑی غلطی ہے اور یہ یہود ونصاریٰ کی طرح صرف آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اسلام کردار کا نام ہے صرف گفتار کا نام نہیں اگر کردار کے میدان میں دیکھا جائے تو شیعہ روافض سب سے زیادہ حضرت علیؓ سے دور ہیں اور اہل سنت قریب تر ہیں۔

''ایای حدث'' یعنی مجھ ہی کو تو بیان کیا میں اکیلا تھا کہ حضرت براء بن عازب نے مجھے بیان کیا یہ آنے والی آیت کا ترجمہ ہے۔

۲۳۶۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ حُبُّ الْاَنْصَارِ آيَةُ الْاِيْمَانِ وَبُغْضُهُمْ آيَةُ النِّفَاقِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔

۲۳۷۔ **وَ حَدَّثَنِي** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُعَاذُبْنُ مُعَاذٍ ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ ابْنُ مُعَاذٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا اَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِي الْاَنْصَارِ لَايُحِبُّهُمْ اِلَّامُؤْمِنٌ وَلَايُبْغِضُهُمْ اِلَّامُنَافِقٌ مَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰه وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ ۔

قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِعَدِيِّ سَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ ؟قَالَ اِيَّايَ حَدَّثَ۔

حضرت عدی بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل

کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہ محبت نہیں کرتا ان سے سوائے مومن کے اور سوائے منافق کے کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا، جو ان سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھے اللہ اس سے بغض وعداوت کرے۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے عدی سے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! خاص مجھ ہی سے انہوں نے حدیث بیان کی۔

۲۳۸۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

۲۳۹۔ **وَحَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح: وَ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُواُسَامَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار سے کبھی بغض نہیں رکھے گا۔

۲۴۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَاَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيَّ اَنْ لَايُحِبَّنِي اِلَّامُؤْمِنٌ وَلَايُبْغِضَنِي اِلَّامُنَافِقٌ۔

حضرت زِرّ بن حبیش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا بے شک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد فرمایا تھا کہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور مجھ سے دشمنی وبغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔

باب نقصان الایمان بنقص الطاعات

اعمال کے نقصان سے ایمان کے نقصان کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کوشش کی ہے کہ ایمان کی زیادت ونقصان کو نمایاں کرے تو عنوان اس طرح باندھا جو آپ کے سامنے

ہے ہم نے مختلف جگہوں میں اس کی تفصیلی گفتگو لکھدی ہے یہ بخاری کا مسئلہ ہے وہاں مزہ آتا ہے یہاں تو ہم کو چاہئے کہ امام بخاری کے عظیم میدان کا صرف نظارہ کریں، احناف جواب دیتے ہیں کہ ''کماً'' ایمان میں نہ زیادت ہے نہ نقصان ہے البتہ کیفاً ایمان زیادہ بھی ہوجاتا ہے اور کم بھی ہوجاتا ہے یا اجزائے نورانی میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نزول وحی میں مؤمن بہ کیوجہ سے ایسا ہوتا تھا اب نہیں یا اجزائے تکمیلیہ تحسینیہ میں ایسا ہوتا ہے اجزاء ترکیبیہ میں نہیں ہوتا۔

۲۴۱۔**حدثنا** محمد بن رمح بن المهاجر المصري اخبرنا الليث عن ابن الهاد عن عبدالله بن دينار عن عبدالله بن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال يامعشر النساء تصدقن واكثرن الاستغفار فاني رايتكن اكثر اهل النار فقالت امرأة منهن جزلة ومالنا يارسول الله اكثر اهل النار ! قال تكثرن اللعن وتكفرن العشير ومارأيت من ناقصات عقل ودين اغلب لذي لب منكن قالت يارسول الله ! ومانقصان العقل والدين ؟ قال اما نقصان العقل فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمكث الليالي ماتصلي وتفطر في رمضان فهذا نقصان الدين ۔

حضرت عبداللہ بن ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے طبقہ خواتین! صدقہ دیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو کیونکہ میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ جہنم میں سب سے زیادہ تم ہی ہو۔ ان میں سے ایک صائب الرائے خاتون کہنے لگیں یارسول اللہ! ہم کس وجہ سے جہنم میں سب سے زیادہ ہیں؟ فرمایا کہ: تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی کم عقل اور ناقص الدین کو نہیں دیکھا کہ صاحبِ عقل ودانش کے اوپر غالب آجاتی ہو۔ وہ خاتون کہنے لگیں: یارسول اللہ! (ہماری) عقل ودین میں کیا کمی ہے؟ فرمایا کہ عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر (اللہ تعالیٰ نے کردی) ہے، یہ عقل میں کمی کی وجہ سے ہے اور تم چند دن اور رات اس حالت میں رہتی ہو کہ نہ نماز پڑھتی ہو نہ روزہ رکھتی ہو رمضان میں یہ دین میں کمی ہے۔

تشریح

''یامعشر النساء'' اس کی جمع معاشر ہے مختلف جماعتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے معشر الانس معشر الجن معشر الرجال معشر النساء وغیرہ وغیرہ جماعت اور گروہ کے معنی میں ہے تین سے نو تک اور اس سے زیادہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

''تصدقن'' چونکہ صدقہ کفارہ سیئات بنتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''الصدقة تطفئ غضب الرب'' اور ''اتقوا النار ولو بشق تمرة'' اور ''كل امرء في ظل صدقته'' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور پہلے سے عورتوں کو آگ سے بچنے کا علاج بتلا دیا تاکہ عورتیں مایوس و پریشان نہ ہوں پھر عورتوں کا دوزخ میں زیادہ ہونا دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے تو صدقہ کرنے سے حب دنیا اور بخل و کنجوسی کی خصلت ختم ہوجائے گی۔ ''اکثر اهل النار'' یعنی میں نے دیکھا کہ دوزخ

میں عورتیں زیادہ تھیں اس وہ عورتیں مراد ہیں جو مر چکی تھیں۔

''اکثرنالاستغفار'' کثرت سے استغفار بھی آفات سے بچاؤ کا نسخہ ہے بعد میں تکثرن اللعن کالفظ بھی آیا ہے۔تو کثرت لعنت کی نحوست کودور کرنے کے لئے کثرت استغفار کاوظیفہ بتادیادونوں جملوں میں مشاکلت ہےادھر بھی کثرت ہےادھر بھی کثرت ہے۔

''اریتکن'' اگر رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہےتو پھر یہ قلبی رؤیت یا صلوۃ کسوف میں ہوئی ہوگی، یا بطور وحی ہوئی ہوگی یا کشف وانکشاف کی صورت میں ہوئی ہوگی اوراگر رؤیت بصری ہے تو پھر معراج کی رات آپ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی تھی۔وہ مراد ہوگی''رای'' بمعنی''اعلم'' تین مفعول چاہتا ہے۔مفعول اول''اریتکن'' میں نائب فاعل کی تا ہے،مفعول ثانی''کن'' اور''اکثراھل النار''مفعول ثالث ہے۔''اکثراھل النار''یعنی میں نے دیکھا کہ دوزخ میں عورتیں زیادہ ہیں اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو مر چکی تھیں۔

سوال

یہاں یہ اشکال ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دوعورتیں ملیں گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں جنت میں زیادہ ہوں گی اور یہاں دوزخ میں زیادہ بتلائی گی ہیں ان دونوں باتوں میں واضح تعارض ہے۔

پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ عورتوں کی تعداداتنی زیادہ ہےاوران کی پیدائش لڑکوں کی نسبت اتنی کثرت سے ہے کہ جنت میں دودو ملنے کے باوجوددوزخ میں زیادہ ہوں گی۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ابتداء میں دوزخ میں زیادہ ہوں گی پھر سزا بھگتنے کے بعد جب جنت میں جائیں گی تو دوزخ میں کم رہ جائیں گی۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں اکثر اہل النار فرمایا تو یہ مردوں کے مقابلے میں نہیں کہا بلکہ فی نفسہٖ جوتعدادتھی وہ کثیر تھی اس کو کثیر کہا گیا یعنی اتنی نہیں ہونی چاہیئے تھی۔

''فقالت امرأۃ منھن جزلۃ''ہوشیار سنجیدہ باوقار عقل ودانش اور جسمانی ڈیل ڈول والی عورت،یہ سب معانی اس لفظ میں ہیں۔

''ومالنا؟''یعنی کس وجہ سےاور کس سبب سے ہم دوزخ میں زیادہ ہوں گی؟۔''قال تکثرن اللعن''لعنت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ہوتو اس کا مطلب یہ ہوگا''ابعاداللہ تعالیٰ العبد من رحمتہ''اوراگر بندے کی طرف سے ہوتو''الدعاء بابعادالعبدمن رحمۃ اللہ''کے معنی میں ہوگی۔اب اگر کوئی شخص کسی پرلعنت بھیجتا ہےتو وہ یا خبر دیتا ہے کہ یہ شخص ملعون ہے یعنی

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اللہ نے نکال دیا ہے یہ دعویٰ علم غیب ہے جو بڑا جرم ہے اور یا وہ شخص بددعا دیتا ہے کہ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے باہر فرما دے تو یہ بہت بڑا بخل اور بہت بڑا حسد ہے جو ناجائز ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ تعین کے ساتھ کسی پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کفر پر موت واقع ہونے کا یقین نہ ہو جیسے گزشتہ لوگوں میں ابوجہل وفرعون وغیرہ ہیں اور آنے والوں میں ابلیس ہے۔

پھر لعنت کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک لعنت ''خروج عن رحمة الله العامة'' ہے یہ لعنت کفار کے ساتھ خاص ہے دوسری لعنت خروج عن رحمة الله الخاصه ہے یہ فساق فجار مسلمانوں کے لئے بھی اجمالاً بغیر تفصیل وتعین جائز ہے جیسے ''لعن الله الواشمة والمستوشمة'' اور ''لعن الله السارق'' وغیرہ جائز ہے کہ لعن وصف کے تذکرہ کے ساتھ ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے فسادی پر لعنت کرے تو اس میں اجمال ہے تعین نہیں ہے یہ جائز ہے۔ پھر یہاں ''تکثرن اللعن'' فرمایا کیونکہ تھوڑی لعن تو عورتوں کی عادت بن چکی ہے وہ ان کے مزاج کا حصہ ہے تو اس میں کچھ نرمی کی گئی ہے جیسے غیبت کے بارے میں بعض ائمہ نے کہا ہے کہ یہ کبیرہ کے بجائے صغیرہ ہے ورنہ پوری امت اور خاص کر خواص امت فاسق بن جائیں گے یہ ایک رائے ہے ورنہ غیبت بڑا جرم ہے۔ ''وتکفرن العشیر'' عشیر سے مراد شوہر ہے یعنی پوری زندگی شوہر کے احسانات سے مالا مال رہتی ہے لیکن ذرا سی بات پر سب کو فراموش کر دیتی ہے اور کہتی ہے ''ما رأیت منك خیرا قط'' نکرہ تحت النفی کے ساتھ کلی طور پر ہر چیز کی نفی کرتی ہے۔ ''من ناقصات عقل'' یعنی باوجود اس نقص اور کمزوری عقل کے تعجب ہے کہ ایک تجربہ کار ہوشیار عقل مند جہاندیدہ شخص کو کس طرح برباد کر کے رکھ دیتی ہے، یہ کچھ بھی نہ کہے ان کو دیکھنے سے بھی دوسرا برباد ہو جاتا ہے کسی نے سچ کہا:

یصرعن ذا اللب حتی لاحراك به ❊ وهن اضعف خلق الله ارکانا

شاہوں کے تاج چھینے راجوں کے راج چھینے ❊ گردن کشوں کی گردن نیچا دکھا کے چھوڑا

اکبر دبے نہ تھے کسی ظالم کی فوج سے ❊ لیکن قتیل ہوگئے عورت کی موج سے

''تعدل شهادة رجل'' آنحضرت نے نہایت آسان انداز سے عورتوں کے ناقصات العقل کا مسئلہ شہادت سے ثابت فرمایا کہ عورت کی گواہی مردوں کے مقابلے میں آدھی ہے تو یہ عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔

سوال

عورتوں کی طرف سے بہت شور اور احتجاج ہو رہا ہے کہ یہ ہماری توہین ہے اور ہمارے حقوق پامال ہو رہے ہیں ہم تو مردوں کے شانہ بشانہ جانا چاہتی ہیں۔

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حقوق کا تعین اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان سے شکایت کرو مولویوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ہوں؟

دوسرا جواب

یہ ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کو اس درجہ میں رکھا گیا ہے مگر بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ وہاں اکیلی عورت کی گواہی معتبر ہوتی ہے جبکہ ان مسائل کا تعلق عورتوں کے پوشیدہ معاملات سے ہوا، ''استهـلال صبـی'' کے مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے، پھر شور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ بعض مسائل میں مردوں کی گواہی کا بھی دوسروں کی بجائے چار مردوں کا اعتبار کیا گیا ہے مثلاً ثبوت زنا میں دو کی بجائے چار مردوں کی گواہی لازم قرار دی گئی ہے تو کیا مرد احتجاج کریں گے؟ پروفیسر محمد احمد غامدی نے عورتوں کی گواہی کے بارے میں بہت غلط باتیں کی ہیں اور دین اسلام وقرآن کی توہین کی ہے ان کے منشور میں سب گمراہی موجود ہے۔

سوال

یہاں عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل کہا گیا ہے جب کہ بعض عورتیں مردوں کی نسبت بہت تیز ہوتی ہیں سیاست کرتی ہیں اور حکومت چلاتی ہیں۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہی زمانے، ایک ہی تعلیم، ایک ہی علاقے، ایک ہی خاندان کے مردوں اور عورتوں میں اگر موازنہ کیا جائے تو عورت ہر استعداد میں مرد کی آدھی ہوتی ہے خواہ عقل میں ہو خواہ دیکھنے میں ہو یا سننے بولنے چلنے دوڑنے میں ہو ہر قوت میں آدھی ہوتی ہے لیکن اگر آپ کسی دیہات کا مرد جنگل سے اٹھا کر لاؤ گے اور عورت کسی ماڈرن شہر کے تعلیم یافتہ طبقہ سے لاؤ گے تو ظاہر ہے فرق ہوگا کہ عورت ہوشیار، عیار، مکار اور دغار ہوگی عورت بھی جنگل سے لاؤ تا کہ پتہ چلے۔ تاہم اس عموم سے بعض کامل خواتین مستثنیٰ ہیں جیسے مریم، آسیہ عائشہ رضی اللہ عنهن۔

پھر یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حیض کی بیماری قدرتی طور پر غیر اختیاری طریقے سے عورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو اس کو دین کا نقصان کیوں بتایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو دین کا حصہ ہی اتنا دیا ہے اب یہ عورت کا قصور نہیں ہے نہ اس کو قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے بلکہ اس کی تخلیق اور تخلیقی حصہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو امر واقعی تھا وہ بتلایا گیا کہ ان کو دین اور عقل میں حصہ کم ملا ہے۔ پھر دیکھیں کہ اسی حدیث میں نقصان عقل پتہ چل گیا کہ عورتوں نے کلام میں ترتیب نبوی کو تبدیل کر دیا حضور نے

نقصان عقل کو مقدم رکھا تھا کیونکہ عقل ہی مدار و معیار ہے عورتوں نے جواب میں اس کو موخر کر کے دین کا ذکر پہلے کر دیا، انہوں نے دین کے اہتمام کی وجہ سے اس کو مقدم ذکر کیا۔ یہ روایت مسلم ہی میں ایک اور مقام پر ہے یہاں تو عقل مقدم ہے دین مؤخر ہے۔

''لذی لب'' ہوشیار مرد کے ساتھ جب عورت یہ کھیل کھیل سکتی ہے کہ اس کے جسم کے سب سے زیادہ حساس حصہ عقل ہی کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے تو غیر ہوشیار کم تجربہ کار کے ساتھ کیا کھیل کھیلے گی۔ ''من ناقصات'' میں ''من'' زائد ہے استغراق کی غرض سے لایا گیا ہے یہ جملہ صفت ہے، موصوف محذوف کے لئے یعنی مارأیت احدا من ناقصات عقل الخ۔

''اغلب لذی لب منکن'' یہ صفت ہے یا رأیت کے لئے مفعول ثانی ہے تقدیر عبارت یوں ہے ای الرجل ذی لب۔

عقل اور لُب کی تعریف

① العقل نورفی القلب یعرف به الحق و الباطل ② العقل جوھرروحانی خلقه الله تعالیٰ متعلقاًبالبدن ③ اللب ھو العقل الخالص عن شوب الھوی۔ (تعریفات حرف العین)

عقل کا محل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دماغ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک عقل کا محل و مسکن دل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عقل کا مسکن دماغ ہے لیکن اس کی تدبیر اور کارکردگی دل میں ہے عقل کی جمع عقول ہے اور لب کی جمع الباب ہے۔

۲۴۲۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** اَبُوالطَّاهِرِ اَخْبَرَنَاابْنُ وَهْبٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ بِهٰذَاالْإِسْنَادِ مِثْلَهُ ـ

ابن الهادؒ سابقہ سند کے ساتھ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

۲۴۳۔ **وَحَدَّثَنَا** الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَاَبُوبَكْرِ بْنُ اِسْحَاقَ قَالَاحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي زَيْدُبْنُ اَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُواحَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ وَهُوَابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ اَبِي عَمْرٍو عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر نقل کرتے ہیں۔

باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة

نماز چھوڑنے والے پر کفر کا اطلاق

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۴۴۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَاَبُوكُرَيْبٍ قَالَاحَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ

قَـالَ قَـالَ رَسُـوْلُ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاقَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِيْ يَقُوْلُ يَاوَيْلَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ كُرَيْبٍ يَاوَيْلِيْ اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان آہ وبکا کرتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میری یا ان کی تباہی ہو۔ ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا تو اسے جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔

تشریح

''اذاقرأ ابن آدم السجدۃ'' اس سجدہ سے سجدۂ تلاوت مراد ہے۔

''الشیطان'' اس سے خود ابلیس مراد ہے ''یبکی'' یہ پشیمانی کی وجہ سے نہیں رو رہا ہے بلکہ حسد اور عناد کی وجہ سے رو رہا ہے، کہ جس سجدہ کے ترک کرنے سے میں اور میری اولاد مستحق دوزخ بن گئے یہ انسان سجدہ تلاوت اور دیگر سجدوں کے کرنے سے جنت میں چلا گیا یہ حسد ہے کہ اولاد آدم جنت میں کیوں داخل ہوئی اگر ابلیس کو پشیمانی ہوتی تو جب اس کو ایک موقع ملا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیں کہ میری توبہ کی گنجائش ہے یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم تو اب نہیں مگر قبر موجود ہے کہ قبر کو سجدہ کرے حضرت موسیٰ نے جب ابلیس سے کہا کہ مسئلہ حل ہو گیا بس آدم علیہ السلام کی قبر کے سامنے سجدہ لگاؤ تو ابلیس نے کہا کہ اچھا خود آدم کو تو سجدہ نہیں کیا اب پتھروں کے سامنے کیسے سجدہ لگاؤں۔ آدم علیہ السلام کے سامنے جو سجدہ تھا یہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ سجدہ تحیہ تھا یا یوں سمجھ لیں کہ ان کی خلافت تسلیم کرنے کے لئے یہ ایک طریقہ تھا جس طرح کسی کی خلافت تسلیم کرنے کیلئے بیعت کرتے ہیں یا آج کل ووٹ دیتے ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی شریعت میں اس طرح تعظیم کا سجدہ جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔

''ویلتاہ'' یہاں الف ندبہ کے لئے ہے یعنی الف فریادی ہے، احناف نے سجدہ تلاوت کی اس بحث سے اسکے واجب ہونے کو ثابت کیا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ ابن آدم کو امر ہوا اور ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ لہٰذا سجدہ تلاوت واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے، احناف کے زیر بحث لفظ امر سے استدلال کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ امر کا تذکرہ تو ابلیس نے کیا ہے اور ابلیس کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے ہم نے کہا سبحان اللہ کہاں سے کہاں چلے گئے کہاں حدیث اور کہاں قول ابلیس؟۔ (الابی مالکی ونووی)

۲۴۵۔ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔

کچھ تغیر کے ساتھ یہ روایت بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ سند سے ہے۔

۲۴۶۔ **حَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ یَحْیَی التَّمِیمِیُّ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ کِلَاهُمَا عَنْ جَرِیرٍ قَالَ یَحْیَی اَخْبَرَنَا جَرِیرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی سُفْیَانَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِراً یَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ اِنَّ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْكِ وَالْکُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمار ہے تھے کہ انسان اوراس کے کفروشرک کے درمیان فرق ترک صلوٰۃ ہے۔

تشریح

''ترك الصلوة''اس پورے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ

"ان الذی یمنع من کفرہ کونہ لم یترك الصلوة فاذاترکھا لم یبق بینہ وبین الشرك حائل بل دخل فیہ"۔
یعنی اس شخص کے کافر ہونے سے جو چیز روکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص نماز نہیں چھوڑتا جب یہ نماز چھوڑ دے گا تو اس کے کفراورشرک کے درمیان کوئی حائل اور رکاوٹ نہ رہی بلکہ یہ کفر میں داخل ہوگیا۔

تارک صلوۃ کاحکم

عمداً فرض نماز چھوڑنے والے مسلمان کے بارے میں اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یہاں بھی مختصر اشارہ کرتا ہوں اگر تارک صلوۃ مسلمان ہے مگر نماز سے انکار کرتا ہےاورنہیں پڑھتا ہےتو یہ بالا جماع کافر ہےملت اسلام سے خارج ہے مرتد ہے، واجب القتل ہے اوراگر نماز کاانکارتونہیں کرتا ہے مگر سستی کی وجہ سے نہیں پڑھتا ہے نماز کوفرض مانتا ہے تواس جیسے شخص میں فقہاء کااختلاف ہے جمہور کے نزدیک اس طرح شخص فاسق ہے کافرنہیں ہےاس کواس فسق سےتوبہ کرایا جائے گا اور باز رکھا جائے گا اگر بازنہیں آتا ہےتواس کوبطورسزاقتل کیا جائے گا یا جیل میں ڈالا جائے گا۔

لیکن امام احمد بن حنبل اورصحابہ کرام کاایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ اگرکوئی مسلمان نماز کاانکارنہیں بھی کرتا ہے مگرعمداًنماز چھوڑ دیتا ہےتوایسا شخص بھی کافر ہے پھر جمہوریعنی شوافع اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک یہ شخص واجب القتل ہے مگربطورسزانہ کہ بطور ارتداد لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کوقتل کیا جائے گا یہ مرتد ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمداً تارک صلوۃ کوجیل میں بند کرنا چاہئے یاتوبہ کریگا یاوہیں مرجائے گا۔امام شافعی اورامام احمد رحمہما اللہ کے درمیان تارک صلوۃ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا امام شافعیؒ نے فرمایا اگرتارک صلوۃ عمداً کافر ہےتو وہ مسلمان کیسے بنے گا؟ امام احمدؒ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلمہ شہادت تووہ پہلے سے پڑھ رہا ہے نمازنہیں پڑھتا ہے امام احمدؒ نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہےتو کافر کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اس پر احمد بن حنبل رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔

سعدی بابا نے کہا کہ بے نمازی کو قرض مت دو جو شخص اللہ کا قرض نہیں ادا کرتا ہے وہ تمہارا قرض کیسے ادا کریگا۔

سلطان باہو نے کہا کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرو۔

بہرحال تارک صلوۃ عمداً پر کفر کا اطلاق کفر دون کفر کے اعتبار سے ہے یا مستحل کے لئے ہے یا یہ حکم زجراً و توبیخاً تشدیداً و تغلیظاً و تهدیداً ہے۔

۲۴۷۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوالزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے انسان اور اس کے کفر وشرک کے درمیان فرق ترک صلوٰۃ ہے۔

باب کون الایمان باللّٰہ تعالیٰ افضل الاعمال

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۲۴۸۔ **حَدَّثَنَا** مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِي مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ ح:وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ اَلْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَفِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِبْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، پوچھا گیا پھر اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ سوال کیا گیا پھر کیا؟ فرمایا: نیکیوں والا حج۔

تشریح

"ای الاعمال افضل ؟"

سب سے افضل عمل ایمان ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ چند سورتوں کو چھوڑ کر باقی پورا قرآن مکہ مکرمہ میں ایمان کے فضائل ومسائل ودلائل پر نازل ہوا ہے البتہ اس میں کلام ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کونسا ہے اس باب کی پہلی حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اس باب کی تیسری حدیث میں بھی جہاد کو افضل عمل کہا گیا ہے اس باب کی

حدیث نمبر ۵ میں نماز کو ایمان کے بعد افضل عمل کہا گیا ہے۔ پھر والدین سے حسن سلوک اور پھر جہاد کو افضل کہا گیا ہے حدیث نمبر ۶ اور پھر نمبر ۷ اور پھر حدیث نمبر ۹ میں اسی طرح ترتیب ہے کہ ایمان کے بعد نماز کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے اب ایمان کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

علماء کے ایک بڑے طبقے نے فرض نماز کو ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کہا ہے، علماء کے دوسرے طبقے نے ایمان کے بعد جہاد کو افضل عمل قرار دیا ہے، زیر بحث احادیث میں دونوں جانب دلائل موجود ہیں مگر محققین علماء نے بطور محاکمہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر جہاد فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو فرض نماز اس سے افضل ہے لیکن اگر جہاد فرض عین کے درجہ میں ہو تو مطلقاً جہاد نماز سے افضل ہے، علامہ شبیر احمدؒ فتح الملہم میں لکھتے ہیں۔

"قیل المراد بالجهاد هناماليس بفرض عين لانه يتوقف على اذن الوالدين فيكون برهما مقدما عليه"۔

یعنی جہاد اور نماز کا جو تقابل ہے تو کہتے ہیں کہ وہ جہاد فرض کفایہ اور نماز میں ہے کیونکہ وہاں والدین سے اجازت کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اس سے مقدم ہے البتہ اگر جہاد فرض عین ہو تو وہ ان دونوں سے افضل ہے۔

علامہ عثمانی نے ایک اور عبارت بھی نقل فرمائی ہے۔

قال ابن بزیزةؒ الذی يقتضيه النظر تقديم الجهاد على جميع اعمال البدن لان فيه بذل النفس الاان الصبر على المحافظة على الصلواة و ادائها فی اوقاتها الخ۔

یعنی دقیق نظر کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد ایمان کے بعد تمام بدنی اعمال سے افضل ہے کیونکہ اس میں جان کی قربانی دینی پڑتی ہے لیکن نماز کی حفاظت اور والدین کی اطاعت پر مسلسل صابر رہنا اور اس کی نگرانی کرنا سچے اور پکے لوگوں کا کام ہے لہٰذا یہ بھی درجہ میں کوئی کم درجہ کی چیز نہیں ہے۔

بہر حال ظاہری نصوص جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں اس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ایمان کے بعد جہاد مطلقاً افضل عمل ہے بخاری کتاب الجہاد میں ہے۔

جآء رجل الی النبی صلی الله علیه و سلم فقال دلنی علی عمل یعدل الجهاد قال لااجده۔

قرآن کی آیت ہے ﴿و فضل الله المجاهدين على القاعدين اجراً عظيماً﴾

جہاد سے متعلق تفصیل انشاء اللہ مسلم جلد ثانی میں آئے گی اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے تاکہ میں اس کی تفصیل جی بھر کر لکھدوں۔ (یوسف زئی)

''حج مبرور'' حج مبرور یعنی حج مقبول وہ ہوتا ہے جس میں گناہ کا اختلاط نہ ہو ﴿فلا رفث و لا فسق و لا جدال فی الحج﴾

حج مبرور کی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان کی سابقہ زندگی سے حج کی بعد والی زندگی اچھی ہو جائے ''من علامات المقبول ان یزداد بعده خیراً''۔(فتح الملہم)

۲۴۹۔ **وحَدَّثَنِیهِ** مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُبْنُ حُمَیْدٍ عَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَامَعْمَرٌعَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ابن شھاب زہریؒ اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کی طرح یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

۲۵۰۔ **حَدَّثَنِی** اَبُوالرَّبِیعِ الزَّهْرَانِیُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍحَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ح:وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَیْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیهِ عَنْ اَبِی مُرَاوِحٍ اللَّیْثِیِّ عَنْ اَبِی ذَرٍّقَالَ قُلْتُ یَارَسُولَ اللّٰهِ ! اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَالْجِهَادُفِی سَبِیلِهِ قَالَ قُلْتُ اَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اَنْفَسُهَاعِنْدَاَهْلِهَا وَاَكْثَرُهَا ثَمَنا قَالَ قُلْتُ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ ؟ قَالَ تُعِینُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ.قَالَ قُلْتُ یَارَسُولَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ ضَعُفْتَ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ ؟ قَالَ تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اعمال میں افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے عرض کیا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا وہ غلام جو اس کے مالک کے نزدیک قیمتی ہو اور قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہو۔ میں نے عرض کیا اگر میں ایسا نہ کروں تو؟ فرمایا کہ کسی ہنرمند کی مدد کر یا کسی بے ہنر آدمی کے لئے کوئی کام کردے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر میں بعض اعمال سے کمزور ہو جاؤں تو؟ فرمایا کہ اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھو بے شک یہی تمہارے لئے اپنی ذات کے واسطے صدقہ ہے۔

تشریح

''ای الرقاب افضل'' رقاب رقبة کی جمع ہے گردن کو کہتے ہیں مراد غلام ہے یعنی آزاد کرنے میں سب سے اچھا غلام کونسا ہوتا ہے''انفسها''یعنی جو غلام سب سے نفیس اور عمدہ ہو اور سب سے زیادہ قیمت والا ہو۔''تعین صانعا''یعنی جو آدمی خود کاریگر ہے فن اس کے پاس ہے مگر سرمایہ نہیں تو اس کے ساتھ سرمایہ کی مدد کرنا بہترین عمل ہے۔

''او تصنع لاخرق''اخرق اناڑی بدّ وجٹ کو فن سکھانا افضل اعمال میں سے ہے کہ فن کے سیکھنے کے بعد وہ کمائی میں خود کفیل ہو جائے گا۔''ان ضعفت''یعنی اگر میں ان اچھے کاموں سے عاجز آجاؤں اور کسی کے ساتھ کوئی مدد نہ کرسکوں تو پھر ثواب کیسے کماؤں گا۔''تکف شرك''یعنی لوگوں کو اپنی شرارت سے محفوظ رکھو کسی سے کوئی شرارت نہ کرو یہ بھی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی ہے اگلی روایت میں ہے''فماترکت استزیده الاارعاء علیه''یعنی میں نے مزید سوال کرنا چھوڑ دیا تا کہ آپ کی طبیعت پر گراں نہ ہو''ارعاء''رعایت کرنے کے معنی میں ہے۔

۲۵۱۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ عَبْدٌ اَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَبِيبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِي مُرَاوِحٍ عَنْ اَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَتُعِينُ الصَّانِعَ اَوْ تَصْنَعُ الْاَخْرَقَ ۔

کچھ تغیر کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی سابقہ حدیث کی طرح منقول ہے۔

۲۵۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الْوَلِيدِ ابْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِيَاسٍ اَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمَا تَرَكْتُ اَسْتَزِيدُهُ اِلَّا اِرْعَاءً عَلَيْهِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر اس کے بعد کونسا؟ فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنا، میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر میں نے مزید سوال کرنا چھوڑ دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر گراں نہ ہو۔

۲۵۳۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو يَعْفُورٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ اَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ! اَيُّ الْاَعْمَالِ اَقْرَبُ اِلَى الْجَنَّةِ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى مَوَاقِيتِهَا قُلْتُ وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۔

ابوعمرو الشیبانی کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا یا نبی اللہ! کونسا کام جنت سے زیادہ نزدیکی پیدا کرتا ہے آپ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا میں نے عرض کیا اس کے بعد اور کونسا یا نبی اللہ! فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! اس کے بعد پھر کونسا؟ فرمایا! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

۲۵۴۔ **وَحَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ قَالَ حَدَّثَنِي صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ وَاَشَارَ اِلَى دَارِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي ۔

ابو عمرو شیبانی سے روایت ہے کہ مجھ سے اس گھر والے نے بیان کیا اور اس نے عبداللہ بن مسعود کے گھر کی طرف اشارہ کیا فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا میں نے دریافت کیا پھر کونسا عمل فرمایا؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔ میں نے دریافت کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا: راہ خدا میں جہاد کرنا۔ آپ نے ان ہی کاموں کا مجھے بتلایا اگر میں اور زیادہ دریافت کرتا تو اور زیادہ بتلا دیتے۔

۲۵۵ ۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ وَاَشَارَ اِلَى دَارِ عَبْدِاللّٰهِ وَمَا سَمَّاهُ لَنَا۔

شعبہ نے اسی سند کیساتھ یہ روایت بیان کی ہے لیکن اس میں یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کیا لیکن ان کا نام نہیں لیا۔

۲۵۶ ۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَیْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِیْ عَمْرٍو الشَّیْبَانِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَوِ الْعَمَلِ الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَیْنِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اعمال میں افضل عمل اپنے وقت پر نماز کی ادائیگی اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

سوال

مذکورہ روایات میں افضل اعمال کا سوال کیا گیا ہے آنحضرت نے مختلف جوابات دیئے ہیں حالانکہ افضل عمل تو ایک ہو سکتا ہے ؟

جواب

اس سوال کے جوابات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں مگر کچھ مزید وضاحت کے ساتھ دوبارہ لکھتا ہوں۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مخاطب کے اعتبار سے مختلف جوابات دیئے ہیں جس میں جو کمی تھی اس پر تنبیہ کی کہ تیرے لئے سب سے افضل عمل یہی ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنحضرت نے زمانے کا لحاظ رکھ کر جواب دیا ہے تو رمضان میں روزہ کو افضل فرمایا حج کے ایام میں حج کو افضل فرمایا اور جہاد کے موقع پر جہاد کو سب سے افضل فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ افضل ایک نوع ہے اس کے تحت بہت سارے افراد ہیں تو ہر فرد کو افضل کہا جا سکتا ہے، یہ بھی افضل ہے وہ بھی افضل ہے کیونکہ ایک نوع کے افراد میں آپس میں تضاد نہیں ہوتا ہے بلکہ توافق ہوتا ہے امام طحاوی نے یہی جواب دیا ہے۔

چوتھا جواب

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دیا ہے کہ افضل ہونے میں اعتبارات مختلف ہیں مثلاً صدیق اکبر ارحم امتی کے اعتبار سے افضل ہیں عمر فاروق اشدھم فی امر اللہ کے اعتبار سے اور حضرت عثمان اصدقھم حیاء عثمان اور حضرت علی اقضاھم علی کے اعتبار سے افضل ہیں جب اعتبارات مختلف ہوں تو اس میں تضاد و تعارض نہیں ہوتا ہے۔

پانچواں جواب

تطبیق کی صورت میں اس طرح ہے کہ عقائد کے باب میں ایمان باللہ سب سے افضل ہے اور اعمال میں بعض حقوق اللہ اور بعض حقوق العباد ہیں حقوق اللہ میں بعض صرف بدنی عبادات ہیں اور بعض صرف مالی اور بعض مالی اور بدنی دونوں کا مجموعہ ہے حقوق العباد میں والدین اور عام مسلمانوں کے حقوق ہیں۔

اب دیکھو کہ حقوق اللہ کے اعتبار سے بدنی عبادت میں وقت پر نماز پڑھنا سب سے افضل ہے مالی عبادت میں زکوۃ سب سے افضل ہے اور مالی و بدنی عبادات کے مجموعہ میں حج سب سے افضل ہے اور جان کی قربانی میں جہاد سب سے افضل ہے اور حقوق العباد کے اعتبار سے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور عام لوگوں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے پیش آنا اور ان کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا سب سے افضل ہے۔

باب کون الشرک اقبح الذنوب وبیان اعظمھا بعدہ

شرک اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۵۷۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا جَرِیْرٌ وَقَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِیْلَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰہِ ؟ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ اللّٰہَ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ قَالَ قُلْتُ لَہٗ اِنَّ ذٰلِکَ لَعَظِیْمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ مَخَافَۃَ اَنْ یَطْعَمَ مَعَکَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم ہے؟ فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے باوجود کہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بلاشبہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا گناہ فرمایا کہ تو اپنے بچہ کو اس اندیشہ وخوف سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، قدیم الاسلام ہیں، بعض نے کہا چھٹے مسلمان ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہے، یہاں تک کہ لوگ ان کو گھر کا آدمی سمجھنے لگے، آنحضرت کے وضو کا لوٹا، جائے نماز، مسواک کی خدمت آپ کے ذمہ تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان بھی تھے، حبشہ کی ہجرت کی، پھر بدر میں شریک ہوئے اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جنتی ہونے کی شہادت دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"رضیت لامتی مارضی لھاابن ام عبدو سخطت لھاماسخط لھاابن ام عبد"۔

میں اپنی امت کے لئے اس حکم پر راضی ہوں جس کے لئے ابن مسعودؓ ہے اور اس حکم سے ناخوش ہوں جس سے ابن مسعود ناخوش ہو۔

آپ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور سیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، کوفہ کے قاضی اور معلم مقرر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ میں اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے دی کہ ابن مسعود تمہیں دے دیا، پھر فرمایا "کُنَیْفٌ مُلِئَ عِلْمًا" یعنی علم کا بھرا ہوا کمرہ ہے علم کا کھٹلہ ہے، ۳۲ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔

"ای ذنب اکبر" الذنب مایذم به الآتی شرعاً، علامہ میر سید سند شریف نے ذنب کی تعریف اس طرح کی ہے "الذنب مایحجبك عن الله"۔ (تعریفات حرف دال) یعنی ہر وہ چیز جو حجاب بن کر تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کرے وہ ذنب ہے، علماء نے معاصی میں ترتیب اس طرح رکھی ہے کہ سب سے پہلے خطا ہے پھر سیئہ ہے پھر ذنب ہے اور پھر سب سے بڑا گناہ معصیت ومعاصی ہیں۔

ذنب کی چار قسمیں ہیں

۱۔ ایک قسم وہ ہے کہ جو بغیر توبہ وایمان معاف نہ ہو وہ کفر ہے۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت کی امید استغفار اور حسنات کے ذریعہ سے کی جاتی ہے وہ صغائر ہیں۔

۳۔ اور تیسری قسم وہ ہیں جو اللہ کی مشیت کے تحت ہو جو توبہ اور بغیر توبہ دونوں صورتوں میں معاف ہو سکتے ہیں وہ حقوق اللہ ہیں۔

۴۔ اور چوتھی قسم وہ گناہ ہیں جو بدلہ دینے یا معاف کرانے کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہیں وہ حقوق العباد ہیں۔

''ندًا'' ای مثلاً و نظیرا فی الدعاء والعبادۃ ۔کفر کی اقسام میں شرک کو خاص کر بیان فرمایا، اس لئے کہ ﴿ان الشرك لظلم عظیم﴾ میں شرک کو عظیم ظلم کہا گیا ہے۔

''وھو خلقك'' میں شرک کی مزید شناعت وقباحت کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ تم نہ تھے اس نے وجود بخشا جب بولنے لگے تو شرک کیا، یہ جملہ حالیہ ہے۔ ''ثم ای'' یہاں ''ای'' کالفظ استفہام کے لئے، ای ''ای الشیء اکبر من الذنب بعد الکفر'' یہاں یہ ثم تراخی زمانہ یا تراخی رتبہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تراخی فی الاخبار کے لئے ہے۔

''تقتل ولدك'' شرک کے بعد نفس مسلم کا قتل سب سے بڑا گناہ ہے، پھر چھوٹے معصوم کو قتل کرنا دوسرا گناہ ہے پھر قتل بھی بدترین انداز سے کہ زندہ درگور کردیا یہ تیسرا جرم ہے۔ پھر خوف رزق سے قتل کرنا کہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کیوں کھائے؟ اور اللہ تعالیٰ کو رازق نہ سمجھنا یہ چوتھا جرم ہے، صلہ رحمی کو نظر انداز کرکے قتل کرنا یہ پانچواں گناہ ہے، اس لئے اس کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے کہ عمداً قتل کرنے والا مسلمان نہیں رہتا اور ہمیشہ جہنم میں رہیگا وہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فرقان میں قاتل کی توبہ کی جو بات ہے وہ اس کافر کے لئے ہے جو بعد میں مسلمان ہوجائے مسلمان قاتل کا حکم سورت نساء میں ہے کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔

زمانہ جاہلیت میں دو قسم کے عرب اولاد کو قتل کیا کرتے تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جو فی الحال غریب ومفلس تھے ان کو اولاد کے پالنے اور کھلانے کا غم تھا قرآن کریم نے عجیب بلاغت سے ان کو سمجھایا ﴿ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم﴾ اولاد کے کھلانے کو مؤخر کیا کیونکہ ان لوگوں کو فی الحال اپنے کھانے کی پریشانی تھی پہلے اسی وہم کو قرآن نے دور کردیا، دوسرے وہ لوگ اولاد کو مارتے تھے جو فی الحال تو مالدار تھے مگر آئندہ فقیر ہونے کا خوف تھا ان کے لئے فرمایا ﴿ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم﴾ یہاں اولاد کے کھلانے کو مقدم کیا کہ تم کو ان کا زیادہ خوف ہے تو ہم ان کو بھی دیں گے اور تم کو بھی فی الحال دے رہے ہیں، یہ قرآن عظیم کی عظیم بلاغت اور عجیب اسلوب بیان ہے۔

''ان یطعم معك'' یہ کوئی قید احترازی نہیں ہے بلکہ یا تو قید اتفاقی ہے کہ وہ لوگ اسی کی وجہ سے اولاد کو مارتے تھے۔ یا یہ مزید شناعت وقباحت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ تیرے پیالہ میں تیرے گوشۂ جگر نے ہاتھ ڈال کر ایک لقمہ اٹھایا اس پر اس کو قتل کردیا، شرم کرو ڈوب مرو۔

''وان تزانی حلیلۃ جارك'' تزانی اور تزنی، دو لغت ہیں زنا کے معنی میں ہیں حلیلہ بیوی کو کہتے ہیں تزانی میں مفاعلہ کا معنی پڑا ہے اور زنا طرفین ہی سے ہوتا ہے اور حلیلہ یا حلال سے ہے تو بیوی شوہر کے لئے حلال بھی ہوتی ہے اور اس میں حلول بھی ہوتا ہے۔

اس گناہ کو اکبر الکبائر میں سے اس لئے شمار کیا ہے کہ ایک تو اس میں زنا ہے، دوسرا اس جگہ میں ہے جو اسی کی پناہ و پڑوس میں ہے

تو اس میں ایک تو ابطال حق جوار آ گیا، دوسرا اس میں خیانت آ گئی، تیسرا اس سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے کیونکہ پڑوسی اگر خائن اور چور بن جائے تو اس سے بچاؤ بہت مشکل ہے، پھر ہر آدمی اپنے گھر کا چوکیدار بن جائے گا اور کسی کام کے لئے باہر نہیں جا سکے گا۔

سوال

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں کبائر کی تعداد (۷۰) ستر ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی تعداد سات سو ہے، ابو طالب مکی کے ہاں ستر ہے، مذکورہ حدیث میں تین کا ذکر ہے، بعض میں چار کا ذکر آیا ہے اور کسی روایت میں سات کا ذکر آیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کی احتیاج کے تحت کا کبائر کا ذکر فرمایا ہے، احصاء اور پوری گنتی مقصود نہ تھی، نہ تحدید کا آپ نے ارادہ کیا ہے، نیز عدد میں تعارض نہیں ہوتا، یہاں ہر گناہ کے ساتھ جو قید لگی ہوئی ہے یہ مزید تقبیح اور تشنیع وشناعت کے لئے ہے جیسا کہ اس کی تشریح ہوگئی ہے۔

۲۵۸ـ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ جَمِیْعًا عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیْر عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُرَحْبِیْلَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ؟ قَالَ اَنْ تَدْعُوْلِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ اَنْ یَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِیْقَهَا﴿وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَایَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَایَزْنُوْنَ وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴾ (الفرقان : ٦٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے ساتھ تو کسی کو شریک ٹھہرائے باوجود اس کے کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا پھر کونسا گناہ؟ فرمایا کہ اپنے لڑکے کو تو اس خوف سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اس نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق وتائید ان آیات سے کی ﴿والذین لایدعون سے یلق اثاما تک ﴾۔

باب بیان الکبائر واکبرھا

عام کبائر اور سب سے بڑے کبیرہ کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں ایک تنبیہ کی بھی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے کبائر کے عنوان سے لیکر باب الوسوسۃ تک عمومی طور پر کبائر ہی کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا یہ ایک ہی باب ہونا چاہئے تھا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں علامہ نوویؒ نے بہت سارے عنوان قائم کردیئے ہیں۔ اس سے پہلے ''کون الشرك اقبح الذنوب و بیان اعظمھا بعدہ ''کو عنوان بنا کر رکھدیا جو سمجھ سے بالاتر ہے جس کی بالکل ضرورت نہیں تھی یہی مذکورہ ایک عنوان سب کی طرف سے باب الوسوسہ تک کافی تھا۔ ساری احادیث بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔ لیکن اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنّٰی الْمَرْأُ یُدْرِکُہ تَجْرِیْ الرِّیَاحُ بِمَا لَاتَشْتَھِیْ السَّفُنْ

یعنی سب چیزیں انسان کی چاہت کے مطابق نہیں ہوتی کچھ چیزیں طبیعت کے خلاف بھی آتی ہیں۔

ع فکم من حسرۃ تحت التراب

بہرحال اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے کبائر اور اکبر الکبائر گناہوں کو بیان کیا ہے، لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ کبائر وصغائر کی تقسیم کس طرح ہے نیز صغیرہ وکبیرہ کی تعریف کیا ہے اور علماء کرام کے اقوال کیا ہیں تو لیجئے۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تقسیم میں اختلاف

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ ''کل شئی نھی اللہ عنہ فھو کبیرۃ'' استاذ ابواسحاق اسفرائنی شافعی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں ''کل شئی نھی اللہ عنہ فھو کبیرۃ'' نیز قیاس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخالفت کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر گناہ کبیرہ ہونا چاہئے۔ اس لئے یہ محققین حضرات کبیرہ اور صغیرہ کی طرف گناہ کی تقسیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک سارے گناہ کبیرہ ہیں لیکن جمہور امت سلفاً وخلفاً کے نزدیک گناہ میں صغیرہ اور کبیرہ کی تقسیم جاری ہے۔ بدلیل قول اللہ تعالیٰ

﴿ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ﴾ الآیۃ، ای کبائر الذنوب، نکفر سیئاتکم ای نغفرلکم صغائر کم، کمافی البیضاوی۔

اس قرآنی آیت کے علاوہ احادیث الباب کی کئی احادیث بھی اس پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ گناہ کی تقسیم صغیرہ وکبیرہ کی طرف ہوتی ہے اسی لئے امام غزالی رحمہ اللہ نے کتاب البسیط میں لکھا ہے کہ کبیرہ گناہ اور صغیرہ میں فرق نہ کرنا یا اس فرق کا انکار کرنا، نادانی اور ناسمجھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کا جواب یہ ہے کہ انہی سے یہ قول بھی منقول ہے۔

''کل ذنب حتم الله عليه النار او العذاب او اللعنة او الغضب فهو كبيرة والافهو صغيرة''۔

ان کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کی دو نسبتیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی نسبت ہے، اس نسبت کی وجہ سے اگر چہ سب گناہ کبیرہ ہیں لیکن گناہوں کی دوسری نسبت ان کے آپس میں ہے، اس میں بعض گناہ بعض دوسرے گناہوں سے بڑے یا چھوٹے ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے جمہور کے ہاں گناہوں کی تقسیم کبیرہ اور صغیرہ کی طرف ضروری ہے۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف

پھر جمہور کے ہاں آپس میں کبائر اور صغائر کی تعریف میں بڑا اختلاف ہے اور مختلف اقوال ہیں سب کے نقل کرنے میں فائدہ ہے۔

پہلا قول

یہ کہ جو گناہ نماز، روزہ، حج وغیرہ حسنات سے معاف نہیں ہوتے وہ کبائر ہیں اور جو گناہ اعمال حسنہ سے معاف ہوجاتے ہیں وہ صغیرہ ہیں۔

دوسرا قول

بعض محققین ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں کبیرہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا حتمی وعدہ کیا ہو یا عذاب یا لعنت اور یا غضب کا قطعی حکم دیا ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ صغیرہ ہے۔

تیسرا قول

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''الاقرب ان الكبيرة كل ذنب كتب الشارع عليه حدا او صرح بالوعيد فيه والافصغيرة''۔

چوتھا قول

بعض حنفیہ نے فرمایا کہ ہر وہ گناہ جس کے لئے شریعت نے ''فـــــاحشة'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس پر منصوص سے دنیوی یا اخروی عقوبت کو مقرر کیا ہے وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ ہے۔

پانچواں قول

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر گناہ اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ اور اپنے ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔

چھٹا قول

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو گناہ دوسرے گناہوں کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ صغیرہ ہے جیسے ''النظر الى الاجنبية واللمس'' جو ذریعہ زنا ہے یہ جب تک ذرائع کے درجہ میں ہیں تو صغیرہ ہیں اور جو گناہ مقصود بالذات ہو جیسے زنا تو وہ کبیرہ ہے، اس تعریف کو حضرت قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ نے سورۃ نساء آیت نمبر ۳۱ کی

تفسیر میں کبیرہ اور صغیرہ پر جو مفصل محقق مدقق کلام کیا ہے وہ بھی اسی تعریف کے قریب قریب ہے۔

ساتواں قول

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی رجال اور اشخاص کے احوال کے پیش نظر گناہ کی حالت کبیرہ یا صغیرہ ہو جاتی ہے ایک گناہ ایک شخص کے لئے کبیرہ ہے تو دوسرے کے لئے صغیرہ ہے مثلاً غیر عالم کے لئے ایک گناہ صغیرہ سمجھا جاتا ہے مگر وہی گناہ عالم کے لئے کبیرہ تصور کیا جاتا ہے، ایک گناہ مقبول بندہ بارگاہِ الٰہی کے لئے کبیرہ شمار کیا جاتا ہے، مگر غیر مقبول بندہ کے لئے وہی گناہ صغیرہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے کہا گیا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' اور کہا گیا ہے ؎

لَایَحْقِرُ الرَّجُلُ الْکَبِیْرُ دَقِیْقَةً　　فِی السَّھْوِ فِیْھَا لِلْوَضِیْعِ مَعَاذِرُ

فَکَبَائِرُالرَّجُلِ الصَّغِیْرِ صَغَائِرُ　　وَصَغَائِرُ الرَّجُلِ الْکَبِیْرِ کَبَائِرُ

ترجمہ: ''بڑا آدمی چھوٹے گناہ کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ ان کی بھول کو بھی کمتر آدمی اپنے لئے عذر اور جواز بنا دے گا۔ پس چھوٹے آدمی کے کبائر بھی صغائر سمجھے جاتے ہیں مگر مقتدا اور بڑے آدمی کے صغائر کو بھی کبائر سمجھا جاتا ہے''۔

آٹھواں قول

بعض نے کہا ہے کہ حالات اور مکان کے اعتبار سے گناہ میں فرق آجاتا ہے، مثلاً بیت اللہ کے اندر اور زمین حرم میں دل کا وسوسہ بھی بڑا گناہ ہے، مگر حرم سے باہر کچھ نہیں یا ایک گناہ مسجد کے اندر کیا گیا تو وہ کبیرہ ہے لیکن وہی گناہ مسجد سے باہر صغیرہ بن جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ بات سمجھ لیں کہ کبائر کی تعداد جو احادیث میں وارد ہے یہ کوئی حتمی نہیں ہے بلکہ مختلف احوال کے مطابق کبھی کم اور کبھی زیادہ بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ عدد ستر تک جا پہنچتا ہے، مظاہر حق والے نے کبائر کی تعداد ۸۴ لکھی ہے اور مظاہر حق نے سب کو ذکر بھی کیا ہے بعض احادیث میں سات کا ذکر آتا ہے۔ علامہ ابیؒ مالکی، علامہ نووی شافعی، علامہ شبیر احمد عثمانی حنفی سب نے لکھا ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے یہ حضرات حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو نقل کر کے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

"لا کبیرۃ مع الاستغفار و لاصغیرۃ مع الاصرار"۔

یعنی توبہ واستغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور بار بار کرنے سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔

بار بار گناہ کرنے کو اصرار کہتے ہیں اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہے مثلاً ایک شخص نسوار یا تمبا کو والا پان کھاتا ہے اور مسلسل کھاتا ہی رہتا ہے یا سگریٹ پیتا ہے تو ہمیشہ کے لئے پیتا ہی رہتا ہے۔ یہ اصرار علی الصغیرہ ہے جو کبیرہ بن جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲۵۵۔ حَدَّثَنِیْ عَمْرُوبْنُ مُحَمَّدِبْنِ بُکَیْرِبْنِ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُحَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ سَعِیْدِالْجُرَیْرِیِّحَدَّثَنَا

عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ؟ ثَلَاثًا اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَشَهَادَۃُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَمَازَالَ یُکَرِّرُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ !

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہ نہ بتلاؤں؟ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اور پھر فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنا۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، پھر آپ بیٹھ گئے اور مسلسل اسی بات کا اعادہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہوجائیں۔

تشریح

''الاشراك بالله '' یہاں شرک سے مراد مطلقاً کفر ہے لیکن شرک کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ عرب لوگ کفر کے درجہ شرک اور شعبۂ شرک میں مبتلا تھے۔مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بھی انکار نہیں کرتا ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ ذات یا صفات یا عبادات میں دوسروں کو حصہ دار بناتا ہے۔اور کافر یا تو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی اہم ضرورت کا انکار کرتا ہے، شرک اور کفر اور مشرک و کافر میں یہی فرق ہے۔

شرک کی دو قسمیں ہیں

ایک شرک اکبر ہے جو اوپر بیان ہوا، دوسرا شرک اصغر ہے: جو ریا کاری دکھاوے اور تصنع و سمع فی العبادۃ کا نام ہے جو مخلوق کو دکھانے کے لئے کی جائے شرک کی تفصیل آگے آنے والی ہے۔

"وعقوق الوالدین" العق ھو الشق و العاق یقطع حقوق ابویه ،ایذاءرسانی کا ہر قول وعمل عقوق والدین میں داخل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، ہاں والدین کے خلافِ شرع حکم ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ ''لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق '' والدین سے مراد مؤمن والدین ہیں اور پھر اس میں اجداد وجدات سب داخل ہیں۔عقوق والدین کو اشراک باللہ کے ساتھ جوڑ دیا جس سے اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا حقیقی خالق و مالک ہے، اس کے بعد مجازی طور پر والدین اپنے بیٹے کے وجود کے لئے ظاہری سبب ہیں ،یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کو جوڑ کر ذکر فرمایا ﴿وقضاربك ان لاتعبدوا الاایاہ و بالوالدین احسانا﴾ بخاری کی روایت میں اور دوسری جگہ صحیح مسلم کی روایت میں یمین غموس کا ذکر بھی ہے تو اس کی تشریح بھی لکھی جاتی ہے۔

''والیمین الغموس'' غموس غمس سے غوطہ کھانے کے معنی میں ہے چونکہ یمین غموس کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہوتا تو بس دوزخ کی آگ میں غوطہ ہی کھائے گا۔ یہی اس کی سزا ہے یمین غموس اس قسم کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص زمانہ ماضی کے کسی فعل یا واقعہ پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھائے، یہ قسم اس لئے کبیرہ گناہ ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا نام بطور ضمانت استعمال کیا اور اس میں جھوٹ کہہ دیا۔ ایک یمین منعقدہ ہے جس میں کفارہ دینا پڑتا ہے، وہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص مستقبل میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، تیسری قسم یمین لغو ہے وہ زبان پر چڑھے ہوئے ان کلمات کا نام ہے جن سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہے بس تکیہ کلام ہوتا ہے جیسے عربی میں لا واللہ وغیرہ کلمات ہوتے ہیں، اردو میں کہتے ہیں ''قسم سے کہہ رہا ہوں، قسم ہے خدا کی'' وغیرہ وغیرہ ان کلمات کا ارتکاب بھی مناسب نہیں ہے تاہم اس قسم میں باقاعدہ گرفت نہیں ہے۔ قسم کھانے کی اسلام میں اجازت ہے لیکن اس کی حفاظت کا بھی اسلام حکم دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین نہ ہو، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے زندگی میں کبھی نہ سچی قسم کھائی ہے نہ جھوٹی۔ باب الایمان میں تمام قسموں کی تفصیل مذکور ہے۔

''وشہادۃ الزور'' جھوٹی شہادت یہ ہے کہ جس سے کسی کا حق باطل کیا جائے یا مال دبا دیا جائے یہ بھی کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر جان کو جھوٹ بولتا ہے، ور وہ بھی ناحق مال دبانے کے لئے۔

''لیتہ سکت'' یعنی آنحضرت بیٹھ گئے اور نہایت اہتمام کے ساتھ شہادت الزور کے الفاظ کو دھراتے رہے ہم نے کہا کہ ہم تو سمجھ چکے ہیں اب آنحضرت کو تکلیف ہو رہی ہے کاش اگر آپ خاموش ہو جاتے تو تکلیف ختم ہو جاتے آنحضرت نے جھوٹی گواہی کو نہایت اہتمام سے بیان کیا اس سے جھوٹی گواہی کی شناعت وقباحت ومضرت واضح ہوگئی کیونکہ جھوٹی گواہی معاشرہ کی تباہی ہے۔

۲۶۰۔ **وَحَدَّثَنِی** یَحْیَی بْنُ حَبِیبِ الْحَارِثِ یُحَدِّثُنَا خَالِدٌ وَهُوَابْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِی بَکْرٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْکَبَائِرِ قَالَ الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّوْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، کسی جان کا قتل کرنا اور جھوٹی بات ہے۔

۲۶۱۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْوَلِیْدِ بْنِ عَبْدِالْحَمِیْدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِی عُبَیْدُاللّٰهِ بْنِ اَبِی بَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ ذَکَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ الْکَبَائِرَ اَوْسُئِلَ عَنِ الْکَبَائِرِ فَقَالَ الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَالَ اَلَااُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِالْکَبَائِرِ ؟ قَالَ قَوْلُ الزُّوْرِ اَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ قَالَ شُعْبَةُ وَاَکْبَرُ ظَنِّی شَهَادَةُ الزُّوْرِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کا تذکرہ فرمایا: یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا، کسی جان کا قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں کبائر میں سب سے کبیرہ گناہ نہ بتلاؤں؟ وہ جھوٹی بات جھوٹی گواہی

ہے۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی فرمایا۔

۲۶۲۔ **حَدَّثَنِیْ** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدِ الْاَيْلِيّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ ابْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَبِى الْغَيْثِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَاهُنَّ ؟ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَاَكْلُ الرِّبَا وَالتَّوَلِّىْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک و برباد کرنی والی باتوں سے اجتناب کرو، کہا گیا کہ وہ سات باتیں کونسی ہیں؟ فرمایا: (۱) شرک مع اللہ (۲) جادو (۳) جس نفس کا قتل اللہ نے حرام کردیا ہے اسے قتل کرنا مگر کسی حق کے عوض۔ (۴) یتیم کا مال کھانا (۵) سود کھانا (۶) جنگ کے روز دشمن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) اور پاکدامن مؤمن عفیفہ عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

تشریح

''قال الشرك بالله'' شرک ایک گھناونا جرم ہے جو عقل ودانش کے حوالہ سے فطرت انسانی پر ایک بدنما داغ ہے اور جناب باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت میں بڑی کوتاہی اور بڑا ظلم ہے، جس میں غیر شعوری طور پر ایک شخص گویا یہ تصور قائم کرتا ہے کہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کرے گا، اس کے کرنے میں نہ دیر ہے نہ اندھیر ہے اور اللہ تعالیٰ یہ کام یا نہیں کرتا ہے یا نہیں کرسکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں عظیم تنقیص وتوہین اور ظلم عظیم ہے کیونکہ جس پروردگار کے ہاتھ میں ذرہ ذرہ کا تصرف اور اختیار کلی اور قدرت کاملہ موجود ہے اس کو غیر شعوری طور پر کمزور بلکہ مفلوج جان کر مشرک اوروں کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے، مشرک یہ عقیدہ رکھے یا نہ رکھے لیکن اس کے فعل اور طرز عمل کا نتیجہ یہی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جس گناہ پر ناراض ہوتا ہے وہ شرک کا گناہ ہے فرمایا۔ ﴿ان الشرك لظلم عظيم﴾ اور ﴿ان الله لايغفران يشرك به ويغفرمادون ذلك لمن يشاء﴾ اور فرمایا ﴿ومن يشرك بالله فكأنما خرمن السماء﴾۔

خلاصہ یہ کہ شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم اور استعداد جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے شرک سے ایک انسان اپنے خالق پر سب سے بڑا افتراء باندھتا ہے اور اپنی تخلیق اور فطری استعداد کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس لئے حدیث پاک میں اس کو بڑے بڑے مہلکات میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ شرک کی تعریف میں لکھتے ہیں، کہ شریعت کی اصطلاح میں شرک اسے کہتے ہیں کہ جو صفات خاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں ثابت کرنا شرک ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو بھی عالم الغیب

کہا جائے یا کسی دوسرے کو بھی کائنات میں متصرف اور قادر مانے، یا مصائب اور مشکلات کے وقت غائبانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پیر وفقیر کو مدد کے لئے پکارے یا عبادات مالیہ اور عبادات قولیہ اور عبادات بدنیہ میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے کرے یہ سب شرک کی صورتیں ہیں۔ جسیں کو آج کل کے مشرک لوگ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں

بندہ قادر کا بھی قادر ہے عبدالقادر　　سر باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے　　کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

ایک موحد کو شرک سے بیزاری کے لئے سلطان باھو کے یہ اشعار یاد رکھنے چاہئیں۔

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ھو　　ولا مقصود فی الکونین و لا موجود الا ھو

چوں تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غمداری　　مجواز غیر حق یاری لا فتاح الا ھو

جادو کی تعریف واقسام

والسحر (۱) کل مالطف مأخذہ ودق فھو سحر (۲) اخراج الباطل فی صورۃ الحق (۳) مایفعل الانسان من الحیل۔

سحر اور جادو کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ چند خوارق عادت چیزوں کا ذکر ہو جائے چنانچہ خوارق عادت چیزیں کل سات ہیں۔

قسم اول

''ارھاصات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت افعال ہوتے ہیں جو کسی نبی کی نبوت سے پہلے بطور تمہید اور نبی کی آمد سے پہلے آمد آمد کے اعلان کے لئے پیش آتے ہیں جیسے نبوت سے پہلے پتھروں اور درختوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا بادل کا سایہ کرنا پیدائش کے وقت عالم انسان پر انقلابی واقعات کا پیش آنا سب ''ارھاصات'' تھے۔

قسم دوم

''معجزات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی نبی کی دعوی نبوت کے اثبات اور اس کی تصدیق کے لئے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قمر اور چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنا وغیرہ وغیرہ سارے معجزات ہیں۔

قسم سوم

''کراماث'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو متبع سنت اور صاحب ایمان شخص کے ہاتھ پر اس کے اعزاز واکرام کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں، پیغمبر کو اپنے معجزہ کا علم بھی ہوتا ہے اور قصد بھی ہوتا ہے مگر ولی کے لئے یہ ضروری نہیں۔

قسم چہارم

’’معونات‘‘ ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی مسلمان کی مدد واعانت کے لئے ظاہر ہوں جیسے حالت مجبوری ومخمصہ میں کسی کے سامنے کھانے آنا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا وغیرہ وغیرہ سب اعانت ومدد کی صورتیں ہیں۔

قسم پنجم

’’استدراج‘‘ ہے: یہ ایسے خارق عادت امور کو کہتے ہیں جو کسی کافر کے ہاتھ یا فاسق فاجر کے ہاتھوں اس کے مقصود کے مطابق ظاہر ہو جائیں جیسے دجال کے احوال میں عجیب تصرفات کا ذکر ہے۔ یا اسود عنسی جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھوں سے عجائب کا ظاہر ہونا یہ سب استدارج ہے۔

قسم ششم

’’اھانات‘‘ ہے: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی کافر کے ہاتھوں ظاہر ہوں لیکن اس کے مطلوب ومقصود کے خلاف ظاہر ہوں جیسے مسیلمہ کذاب نے کسی کانے یک چشم کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تا کہ یہ آنکھ درست ہو جائے تو اس شخص کی صحیح آنکھ بھی اندھی ہوگئی یا باغ میں وضو کا بچا ہوا پانی پھینکا تا کہ برکت آجائے تو باغ کے سارے درخت سوکھ گئے۔ یا کلی کر کے کنوئیں میں پانی پھینکا تو جو کنوئیں میں تھا وہ بھی خشک ہو گیا یا ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے دماغ نے کام چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔

قسم ہفتم

’’سحر اور جادو‘‘ ہے: مگر اس کی حقیقت میں اختلاف ہے معتزلہ کے ہاں سحر کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ صرف وہم اور خیال وتصور ہے اور اس کے اثرات بھی اسی وہم کا ایک حصہ ہے، مگر جمہور اہل سنت کے ہاں سحر ایک نفس الامری حقیقت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے انسان پر مخصوص کیفیات واثرات طاری کئے جاسکتے ہیں۔

سحر وساحر کا حکم

سحر وساحر کے حکم میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ واحمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ساحر کافر ہے واجب القتل ہے اور جادو کا سیکھنا سکھانا بھی کفر ہے، حرام ہے۔

میرے استاذ حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمہ اللہ نے اس موقع پر ایک جامع کلام ارشاد فرمایا تھا، کہ جو سحر ضروریات دین کے انکار پر مبنی ہو وہ کفر ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور جس میں کلمات شرکیہ ہوں وہ شرک ہے اور اگر سحر منافی اعمال صالحہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر کوئی غلط عمل اس میں نہ ہو بلکہ اصلاح اور غرض صحیح کے لئے ہو مثلاً اصلاح بین الزوجین وغیرہ کے لئے ہو

یہ جادو مباح ہے (گویا یہ جادو مسلمان ہو گیا مگر دنیا میں ایسا صالح جادو کہاں ہے؟)۔

''التولی یوم الزحف''یعنی میدان جہاد سے بھاگنا یہ کبیرہ گناہ ہے، میدان سے بھاگنے میں ایک عزیمت ہے کہ مجاہد میدان سے بالکل نہ بھاگے کیونکہ اس موت میں زندگی پڑی ہوئی ہے جب یہ عقیدہ ہو کہ موت میں حیات ہے تو کون بھاگے گا۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے   شہید کا جو خون ہے وہ خون کی زکوٰۃ ہے

دوم رخصت ہے کہ دو سے زیادہ کافروں سے بوقت مقابلہ بھاگنا جائز ہے دو سے کم سے بھاگنا یا دو سے بھاگنا کبیرہ ہے۔

''وقذف المحصنات''گول پتھر اٹھا کر کسی کے سر پر دے مارنا یہ قذف ہے، پھر عفیفہ پاک دامن عورت پر تہمت باندھنے کے لئے استعمال ہونے لگا، یعنی پاک دامن، مسلمان اور آزاد شریف عورت پر تہمت لگانا کبیرہ میں سے ہے اگر عورت کافرہ ہے تو اس پر تہمت لگانا کبیرہ نہیں بلکہ صغیرہ ہے یہ کل سات مہلکات اور تباہ کن گناہ ہیں جن سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

شرک کی تعریف واقسام

مندرجہ بالا احادیث میں کئی بار شرک واشراک کا نام آیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شرک کی تعریف اور اس کی اقسام کا بیان ہو جائے چنانچہ شرک کی تعریف اس طرح ہے شرک واشراک کا لغوی معنی شریک کرنا ہے اور اصطلاح میں شرک اسکو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں کسی کو شریک کیا جائے مشرکین مکہ اور بت پرست لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو شریک بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات غیروں میں مانتے تھے جیسے غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارنا غیر اللہ کے سامنے سجدہ لگانا یا اس کو غیب دان سمجھنا یا عبادت میں اس کے لئے حصہ مقرر کرنا جس طرح آج کل بعض ناسمجھ بدعت پسند مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں۔ محققین علماء کرام اور مفسرین نے شرک کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ شرك فی العلم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت مثلاً علم غیب کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے۔

۲۔ شرك فی التصرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تدبیر عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے۔

۳۔ شرك فی الدعاء: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غائبانہ حاجات میں پکارا جائے۔

۴۔ شرك فی الفعل: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام نذر و نیاز دیا جائے، اور غیر اللہ کے لئے عبادات شرعیہ میں کوئی عبادت مختص کر لیا جائے اور کسی چیز کے حرام کرنے یا حلال کرنے کا درجہ ان کو دیا جائے۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ کے فوائد اور تفسیر میں شرک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

پہلے مسلمان اور کافر میں (رشتہ) ناتا جاری تھا اس آیت سے حرام ٹھہرا اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا (تو) اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔

شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں مانے، مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہتا ہے سو کر سکتا ہے ہمارا بھلایا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اسکو مختار جان کر۔ (تفسیر موضح القرآن، آیت ۲۲۱ سورت بقرہ)

توحید کی تعریف اور اس کی اقسام

میر سید سند شریف جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ اپنی کتاب تعریفات مطبع قدیمی ص ۵۱ پر توحید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔
توحید لغت میں کسی چیز پر واحد ہونے کا حکم لگانے کو کہتے ہیں اور محققین کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو ہر اس چیز سے پاک مانا جائے جو کسی انسان کے وہم وفہم اور ذہن وگمان کے احاطہ تصور میں آجائے۔ بابا سعدی اسی تناظر میں کہتے ہیں ؎

اے برتر از قیاس و گمانُ وھم و زہر چہ گفتہ اند وشنیدم و خواندہ یم
دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر ما ہمچناں در اول وصف تُو ماندہ یم

توحید کی حقیقت تین اشیاء پر مشتمل ہے۔
۱۔ اللہ تعالیٰ کو رب ہونے کی حیثیت سے پہچاننا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا۔
۳۔ تمام معبودان باطلہ کی نفی کرنا جیسے شاعر کہتا ہے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں توحید پر نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے کچھ حصہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ جتنی نیکیاں اور عبادات ہیں اس کی جڑ اور بنیاد توحید ہے اللہ کے سامنے عاجزی کا وصف توحید پر منحصر ہے توحید کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی عظمت پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو تمام عبادات کے لئے بمنزلہ دل قرار دیا ہے اگر توحید صحیح اور درست ہے تو تمام عبادات درست ہیں اور اگر توحید فاسد ہے تو تمام اعمال اور نیکیاں فاسد ہیں۔ شاہ صاحب نے مزید فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں۔
۱۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا دوسرا کسی کو واجب الوجود تسلیم نہ کرنا۔
۲۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک تسلیم کرنا دوسرا کسی کو نہیں۔ توحید کے ان دو مرتبوں کو تمام انسان مانتے ہیں بلکہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب نے بھی ان مرحلوں میں اختلاف نہیں کیا۔
۳۔ زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ ہیں اس کا مدبر اور چلانے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ کو سمجھنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوکوئی ہستی عبادت کا مستحق نہیں۔

یہ دونوں صفات ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں اور انسانوں نے انہی دوصفات میں اختلاف کیا ہے، توحید کے خلاف یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب کے سارے فرقے انہیں دوصفات کے مخالف ہیں۔

بہرحال ایک توحیدفی الربوبیت ہے اس میں گزشتہ زمانوں کے مشرکین نے زیادہ اختلاف نہیں کیا ہے اور آج کل کے مشرک لوگ بھی صاف الفاظ میں توحید فی الربوبیت کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ قدرت والا ہے۔ طاقت والا ہے، روزی دیتا ہے بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری توحید فی الألوهیّت ہے۔ اس میں گزشتہ زمانوں میں بھی اختلاف اور جھگڑے ہوئے ہیں اور آج کل بھی جھگڑے اسی میں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکل کُشا ہے کوئی اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا ہے کوئی اور نہیں، عبادت صرف اللہ کے لئے ہے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے، بہرحال بندہ نے اس بحث کو یہاں اس لئے چھیڑا ہے کہ زیر بحث احادیث میں شرک کا بار بار ذکر آیا ہے اور شرک کا مقابل توحید ہے تو دونوں کا بیان لکھدیا ہو سکتا ہے فائدہ ہو۔

۲۶۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ سَعْدِبْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْهِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَهَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ ؟ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَاالرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاهُ وَیَسُبُّ اُمَّهُ فَیَسُبُّ اُمَّهُ ۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! آدمی کسی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

۲۶۴۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِیْعًا عَنْ مُحَمَّدِبْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح: وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ كِلَاهُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهُ ۔

سعد بن ابراہیم سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت بھی منقول ہے۔

باب تحریم الکبر وبیانہ

تکبر کے حرام ہونے کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۶۵۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ جَمِيْعًاعَنْ يَحْيَى بْنِ حَمَّادٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنْ فُضَيْلٍ بْنِ عَمْرٍو الْفُقَيْمِيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا، ایک آدمی نے عرض کیا کہ: ایک شخص کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی صاحبِ جمال ہے اور خوبصورتی اور جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق بات کو رد کردینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔

تشریح

''الکبر'' جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ امام مسلم نے باب الکبائر سے باب الوسوسہ تک جتنے ابواب قائم کئے ہیں ان سب میں آپ نے کبائر کی تفصیل بیان کی ہے ہر ہر کبیرہ کے لئے الگ الگ باب اور عنوان قائم کیا ہے تو یہاں تکبر بھی انہی کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے تکبر انسان کی باطنی صفات رذیلہ اور اخلاق مذمومہ میں سے ایک مذموم صفت ہے جس کا تعلق دل کی بیماریوں سے ہے تکبر کی تعریف مفردات القرآن میں امام راغب نے یوں لکھا ہے:

الکبر ھوالحالۃ التی یتخصص بھاالانسان من اعجابہ بنفسہ وذلک ان یری نفسہ اکبرمن غیرہ واعظم ذالک ان یتکبر علی ربہ بان یمتنع عن قبول الحق ۔ (ص۴۳۸)

یعنی تکبر انسان کے اس باطنی کیفیت اور پندار اور بڑائی کا نام ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا متصور کرتا ہے اور سب سے غلیظ تکبر یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے بارے میں تکبر شروع کرے وہ اس طرح کہ اس کی اطاعت سے گردن کشی کر کے قبول حق سے اعراض کرلے۔ اس تعریف کے پیش نظر تکبر کفر کے قریب قریب چلا جاتا ہے اور زیر بحث حدیث میں جو تعریف ہے ''بطر الحق وغمط الناس'' یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق کو ٹھکرانا یہ تعریف بھی کفر کی سرحدوں کو چھورہی ہے لہٰذا

حدیث میں جو حکم لگا ہے کہ ذرہ برابر تکبر کسی کے دل میں ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ بات اب سمجھ میں آرہی ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے ''غمط'' یہ لفظ ضرب یضرب اور سمع یسمع سے غمطاً اور غمطاً مصدر ہے جو لوگوں کو حقیر جاننے کے معنی میں ہے ''بطر'' یہ نصر ینصر سے ہے ٹھکرانے کے معنی میں ہے۔

تکبر کے دو مقامات اور دو اطلاقات ہیں پہلا اطلاق اس طرح ہے کہ کسی میں ذاتی طور پر افعال حسنہ اور صفات محمودہ دوسروں سے زیادہ ہوں جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے کیونکہ وہ ان کا ذاتی استحقاق اور حق اور صفت ہے اس لئے یہ اطلاق محمود ہے اور اللہ تعالیٰ پر ''المتکبر'' کا اطلاق اسی اعتبار سے ہے یہ اطلاق ''الکبریاء ردائی'' میں ہوا ہے کہ بڑائی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذاتی صفت ہے۔ دوسرا اطلاق اس طرح ہے کہ ایک شخص تصنع اور بناوٹ سے اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کر کے دوسروں پر بڑائی جتلاتا ہے یہ اطلاق مذموم ہے عام لوگ اسی مکروہ تکبر میں مبتلا ہیں یہاں تکبر کا عمومی مفہوم یہی ہے جو گناہ کبیرہ کے درجہ میں ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایک اعجاب بنفسہٖ ہے اور ایک تکبر ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عُجب ایسے تکبر کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے طور پر اپنے آپ کو اندر اندر سے بڑا سمجھتا ہے دوسرے لوگوں سے اس کا تعلق نہیں ہوتا ہے لیکن تکبر اس بڑائی کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں پر بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے عمومی طور پر یہی تکبر معروف اور مشہور ہے۔ (فتح الملہم)

''ان اللہ جمیل'' ایک لفظ جمیل ہے اور ایک لفظ حسین ہے اللہ تعالیٰ پر جمیل کا اطلاق ہوا ہے اور حسین کا اطلاق نہیں ہوا ہے۔ علماء لغت کہتے ہیں کہ حُسن ظاہری اعضاء کے تناسب کا نام ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا ہے اور جمال باطنی صفات کی خوبی کا نام ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں کا مالک ہے یہاں یہی اطلاق ہوا ہے۔ اب یہاں ایک الگ بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کن اسماء کا اطلاق ہوسکتا ہے اور کن اسماء کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہے تو علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں جہاں شریعت نے اطلاق کیا ہے ہم اطلاق کریں گے اور جہاں شریعت کی طرف اطلاق نہیں ہوا ہے ہم نہیں کریں گے اور جہاں اسلام نے نہ منع کیا ہے نہ اجازت دی ہے وہاں ہم بھی خاموش رہیں گے اور کوئی فیصلہ نہیں کریں گے یہاں مزید ایک بات ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ صفات اور کمال مدح وجلال پر مشتمل کسی اچھے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہوگا جبکہ شریعت میں اس نام کا ذکر نہ ہو؟ تو اہل سنت والجماعۃ کے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ اس طرح جائز ہے مگر دوسرے طائفہ نے کہا ہے ک جب تک شریعت میں اس کا ذکر نہ ہوا ایسے نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر خبر واحد سے اس طرح ثابت ہو جائے تو قاضی عیاض کے کہنے کے مطابق راجح یہ ہے کہ اس کا اطلاق جائز ہوگا۔ (فتح الملہم نووی)

''لایدخل الجنۃ'' یعنی اگر ذرہ برابر تکبر بھی کسی کے دل میں ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

سوال

اب یہاں ایک سوال ہے کہ اتنا معمولی تکبر تو انسان میں ہوتا ہے پھر تکبر گناہ کبیرہ ہے اس کے مرتکب پر دخول جنت کی ممانعت کا حکم کیسے لگایا گیا ہے ؟

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس طرح تکبر کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے کیونکہ حق کو ٹھکرانا اور دبانا کفر ہے لہٰذا اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

دوسرا جواب

قاضی عیاضؒ نے دیا ہے کہ یہاں جنت میں دخول اوّلی کی نفی ہے سزا بھگتنے کے بعد یہ شخص جنت میں داخل ہوگا ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو معاف کردیا تو پھر یہ شخص ابتدا میں جنت جائیگا۔

''مثقال'' مقدار کے معنی میں ہے ''ذرۃ'' دھوپ جب کھڑکی کے اندر داخل ہوجائے اس میں چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آتے ہیں اسی کو ذرہ کہا گیا ہے نہایت قلیل چیز سے کنایہ ہے ''خردل'' رائی کے دانہ کو خردل کہتے ہیں یہ سرسوں کا بیج ہے اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

٢٦٦ ـ **حَدَّثَنَا** مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ قَالَ مِنْجَابٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ وَلَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءَ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا، جہنم میں نہیں جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر اور بڑائی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

٢٦٧ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنْ فُضَيْلٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی بڑائی ہوگی وہ جنت میں دخول سے محروم رہے گا۔

باب من مات لایشرک باللّٰہ شیئا دخل الجنة

جو شخص مر گیا اور اس نے کوئی شرک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۶۸۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ وَوَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ وَكِيْعٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ اَنَا وَمَنْ مَاتَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ابن نمیر کی روایت کے الفاظ ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہوا اور اسی حالت میں مر جائے تو جہنم میں داخل ہوگا اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں وفات پائے کہ شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح

"قال وکیع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

اس سند میں امام مسلمؒ نے زبردست احتیاط کی طرف اشارہ کیا ہے اور ایک گہرے عمیق علم کو ظاہر کیا ہے وہ اس طرح کہ اس سند میں شیخ وکیعؒ حضرت ابن مسعودؓ سے جب روایت کرتے ہیں تو حضرت ابن مسعود اس حدیث کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر روایت کرتے ہیں اور جب شیخ ابن نمیرؒ اس حدیث کو حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں تو حضرت ابن مسعودؓ قال کے بجائے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اب جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ سمعت سے روایت کرنا اتصال پر محمول ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن قال کے الفاظ سے نقل کرنا اگرچہ جمہور کے نزدیک اتصال پر محمول ہے مگر علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اس طرح نقل کرنے کو اتصال پر حمل نہیں کیا جا سکتا جب تک مضبوط دلیل نہ ہو، اس طرح ان کے نزدیک یہ روایت مرسل صحابی بن گئی اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اور اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام مسلمؒ نے واضح کر دیا کہ وکیع اس طرح کہتا ہے اور ابن نمیر اس طرح کہتا ہے۔

"ماالموجبتان" یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں ایک جملہ اس طرح آیا ہے "ای مالخصلتان الموجبتان"۔

"وقلت انا" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ دونوں جملے مرفوع ثابت ہیں اور یہ دونوں جملے مرفوع حدیث کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لیکن حضرت ابن مسعودؓ کو ایک جملہ آنحضرت سے سننے کا یقین تھا تو اس کو مرفوع نقل

کر دیا مگر دوسرے جملے میں ان کو وھم تھا ایک زمانہ میں نقل کرنے کے بعد دوسرے زمانہ میں ذہن میں نہیں آرہا تو نہایت احتیاط سے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے اپنی طرف منسوب کر دیا کہ حضرت نے شرک کرنے والے کے لئے آگ واجب قرار دی اور میں شرک نہ کرنے والے کے لئے جنت واجب ہونے کا کہتا ہوں۔

۲۶۹۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاَبُوكُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَالْمُوجِبَتَانِ ؟ فَقَالَ مَنْ مَاتَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! دو واجب کرنے والی باتیں کونسی ہیں؟ فرمایا: جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو شرک کرتا ہوا موت سے جاملا وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

۲۷۰۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اَبُوْاَيُّوْبَ الْغَيْلَانِیُّ سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالْمَلِكِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ حَدَّثَنَا جَابِرُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَايُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَهٗ يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ ۔ قَالَ اَبُوْاَيُّوْبَ قَالَ اَبُوالزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ سے اس حالت میں ملا کہ شریک نہیں بناتا تھا اللہ کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوا اور جو اس سے اس کے ساتھ شریک بناتا ہوا ملا وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

۲۷۱۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمِثْلِهٖ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

۲۷۲۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْاَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاذَرٍّ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِیْ اَنَّهٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِكَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے بشارت دی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ شرک نہیں کرتا

تھا اللہ کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگر وہ زنا کاری کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ وہ زنا کاری کرتا ہو یا چوری کرتا ہو۔

۲۷۳۔ **حَدَّثَنِی** زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ وَاَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنُ عَبْدِالْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنِی حُسَیْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ اَنَّ یَحْیَی بْنَ یَعْمَرَ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَاالْاَسْوَد الدَّیْلِیَّ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَاذَرٍّ حَدَّثَهُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَنَائِمٌ عَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ ثُمَّ اَتَیْتُهُ فَاِذَاهُوَنَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهُ وَقَدْ اِسْتَیْقَظَ فَجَلَسْتُ اِلَیْهِ فَقَالَ مَامِنْ عَبْدٍقَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَی ذٰلِكَ اِلَّادَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ؟ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ فِی الرَّابِعَةِ عَلَی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ فَخَرَجَ اَبُوْذَرٍّ وَهُوَیَقُوْلُ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، جسم مبارک پر سفید کپڑا تھا میں پھر آیا تو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے دوبارہ آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ نے بھی لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی پر قائم رہتے ہوئے مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اگر وہ زنا کاری یا چوری بھی کرتا ہو؟ فرمایا کہ اگر چہ زنا اور چوری کرے۔ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور چوتھی مرتبہ فرمایا کہ خواہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے تو یہی جملہ کہتے ہوئے کہ ''وان رغم انف ابی ذر'' ابوذر کی مرضی کے خلاف۔

تشریح

''ابو الاسود الدیلی'' راجح قول کے مطابق ابوالاسود کا نام ظالم بن عمرو ہے۔ حضرت علیؓ کے خصوصی ساتھیوں میں سے تھے آپ نے ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا ابوالاسود نے حضرت علی کے حکم پر علم نحو کے قواعد وضع کیے تھے الدیلی ان کی نسبت ہے جو ان کے قبیلہ کی طرف ہے قبیلہ کا نام دوئل تھا تو الدؤلی بھی ہے اور الدیلی بھی ہے۔

''علیہ ثوب ابیض'' محبوب کی ادا سے لطف اٹھانا کوئی پوشیدہ بات نہیں حضرت ابوذرؓ آنحضرت کی کیفیات اور ھیئات سے یہی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، دوسرا فائدہ یہ حاصل کیا کہ اپنی روایت کو قابل اعتماد بنانے کی غرض سے کیفیات کا تذکرہ کیا کہ میں ہوش وحواس اور ارد گرد کی کیفیات کو جانتے بوجھتے بیان کر رہا ہوں کوئی اٹکل یا اندازے والی بات نہیں ہے۔

''قلت ان زنی وان سرق'' حضرت ابوذر غفاریؓ معاصی سے نفرت وکراہت رکھنے میں مشہور تھے اس لئے آپ نے واضح الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کیا پھر کمال یہ کیا کہ وان زنی وان سرق ایسا جامع جملہ بولا کہ جس میں شریعت کے تمام احکام آگئے، کیونکہ

وان زنی میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے اور وان سرق میں حقوق العباد کا تذکرہ ہے تو یہ دو کلمے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے جامع ہیں جو پوری شریعت پر محیط ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے جتنی تاکید سے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اتنے بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے انسان جنت میں کیسے جائیگا اتنی ہی تاکید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو مسترد کیا بلکہ ان کے تعجب ونفرت وکراہت کی کیفیت پر بطور نکیر محبت بھرا جملہ ارشاد فرمایا کہ ''وان رغم انف ابی ذر'' رغام مٹی کو کہتے ہیں جب ناک مٹی میں مل جاتی ہے تو آدمی کمال درجہ کی رسوائی اٹھا کر کراہت محسوس کرتا ہے۔ آنحضرت کا مقصد یہ ہے کہ تم خوش ہو یا ناخوش ہو کلمہ پڑھنے والا آدمی ان تمام گناہوں کے باوجود جنت جائے گا ان احادیث میں نہایت واضح طور پر معتزلہ وخوارج اور دیگر اہل باطل پر رد ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلدفی النار کہتے ہیں اہل سنت کے لئے یہ حدیثیں بھرپور دلائل ہیں کہ اگر یہ زانی وسارق توبہ کریں اور معاف ہو جائیں تو دخول اوّلی کے ساتھ داخل ہونگے ورنہ سزا کے بعد جنت میں داخل ہونگے مخلد فی النار نہیں ہونگے۔

''فخرج ابو ذر'' حضرت ابوذر غفاریؓ نے آنحضرت کے اس جملہ کو اپنے لئے اعزاز تصور کیا اور بطور اعزاز اس کو ذکر فرماتے رہے کسی نے اسی موقع کے لئے کہا ہے۔

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔۔۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل وشکر خارا

ترجمہ: آپ نے مجھے ٹوک کر برا کہدیا، اللہ تجھے معاف کرے آپ نے اچھا کہدیا کیونکہ خوبصورت اور شریں ہونٹوں سے تلخ جواب اچھا لگتا ہے۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخِ گلاب پر غنچہ ۔۔۔ جوبات بھی نہ کرے باکمال لگتا ہے

باب تحریم قتل الکافر بعدقوله لااله الاالله

کلمہ پڑھنے کے بعد کافر کو قتل کرنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۷۴۔**حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ وَاللَّفْظُ مُتَقَارِبٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِيْ فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَا ذَمِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَفَاَقْتُلُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهُ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ۔

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں اگر میری کافروں

میں سے کسی سے مڈبھیڑ ہوجائے اور وہ مجھ سے لڑائی کرے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے اور پھر وہ مجھ سے بچ کر درخت کی آڑلے لے اور کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہوگیا تو کیا میں اسے قتل کرسکتا ہوں جب کہ وہ اسلام کا قول کر چکا ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور ہاتھ کاٹنے کے بعد اسلام کا کلمہ کہنے لگا کیا میں اسے قتل کرسکتا ہوں؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسے مت قتل کرو۔ اگر تم نے اسے قتل کردیا تو وہ تمہارے اس مقام پر ہوگا جس پر تم اسے قتل کرنے سے پہلے ہو اور تم اس کے اس مقام پر ہوجاؤ گے جس پر وہ اسلام کا کلمہ کہنے سے پہلے تھا۔

تشریح

''ارأیت'' یہ ایک فرضی مسئلہ سے متعلق سوال ہے جو ابھی واقع نہیں ہوا ہے اس کو''مسائل النوازل'' کہتے ہیں جمہور کے نزدیک ایسے مسائل فرضیہ سے متعلق سوال کرنا جائز بلا کراہت ہے مگر بعض علماء نے اس طرح سوال کو مکروہ کہا ہے ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

''ثم لاذمنی ''یعنی مجھے مارنے میں بھرپور کوشش کی مگر جب ناکام ہوا تو ایک درخت کی پناہ لیکر ایمان کا اعلان کیا لاذیلوذ نصر سے پناہ پکڑنے کے معنی میں ہے۔''فان قتلته ''یعنی کلمہ پڑھنے کے بعد اگر تم نے اس کو قتل کردیا تو وہ اس طرح بے گناہ ہوگا جس طرح تم اس کے قتل کرنے سے پہلے سے بے گناہ تھے اب اگر تم نے اس کو کلمہ کے بعد قتل کردیا تو تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے جس مقام پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے کھڑا تھا یعنی کفر پر تھا اور تم اس کی جگہ پر کھڑے ہوجاؤ گے کیونکہ تم نے ایک بے گناہ کو قتل کردیا تو یہ اگرچہ کفر مخرج عن الملت نہیں ہے لیکن کفر دون کفر تو ہے۔''فلمااھویت'' جھکنے کے معنی میں ہے یعنی جب مارنے کے لئے جھکا اور تلوار جھکالی تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا، پہلی روایت میں ''اسلمت'' کا لفظ ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا دونوں کا مطلب ایک ہے۔

۲۷۵۔ **وَحَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَامَعْمَرٌ ح:وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْاَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ اَمَّاالْاَوْزَاعِيُّ وَابْنُ جُرَيْجٍ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ كَمَاقَالَ اللَّيْثُ فِي حَدِيثِهِ وَاَمَّامَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے۔ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا اور معمر کی روایت میں ہے کہ جب میں اس کے قتل کے لئے جھکوں تو وہ لا الہ الا اللہ کہے۔

۲۷۶۔**وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَاابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيُّ اَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَخْبَرَهُ اَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرٍو ابْنَ الْاَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ

وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ؟ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ ۔

حضرت مقداد بن الاسود کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ بنی زہرہ کے حلیف تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ یارسول اللہ! آپ کا کیا حکم ہے اگر میں کفار کے کسی آدمی سے ملوں۔ آگے سابقہ روایت کی طرح بیان فرمایا۔

تشریح

''ان المقداد بن عمرو ابن الاسود'' حضرت مقداد اسلام کے بڑے جرنیلوں میں سے تھے آپ نے قبیلہ کندہ سے حلف محالفہ کیا تھا اس لئے کندی کہلاتے ہیں اسود نامی شخص نے حضرت مقداد کی پرورش کی تھی اور متبنّٰی بنایا تھا اس لئے ابن الاسود کہلاتے ہیں آپ چھٹے مسلمان ہیں ۳۳ھ میں ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ کے قریب مقام جرف میں آپ کا انتقال ہوا اور بقیع میں دفن کیا گیا یہاں ابن الاسود میں ہمزہ کے برقرار رکھنے نہ رکھنے کا ضابطہ اس طرح ہے کہ جب دو اسمین متناسلین کے درمیان ابن واقع ہوجائے تو اس سے الف کو گرایا جاتا ہے یہ ہمزہ نہ پڑھنے میں باقی رہتا ہے اور نہ لکھنے میں باقی رہتا ہے لیکن اس کی ایک شرط تو یہی ہے کہ اسمین متناسلین کے درمیان ہو متناسلین کا مطلب یہ ہے کہ ایک باپ ہو ایک بیٹا ہو دونوں کی نسل ایک ہو اور ابن کا لفظ ماقبل کے لئے صفت اور مابعد کے لئے مضاف بن رہا ہو جیسے یہاں مقداد بن عمرو میں ہے یا محمد بن اسماعیل میں ہے اگر دو اسمین متناسلین نہ ہوں تو الف لکھا جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا جیسے یہاں مقداد بن عمرو ابن الاسود ہے۔ چونکہ اسود باپ نہیں ہے تو اسمین متناسلین نہیں ہوئے ''حلیف البنی زهره'' کا مطلب وہی ہے کہ حضرت مقداد اسود کے حلیف تھے اور متبنّٰی بھی تھے ان کا قبیلہ کندہ ہے۔ اگر ابن علمین متناسلین کے درمیان واقع ہو لیکن ماقبل کے لئے صفت نہیں بن رہا ہو بلکہ اس کے لئے خبر ہو تو وہاں پر الف لکھا جائیگا جیسے زید ابن عمرو یعنی زید عمرو کا بیٹا ہے۔ اگر لفظ ابن علمین متناسلین کے درمیان واقع ہو دیگر شرائط بھی پوری ہوں مگر لفظ ابن سطر کے شروع میں آرہا ہو تو وہاں بھی الف لکھا جائے گا۔ ''شهد بدراً'' یہ حضرت مقداد کی دوسری صفت ہے کہ آپ شان والے صحابی ہیں جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت مقداد کا نام تین طرح استعمال میں آتا ہے کبھی مقداد بن عمرو آتا ہے یہ باپ کی طرف نسبت ہے کبھی مقداد بن الاسود آتا ہے یہ متبنّٰی ہونے کی نسبت ہے اور کبھی مقداد بن عمرو ابن الاسود آتا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں آیا ہے کہ باپ اور متبنّٰی دونوں کی نسبت موجود ہے۔

۲۷۷۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوْبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوْخَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْكُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَهٰذَا حَدِيْثُ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرُقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّيْ اَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ قَالَ فَقَالَ سَعْدٌ وَاَنَاوَاللّٰهِ! لَا اَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتّٰى يَقْتُلَهُ ذُوالْبُطَيْنِ يَعْنِيْ اُسَامَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾(الانفال:۳۹)فَقَالَ سَعْدٌ قَدْقَاتَلْنَاحَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَاَنْتَ وَاَصْحَابُكَ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْاحَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔صبح حرقات کے مقام پر قبیلہ جھینہ والوں سے ہماری جنگ ہوئی۔ایک شخص کو میں نے جالیا کہ اس نے کہالا الہ الا اللہ میں نے اسے نیزہ مارا سواس سے میرے دل میں خلجان پیدا ہوا لہٰذا اس واقعہ کا تذکرہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیااس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیایارسول اللہ!اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تم جان لیتے کہ یہ کلمہ اس نے کہا تھا یا نہیں؟ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اسی بات کو مجھ سے دھراتے رہے یہاں تک کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ میں اسی روز مسلمان ہوا ہوتا۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ میں خدا کی قسم!کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا اس وقت تک جب تک کہ ذوالبطین یعنی اسامہ اسے قتل نہ کرے۔ایک آدمی نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟تم ان کفار سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ کے لئے ہوجائے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک ہم نے اسی لئے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوگیا البتہ تو اور تیرے ساتھی چاہتے ہیں کہ فتنہ باقی رکھنے کے لئے قتال کریں۔

تشریح

''بعثنا'' کسی کے مقابلہ پر چھاپہ مار دستہ بھیجنے کے لئے بعث کا لفظ بولا جاتا ہے۔''فی سریۃ'' اس کی جمع سرایا ہے اس فوجی دستہ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرتؐ تشریف نہ لے گئے ہوں اگر آپ موجود ہوں تو وہ غزوہ کہلاتا ہے سریہ ایک سو سے لیکر پانچ سو افراد پر مشتمل ہوتا ہے اگر اس سے زیادہ ہوجائیں تو وہ مِنسر کہلاتا ہے اگر یہ افراد آٹھ سو ہوجائیں تو اس کو جیش کہتے ہیں اگر چار ہزار سے افراد زیادہ ہوگئے تو اس کو جیش جرار کہتے ہیں۔ (فتح الملہم)

اگر سریہ کے افراد منتشر ہو کر بٹ جائیں تو اس کو بعث کہتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔''فصبحنا'' فوجی کاروائی کے لئے صبح کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور فوجی کارروائی اکثر وبیشتر صبح کے وقت ہوتی جیسے ایت میں ہے﴿فساء صباح المنذرین﴾

اور ﴿یاصباحا واصباحا﴾ کی فریاد اسی مصیبت کے وقت ہوتی ہے۔''الحرقات'' یہ حرقة کی طرف منسوب ہے، حرقہ ایک آدمی کا لقب ہے جس کا نام جھیش بن عامر تھا اس نے ایک قوم کو آگ میں اتنا جلایا کہ اس کا لقب ''الحرقہ'' پڑ گیا جھینہ اس شخص کے قبیلے کا نام ہے اور حرقات علاقے کا نام ہے۔''رجلا'' اس شخص کے ساتھ کافی لمبی لڑائی ہوگئی تھی تفصیلی روایات میں ہے کہ حضرت اسامہ اور یہ شخص جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے یہاں تک کہ تلواروں کی زد میں جھاڑیاں آگئیں جب اس شخص نے دیکھا کہ اب موت سر پر منڈلا رہی ہے تو اس نے کلمہ پڑھا مگر حضرت اسامہ نے ان کو مہلت نہ دی آپ کا خیال تھا کہ یہ شخص اسلام کی وجہ سے کلمہ نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ جان بچانے کی وجہ سے زبانی طور پر پڑھ رہا ہے۔''افلاشققت عن قلبه'' یعنی اسلام کے معلوم کرنے کے لئے کوئی پوشیدہ پیمانہ تو نہیں ہے صرف ظاہری زبانی اقرار کو قبول کرنا ہوگا اگر ظاہری طور پر اسلام قبول نہیں ہے تو پھر دل کو چیر کر اندر جھانک کر دیکھ لو کہ ایمان ہے یا نہیں ہے اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر ظاہری طور پر اقرار کو جان کی حفاظت کے لئے کافی سمجھنا ہوگا۔

سوال

یہاں ایک سوال ہے جو آج کل کے احوال کے تناظر میں گردش کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ مجاہدین ایسے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں یہ اعتراض اس حدیث کے پیش نظر کیا جاتا ہے جو یہاں مذکور ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ افغانستان کے مجاہدین جن غیر ملکی افواج یا مقامی اتحادی قوتوں کے مقابلہ میں لڑ رہے ہیں اس کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم دونوں میں جو اصلی فرق ہے اس فرق کو پہچان لیں وہ اس طرح کہ حضرت اسامہؓ کے مقابلہ میں جو شخص تھا وہ کافروں کے ساتھ کھڑا تھا اور لڑ رہا تھا سب کچھ کر رہا تھا لیکن پھر ان سے علیحدہ ہوگیا اور ہتھیار ڈال دیئے اور لڑائی روک دی کلمہ پڑھنے لگا تو اس کا اسلام معتبر سمجھا گیا، اس کے برعکس یہاں افغانستان میں ایک شخص کلمہ گو ہے اور کافروں کے ساتھ مل چکا ہے کلمہ بھی پڑھتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے مگر اسلام کے قانون کی بالادستی کا سخت مخالف ہے اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ نہیں ہونے دیتا ہے خود بھی اس پر لڑتا ہے اور اس کی پشت پر روس یا امریکہ یا انڈیا کا کافرانہ نظام کھڑا ہے اب یہ شخص کافروں کے نظام کے بالادستی کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے مجاہدین سے کہتا ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو اور ہمارے ساتھ آکر شامل ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں ہمارے خلاف لڑنا جائز نہیں ہے ہم تو کلمہ پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، اس منافقت کے ساتھ وہ دنیا کو دھوکہ دیتا ہے کہ مجاہدین مسلمانوں کو مارتے ہیں بے خبر غافل مسلمان اس پروپیگنڈہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جہاد نہیں ہے کیونکہ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں حالانکہ آج بھی جو شخص کلمہ پڑھ کر کفار کی صف سے علیحدہ ہو کر ہتھیار رکھدے اس کو مارنا کسی کے ہاں جائز نہیں بلکہ مجاہدین تو اس کو گلے لگاتے ہیں۔

''ای اسلمت یومئذ ''یعنی مجھے افسوس ہوا کہ اگر آج مسلمان ہوجاتا تو یہ بڑا گناہ اسلام سے معاف ہوجاتا اور اسلام کی حالت میں اتنا بڑا گناہ نہ کرتا حضرت اسامہؓ نے پھر قسم کھالی کہ میں مسلمانوں کے آپس کی جنگوں میں حصہ نہیں لوں گا۔

''فقال سعدؓ'' یہ ایک حدیث کے مضمون کے اندر دوسری حدیث کا مضمون داخل ہوگیا ہے جس کا تعلق مسلمانوں کے آپس کی جنگوں سے ہے حضرت سعد بن ابی وقاص ان جنگوں سے اسی طرح لاتعلق ہوچکے تھے جس طرح حضرت اسامہ نے لاتعلق ہونے کی قسم کھائی تھی حضرت سعد اسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جب تک اسامہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے میں بھی حصہ نہیں لوں گا۔''ذوالبطین ''اس سے آپ نے حضرت اسامہ مراد لیا ہے ان کا پیٹ کچھ بڑھ گیا تھا اس لئے تصغیر استعمال کرکے فرمایا کہ جب تک ''خیٹڑیں ''کسی جنگ میں حصہ نہیں لے گا میں نہیں لونگا۔

آپس کی جنگوں میں صحابہ کی دوطرح کی تقسیم تھی ایک اس طرح کہ کچھ صحابہ حضرت علی کے ساتھ ہوگئے یہ ایک قسم تھی دوسری قسم ان صحابہ کی تھی جو حضرت معاویہ کے ساتھ ہوگئے اور تیسری قسم ان صحابہ کی تھی جو دونوں سے علیحدہ ہوکر غیر جانب دار بن گئے حضرت سعد بن ابی وقاص اسی تیسری قسم میں تھے۔دوسری تقسیم مشاجرات صحابہ کا ہے اس میں ایک قسم صحابہ وہ تھے جنہوں نے حق کا ساتھ دیا، دوسری قسم وہ تھے جنہوں نے گھروں میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا تلواریں توڑ دیں اور الگ رہے۔تیسری قسم وہ تھے کہ صرف دفاع پر عمل کیا کہ جب فتنہ دروازہ پر پہنچا تو دفاع کیا ورنہ نہیں،تینوں کے لئے احادیث میں استدلال کا موقع تھا اس لئے تقسیم ہوگئے ۔بہر حال مشاجرات صحابہ میں خاموشی سب سے بہتر موقف ہے کہ ہم اپنی زبانوں کو لگام دیں اور خاموش رہیں۔''قال رجل'' یعنی ایک آدمی نے حضرت سعدؓ پر اشکال کیا کہ قرآن میں تو یہ صریح حکم ہے کہ فتنہ کے خاتمے تک لڑا کرو،اس پر حضرت سعد نے کہا کہ ہم نے کفار کے مقابلے میں لڑائی لڑکر فتنہ کو ختم کردیا اب تم لوگ لڑکر فتنہ لارہے ہو۔بہرحال حضرت سعدؓ نے اپنے الگ رہنے کے موقف کو واضح کردیا جمہور صحابہ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جب حق واضح ہو تو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔

۲۷۸۔**حَدَّثَنَا** يَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ اَخبرَنَا حُصَيْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوظَبْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ يُحَدِّثُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ وَلَحِقْتُ اَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ عَنْهُ الْاَنْصَارِيُّ وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي يَا اُسَامَةُ ! اَقَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ؟ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا قَالَ فَقَالَ اَقَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ؟ قَالَ فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ اَنِّي لَمْ اَكُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ ۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ کے مقام پر قبیلہ جھینہ کی

طرف بھیجا۔ہم نے ان پر صبح کے وقت حملہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک انصاری صحابی نے ان میں سے ایک شخص کو جا پکڑا۔جب ہم نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تو وہ کہہ اٹھا لا الہ الا اللہ، یہ سن کر انصاری نے تو ہاتھ روک لیا اور میں نے اسے اپنے نیزہ سے مار کر قتل کر دیا۔جب ہم واپس آئے تو اس کی اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بلاشبہ وہ تو پناہ پکڑنے کے لئے اس نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا؟ پھر آپ مسلسل اسی بات کو دہراتے رہے۔یہاں تک کہ میرے دل میں یہ تمنا ہونے لگی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔

۲۷۹۔**حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ خِرَاشٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یُحَدِّثُ اَنَّ خَالِدًا الْاَثْبَجَ ابْنَ اَخِیْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ حَدَّثَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ اَنَّهٗ حَدَّثَ اَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِیَّ بَعَثَ اِلٰی عَسْعَسِ بْنِ سُلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَیْرِ فَقَالَ اجْمَعْ لِیْ نَفَرًا مِنْ اِخْوَانِكَ حَتّٰی اُحَدِّثَهُمْ فَبَعَثَ رَسُوْلًا اِلَیْهِمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَ جُنْدَبٌ وَعَلَیْهِ بُرْنُسٌ اَصْفَرُ فَقَالَ تَحَدَّثُوْا بِمَا كُنْتُمْ تُحَدِّثُوْنَ بِهٖ حَتّٰی دَارَ الْحَدِیْثُ فَلَمَّا دَارَ الْحَدِیْثُ اِلَیْهِ حَسَرَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ اَتَیْتُكُمْ وَلَا اُرِیْدُ اَنْ اُخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِیِّكُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَاِنَّهُمُ الْتَقَوْا فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِذَا شَاءَ اَنْ یَقْصِدَ اِلٰی رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ قَصَدَ لَهٗ فَقَتَلَهٗ وَاِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ قَصَدَ غَفْلَتَهٗ قَالَ وَكُنَّا نُحَدِّثُ اَنَّهٗ اُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ فَلَمَّا رَفَعَ عَلَیْهِ السَّیْفَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهٗ فَجَاءَ الْبَشِیْرُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ حَتّٰی اَخْبَرَهٗ خَبَرَ الرَّجُلِ كَیْفَ صَنَعَ فَدَعَاهُ فَسَأَلَهٗ فَقَالَ لِمَ قَتَلْتَهٗ؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْجَعَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ وَقَتَلَ فُلَانًا وَفُلَانًا وَسَمّٰی لَهٗ نَفَرًا وَاِنِّیْ حَمَلْتُ عَلَیْهِ فَلَمَّا رَاَی السَّیْفَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقَتَلْتَهٗ؟ قَالَ نَعَمْ! قَالَ فَكَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْ لِیْ قَالَ وَكَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالَ فَجَعَلَ لَا یَزِیْدُهٗ عَلٰی اَنْ یَقُوْلَ كَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟

حضرت صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ حضرت جندب بن عبداللہ البجلی نے عسعس بن سلامہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں کہلوایا کہ لوگوں کو جمع کروا اپنے بھائی بندوں میں سے تاکہ ان سے کچھ گفتگو کروں۔عسعس نے لوگوں کو بلا بھیجا۔جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت جندب رضی اللہ عنہ تشریف لائے زرد رنگ کی

ٹوپی اوڑھے ہوئے اور لوگو سے کہا کہ تم اپنے گفتگو میں لگے رہو جو باتیں تم کرر ہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہوا۔ جب روئے سخن جندب رضی اللہ عنہ کی طرف ہوا تو انہوں نے بُرنس اتاردی اپنے سر سے اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ تمہیں تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتلاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مشرکین کی ایک قوم کی طرف مسلمانوں کا لشکر روانہ فرمایا: دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ مشرکین میں سے ایک شخص جب چاہتا کسی مسلمان کو تاک کر حملہ کرتا اور اسے قتل کر ڈالتا آخر کار ایک مسلمان نے اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اسے تاک لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم آپس میں بات کرتے تھے کہ وہ مسلمان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انہوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد خوشخبری لے کر ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سب حال احوال دریافت فرمایا تو انہوں نے سب بتلا دیا اور ان صاحب کی بات بھی بتلا دی کہ انہوں نے کیا کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ فرمایا کہ یارسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو بہت اذیت پہنچائی اور فلاں فلاں مسلمان کو قتل کر دیا پوری جماعت کا نام لے کر بتلایا۔ میں نے اس پر تلوار اٹھائی۔ جب اس نے تلوار دیکھی تو کہا کہ لا الہ الا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ فرمایا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم اس لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے جب وہ قیامت کے روز اس کلمہ کے ساتھ آئے گا؟ وہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! میرے لئے استغفار کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیا جواب دو گے اس کے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ آئے گا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا اور یہی فرماتے رہے کہ جب وہ روزِ قیامت لا الہ الا اللہ کے ساتھ آئے گا تو تم کیا کرو گے؟۔

تشریح

''فتنۃ ابن الزبیر'' عبداللہ بن زبیر کے خلاف یزید نے جو کاروائی کی تھی یہ اس کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے یزید کو اچھا جان کر اپنا ولی عہد مقرر کیا تو آپ نے اہل مدینہ کو بیعت کا پیغام بھیجا اہل مدینہ اس سے پہلے جنگوں کے مصائب اٹھا چکے تھے اس لئے سب نے ولی عہد کی بیعت کر لی مگر چار آدمیوں نے انکار کیا ایک حضرت حسین تھے دوسرے محمد بن ابی بکر تھے تیسرے عبداللہ بن زبیرؓ تھے اور چوتھے عبداللہ بن عمرؓ تھے، حضرت معاویہ کو جب ان چار کے انکار کا پتہ چلا تو آپ نے یزید کو بلا کر اس طرح وصیت کی۔ دیکھو حسین بن علی نواسہ رسول ہے ان سے نہایت نرمی کرو اور محمد بن ابی بکر کو پیسے دیکر خاموش کراؤ اور ابن عمر صوفی آدمی ہیں وہ مقابلہ نہیں کریگا۔ البتہ عبداللہ بن زبیر ایک چالاک آدمی ہے ان کا خوب مقابلہ کرو،

چنانچہ محمد بن ابی بکر تو مر گئے اور ابن عمر کنارہ کش ہو گئے حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر مکہ کی طرف چلے گئے عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں پناہ لے لی اور حضرت حسین کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور کربلا کا واقعہ پیش آ گیا کربلا کے واقعہ کے بعد اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا یزید نے اہل مدینہ پر شامی لشکر کے ذریعہ سے حملہ کیا مدینہ میں عمرو بن سعید جس کا ایک لقب اشدق تھا دوسرا لقب لطیم الشیطان تھا اس نے مدینہ میں لوٹ مار کی کیونکہ ان لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا عمرو بن سعید نے مکہ کی طرف بھی فوجوں کو روانہ کر دیا جس پر ابوشریح صحابی نے ان کو بہت مؤثر انداز سے نصیحت فرمائی اسی فتنہ کے زمانہ میں حضرت جندبؓ نے عسعس بن سلامہ کے نام پیغام بھیجا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کرا دو میں آتا ہوں اور ان سے اصلاح کی بات کرتا ہوں عسعس بن سلامہ چونکہ جنگی قائد تھے اس لئے انہوں نے سب کو اکٹھا کیا تو حضرت جندب نے آ کر پہلے ان سے کہا کہ تم اپنی گفتگو جاری رکھو، چنانچہ بات کی نوبت جب ان تک پہنچی تو آپ نے سر سے ٹوپی ہٹا کر تسلی سے حضرت اسامہ بن زید کا قصہ سنا دیا اور خونِ مسلم کے گرانے کی شدت کو بیان کیا۔

''حسر البرنس'' حسر سر سے ٹوپی ہٹانے کو کہتے ہیں برنس اس ٹوپی کو کہتے ہیں جو جبہ یا قمیص یا کوٹ کے ساتھ لگی ہوئی ہو سمندر میں کام کرنے والے مزدوروں کی ٹوپی اسی طرح ہوتی ہے۔ ''ولا ارید'' یہاں پر سوال ہے کہ حضرت جندب نے پہلے وعدہ کیا کہ میں حدیث سنانے آ رہا ہوں اور اب فرما رہے ہیں کہ میں کوئی حدیث نہیں سناؤں گا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں ''لا'' کا کلمہ زائد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابی نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے نہیں آیا تھا کہ تمہیں حدیث سناؤں بلکہ میں نے چاہا کہ تمہیں اپنی طرف سے وعظ کہہ دوں لیکن یہاں پہنچ کر اب میرا ارادہ بن گیا ہے کہ میں تمہیں آنحضرت کی حدیث سنا دوں چنانچہ سنا دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے بعض شارحین نے متن کی عبارت اس طرح نقل کی ہے ''انی اتیتکم ولا ارید الا ان اخبرکم'' یعنی میں تمہارا پاس آیا ہوں میرا کوئی دوسرا ارادہ نہیں سوائے اس حدیث کو سنانے کے اب حدیث سنو، اگر اس طرح عبارت مل جائے تو یہ بہت اچھا جواب ہے۔ بعض شارحین نے ''لا'' کے لفظ کو زائد مانا ہے جس طرح پہلے لکھا گیا ہے۔ ''فلما رجع'' یہ رفع کے معنی میں ہے یعنی جب اسامہ نے تلوار سونت کر اٹھالی تا کہ اس شخص کو قتل کر دے۔ ''فجاء بشیر'' جنگ میں فتح کی صورت میں ایک گروپ مقرر ہوتا تھا وہ آ کر بشارت دیا کرتا تھا اسی کو بشیر کہا گیا۔ ''استغفر لی'' حضرت اسامہ نے آنحضرت سے استغفار کی درخواست کی مگر آنحضرت نے کوئی توجہ نہ دی اور وہی الفاظ دہراتے رہے کہ قیامت میں اس کلمہ کے ساتھ کیا کرو گے جب یہ تیرے خلاف آئے گا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ سے قصاص یا دیت نہیں لی کیونکہ قصاص قتل عمد میں ہوتا ہے آپ کو اجتہادی غلطی ہوئی تھی اسی طرح دیت قتل خطاء میں ہوتی ہے، اسامہ قتل خطاء کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ خطاء اجتہادی کے مرتکب تھے جس میں دیت نہیں آتی، علامہ ابن رشد نے اس قصہ میں یہی فرمایا ہے۔

بہر حال آنحضرت نے شدت سے تنبیہ فرمائی مگر جنگوں میں ایسا ہو جاتا ہے جس میں مجاہدین بعض دفعہ مجبور ہو جاتے ہیں اس لئے

عمومی طور پر ایسے موقعوں پر قصاص یا دیت کی سزا نہیں ہوتی ہے آنخضرت نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ جس نے ہم پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۸۰۔**وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہم پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح

''فلیس منا'' یہ لفظ مختلف احادیث میں آیا ہے یہاں بھی اس باب میں تین مرتبہ آیا ہے اس کے بعد والے باب میں دو دفعہ آیا ہے پھر اس کے بعد والے باب میں دو دفعہ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کا مرتکب ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

سوال

اہل سنت والجماعۃ کا معروف ومشہور مسلک یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے معتزلہ کا مسلک ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام ہے یہ الفاظ بظاہر معتزلہ وخوارج کے دلائل ہیں اس کا کیا جواب ہے۔

جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اگر حلال سمجھ کر یہ گناہ کرے تو کافر ہوگیا اور اگر گناہ کا کام سمجھ کر کرلے تو گناہ کبیرہ ہوگا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنخضرت کا یہ کلام علی اسلوب الحکیم ہے تا کہ ایک مسلمان کو اس گناہ سے باز رکھے تو آپ نے ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا اس کا ہم سے اور ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اس کلام کو جب ایک وفادار مسلمان سنے گا تو چیخے گا چلائے گا اور اس گناہ کو چھوڑ کر گناہ کے قریب بھی نہیں جائے گا اور یہی مقصود کلام ہے اور اسی کو اسلوب حکیم کہتے ہیں گویا یہ ضابطہ نہیں ہے بلکہ ایک حکمت ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس خاص شعبہ میں یہ شخص مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے یہ مطلب نہیں کہ پورے دین سے خارج ہوگیا یہ جوابات اور تاویلات آنے والی احادیث میں بھی جاری ہونگی۔ حضرت سفیان بن عیینہ ان تاویلات سے بہت ناراض ہوتے تھے کہ اس سے مقصد شارح فوت ہوجاتا ہے۔ (فتح الملہم نووی)

''حمل علینا'' اسلحہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے اس شخص نے بغاوت کی مگر حق کی حمایت کے لئے نہیں بلکہ ظلم کرنے کے لئے بغاوت کی تو ایسے شخص کے لئے یہ وعید شدید ہے اگر حق کی حمایت کے لئے ظالم کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ الگ مسئلہ ہے اسلحہ اُٹھانے سے لڑنا اور قتل مراد ہے۔

۲۸۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَاحَدَّثَنَا مُصْعَبٌ وَهُوَابْنُ الْمِقْدَادِ قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ اِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں۔

۲۸۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ الْاَشْعَرِیُّ وَاَبُوكُرَيْبٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَاالسَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنافلیس منا

آنحضرت نے فرمایا جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۸۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍحَدَّثَنَا يَعْقُوْبَ وَهُوَابْنُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْقَارِیُّ ح:وَحَدَّثَنَا اَبُوْالْاَحْوَصِ مُحَمَّدُ بْنُ حَيَّانَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ حَازِمٍ كِلَاهُمَا عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَاالسَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح

''ومن غشنافلیس منا'' دھوکہ چاہے علمی میدان میں ہو چاہے عملی میدان میں ہو مادیات اور معاملات میں ہو یا روحانیات میں سب کے لئے یہ وعید ہے اس وعید کے مطلب پر سوال اور اس کے جوابات اس سے پہلے گذر چکے ہیں یہاں دوسری حدیث میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت نے غلے کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے گیلا تھا آپ نے مالک سے پوچھا تو وہ بہانہ کرنے لگا کہ رات کو شبنم یا بارش سے اس طرح ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اندر کا گیلا غلہ اوپر رکھتے تاکہ دھوکہ نہ ہوتا اس موقع پر آپ نے فرمایا ''من غشنافلیس منا'' یا فرمایا ''من غشنی فلیس منی''۔

''بللاً'' تری کو بلل کہا جاتا ہے یہ تری اوس سے یا شبنم سے یا بارش سے آئی تھی مالک کو چاہئے تھا کہ تری والا حصہ اوپر رکھتے۔

۲۸۴ ۔**وَحَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَاهٰذَايَاصَاحِبَ الطَّعَامِ ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک اناج کی ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھیر کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے اے غلہ کے مالک؟ اس نے کہا اس پر پانی پڑ گیا تھا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم نے اس گیلے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکتے، جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں۔

باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب

ماتم میں رخساروں کا پیٹنا اور گریبانوں کا چاک کرنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۸۵ ۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ أَوْشَقَّ الْجُيُوبَ أَوْدَعَابِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ۔ هٰذَاحَدِيثُ يَحْيَى وَأَمَّا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ فَقَالَا وَشَقَّ وَدَعَا بِغَيْرِ أَلِفٍ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں

ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان پھاڑے یا جاہلیت کی باتیں کرے، یہ یحییٰ کی روایت کے الفاظ ہیں اور ابن نمیر وابوبکر کی روایت میں لفظ ''أو'' نہیں ہے۔

تشریح

''الخدود'' خدود جمع ہے اس کا مفرد خد ہے رخسار کو کہتے ہیں۔ ''جیوب'' جمع ہے اس کا مفرد جیب ہے گریبان کو کہتے ہیں یعنی رخساروں کو تھپڑ رسید کرنا اور گریبانوں کا چاک کرنا۔ ''لیس منامن ضرب الخدود'' غم اور ماتم میں تین دن سے زیادہ سوگ منانا عام انسانوں کے لئے جائز نہیں ہے البتہ بیوی اپنے شوہر کے غم میں چار ماہ دس دن تک سوگ کریگی سوگ ماتم اور غم میں فرق ہے غم قلبی صدمہ اور رنج کو کہتے ہیں جبکہ سوگ اور ماتم ایک عملی اقدام ہے مثلاً نئے کپڑے نہ پہننا گھر کا کھانا نہ کھانا، عام معاشرت کو اختیار نہ کرنا بیوی سے مباشرت نہ کرنا یہ تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے ہاں قلبی غم کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہے اس گناہ کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے تو اگر کوئی شخص اس غم و ماتم میں اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر اعتراض کرتا ہے تو یہ شخص کافر ہو گیا ہے اس کے لئے ''فلیس منا'' تاویل کے بغیر لینا ہوگا کہ ملت اسلام سے خارج ہو گیا لیکن اگر یہ شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو پھر اس طرح ماتم کرنا اور رونا دھونا کبائر میں سے ہے پھر اس حدیث میں وہی تاویلات ہونگی جو اس سے پہلے حدیثوں میں ہو گئی ہیں۔

آج کل اس حدیث کا پہلا مصداق شیعہ ہیں یہ لوگ صدیوں سے ماتم کرتے ہیں کبھی آگ پر ماتم ہوتی ہے کبھی خشکی میں ماتم کرتے ہیں کبھی پانی میں ماتم کرتے ہیں رخساروں کو پیٹتے ہیں گریبانوں کو چاک کرتے ہیں اور زبان سے جاہلیت کے عجیب عجیب نعرے مارتے ہیں صحابۂ کرام پر تبرابازی کرتے ہیں اور حضرت حسینؓ سے عدم معاونت پر پوری امت کو کافر قرار دیتے ہیں حضرت حسینؓ اور تمام مسلمانوں کے درمیان مخالفت کے تذکرے کرتے ہیں جبکہ کوئی عقلمند اس طرح رسوائی کی باتیں اپنے بڑوں کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ہے ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

هتكوا الحسين بكل عام مرة و تمثلوا بعداوة و تصورا

ہر سال ماتم میں شیعہ حضرت حسین کی عزت پامال کرتے ہیں اور ان کو تمام مسلمانوں کے دشمن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ويلاه من تلك الفضيحة انها تطواوفي ايدى الروافض تنشرا

اس رسوائی کا برا ہو یہ تو چھپانے کی چیز ہے مگر روافض کے ہاں اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔

''او شق'' اس روایت میں ''او'' کا لفظ موجود ہے جبکہ دوسری روایت میں صرف واؤ ہے وہ زیادہ واضح اور درست ہے۔ ''او دعا بدعوی الجاهلية'' دعویٰ جاہلیت اس طرح ہے کہ یاویلاہ یا جبلاہ یا سیداہ یا اسی طرح روافض کے شرکیہ کفریہ نعرے ہوں۔

''بغیر الف'' یعنی واؤ کے ساتھ الف کا ذکر نہیں کیا اور او نہیں کہا بلکہ صرف واؤ ذکر کیا۔

۲۸۶ ـ**وَحَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ ح: وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَعَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ جَمِیْعًا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَقَالَا وَشَقَّ وَدَعَا ـ

اعمش سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کی طرح منقول ہے صرف الف نہیں۔

۲۸۷ ـ**حَدَّثَنَا** الْحَكَمُ بْنُ مُوْسَی الْقَنْطَرِیُّ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ یَزِیْدَ بْنِ جَابِرٍ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُخَیْمِرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ اَبِیْ مُوْسَی قَالَ وَجِعَ اَبُوْمُوْسَی وَجَعًا فَغُشِیَ عَلَیْهِ وَرَأْسُهُ فِیْ حَجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ اَهْلِهٖ فَصَاحَتِ امْرَأَةٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَلَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یَرُدَّ عَلَیْهَا شَیْئًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّا بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرِئٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ ـ

حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مرض میں مبتلا ہو گئے اور آپ پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ان کا سر گھر کی کسی عورت کے گود میں رکھا تھا کہ اچانک ان کے گھر کی ایک عورت زور سے چلائی۔حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اسے منع کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔جب وہ صحت یاب ہو گئے تو فرمایا میں بری اور بیزار ہوں اس سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اس عورت سے جو چیخ چلا کر روئے اور بال کاٹنے والی عورت سے اور مارے غم کے کپڑے پھاڑنے والی عورت سے۔

تشریح

''وجع''یعنی بیماری اور تکلیف اتنی زیادہ ہوگئی کہ حضرت ابوموسیٰؓ بیہوش ہو گئے گھر کی کسی عورت نے چیخ ماری اور زور زور سے رونے لگی آپ بیہوش تھے تو منع نہ کر سکے لیکن جب ہوش میں آگئے تو اس عورت کو سمجھا دیا کہ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے میں تو اس سے بیزار ہوں کیونکہ آنحضرت نے اس سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے، یہاں کسی عورت کا تعین نہیں ہے مگر آگے حدیث نمبر ۲۸۸ میں تصریح ہے کہ یہ ابوموسی اشعری کی بیوی تھی۔''الصالقة''یہ لفظ صاد کے ساتھ بھی ہے اور سین کے ساتھ بھی ہے میت پر رونے میں چیخنے چلانے والی عورت کو کہتے ہیں۔''الحالقة''حلق سے ہے میت پر رونے میں بال نوچنے والی عورت کو کہا گیا ہے۔''الشاقة''یہ شق سے ہے میت پر رونے گریبان وغیرہ کپڑے پھاڑنے والی عورت مراد ہے اگلی حدیث میں خرق کا لفظ ہے ایک ہی مفہوم ہے یہ تمام صفات عورتوں کی بیان کی گئی ہیں کیونکہ اس طرح میت پر بین کرنا عورتوں کا کام ہوتا تھا یہ عورتیں کرایہ پر بھی حاصل کی جاتی تھیں یہ منٹوں میں پورے مجمع کو رلا دیتی تھیں اور عجیب کیفیت بنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈالتی تھیں۔''بریء''یعنی اس طرح حرام کام کرنے والی عورتوں سے نبی مکرم نے برأت کا اعلان کیا ہے۔''القنطری''قنطرۂ بردان کی طرف منسوب ہے جو بغداد میں ایک پل کا نام ہے''تصیح برنة''گانے کی طرح آواز سے رونا یعنی بین کرنا۔

۲۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَخْرَةَ يَذْكُرُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ وَأَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسٰى قَالَا أُغْمِيَ عَلٰى أَبِي مُوسٰى وَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيحُ بِرَنَّةٍ قَالَا ثُمَّ أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ تَعْلَمِي وَكَانَ يُحَدِّثُهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ دونوں سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی ان کی اہلیہ ام عبداللہ روتی پیٹتی چیختی چلاتی ہوئی ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مرض سے افاقہ ہوگیا تو فرمایا میں بری اور بیزار ہوں اس سے جو مصیبت کے وقت بال منڈوا دے اور چلائے اور کپڑے پھاڑ دے۔

۲۸۹۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُطِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ عَنِ امْرَأَةِ أَبِي مُوسٰى عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِيهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ أَبِي هِنْدٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ لَيْسَ مِنَّا وَلَمْ يَقُلْ بَرِيءٌ ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت دوسری سند سے منقول ہے۔ لیکن اس روایت میں ''بریٔ'' کے بجائے ''لیس مِنَّا'' کے الفاظ ہیں۔

باب بيان غلظ تحريم النميمة

چغل خوری کی شدید حرمت کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کا ذکر کیا ہے۔

۲۹۰۔ وَحَدَّثَنِي شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ وَهُوَ ابْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا يَنُمُّ الْحَدِيثَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ ۔

حضرت حذیفہ بن یمان کو اطلاع ملی کہ فلاں شخص گفتگو میں چغلی لگاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح

''نمام''نم ینم نماً ضرب یضرب اور نصر ینصر سے نمام چغلخور کو کہتے ہیں، اور''النمیمة'' چغلی کو کہتے ہیں، نمام کو''قتات'' بھی کہتے ہیں جو''قت یقت''نصر سے جمع کرنے کے معنی میں ہے چغلخور بھی باتوں کو جمع کرتا ہے اور پھر نقل کرتا ہے جس میں جاسوسی کا مفہوم بھی پڑا ہے نمام بھی نقل کرنے والے کو کہتے ہیں''نمیمة'' کی تعریف اس طرح ہے۔

النميمة هي نقل كلام بعض الناس الى بعضهم على جهة الافساد۔ (نووی)

اسلامی معاشرہ کو تباہ کرنے والی دو چیزیں زیادہ خطرناک ہیں ایک چغلی ہے اور دوسری غیبت ہے اسلام میں بُرے اخلاق میں سب سے زیادہ مذمت غیبت کی اور پھر چغلی کی آئی ہے۔

نمام اور قتات میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ نمام اس چغلخور کو کہتے ہیں جو مجلس میں حاضر ہو کر خود سنے پھر آگے فساد کی غرض سے بات پھیلائے اور قتات وہ ہوتا ہے جو خفیہ طور پر کسی جگہ سے کسی کی بات سن لیتا ہے اور پھر آگے فساد کی غرض سے پھیلاتا ہے تو قتات کے عمل میں باتوں کی چوری بھی ہوتی ہے اور جاسوسی بھی ہوتی ہے، چغلی اور غیبت میں یہ فرق ہے کہ غیبت میں غائب ہونا شرط ہے افسادنیت شرط نہیں مگر چغلی میں افسادنیت شرط ہے غیوبت شرط نہیں ہے۔''ینم الحدیث''یعنی چغلی کھاتا ہے اور باتیں وقت کے بادشاہ تک پہنچاتا ہے آنے والی حدیث میں''الامیر'' سے مراد حضرت عثمان بن عفان ہیں۔''لایدخل الجنة''دخول جنت کی یہ نفی یا تو اس وجہ سے ہے کہ آدمی اس کو حلال سمجھے یا مراد یہ ہے کہ اوّل وهلت میں داخل نہیں ہوگا، یا یہ حکم زجراً و توبیخاً تغلیظاً تهدیداً و تشدیداً ہے۔

۲۹۱۔**حَدَّثَنَا** عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ اِلَى الْاَمِيْرِ فَكُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰذَا مِمَّنْ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ اِلَى الْاَمِيْرِ قَالَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلَيْنَا فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ۔

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کی باتیں حاکم سے نقل کر دیا تھا کہ (فلاں تمہارے بارے میں کہتا ہے اور فلاں یہ) ایک بار ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ ہے وہ شخص جو امیر تک دوسروں کی باتیں پہنچاتا ہے۔ اس دوران وہ شخص ہمارے قریب آکر بیٹھ گیا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:''چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

۲۹۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِیَةَ وَوَكِیعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ ح: وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِیمِیُّ وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ حُذَیْفَةَ فِی الْمَسْجِدِ فَجَاءَ رَجُلٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَیْنَا فَقِیلَ لِحُذَیْفَةَ اِنَّ هٰذَا یَرْفَعُ اِلَی السُّلْطَانِ اَشْیَاءَ فَقَالَ حُذَیْفَةُ اِرَادَةَ اَنْ یُسْمِعَهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ۔

ہمام بن الحارث کہتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آ کر ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا یہ شخص حاکم کے پاس بہت سی باتیں پہنچاتا ہے۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو سنانے کے لئے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

باب غلظ تحریم اسبال الازار

ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا کبیرہ گناہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۹۳۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ اَبِی زُرْعَةَ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ اَبِی ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُزَكِّیهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیمٌ قَالَ فَقَرَاَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ اَبُوذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ یَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی الفاظ ادا فرمائے تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ لوگ تو تباہ و برباد ہوگئے، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والا، احسان کر کے جتلانے والا اور اپنے سامان کو جھوٹی قسمیں کھا کر نکالنے والا۔

تشریح

''ثـــلاثة'' اس سے صرف تین آدمی مراد نہیں ہیں بلکہ تین قسم کے لوگ مراد ہیں اس باب میں دیگر احادیث میں کچھ اور قسم کے لوگوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تین قسم کے لوگوں میں حصر مقصود نہیں بلکہ بیان کرنے میں فرق ہے۔ ''لا یکلمھم اللہ''۔

اس سے کلام رحمت کی نفی مراد ہے جو عدم رضا سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تین قسم کے لوگوں سے راضی نہیں ہونگے نہ خود ان سے بات فرمائیں گے نہ بواسطہ فرشتہ بات کریں گے۔ ''ولا ینظر الیھم'' مخلوق تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہوتی ہیں، یہاں نظر رحمت کی نفی ہے کہ لطف وکرم کے ساتھ ان کی طرف نہیں دیکھیں گے مراد اعراض کرنا ہے۔ ''ولا یزکیھم'' یعنی گناہوں سے ان کو پاک نہیں کریں گے نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے بلکہ یہ لوگ گناہوں کی گندگی میں آلودہ رہیں گے تو دوزخ میں جائیں گے کیونکہ گندے لوگ گندگی کے ساتھ جنت میں نہیں جاسکتے اسی لئے فرمایا ''ولھم عذاب الیم'' عذاب کے مفہوم میں دفع کا معنی پڑا ہے کیونکہ عذاب اور سزا کا خوف انسان کو جرم کے ارتکاب سے دفع کر کے دور رکھتا ہے پانی کی صفت میں بھی ''عُذُبٌ'' کا لفظ آتا ہے کیونکہ پانی بھی پیاس کو دفع کرتا ہے۔ ''المسبل'' اسبال باب افعال سے کپڑا لٹکانے کے معنی میں ہے خواہ قمیص ہو یا تہبند یا شلوار یا پاجامہ اور پتلون ہو یا عمامہ ہو یا چادر ہو۔ اسبال ازار کی یہ بیماری عرب لوگوں میں بہت زیادہ ہے پھر افغانوں ، پنجابیوں پھر پنجاب کے عوام کے علاوہ علماء میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اقوام میں یہ وبا عام ہے اہل بدعت علماء اور عوام اس کو اہل حق علماء کا شعار سمجھ کر مخالفت پر اتر آئے اور اس کبیرہ گناہ کو جائز سمجھنے لگے، حالانکہ احادیث میں اس گناہ سے متعلق سخت وعیدات ہیں زیر بحث احادیث کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں مشکوۃ شریف میں سابقہ امتوں کے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ وہ اسبال ازار کی وجہ سے زمین میں دھنسایا گیا ''فھو یتجلجل'' یعنی قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جارہا ہے مشکوۃ میں ایک اور حدیث ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو نماز لوٹانے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ نئے سرے سے وضو بھی بناؤ اس نے پوچھا کہ یہ کیوں تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکایا۔ یہ سب کچھ اس جرم کی شدت بتانے کے لئے تھا لہٰذا یہ کسی بریلوی دیوبندی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ دین کا مسئلہ ہے۔ ایک بریلوی مولوی غلام رسول صاحب نے مسلم کی شرح لکھی ہے وہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو ازراہِ تکبر ایسا کرتے ہو گویا بریلوی حضرات جو یہ جرم کرتے ہیں یہ جرم نہیں رہا کیونکہ وہ بطور تکبر نہیں کرتے ہیں میرے خیال میں یہ ایک بہانہ ہے ورنہ یہ عمل خود متکبرانہ ہے اس میں عدم تکبر کی صورت نکالنا بہت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے صرف صدیق اکبرؓ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ان کے علاوہ کسی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا حضرت صدیق نے بھی عدم القصد کی بات کی اور فرمایا کہ یارسول اللہ! میں بہت خیال رکھتا ہوں لیکن پیٹ کچھ بڑا ہے کبھی بے خیالی میں ازار نیچے چلا جاتا ہے اس پر آنحضرت نے صرف ان کو مستثنیٰ فرمایا اگر اس طرح صورت ہو تو بعض فقہاء نے اس مجبوری کے تحت اسبال کی گنجائش کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں استمرار نہ ہو۔ ائمہ احنافؒ کا عام فیصلہ اس طرح ہے کہ اسبال مطلقاً ناجائز ہے اور اگر تکبراً ہو تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے، ردالمحتار، ج ا ص ۶۳۹ پر اسی طرح تفصیل موجود ہے۔ ''المنان'' احسان کر کے اس کو جتلانے والے کو کہا گیا ہے یہ رزیلہ اخلاق میں سے ہے جو دل کی بیماری ہے، شریف آدمی کی علامت یہ ہے کہ خود احسان کر کے بھول جاتا ہے اور دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے اور رذیل آدمی کی علامت یہ ہے کہ دوسرے کا احسان بھول

جاتا ہے اور اپنا احسان ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ ''والمنفق'' یہ تنفیق سے ہے بیع وشرا میں اپنے سامان تجارت کو رواج دینا اور عام تشہیر کے ساتھ اسکو بازار میں چلا کر مقبول بنانے کو کہتے ہیں اس تشہیر کے لئے جھوٹی قسم کھا کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا گناہ کبیرہ ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جھوٹی قسم میں چار جرائم جمع ہیں ایک تو یہ جھوٹی قسم ہے دوسرا اس میں دھوکہ ہے تیسرا یہ کہ دوسروں کا مال ناحق طور پر ہتھیانا ہے چوتھا یہ کہ جھوٹی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرنا ہے۔

۲۹۴۔ **وَحَدَّثَنِی** اَبُوبَكْرِبْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِیُّ حَدَّثَنَا يَحْيٰی وَهُوَالْقَطَّانُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْاَعْمَشُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُسْهِرٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ اَبِی ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَنَّانُ الَّذِیْ لَايُعْطِیْ شَيْئًا اِلَّامَنَّهُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَهُ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگوں سے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیں گے، ایک وہ شخص جو احسان جتلانے والا ہو کہ بغیر احسان جتلائے کسی کو کچھ نہ دیتا ہو، دوسرا وہ شخص جو اپنا سامان ناجائز قسم کھا کر فروخت کرتا ہو، تیسرا اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

۲۹۵۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** بِشْرُبْنُ خَالِدٍحَدَّثَنَا مُحَمَّدٌيَعْنِی ابْنَ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ وَقَالَ ثَلَاثَةٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَايَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَايُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث کچھ فرق کے ساتھ منقول ہے۔

۲۹۶۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَاَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی حَازِمٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَايُزَكِّيهِمْ قَالَ اَبُومُعَاوِيَةَ وَلَايَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی انہیں پاک فرمائیں گے نہ ان کی طرف نظر فرمائیں گے اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ (۱) بوڑھا زانی (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) مغرور ومتکبر محتاج۔

تشریح

''شیخ زان'' زنا تو ویسے بھی ایک قباحت ہے لیکن ایک بوڑھا جب زنا کرتا ہے تو یہ اس کے وقار اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے کتنا بُرا لگتا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے احترام کا دوسروں کو پابند بنایا ہے خود بھی اللہ تعالیٰ بوڑھے کی قدر کرتا ہے پھر اس کو بھی دیکھئے کہ اس کی شادی ہو چکی ہے سارے جذبات کا انتظام ہو گیا ہے ہیجانی جذبات کا زمانہ بھی گذر چکا ہے اس کے باوجود

جب بوڑھا زنا کرتا ہے تو یہ جنسی مجبوری نہیں بلکہ اس کی خباثت نفس پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ گناہ زیادہ اشد اور کبیرہ ہے۔
''ملك كذاب '' جھوٹ بولنے کی ضرورت کسی مجبور آدمی کو پڑتی ہے بادشاہ سربراہ ہوتا ہے اس کو جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے اس کے باوجود جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی خباثت نفس کی علامت ہے اس لئے یہ گناہ اور زیادہ سنگین اور کبیرہ ہوجاتا ہے پھر بادشاہ کا جھوٹ بھی بادشاہ ہوگا جو پورے عوام پر پڑیگا۔ ''عائل متكبر '' یعنی عیالدار ہے فقیر و مسکین ہے لیکن صدقہ وخیرات لینے میں تکبر کرتا ہے تو یہ شخص درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا مقابلہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو مستحق صدقہ فقیر بنایا ہے اس طرح یہ اپنے آپ کو اور اپنے عیال کو ہلاک کر کے رکھدیگا اس لئے اس کا یہ تکبر ناپسندیدہ اور کبیرہ گناہ ہے ان تینوں آدمیوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ہر ایک میں گناہ کرنے کے اسباب ودواعی موجود نہیں ہیں پھر بھی یہ گناہ کررہے ہیں۔

۲۹۷۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ وَاَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی صَالِحٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثُ اَبِی بَكْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَايَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَايُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ لَاَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَرَجُلٌ بَايَعَ اِمَامًا لَايُبَايِعُهُ اِلَّا لِدُنْيَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهَا وَفٰى وَاِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین طرح کے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان سے کلام کریں گے نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔(۱) وہ شخص جس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ بیابان علاقہ میں ہو اور کسی مسافر کو پانی نہ دے۔ (۲) وہ شخص جو عصر کے بعد اپنا سامان فروخت کرے اور قسم کھائے کہ یہ اس نے اتنے اتنے پیسوں میں لیا ہے اور خریدار اسے سچا جانے حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔(۳) وہ شخص جو حاکم اور امام المسلمین کے ہاتھ پر صرف دنیا طلبی کی وجہ سے ہی بیعت کرتا ہے۔ اگر حاکم اور امام اسے مال ودولت دیتا ہے تو یہ بھی وفاداری کرتا ہے اور اگر نہیں دیتا تو یہ بھی اس سے وفا نہیں کرتا۔

تشریح

''على فضل ماءٍ '' فضل کا لفظ فاضل کے معنی میں ہے اور یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے ''ای علی ماء فاضل '' یعنی ضرورت سے زیادہ پانی اس کے پاس موجود ہے۔
''بالفلاة '' اس کی جمع فلوات ہے صحراء کو کہتے ہیں اب یہ کبیرہ گناہ اس لئے ہے کہ پانی زائد موجود ہے مسافر پیاس سے مررہا ہے صحراء ہے کسی اور جگہ پانی نہیں ہے اور یہ آدمی خدا کے چلائے ہوئے اس پانی کو خدا کی مخلوق پر بند کررہا ہے، یہ نہایت

سنگ دلی ہے اس لئے گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ ''بعد العصر'' اس قید کو اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ اس گناہ کی شدت کی طرف اشارہ ہو جائے کیونکہ گناہ تو ہر وقت گناہ ہے لیکن ایسے مبارک وقت میں گناہ کا ارتکاب نہایت قبیح ہے۔ اول تو اس شخص نے بیع میں جھوٹ بولا جو خود ایک گناہ ہے پھر دھوکہ دینا دوسرا گناہ ہے، پھر جھوٹی قسم کھانا تیسرا گناہ ہے پھر یہ تمام گناہ عصر کے بعد ایک مبارک وقت میں کیے جس میں دن بھر کے اعمال آسمان پر جاتے ہیں اس لئے اس گناہ میں شدت آ گئی اور کبائر میں شمار ہونے لگا۔ ''بایع اماماً'' یعنی حاکم یا امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعت صرف دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے کرتا ہے حالانکہ ایک مؤمن جب بادشاہ کی بیعت کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ صرف دین وملت کی سربلندی اور عزت و عظمت کے پیش نظر کرے مگر یہ شخص صرف دنیا کے حصول کے لئے ضمیر کا سودا کرتا ہے اس لئے یہ ایک گھناؤنا جرم ہے پھر بیعت کے وقت یہ دل میں خیال پکاتا ہے کہ اگر مقصد حاصل نہیں ہوا تو بیعت توڑ دوں گا یہ سب ایک غلط کھیل ہے اس لئے کبیرہ گناہ ہے۔

۲۹۸۔ **وَحَدَّثَنِی** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ ح: وَحَدَّثَنَا سَعِيْدُبْنُ عَمْرٍو الْاَشْعَثِيُّ اَخْبَرَنَا عَبْثَرٌ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَاَنَّ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ۔

اعمش کی یہ روایت بھی سابقہ کی طرح ہے مگر اس میں ''جس نے ایک سامان کا نرخ کیا'' کا اضافہ ہے۔

۲۹۹۔ **وَحَدَّثَنِی** عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُرَاهُ مَرْفُوْعًا قَالَ ثَلَاثَةٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَايَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ بَعْدَصَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى مَالِ مُسْلِمٍ فَاقْتَطَعَهُ وَبَاقِیْ حَدِيْثِهٖ نَحْوَ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث ان الفاظ کے فرق کے ساتھ منقول ہے۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیگا اور نہ ان کی جانب نظر اٹھائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ایک تو وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی مسلمان کے مال پر قسم کھائی پھر اس کا مال مار لیا۔ بقیہ حدیث اعمش کی سابقہ روایت کی طرح ہے۔

باب غلظ تحريم قتل الانسان نفسه

خودکشی کرنا کبیرہ گناہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۰۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاَبُوْسَعِيْدٍالْاَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِیْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ شَرِبَ سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا

وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَيَتَرَدَّى فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا اَبَدًا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی تیز دھار لوہے سے خودکشی کی تو وہ تیز دھار لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ جس نے زہر پینے کے ذریعہ خودکشی کی وہ ہمیشہ جہنم میں زہر ہی چوستا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑا رہے گا اور جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کیا وہ بھی جہنم میں ہمیشہ اسی عمل میں مبتلا رہے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

تشریح

''من قتل نفسه'' خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے البتہ کفر نہیں ہے جس طرح بعد کے ایک باب میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کہ دوسرے انسان کے قتل کرنے سے اپنے آپ کو قتل کرنا زیادہ سنگین ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر عقیدہ کا فساد نہ ہو تو صرف قتل کے اعتبار سے دوسرے کو قتل کرنا خودکشی سے زیادہ سنگین ہے دراصل یہاں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ انسان حقیقت میں روح کا نام ہے اور یہ جسم صرف ڈھانچہ اور لفافہ ہے گویا یہ کرائے کا مکان ہے تو جو آدمی کسی کے کرایہ کے مکان میں رہتا ہے تو کرایہ دار مالک مکان کی اجازت کے بغیر مکان میں توڑ پھوڑ نہیں کرسکتا ہے اسی طرح ایک انسان اپنے جسم میں وہی تصرف کرسکتا ہے جس کی اس کے خالق و مالک کی طرف سے اجازت ہو یہی وجہ ہے کہ تغیر خلق الله حرام ہے مثلاً ڈاڑھی کٹوانا، وشم کرنا، ناک یا کان کاٹنا، اب جو آدمی خودکشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس عمارت کو گراتا ہے تو اس کے دو اسباب ہوسکتے ہیں ایک سبب یہ ہے کہ یہ شخص سوچتا ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا نہیں میرا کام نہیں کرتا ہے یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، دوسرا یہ عقیدہ قائم ہوجاتا ہے کہ یہ آدمی سمجھتا ہے کہ میرا رب مجھے رزق نہیں دے سکتا ہے یہ عقیدہ پہلے سے زیادہ کفر پر مبنی ہے۔

علامہ دقیق العید رحمہ اللہ نے اس مضمون کی طرف کچھ اشارات کیے ہیں عربی عبارت فتح الملہم نے یوں نقل کی ہے۔

ويؤخذ منه ان جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره فى الاثم، لان نفسه ليست ملكا له مطلقاً بل هى لِلّٰهِ تعالىٰ فلايتصرف فيها الا بما اذن له فيه ۔ (ج۲،ص۱۵۱)

''فحديدته فى يده'' یعنی جس انداز سے اس نے اپنے آپ کو مارا ہے اسی انداز سے قیامت میں اس کو سزا ملیگی ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ هذا من باب مجانسته العقوبات الاخرويه للجنايات الدنيوية۔

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کرتے ہیں ''جزاء العمل بمثل مافعل'' یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

''يتوجأ'' وجأ فتح سے کچلنے کے معنی میں ہے یہاں گھونپنا مراد ہے یعنی چھری چاقو وغیرہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا خود یہ آدمی دوزخ میں بھی ہوگا اور اضافی طور پر یہ سزا اپنے آپ کو دیتا رہیگا۔ ''سما'' اس لفظ کو سین کے فتح ضمہ اور کسرہ تینوں طرح پڑھا

جاسکتا ہے البتہ سین کا فتح فصیح تر ہے زہر قاتل کو کہتے ہیں۔ ''یتحساہ'' گھونٹ گھونٹ انڈیلنے اور پینے کے معنی میں ہے۔
''تردی'' باب تفعل سے ہے اپنے آپ کو پہاڑ وغیرہ اونچی جگہ سے گرانے کے معنی میں ہے خود دوزخ میں بھی ہوگا اور یہ اضافی سزا بھی اٹھاتا رہیگا۔ ''خالداً مخلداً'' یعنی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پڑا رہیگا۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوتا ہے، حالانکہ اس حدیث میں اس کو دائمی دوزخی بتایا گیا ہے جس سے معتزلہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو اس گناہ کو حلال سمجھتا ہے اور حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم زجراً و توبیخاً و تغلیظاً و تشدیداً و تهدیداً ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس خلود سے طول مدت مراد ہے کہ بہت زیادہ عرصہ دوزخ میں رہیگا پھر نکل جائے گا۔

۳۰۱۔ **وَحَدَّثَنِی** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ ح: وَحَدَّثَنَا سَعِيْدُبْنُ عَمْرٍو الْاَشْعَثِیُّ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ هُوَابْنُ الْقَاسِمِ ح: وَحَدَّثَنِی يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِیُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِی ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ وَفِی رِوَايَةِ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ۔

مذکورہ سب طریقوں سے بعینہٖ حسب سابق روایت منقول ہے۔

تشریح

''وفی روایة شعبة'' یعنی شعبہ کی روایت میں آپ نے سلیمان اعمش سے عنعنہ کی جگہ سمعت ذکوان کا لفظ نقل کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ تصریح اس لئے فرمائی کہ اس سے ماقبل سند میں عن الاعمش عن ابی صالح کے الفاظ تھے جس میں اعمش عنعنہ کے ساتھ ابوصالح سے جس کا نام ذکوان ہے روایت کرتے ہیں چونکہ اعمش مدلس ہے اس لئے امام مسلم نے اس کے عنعنہ کو دوسری روایت کے ذریعہ سے ختم کردیا، ذکوان کی کنیت ابوصالح ہے اور اعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے اللہ تعالیٰ امام مسلم کو جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے یہ احادیث بیان کرنے میں کس قدر احتیاط کرتے ہیں۔

۳۰۲۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ اَبِی سَلَّامٍ الدِّمَشْقِیُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِی كَثِيْرٍ اَنَّ اَبَا

قِلَابَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ عَلٰى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيْ شَيْءٍ لَا يَمْلِكُهُ۔

حضرت ثابت بن الضحاک فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت فرمائی اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت و دین کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ اس نے کہا اور جس نے خودکشی کی کسی چیز سے تو قیامت کے روز اسی چیز سے اسے عذاب دیا جائے گا۔ انسان کے اوپر کسی ایسی چیز کی نذر واجب نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

تشریح

''تحت الشجرة'' بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے۔ ''غیر الاسلام'' یعنی اسلام کے علاوہ ملت کفریہ پر قسم کھالی مثلاً کہا کہ ''ان سرقتُ فانا یهودی'' یہ تعلیق کی صورت ہے یا تعلیق کے بغیر یوں قسم کھائی ''احلف بالدین الیهودی انی لست سارقا'' اب اگر کسی نے سچ مچ عقیدہ رکھ کر اپنے آپ کو یہودی قرار دیا یا ملت یہود کو دل سے معظم سمجھ لیا اور جھوٹی قسم کھالی تو وہ کافر ہوگیا اور اگر اس طرح نیت نہیں تھی صرف قسم میں تاکید پیدا کرنے کے لئے کہا تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ ابواب الایمان والنذور میں ان شاء اللہ تفصیل آئے گی اگر میں زندہ رہا (یوسف زئی)۔

''نذر'' نذر کے مسائل آئندہ ان شاء اللہ آئیں گے، یہاں صرف اتنی بات ہے کہ انسان جس چیز کا مالک نہیں ہے اس کی نذر صحیح نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے مثلاً یوں کہا کہ اگر میرا بیمار تندرست ہوگیا تو میں زید کی گائے کی نذر مانتا ہوں۔

۳۰۳۔ **حَدَّثَنِي** اَبُوْغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِيْ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْ قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلٰى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ۔

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز پر انسان کی ملکیت نہ ہو اس میں اس کی نذر واجب نہیں، مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کے مترادف ہے، جس نے دنیا میں کسی چیز سے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، قیامت کے روز اسی چیز سے اسے عذاب دیا جائے گا، جس نے جھوٹا دعویٰ کیا اپنے مال کو بڑھانے کے واسطے تو اللہ تعالیٰ مال میں زیادتی کے بجائے کمی ہی کریں گے جس نے

حاکم کے حکم سے جھوٹی قسم کھائی وہ بھی اسی کی طرح ہے۔

تشریح

''لعن المؤمن کقتله'' اگر لعنت اس طرح ہو کہ لعنت دینے والا خبر دے رہا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے باہر کر دیا ہے تو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نکالنے کی بددعا دے رہا ہے تو یہ بھی گناہ ہے۔
علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ در حقیقت اس میں ہے کہ جس طرح مؤمن کا قتل حرام ہے اسی طرح اس پر لعنت بھی حرام ہے یہ مطلب بہت اچھا ہے۔
بہرحال مشخص مسلمان پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے اِلاّ یہ کہ لعنت زبان پر آتی رہتی ہو تو جس طرح یمین لغو ہے یہ بھی لغو ہے ہاں کافر اگر کفر پر مرا ہو اور یقین ہو تو اس پر لعنت جائز ہے جس طرح ابوجہل وفرعون ملعون ہیں۔ بہرحال لعنت کفر پر متفرع ہے جو شخص یقیناً کفر پر مرا ہے تو اس پر لعنت بھیجنا مباح ہے ضروری نہیں اور جس شخص کی موت کفر پر یقینی نہیں ہے اس پر لعنت جائز نہیں ہے ہاں مبہم لعنت کسی وصف پر جائز ہے جیسے'' لعن الله سارقا، لعن الله کاذبا''۔ ''دعوی کاذبة'' یعنی ایک شخص عالم فاضل محدث پیر اور شیخ نہیں ہے اور وہ اس کا دعوی کر رہا ہے یا کوئی شخص مالدار نہیں عالی نسب نہیں اور وہ اس کا جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے یا کوئی عورت اپنے شوہر کے بارے میں سوکن کے سامنے بڑے دعوے کر رہی ہے کہ مجھے شوہر نے یہ دیا وہ دیا حالانکہ اس نے کچھ نہیں دیا یہ سب گناہ کے کام ہیں ''یستکثر بها'' کا مطلب یہی ہے کہ اس جھوٹے دعوے سے وہ آدمی اپنا وزن بڑھاتا ہے فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ''یمین صبر فاجرة'' یمین صبر کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ اس سے جھوٹی قسم مراد ہے اور یہاں فاجرة کا لفظ کاذبة کے معنی میں ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے اس کی قسم پر عدالت کا پورا کیس موقوف ہے قاضی نے اس کو روک رکھا ہے کہ تم قسم کھاؤ گے اب اگر وہ سچی قسم کھاتا ہے تو اہل حق کا حق ان کو مل سکتا ہے مگر یہ شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے جس سے دوسرے کا حق ضائع ہو جاتا ہے وہ بھی صبر کرتا ہے تو اس طرح قسم سے پورا نقشہ بدل جاتا ہے لہٰذا یہ بڑا گناہ ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ یہ جملہ ناتمام ہے نہ خبر کا پتہ ہے اور نہ جزاء کا پتہ ہے یہ کیسے صحیح ہوگا۔

پہلا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جزا محذوف ہے جو اس حدیث میں پہلے جملہ میں مذکور ہے وہ اس طرح ہے۔ ''لم یزده الله الا قلة'' یہ جملہ اس جملہ پر عطف ہے تو وہاں کی پوری عبارت یہاں ہوگی۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں شرط کا جواب محذوف ہے ''ای لقی الله وھو علیه غضبان''۔(الابی)

٣٠٤ـ **حَدَّثَنَا** اِسۡحَاقُ بۡنُ اِبۡرَاهِيۡمَ وَاِسۡحَاقُ بۡنُ مَنۡصُوۡرٍ وَعَبۡدُالۡوَارِثِ بۡنُ عَبۡدِالصَّمَدِ كُلُّهُمۡ عَنۡ عَبۡدِالصَّمَدِ بۡنِ عَبۡدِالۡوَارِثِ عَنۡ شُعۡبَةَ عَنۡ اَيُّوۡبَ عَنۡ اَبِیۡ قِلَابَةَ عَنۡ ثَابِتِ بۡنِ الضَّحَّاكِ الۡاَنۡصَارِیِّ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبۡنُ رَافِعٍ عَنۡ عَبۡدِالرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوۡرِیِّ عَنۡ خَالِدِ الۡحَذَّاءِ عَنۡ اَبِیۡ قِلَابَةَ عَنۡ ثَابِتِ بۡنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَنۡ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الۡاِسۡلَامِ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَهُوَ كَمَاقَالَ وَمَنۡ قَتَلَ نَفۡسَهُ بِشَیۡءٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِهِ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ـ هٰذَاحَدِيۡثُ سُفۡيَانَ وَاَمَّاشُعۡبَةُ فَحَدِيۡثُهُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنۡ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الۡاِسۡلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَاقَالَ وَمَنۡ ذَبَحَ نَفۡسَهُ بِشَیۡءٍ ذُبِحَ بِهِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ـ

حضرت ثابت بن الضحاک الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت و دین کی قسم کھائی قصداً جھوٹی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور جس نے کسی بھی چیز سے خودکشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اسی چیز سے جہنم کی آگ میں عذاب دیں گے، یہ روایت سفیان کی طریق سے ہے۔ جب کہ شعبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائی تو اپنے کہے کے مطابق ہوگیا اور جس نے کسی چیز سے اپنے آپ کو ذبح کرلیا، قیامت کے روز اسی چیز سے ذبح کیا جائے گا۔

٣٠٥ـ**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبۡنُ رَافِعٍ وَعَبۡدُبۡنُ حُمَيۡدٍجَمِيۡعًاعَنۡ عَبۡدِالرَّزَّاقِ قَالَ ابۡنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبۡدُالرَّزَّاقِ اَخۡبَرَنَامَعۡمَرٌ عَنِ الزُّهۡرِیِّ عَنِ ابۡنِ الۡمُسَيَّبِ عَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ قَالَ شَهِدۡنَا مَعَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ حُنَيۡنًا فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنۡ يُدۡعٰى بِالۡاِسۡلَامِ هٰذَامِنۡ اَهۡلِ النَّارِ فَلَمَّاحَضَرۡنَاالۡقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيۡدًا فَاَصَابَتۡهُ جِرَاحَةٌ فَقِيۡلَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ ! الرَّجُلُ الَّذِیۡ قُلۡتَ لَهُ آنِفًا اِنَّهُ مِنۡ اَهۡلِ النَّارِ فَاِنَّهُ قَاتَلَ الۡيَوۡمَ قِتَالًاشَدِيۡدًا وَقَدۡمَاتَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّارِفَكَادَ بَعۡضُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ اَنۡ يَرۡتَابَ فَبَيۡنَمَا هُمۡ عَلٰى ذٰلِكَ اِذۡقِيۡلَ اِنَّهُ لَمۡ يَمُتۡ وَلٰكِنَّ بِهٖ جِرَاحًاشَدِيۡدًا فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيۡلِ لَمۡ يَصۡبِرۡ عَلَى الۡجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفۡسَهُ فَاُخۡبِرَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اللّٰهُ اَكۡبَرُ!اَشۡهَدُاَنِّیۡ عَبۡدُاللّٰهِ وَرَسُوۡلُهُ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِی النَّاسِ اَنَّهُ لَايَدۡخُلُ الۡجَنَّةَ اِلَّانَفۡسٌ مُسۡلِمَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُهٰذَالدِّيۡنَ بِالرَّجُلِ الۡفَاجِرِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں حاضر تھے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو مسلمان کہلایا جاتا تھا فرمایا کہ یہ جہنم والوں میں سے ہے۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو وہ شخص خوب بے جگری سے لڑا اور اسے کافی زخم لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! جسے آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ اہل جہنم میں سے ہے تو وہ آج خوب بہادری سے لڑا اور لڑائی میں ہی مر گیا؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ جہنم کو گیا، بعض مسلمان قریب تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتے کہ اسی اثناء میں کسی نے کہا کہ وہ مرا نہیں۔ البتہ شدید زخمی ہو گیا ہے جب رات ہوئی تو وہ اپنے زخموں کی شدّت و تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو فرمایا اللہ اکبر، چنانچہ انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں نہیں جائیگا مگر مسلمان ہی۔ بیشک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر آدمی سے بھی اس دین کی تائید و نصرت کا کام لیتے ہیں۔

تشریح

''حنینا'' قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حنین کا لفظ صحیح نہیں خیبر کا صحیح ہے کیونکہ یہ واقعہ خیبر کا ہے حنین کا نہیں ہے۔ ''یدعی بالاسلام'' یعنی اسلام کی طرف منسوب تھا اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص خالص مسلمان نہیں تھا۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان نہیں تھا اس وجہ سے اس پر دوزخ کا حکم لگا دیا گیا۔ ''الا نفس مسلمة'' اس اطلاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں تھا۔ اس شخص کے لئے الرجل الفاجر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاجر سے کافر مراد ہے۔ ''الاشاذة ولافاذة'' جو آدمی جماعت سے خارج ہو وہ شاذة ہے لیکن جو بالکل الگ تھلگ ہو جائے وہ فاذہ ہے۔ بعض نے کہا یہ مترادف الفاظ ہیں دونوں کا معنی ایک ہی ہے، بعض نے کہا کہ فاذة تابع کے طور پر آیا ہے جیسے کُتَعُ بُتَعُ، چائے شائے۔

''ذبابه'' تلوار کی دھار کے اوپر نوک کو ذبابہ کہتے ہیں ''ثدییه'' سینہ مراد ہے ''قرحة'' پھوڑے کو قرحۃ کہتے ہیں۔ ''ینکأها'' پھوڑے کو چھیل کر توڑنا مراد ہے ''فلم یرقأ'' یعنی خون بند نہ ہوا ''خراج'' دانہ اور پھوڑے کو کہتے ہیں۔ ''ممن کان قبلکم'' اس باب کی آخری دو حدیثوں میں جس شخص کا تذکرہ ہوا ہے وہ سابقہ امتوں کے کسی فرد کا قصہ ہے اس امت کا فرد نہیں تھا۔

''الی النار'' یہ آدمی مرا نہیں تھا مگر خبر آئی تھی کہ مر گیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ دوزخ گیا یہ چونکہ پیشین گوئی تھی جس کا سچا ہو جانا بہت ضروری تھا کیونکہ نبی کی اس طرح خبر نبوت کا درجہ رکھتی ہے، ادھر وہ آدمی فوق العادۃ سخت جنگ کر رہا تھا تو لوگوں کو شک ہوا کہ دیکھو یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ایک صحابی تیار ہو گئے کہ میں ان کی خبر گیری کرتا ہوں انجام یہ نکلا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔

سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ اس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو دوزخی اھل النار کیسے کہا گیا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے جیسا پہلے لکھا گیا ہے کہ یہ شخص کافر یا منافق تھا اس لئے دوزخ چلا گیا خودکشی کی وجہ نہیں تھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا نہیں بلکہ احد کا ہے اس شخص کا نام "قزمان" تھا یہ قومیت کی بنیاد پر لڑ رہا تھا اس وجہ سے اہل النار ہوا۔

۳۰۶۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْقَارِیُّ حَیٌّ مِنَ الْعَرَبِ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْتَقٰی هُوَ وَالْمُشْرِكُوْنَ فَاقْتَتَلُوْا فَلَمَّا مَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی عَسْكَرِهٖ وَمَالَ الْاٰخَرُوْنَ اِلٰی عَسْكَرِهِمْ وَفِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا یَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً اِلَّا اتَّبَعَهَا یَضْرِبُهَا بِسَیْفِهٖ فَقَالُوْا مَا اَجْزَأَ مِنَّا الْیَوْمَ اَحَدٌ كَمَا اَجْزَأَ فُلَانٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَنَا صَاحِبُهٗ اَبَدًا قَالَ فَخَرَجَ مَعَهٗ كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهٗ وَاِذَا اَسْرَعَ اَسْرَعَ مَعَهٗ قَالَ فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِیْدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَیْفِهٖ بِالْاَرْضِ وَذُبَابَهٗ بَیْنَ ثَدْیَیْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلٰی سَیْفِهٖ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَخَرَجَ الرَّجُلُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ وَمَا ذَاكَ ؟ قَالَ الرَّجُلُ الَّذِیْ ذَكَرْتَ آنِفًا اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَاَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ اَنَا لَكُمْ بِهٖ فَخَرَجْتُ فِیْ طَلَبِهٖ حَتّٰی جُرِحَ جُرْحًا شَدِیْدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَیْفِهٖ بِالْاَرْضِ وَذُبَابَهٗ بَیْنَ ثَدْیَیْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَیْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فِیْمَا یَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ فِیْمَا یَبْدُوْا لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کا آمنا سامنا ہوگیا تو لڑائی ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئے اور دوسرے اپنے لشکر کی طرف پلٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک شخص ایسا تھا جو الگ تھلگ کسی لشکری کو چھوڑتا نہ تھا مگر اس کا پیچھا کر کے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا تھا۔ تو صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ ہم میں سے آج کوئی اتنا کام نہ آیا جتنا فلاں شخص آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو وہ اہل جہنم میں سے ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ میں مستقل اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ وہ شخص اس آدمی کے ساتھ جا نکلا۔ وہ جب بھی کہیں ٹھہرتا تو یہ بھی ٹھہر جاتا اور جب وہ تیز چلتا تو یہ بھی تیز چلنے لگتا وہ آدمی جنگ میں شدید زخمی ہوگیا اور جلدی موت کی تمنا کرنے لگا اور اپنی تلوار کا دستہ زمین میں گاڑا اور اس کی نوک اپنی چھاتیوں کے درمیان رکھی پھر اپنی تلوار پر دباؤ ڈالا یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اس وقت وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

سچے رسول ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ کیا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ آپ کچھ دیر قبل بتلایا تھا کہ یہ آدمی جہنمی ہے تو لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی تھی اور میں نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کی خاطر اس کی نگرانی کروں گا۔ میں اس کی طلب میں نکلا یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہوگیا اور جلدی موت کی تمنا کرنے لگا اور اسی جلدی میں اپنے تلوار کا دستہ زمین میں گاڑا اور اس کی نوک کو اپنے سینے پر کیا اور تلوار پر اپنا دباؤ ڈال دیا اور خودکشی کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: بے شک ایک آدمی اہل جنت کے سے اعمال کرتا رہتا ہے بظاہر لوگوں کی نظروں میں وہ اہل جنت میں سے ہو لیکن حقیقتاً وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان لوگوں کی نظروں میں جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے اور فی الواقع وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

٣٠٧۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرِيُّ وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّجُلَ كَانَ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ فَلَمَّا آذَتْهُ اِنْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهٖ فَنَكَأَهَا فَلَمْ يَرْقَأِ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ قَالَ رَبُّكُمْ قَدْ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَهُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ اِيْ وَاللّٰهِ! لَقَدْ حَدَّثَنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جُنْدَبٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا اس کے ایک پھوڑا نکل آیا۔ جب اس پھوڑے نے اسے زیادہ اذیت دی تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اسے پھوڑ دیا۔ اس سے خون بہنے لگا اور بند نہ ہوا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اس کے اوپر جنت حرام کردی۔ پھر حضرت حسن بصریؒ نے اپنا ہاتھ مسجد کی طرف پھیلایا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ حدیث مجھ سے حضرت جندب بن عبداللہ البجلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے بیان فرمائی اس مسجد میں۔

٢٠٨۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيُّ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ فَمَا نَسِيْنَا وَمَا نَخْشٰى اَنْ يَكُوْنَ جُنْدَبٌ كَذَبَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِرَجُلٍ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خُرَاجٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے ہم سے اس مسجد میں حدیث بیان کی۔ پس نہ ہم اسے بھولے اور نہ ہی ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہو۔ آگے سابقہ حدیث بھی الفاظ کے معمولی ردوبدل سے بیان فرمائی۔

باب غلظ تحریم الغلول وانه لایدخل الجنة الاالمؤمنون

مالِ غنیمت میں خیانت کی شدید حرمت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۰۹۔**حَدَّثَنِی** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِی سِمَاكٌ اَبُوزُمَيْلٍ الْحَنَفِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِی عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنِّیْ رَاَيْتُهُ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْعَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاابْنَ الْخَطَّابِ ! اِذْهَبْ فَنَادِفِی النَّاسِ اِنَّهُ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّاالْمُؤْمِنُوْنَ قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ اَلَااِنَّهُ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّاالْمُؤْمِنُوْنَ ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت آئی اور کہا کہ فلاں فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے ایک چادر یا عبا کی چوری کے نتیجہ میں ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں سوائے اہل ایمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے نکلا اور اعلان کیا کہ خبردار! جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے۔

تشریح

''فی بردة ''بردة، منقش چادر کو کہتے ہیں اس کو''شمله'' اور''نمرة'' بھی کہتے ہیں یہاں فی سببیت کے لئے ہے۔''او عباء عباءة'' أو ،شک کے لئے ہے عباء چوغہ کو کہتے ہیں اس کو عبایہ بھی کہتے ہیں۔''غلها'' مال غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہتے ہیں مطلق خیانت کو بھی کہتے ہیں۔''لایدخل الجنة ''یعنی صرف خالص ایمان والا شخص دخول اوّلی کیساتھ جنت میں جائیگا، خیانت والا سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا اس قسم کی وعیدات زجر وتوبیخ پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے، یہ شخص شاید''کرکرہ'' ہو جس کی تصریح دیگر روایات میں ہے۔

۳۱۰۔ **حَدَّثَنِی** اَبُوالطَّاهِرِ قَالَ اَخْبَرَنِی ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدَّيْلِیِّ عَنْ سَالِمٍ اَبِی الْغَيْثِ مَوْلٰى ابْنِ مُطِيْعٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ح:وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَهٰذَاحَدِيْثُهُ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ يَعْنِی ابْنَ مُحَمَّدٍ

عَنْ ثَوْرٍ عَنْ اَبِی الْغَیْثِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی خَیْبَرَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَاوَرِقًا غَنِمْنَا الْمَتَاعَ وَالطَّعَامَ وَالثِّیَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَااِلَی الْوَادِی وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌلَهُ وَهَبَهُ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُذَامٍ یُدْعَی رِفَاعَةَ بْنَ زَیْدٍ مِنْ بَنِی الضُّبَیْبِ فَلَمَّانَزَلْنَاالْوَادِیَ قَامَ عَبْدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحُلُّ رَحْلَهُ فَرُمِیَ بِسَهْمٍ فَکَانَ فِیْهِ حَتْفُهُ فَقُلْنَا هَنِیْئًا لَهُ الشَّهَادَةُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ !قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَیْهِ نَارًا اَخَذَهَامِنَ الْغَنَائِمِ یَوْمَ خَیْبَرَ لَمْ تُصِبْهَاالْمَقَاسِمُ قَالَ فَفَزِعَ النَّاسُ فَجَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْشِرَاکَیْنِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَصَبْتُ یَوْمَ خَیْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ اَوْشِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر نکلے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔ ہم نے سونا چاندی مالِ غنیمت اسباب وسامان غلہ واناج اور کپڑے وغیرہ حاصل کئے۔ ہم لوگ خیبر کی وادی کی طرف چلے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا۔ اور اسے آپ کو بنوضبیب کے ایک آدمی نے جسے رفاعہ بن زید کے نام سے پکارا جاتا تھا اور وہ جذام قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا ہدیہ دیا تھا۔ جب ہم وادیٔ خیبر میں اتر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ غلام کھڑا ہوا آپ کی سواری کی زین کھول رہا تھا کہ اچانک ایک تیر اسے لگا جس میں اس کی اجل تھی ہم نے کہا کہ اسے شہادت مبارک ہو یارسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے بے شک وہ شملہ اس کے اوپر آگ کا شعلہ بن کر لپک رہا ہے جو اس نے خیبر کی فتح کے دن مال غنیمت میں سے لے لیا تھا اور اس وقت تک مال غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ یہ سن کر لوگ گھبرا اٹھے اور ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں۔

تشریح

''عبدلہ'' دیگر روایات میں وضاحت ہے کہ غلام ''مدعم'' تھا یا کرکرہ تھا علامہ واقدی کہتے ہیں کہ رفاعہ بن زید خیبر کے موقع پر آنحضرت کے پاس ایک وفد میں آئے تھے اس نے یہ غلام آپ کو نذر کیا تھا اور ان کا تعلق جذام قبیلہ سے تھا۔ ''حتفہ'' موت کو حتف کہتے ہیں ''الشملة'' میں میم پر فتح بھی پڑھا جاسکتا ہے شملہ بردہ نمرہ ایک ہی چیز ہے یمنی منقش چادر پر بولا جاتا ہے۔ ''تلتھب'' التھاب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں یعنی یہ چادر اس شخص پر آگ بھڑ کا رہی ہے۔ ممکن ہے کہ خود یہ چادر آگ کا حصہ بن کر آگ سلگھا رہی تھی یا اس کا گناہ باعث نار رہا۔ ''شراك'' جوتے کے تسمے کو شراک کہتے ہیں یعنی اگر یہ تسمے واپس نہ کرتا تو اس

کی وجہ سے آگ میں داخل ہو جاتا۔ ''او شــراکــان'' یہ روای کو شک ہے کہ ایک تسمہ کا لفظ بولا تھا یا دو تسمے کا لفظ استعمال فرمایا تھا، غور کا مقام ہے کہ ایک چادر یا ایک تسمہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے لیکن مال غنیمت میں خیانت کرنا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی دوزخ میں داخل ہو گیا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اجتماعی اموال میں خیانت سے بہت دور رہے۔

باب الدليل على ان قاتل نفسه لايكفر

یہ دلیل کہ قاتل نفس کافر نہیں ہوتا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۱۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ اَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! هَلْ لَكَ فِىْ حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَمَنْعَةٍ ؟ قَالَ حِصْنٌ كَانَ لِدَوْسٍ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَاَبَى ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِىْ ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْاَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَمَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوُاالْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ فَرَآهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِىْ مَنَامِهِ فَرَآهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةً وَرَآهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَاصَنَعَ بِكَ رَبُّكَ ؟ فَقَالَ غَفَرَلِىْ بِهِجْرَتِىْ اِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ ؟ قَالَ قِيْلَ لِىْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَاافْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ ! وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمر الدوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ کو مضبوط قلعہ اور فصیل والے قلعہ کی ضرورت ہے؟ یہ قبیلہ دوس کا زمانہ جاہلیت میں ایک قلعہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے لئے یہ بات مقرر فرما دی تھی کہ آپؐ انکی طرف ہجرت کریں گے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک اور آدمی نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ طیبہ کی آب و ہوا اس کو راس نہ آئی وہ بیمار پڑ گیا۔ بیماری سے گھبرا کر اس نے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا یہاں تک کہ مر گیا۔ طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا کہ بڑی اچھی حالت میں ہے مگر اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے ہوئے ہے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے پروردگار نے تیرے ساتھ کیا معاملہ

فرمایا؟ کہنے لگا کہ میری ہجرت کے عمل کی بناء پر مغفرت فرمادی جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تم نے دونوں ہاتھ کیوں ڈھانپے ہوئے ہیں؟ کہنے لگا کہ مجھ سے کہا گیا کہ جس حصۂ جسم کو تو نے خود بگاڑا ہے ہم ہرگز اسے نہیں ٹھیک کریں گے۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے۔

تشریح

''طفیل بن عمرو'' یہ شخص شان والے صحابی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کے قبیلے دوس سے اس کا تعلق ہے یہ شخص قدیم الاسلام ہیں آنحضرت کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے بلکہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت کے پاس آئے اور آپ کو اپنے ہاں قبیلہ دوس میں لے جانے اور ہجرت کرنے کی درخواست کی مگر آنحضرت نے اس کی درخواست کو قبول نہیں کیا کیونکہ ہجرت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کے لئے لکھدی تھی جب آنحضرت نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اس کے بعد طفیل بن عمرو دوسی نے بھی مدینہ کی طرف خود ہجرت کی آپ کے ساتھ آپ کے قبیلے کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد آپ مدینہ ہی میں رہے اور خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اس حدیث میں طفیل بن عمرو کی درخواست کا ذکر ہے پھر آپ کے ساتھی کی خودکشی اور مغفرت کا ذکر ہے۔ ''ھل لك'' یعنی طفیل بن عمرو نے آنحضرت سے درخواست کی کہ کیا آپ کو ایک مضبوط و محفوظ قلعہ کی طرف ہجرت کی رغبت ہے؟۔ ''حصن حصین'' محفوظ قلعہ کے معنی میں ہے حصن قلعہ اور حصین محفوظ قلعہ تاکید کے لئے ہے۔ ''ومنعة'' یہ مانع کی جمع ہے یعنی ایک مضبوط جماعت جو حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ''منعة'' محفوظ جگہ کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے تو یہ حصن حصین کی تفصیل ہوجائے گی۔ ''فاجتووا'' اجتواء، پیٹ کی بیماری کو کہتے ہیں۔ کسی مقام کی آب وہوا کے مخالف آنے سے جو پیٹ کی بیماری پیدا ہوتی ہے اس کو اجتواء کہتے ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ طفیل اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ''فجزع'' یعنی طفیل بن عمرو کا ساتھی بیمار پڑ گیا مگر صبر نہ کرسکا جزع فزع اور گھبراہٹ میں مبتلا ہوگیا۔

''مشاقص'' یہ جمع ہے اس کا مفرد مِشْقَصٌ ہے تمام شارحین نے اس کا ترجمہ تیر سے کیا ہے پھر تیر سے انگلیاں کیسے کاٹی گئیں اس میں شارحین توجیہات کرتے ہیں کہ دھار والا تیر تھا چھوڑائی والا تیر تھا وغیرہ وغیرہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تیر نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی قینچی ہے جس کو لوہار اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں اس کے دو چوڑے پھلکے ہوتے ہیں جس سے بھیڑ بکریوں کے بال کاٹے جاتے ہیں دو پھلکوں کی وجہ سے اس کو جمع لایا گیا ہے۔ پشتو میں اس کو ''کات'' کہتے ہیں جو درزی کی قینچی کی طرح ہوتی ہے مگر اس میں انگلیاں دینے کی جگہ نہیں ہوتی ہے بلکہ مٹھی سے دبانا پڑتا ہے یہ قبائلی نقشہ ہے شہری علماء اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

''براجمه'' یہ ''برجمه'' کی جمع ہے انگلیوں کے جوڑوں کو کہتے ہیں۔ ''فشخبت'' یعنی کاٹنے کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے خون جاری ہوا جو کسی صورت میں نہیں رُکا جس سے وہ مرگیا یہ صیغہ باب نصر ینصر سے ہے۔ ''غفرلی'' یعنی آنحضرت کی طرف ہجرت اور صحابیت کی

برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کیا خودکشی کا جرم تو معاف ہوگیا مگر انگلیاں کاٹنے کا جرم معاف نہیں ہوا وہ اسی طرح کٹی ہوئی ہیں ۔"اللھم ولیدیہ فاغفر" یہاں واؤ عطف کے لئے ہے "ای اللھم فاغفرلہ ولیدیہ" مولیٰ اس کو بھی بخش دے اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے، ہاتھوں کا مسئلہ چونکہ اہم تھا اس لئے آنحضرت نے اس کو عجیب انداز سے مقدم کیا اور دعا مانگ لی تو دعا قبول ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انگلیوں کے ٹھیک نہ کرنے کا جو فرمایا تھا وہ مشروط تھا کہ اگر نبی مکرم دعا مانگیں گے تو پھر ٹھیک کروں گا۔

اس حدیث سے ایک بڑا ضابطہ اہل سنت کو مل گیا وہ یہ کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس میں معتزلہ اور خوارج پر صریح رد ہے نیز اس میں مرجۂ پر بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ کا نقصان نہیں ہوتا، دیکھو یہاں کس طرح نقصان ہوگیا ہے یہاں اگرچہ خواب کا معاملہ ہے جو حجت نہیں ہے مگر آنحضرت کی توثیق وتائید سے اب یہ وحی کا حصہ بن گیا ہے۔

باب الريح التی تكون فی قرب القيامة

قیامت کے قریب ایک نرم ہوا چلنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۲۔**حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَاَبُوعَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ اَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ فَلَاتَدَعُ اَحَدًا فِي قَلْبِهِ قَالَ اَبُوعَلْقَمَةَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ وَقَالَ عَبْدُالْعَزِيزِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ اِيمَانٍ اِلَّاقَبَضَتْهُ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بے شک ایک ہوا یمن کی طرف سے بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ ملائم ہوگی، اور وہ کسی صاحبِ ایمان کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو مگر اسے ختم کردے گی۔

تشریح

"ریحا من الیمن" ریشم سے زیادہ نرم یہ ہوا مؤمنین کو موت دینے کے لئے چلے گی تاکہ مؤمنین قیامت کے زلزلے اور اس کے ہولناک واقعات سے بچ جائیں یہاں یمن کی طرف سے اس ہوا کے چلنے کا ذکر ہے مگر مسلم شریف میں ذکر دجال کے مباحث میں اس ہوا کا چلنا شام کی طرف سے بتایا گیا ہے ہوسکتا ہے دو ہوائیں ہوں اور ہوسکتا ہے ایک جگہ سے شروع ہو دوسری جگہ تک اس کی پہنچ ہو۔ یہ ہوا قرب قیامت کے قیامت کے وقت چلے گی اس کی تفصیلات ان شاء اللہ علامت قیامت کے مباحث میں آئے گی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے ایک موقوف حدیث مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس ہوا اور قیامت کے قائم ہونے کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہوگا۔ (بحوالہ کتاب الفتن لنعیم بن حماد)

باب الحث على الاعمال قبل تظاهر الفتن

فتنوں کے ظہور سے پہلے اعمال کی ترغیب کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۳۱۳۔**حَدَّثَنِي** يَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ اَيُّوبَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ قَالَ اَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرو نیک اعمال میں فتنوں سے پہلے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آئیں گے صبح کو آدمی مومن ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر اور دنیا کے معمولی سامان و مال کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالے گا۔

تشریح

''بادروا'' مبادرہ سے امر کا صیغہ ہے جلدی کرنے کے معنی میں ہے اعمال سے نیک اعمال مراد ہیں۔''المظلم''یعنی تاریک رات کے فتنے ہونگے جس میں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اگر چاندنی رات ہوتی تو کچھ بات ہوتی، اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ فتنوں کا اتنا زور ہوگا کہ دن اور رات کے مختصر اوقات میں اس طرح انقلابات آئیں گے کہ آدمی صبح کسی ایک حال میں ہوگا اور شام کو کسی دوسری حالت میں ڈوب چکا ہوگا لیکن یہ حالت اس کے عقیدے سے پیدا ہوگی کہ یہ شخص دنیا کے چندفانی ٹکوں کے عوض اپنے ایمان کو بیچ ڈالے گا بس اس کا ایمان اور پان کی دکان ایک جیسے ہوگی آج کل پاکستانی عوام اور افغانستان کے عوام امریکی ڈالروں کے حصول کے لئے یہی منظر پیش کر رہے ہیں۔اس حدیث سے بھی مرجۂ پر واضح رد ہو رہا ہے۔

باب مخافة المؤمن ان يحبط عمله

مؤمن کا خوف کہ ان کا اعمال ضائع نہ ہو جائے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۱۴۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲) اِلَى آخِرِ الْآيَةِ جَلَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ فِي بَيْتِهِ وَقَالَ اَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاحْتَبَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَبْنَ مُعَاذٍفَقَالَ يَااَبَا عَمْرٍو !مَاشَأْنُ ثَابِتٍ ؟ اِشْتَكٰى؟ قَالَ سَعْدٌ اِنَّهُ لَجَارِىْ وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوٰى قَالَ فَاَتَاهُ سَعْدٌفَذَكَرَلَهُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّىْ مِنْ اَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَامِنْ اَهْلِ النَّارِفَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿یاایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم﴾ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا کہ میں تو جہنمی ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے رُک گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیاوہ بیمار ہوگئے ہیں؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے تو کوئی علم نہیں کہ انہیں کوئی مرض ہے۔اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ذکر کی تو ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوچکی ہے اورتم تو جانتے ہو کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ بلند آواز والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (یعنی میری آواز اونچی ہے) لہٰذا میں تو اہل دوزخ میں سے ہوں۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری بات ذکر کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے۔

تشریح

''احتبس ثابت ''یعنی ایت کے نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیس گھر میں بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جانے سے رک گئے ثابت بن قیس بن شماس انصار کے مشہور خطیب تھے ان کی آواز میں قدرتی بلندی تھی ادھر ایت میں حکم آیا کہ جس نے نبی مکرم کی آواز پر آواز بلند کی تو اس کے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔حضرت ثابت بن قیس خوف خدا اور محبت رسول کی وجہ سے اس پریشانی میں مبتلا ہوگئے ورنہ رفع الصوت کی حرمت کا حکم تو اب آیا ہے قبل الحرمت تو مواخذہ نہیں ہوتا یا ہوسکتا ہے کہ حضرت ثابت آئندہ رفع الصوت کے خطرے کے پیش نظر پریشان ہوگئے تھے بہرحال ''ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون '' سے علامہ زمخشریؒ نے استدلال کیا ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے اعمال حبط ہوجاتے ہیں تو آدمی بے ایمان رہ جائیگا اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔اہل سنت نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ اس آیت سے دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو رفع الصوت فوق صوت النبی ہے یہ کبائر میں سے ہے دوسری چیز ایذاء النبیؐ ہے یہ کفر ہے تو یہاں حبط اعمال ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے نہ کہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے حضرت ثابت نے یہ سمجھ لیا کہ رفع الصوت اگرچہ کبیرہ ہے لیکن یہ ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم ہے لہٰذا آپ نے اپنے اوپر اھل النار ہونے کا حکم لگا دیا لیکن اسی خوف خدا اور محبت رسول کی بدولت آنحضرت نے

ان کو اہل جنت میں سے قرار دیا اس کے بعد صحابہ ایک چلتے پھرتے جنتی کا نظارہ کرتے تھے معلوم ہوا خوف خدا بڑی نعمت ہے۔
''اشتکی'' یہاں ایک ہمزہ محذوف ہے جو ہمزۂ وصل ہے یعنی ''اِشتکی'' کیا ثابت بیمار ہو گئے ہیں جو مجلس میں حاضر نہیں ہو رہے ہیں؟ اس سے ایک یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت اپنے اصحاب کا مستقل تفقد و نگرانی فرماتے تھے اور حاضر و غائب کی خبر گیری کرتے تھے اس سے آج کل مدارس میں طلبہ کی حاضری اور غیر حاضری کا پورا نظام ثابت ہو جاتا ہے۔

فائدہ

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا بھی منع ہے اسی طرح جس مجلس میں آنحضرت کی احادیث کا درس ہوتا ہو وہاں بھی آواز بلند کرنا منع ہے کیونکہ آنحضرت کا احترام حیاً و میتاً امت پر لازم ہے۔ (فتح الملہم)
''فسأل النبی ﷺ سعد بن معاذ'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ثابت بن قیس مجلس میں نہیں آرہا ہے کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعدؓ نے کہا کہ وہ میرا پڑوسی ہے میں معلوم کر کے بتاتا ہوں۔

سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ مذکورہ ایت ۹ ہجری میں اقرع بن حابس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت سعد بن معاذ پانچ ہجری میں شہید ہو گئے ہیں تو آنحضرت کا نو ہجری میں سعد بن معاذ سے پوچھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں سعد بن معاذ کا لفظ محل بحث ہے صحیح یہ ہے کہ یہ سعد بن عبادہ ہے اور سعد بن عبادہ کا ہونا قرین قیاس بھی ہے کیونکہ ثابتؓ ان کے پڑوسی تھے دونوں کا قبیلہ بھی ایک ہے جو خزرج ہے اور سعد بن عبادہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت میں انتقال کر گئے ہیں اور حضرت سعد بن معاذؓ اوس قبیلہ سے ہیں اور پانچ ہجری میں انتقال کر گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابن منذر کی تفسیر میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''فقال سعد بن عبادة یارسول الله هو جاری''۔
امام مسلم رحمہ اللہ اس پہلی حدیث کے بعد تینوں حدیثوں میں یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ ان روایتوں میں سعد بن معاذؓ کا ذکر نہیں ہے یہ اسی اعتراض کی طرف اشارہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ کی گہری نظر پر دلالت کرتا ہے۔ ''الحمدلله الذی هدانی الی هذا''۔

۳۱۵۔ **وَحَدَّثَنَا** قَطَنُ بْنُ نُسَيْرٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ بِنَحْوِ حَدِيْثِ حَمَّادٍ وَلَيْسَ فِیْ حَدِيْثِهٖ ذِكْرُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی سابقہ حدیث معمولی فرق سے منقول ہے۔ اس میں شروع میں یوں فرمایا کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصار کے خطیب تھے اور اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

۳۱۶۔ **وَحَدَّثَنِیهِ** اَحْمَدُبْنُ سَعِیدِبْنِ صَخْرٍالدَّارِمِیُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُحَدَّثَنَا سُلَیمَانُ ابْنُ الْمُغِیرَۃِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿لَاتَرْفَعُوااَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾(الحجرات:۲) وَلَمْ یَذْكُرْ سَعْدَبْنَ مُعَاذٍ فِی الْحَدِیثِ ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ﴿یاایھاالذین امنوا لاترفعوااصواتکم﴾ نازل ہوئی اوراس روایت میں سعد بن معاذ کا تذکرہ نہیں ہے۔

۳۱۷۔ **وَحَدَّثَنَا** هُرَیمُ بْنُ عَبْدِالْاَعْلَی الْاَسَدِیُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُبْنُ سُلَیمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِی یَذْكُرُ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّانَزَلَتْ هَذِهِ الْاٰیَةُ وَاقْتَصَّ الْحَدِیثَ وَلَمْ یَذْكُرْ سَعْدَبْنَ مُعَاذٍ وَزَادَ فَكُنَّا نَرَاهُ یَمْشِی بَینَ اَظْهُرِنَا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس کے آخر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم دیکھتے تھے حضرت ثابت کو کہ ہمارے درمیان ایک جنتی شخص چل رہا ہے۔

باب هل یؤاخذ باعمال الجاهلیة ؟

کیا جاہلیت کے افعال پر مواخذہ ہوگا؟

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۸۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَیبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اَبِی وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یَارَسُولَ اللّٰهِ ! اَنُؤاخَذُبِمَاعَمِلْنَافِی الْجَاهِلِیَّةِ ؟ قَالَ اَمَّامَنْ اَحْسَنَ مِنْكُمْ فِی الْاِسْلَامِ فَلَا یُؤَاخَذُبِهَا وَمَنْ اَسَاءَ اُخِذَ بِعَمَلِهِ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَالْاِسْلَامِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمارے ان اعمال کا جو ہم نے زمانۂ جاہلیت میں کئے ہیں مواخذہ ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اچھی طرح اسلام لایا اس سے اس کے اعمالِ کفر کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جو بری نیت سے اسلام لایا تو اس سے اسلام اور کفر دونوں حالتوں میں کئے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا۔

تشریح

''من احسن فی الاسلام'' حُسن اسلام سے مراد صحیح اور حقیقی اسلام ہے جس میں شک اور نفاق اور شرک نہ ہو اور ''اساء'' سے مراد نفاق والا اسلام ہے، اب یہ بات تو طے ہے کہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں آنے والے باب میں اس کی وضاحت ہے زیر بحث حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر سچا اسلام ہے تو جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ نہیں ہوگا وہ سب مٹ

گئے لیکن اگر نفاق والا اسلام ہے تو پھر جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ بھی ہوگا اور اسلام میں برے اعمال کرنے کا مؤاخذہ بھی ہوگا یہ جمہور کا مسلک ہے بعض گمنام قسم کے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے جاہلیت والے برے اعمال کو اسلام کی حالت میں بھی جاری رکھا اور اس کو ترک نہیں کیا مثلاً پہلے شراب پیتا تھا اب بھی پیتا ہے تو اس شخص سے جاہلیت کے گناہوں کے مؤاخذہ بھی ہوگا گویا اس شخص نے اسلام کو تو قبول کیا اور کفر سے تائب ہوگیا، مگر اس گناہ سے اس نے توبہ نہیں کی ہے لہٰذا دونوں حالتوں کے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا۔

۳۱۹۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ وَوَكِيْعٌ ح:وَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قُلْنَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَنُؤَاخِذُبِمَاعَمِلْنَافِی الْجَاهِلِيَّةِ ؟ قَالَ مَنْ اَحْسَنَ فِی الْاِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَاعَمِلَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَمَنْ اَسَاءَ فِی الْاِسْلَامِ اُخِذَ بِالْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہمارے جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا؟ فرمایا جس نے حُسن نیت سے اسلام قبول کیا اس کے اعمالِ جاہلیت کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جو بُری نیت سے اسلام لایا اس کے اوّل وآخر کے اعمال کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

۳۲۰۔ **حَدَّثَنَا** مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيْمِیُّ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهُ ۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت اسی سند سے منقول ہے۔

باب كون الاسلام يهدم ما كان قبله وقصة عمرو بن العاص

اسلام سے سابقہ گناہ مٹتے ہیں، عمرو بن عاصؓ کا قصہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۲۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى الْعَنَزِیُّ وَاَبُوْمَعْنٍ الرَّقَاشِیُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ اَبِیْ عَاصِمٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِی اَبَاعَاصِمٍ قَالَ اَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ يَزِيْدُ بْنُ اَبِیْ حَبِيْبٍ عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمَهْرِیِّ قَالَ حَضَرْنَا عَمْرَوبْنَ الْعَاصِ وَهُوَفِیْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ فَبَكٰى طَوِيْلًا وَحَوَّلَ وَجْهَهُ اِلَى الْجِدَارِ فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُوْلُ يَااَبَتَاهُ ! اَمَابَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا ؟ اَمَابَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا ؟قَالَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَانُعِدُّ شَهَادَةُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْكُنْتُ عَلٰى اَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ لَقَدْرَاَيْتُنِیْ وَمَااَحَدٌ اَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّیْ وَلَااَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ قَدِاسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ مِنْهُ فَلَوْمُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِیْ قَلْبِیْ اَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ ابْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلْأُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِى قَالَ مَالَكَ يَاعَمْرُو ؟ قَالَ قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا ؟ قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِیْ ـ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَاعَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ ؟ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا ؟ وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ ؟ وَمَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اَجَلَّ فِیْ عَيْنَیَّ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ اُطِيْقُ اَنْ اَمْلَأَ عَيْنَیَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَهُ وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهُ مَااَطَقْتُ لِاَنِّیْ لَمْ اَكُنْ اَمْلَأُ عَيْنَیَّ مِنْهُ وَلَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِيْنَا اَشْيَاءَ مَااَدْرِیْ مَاحَالِیْ فِيْهَا فَاِذَا اَنَامُتُّ فَلَاتَصْحَبْنِیْ نَائِحَةٌ وَلَانَارٌ فَاِذَادَفَنْتُمُوْنِیْ فَسُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ سَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَاتُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَااُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّیْ ـ

حضرت ابن شماسہ المہریؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص کے پاس گئے جب کہ وہ بالکل موت کے قریب تھے وہ بہت دیر تک روتے رہے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرلیا۔ ان کے صاحبزادے کہنے لگے کہ ابا جان! آپ کو کس چیز نے رُلا دیا؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت نہیں دی؟ کیا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بشارت نہیں دی؟ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اپنا چہرہ ان کی طرف کیا اور فرمایا کہ ہم اپنے تمام اعمال میں سب سے افضل عمل شہادتین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار کو شمار کرتے ہیں۔ بے شک میں تین مختلف حالتوں میں رہا ہوں میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت وبغض مجھ سے زیادہ کسی کو نہ تھی۔ اور مجھے اس سے زیادہ کوئی بات پسند نہ تھی کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پاکر آپ کو قتل کردوں اگر میں اسی حالت میں مرجاتا تو میں جہنمی ہوتا، پھر اللہ عزّ وجل نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اپنا دایاں ہاتھ پھیلایئے تا کہ میں آپ سے بیعت کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک پھیلا دیا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میری مغفرت ہوجائے۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت سابقہ تمام گناہوں کو ختم کردیتی ہے اور حج بھی پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا، نہ ہی میری نگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی جلالت شان والا تھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان ورعب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اگر مجھ سے آپ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان نہ کرسکتا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر اسی حالت

پر میں مرجاتا تو مجھے امید ہوتی کہ میں اہل جنت میں سے ہو جاؤں گا۔لہذا پھر ہم کو بہت سے معاملات کا نگراں بنادیا گیا۔میں نہیں جانتا کہ میرا اس میں کیا حال ہوگا۔اور جب میں مرجاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ ہو نہ ہی آگ ساتھ ہو، جب تم مجھے دفن کردو تو مجھ پر اچھی طرح مٹی چھڑک دینا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے وجہ سے مانوس رہوں اور میں دیکھ لوں کہ میں اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

تشریح

''عمرو بن العاص ''حضرت عمرو بن العاصؓ جلیل القدر صحابی ہیں، پانچ ہجری میں اسلام لائے آپ اور حضرت خالدؓ اور عثمان طلحہ ایک ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئے آنحضرت نے آپ کو عمان کا حاکم مقرر کیا آنحضرت کی وفات تک وہاں کے گورنر رہے پھر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ نے آپ کو گورنر مقرر کیا آپ فاتح مصر ہیں اور وفات تک مصر کے حاکم رہے دس سال تک آپ نے مصر پر حکومت کی، آنحضرتؐ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔

جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ تھے واقعہ تحکیم میں شامل تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ فصاحت وبلاغت، رائے اور عقل وتدبر میں عرب کے بڑے پائے کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، حضرت عمر فاروق جب کسی آدمی سے بات فرماتے اور وہ سمجھ نہ پاتے تو آپ فرماتے ''سبحان اللہ الذی خَلَقَكَ وخلق عمرو بن العاص ''پاک ہے وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور عمرو بن العاص کو پیدا کیا، یعنی وہ کتنا فصیح اور سمجھدار ہے اور تُو کس طرح ناسمجھ ہے، موت کے وقت آپ نے جب اپنے اموال کو دیکھا تو فرمایا کہ کاش یہ مال نہ ہوتا بلکہ مینگنیاں ہوتیں کاش میں غزوۂ ذات سلاسل میں مرجاتا، میں ایسے امور میں گھس گیا جس کے انجام کا کوئی پتہ نہیں اب میں نہیں جانتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس کیا عذر پیش کروں گا میں نے معاویہ کی دنیا بنالی اور اپنی آخرت خراب کرلی اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ایک رسی لاؤ اور میرے ہاتھوں کو میری گردن کے ساتھ باندھ لو بیٹے نے ایسا ہی کیا تو آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا کہ میرے مولا! میں نے تیری نافرمانی کی ہے میں نے گناہ کیے ہیں میں طاقت نہیں رکھتا کہ اپنے آپ کو بچالوں اور نہ میرے پاس کوئی عذر ہے کہ پیش کروں بس صرف میں کلمۂ شہادت اور نبی مکرم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں، یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلی منہ میں رکھ لی گویا سخت پشیمان ہیں پھر سوچنے لگے سوچتے سوچتے آپ کی موت واقع ہوگئی۔ (فتح الملہم، الآبی)

آپ ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

''فی سیاقة الموت ''یعنی سکرات الموت میں تھے۔''اطباق ثلاث ''یعنی مجھ پر زندگی کے تین دور گذرے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ پہلا دور جاہلیت کا گذرا ہے اگر اس میں مرجاتا تو سیدھا دوزخ چلا جاتا۔

۲۔ دوسرا دور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس میں اگر اسلام پر مرجاتا تو سیدھا جنت چلا جاتا۔
۳۔ تیسرا دور سیاست کا گذرا ہے جس میں ہم نے حکومت کی سرپرستی کی ہے اسی دور کا خطرہ ہے۔

''اجلالاً لہ'' یعنی آنحضرت کو میں عظمت کی وجہ سے آنکھیں بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا یہ حال بڑے صحابہ کا تھا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کے شمائل اور حلیہ مبارکہ صغار صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کبار نے بیان نہیں کیا کیونکہ وہ عظمت کی وجہ سے آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔''فاذاانامت'' یہاں حضرت عمروؓ نے چند وصیتیں فرمائی ہیں اور ہر آدمی کو وصیت کرنی چاہئے۔

''نائحہ'' یعنی رونے والی کوئی عورت نہ ہو جو بین کرے جس طرح جاہلیت میں ہوتا تھا۔''ولانار'' جاہلیت میں آگ روشن کر کے میت کے ساتھ ساتھ لیجاتے تھے اس کو منع کیا۔''فسنوا علی التراب'' سَنّ وشَنّ، دونوں کا معنی ایک ہے قبر پر مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں بعض نے کہا کہ ''سن'' آہستہ آہستہ مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں اور ''شن'' تیز تیز مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں۔''ثم اقیموا حول قبری'' یعنی ایک اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت تقسیم کرنے کی مقدار تک میری قبر کے پاس کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تم سے تسلی حاصل کرتا رہوں اور یہ دیکھوں کہ میں قبر میں فرشتوں کا جواب کیسے دیتا ہوں اس میں اتنی بات تو ثابت ہے کہ کچھ دیر تک قبر کے پاس آدمی ٹھہر جائے یہ مستحب ہے لیکن اس سے سماع موتٰی ثابت کرنا یا قبر پر قرآن لاکر پڑھنا ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے پھر یہ ایک صحابی کا اجتہادی قول ہے شریعت کا عام ضابطہ نہیں ہے سماع موتی کی بحث کا یہ مقام نہیں ہے۔

''ابسط یمینک'' آپ اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلا دیجئے تاکہ میں اس پر آپ سے بیعت کروں معلوم ہوا زبانی بیعت کی نسبت ہاتھ میں ہاتھ دینا اصل اور افضل ہے عورتوں کی بیعت میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نہیں دیا وہاں صرف زبانی بیعت اصل ہے، یہ بیعت اسلام کی تھی اور ہر پیر و مرشد کو چاہئے کہ کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو بوقت بیعت ہاتھ نہ لگائیں۔

''فلابایعك'' میں عین پر نصب اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔ پہلا احتمال اس طرح ہے کہ فاکلمۂ زائد ہو اور اس کے بعد لام کلمہ بمعنی لام ''کی'' تعلیلیہ ہو جو ناصب فعل ہوتا ہے یعنی ''کی ابایعك'' تو عین منصوب ہے۔ دوسرا احتمال یہ کہ لام زائد ہو اس صورت میں عین پر ضمہ آئے گا اور فا تفریعیہ ہوگی یعنی ''ابسط یمینك فابایعك''۔''ان اشترط'' معلوم ہوا کہ بیعت سے پہلے شرط لگانی جائز بھی ہے اور مناسب بھی ہے تاکہ خوب تسلی ہو۔''قال تشترط ماذا؟'' ماذا، کلمہ چونکہ استفہام ہے اس لئے یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے یہاں صدارت نہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں ماذا کلام کی ابتداء میں محذوف ہے اور مذکورہ ماذا آخر میں اس کی تفسیر ہے یعنی ماذاتشترط ماذا۔ یا یوں سمجھ لیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور انکار و تعجب استفہام کے ساتھ یہ پوچھا اتشترط؟ یعنی اسلام میں شرط لگاتے ہو؟ پھر پوچھا ماذا یعنی کیا شرط لگاتے ہو تو یہ ماذا الگ کلمہ ہے جو الگ سوال کے ساتھ آیا ہے جو صدارت پر واقع ہے پھر مجموعہ کلام اس طرح بن گیا تشترط ماذا، ہمزۂ استفہام کو حذف کیا گیا۔''یغفرلی'' معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا گیا معروف کی ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔''اماعلمت یاعمرو'' یعنی تم عقلمند ہوشیار اور جہاندیدہ سمجھدار آدمی

ہو گیا تم پر یہ بات پوشیدہ ہے جو کسی عقل مند پر پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقل کا حوالہ دیا ورنہ حضرت عمروؓ مذکورہ مسئلہ سے ایمان سے ہے کیا واقف ہو سکتے تھے۔ ''الاسلام یهدم ما کان قبله '' علماء نے یہاں اسلام سے مراد حربی کا اسلام لیا ہے کیونکہ ذمی کا حکم اس طرح نہیں ہے۔ ''والهجرة '' یعنی میری زندگی میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور فتح مکہ کے بعد دار الحرب سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا یعنی اسلام ہجرت اور حج تینوں اعمال ماسبق تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

سابقہ گناہ مٹنے کا ضابطہ اور علماء کی آراء

اسلام

جمہور علماء کے نزدیک جب کوئی غیر مسلم حربی یعنی غیر ذمی اسلام قبول کرتا ہے تو اسلام اس کے صغائر گناہ اور کبائر سب کو مٹا دیتا ہے نیز حقوق اللہ اور حقوق العباد مظالم اور غیر مظالم سب گناہوں کو مٹا کر رکھ دیتا ہے، اس میں اتفاق ہے۔

ہجرت اور حج

البتہ ہجرت اور حج میں اختلاف ہے کہ آیا وہ صغائر و کبائر کو مٹا دیتے ہیں یا نہیں جس کا ذکر یہاں حدیث میں اسلام کے ساتھ ہوا ہے تو حافظ تورپشتیؒ اور متقدمین شارحین کا خیال ہے کہ هادم صرف اسلام ہے اور حج اور ہجرت سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں مطلقاً اور کبائر اس وقت معاف ہوں گے جب کہ اس کے ساتھ توبہ ملحق ہو جائے بشرطیکہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر وہ کبائر حقوق العباد سے متعلق ہوں تو صاحب حق سے معاف کرائے بغیر صرف توبہ سے وہ بھی معاف نہیں ہوں گے۔
خلاصہ یہ نکلا کہ ہجرت و حج سے کبائر معاف نہیں ہوتے ہیں۔ حافظ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ نصوص قرآن سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے جیسے ﴿ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم﴾ کی نص مقیدہ سے صغائر کی معافی معلوم ہوتی ہے لہٰذا نصوص مطلقہ کو نصوص مقیدہ پر حمل کر کے صغائر و کبائر کی قید کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

علامہ طیبی کی تحقیق

علامہ طیبی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اسلام کی طرح حج اور ہجرت سے بھی تمام صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں اور جو حکم ہادم ہونے میں اسلام کا ہے وہی حج و ہجرت کا بھی ہے۔
علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں علماء متقدمین پر رد کرنا نہیں چاہتا ان کی رائے اور تحقیق اپنی جگہ پر صحیح ہے اور عام قواعد کے مطابق ہے لیکن میں نفس حدیث کو دیکھ کر اس کے سیاق و سباق اور اسلوب کلام اور بلاغت و فصاحت کے اصولوں کو دیکھ کر یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اسلام کے لئے جس خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خصوصیت حج و ہجرت کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ نفس حدیث میں چند قرائن ایسے ہیں جس سے واضح طور پر اسلام، ہجرت اور حج کی خصوصیت یکساں طور پر معلوم ہو جاتی ہے مثلاً

۱۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیعت اسلام سے پہلے اپنے تمام گناہوں کی مغفرت کی شرط لگائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے علاوہ ہجرت وحج کو بھی ان کے اطمینان کے لئے ذکر کیا کہ تم تو اسلام کی بات کرتے ہو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مغفرت کی یہ خصوصیت تو اسلام کے علاوہ حج اور ہجرت میں بھی ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اسلام کی تشبیہ گناہوں کے مٹانے میں مکان و پہاڑ توڑنے والے ھادم آلے سے دی ہے بعینہٖ یہی تشبیہ حج اور ہجرت کی بھی دی ہے کہ ھدم ذنوب میں حج اور ہجرت بھی اسلام کی طرح عام اور مطلق ہے۔

۳۔ اسلام حج اور ہجرت کو یہاں عطف کے ذریعہ سے ذکر کیا گیا ہے اور معطوف معطوف علیہ میں کمال مناسبت ضروری ہے یہاں مناسبت قویہ کی شکل مساوات فی الحکم میں ظاہر ہوگی کہ جو حکم اسلام کا ہے وہی اس کے معطوفات حج اور ہجرت کا ہے لہٰذا جس طرح صغائر کبائر سب کے لئے ھادم ہے حج اور ہجرت بھی اسی طرح ہے۔

۴۔ صیغہ یھدم کا ہر بار مستقلا تکرار کے ساتھ آنا خود اس بات کی دلیل بھی ہے اور تاکید بھی ہے کہ جو کام اسلام ہے وہی کام مستقل طور پر حج اور ہجرت کا بھی ہے علامہ طیبیؒ کی یہ تحقیق بہت عمدہ ہے اور جس آیت کو علامہ تورپشتیؒ نے بطور استدلال پیش کیا ہے اس سے معتزلہ نے بھی استدلال کیا ہے لیکن آیت کی اپنی صحیح اور واضح تفسیر بھی ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر عثمانی میں نقل فرمائی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ ویسے جو لوگ حج کی مشقتیں برداشت کر کے کئی ماہ وہاں گزارتے ہیں کیا وہ گناہوں سے توبہ نہیں کرتے ہوں گے اور حقوق العباد کا انتظام نہیں کرتے ہوں گے؟ اسی طرح ہجرت جیسی بڑی قربانی کیا توبہ سے خالی ہوگی؟ جب توبہ عقلاً وعرفاً ملحق ہے تو پھر مغفرت میں کیا شک ہے۔

قتل عمد کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا مسلک

۳۲۲۔**حَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَیْمُوْنٍ وَاِبْرَاهِیْمُ بْنُ دِیْنَارٍ وَاللَّفْظُ لِاِبْرَاهِیْمَ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ وَهُوَابْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یَعْلَی بْنُ مُسْلِمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ یُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ قَتَلُوْا فَاَكْثَرُوْا وَزَنُوْا فَاَكْثَرُوْا ثُمَّ اَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَتَدْعُوْ لَحَسَنٌ وَلَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان:۶۸) وَنَزَلَ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ۔ (الزمر:۵۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے چند لوگ جنہوں نے بہت قتل اور بہت زنا کئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بے شک جو بات آپ کہتے ہیں اور جس چیز

کی آپ دعوت دیتے ہیں بلاشبہ اچھی بات ہے۔کاش آپ ہمیں یہ بتلا دیں کہ ہم نے بداعمالیاں کی ہیں ان کا کوئی کفارہ ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿والذین لایدعون مع اللہ الھاآخر﴾ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ نہیں پکارتے دوسرے معبود کو اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو مگر کسی حق کی وجہ سے اور نہ بدکاری وزنا کاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا وہ گناہ میں جا پڑے گا، قیامت کے روز اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل ورسوا ہو کر پڑا رہے گا۔مگر جس نے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو حسنات سے تبدیل کردے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔اور یہ آیت بھی نازل ہوئی ﴿یاعبادی الذین اسرفواعلی انفسھم لاتقنطوامن رحمۃ اللہ﴾ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں سے زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

تشریح

''کفارۃ'' یہاں تک شرط واقع ہے اور جملہ شرطیہ ہے اس کی جزامحذوف ہے وہ اس طرح ہے ''لَاَ سلمنا'' یعنی ہم نے جو غلط کام جاہلیت میں کیے ہیں اگر اسلام اس کا کفارہ بنتا ہے تو ہم اسلام لے آئیں گے اس پر قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قتل وغیرہ گناہ جاہلیت میں کیئے ہیں اسلام لانے کے بعد وہ سب معاف ہوگئے ''الامن تاب وامن وعمل عملاً صالحاً الخ سے اس کی وضاحت ہوگئی اب قرآن عظیم کی دو ایتیں آمنے سامنے ہیں ایک سورت فرقان کی ایت ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے۔

دوسری سورت نساء کی ایت ہے کہ

﴿ومن قتل مؤمنامتعمداً فجزائہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما﴾ ۔

اس ایت کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل عمد کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔اب ان ایتوں کے پیش نظر علماء امت کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا کہ آیا قتل عمد کرنے والے شخص کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کی توبہ قبول نہیں ہے، ایسا شخص مخلدفی النار ہے۔جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد کے بعد توبہ کرنا مقبول ہے۔جمہور نے عام احادیث سے استدلال کیا ہے اور سوت فرقان کی ایت سے بھی استدلال کیا ہے، اور سورت نساء کی ایات میں مناسب تاویل کی ہے کہ اس سے طویل خلود مراد ہے یا زجراً وتغلیظاً ہے مگر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورت فرقان ان مشرکین کے بارے میں ہے جنہوں نے بہت زیادہ گناہ کئے زنا کیا قتل کیا اور پھر مسلمان ہوگئے اور حضرت پاک سے عرض کیا کہ اسلام لانے سے ہمارے گناہ معاف ہوجائیں گے یا نہیں؟ تو سورت فرقان کی ایتیں نازل ہوئیں گویا ان ایتوں کا تعلق کافروں سے ہے مسلمانوں سے نہیں مسلمانوں کے بارے میں وہی ایتیں ہیں جو سورت نساء میں ہیں کہ قتل عمد والا شخص مخلد فی النار ہوگا اس کی توبہ قبول نہیں۔

علامہ عثمانی فتح الملھم میں لکھتے ہیں

"وقول ابن عباسؓ بأن المؤمن اذاقتل مؤمناً متعمداً لاتوبة له مشهور عنه"

فتح الملھم میں حضرت عباس سے مزید تفصیل بھی منقول ہے۔ جس میں آپ نے کئی احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جمہور نے حضرت ابن عباس کے مستدلات میں تاویل کر کے جواب دیا ہے اہل سنت کا اصولی موقف یہی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے خوارج اور معتزلہ اس کو کافر کہتے ہیں۔

محاکمہ

اس اختلاف کا بہتر محاکمہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے نشانہ سیدھا کرتا ہے کہ گولی خطا نہ جائے اور خوب نشانہ باندھ کر ایک مؤمن جیسے یوسف لدھیانوی یا مفتی جمیل خان یا مفتی نظام الدین شہید کو قتل کرتا ہے تو نشانہ باندھتے وقت اس شخص کا قطعی عقیدہ بنتا ہے کہ میرے لئے اس شخص کا مارنا جائز ہے اور اس طرح عقیدہ کی بنیاد پر تمام امت کا فیصلہ ہے کہ یہ شخص کافر ہے مخلد فی النار ہے اسکی توبہ نہیں ہے۔ بہرحال امام مسلمؒ نے ان ایتوں کو اس مقصد کے لئے پیش کیا ہے کہ جس طرح "الاسلام یھدم ماکان قبله" سنت سے ثابت شدہ حکم ہے۔ اسی طرح سورت فرقان کی ایتوں سے بھی یہ حکم ثابت ہے کہ "الاسلام یھدم ماکان قبله"۔

باب بيان حكم عمل الكافر اذااسلم بعده

اسلام لانے کے بعد کافر کے سابقہ اعمال حسنہ کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۲۳۔ **حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِی يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِی عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَيْتَ اُمُورًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ هَلْ لِيْ فِيهَا مِنْ شَيْءٍ؟فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلَى مَااَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ ۔ وَالتَّحَنُّثُ:التَّعَبُّدُ ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: آپ کی کیا رائے ہے ان کاموں کے بارے میں جنہیں میں زمانۂ جاہلیت میں عبادت کے طور پر کیا کرتا تھا۔ کیا مجھے ان کاموں میں کوئی اجر ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان تمام اعمال خیر پر جو تم کر چکے ہو۔

تشریح

"حکیم بن حزام" اس صحابی کے فضائل میں سے یہ ہے کہ جوف کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں اس فضیلت میں یہ یکتا ہے ساٹھ

سال جاہلیت اور ساٹھ سال اسلام میں رہے فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے اور ۵۴ھ مدینہ میں فوت ہوئے۔

''اتحنث'' یہ لفظ اتعبد کے معنی میں ہے حنث گناہ کو کہتے ہیں۔اور یہاں باب تفعل سلب مأخذ کے لئے ہے جو ازالہ حنث ہے اور ازالہ حنث خود عبادت ہے لہٰذا یہ عبادت کے معنی میں ہے آیندہ حدیث میں ''اتبرر'' کا لفظ آیا ہے جو نیکی کے معنی میں ہے۔

''اسلمت علی مااسلفت من خیر'' تم نے جو اچھا کام کیا اسی کی بدولت اسلام نصیب ہوا۔

سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہلیت میں نیک کاموں کے بارے میں سوال کیا کہ اس کا ثواب ملے گا یا نہیں آنحضرت نے اوپر جملہ سے ایسا جواب دیا ہے جس سے معلوم نہیں ہوسکا کہ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

جواب

اس جملہ کے مطلب میں کئی احتمالات ہیں جن سے جواب کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۔ اس جملہ میں ''علی'' سببیت کے لئے ہے یعنی جاہلیت کے اچھے کاموں کی برکت اور سبب سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اسلام کی توفیق دیدی تو یہ جاہلیت کے اعمال خیر کا تجھے فائدہ ہوا یہ جواب سب سے اچھا ہے۔

۲۔ اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جاہلیت میں تم نے جو نیک کام کیے تو تجھے اس کی عادت پڑ گئی اب اسلام میں اسی طرح اعمال کرو گے یہ فائدہ ہوا۔اس مفہوم کی طرف حکیم بن حزام نے اشارہ بھی کیا ہے کہ میں اُن اعمال کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

۳۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ جاہلیت کے اچھے اعمال کے بدلے میں لوگوں نے تیری تعریف کی ہے یہ تعریف اچھا بدلہ ہے جو تجھے ملا ہے اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کفار دنیا میں جو رفاعی کام کرتے ہیں یا خدمت خلق کرتے ہیں اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں مل جاتا ہے کہ وہ اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں اور دنیا کی دیگر نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لوگ تعریف کرتے ہیں۔

٣٢٤۔**وَحَدَّثَنَا** حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا وَقَالَ عَبْدٌ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ وَهُوَابْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ رَسُولَ اللّٰهِ ! اَرَاَيْتَ اُمُورًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَافِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْ عَتَاقَةٍ اَوْصِلَةِ رَحِمٍ اَفِيهَا اَجْرٌ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلَى مَااَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں کہ ان اعمال کے بارے میں جنہیں بطورِ عبادت جاہلیت میں کیا کرتا تھا مثلاً صدقہ، غلام کو آزاد کرنا، صلہ رحمی کرنا کیا مجھے ان اعمال کا اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان اعمال

خیر پر جنہیں تم کر چکے ہو۔

۳۲۵۔**وحَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدقَالَا اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ ح:وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا اَبُومُعَاوِيَةَحَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! اَشْيَاءَ كُنْتُ اَفْعَلُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي اَتَبَرَّرُبِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلَى مَااَسْلَفْتَ لَكَ مِنَ الْخَيْرِ قُلْتُ فَوَاللّٰهِ ! لَااَدَعُ شَيْئًا صَنَعْتُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِلَّافَعَلْتُ فِي الْاِسْلَامِ مِثْلَهُ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں جاہلیت میں بعض اعمال کیا کرتا تھا یعنی نیک کام کیا کرتا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم اسلام لائے ہوان نیک اعمال پر جوتم نے کئے ہیں۔تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں کوئی وہ کام نہیں چھوڑوں گا جسے میں نے زمانہ جاہلیت میں کیا تھا مگر اس کے مثل کرتا رہوں گا اسلام میں بھی۔

۳۲۶۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ اَعْتَقَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ ثُمَّ اَعْتَقَ فِي الْاِسْلَامِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے اور سو اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے، پھر حالت اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے اور سو اونٹ سواری کے لئے دیئے۔پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آگے بعینہ سابقہ حدیث ذکر فرمائی۔

باب صدق الایمان واخلاصه

سچے دل سے ایمان لانے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۲۷۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اِدْرِيسَ وَاَبُومُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ لَمَّانَزَلَتْ ﴿اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾(الانعام:۸۲) شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا اَيُّنَا لَايَظْلِمُ نَفْسَهُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ هُوَ كَمَاتَظُنُّونَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِاِبْنِهِ ﴿يٰبُنَيَّ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(لقمان:۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ﴿الذین امنوا ولم یلبسوا

ایمانھم بظلم﴾ نازل ہوئی وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملایا نہیں تو وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے، تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہایت شاق گذری اور انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیت کا مفہوم وہ نہیں جو تم خیال کررہے ہو بلکہ ظلم سے مراد یہاں پر صرف یہ ہے کہ جیسے لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ﴿یابنی لاتشرك بالله ان الشرك لظلم عظیم﴾ اے میرے بیٹے! شرک مت کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

تشریح

''ایُّنا لایظلم نفسه'' یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ قرآن عظیم کی ایت ﴿ولم یلبسوا ایمانھم بظلم﴾ میں لفظ ظلم نکرہ واقع ہے اور جب نکرہ تحت النفی واقع ہوجاتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کا ایمان ایک ذرہ برابر ظلم کے ساتھ آلودہ ہوا تو وہ ایمان معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص امن اور ہدایت پر نہیں ہے اس ایت سے صحابہ کرام بہت پریشان ہوگئے کہ کون شخص ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کے ایمان کے ساتھ ظلم کی کچھ نہ کچھ آمیزش نہ ہو، نیز ''ظلم وضع الشیء فی غیر موضعه'' کا نام ہے جو ہر قسم چھوٹے بڑے گناہ کو شامل ہے تو ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ ظلم میں داخل ہوگیا اس لئے صحابہ کرام پر یہ بات بہت شاق گزری اور آنحضرت سے اس پریشانی کی شکایت کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو تسلی دی کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ایت عام ظلم کے بارے میں نہیں ہے بلکہ خاص ظلم شرک کے بارے میں ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورت لقمان میں کیا ہے۔ بہرحال حضرت لقمان نے جس بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی اس کا نام انعم یامشکم تھا کہتے ہیں زیادہ نصیحت سے مرگئے۔

بہرحال اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں ہونی چاہئے بلکہ خالص ایمان کا ہونا کامیابی کے لئے ضروری ہے اس تشریح وتفصیل سے علامہ نوویؒ کا لگایا ہوا عنوان سمجھ میں آجاتا ہے۔ ورنہ بظاہر اس حدیث پر یہ عنوان لگانا سمجھ میں نہیں آتا ہے بلکہ بعید تر ہے۔

۳۲۸۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَخْبَرَنَا عِيسَى وَهُوَابْنُ يُونُسَ ح:وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ اَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ ح:وَحَدَّثَنَا اَبُوكُرَيْبٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ اِدْرِيسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ قَالَ اَبُوكُرَيْبٍ قَالَ ابْنُ اِدْرِيسَ حَدَّثَنِيهِ اَوَّلًا اَبِي عَنْ اَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنِ الْاَعْمَشِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ مِنْهُ۔

یہ روایت بھی سابق سند کی طرح ہے کچھ فرق ہے۔

تشریح

"ثم سمعته منه" امام مسلم رحمہ اللہ اس جملہ سے عُلُوِّ سند کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اس دوسری سند میں دو راوی ساقط ہو گئے کیونکہ ابن ادریس نے براہ راست اس حدیث کو شیخ اعمش سے سنا تو دو واسطے گر گئے۔

باب بیان ان اللہ لم یکلف الا مایطاق

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

ہر پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ نوویؒ نے یہاں پر جو عنوان رکھا ہے وہ احادیث کے مضمون کے مطابق نہیں ہے یہ عنوان یہاں پر علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی الابی المالکی رحمہ اللہ نے قائم کیا ہے جو بہت ہی مناسب ہے۔

۳۲۹۔**حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ وَأُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ وَاللَّفْظُ لِأُمَيَّةَ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرة:۳۸۴) قَالَ فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكُوا عَلَى الرُّكَبِ فَقَالُوا أَيْ رَسُولَ اللَّهِ! كُلِّفْنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نُطِيقُ: الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هَذِهِ الْآيَةُ وَلَا نُطِيقُهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا؟ بَلْ قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ ذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِي إِثْرِهَا ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ (البقرة:۲۸۵) فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ نَسَخَهَا اللَّهُ تَعَالَى فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة:۲۸۶) قَالَ نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ قَالَ نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (البقرة:۲۸۶) قَالَ نَعَمْ ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (البقرة:۲۸۶) قَالَ نَعَمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ: ﴿للہ مافی السموت ومافی الارض﴾ نازل ھوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمان میں اور زمین میں اور اگر تم ظاہر کرو گے اسے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم سے اس کا محاسبہ کرے گا، پھر بخش دے گا جسے چاہے اور عذاب دے گا جسے چاہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ پر بہت سخت اور شاق گذری اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہمیں اعمال میں اُن احکام کا مکلّف بنایا گیا جن کی ہماری اندر طاقت ہے نماز، روزہ، جہاد، صدقہ وغیرہ۔ اب یہ آیت نازل ہوئی اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم بھی وہی کہو جو تم سے قبل دونوں آسمانی کتب والوں نے کہا کہ ہم نے سُن لیا اور نافرمانی کی۔ بلکہ تم کہو ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! مغفرت کردے اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے، جب لوگوں نے یہ جملہ پڑھ لیا اور اپنی زبانوں سے بھی اس کا تلفظ کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کے بعد فوراً ہی نازل فرمائی ﴿امن الرسول﴾ سے آخر سورۃ تک۔ ایمان لے آئے رسول اس پر جوان پر نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی سب ایمان لے آئے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کے درمیان بھی امتیاز نہیں کرتے، اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کرلیا، تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق، اس کو ملنا ہے اس کا جو اس نے کمایا اور اس پر پڑتا ہے اس کا جو اس نے کمایا اے ہمارے رب! مت مؤاخذہ فرما اگر ہم سے بھول ہو جائے یا ہم خطا کر گزریں اے ہمارے رب! مت رکھئے ہمارے اوپر بھاری بوجھ جیسے رکھا تھا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ہمارے رب! اور نہ ہم سے اٹھوایئے وہ بوجھ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمایئے، ہماری مغفرت فرمایئے، ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے رب وآقا ہیں پس ہماری مدد کیجئے کافر قوم پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا!۔

تشریح

''فاشتدذلك'' یعنی صحابۂ کرام پر بہت گراں گذرا کیونکہ آیت میں ﴿یحاسبکم به الله﴾ میں یہ حکم ہے کہ کوئی بات زبان پر آئے یا کوئی اختیاری یا غیر اختیاری وسوسہ دل میں گذرے اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کریگا اس سے صحابہ کرام بے انتہاء پریشان ہوگئے کہ غیر اختیاری وساوس کا مؤاخذہ تو تکلیف مالایطاق ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے اس پر اگر مؤاخذہ شروع ہو جائے

تو کسی کی نجات ممکن نہیں ہوگی آنحضرت کے سامنے صحابہ نے عاجزی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر فریاد کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اہل کتاب کی طرح "سمعنا وعصینا" نہ کہو بلکہ "سمعنا واطعنا" کہدو۔صحابہ کرام نے "سمعنا واطعنا" کا ایسا اقرار کیا کہ یہ آیت ان کی زبانوں پر چڑھ گئی اور جاری ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف وتحسین فرمائی کہ ان سب نے ایمان واطاعت کا اقرار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے سابقہ ایت کا حکم موقوف کیا اور "لایکلف الله نفساً الا وسعها" کا حکم جاری فرمادیا اس میں جو دعاء بندے کی زبان سے کہلائی گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور رحمت نعم فرمایا کہ ہاں میں تمکو تمہاری دعا کے مطابق عطا کروں گا۔اس کے ساتھ والی حدیث میں نعم کی جگہ قدفعلت کا لفظ ہے کہ میں نے تمہاری دعا کے مطابق ایسا کردیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی ان آخری آیتوں سے متعلق اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھا ہے۔

پہلی ایت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی ایت پر نہ ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا "قولوا سمعنا واطعنا" یعنی اشکال نظر آئے یا دقت (پیش آئے) مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنی توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر "سمعنا واطعنا" عرض کردو، (جب صحابہ نے) آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہوگئے مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں ایتیں اتریں اول یعنی "امن الرسول" الخ اس میں رسول کریم اور ان کے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی اس کے بعد دوسری ایت لایکلف الله نفساً الخ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے بُرے کام کا خیال وخطرہ یا بھول چوک ان پر مؤاخذہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی ص۶۲)

"برکوا" گھٹنو کے بل بیٹھنے اور عاجزی کرنے کو کہتے ہیں۔"اقتراء" پڑھنے اور زبان پر چڑھنے کو کہتے ہیں۔

"ذلت بها" یعنی زبانوں پر یہ ایت جاری ہوگئی اور زبانیں اس کے لئے رام ہوگئیں۔

۳۳۰۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكرِبنُ اَبِي شَيبَةَ وَاَبُو كُرَيبٍ وَاِسحَاقُ بنُ اِبرَاهِيمَ وَاللَّفظُ لِاَبِي بَكرٍ قَالَ اِسحَاقُ اَخبَرَنَا وَقَالَ الاٰخرَانِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَن سُفيَانَ عَن آدَمَ بنِ سُلَيمَانَ مَولٰى خَالِدٍ قَالَ سَمِعتُ سَعِيدَ بنَ جُبَيرٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَت هٰذِهِ الاٰيَةُ ﴿وَاِن تُبدُوا مَافِي اَنفُسِكُم اَو تُخفُوهُ يُحَاسِبكُم بِهِ اللّٰهُ﴾(البقرة : ۲۸۴) قَالَ دَخَلَ قُلُوبَهُم مِنهَا شَيءٌ لَم يَدخُل قُلُوبَهُم مِن شَيءٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قُولُوا سَمِعنَا

وَاَطَعْنَاوَسَلَّمْنَا قَالَ فَاَلْقَى اللّٰهُ الْاِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًااِلَّاوُسْعَهَا لَهَامَاكَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَااكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَااِنْ نَّسِيْنَا اَوْاَخْطَاْنَا﴾(البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْفَعَلْتُ ﴿رَبَّنَاوَلَاتَحْمِلْ عَلَيْنَااِصْرًاكَمَاحَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾(البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْفَعَلْتُ ﴿وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا ج اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾(البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْفَعَلْتُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وان تبدواما فی انفسکم﴾ تو صحابہ کے قلوب میں وہ چیز پیدا ہوگئی جو ان کے قلوب میں کسی اور چیز سے پیدا نہ ہوئی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو ہم نے سن لیا اور مان لیا اور تسلیم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایمان القاء فرمادیا اور یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا﴾ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے بقدر، اس کے لئے ہے جو اس نے کئے اور اس کے اوپر ہے جو اس نے کمائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے بھول چوک پر مؤاخذہ نہ فرمایئے اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بھاری بوجھ نہ ڈالئے جیسا کہ آپ نے ہم سے قبل لوگوں پر ڈالا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔ اور ہمیں معاف فرمایئے، ہماری مغفرت فرمایئے، ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے مولا ہیں اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔

باب بيان تجاوز الله تعالىٰ عن حديث النفس

قلبی وساوس اور خیالات سے اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے اس جگہ یہ عنوان علامہ ابی نے قائم کیا ہے، علامہ نووی نے صرف عنوان کا حوالہ دیا۔

۳۳۱۔ **حَدَّثَنَا** سَعِيْدُبْنُ مَنْصُوْرٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُبْنُ عُبَيْدٍالْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِسَعِيْدٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِيْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسَهَا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا اَوْيَعْمَلُوْابِهٖ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے نظر انداز فرمادیا میری امت کے لئے ان خیالوں کو جو ان کے دلوں میں پیدا ہوں جب تک کہ وہ بات نہ کریں یا اس خیال پر عمل نہ کریں۔

تشریح

"ماحدثت به انفسها" لفظ انفسها یا منصوب بنا بر ظرفیت ہے تو یہ حدثت کے لئے مفعول فیہ ہو جائے گا اور حدثت میں

ضمیر فاعل امت کی طرف لوٹتی ہے اور امت سے مراد امت اجابت ہے نہ امت دعوت۔ترجمہ اس طرح ہوگا کہ امت کے وہ وساوس اور خیالات معاف ہیں جو یہ امت اپنے دلوں میں سوچتی ہیں، یا الفاظ انفسھا مرفوع ہے جو حدثت کے لئے فاعل ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ امت کے وہ وساوس معاف ہیں جو وساوس ان کے نفس اور دل پیدا کر کے سوچتے ہیں۔

''مالم یتکلموا'' دل کے اندر جو وساوس آتے ہیں وہ تو معاف ہیں لیکن جن وساوس کا تعلق عمل سے ہے یا قول سے ہے وہ مشروط طور پر معاف ہیں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر وسوسہ قولی ہے تو اس پر تکلم نہ کیا جائے اور اگر وسوسہ عملی ہے تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں وسوسہ سے مراد عزم کے علاوہ ہے عزم معاف نہیں ہے وہ دیگر نصوص کی وجہ سے اس عموم سے خارج ہے جیسے ''والاثم ماحاك فی نفسك'' یا ''القاتل والمقتول فی النار الی ان قال فانه حریص علی قتله''۔

۳۳۲۔**حَدَّثَنِی** عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ ح:وَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ بْنُ سُلَیْمَانَ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَاحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ كُلُّهُمْ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ بِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے معاف کر دیا ان خیالات کو جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرلیں یا اسے زبان سے نہ نکالدیں۔

۳۳۳۔ وَحَدَّثَنِیْ زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌوَهِشَامٌ ح:وَ حَدَّثَنِیْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ شَیْبَانَ جَمِیْعًا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

اس سند سے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث منقول ہے۔

باب اذاهم العبد بحسنة كتبت و اذاهم بسيئة لم تكتب

نیکی کا ارادہ لکھا جاتا ہے برائی کا نہیں لکھا جاتا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔علامہ نووی نے یہاں عنوان قائم نہیں کیا ہے صرف ۵۷/ ۵۸/ ۵۹/ سے عنوان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۳۴۔**حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَزُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ بَكْرٍ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ وَقَالَ الْاٰخَرَانِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَزَّوَجَلَّ اِذَاهَمَّ عَبْدِیْ بِسَیِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَیْهِ فَاِنْ عَمِلَهَافَاكْتُبُوْهَا سَیِّئَةً وَاِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ

يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا عَشْرًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں اسے مت لکھو۔ اگر وہ اس پر عمل کرلے تو اسے لکھ لو اور جب وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ اس نیکی کو کر گزرے تو دس نیکیاں لکھو۔

تشریح

''اذاهم عبدی بسیئة ''اس حدیث اور اس کے ساتھ دیگر چند احادیث میں قلبی وساوس کے بارے میں تفصیل ہے کہ اس پر کب مؤاخذہ ہوگا اور کب نہیں ہوگا یہاں زیادہ تر ''ھم'' کا لفظ بار بار آیا ہے حدیث النفس کا لفظ بھی آیا ہے اور ارادہ کا لفظ بھی آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے وسوسہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کو سمجھیں اور اس کے بعد اس کے اقسام کو سمجھیں اور پھر اس کے احکام کو سمجھیں، وسوسہ سے متعلق اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ وسوسہ تو بری چیز ہے لیکن اس کا آنا برائی کی علامت نہیں ہے بلکہ انسان کی بھلائی کی علامت ہے کیونکہ جب درخت میں پھل ہو تو لوگ اس پر پتھر مارتے ہیں اگر خالی درخت کھڑا ہے اس کو پتھر کون مارتا ہے اور کیوں مارتا ہے بس اسی طرح جس دل میں ایمان ہوتا ہے شیطان وہیں پر حملہ کرتا ہے ایمان سے خالی دل سے شیطان کا کیا کام ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے اور یہود کی نمازوں میں یہ فرق ہے کہ ہمیں نماز میں وسوسے آتے ہیں یہود کو وسوسے نہیں آتے، ظاہر ہے جب ایمان دل میں نہیں تو وسوسہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے شیطان اپنا وقت فضول میں ضائع نہیں کرتا۔

بہرحال یہاں اس باب میں اگرچہ وسوسہ کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے آنے والا باب وسوسہ سے متعلق زیادہ واضح ہے لیکن یہاں وسوسوں کی اقسام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کچھ اقسام کا نام بھی لیا گیا ہے اس لئے میں وسوسہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور پھر اس کی اقسام کو یہیں پر لکھ دیتا ہوں ملاحظہ ہو۔

وسوسہ کی تعریف واقسام

وسوسہ لغت میں نرم آواز اور زیورات کی جھنکار کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

ضَوْءُ الْجَبِيْنِ وَوَسْوَاسُ الْحُلِيِّ وَمَا يَفُوْحُ مِنْ عَرَقٍ كَالْعَنْبَرِ الْعَبِقِ

ترجمہ: محبوبہ چہرہ کی چمک اور زیورات کی جھنکار اور اس کے پسینے کی عنبرین خوشبو کا کیا کہنا۔

وسواس اور وساوس بھی وسوسہ کے معنی میں ہیں پھر وسواس وسوسہ ڈالنے والے شیطان کو بھی کہا گیا ہے زید عدل کے طرز پر یعنی مبالغہ کے طور شیطان کو وسواس کہا گیا۔ کیونکہ شریعت نے ہر بری نسبت شیطان کی طرف کی ہے تاکہ اس خطرناک دشمن کی نفرت

وعداوت دلوں میں بیٹھ جائے اور ہر خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اگر چہ خالق خیر وشر اللہ ہی ہے۔ بہر حال وہ خیالات فاسدہ اور وہ افکار ردیئہ جو شیطان کی مداخلت سے انسان کو کفر یا معصیت تک لے جائیں ان کا نام وسوسہ ہے۔

دوسری تعریف اس طرح ہے، جو قلبی خطرات رذائل کی طرف بلاتے ہوں وہ وسوسہ ہیں اور جو قلبی خطرات فضائل کی طرف داعی ہوں وہ الہام ہیں غیر معصوم ہستی کا الہام حجت نہیں ہے ہاں اگر شریعت کے موافق ہو تو باعث تسلی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک تعبیر اس طرح بھی ہے کہ قلب پر آنے والے جو خطرات شر کے ہوں وہ وسوسہ ہیں اور قلب پر آنے والے جو خطرات خیر کے ہوں وہ الہام ہیں وسوسہ کی پانچ اقسام ہیں جس کو کسی شاعر نے اس نظم میں پیش کیا ہے۔

مَرَاتِبُ الْقَصْدِ خَمْسٌ هَاجِسٌ ذَكَرُوْا فَخَاطِرٌ فَحَدِيْثُ النَّفْسِ فَاسْتَمِعَا

يَلِيْهِ هَمٌّ فَعَزْمٌ كُلُّهَا رُفِعَتْ سِوَى الْأَخِيْرِ فَفِيْهِ الْأَخْذُ قَدْ وَقَعَا

ا۔ ''ھاجس'' جو خطرات دل پر ایک بار وارد ہو جائیں اور پھر رفع ہو جائیں یہ ھاجس ہیں۔

۲۔ ''خاطر'' جو خیال دل میں بار بار آتا جاتا ہے اور قرار نہیں پکڑتا وہ خاطر کہلاتا ہے۔

۳۔ ''حدیث النفس'' اگر ان خطرات کا استقرار دل میں آ گیا مگر اتنا ضعیف ہے کہ فعل کے کرنے اور نہ کرنے میں کسی جانب ترجیح نہیں ہوئی تو یہ ''حدیث النفس'' کہلاتا ہے۔

۴۔ ''ھم'' اگر خیالات کا استقرار دل میں اتنا مضبوط اور قوی ہو جائے کہ موجب فعل ہو، مگر فعل مرجوح رہے تو یہ ''ھم'' کا درجہ ہے۔

۵۔ ''عزم'' اگر ''ھم'' کا درجہ دل میں اتنا قوی ہو جائے کہ جانب فعل راجح ہو کر موجب فعل ہو جائے یعنی صرف موقع کا انتظار ہے تو یہ ''عزم'' ہے۔

اول تین قسموں پر نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے بالکل معاف ہیں کیونکہ یہ غیر اختیاری ہیں ''ھم'' کے درجہ میں جو وسوسہ ہے یہ شر میں معاف ہے جو اس امت کا اعزاز ہے اور کار خیر اور ثواب میں دس کے بجائے ایک نیکی ملے گی اور عزم میں اگر گناہ کا عزم ہے تو عذاب کا مستحق ہوگا اور اگر حسنہ اور نیکی کا عزم ہے۔ ''تو من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' حسب وعدہ دس گناہ ثواب ملے گا پھر عزائم قلبیہ اگر اچھے عقائد ہیں تو اس پر ثواب ہے اور بُرے عقائد ہیں تو ان پر عذاب ہے اس میں اتفاق ہے۔

اور اگر یہی عزائم قلبیہ اخلاقیات کے قبیل سے ہوں تو اچھے اخلاق وصفات پر ثواب ملے گا اور برے پر عذاب ہوگا اس پر بھی اتفاق ہے اچھے اخلاق صبر، شکر فکر آخرت، تواضع وغیرہ ہیں۔ بُرے اخلاق تکبر، عجب، کینہ وحسد وغیرہ ہیں۔ ''فلا تکتبوھا علیہ'' یہ امر ان فرشتوں کو ہے جو نامۂ اعمال کے لکھنے پر مامور ہیں اور انسان کے کندھوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں قرآن میں ہے ﴿مایلفظ من قول الالدیه رقیب عتید﴾ دائیں کندھے کا فرشتہ نیکی پر مامور ہے اور بائیں کندھے والا برائی لکھنے پر مامور

ہے کہتے ہیں کہ دائیں کندھے والا دوسرے پر امیر ہے یہ جب تک لکھنے کا نہیں کہتا بائیں کندھے والا گناہ نہیں لکھتا۔

۳۳۵۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس کے واسطے ایک نیکی لکھتا ہوں اور اگر وہ اس نیکی کو کر لیتا ہے تو دس نیکیاں لکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ سات سو گناہ تک بڑھا دیتا ہوں اور جب برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اسے نہیں لکھتا اور اگر اسے کر لے تو صرف ایک ہی برائی لکھتا ہوں۔

۳۳۶۔**وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَا لَمْ يَعْمَلْ فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَهُ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا ۔ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبِّ ! ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ فَقَالَ ارْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِي ۔ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔آپ نے مختلف احادیث ذکر فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میرا بندہ دل میں ارادہ کرتا ہے کہ نیکی کرے گا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں، جب کہ اس پر عمل نہ کرے، جب اسے کر لے تو میں دس نیکیاں ایک کے بدلے لکھتا ہوں اور جب میرا بندہ دل میں ارادہ کرتا ہے کسی برائی کے کرنے کا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ وہ عمل نہ کر لے، جب وہ گناہ کر لیتا ہے تو میں اسے لکھ لیتا ہوں اسی کے مثل۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں کہ اے رب! وہ آپ کا بندہ گناہ کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے نظر میں رکھو حالانکہ

وہ خودسب سے زیادہ نظر رکھنے والا ہے۔اگر وہ گناہ کے داعیہ پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی گناہ لکھ لو۔اور اگر اس گناہ کے داعیہ کوترک کردے تو اس پر ایک نیکی لکھ لو، کیونکہ اس نے اسے ترک کیا ہے صرف میرے خوف سے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو ہر نیکی جسے وہ کرتا ہے اس کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سوگنا تک۔اور ہر گناہ جو وہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔

تشریح

''یرید ''اس حدیث میں حدیث النفس اور ارادہ دونوں کا ذکر آگیا ہے۔''وھو ابصر به ''یعنی اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ معلوم ہے اور وہ سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے مگر پھر بھی فرشتوں سے فرماتا ہے''ارقبوہ ''یعنی تم انتظار کروکہ یہ بندہ کیا کرتا ہے'' بمثلھا ''یعنی اگر اس بندہ نے گناہ کرلیا تو صرف ایک گناہ لکھدو اور اگر گناہ نہیں کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ ہی دو کیونکہ اس نے میری وجہ سے یہ گناہ چھوڑا ہے۔''من جرائی'' ای من اجلی ،یعنی میرے خوف سے اس نے گناہ کو چھوڑ دیا ہے معلوم ہوا ترک گناہ بھی ثواب ہے۔''ضعف ''زیادہ اور دوگنا کرنے کے معنی میں ہے یعنی سات سوتک اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے، دوگنا کرنے اور بڑھانے کا قاعدہ اس طرح ہے کہ اصولی طور پر ایک نیکی کا دس گنا ثواب تو اس امت کا اکرام واعزاز ہے یہ ان کا حق ہے مکہ میں یہ نیکی ایک لاکھ تک جاتی ہے مدینہ میں پچاس ہزار تک اور بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ میں ۲۵ ہزار تک بڑھ جاتی ہے یہ تو قاعدہ اور ضابطہ ہے اس کے بعد اخلاص کی وجہ سے ایک نیکی سات سوگنا تک بڑھ سکتی ہے''واللہ یضاعف لمن یشاء ''اس آیت میں اشارہ کردیا کہ اخلاص کی بناپر اس سے بھی نیکی آگے بڑھ سکتی ہے۔چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص گھر میں بیٹھ کر مجاہدین کے لئے ایک درہم بھیجتا ہے تو اس کو سات سو درہم کا ثواب ملے گا لیکن اگر یہ شخص خود بھی جہاد میں گیا اور اپنے او پر ایک درہم خرچ کیا تو اس کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا۔

تضعیف ثواب کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک شریعت نے تعین کیا ہے تو ہم تعین کریں گے اگر شریعت نے تعین نہیں کیا ہے بلکہ یوں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا کریگا تو ایسے مقام میں کسی فرد بشر کو خاص عدد تک تعین وتحدید کرنے کا حق حاصل نہیں مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کروڑوں عطا فرمائے گا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر اونچاس کروڑ عطا کریگا یہ تحدید ناجائز ہے تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے،''والفضائل لاتؤخذ بالقیاس ''یعنی فضائل اعمال قیاس کے ذریعہ ثابت نہیں ہوسکتے اس لئے شریعت کا تعین ضروری ہے۔

۳۳۷۔**وَحَدَّثَنَا** اَبُوكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوخَالِدٍ الاَحْمَرُ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ (عَشْرٌ) اِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ وَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل نہیں کیا تو ایک نیکی اس کے واسطے لکھی جاتی ہے اور جس نے ارادۂ نیکی کر کے اس پر عمل کر لیا تو اس کے واسطے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے نہیں لکھا جاتا اور اگر اسے کر لیتا ہے تو لکھا جاتا ہے۔

۳۳۸۔ **حَدَّثَنَا** شَیْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنِ الْجَعْدِ اَبِیْ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْرَجَاءٍ الْعُطَارِدِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَالَ اِنَّ اللّٰهَ کَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّئَاتِ ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا کَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً کَامِلَةً وَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا کَتَبَهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ کَثِیْرَةٍ وَاِنْ هَمَّ بِسَیِّئَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا کَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً کَامِلَةً وَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا کَتَبَهَا اللّٰهُ سَیِّئَةً وَاحِدَةً۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ لیا اور انہیں بیان کر دیا پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور جو ارادۂ حسنہ پر عمل کر لیتا ہے تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ دس سے لے کر سات سو گناہ تک نیکیاں لکھتے ہیں اور بہت زیادہ بھی لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی گناہ کا قصد کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایک مکمل نیکی اس کے واسطے لکھ لیتے ہیں اور اگر ارادۂ گناہ پر عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ صرف ایک گناہ ہی لکھتے ہیں۔

۳۳۹۔ **وَحَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا جَعْفَرُبْنُ سُلَیْمَانَ عَنِ الْجَعْدِ اَبِیْ عُثْمَانَ فِیْ هٰذَاالْاِسْنَادِ بِمَعْنٰی حَدِیْثِ عَبْدِالْوَارِثِ وَزَادَ اَوْمَحَاهَا اللّٰهُ وَلَایَهْلِكُ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا هَالِكٌ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس اضافہ کے ساتھ کہ فرمایا: اور یا اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کو اپنے کرم سے مٹا دیں گے اور اللہ کے یہاں کوئی بھی ہلاکت میں نہیں پڑے گا مگر وہ جس کے مقدر میں ہی ہلاکت وتباہی ہے۔

تشریح

''ولایھلك علی اللہ الا ھالك ''یعنی اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کی موجودگی میں وہی ہلاک ہو سکتا ہے جو تباہ شدہ بد بخت قسم کا آدمی ہوگا۔''علی اللہ ای مع رحمۃ اللہ'' بہرحال وسوسوں کی معافی کی جو احادیث ہیں اس کے مجموعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے غفور ورحیم ہیں کہ ایک طرف نیکی کے ارادے پر اجر ملتا ہے اور نیکی کرنے پر سات سو گنا ثواب دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں دوسری طرف گناہ کے غیر ارادی خیال پر گرفت بھی نہیں کرتے ہیں اور اگر گناہ کر لیا تو صرف ایک

گناہ لکھا جاتا ہے اس کے مٹانے کے بھی دسیوں مواقع موجود ہیں لہٰذا ان رحمتوں کی موجودگی میں کوئی عقلمند انسان تباہی کے گڑھے میں نہیں گر سکتا ہے ہاں جس کے مقدر ہی میں تباہی لکھی ہوگی وہ اتنی رحمتوں کی موجودگی میں تباہ ہو جائے گا۔

بہر حال ان احادیث میں اللہ تعالیٰ نے گناہ کو اپنے کرم سے عفو اور عقوبت کے درمیان رکھا ہے اگر معاف نہ ہوا تو ڈبل بھی نہیں ہوگا۔ ''محاها الله'' اور ''غفر'' کے الفاظ اسی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ''فجزاها بمثلها'' بھی اسی کا حصہ ہے۔

باب بیان الوسوسة فی الایمان

حالت ایمان میں وسوسہ آنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے اس سے پہلے چند ابواب وسوسہ سے متعلق ہیں لیکن وہ وسوسہ کی جزئیات پر مشتمل ہیں یہ باب خالص وسوسہ کی حدیثوں پر مشتمل ہے اور کافی طویل ہے وسوسہ کے لغوی اصطلاحی تحقیق ہوگئی ہے۔

۳۴۰۔**حَدَّثَنِی** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ ؟ قَالُوْ نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے دل میں بہت سے ایسے خیالات پاتے ہیں کہ جن کے بارے میں زبان سے کچھ بات کرنا ہمیں بہت بھاری لگتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایسے وساوس پاتے ہو؟ کہنے لگے کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان ہے۔

تشریح

''مايتعاظم'' یعنی اس کا تصور اور اسکو زبان پر لانا بھی ہم بڑا جرم سمجھتے ہیں جیسے کوئی کہے ''من خلق الله'' واین هو و کیف هو ؟۔
تعاظم باب تفاعل سے مبالغہ کے لئے آیا ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ باب مفاعلہ اگر مبالغہ کے لئے استعمال نہ بھی ہو پھر بھی اس میں مبالغہ ہوتا ہے ''ای نستعظم غاية الاستعظام'' ایک اور روایت میں ہے کہ ہم اس کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ جل کر راکھ ہونے کو پسند کرتے ہیں مگر یہ وسوسہ برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ ''اوقد وجدتموه'' یہ محذوف پر عطف ہے ای ''اوقد حصلتموه وقد وجدتموه''۔ ''ذاك صريح الايمان'' وسوسہ آنا صریح ایمان نہیں بلکہ وسوسہ کو اتنا بڑا اور بھاری سمجھنا یہ خالص ایمان ہے یعنی جب زبان پر نہیں لا سکتا ہے تو دل کتنا متنفر ہوگا اس جملہ میں آنحضرت نے اپنی امت کو تسلی دی ہے کہ وسوسہ آئے یا جائے تم پروانہ کرو یہ تمہارے ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ وسوسہ آنا تو ایمان کی علامت ہے کیونکہ چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں مال

موجود ہو یا پتھر اسی درخت پر مارا جاتا ہے جس میں پھل ہو خالی ٹہنیوں کو کوئی پتھر نہیں مارا کرتا ساتھ والی روایت میں ''تلك محض الایمان'' کے الفاظ ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ خالص ایمان ہے۔

۳۴۱۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَةَ ح: وَ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اِسْحَاقَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوالْجَوَّابِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ رُزَيْقٍ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَاالْحَدِيْثِ۔

اس سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث منقول ہے۔

۳۴۲۔ **حَدَّثَنَا** يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ الصَّفَّارُ حَدَّثَنِیْ عَلِیُّ بْنُ عَثَّامٍ عَنْ سُعَيْرِ بْنِ الْخِمْسِ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَةِ قَالَ تِلْكَ مَحْضُ الْاِيْمَانِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ تو خالص ایمان ہے۔

۳۴۳۔ **حَدَّثَنَا** هَارُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ وَمُحَمَّدُبْنُ عَبَّادٍ وَاللَّفْظُ لِهَارُوْنَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ ؟ فَمَنْ وَجَدَمِنْ ذَالِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تو ہمیشہ پوچھتے پاچھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کہا جائے گا۔ ساری مخلوقات کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اگر کوئی شخص ایسی بات پائے تو کہے ''امنت باللہ'' میں اللہ پر ایمان لایا۔

تشریح

''یتساءلون'' یعنی انسان آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنے دل میں اپنے آپ سے سوال کرتا رہتا ہے یعنی آئندہ اس طرح ہوگا ''ھذا خلق اللہ الخلق'' ھذ امبتدا ہے اور اس کی خبر لفظ مشہور ہے عبارت اس طرح ہے:

هذاالقول مشهور ومسلّم وهوان الله خلق الخلق فماتقول فی الله فان الله شیء و كل شیء مخلوق فمن خلق الله ۔

''فليقل امنت بالله ورسوله'' یعنی یہ قول اور یہ خیال یہ سوال وجواب چونکہ کفر ہے اس لئے اس وسوسہ کے آنے کے بعد عقیدہ کی تجدید کے لئے امنت بالله ورسله کہنا چاہئے یہ وساوس کے دفع کرنے کا ایک علاج بتایا گیا ہے ایک علاج یہ بھی ہے کہ آدمی

ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ ایت پڑھے ﴿رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان يحضرون﴾ ابن قیم رحمہ اللہ نے دفع وسواس کے لئے دس تعوذات کا وظیفہ بتایا ہے (۱) اعوذ باللہ کا ورد (۲) قرأت معوذتین (۳) ایۃ الکرسی (۴) قرأۃ سورت بقرہ (۵) امن الرسول پڑھنا (۶) حٰم المؤمن والیه المصیر تک (۷) کثرت ذکر اللہ (۸) کثرت لا الہ الا اللہ (۹) مداومت وضو (۱۰) اجنبیات سے نگاہیں بچانا۔

۳۴۴۔ **وَحَدَّثَنَا** مَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوالنَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍالْمُؤَدِّبُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ ؟ مَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ ؟ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهٖ وَزَادَ وَرُسُلِهٖ ۔

حضرت ہشام بن عروہؒ اسی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان کس نے پیدا کیا؟ زمین کس نے پیدا کی؟ آخر یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ آگے سابقہ حدیث کے مثل ذکر فرمایا۔ اتنا اضافہ ہے کہ یوں کہے میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

۳۴۵۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ جَمِيْعًا عَنْ يَعْقُوْبَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا ؟ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهٗ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ ؟ فَاِذَابَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ فلان چیز کس نے پیدا کی؟ یہاں تک کہ کہتا ہے تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک پہنچ جائے تو فوراً اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے، یعنی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور ایسے خیالات سے آئندہ باز رہے۔

تشریح

''فاذابلغ ذلك'' اس جملہ میں بلغ کی ضمیر فاعل یا تو آدمی کی طرف راجع ہے یا یہ ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے کہ شیطان وسوسہ ڈالتے ڈالتے جب اس درجہ تک پہنچ جائے تو آدمی تعوذ کرے۔ ''فالیستعذ'' یعنی آدمی اعوذ باللہ پڑھے علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اغوائے شیطانی اور اس کے وساوس کا سلسلہ غیر متناہی ہے اگر شیطان کو مہلت دیدی تو معاملہ ختم نہ ہوگا بلکہ خطرناک بنتا چلا جائے گا لہذا استفادہ کر کے معاملہ ختم کردے گا کیونکہ تعوذ سے شیطان بھاگتا ہے نیز انسان تعوذ اور معوذتین پڑھ کر یہ تصور قائم کرے کہ اب وہ بڑے بادشاہ کی پناہ میں آگیا ہے اب وہ میری حفاظت فرمائے گا۔ ''ولینتہ'' یہ لام امر کا صیغہ ہے یعنی یہ

آدمی باز آجائے اوراس قسم کا خیال دفع کرے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات اوراس کی عظمت میں سوچا کرے ان کی ذات میں نہ سوچیں اور یہ عقیدہ قائم کرے کہ ''کل مایخالك فالله مُخالِف ذلك''یعنی جو کچھ تیرے وہم وگمان میں آتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ ؎

تُو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

۳۴۶۔**حَدَّثَنِی** عَبۡدُالۡمَلِكِ بۡنِ شُعَیۡبِ بۡنُ اللَّیۡثِ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِیۡ عَنۡ جَدِّی قَالَ حَدَّثَنِی عُقَیۡلُ بۡنُ خَالِدٍ قَالَ قَالَ ابۡنُ شِهَابٍ اَخۡبَرَنِی عُرۡوَةُ بۡنُ الزُّبَیۡرِ اَنَّ اَبَاهُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یَاۡتِی الۡعَبۡدَ الشَّیۡطَانُ فَیَقُوۡلُ مَنۡ خَلَقَ کَذَاوَکَذَا حَتّٰی یَقُوۡلُ لَهٗ مَنۡ خَلَقَ رَبَّكَ ؟ فَاِذَابَلَغَ ذٰلِكَ فَلۡیَسۡتَعِذۡبِاللّٰهِ وَلۡیَنۡتَهِ بِمِثۡلِ حَدِیۡثِ ابۡنِ اَخِی ابۡنِ شِهَابٍ ۔

اس سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان بندے کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کس نے پیدا کیا اور یہ کس نے پیدا کیا؟ اس کے بعد بقیہ حدیث کو ابن اخی ابن شہاب کے طریقہ پر بیان کیا ہے۔

۳۴۷۔**حَدَّثَنَا** عَبۡدُالۡوَارِثِ بۡنُ عَبۡدِالصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِیۡ عَنۡ جَدِّی عَنۡ اَیُّوۡبَ عَنۡ مُحَمَّدِبۡنِ سِیۡرِیۡنَ عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزَالُ النَّاسُ یَسۡاَلُوۡنَکُمۡ عَنِ الۡعِلۡمِ حَتّٰی یَقُوۡلُوۡا هٰذَااللّٰهُ خَلَقَنَا فَمَنۡ خَلَقَ اللّٰهَ ۔قَالَ وَهُوَاٰخِذٌبِیَدِرَجُلٍ فَقَالَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ قَدۡسَاَلَنِیۡ اِثۡنَانِ وَهٰذَاالثَّالِثُ اَوۡ قَالَ سَاَلَنِیۡ وَاحِدٌ وَهٰذَاالثَّانِیۡ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ ہمیشہ تم سے علم کی باتیں پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے، اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ راوی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے وقت ایک آدمی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا۔ مجھ سے دوافراد پہلے بھی یہی سوال کر چکے ہیں اور یہ تیسرا شخص ہے یا فرمایا ایک نے پہلے سوال کیا اور یہ دوسرا ہے۔

تشریح

''قال وهو اخذ''راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور فرمایا کہ میرے خلیل محبوبؐ نے سچ فرمایا تھا کہ اس طرح سوالات لوگ کریں گے مجھ سے دو آدمیوں نے پہلے سوال کیا اور یہ تیسرا ہے آنے والی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مٹھی میں سنگریزے لیکر ان پر ماردیئے اور کہا کہ میرے پاس سے بھاگ نکلو۔

۳۴۸۔ **وَحَدَّثَنِیۡهِ** زُهَیۡرُبۡنُ حَرۡبٍ وَیَعۡقُوۡبُ الدَّوۡرَقِیُّ قَالَا حَدَّثَنَااِسۡمَاعِیۡلُ وَهُوَابۡنُ عُلَیَّةَ عَنۡ اَیُّوۡبَ عَنۡ مُحَمَّدٍ

قَالَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَايَزَالُ النَّاسَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عَبْدِالْوَارِثِ غَيْرَاَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْإِسْنَادِ وَلٰكِنْ قَدْقَالَ فِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ۔

ایوب محمد سے اس کو موقوفاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث کی سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اخیر حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔

۳۴۹۔**وحَدَّثَنِیْ** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الرُّوْمِيِّ حَدَّثَنَا النَّضْرُبْنُ مُحَمَّدٍحَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَابْنُ عَمَّارٍحَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُوْنَ يَسْأَلُوْنَكَ يَااَبَاهُرَيْرَةَ ! حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَااللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهُ ؟ قَالَ فَبَيْنَا اَنَافِي الْمَسْجِدِ اِذْجَاءَ نِيْ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ فَقَالُوْايَااَبَاهُرَيْرَةَ هٰذَااللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهُ ؟ قَالَ فَاَخَذَ حَصًى بِكَفِّهِ فَرَمَاهُمْ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا قُوْمُوْا ! صَدَقَ خَلِيْلِيْ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: لوگ ہمیشہ تجھ سے سوال کرتے رہیں گے، اے ابو ہریرہ! یہاں تک کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہے آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟۔ راوی کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک بار ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ کچھ دیہاتی لوگ آئے اور کہنے لگے کہ اے ابو ہریرہ! یہ اللہ ہے (یعنی خالق) اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر کنکریاں لیکر انہیں مارا اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ، کھڑے ہو جاؤ۔ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔

۳۵۰۔ **حَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُبْنُ الْاَصَمِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَسْأَلَنَّكُمُ النَّاسُ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَقُوْلُوْا اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَهُ ؟ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تم سے ضرور ہر شئی کے بارے میں سوال کریں گے حتی کہ کہیں گے اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اسے کس نے پیدا کیا؟۔

۳۵۱۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ لَايَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ مَاكَذَا ؟ حَتّٰى يَقُوْلُوْ هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بے شک آپ کی امت کے افراد مستقل کہتے رہیں گے کہ فلاں چیز کیا ہے؟ فلاں کیا ہے؟ یہاں تک کہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟۔

۳۵۲۔ وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ح: وَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْمُخْتَارِ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ غَيْرَ اَنَّ اِسْحَاقَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حسب سابق نقل کرتے ہیں مگر اسحاق نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر نہیں کیا۔

باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة

جھوٹی قسم سے کسی کا حق دبانے کی شدید وعید

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ اَيُّوبَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ السُّلَمِيِّ عَنْ اَخِيهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِى اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَاِنْ قَضِيبٌ مِنْ اَرَاكٍ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کا حق مار لیا قسم کھا کر، بے شک اللہ نے اس کے لئے جہنم کی آگ واجب کردی اور جنت اس پر حرام کردی۔ ایک شخص کہنے لگا کہ یارسول اللہ! اگر چہ وہ چیز بہت معمولی ہی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چہ وہ پیلو کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح

''العلاء'' یہ ایک راوی کا نام ہے جس کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ ''الحرقة'' یہ ایک قبیلے کا نام ہے جو جھینہ قبیلے کی ایک شاخ ہے اسی قبیلہ کی طرف راوی منسوب ہے حرقہ ایک آدمی کا لقب بھی پھر علاقہ کا نام پڑ گیا۔

''اقتطع'' یہ لفظ قطع بھی ہوسکتا ہے اقتطع افتعل کے وزن پر لایا گیا ہے کیونکہ اس میں عمد کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

''وحرم عليه الجنة'' بارہا اس طرح کلام کی توجیہات کا بیان ہو چکا ہے اب دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

''وان قضيب'' اس نسخہ میں عبارت اسی طرح ہے مگر بعض دیگر نسخوں میں ''وان قضيبا'' آیا ہے تو وہاں محذوف ہے یہ اس کی خبر ہے ''اى وان كان قضيبا'' یعنی شی قلیل کیا بلکہ کیکر کی تر شاخ اور ٹہنی کیوں نہ ہو اس پر بھی جھوٹی قسم کھانا بڑا جرم ہے۔ علامہ ابی نے لکھا ہے کہ یہاں فعل محذوف بھی ہوسکتا ہے ''اى وان قطع قضيبا''۔

سوال

یہاں اس سند پر بعض شارحین نے اشکال کیا ہے کہ ابوامامہ حارثی اُحد کے سال وفات پا گئے تھے تو ان سے عبداللہ بن کعب کی ملاقات نہیں ہوئی لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

جواب

علامہ نووی نے اس اعتراض کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ابوامامہ حارثی کی وفات کو احد کے سال نقل کرنا نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اسی لئے امام مسلم نے دوسری ساتھ والی سند میں تحدیث کے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس حدیث میں جس صحابی کا ذکر آیا ہے یہ ابوامامہ حارثی ہیں جن کا نام ایاس بن ثعلبہ ہے جو انصاری ہیں بنوالحارث قبیلہ سے ان کا تعلق ہے ایک اور مشہور صحابی ابوامامہ باھلی ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

٣٥٤۔ **وَحَدَّثَنَاهُ** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ جَمِيْعًا عَنْ اَبِىْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَخَاهُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ يُحَدِّثُ اَنَّ اَبَااُمَامَةَ الْحَارِثِىَّ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت ابواسامہ حارثی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت نقل کی ہے۔

٣٥٥۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح:وَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ ووَكِيْعٌ ح:وَ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِىُّ وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَامَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَفِيْهَا فَاجِرٌ لَقِىَ اللّٰهَ وَهُوَعَلَيْهِ غَضْبَانُ ـ قَالَ فَدَخَلَ الْاَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَايُحَدِّثُكُمْ اَبُوعَبْدِالرَّحْمٰنِ ؟ قَالُوْا كَذَاوَكَذَا قَالَ صَدَقَ اَبُوعَبْدِالرَّحْمٰنِ فِىَّ نَزَلَتْ كَانَ بَيْنِىْ وَبَيْنَ رَجُلٍ اَرْضٌ بِالْيَمَنِ فَخَاصَمْتُهُ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ ؟ فَقُلْتُ : لَا قَالَ : فَيَمِيْنُهُ قُلْتُ اِذَنْ يَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَامَالَ اِمْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَفِيْهَا فَاجِرٌ لَقِىَ اللّٰهَ وَهُوَعَلَيْهِ غَضْبَانُ فَنَزَلَتْ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَاَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (آل عمران:٧٧) اِلٰى آخِرِ الآيَة ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا حق مار لیا اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے جب یہ حدیث بیان کی تو اشعث بن قیس رضی

اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ ابوعبدالرحمٰن تم سے کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ایسی ایسی حدیث انہوں نے بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوعبدالرحمٰن نے سچ کہا۔ یہ حدیث میرے بارے میں ہی ہے۔ میرے اور ایک شخص کے درمیان یمن کی کسی زمین کے بارے میں جھگڑا چل رہا تھا۔ میں نے مقدمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو اس کو قسم کھانی پڑے گی۔ میں نے کہا وہ تو قسم کھالے گا تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جس شخص نے قسم کھائی ناحق کسی مسلمان کا مال دبانے کے لئے اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿ان الذین یشترون بعهدالله﴾ ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور قسم کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریں گے، قیامت کے روز نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے۔ اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

تشریح

''یمین صبر'' صبر والی قسم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ عام شارحین اس طرح کہتے ہیں کہ ''هي التي يحبس الحالف نفسه عليها'' لیکن یہ جملہ مجمل و مبہم ہے۔

بعض شارحین نے اس کو یمین کاذب کہا ہے لیکن اس صورت میں ''وهو فيها فاجر'' کے الفاظ زائد بن جائیں گے اگرچہ ملا علی قاریؒ نے اس کو متعین کیا ہے، مگر مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے جھوٹی قسم اس نیت سے کھائی تاکہ کسی کا مال ضائع ہوجائے اور وہ صبر کرے۔ بعض شارحین نے یہ مطلب لیا ہے کہ ایک آدمی ہے اس کی قسم پر محکمہ عدالت کا پورا دارومدار ہے کسی کا حق مارا جاتا ہے کسی کا حق بچ سکتا ہے۔ حکومت نے اس کو قسم کے لئے قید کر رکھا ہے تاکہ سچی قسم کھا کر حق حقدار تک پہنچ جائے ایسے عادل حاکم کے حکم کی اطاعت اس شخص پر واجب بھی ہے ایسے نازک موقع پر یہ شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے اور پورا نقشہ خراب کرتا ہے اس لئے اس کی وعید زیادہ ہے یہ قسم یمین غموس کی طرح ہے وہ کبائر میں سے ہے تو یہ بھی کبائر میں سے ہوگی۔

''غضبان'' اس لفظ کے علاوہ ''ساخط'' کا لفظ بھی آیا ہے تیسرا لفظ ''معرض'' بھی آیا ہے۔ سب کا مطلب یہ ہے کہ اس جھوٹی قسم پر اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیگا اور اس سے ناراض ہوجائے گا۔ یہ وعید اس وقت ہے جبکہ یہ شخص توبہ کے بغیر مرجائے لیکن اگر اس نے توبہ کرلی اور صاحب حق کا حق ادا کردیا تو پھر یہ وعید نہیں ہوگی۔

''فدخل الاشعث'' زمین کا یہ جھگڑا جس میں قسم کی نوبت آگئی تھی اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اشعث بن قیس نے آپ کو کنیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو ابوعبدالرحمٰن ہے اشعث بن قیس کا مدمقابل جو شخص تھا وہ کندی تھا کندہ یمن میں

ایک علاقہ ہے جو کوفہ کے قریب ہے ان تمام روایات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کیونکہ اشعث اپنے مدمقابل کو یمن کا ایک آدمی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا جھگڑا زمین پر تھا۔ ساتھ والی روایت میں ہے کہ جھگڑا پانی کے کنویں پر تھا اس کے بعد روایت نمبر ۳۵۸ میں ہے کہ ایک آدمی حضر موت کا تھا دوسرا آدمی کندہ کا تھا ان روایات میں تطبیق دینا تو ممکن ہے کیونکہ حضر موت اور یمن اور کندہ ایک ہی چیز ہے زیادہ فرق نہیں لیکن اس باب کی آخری روایت میں دونوں خصمین کے نام مذکور ہیں ایک کا نام ربیعہ بن عبدان ہے اور دوسرے کا نام امرأ القیس بن عابس ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل الگ واقعہ ہے۔

شارحین نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے اس باب میں جتنی احادیث ہیں سب کا مضمون ایک ہے مگر ایک واقعہ پر حمل کرنا مشکل ہے۔ میں سفر میں ہوں کتابوں کا ذخیرہ سامنے نہیں ہے صرف نووی اور الابی سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

۳۵۶۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ كَانَتْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُوْمَةٌ فِیْ بِئْرٍ فَاخْتَصَمْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے قسم اٹھائی اور اس کے ذریعہ کسی کے مال کا مستحق بن گیا حالانکہ وہ اپنے حلف میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غصہ میں ہوگا۔ آگے سابقہ حدیث کے مثل ہی بیان کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا میرے اور ایک شخص کے درمیان ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا تھا۔ ہم دونوں نے جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دو گواہ لاؤ یا وہ قسم کھائے۔

تشریح

''شاهداك او يمينه ''یعنی مدعی کے لئے دو گواہ پیش کرنا پڑیگا ورنہ مدعی علیہ سے قسم لینا ہوگا۔ یہ اسلام کا عادلانہ منصفانہ نظام ہے جس میں کسی بڑے مقدمہ میں بھی ایک دن سے زیادہ وقت نہیں لگتا کیونکہ گواہ پیش کرنا منٹوں کا کام ہے اگر گواہ نہیں تو چند منٹ میں منکر قسم کھالے گا اور قصہ ختم ہو جائے گا اس کے مقابلہ میں انگریزی عدالتیں ہیں جو پیسوں کا دھندہ ہے ایک ایک مقدمہ پر دس دس سال لگتے ہیں وقت بھی ضائع اور پیسہ بھی تباہ اور آپس کی عداوت الگ گناہ۔

۳۵۷۔ **وَحَدَّثَنَا** ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ الْمَكِّیُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ جَامِعِ بْنِ اَبِیْ رَاشِدٍ عَبْدِالْمَلِكِ ابْنِ اَعْيَنَ سَمِعَا شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ عَلٰی مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقِّهٖ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَاَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (العمران:۷۷) اِلٰی آخِرِ الْآيَةِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے جو شخص کسی کے مال پر ناحق قسم کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔ عبداللہ بیان کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی تصدیق کے لئے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ان الذین یشترون بعهدالله......﴾ الخ۔

۳۵۸۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِیِّ وَاَبُوْعَاصِمِ الْحَنَفِیُّ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ قَالُوْا حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ هٰذَا قَدْ غَلَبَنِی عَلٰی اَرْضٍ لِی كَانَتْ لِاَبِی فَقَالَ الْكِنْدِیُّ هِیَ اَرْضِی فِی يَدِی اَزْرَعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِیِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَايُبَالِی عَلٰی مَاحَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَیْءٍ فَقَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّاذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ اَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلٰی مَالِهٖ لِيَاْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَعَنْهُ مُعْرِضٌ۔

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرموت اور کندہ سے ایک آدمی آیا۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ! بے شک اس نے میری ایک زمین پر جو میرے والد کی تھی قبضہ کرلیا ہے۔ کندی نے کہا کہ وہ تو میری زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے میں اس میں زراعت وغیرہ کرتا ہوں۔ اس شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم اس سے حلف لے لو۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ! یہ شخص تو فاجر آدمی ہے، اسے تو قسم اٹھانے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی وہ ایسی چیز سے اجتناب کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس سے حلف لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا وہ حلف لینے چلا جب اس نے پیٹھ موڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھائی ظلماً اسے ہڑپ کرنے کے لئے تو یہ ضرور بالضرور اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لیں گے۔

تشریح

''هی ارضی فی یدی'' یہ شخص اپنے استدلال میں قبضہ کی ترجیح بتاتا ہے کہ میرے قبضہ میں اور میں اسے کاشت کرتا ہوں لہٰذا اس شخص کا دعوی باطل ہے۔ ''لیس یتورع'' یعنی کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتا ابھی ابھی جھوٹی قسم کھالیگا اور میری زمین دبالت گا۔ ''فانطلق'' جانے کا مطلب یہ ہے کہ شاید یہ شخص قسم کھانے کے لئے وضو بنانا چاہتا ہو، شوافع حضرات اس کو مستحب کہتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر عزیزی کی سورۃ القلم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ عقلمندی میں سے یہ تھا کہ آپ نے اس شخص سے متعلق ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے اس کے دل کی دنیا بدل گئی اور حق کا کھل کر اقرار کیا اور طرفین کا بڑا تنازع منٹوں میں ختم ہو گیا۔

۳۵۹۔ **وَحَدَّثَنِی** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي أَرْضٍ فَقَالَ أَحَدُهُمَا إِنَّ هٰذَا انْتَزَى عَلَى أَرْضِي يَارَسُولَ اللّٰهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ امْرُؤُ الْقَيْسِ بْنُ عَابِسٍ الْكِنْدِيُّ وَخَصْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ عِبْدَانَ قَالَ بَيِّنَتُكَ قَالَ لَيْسَ لِي بَيِّنَةٌ قَالَ يَمِينُهُ قَالَ إِذَنْ يَذْهَبَ بِهَا قَالَ لَيْسَ لَكَ إِلَّا ذٰلِكَ قَالَ فَلَمَّا قَامَ لِيَحْلِفَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ إِسْحَاقُ فِي رِوَايَتِهِ رَبِيعَةُ بْنُ عَيْدَانَ ۔

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کے پاس دو افراد کسی زمین کا جھگڑا لائے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ بے شک اس نے زمانۂ جاہلیت میں میری زمین کو غصب کرلیا ہے اور وہ امرأالقیس بن عابس الکندی تھا اور اس کا مخالف ربیعہ بن عبدان تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ کہنے لگا کہ میرے پاس گواہ تو نہیں ہے۔فرمایا: پھر اس سے قسم لے لو۔کہنے لگا کہ پھر تو وہ میرا مال اڑا لے جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔جب وہ حلف لینے کے لئے کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ظلماً کسی کی زمین دبالی تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔

تشریح

''انتزا علی ارضی''نزو، اصل میں حیوان کا حیوان پر چڑھنے کو کہتے ہیں یہاں غالب آنا اور قبضہ کے معنی میں ہے۔اس روایت میں عبدان کا نام ابن عبدان ہے مگر اسحاق کی روایت اور سند میں ابن عیدان ہے یعنی عین کے زبر کے ساتھ ہے،اس روایت میں دونوں خصمین کے ناموں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ ایک نہیں بلکہ دو واقعے ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے فوائد میں لکھا ہے کہ ان احادیث سے ایک بات یہ ثابت ہوگئی کہ صاحب ید اور صاحب قبضہ شخص کی بات غیر صاحب ید سے اولیٰ اور بہتر ہے دوسری بات یہ کہ جب گواہ نہ ہو تو قسم کھانا لازم ہے،تیسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ فاسق آدمی کی قسم کا اسی طرح اعتبار ہوتا ہے جس طرح عادل کا اعتبار ہے،چوتھی بات یہ معلوم ہوگئی کہ گواہ قسم پر مقدم ہے،پانچویں بات یہ ثابت ہوگئی کہ دو خصمین اگر ایک دوسرے کے خلاف دوران مخاصمت محکمہ عدالت میں ظالم فاسق فاجر کے الفاظ استعمال کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

باب من قصد اخذ مال غیرہ کان القاصد مهدر الدم

جس نے ظلماً کسی کا مال چھیننا چاہا اس کا خون رائیگاں ہے

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۶۰۔ **حَدَّثَنِیْ** اَبُو کُرَیْبٍ مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ یَعْنِی ابْنَ مِخْلَدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَرَاَیْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ یُرِیْدُ اَخْذَ مَالِیْ ؟ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَاتَلَنِیْ ؟ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ ؟ قَالَ فَاَنْتَ شَهِیْدٌ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ ؟ قَالَ هُوَ فِی النَّارِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کا کیا حکم ہے اس بارے میں کہ اگر میرے مال کو لوٹنے کے لئے کوئی شخص آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا مال اسے مت دو۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے لڑو۔ وہ کہنے لگے اگر وہ مجھے قتل کردے تو؟ فرمایا کہ پس تم شہید ہوگے۔ اس نے کہا اگر میں اسے قتل کردوں تو؟ فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

تشریح

''قاتله'' یہ امر کا صیغہ مطلب یہ کہ اس سے لڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عزت نفس کا حق عطا کیا ہے اس لئے جب کوئی شخص کسی کی عزت یا مال یا جان پر حملہ کرتا ہے تو اللہ نے اس مظلوم کو دفاع کا پورا حق دیا ہے، اگر حملہ آور نے اس کو مار ڈالا تو یہ شہید ہے اور اگر اس نے حملہ آور کو مار ڈالا تو وہ دوزخ میں جائے گا جب اسلام نے دار اسلام میں ایک مسلمان حملہ آور کو مارنے کی اجازت دی ہے تو دار حرب میں اگر ایک مسلمان اپنی عزت وجان کی حفاظت کے لئے ایک کافر حملہ آور کو مار یگا تو وہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ جہاد سے نفرت رکھنے والے لوگ کشمیر اور افغانستان یا فلسطین میں اس طرح حملہ آور کے مارنے کو مظلوم مجاہدین کے لئے جائز نہیں کہتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں ''قاتله'' سے قتال کرنے کا حکم ہے۔

شہید کی تعریف اور اقسام

معرکۂ حق وباطل کے میدان کارزار میں جو شخص مارا جائے یا ظلماً کوئی شخص مارا جائے اور زندگی سے فائدہ اٹھائے بغیر مرجائے وہ شہید کہلاتا ہے۔ ''فانت شهيد'' شہید کے کئی معنی ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ شَہِد سے ہے جو حاضر ہونے کے معنی میں ہے شہید بھی جنت میں موت کے بعد متصل حاضر ہوجاتا ہے

دوسرے لوگ قیامت کے بعد جائیں گے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں تو شہید بمعنی مشہود لہ بالجنۃ ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شہید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امم سابقہ پر گواہی دیں گے تو شہید بمعنی شاہد ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ یہ اپنی موت کے وقت جنت میں اپنے ٹھکانہ کو دیکھتا ہے اور نظارہ کرتا ہے۔

شہداء کی تین اقسام

شہداء تین اقسام پر ہیں ایک وہ شہید ہے جو کفار سے جنگ کرتے ہوئے مارا جائے خواہ سبب قتل کچھ بھی ہو یہ دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہے آخرت میں ثواب ہے دنیا میں غسل و کفن نہیں، دوسرا وہ شہید ہے جو آخرت کے اعتبار سے شہید ہے کہ اس کو شہید کا ایک قسم ثواب ملتا ہے مگر دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں ہے لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا جیسے طاعون سے مارا جائے، تیسرا وہ شہید ہے جو صرف دنیا کے اعتبار سے شہید ہے آخرت کے اعتبار سے شہید نہیں ہے یہ وہ منافق شخص ہے جو کفار سے لڑتا ہوا مارا جائے منافق شہید نہیں ہوتا اس کو دنیا میں اگرچہ غسل نہیں دیا جائے گا کفن بھی نہیں ڈالا جائے گا مگر یہ صرف دنیوی رسمی کارروائی ہے اس لئے کہ منافق شخص کو آخرت میں کفار کی طرح سزا ہوگی ثواب نہیں ملے گا۔

٣٦١۔**حَدَّثَنِي** الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ۔ تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ فَرَكِبَ خَالِدُ ابْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَوَعَظَهُ خَالِدٌ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔

حضرت ثابت مولیٰ عمر بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عنبسہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور وہ دونوں قتال کے لئے کمربستہ ہوئے تو حضرت خالد بن عمرو سوار ہوئے اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

تشریح

"وبین عنبسة" عنبسہ تابعی ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں یہ ان کی طرف سے طائف اور مکہ کے گورنر تھے یہ

وہاں طائف سے نہر کھود کر لے جا رہے تھے راستہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی زمین اور مکان تھا انہوں نے نہر کھودنے کو منع کیا مگر جناب عنبسہ نے کہا نہر کھودی جائے گی اس پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے عنبسہؒ نے بھی لڑنے کی تیاری کی اس نازک صورت حال کو دیکھ کر حضرت خالد بن العاص گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے بھتیجے کو سمجھانے لگے اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے زیر بحث حدیث پڑھ کر سنائی اور جنگ کے جواز پر استدلال پیش کیا۔

''تسیروا للقتال'' یعنی دونوں طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

۳۶۲۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ح: وَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ابن جریج سے اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔

استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار

اپنی رعایا پر ظلم کرنے والا حاکم دوزخ کا مستحق ہے

اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۶۳۔ **حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ قَالَ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لئے ان کے مرض موت میں حاضر ہوا۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میرے لئے ابھی زندگی کی مہلت باقی ہے تو میں یہ حدیث تجھ سے بیان نہ کرتا بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: کوئی بندہ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے رعیت کا نگران بنائے اور وہ اپنی موت کے دن اس حال میں مرے کہ اپنی رعایا کے حقوق میں خیانت کا مرتکب ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے۔

تشریح

''عبیداللہ'' یہ زیاد کا بیٹا ہے نابکار تھا ذاتی دلچسپی لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کیا اس کا باپ زیاد بن سمیہ تھا جو

مستلحق تھا حضرت معاویہؓ نے اپنا بھائی بنایا تھا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔''دخل عبیداللہ'' گویا ایک گورنر ایک صحابی کی عیادت کے لئے جاتا ہے اور صحابی معقل بن یسار ان کو نصیحت کرتے ہیں۔''یسترعیہ اللہ ''یعنی اللہ اس والی کو رعایا پر گورنر بناتا ہے پھر وہ رعیت کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے کہ ان کی مذھبی احوال کی نگرانی نہیں کرتا ہے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور والی ڈانس کی محفل میں ڈانس کر رہا ہے۔''الاحرم اللہ ''یعنی دخول اوّلی کے ساتھ دخول حرام ہے یا مراد یہ ہے کہ رعیت کے ساتھ دھوکہ کو حلال سمجھتا ہے تو کافر ہو گیا تو جنت حرام ہے یا ت غلیظاً تشدیداً زجراً و توبیخاً ہے۔

٣٦٤۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا يَزِيْدُبْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَخَلَ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَوَجِعٌ فَسَاَلَهُ فَقَالَ اِنِّى مُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا لَمْ اَكُنْ حَدَّثْتُكَهُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَسْتَرْعِي اللّٰهِ عَبْدًا رَعِيَّةً يَمُوْتُ حِيْنَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا اِلَّاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ قَالَ اَلَّا كُنْتَ حَدَّثْتَنِي هٰذَاقَبْلَ الْيَوْمَ ؟ قَالَ مَاحَدَّثْتُكَ اَوْلَمْ اَكُنْ لِاُحَدِّثَكَ ۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے مبتلائے مرض تھے، معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک حدیث جو اس سے قبل میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی بیان کرتا ہوں کہ بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیّت پر نگران حاکم بنایا ہو اور وہ اس حال میں مرے کہ رعیّت کے حقوق میں خیانت کرتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیں گے۔ ابن زیاد نے کہا کہ کیا تم نے مجھ سے اس سے قبل یہ حدیث کیوں بیان نہیں کی؟ معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی یا میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا۔

تشریح

''الاحدثتنی ''یعنی پہلے یہ حدیث کیوں بیان نہیں کی؟ جواب میں صحابی نے فرمایا یا نہیں بیان کیا حالات ساز گار نہیں تھے یا بیان کرنا ہی نہیں تھا مگر موت کے وقت کتمان علم سے ڈر کر بیان کیا موت ویسے بھی سر پر آ کھڑی ہے اب موت سے کیا خوف رہا ادھر سلطان جائر کے سامنے حق کا کلمہ کہہ کر جہاد عظیم کا ثواب بھی حاصل کرنا ہے۔

٣٦٥۔**وَحَدَّثَنِي** الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاحَدَّثَنَا حُسَيْنٌ يَعْنِى الْجُعْفِيَّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ قَالَ الْحَسَنُ كُنَّاعِنْدَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍنَعُوْدُهُ فَجَاءَ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ اِنِّى سَاُحَدِّثُكَ حَدِيْثًاسَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيْثِهِمَا ۔

ہشام سے روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ہم حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے

واسطے بیٹھے ہوئے تھے کہ عبید اللہ بن زیاد آ گیا۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ میں ابھی ایک حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر آگے سابقہ دونوں حدیثوں کی مانند بیان فرمائی۔

٣٦٦۔وَحَدَّثَنَا اَبُوْغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ حَدَّثَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ اَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ عَادَمَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِيْ مَرَضِهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ اِنِّيْ مُحَدِّثُكَ بِحَدِيْثٍ لَوْلَااَنِّيْ فِي الْمَوْتِ لَمْ اُحَدِّثْكَ بِهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ اَمِيْرٍيَلِيْ اَمْرَالْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ لَايَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ اِلَّالَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ ۔

ابو الملیح سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کی ان کے مرض میں۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: میں تجھ سے ایک حدیث بیان کرنے والا ہوں اور اگر میں مرض الموت میں نہ ہوتا تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر وہ حاکم جسے مسلمانوں کے امور و معاملات سپرد کئے جائیں پھر وہ ان کے واسطے کوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح

''یلی'' یہ ولی یلی ولایت سے ہے والی بننے کے معنی میں ہے۔ ''لایجھد'' یعنی رعایا کی دنیا و آخرت دونوں کے بنانے میں جدوجہد نہیں کرتا ''وینصح'' یہ خیر خواہی کے معنی میں ہے والنصح لکل مسلم اسی سے ہے ''لم یدخل'' وہی سابقہ توجیہات ملحوظ خاطر رہیں۔

باب رفع الامانة وعرض الفتن على القلوب

ایمان وامانت کا اٹھ جانا اور دلوں پر فتنوں کا ظہور

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

٣٦٧۔حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ ح:وَحَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِبْنِ وَهْبٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ قَدْرَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَااَنْتَظِرُالْاٰخَرَحَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْاَمَانَةِ قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ

فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصًى فَدَحْرَجَهُ عَلَى رِجْلِهِ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَايَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا اَمِينًا حَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهُ! مَا اَظْرَفَهُ! مَا اَعْقَلَهُ! وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيمَانٍ ـ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا اُبَالِي اَيُّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِينُهُ وَلَئِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا اَوْيَهُودِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ وَاَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ لِاُبَايِعَ مِنْكُمْ اِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک بات میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا کہ امانت دلوں کی گہرائی میں نازل ہوئی لوگوں میں۔ پھر قرآن کریم نازل ہوا پھر لوگوں نے قرآن کو سیکھا اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا امانت کے اٹھ جانے سے متعلق اور فرمایا کہ آدمی رات کو سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھالی جائے گی اور اس کا اثر صرف ایک پھیکا بے رنگ داغ رہ جائے گا۔ پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی تو اس کا اثر ایک آبلہ کی طرح رہ جائے گا۔ مثل اس انگارہ کے جسے تم اپنی ٹانگ پر لڑھکا دو۔ پھر وہ آبلہ بن جائے تو تم اسے پھولا ہوا دیکھو حالانکہ اندر کچھ نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکری لے کر اپنی ٹانگ پر لڑھکائی اور فرمایا کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت کے معاملات کریں گے اور بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے، یہاں تک کہ یہ بات کہی جائیگی کہ فلاں قوم کا فلاں شخص ایک امانتدار آدمی ہے۔ اور اسی طرح یہاں تک کہا جائے گا ایک آدمی کو کہ وہ کتنا چالاک ہے، کیا خوش مزاج ہے، کتنا عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ اور بیشک مجھ پر ایک زمانہ گزرا ہے کہ مجھے یہ پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ میں کس سے بیع و شراء کر رہا ہوں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے اس کا دین ضرور بالضرور میرے ساتھ بے ایمانی سے باز رکھتا۔ اور اگر وہ عیسائی یا یہودی ہوتا تو اس کا حاکم اسے مجھ سے بے ایمانی کرنے سے باز رکھتا لیکن آج میں تم میں سے کسی سے معاملات نہیں کروں گا سوائے فلاں فلاں آدمی کے۔

تشریح

"حدیثین" حدیثین سے صرف دو حدیثیں مراد نہیں ہیں بلکہ فتنوں سے متعلق دو حدیثیں مراد ہیں ایک یہ کہ دلوں پر امانت آسمانوں سے کس طرح اتر آئی دوسری حدیث یہ کہ پھر یہ امانت دلوں سے کس طرح اُٹھ کر چلی جائے گی۔

"الامانة نزلت" یہاں یہ اہم بحث ہے کہ امانت سے کیا مراد ہے۔ تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد ہر انسان کے قلب میں قبولیت حق کی استعداد ہے جس کی طرف حدیث میں اس طرح اشارہ ہے۔

"کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه" حق کی یہ استعداد جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے ہر انسان کے دل میں تخم کی طرح

بودی گئی پھر قرآن وحدیث اس کے لئے بمنزلہ بارش آئی اور اس حق کو روشن سبزہ زار بنادیا اب یہ شخص دین اسلام پر قائم ہوگیا یا یوں سمجھیں کہ قبولیت حق کی یہ قلبی استعداد بمنزلہ پٹرول اور تیل ہے قرآن عظیم کے لئے بمنزلہ آگ اور دیا سلائی ہے یہ قرآن اس استعداد کو روشن کرتا ہے اگر قرآن وحدیث نے اس استعداد کو روشن نہ کیا تو ماحول اس کو خراب کر کے رکھدیگا جس کی طرف ''فابواہ یھودانہ'' میں اشارہ ہے اگر ماحول نے استعداد کو بالکل خراب کردیا تو یہی مہر جباریت ہے جس کی طرف ﴿کلا بل ران علی قلوبھم﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

''عن رفعھا'' یعنی ہدایت وامانت کے اترنے اور پھیلنے کے بعد اس کے اٹھ جانے اور نور ہدایت کے ثمرات کے ختم ہونے کا ذکر فرمایا۔

''ینام نومۃ'' اس نیند سے یا حقیقی نیند مراد ہے کہ سوکر اٹھنے کے بعد اس استعداد کی ایک مقدار دل سے اٹھ گئی، یا نیند سے غفلت مراد ہے کہ معاشرہ کی وجہ سے جب آدمی مکمل غافل ہوجاتا ہے تو دلوں پر اثر پڑتا ہے ''الوکت'' واو پر فتح ہے کاف ساکن ہے معمولی اثر کو کہتے ہیں جیسے کام کرنے سے ہاتھوں پر کچھ اثر اور نشان ہوجاتا ہے ''المجل'' میم پر زبر ہے جیم ساکن ہے چھالہ کو کہتے ہیں جیسے کام کرنے سے ہاتھوں میں چھالہ پڑجاتا ہے اندر گندہ پانی ہوتا ہے اور اوپر پھولا ہوا چھالہ ہوتا ہے جگہ سخت اور سیاہ ہوجاتی ہے۔

''جمر'' جمرۃ کی جمع ہے آگ کے انگارہ کو کہتے ہیں ''دحرجتہ'' یعنی جس طرح کوئی آدمی اپنے پاؤں وغیرہ پر انگارہ رکھ کر لڑکھڑائے جس سے جگہ جل کر آبلہ پڑجائے پھر وہ پھول جائے تو جس طرح یہ آبلہ پھولا ہوا ہے اندر کچھ نہیں اسی طرح اس آدمی کا دل ایمان وامانت سے خالی ہوکر رہ جائے گا اگر آدمی باہر سے ایمان دار نظر آئے گا مگر اندر کچھ نہیں ہوگا۔ ''فنفط'' آگ سے جلنے کی وجہ سے جسم پر جو چھالہ پڑجاتا ہے اس کو ''نفط'' کہا گیا ہے۔ ''منتبرا'' پھولنے اور منبر کی طرح بلند ہونے کی تعبیر ہے ''فدحرجہ'' یعنی حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری لے لی اور سمجھانے کے لئے اپنے پاؤں پر لڑکھڑادیا یہ معقول کی مثال کو محسوس کی مثال سے سمجھادیا تو امانت اٹھنے کا پہلا مرحلہ جب گذرجاتا ہے تو جسم پر ''وکت'' جیسے نشان رہ جاتا ہے یہ محبت کے کام کی وجہ سے ہوجاتا ہے جب دوسرا مرحلہ گذرجاتا ہے تو ''مجل'' جیسے نشان رہ جاتا ہے یہ بھی محنت کے کام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پھر تیسرے مرحلے میں جب امانت مکمل اٹھ جاتی ہے تو انگارہ کے جلانے کی طرح نشان رہ جاتا ہے اور ایمان جل کر خاکستر بن جاتا ہے یہی مہر جباریت ہے پھر انسانوں میں تمیز ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد حضرت حذیفہ نے دیانت وامانت کے اُٹھ جانے سے معاشرہ پر خارجی اثر پڑنے کا ذکر کیا کہ امانت پہلے دور کے لوگوں میں زیادہ تھی دوسرے دور میں خال خال رہ گئی پھر یہ بھی ختم ہوجائے گی لوگ چالاکی کریں گے اور چالاک لوگوں کی تعریفیں کریں گے کہ واہ واہ فلاں کتنا عقلمند ہے کتنا ہوشیار ہے کتنا چست وچالاک ہے حالانکہ اس کے دل میں ایمان کا ذرہ بھی نہیں ہوگا اس لئے میں سوچ سمجھ کر لوگوں سے معاملہ کرتا ہوں ایک وقت آجائے گا کہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے سنا ہے کہ فلاں شہر میں ایک آدمی ہے جس کا معاملہ صحیح ہے۔

۳۶۸۔ **وَحَدَّثَنَا** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَوَكِيعٌ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا عَنِ

الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ ۔

اس سند کے ساتھ بھی سابقہ حدیث بعینہٖ اعمش سے روایت ہے۔

۳۶۹ ۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍحَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ يَعْنِى سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ رِبْعِيِّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَعُمَرَ فَقَالَ اَيُّكُمْ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ ؟ فَقَالَ قَوْمٌ نَحْنُ سَمِعْنَاهُ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ تَعْنُوْنَ فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِىْ اَهْلِهٖ وَجَارِهٖ ؟ قَالُوْا اَجَلْ ۔ قَالَ تِلْكَ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَلٰكِنْ اَيُّكُمْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ الَّتِىْ تَمُوْجُ مَوْجَ الْبَحْرِ ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ فَاَسْكَتَ الْقَوْمُ فَقُلْتُ اَنَا قَالَ اَنْتَ لِلّٰهِ اَبُوْكَ ! قَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَىُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَانُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَىُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ عَلٰى اَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَاءِ فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَادَامَتِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَايَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَايُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّامَااُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ ۔ قَالَ حُذَيْفَةُ وَحَدَّثْتُهٗ اَنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَابَابًامُغْلَقًا يُوْشِكُ اَنْ يُكْسَرَ قَالَ عُمَرُ اَكَسْرًا ؟ لَااَبَالَكَ ! فَلَوْاَنَّهٗ فُتِحَ لَعَلَّهٗ كَانَ يُعَادُ قُلْتُ لَابَلْ يُكْسَرُ وَحَدَّثْتُهٗ اَنَّ ذٰلِكَ الْبَابَ رَجُلٌ يُقْتَلُ اَوْيَمُوْتُ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ ۔ قَالَ اَبُوْخَالِدٍ فَقُلْتُ لِسَعْدٍ يَااَبَامَالِكٍ ! مَااَسْوَدُ مُرْبَادًّا ؟ قَالَ شِدَّةُ الْبَيَاضِ فِىْ سَوَادٍ قَالَ قُلْتُ فَمَاالْكُوْزُ مُجَخِّيًا ؟ قَالَ مَنْكُوْسًا ۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنوں کا تذکرہ فرماتے سنا ہے؟ ایک جماعت کہنے لگی کہ ہم نے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید فتنوں سے تم انسان کے گھر والوں، مال اور پڑوسی کے بارے میں فتنے مراد لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! ہم نے یہی مراد لیا ہے فرمایا کہ یہ فتنے تو ایسے ہیں کہ نماز، روزہ اور صدقہ ان کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ لیکن تم میں سے کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فتنوں کے بارے میں سنا ہے جن کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سمندر کی موجوں کی طرح اُمڈتے چلے آئیں گے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سارے لوگ خاموش رہے تو میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا تم نے؟ ''لله ابوك'' یعنی تمہارے ابو بہت تعریف والے انسان تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ فتنے قلوب انسانی پر اس طرح پیش آتے چلے جائیں گے جیسے کہ چٹائی کی تیلیاں۔ پس جس قلب میں وہ فتنہ رچ بس گیا تو اس قلب میں ایک سیاہ داغ لگا دیا جائے گا اور جس قلب نے اس سے انکار کر دیا، اس میں

ایک سفید نقطہ لگا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دو طرح کے قلوب ہو جائیں گے ایک تو سفید خالص قلوب چکنے پتھر کی طرح صاف ہوں گے اور جب تک زمین و آسمان قائم ہیں انہیں فتنے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور دوسری قسم کے قلوب سیاہ اور مٹیالے ہوں گے اوندھے کوزہ کی طرح۔ کہ نیکی اور معروف کو نیکی نہ سمجھیں گے اور نہ ہی گناہ کو گناہ سمجھیں گے مگر وہی بات جو ان کی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ آپ اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے قریب ہے کہ وہ توڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ٹوٹے گا "لا ابالك" (تیرا باپ نہ ہو) اگر وہ دروازہ کھل جائے تو ممکن ہے کہ پھر بند ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ توڑ دیا جائے گا۔ اور ان سے یہ حدیث بیان کی کہ یہ دروازہ ایک شخص ہے جسے قتل کر دیا جائے گا یا وہ مر جائے گا۔ یہ حدیث کوئی غلط سلط بات نہیں ہے۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے سعد سے کہا کہ اے ابو مالک! سیاہ مٹیالے دل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ سیاہی میں شدت بیاض۔ میں نے کہا کہ اوندھے کوزہ سے مراد کیا ہے؟ فرمایا کہ پانی کا کوزہ جس کو الٹا کر دیا گیا ہو۔

تشریح

فتنہ کی بحث

"یذکر الفتن" فتن کے اصل مباحث جلد ثانی میں ہیں یہاں عارضی ضمنی بحث ہے۔

"الفتن" فتنہ کی جمع ہے اور فتنہ کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، گناہ، ابتلاء، عذاب، مال و اولاد، بیماری و جنون، گمراہی اور شرک وغیرہ سب پر موقع بموقع فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر فتنہ کا واضح مفہوم وہ آفت ہے جو قدرت کی طرف سے کسی آدمی پر نازل ہو جائے، آفتوں کی اقسام بھی بہت ہیں مگر دو قسمیں زیادہ واضح ہیں ایک قسم وہ آسمانی آفت ہے جس کی علت اور سبب اور وجہ معلوم نہ ہو، سبب اور علت بالکل مخفی ہو ظاہر میں کچھ بھی نظر نہ آتا ہو صرف آفت نظر آ رہی ہو۔ فتنہ اور آفت کی دوسری قسم وہ ہے جس کی علت اور سبب ایک حد تک معلوم ہو پہلی قسم کو "فتنۃ عمیاء" کہتے ہیں جس میں کوئی شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف ہے جیسے بلا وجہ قتل و غارت گری ہو کہ نہ قاتل کو معلوم ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہو کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ فتنہ کی دوسری قسم میں اس طرح ابہام نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ اسباب کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فتنوں کا تعین اور ان کا مصداق بتانا بہت ہی مشکل کام ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فتنوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پیشگوئی کو کسی خاص فتنہ اور خاص واقعہ و حادثہ پر چسپاں کرنا اور اس کے ساتھ خاص طور پر جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آنحضرت کی ایک پیشگوئی کا مصداق مختلف زمانوں کے مختلف واقعات و حادثات ہوں گویا اپنے اپنے وقت پر آنے والے مختلف فتنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا مصداق بن گئے ہوں اس

لئے تعین مشکل ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بسا اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشگوئی میں کسی حادثہ کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں بظاہر وہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ حادثہ اور فتنہ ظاہر ہو کر سامنے آجاتا ہے تو وہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ہر خاص و عام پر آفتاب نصف النہار کی طرف واضح ہو جاتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ علمی اعتبار سے یہ بات کتنی چھوٹی اور پوشیدہ تھی مگر عملی طور پر یہ کتنی مشہور اور بڑی ہے۔ ''للہ ابوک'' تیرے ابا جان کا بھلا ہو بتادو تو ہی بتا سکتا ہے حضرت حذیفہ صاحب سرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ''الحصیر'' چٹائی کو کہتے ہیں اس کے بنانے کے وقت ایک ایک تنکا جوڑا جاتا ہے اسی کو عوداً عوداً سے بیان کیا گیا ہے۔ ''قلبین'' یعنی لوگوں کی دو قسمیں بن جائے گی اچھے اور بُرے ''مثل الصفا'' سفید سنگ مرمر کی طرح صاف ہوگا ہر خیر کو قبول کریگا کوئی فتنہ وہاں نہیں آئے گا۔ ''مرباداً'' میم پر کسرہ ہے را ساکن ہے میم پر ضمہ بھی ہے جو زیادہ مشہور ہے ''ای صار کلون الرماد'' یعنی راک کی طرح سیاہ خاکستر بن جائے گا یعنی ہدایت سے خالی ہو کر کالی راک کی طرح بن جائے گا ہر فتنہ کو قبول کریگا۔ ''کالکوز'' عربی، فارسی، اردو، پشتو اکثر زبانوں میں اس کو کوزہ ہی کہتے ہیں لوٹا مراد ہے لوٹا ویسے بھی بدنام ہے وضو میں ہر ہاتھ میں جاتا ہے پھر لوٹا کریسی سیاست دان بھی بڑے بدنام ہیں۔ ''مجخیا'' میم پر ضمہ ہے جیم پر زبر ہے خا پر شد اور زیر ہے مائل اور سرنگوں لوٹے کو کہتے ہیں اس کو جب الٹا کر دیا جائے گا تو اندر کچھ نہیں رہیگا اسی طرح اس دل میں کوئی ایمان و خیر باقی نہیں رہیگی۔

۳۷۰۔ **وَحَدَّثَنِي** ابْنُ اَبِی عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اَبُومَالِكٍ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ رِبْعِيٍّ قَالَ لَمَّاقَدِمَ حُذَيْفَةُ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ جَلَسَ يُحَدِّثُنَا فَقَالَ اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَمْسِ لَمَّا جَلَسْتُ اِلَيْهِ سَاَلَ اَصْحَابَهُ اَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتَنِ ؟ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِی خَالِدٍ وَلَمْ يَذْكُرْ تَفْسِيْرَاَبِی مَالِكٍ لِقَوْلِهِ مُرْبَادًا مُجَخِّيًا ۔

حضرت ربعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے واپس تشریف لائے تو ہمارے پاس بیٹھ کر ہم سے گفتگو فرمانے لگے اور فرمایا کہ کل جب میں امیر المؤمنین کے پاس بیٹھا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی کو فتنوں کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یاد ہیں؟ آگے سابقہ حدیث بیان فرمائی۔ البتہ اس میں سابقہ حدیث کے مثل ابو مالک کی وضاحت نہیں بیان کی۔

۳۷۱۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَعَمْرُوبْنُ عَلِيٍّ وَعُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ قَالُوْاحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ اَبِی عَدِيٍّ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ اَبِی هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ مَنْ يُحَدِّثُنَا اَوْقَالَ اَيُّكُمْ يُحَدِّثُنَا وَفِيْهِمْ حُذَيْفَةُ مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ اَنَا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ

كَنَحْوِ حَدِيْثِ اَبِيْ مَالِكٍ عَنْ رِبْعِيٍّ وَقَالَ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثْتُهُ حَدِيْثًالَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ وَقَالَ يَعْنِي اَنَّهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ربعی بن حراش، حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تم میں سے کون ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنوں کے بارے میں احادیث بیان کرتا ہے؟ ان میں حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے جواب دیا میں بیان کرتا ہوں پھر حدیث کو ابو مالک والی حدیث کی طرح بیان کیا اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو غلط نہ تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی تھی۔

تشریح

''لیس بالاغالیط'' یعنی یہ کوئی چیستان اور غلط باتیں نہیں ہیں بلکہ نبی مکرم کی صحیح احادیث ہیں جس کا اقرار حضرت عمر فاروق نے بھی کیا ہے جب پوچھا کہ یہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائے گا جب حضرت حذیفہؓ نے توڑنے کی بات کی تو حضرت عمرؓ نے افسوس کیا اور فرمایا کہ پھر فتنوں کے روکنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رہیگی۔

کتاب الفتن کی بحث جلد ثانی میں آ رہی ہے یہاں یہ سب احادیث ضمنی طور پر آئی ہیں۔

باب بيان ان الاسلام بدأغريباً وسيعو دغريباً

اسلام کی ابتداء گمنام لوگوں سے ہوئی آخر میں بھی ایسا ہو جائے گا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو نقل کیا ہے۔

۳۷۲۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ اَبِيْ عُمَرَ جَمِيْعًاعَنْ مَرْوَانَ الْفَزَارِيِّ قَالَ ابْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ عَنْ يَزِيْدَ يَعْنِي ابْنَ كَيْسَانَ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَابَدَأَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام غربت واجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور دوبارہ عنقریب غرباء کی طرف لوٹ جائے گا پس خوشخبری ہو غرباء کے لئے۔

تشریح

''بدأ الاسلام غریباً'' ''بدأ یبدأ'' ہمزہ کے ساتھ ابتداء کے معنی میں ہے ''غریباً'' ناواقف مسافر اور پردیسی شخص کو غریب کہتے ہیں جو اپنے علاقے سے دور اور عام لوگوں میں گمنام ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء ایسی حالت میں ہوئی کہ

عام لوگوں میں اس کے افراد بالکل قلیل تھے معاشرہ کے عام لوگوں میں گنے چنے اوپرے اور گمنام تھے کمزور اور بے بس تھے پورے معاشرہ سے کٹے ہوئے سمجھے جاتے تھے، نہ غم میں اور نہ خوشی میں ان کو شریک کیا جاتا تھا نہ کسی قومی اور اجتماعی کام میں ان کو یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب بھی یہی حال ہے کہ ملکوں اور شہروں اور محلوں میں معاشرہ کے ہر قسم کے افراد کو غم اور خوشی میں موقع بموقع یاد کیا جاتا ہے لیکن علماء اور اہل دین کو نظر انداز کیا جاتا ہے گویا یہ لوگ معاشرہ کا حصہ نہیں ہیں بالکل گمنام ہیں۔ اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حاملین اسلام ابتداء میں بھی تھوڑے تھے اور آئندہ بھی یہ لوگ تھوڑے ہونگے کمزور ہونگے گمنام ہونگے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا البتہ درمیان میں یہ لوگ ترقی کریں گے، الحمد للہ قرون وسطیٰ میں اسلام کے حاملین مشرق ومغرب اور جنوب وشمال پر چھا گئے تھے خلفاء راشدین اور خلفاء بنوامیہ اور خلفاء بنوعباس اور خلافت عثمانیہ میں اسلام کا جھنڈا اکثر عالم پر بلند ہوکر لہرانے لگا تھا۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کا مصداق مدینہ منورہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ یہ حالت صرف مدینہ منورہ کی ہوگی مگر عام شارحین اور علماء نے اس حدیث کو عام عالم اسلام کے لئے عام کیا ہے۔

''فطوبیٰ'' طوبی طیب سے ہے خوش عیشی قابل رشک زندگی عزت وعظمت اور کمال وشرافت مراد ہے۔ بعض علماء نے اس سے جنت مراد لیا ہے ''للغرباء'' اس سے وہی لوگ مراد ہیں جو غریب کے مفہوم میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بعض شارحین نے مہاجرین مراد لیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے ملک کو چھوڑ کر غربت ومہاجرت کی زندگی اختیار کی ایک حدیث میں تفصیل ہے کہ ''وھم النزاع من القبائل'' یعنی غرباء سے قبائل کے وہ لوگ مراد ہیں جو قبائل سے نکل کر اسلام کی طرف آ گئے مراد مہاجرین ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ہجرت کی اور وطن کو چھوڑا بعض اہل حدیث نے اپنا نام غرباء اہل حدیث رکھا ہے تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق بن جائیں یہ ان کی ایک تمنا ہے۔

وکل یدعی وصلا بلیلی ولیلا لا تقرلہ بذاك

۳۷۳۔ **حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَالْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْاَعْرَجُ قَالَا حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِیُّ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ وَهُوَ یَأْرِزُ بَیْنَ الْمَسْجِدَیْنِ کَمَا تَأْرِزُ الْحَیَّةُ فِیْ جُحْرِهَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور عنقریب دوبارہ غربت کی طرف لوٹ جائے گا یعنی سمٹ جائے گا دو مسجدوں کے درمیان جیسے کہ سانپ اپنے بل میں سمٹ جاتا ہے۔

تشریح

''وھو یأزر'' ارزیأرز، ضرب یضرب سے ہے بعض نے نصر سے بھی کہا ہے رجوع اور ضم ہونے اور سمٹنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام اخر زمانہ میں مکہ اور مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر لوٹ جائیگا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوکر سمٹ سمٹ کر اور لپیٹ لپیٹ کر محفوظ بیٹھ جاتا ہے یہ اسلام کی ابتداء اور انتہاء کی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام اور حاملین اسلام ابتدا میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مکہ اور مدینہ میں اسلام کی غرض سے یا نبی آخرالزمان کی زیارت کی غرض سے آتے جاتے پھر خلفاء راشدین کے زمانہ میں جہاد کی غرض سے اور عدل وانصاف کے مشاہدہ کرنے کی غرض سے آتے تھے پھر بعد میں مسلسل اہل علم اور طالب علم حصول علم کی غرض سے مدینہ منورہ آتے تھے اس کے بعد قیادت تک اہل اسلام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی غرض سے اور حج کی غرض سے مکہ اور مدینہ تشریف لاتے ہیں اور انشاء اللہ لاتے رہیں گے اس حدیث میں ''المسجدین'' سے مکہ ومدینہ کی مسجد حرام اور مسجد نبوی مراد ہے۔ (قاضی عیاض)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں حقیقی ایمان قرب قیامت تک باقی رہیگا اور بدعت اور اہل بدعت یہاں غلبہ نہیں پاسکیں گے قاضی عیاض نے یہاں قبر نبی کی زیارت اور اس کے مشاہدہ سے برکت حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور آثار صحابہ سے تبرک حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ''فلا یأتیھا الا المؤمن'' کہ صرف مؤمن اس زیارت کے لئے آتا ہے۔

(کذا فی النووی)

۳۷۴۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَکرِبنُ اَبِیْ شَیبَةَ حَدَّثَنَا عَبدُاللّٰهِ بنُ نُمَیرٍ وَاَبُواُسَامَةَ عَن عُبَیدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ ح:وَحَدَّثَنَا ابنُ نُمَیرٍ حَدَّثَنَا اَبِی حَدَّثَنَا عُبَیدُاللّٰهِ عَن خُبَیبِ بنِ عَبدِالرَّحمٰنِ عَن حَفصِ بنِ عَاصِمٍ عَن اَبِی هُرَیرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الاِیمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَی المَدِینَةِ کَمَاتَاْرِزُ الحَیَّةُ اِلَی جُحرِهَا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایمان سمٹ کر رہ جائے گا مدینہ منورہ میں جیسے کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ جاتا ہے۔

باب ذھاب الایمان فی آخر الزمان

آخرزمانے میں ایمان کے اُٹھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے دوحدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۷۵۔**حَدَّثَنِی** زُهَیرُبنُ حَربٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَن اَنَسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَایُقَالَ فِی الاَرضِ : اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمین میں اللہ اللہ کہا جارتا رہا ہے۔

تشریح

''اللہ اللہ'' یہ الفاظ نصب کے ساتھ بھی ہیں بعض نے اس کو مبتدا کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا ہے لفظ اللہ کائنات کے لئے بنیاد ہے اور یہی اسم اعظم ہے اسی کی برکت سے کائنات کی بقاء ہے، کائنات کی بقا اور قیامت واقع نہ ہونے کے لئے تین چیزیں اساس وبنیاد ہیں۔(۱) قرآن کریم (۲) لفظ اللہ (۳) بیت اللہ۔ ان تینوں چیزوں کے اٹھنے سے ایمان بھی اٹھ جائے گا اور کائنات کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوجائے گی اور قیامت قائم ہوجائے گی۔

اللہ اللہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح عقیدہ کے ساتھ آدمی پڑھے غلط عقیدہ کے ساتھ پڑھنے کا فائدہ نہیں نہ قیامت کے لئے رکاوٹ ہے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر مفرد یعنی صرف اللہ اللہ کے ذکر کو منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ غیر مفید ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر مفرد جائز ہے علماء کرام اور صوفیاء عظام کا اس پر عمل ہے۔ابن ابی جعفر نے اللہ اللہ کے بجائے لا الہ الا اللہ نقل کیا ہے دونوں درست ہیں۔اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ مسند احمد میں ہے کہ

''لاتقوم الساعة الاعلى شرار الخلق وحثالتهم''۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

یہ اس وقت کی بات ہوگی جب خروج الدجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام ہو چکا ہوگا اور یمن کی طرف سے وہ ہوا چل چکی ہوگی جس سے سارے مسلمان مرجائیں گے اور صرف کفار رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح زندگی گزاریں گے۔

سوال

یہاں ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی آدمی مسلمان باقی نہیں رہیگا سب کفار رہ جائیں گے حالانکہ دوسری حدیث میں ہے کہ میری امت پوری کی پوری گمراہ نہیں ہوسکتی ہے۔

جواب

اس کا جواب علامہ ابیؒ نے یہ دیا ہے کہ امت کا مجموعی طور پر مرتد ہونا اور چیز ہے اور امت کا ختم ہونا اور چیز ہے اس حدیث میں امت کے خاتمے کا ذکر ہے کہ امت کا پورا نظام سمٹ کر اُٹھالیا جائیگا اس کے بعد مرتد آتے ہیں یا کفار آتے ہیں اس سے بحث نہیں۔

''فی الارض''اس لفظ سے اشارہ ملتا ہے کہ زمین میں ایسا ہوجائیگا مگر آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کا نام ختم نہیں ہوگا وہاں فرشتوں کا نظام برقرار رہیگا اس طرح یہ لفظ قید احترازی بن جائے گا۔

۳۷۶۔حَدَّثَنِی عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَامَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلَى اَحَدٍيَقُوْلُ : اللّٰهُ ، اللّٰهُ ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ایسے شخص پر قیامت نہیں آئے گی جو اللہ اللہ کہتا ہو۔

باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف

خوف کے وقت ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۷۷۔**حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِاَبِىْ كُرَيْبٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْالِىْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَابَيْنَ السِّتِّ مِائَةٍ اِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ ؟ قَالَ اِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلَوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّالَايُصَلِّىْ اِلَّاسِرًّا ـ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شمار کر کے بتلاؤ کتنے لوگ ہیں جو اسلام کا اظہار کرتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی خوف واندیشہ ہے حالانکہ ہماری تعداد ۶۰۰ سے ۷۰۰ کے درمیان ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے۔ممکن ہے تم لوگ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم ایک فتنہ میں مبتلا ہو گئے حتی کہ ہم میں سے بعض افراد نماز بھی چھپ کر پڑھتے تھے۔

تشریح

''احصوالی ''یعنی گن کرلاؤ مدینہ میں کتنے لوگ ہیں جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں یہ مدینہ منورہ میں ابتدائی دور کی بات ہے مکہ مکرمہ میں تو مجموعی طور پر شاید دوسو مسلمان ہونگے مدینہ میں اسلام میں جہاد کا پُرزہ لگ گیا جس کی برکت سے اسلام پھیل گیا اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ صحابہ نے آنحضرتؐ کے ساتھ حج کیا۔

''فقلنا''صحابہ کرام نے سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی قلت کی وجہ سے یہ خطرہ محسوس کررہے ہیں کہ کوئی قوت ان کو ختم نہ کردے اس لئے صحابہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ!اب خوف کی کوئی بات نہیں اب تو ہم چھ سے لیکر سات سو تک ہیں اس کے جواب میں آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہو جاؤ گے پھر کھل کر عبادت نہیں کرسکو گے۔

''الستمأة''

سوال

یہاں نحات نے اعتراض کیا ہے کہ مضاف پر الف لام نہیں آتا یہاں کیسے آ گیا ہے۔

پہلا جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الف لام زائد ہے علامہ ابی نے یہی جواب دیا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ الف لام دیکھنے میں تو ہے مگر کام کا نہیں ہے۔

تیسر جواب

یہ ہے کہ قواعد نحو اور صرف بعد میں مرتب ہوئے ہیں وہ اگر پیغمبر اسلام کے کلام اور اطلاقات کے موافق ہوں تو قابل قبول ہیں ورنہ اصل معیار تو افصح العرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہوگی کہ عرب کے بہت سارے قبائل تھے ان کے ہاں مختلف قسم کی لغات چلتی تھیں جو محاورۂ عرب کے مطابق تھیں یہ انہیں کی ایک قسم ہے جو فصاحت کے معیار پر قائم ہے اعتراض کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بخاری کی روایات میں چھ سو کے بجائے پندرہ سو کا ذکر ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صرف مدینہ کی تعداد چھ سو تھی اور دیگر اطراف کو ملا کر پندرہ سو ہو جاتی تھی۔

''فابتلینا'' حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کی پیش گوئی صحیح تھی آپ کی وفات کے بعد ہم فتنوں میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ کھل کر مسجد میں آ کر نماز پڑھنا مشکل ہو گیا ہم چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر ایسا ہوا جنگ صفین و جمل میں ایسا ہوا کہ کھل کر میدان میں نماز پڑھنا مشکل ہو گیا پھر یزید کے زمانہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ جماعت کے ساتھ نماز ہوئی انہیں خطرات کی طرف آنحضرتؐ نے اشارہ کیا۔

باب تألف قلب من يخاف على ايمانه لضعفه

جس کے ایمان پر خوف ہو اس کے ساتھ تألیف قلب کا معاملہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

٣٧٨۔ **حَدَّثَنَا** ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْمًا فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَعْطِ فُلَانًا فَاِنَّهٗ مُؤْمِنٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمٌ اَقُوْلُهَا ثَلَاثًا وَیُرَدِّدُهَا عَلَیَّ ثَلَاثًا اَوْ مُسْلِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِیَ الرَّجُلَ وَغَیْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ مَخَافَةَ اَنْ یَکُبَّهُ اللّٰهُ فِی النَّارِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرمایا: میں نے عرض

کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص کو دیجئے کہ وہ مومن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا مسلم ہے۔ میں نے تین بار یونہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بار مجھے یہی جواب دیا کہ یا مسلم ہے۔ پھر فرمایا کہ میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ کئی دوسرے مجھے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن دینے والے کو صرف اس ڈر سے دیتا ہوں کہ کہیں اللہ عزوجل اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ جھونک ڈالیں۔

تشریح

سعد بن ابی وقاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے ماموں ہیں آنحضرت ان پر فخر فرماتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص میرے ماموں ہیں لاؤ کوئی شخص میرے ماموں کی طرح پیش کرو۔ یہ مستجاب الدعوات تھے آنحضرت نے ان کو دعا دی تھی جس سے آپ مستجاب الدعوات بنے تھے، کوفہ کے ایک بوڑھے گستاخ کو آپ نے تین بد دعائیں دیں جو لگ گئیں۔ آپ فاتح عراق ہیں جنگ قادسیہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے کسریٰ کے مدائن کو آپ نے فتح کیا تھا۔ زیر بحث حدیث میں آنحضرت نے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک کھرے مسلمان کو نہیں دیا اور ایک کچے مسلمان کو دیا آپ نے بار بار اصرار کیا کہ ایک پکے مسلمان کو چھوڑ کر کچے مسلمان کو مال کیوں مل رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کی طرف اشارہ کیا کہ بعض دفعہ کسی انسان کے ایمان بچانے کے لئے بطور تالیف دینا حکمت ہے کیونکہ پکے مسلمان کے جسم کے ٹکڑے بھی ہو جائیں وہ اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا کچا مسلمان امتحان کو برداشت نہیں کر سکتا آئندہ حدیث میں ایک جماعت کا ذکر ہے کہ آنحضرت نے ایک جماعت کو مال دیا اور ایک پکے مسلمان کو چھوڑ دیا حضرت کے اصرار پر آنحضرت نے فرمایا کہ سعد کیا لڑنا چاہتے ہو یعنی اتنا اصرار نہ کرو پھر آنحضرت نے وجہ بتا دی۔

''او مُسلم'' یہاں واؤ ساکن ہے اس پر فتح پڑھنا غلط ہے اور یہ ''او'' تنویع کے لئے ہے بعض نے شک کے لئے بھی بتایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس شخص کے مؤمن ہونے کو یقینی بتایا آنحضرت نے فرمایا کہ مؤمن ہے یا مسلم ہے یہ نکیر کا ایک لطیف انداز ہے کہ ایمان تو قلبی معاملہ ہے جو پوشیدہ ہے اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے ایک انسان کسی انسان کو مسلم ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ اسلام کا معاملہ ظاہر بدن سے متعلق ہے اس حدیث میں نکیر کا تعلق حضرت سعدؓ کے قطعی اور یقینی حکم لگانے سے ہے نکیر کا تعلق اس آدمی سے نہیں ہے جن کو حضرت سعد نے مؤمن کہا تھا آنحضرتؐ نے ان کے ایمان سے متعلق کچھ نہیں فرمایا صرف حضرت سعدؓ کے کلام کی اصلاح فرمائی۔ اس شخص کے ایمان اور محبوب ہونے کی تصریح تو اسی حدیث میں ہے کہ ''وغیرہ احب الی منہ۔ ان یکبہ اللہ'' کب یکب منہ کے بل جہنم میں گرانے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ ایک کچے مسلمان کی تالیف قلب اور ان کو ایمان پر قائم رکھنے کے لئے میں ان سے تعاون کرتا ہوں ورنہ کچا مسلمان اسلام کو چھوڑ دیگا تو دوزخ میں منہ کے بل گرا دیا جائیگا۔

۳۷۹۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فِيهِمْ

قَالَ سَعْدٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُعْطِهِ وَهُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا قَالَ فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِیْ مَااَعْلَمُ مِنْهُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ ؟فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْمُسْلِمًا اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهِ ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے درمیان ہی بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو نہیں دیا حالانکہ وہ ان میں سے میرے نزدیک سب سے بہتر تھے۔ لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے فلاں کو کیوں عطا نہیں فرمایا؟ حالانکہ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن گردانتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا مسلم! فرماتے ہیں کہ میں ذرا خاموش رہا پھر مجھ پر اسی خیال نے غلبہ پالیا کہ میں تو اس سے زیادہ مومن کسی کو تصور نہیں کرتا، لہٰذا میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں کو کیوں عطا نہیں فرمایا؟ خدا کی قسم میں تو اسے مومن تصور کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا مسلم! فرماتے ہیں کہ میں پھر کچھ دیر خاموش رہا۔ لیکن پھر اسی خیال میں میرے اوپر غلبہ پالیا جو میں اس کے بارے میں جانتا تھا۔ لہٰذا میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں سے اعراض کیا حالانکہ خدا کی قسم میں تو اسے مومن تصور کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں کسی آدمی کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ دوسرے کئی لوگ مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔ صرف اس خدشہ کے بناء پر کہ کہیں وہ جہنم میں اوندھے منہ نہ جھونکا جائے۔

۳۸۰۔**حَدَّثَنَا** الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحُلْوَانِیُّ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ وَهُوَ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَامِرُبْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ سَعْدٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَاَنَاجَالِسٌ فِيْهِمْ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ اَخِی ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهٖ وَزَادَ فَقُمْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ ؟

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے کچھ لوگوں کو دیا اور میں انہیں میں بیٹھا ہوا تھا۔ بقیہ حدیث ابن اخی ابن شہاب کی طرح بیان کی ہے صرف اس میں یہ الفاظ زائد ہیں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے چپکے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں شخص کو کیوں چھوڑ دیا؟

۳۸۱۔**وَحَدَّثَنَا** الْحَسَنُ الْحُلْوَانِیُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ

مُحَمَّدَبْنَ سَعْدٍيُحَدِّثُ هٰذَافَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهٖ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ بَيْنَ عُنُقِيْ وَكَتِفِيْ ثُمَّ قَالَ اَقِتَالًا ؟ اَيْ سَعْدُ ! اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس فرق کے ساتھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے اور گردن کے درمیان ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے سعد! کیا لڑائی کر رہے ہو؟۔

باب زيادة طمانينة القلب بتظاهر الادلة

دلائل کی مضبوطی سے قلبی اطمینان مزید مضبوط ہو جاتا ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۳۸۲۔ **حَدَّثَنِيْ** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذْقَالَ ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ (البقرة:٢٦) قَالَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْكَانَ يَاْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ وَلَوْلَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ لَبْثِ يُوْسُفَ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم زیادہ مستحق ہیں شک کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت، جب انہوں نے فرمایا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دیجئے کہ آپ کیسے مُردوں کو زندہ کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ فرمایا: کیوں نہیں! اپنے دل کے اطمینان کے لئے ایسا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے بے شک وہ کسی مضبوط قلعہ کی پناہ پکڑنا چاہتے تھے، اور اگر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے برابر قید میں رہتا تو بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔

تشریح

''نحن احق بالشك '' اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں دوسرے حضرت لوط علیہ السلام اور تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے اقوال کا مطلب سمجھا دیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ثابت قدمی کی تعریف فرمائی ہے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت ان پر اعتراض فرما رہے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ برحق نبی کسی نبی پر اعتراض کر سکتا ہے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا مطلب سمجھایا

کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو یہ فرمایا کہ ﴿ربی ارنی کیف تحی الموتیٰ﴾ تو اس میں ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی کے بارے کوئی شک نہیں تھا بلکہ اس نے اطمینان قلب اور احیاء موتی کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے دکھادے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو شک نہیں تھا اگر ان کو شک ہوتا تو ہم ان کی اولاد ہیں ہم کو ان سے زیادہ شک ہوتا لیکن جب ہم کو ذرہ برابر شک نہیں ہے تو حضرت ابراہیم کو کیسے شک ہوسکتا ہے حضرت ابراہیم موحد اعظم تھے جد الانبیاء تھے نمرود نے جب آگ میں ڈالنا چاہا تو جبریل امین آئے اور فرمایا ''الك حاجة'' آپ نے جواب میں فرمایا ''اما الیك فلا'' جبریلؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرو آپ نے فرمایا کہ ''علمه بحالي يغنيني عن سوالي'' پھر آپ نے فرمایا ''اللهم انت في السمآء احد وانا في الارض احد اعبدك'' خلاصہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک نہیں تھا کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے اور معصوم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی شک نہیں ہوسکتا۔

سوال

یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی میں شک نہیں تھا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے احیاء موتی کے بارے میں سوال کیوں کیا؟

جواب اس سوال کے کئی جوابات ہیں۔

پہلا جواب

ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال شک کے ازالہ کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ یقین کے اضافہ کے لئے کیا تھا کہ جو چیز دلیل سے معلوم تھی وہ معائنہ ومشاہدہ سے معلوم ہوجائے اور ''وليس الخبر كالمعاينة'' ایک معروف ضابطہ ہے۔

دوسرا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال احیاء موتی کی کیفیت سے متعلق تھا کہ احیاء کی کیفیت کیسی ہے وہ مجھے دکھادے قدرت الٰہی سے متعلق سوال نہیں تھا، ایت میں کیفیت کی تصریح موجود ہے۔

تیسرا جواب

نمرود کے ساتھ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرا رب مردوں کو زندہ کرتا ہے اس پر نمرود نے کہا تم نے دیکھا ہے کہ تیرا رب ایسا کرتا ہے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کا سوال کیا تا کہ خود دیکھے پھر پرندوں کے احیاء کا نمونہ دکھا دیا گیا۔

''ويرحم الله لوطا'' اس کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض نہیں کیا بلکہ آنحضرت نے ان

کی مجبوری اوران کی طرف سے عذر کو بیان فرمایا ہے کہ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ ظاہری قبیلہ یا ظاہری قلعہ کی طرف پناہ پکڑنے کی تمنا کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ سب سے قوی تر اور مضبوط تر پناہ تھی مگر اللہ ان پر رحم فرمائے وہ اتنے مجبور ہو گئے تھے کہ اس طرف ان کا خیال نہیں گیا۔ بہر حال ''یرحم اللہ لوطا'' کے الفاظ حضرت لوط علیہ السلام کی مدح وتعریف ہے ان پر تنقید نہیں ہے۔ عربی محاورہ میں مدح کے موقع پر ایسا کہتے ہیں حدیث میں ہے ''یرحم اللہ خالدبن الولیدلقد کاان یبلی فی العدو'' یہ مدح ہے۔

''ولولبثت فی السجن'' اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی ذات کی صفائی اور پاکدامنی کے لئے اتنے مخلص تھے کہ سات سال تک جیل میں رہے لیکن جب بادشاہ کا قاصد آیا تو انھوں نے جیل سے نکلنے سے انکار کیا تا کہ اپنی صفائی اور پاکی اور بے قصور ہونے کو ثابت کریں یہ حضرت یوسف کا عظیم استقلال اور ثابت قدمی تھی اگر میں اتنے عرصہ بے گناہ جیل میں رہتا اور قاصد آ کر باہر جانے کا کہتا تو میں فوراً نکل جاتا۔

۳۸۳۔ **وحَدَّثَنِی** بِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِبْنُ اَسْمَاءَ الضُّبَعِیُّ حَدَّثَنَا جُوَیْرِیَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ وَاَبَاعُبَیْدٍاَخبَرَاهُ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِیْثِ یُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِكٍ وَلٰكِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ حَتّٰی جَازَهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لیکن مالک کی روایت میں ہے تا کہ آپ نے اس آیت کو پڑھا حتی کہ اسے پورا کر دیا۔

تشریح

امام مسلم رحمہ اللہ نے انتہائی احتیاط کی بنیاد پر لفظ ان شاء اللہ کہا ورنہ یہاں کوئی شک والی بات نہیں تھی صرف اس طرف اشارہ ہے کہ سابق حدیث کو مجھے میرے استاد عبداللہ بن محمد نے بھی بیان کیا دونوں کے الفاظ ومعانی اور مفہوم ان شاء اللہ ایک جیسے ہونگے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یا ان شاء اللہ کے لفظ کو بطور تبرک ذکر کیا ہے۔

''حتی جازها'' یعنی ایت آخر تک پڑھ لی ساتھ والی روایت میں انجزها ہے انجاز بھی مکمل پڑھنے کے معنی میں ہے۔

۳۸۴۔ **حَدَّثَنَاهُ** عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَعْقُوْبُ یَعْنِی ابْنَ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍحَدَّثَنَا اَبُوْاُوَیْسٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ كَرِوَایَةِ مَالِكٍ بِاِسْنَادِهِ وَقَالَ ثُمَّ قَرَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ حَتّٰی اَنْجَزَهَا۔

حضرت زہری رحمہ اللہ سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے۔ لیکن اس روایت میں بعض الفاظ میں اضافہ ہے۔

باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۸۵۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا لَیْثٌ عَنْ سَعِیْدِبْنِ اَبِی سَعِیْدِ الْمُقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّاقَدْاُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ مَامِثْلُهُ آمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُوَاِنَّمَا كَانَ الَّذِی اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْاَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں انبیاء علیہم السلام میں سے جسے وہی معجزے نہ دیئے گئے ہوں جو اس سے پہلے نبی کو دیئے گئے اور اس پر لوگ ایمان لائے اور بے شک مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی الٰہی ہے جسے اللہ عزّ وجل نے مجھ وحی کے ذریعہ القاء فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے روز انبیاء میں سب سے زیادہ متبعین والا ہوں گا۔

تشریح

''مامثلہ آمن علیہ البشر''یعنی دیگر انبیاء کرام کو جو معجزات دیئے گئے وہ اسی حد اور اسی مقدار تک تھے جتنا کہ اس پر بشر اور انسان ایمان لائے جب تک معجزات تھے لوگ اس پر ایمان لاتے رہے مگر چونکہ معجزات وقتی اور عارضی تھے جب نبی دنیا سے اٹھ کر چلا گیا تو ان کے ساتھ ان کا معجزہ بھی چلا گیا تو اس کے بعد اس پر ایمان لانا اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ رہا مثلاً عصاء موسیٰ اور ید بیضا اور فلق البحر وغیرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی وغیرہ کے معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ختم ہو گئے جب تک یہ معجزات موجود تھے لوگ اس کی وجہ سے ایمان لاتے تھے مگر پھر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا گویا دیگر انبیاء کرام کے معجزات فعلی تھے لیکن نبی اکرم کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ علمی ہے جو قرآن عظیم ہے آگے اسی کا بیان ہے۔

''اوتیت وحیا''یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو معجزہ دیا وہ قرآن اور کلام اور وحی کی شکل میں ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن قیامت تک اللہ تعالیٰ کی زندہ وتابندہ کتاب ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی قیامت تک ہے تو قیامت تک لوگ اس معجزاتی کلام سے استفادہ کریں گے اور ایمان لائیں گے جس کا واضح مطلب یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تمام انبیاء کرام کے پیرو کاروں سے زیادہ ہونگے اور اسی کو حدیث کے آخری جملہ میں آنحضرت نے بیان فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میرے متبعین زیادہ ہونگے۔

انبیاء کرام کو معجزات دینے میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جس نبی کے زمانے میں معاشرہ پر جس چیز کا غلبہ ہوا اور اس چیز

کا پورے معاشرہ پر احاطہ ہو، اللہ تعالیٰ اسی چیز کو توڑنے کے لئے اس نبی کو ایسا معجزہ دیتا ہے جس کے سامنے معاشرہ کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور حق اور باطل کا واضح فیصلہ ہو جاتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا اس کے توڑنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصاء موسیٰ کا معجزہ دیا گیا جس سے معاشرہ پر حاوی جادو کا طلسم ٹوٹ گیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بڑا چرچا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو احیاء موتٰی اور ابراء اکمہ کا ایسا معجزہ دیا جس سے معاشرہ پر حاوی طب وحکمت کا طلسم پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب معاشرہ پر کلام کی فصاحت وبلاغت کا قبضہ تھا اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عظیم کا ایسا معجزہ عطا کیا جس کا مقابلہ سارے عرب نہ کر سکے۔ وہ جانوں کے قربان کرنے اور اولاد کو یتیم بنانے اور مارنے مرنے کے لئے میدانِ کارزار میں تو اتر گئے مگر زبان کی نوک سے اس معجز کلام کا مقابلہ نہ کر سکے جو قرآن کی صورت میں آنحضرت پر اترا تھا چنانچہ اسی قرآن نے عرب کو ہلا کر رکھ دیا اور بالآخر وہ مسلمان ہو گئے اور آئندہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا تو یہ دائمی معجزہ ہے اس لئے اس پر ایمان لانے والے زیادہ ہونگے۔

٣٨٦ـ **حَدَّثَنِي** يُونُسُ بْنُ عَبْدِالْاَعْلٰى اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ وَاَخْبَرَنِي عَمْرٌو اَنَّ اَبَا يُونُسَ حَدَّثَهُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَايَسْمَعُ بِي اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَانَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي اُرْسِلْتُ بِهِ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت کا کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری بات اور دعوت کو سنے اور پھر بھی ایمان نہ لائے اس چیز پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں مگر یہ کہ وہ اہلِ جہنم میں سے ہے۔

تشریح

''والذی نفس محمدبیدہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے بغیر قسم کھائی ہے جس میں چند فائدے ہیں ایک فائدہ یہ ہے کہ امت کے لئے ضرورت کے بغیر سچی قسم کھانا جائز ہے اگر چہ اس سے بچنا امت کے لئے مستحب ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی نہ جھوٹی قسم کھائی ہے نہ سچی قسم کھائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ امت کو تعلیم ملی کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی کھانی چاہیے غیر اللہ کی قسم جائز نہیں، تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ آنحضرت کی قسم سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہوا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس ذات کے قبضہ میں ہو وہ ذات کتنی بڑی ہوگی دوسری طرف امت کو یہ تعلیم ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ مخلوق ہیں مشرکین مکہ نے آنحضرت کو بندہ مان لیا رسول نہیں مانا آج کل کے مشرکین بریلویوں نے آنحضرت کو رسول تو مان

لیا بندہ نہیں مانا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور شان والے رسول ہیں۔

''لایسمع بی احد''یعنی امت دعوت میں سے جس نے بھی میری رسالت کی بات سنی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا کفار کے افراد میں سے کوئی اور فرد ہو اور سننے کے بعد اس نے مجھ پر ایمان نہیں لایا تو وہ دوزخ میں جائے گا امت سے یہاں امت اجابت یعنی مسلمان مراد نہیں بلکہ امت دعوت یہود ونصاریٰ اور دیگر کفار مراد ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ معذور ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے کہ ﴿وما کنامعذبین حتی نبعث رسولا﴾۔علامہ ابی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کو آنحضرت کی دعوت پہنچی ہے خواہ کسی بھی طریقہ پر ہو پھر آپ نے فرمایا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یأجوج مأجوج کو دعوت دی تھی، علامہ ابی لکھتے ہیں کہ جن اعاجم کو عربی لغت سمجھ میں نہیں آرہی ہے وہ بھی ان لوگوں کی طرح ہیں جن تک دعوت نہیں پہنچی ہے، علامہ ابی مزید لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اور اسی طرح زمانہ''فترت''کے لوگوں کے ایمان کے بارے میں آئندہ اسی شرح میں تفصیل آئے گی۔

اس حدیث کی ابتداء سے پتہ چلتا ہے کہ صرف دعوت کا پہنچنا کافی ہے مگر آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ کا پہنچنا بھی ضروری ہے''الذی اسلت''اس پر دال ہے اس لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ معجزہ کا پہنچنا بھی ضروری ہے لیکن دیگر علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ''لایسمع بی''کے ساتھ''وتبین معجزتی''کے الفاظ بھی ملحوظ ہیں یعنی دعوت کے ساتھ میرے معجزہ کی وضاحت بھی ان کے سامنے ہوگئی اور اس نے قبول نہیں کیا وہ دوزخ میں جائے گا۔بہرحال صرف دعوت کا پہنچنا کافی ہے اور دعوت بھی حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اتمام حجت کے لئے دونوں میں سے کوئی بھی کافی ہے، عام علماء کی رائے یہی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعویٰ صرف نبی کرسکتا ہے کہ میرے کام کے علاوہ سب گمراہی ہے مگر امت کے کسی فرد کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ کہے کہ میری تحریک میں جو کوئی شریک نہیں ہوا وہ کتے کی موت مرے گا یا یہ کہنا کہ میرا کام کشتی نوح کی طرح ہے جو شخص اس کشتی میں سوار نہیں ہوا تو وہ غرق ہوجائے گا۔بھائی! دین کے بیشمار شعبے ہیں آپ ساری امت کو ایک شعبے کے تحت جمع کرنے کو کیوں فرض قرار دیتے ہو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا''ولتکن منکم امة''یہاں منکم میں صرف ایک شعبہ کا حکم ہے سارے شعبے تو نہیں ہیں۔

۳۸۷۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحِ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ خُرَاسَانَ سَالَ الشَّعْبِيَّ فَقَالَ يَااَبَاعَمْرٍو! اِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِنْ اَهْلِ خُرَاسَانَ يَقُوْلُوْنَ فِي الرَّجُلِ اِذَا اَعْتَقَ اَمَتَهُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ كَالرَّاكِبِ بَدَنَتَهُ فَقَالَ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ اَبِيْ مُوْسَى عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَاَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ فَلَهُ اَجْرَانِ وَعَبْدٌ مَمْلُوْكٌ اَدَّى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَحَقَّ سَيِّدِهِ فَلَهُ اَجْرَانِ وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ اَمَةٌ

فَغَذَاهَا فَاَحْسَنَ غِذَاءَ هَا ثُمَّ اَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ اَدَبَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ اَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ لِلْخُرَاسَانِيِّ خُذْ هٰذَا الْحَدِيْثَ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيْمَا دُوْنَ هٰذَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ ۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل خراسان میں سے ایک شخص کو دیکھا۔اس نے شعبیؒ سے سوال کیا اور کہا اے ابوعمر! ہمارے ہاں اہل خراسان میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب آدمی اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو وہ اپنی ہی ہدی کے جانور پر سوار ہونے والے کی طرح ہے۔تو شعبیؒ نے فرمایا کہ مجھ سے ابو بردہ بن ابی موسیٰ نے اپنے والد کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی وہ ہیں جنہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وتصدیق کرے تو اسے دوہرا اجر ملے گا، دوسرے وہ مملوک غلام جو حقوق اللہ کو بھی ادا کرے جو اس کے ذمہ ہیں اور اپنے مالک وآقا کے حقوق بھی ادا کرے تو اسے بھی دوہرا اجر ہے۔تیسرے وہ شخص جس کی کوئی باندی ہو اور وہ اسے اچھی طرح کھلائے پلائے اور پھر اس کی بہترین تربیت کرے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اسے بھی دوہرا اجر ملے گا۔پھر شعبیؒ نے اس خراسانی سے کہا کہ لے یہ حدیث بغیر کسی مشقت ومحنت کے حاصل کر لے، جب کہ پہلے تو آدمی اس سے بھی چھوٹی حدیث کے حصول کے واسطے مدینہ منورہ تک کا سفر کیا کرتا تھا۔

تشریح

''یا اباعمرو'' یہ شعبی کی کنیت ہے اس خراسانی شخص نے شعبیؒ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا جو خراسان میں عام لوگوں کے ہاں گشت کر رہا تھا کہ اپنی لونڈی آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے پر دو اجر کیسے ملتے ہیں جبکہ وہ شخص لونڈی سے جماع کرتا ہے اور لطف اٹھاتا ہے یہ تو ایسا ہوا گویا ''کالراکب بدنه'' یعنی ایک شخص اپنے اونٹ پر سواری کر رہا ہے تو جو شخص اپنے ہی فائدہ کے لئے اپنے اونٹ پر سواری کر رہا ہے اس میں اس کو دو اجر کیوں ملیں گے؟

شعبی نے جواب میں حدیث سنا دی کہ ایسا حدیث سے ثابت ہے کہ دو اجر ملیں گے مزید بحث نہ کرو۔

یہاں ایک جملہ ہے کہ اس کو سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے ''اِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِنِ اهلِ خراسانَ '' اس میں لفظ مَن موصولہ ہے جو الذی کے معنی میں ہے قِبلنا کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف ایسے لوگ ہیں ''من اهل '' میں مِن بیانیہ ہے جو مِن موصولہ کے لئے بیان ہے ترجمہ یہ ہے کہ بیشک ہماری طرف خراسان کے کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں۔

''ثلاثة يؤتون '' ثلاثة مبتدا ہے اور یؤتونا اس کی خبر ہے۔

''رجل من اهل الكتاب'' ای احدهم رجل من اهل الكتاب۔

شارحین کا اس میں اختلاف ہے کہ اھل کتاب سے مراد صرف عیسائی ہیں یا عیسائی اور یہودی دونوں مراد ہیں۔

اہل کتاب کے مصداق میں اختلاف رائے

امام طحاوی اور حافظ تورپشتی کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں اہل کتاب سے صرف عیسائی مراد ہیں۔

مگر شاہ عبدالعزیز اور علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں دونوں طرف دلائل ہیں

دلائل

حافظ تورپشتی اور امام طحاوی وغیرہ کے پاس نقلی دلیل وہ روایات ہیں جن میں تصریح موجود ہے کہ اہل کتاب سے مراد نصاریٰ ہیں مثلاً بخاری کی روایت ہے ''اذاامن بعیسیٰ ثم امن بی فلہ اجران''۔ (بخاری، ج۱ص۴۹۰)

نیز ایک اور روایت میں ہے ''الذی امن بعیسیٰ ثم ادرك زمان نبینا محمدفآمن بہ''۔

ان حضرات نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے وہ یہ کہ یہود نے جب حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا وہ کافر ہو گئے لہٰذا ان کا وہ ایمان ختم ہو گیا جو حضرت موسیٰ پر لائے تھے تو ''آمن بنبیہ'' کی صفت ختم ہوگئی اب اگر وہ مسلمان ہوتے ہیں تو ''امن بنبیہ'' کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے ان کو دوہرا اجر کیسے مل سکتا ہے؟ لہٰذا اہل کتاب سے یہود مراد نہیں ہوسکتے ہیں بلکہ اس ڈبل ثواب سے وہ عیسائی بھی محروم ہیں جو تثلیث کے قائل ہیں ہاں اس سے عیسائیوں کے وہ بقایاجات مراد ہیں جو سابقہ عیسائیت پر قائم تھے اور پھر حضور اکرم پر ایمان لائے۔ امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اپنے مدعا پر کئی روایات نقل کرنے کے بعد یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

''عن عیاض بن حمارالمجاشعیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل اطلع علی عبادہ فمقتھم عربھم وعجمھم الابقایامن اھل الکتاب''

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ شاہ عبدالعزیز اور علامہ طیبیؒ اپنے استدلال میں فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اہل کتاب کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے جس سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد لیے جاتے ہیں۔ ملاعلی قاری ان حضرات کی موافقت میں یہ آیت نقل کرتے ہیں:

﴿الذین آتیناھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یؤمنون اولئك یؤتون اجرھم مرتین بماصبروا﴾

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں ''اھل الکتاب'' سے مراد تورات وانجیل ہے اور اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں اس میں ایک فائدہ اور بھی ہے کہ جن یہود تک حضرت عیسیٰ کی دعوت نہیں پہنچی تھی اور وہ اپنے دین پر صحیح طور پر قائم تھے اور پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ان پر ایمان لائے تو وہ لوگ دو اجر کے مستحق بن جائیں گے جس طرح یمن کے بعض یہودی ایسے تھے لہٰذا اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں اور نصوص سے متبادر یہی ہے اور ان شاء اللہ یہی راجح ہوگا۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ یہ

آیت عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی کے بارے میں اتری ہے ان میں سے اول الذکر یہودی تھے اور ثانی الذکر عیسائی تھے لہٰذا عموم لینا زیادہ بہتر ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ علماء کرام کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شریعت حضرت موسیٰ کی شریعت کے لئے ناسخ نہیں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے ایک محدود طبقہ کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے لہٰذا جن یہود نے آپ کی شریعت کو قبول نہیں کیا وہ کافر نہیں ہوئے لہٰذا وہ دوہرے اجر کے مستحق ہونگے اسی طرح جن عیسائیوں نے کسی نبی کا انکار نہیں کیا اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی دوہرے اجر کے مستحق ہونگے یہود ونصاریٰ کو دواجر ملنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے پہلے مرکز ایمان کے بعد نئے مرکز ایمان کو قبول کیا یہ مذہب کا معاملہ ہے جو اتنا آسان نہیں ہے اس لئے ثواب زیادہ ہے ان تین اشخاص میں سے دوسرا شخص وہ مملوک غلام ہے جو مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کر رہا ہے اور اپنے مولیٰ کی خدمت کا حق بھی ادا کر رہا ہے لہٰذا اس کو بھی دوہرا ثواب ملتا ہے۔

''ورجل کانت له امة ''یعنی لونڈی کو پالا کھلایا پلایا بہترین تعلیم وادب اور ہنر سے اس کو آراستہ کیا پھر اس کو آزاد کیا اور پھر اس کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر اس سے نکاح کیا اس بے آسرا لونڈی کو اس عالیشان مقام دینے پر دواجر ملیں گے اگر چہ وہ شخص اس سے وطی اور جماع بھی کرتا ہے مگر پھر بھی یہ اجر ملیگا۔

''فله اجران ''ایک اجر تو لونڈی کی تعلیم وتربیت اور ادب سکھانے پر ملا اور دوسرا اجر آزاد کرنے اور پھر نکاح کرنے اور گھر کی ملکہ بنانے پر ملا، بعض علماء نے کہا ہے کہ ایک اجر آزاد کرنے پر ملا اور دوسرا اجر نکاح کرنے پر ملا کیونکہ تعلیم وتربیت اور ادب سکھانا تو ویسے بھی ہر انسان کا حق ہے۔ بہر حال یہاں اہتمام کے ساتھ ''فله اجران '' کا اعادہ کیا گیا تا کہ یہ وہم نہ رہے کہ لونڈی سے تو یہ شخص فائدہ بھی اُٹھا رہا ہے جماع بھی کر رہا ہے پھر دواجر کیوں ملتے ہیں۔

سوال

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے وہ یہ کہ ان اشخاص کو اگر دواجر ملے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دو بڑے کام کیے تو جو شخص بھی دو نیکیاں کرتا ہے اس کو دو ثواب ملتے ہیں پھر ان اشخاص کی کیا خصوصیت ہے؟۔

جواب

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ دواجر اصل ثواب سے زائد ہیں ثواب کا اصل قاعدہ تو وہی ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس ثواب ہیں سات سو تک بھی جاتا ہے یہاں دواجر اس پر مستزاد ہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ان تین اشخاص کا ہر عمل دوہرے ثواب کا باعث ہے یعنی نماز ایک پڑھی وہ دو کے قائم مقام ہوگی تو عام لوگوں کی اگر ایک

نماز دس کے قائم مقام ہے تو اسکی نماز بیس کے قائم مقام ہوگی۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ ثواب صرف ان اعمال پر ملتا ہے کہ جس میں عمل کا ٹکراؤ ہو مثلاً ایک نبی پر ایمان کے بعد اس کے مذہب کو چھوڑ کر نئے برحق نبی کی مذہب کو اپنانا یہ آسان کام نہیں ہے۔

اسی طرح ایک غلام دو آقاؤں کے احکامات کو مانتا ہے تو ایک آقا مثلاً نماز کا حکم دیتا تو دوسرا کہتا ہے کہ پہلے میرا کام کرو اب دونوں کاموں میں ٹکراؤ ہے اس پر عمل کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے اسی طرح لونڈی کو بیوی بنا کر سابقہ بیوی کے برابر لا کر بٹھانا کتنا مشکل کام ہے تو ایسے ٹکراؤ والے امور پر یہ دوہرا اجر ملتا ہے، عام اعمال کی بات نہیں ہے یہ بھی ایک توجیہ ہے مگر حدیث کو عام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

''ثم قال الشعبی''یعنی شعبی نے اس خراسانی شاگرد سے کہا کہ یہ حدیث مفت میں لے جاؤ مجھے ثواب تو ملیگا مگر تجھ سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا پہلے تو لوگ دور دراز علاقوں سے اونٹوں پر سوار ہوکر بڑے خرچ کرکے ایک حدیث کے لئے مدینہ کا سفر کیا کرتے تھے تجھے یہ حدیث مفت میں مل گئی۔

علامہ ابی لکھتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کا طویل سفر کیا حضرت سعید بن میسّب فرماتے ہیں کہ میں کبھی ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن کا سفر کرتا ہوں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو کسی نے اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تیرے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا تو کہنے لگے کہ ایک حدیث کے لئے میں نے سفر کیا تھا اس سفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی۔

۳۸۸۔**وحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح:وَحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ عُمَرَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح:وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍحَدَّثَنَا اَبِىْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

یعنی اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے۔

باب نزول عیسی ابن مریم حاکما بشریعة نبینا محمدصلی الله علیه وسلم

شریعت محمدیہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو نقل کیا ہے۔

۳۸۹۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍحَدَّثَنَا لَيْثٌ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رُمْحٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضُ الْمَالَ حَتّٰى لَايَقْبَلَهُ اَحَدٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بہت قریب ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان نزول فرمائیں گے حاکم اور انصاف کرنے والے بن کر۔ پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال بہت پھیلا دیں گے یہاں تک کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

تشریح

''ان ینزل فیکم ابن مریم '' یعنی قسم بخدا عنقریب اس امت کے آخری حصہ میں مریم کا بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

نزول عیسیٰ کا عقیدہ اسلام کے بنیادی اساسی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے اس کا انکار ایک مسلمان نہیں کرسکتا ہے جو کوئی انکار کریگا گمراہ ہوجائیگا حضرت عیسیٰ نے آنحضرت کے امتی بننے کی دعا مانگی تھی جو قبول ہوگئی اور آپ کو آسمانوں پر اُٹھایا گیا دوسرے آسمان پر آپ کا قیام ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتوں کی صفات سے متصف کر دیا اور بشریت کی صفات ان سے سلب کر دیں اس لئے وہاں نہ کھانا پینا ہے اور نہ بشریت کا کوئی تقاضا ہے آپ کو آسمان پر اُٹھائے جانے کا قصہ اس طرح ہے کہ وقت کے بادشاہ نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ یہود نے آپ کا تعاقب کیا جبریل امین ابتدائے پیدائش سے آپ کے ساتھ رہتے تھے یہود سے بچنے کے لئے آپ ایک مکان میں جا کر چھپ گئے۔ حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک عیسائی نے تیس روپے لے کر آپ کی مخبری کردی یہود نے اس مکان کا محاصرہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اندر بھیجا حضرت جبریل نے آپؑ کو مکان کی چھت کے راستے سے آسمان پر اُٹھالیا اور اندر داخل ہونے والے یہودی شخص پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی شبیہ ڈالدی جب وہ اندر سے نکلا تو باہر کے لوگوں نے اسے حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اور اپنے ساتھی کو تلاش کرنے کے لئے مکان میں داخل ہوگئے مکان خالی تھا تو یہود نے کہا کہ اگر ہم نے عیسیٰ کو مارا ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا اور اگر ہم نے اپنے ساتھی کو مارا ہے تو عیسیٰ کہاں گئے یہی شبہ اس وقت سے آج تک چل رہا ہے یہود کے علاوہ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی پر لٹکائے گئے ہیں اور وہ پوری انسانیت کے لئے گناہوں کا کفارہ بن گئے حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش بھی اس سے معاف ہوگئی ان عیسائیوں کا خیال ہے کہ ان کے گناہ نہیں لکھے جاتے ہیں اور نہ عبادت کی ضرورت ہے۔ عیسائیوں کے دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مردہ حالت میں آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں۔ عیسائیوں کے تیسرے طبقے کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ حالت میں آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں اس طبقے کا خیال اس عقیدہ

کے موافق ہے جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے قرآن عظیم کا واضح اعلان ہے کہ ﴿وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ مسلمانوں کے ہاں حضرت عیسیٰ دوبارہ آسمان سے نزول فرمائیں گے وہ قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہیں قرآن کریم میں ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَاتَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کی علامت ہے اس میں شک نہ کرو۔ بہر حال ظہور مہدی سے قیامت کی بڑی علامات شروع ہونگی حضرت عیسیٰ ظہور مہدی کے سات سال بعد نزول فرمائیں گے حضرت مہدی قسطنطینہ پر فوج کشی کریں گے اس وقت افواہ پھیل جائے گی کہ دجال آگیا حضرت مہدی آدمی بھیجیں گے مگر یہ خبر جھوٹی ہوگی پھر دوبارہ اطلاع آجائے گی کہ دجال آگیا ہے حضرت مہدی اپنا کام موقوف کریں گے کہ اب حضرت عیسیٰؑ دجال کا مقابلہ کریں گے حضرت عیسیٰ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ ڈالے ہوئے دمشق کے مشرقی مینار پر اتر آئیں گے نیچے چونکہ عالم اسباب کا عالم ہے اس لئے آپ مینار کے پاس سے سیڑھی منگا کر اس پر اتریں گے جمعہ کا دن ہوگا عصر کی نماز تیار ہوگی حضرت مہدی امامت کے لئے کہیں گے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ امامت و قیادت تمہاری ہے میں ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں عصر کی نماز کے بعد حضرت عیسیٰ میدان کارزار میں اتر جائیں گے جہاں تک آپ کی نگاہ جائے گی اس سے کفار مر جائیں گے مگر دجال نہیں مریگا تا کہ اپنے ہاتھ سے حضرت عیسیٰ اس کو قتل کردیں دل بھی ٹھنڈا ہوجائے گا اور شبہ بھی نہیں رہیگا کہ خود دجال مرگیا یا کسی اور نے مارا ''باب لُد'' جو اسرائیل میں تل ابیب کے پاس ایک جگہ ہے وہاں دجال مارا جائے گا آج کل وہاں ''الـد'' کے نام سے ایئر پورٹ موجود ہے اور دجال کو بچانے بھگانے کے لئے ایک جہاز تیار کھڑا ہے۔ حضرت مہدی کی افواج اور حضرت عیسیٰ مل کر یہود کو قتل کریں گے ایک یہودی باقی نہیں رہیگا بلکہ کوئی کافر زندہ نہیں بچے گا یا اسلام یا موت کا نعرہ بلند ہوگا کفار کے خاتمہ پر جزیہ کا نظام ختم ہوجائے گا حضرت مہدی آٹھواں سال امور مملکت کے انتظام میں گذاریں گے اور نویں سال میں آپ کا انتقال ہوجائیگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عام قیادت کو سنبھال لیں گے مسلم شریف جلد ثانی میں مزید تفصیلات آئیں گی، اگر بندہ ناچیز زندہ رہا ورنہ توضیحات میں تفصیل لکھی جاچکی ہیں۔

''لیوشكن'' او شك افعال مقاربہ سے ہے یعنی عنقریب ایسا ہو کر رہیگا ''فیكم'' یہ خطاب اگر چہ صحابہ کرام کو ہے مگر اس سے امت محمد یہ مراد ہے ''ابن مریم'' قرآن کریم میں تقریباً تیس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ابن مریم سے یاد کیا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں بلکہ مریم کا بیٹا ہے نیز یہ اشارہ ہے کہ وہ ''الـٰہ'' نہیں بلکہ ایک عورت کے بطن سے پیدا شدہ ایک انسان ہے نیز یہ اشارہ ہے کہ حضرت مریم اللہ تعالیٰ کی بندی ہے اللہ کی بیوی نہیں اگر بیوی ہوتی تو مجالس میں اس طرح بیوی کا نام نہیں لیا جاتا ان اشاروں میں عیسائیوں کے کئی غلط عقائد پر واضح رد موجود ہے۔

''حكماً'' یہ حاکم کے معنی میں ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے دین کی تجدید کا کام کریں گے حضرت عیسیٰ نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ آنحضرت کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور شریعت کے تابع ہونگے

اگرچہ آپ کی نبوت آپ کے پاس ہوگی وہ آپ سے سلب نہیں ہوگی۔

''فیکسر الصلیب''صلیب چونکہ عیسائیوں کا مذہبی شعار بلکہ ان کے معبود کے درجے میں ہے اس لئے صلیب کا توڑنا ان کی کمر توڑنا ہے جس سے ان کی انتہائی تذلیل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر طاقت ہو تو منکرات کے آلات کا توڑنا جائز ہے۔

''ویقتل الخنزیر''خنزیر بھی نصاریٰ کا محبوب حیوان ہے اور ان کا قومی نشان ہے اس کے قتل سے بھی نصاریٰ کی تذلیل مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں مبغوض ترین لوگ یہود ہیں اور جانوروں میں مبغوض ترین جانور خنزیر ہے مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ جہاں خنزیر آئے اسے قتل کردیں۔

''ویضع الجزیة''یعنی جزیہ کو موقوف کریں گے کیونکہ جب کسی کافر کو ذمی کی حیثیت سے باقی رکھنا نہیں ہے تو جزیہ کیسے باقی رہ سکتا ہے حضرت عیسیٰ شریعت کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کرسکتے ہیں لہٰذا جزیہ کی منسوخی کا یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یہ انتہائے حکم بسبب انتہاء علت ہے یعنی کافر نہیں رہا تو جہاد نہ رہا تو جزیہ نہ رہا۔

غلام محمد قادیانی دجال نے کہا کہ حضرت عیسیٰ مرچکے ہیں اور کشمیر میں ان کی قبر ہے اور احادیث میں جس مسیح موعود کے نزول کا تذکرہ ہے وہ مسیح موعود میں ہوں لہٰذا میں جزیہ اور جہاد کو منسوخ کرتا ہوں تحفہ گولڑویہ میں اس دجال نے اس طرح اشعار گائے ہیں۔

اب چھوڑ دو اے دوستو! جہاد کا خیال ۔۔۔ دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے ۔۔۔ دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے ۔۔۔ اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد ۔۔۔ منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اس دجال نے یہاں نبی کے لفظ سے خود اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔

''ویفیض المال''فاض یفیض بہنے کے معنی میں ہے المال اس فعل کا فاعل ہے یعنی مال سیلاب کی طرح بہنے لگ جائے گا اس کی وجہ برکات کی کثرت ہوگی نیز قرب قیامت کی وجہ سے لوگ مال میں دلچسپی نہیں لیں گے نیز زمین اپنے سارے خزانے باہر پھینک دیگی تو مال عام ہوجائے گا۔

۳۹۰۔ **وَحَدَّثَنَاهُ** عَبْدُالْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَزُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا سُفْیَانُ ابْنُ عُیَیْنَةَ ح: وَحَدَّثَنِیْهِ حَرْمَلَةُ بْنُ یَحْیٰی اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ ح: وَحَدَّثَنَا حَسَنُ الْحُلْوَانِیُّ وَعَبْدُبْنُ حُمَیْدٍ عَنْ یَعْقُوْبَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍحَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ عُیَیْنَةَ اِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا وَفِیْ رِوَایَةِ یُوْنُسَ حَكَمًا عَادِلًا وَلَمْ یَذْكُرْ اِمَامًا مُّقْسِطًا وَفِیْ حَدِیْثِ صَالِحٍ حَكَمًا

مُقسِطًا كَمَاقَالَ اللَّيْثُ وَفِي حَدِيثِهِ مِنَ الزِّيَادَةِ وَحَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُوهُرَيْرَةَ اِقْرَؤُوا اِنْ شِئْتُمْ ﴿وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّالَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾(النساء:۱۵۹) الآية۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے راویوں کے بعض مختلف الفاظ کے ذکر کے ساتھ، اس میں اتنا زائد ہے کہ فرمایا: اس وقت ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہوگا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد فرماتے تھے کہ اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لو، اور کوئی نہیں اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ وہ ان کی موت سے قبل ان پر ایمان ضرور لائے گا۔

تشریح

''السجدة الواحدة خيراً'' چونکہ قرب قیامت کا وقت ہوگا لوگ آسودہ حال بھی ہونگے لہٰذا اخلاص اور یکسوئی کی وجہ سے پُر سکون سجدہ ہوگا عبادات میں لوگوں کا عظیم شوق بھی ہوگا سجدہ سے پوری نماز بھی مراد ہوسکتی ہے۔

''قبل موته'' یہاں ''ہ'' کی جو ضمیر ہے اس کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد سارے عیسائی اور یہودی ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ اس وقت جزیہ قبول نہیں ہوگا تو یا اسلام ہوگا اور یا موت ہوگی تو سب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور برگزیدہ رسول ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''موته'' میں ضمیر عام اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے مطلب یہ ہوگا کہ جب کسی کتابی کی موت کا وقت آئیگا تو تکوینی طور پر وہ اقرار کریگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت مریم کے بیٹے ہیں مگر یہ ایمان چونکہ حالت نزع کے وقت ہوگا اس لئے اس کا فائدہ اور اعتبار نہیں ہوگا۔ علامہ نوویؒ نے اس احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ایک قرأت میں ''قبل موتهم'' ہے جو اس احتمال کی تائید ہے۔

۳۹۱۔**حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ! لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَايُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ اِلَى الْمَالِ فَلَايَقْبَلُهُ اَحَدٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! ابن مریم علیہ السلام ضرور نزول کریں گے انصاف کرنے والے حاکم بن کر، پھر وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ

کوموقوف کردیں گے اوراونٹنیوں کو بے رغبتی کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا اس پرکوئی محنت مشقت نہیں کی جائے گی۔
اورالبتہ لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض، حسد وغیرہ نکل جائیں گے اوروہ لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا مگرکوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

تشریح

''حکماً''ان احادیث میں لفظ حکم کے معنی میں ہے حاکم یہ فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ سابق شریعت کی تجدید فرمائیں گے۔
''لتترکن''لام ابتدائیہ تاکید کے لئے ہے نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے چھوڑنے کے معنی میں ہے۔
''القلاص''جوان اورنہایت مرغوب محبوب اونٹنیوں کو قلاص کہتے ہیں کہ کثرت اموال کی وجہ سے اورلوگوں کی عدم رغبت کی وجہ سے اورقرب قیامت کی وجہ سے لوگ اس طرح اونٹنیوں کی طرف توجہ نہیں کریں گے بلکہ نگرانی کے بغیر چھوڑ دیں گے''فلا یسعی علیھا''کا یہی مطلب ہے اوردوسری آیت ﴿واذا العشار عطلت﴾ یہ بھی اسی منظر کی طرف اشارہ ہے۔
''الشحنا''حسد اورکینہ کے معنی میں ہے اموال کی حرص سے حسد پیدا ہوتا ہے جب مال کی پرواہ نہیں تو حسد کرنے کی کیا ضرورت ہوگی۔
''ولیدعون''یعنی مال کی طرف بلانے اوررغبت دلانے پربھی کوئی مال کو قبول نہیں کریگا، نہ مال کی محبت ہوگی نہ رغبت ہوگی نہ حاجت ہوگی قرب قیامت ہوگی تو یہ حالت ہوگی۔

۳۹۲۔ **حَدَّثَنِی** حَرمَلَةُ بُنُ یَحییٰ اَخبَرَنَا ابُنُ وَهبٍ اَخبَرَنِی یُونُسُ عَنِ ابُنِ شِهَابٍ قَالَ اَخبَرَنِی نَافِعٌ مَولیٰ اَبِی قَتَادَةَ الاَنصَارِیِّ اَنَّ اَبَاهُرَیرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ کَیفَ اَنتُم اِذَا نَزَلَ ابُنُ مَریَمَ فِیکُم وَاِمَامُکُم مِنکُم ؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمہارے درمیان نازل ہوں گے اورتم میں سے تمہارے امام ہوں گے۔

۳۹۳۔ **وَحَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبُنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَعقُوبُ بُنُ اِبرَاهِیمَ حَدَّثَنَا اِبُنُ اَخِی اِبنِ شِهَابٍ عَن عَمِّهٖ قَالَ اَخبَرَنِی نَافِعٌ مَولیٰ اَبِی قَتَادَةَ الاَنصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَیرَةَ یَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ کَیفَ اَنتُم اِذَانَزَلَ اِبنُ مَریَمَ فِیکُم فَاَمَّکُم ؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان اتریں گے اورتمہاری امامت کریں گے۔

تشریح

''کیف انتم ''اس میں خوشحالی کی طرف اشارہ ہے کہ تم کس خوش عیشی اور مزوں میں ہونگے دین کا نفاذ ہوگا دین کا غلبہ ہوگا حضرت مہدی بھی ہونگے اور حضرت عیسیٰ بھی ہونگے قیادت وسیادت تمہارے ہاتھ میں ہوگی کیونکہ حضرت عیسیٰ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی تمنا اور دعا کی تھی۔ وہ ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے تاکہ ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کی جھلکی دیکھ لیں امام تو تمہارا اپنا ہوگا۔

''فامکم''

سوال

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ امامت کرائیں گے اس سے پہلے مذکور ہے کہ امامکم منکم یہ تعارض ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں اقوال کے زمانے الگ الگ ہیں جب امام مہدی زندہ ہونگے تو امامکم منکم کا زمانہ ہوگا اور جب ان کا انتقال ہو جائیگا تو ''امکم'' کا زمانہ ہوگا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ امامت دو قسم پر ہے ایک امامت صغریٰ ہے جو نماز کی امامت ہے اور ایک امامت کبریٰ ہے جو قیادت وسیادت و بادشاہت کی امامت ہے تو امامکم منکم میں امامت صغریٰ کی طرف اشارہ ہے اور ''و امکم'' میں امامت کبریٰ کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہوگی ساتھ والی روایت میں ابن ابی ذئب نے جو کچھ کہا ہے وہ اسی دوسری توجیہ کی طرف اشارہ ہے اور یہی مطلب انہوں نے بیان کیا ہے تو ''امامکم منکم'' کا مصداق امام مہدی ہے اور امکم کا مصداق حضرت عیسیٰ ہیں پہلی امامت صغریٰ ہے دوسری امامت کبریٰ ہے مگر اپنے اپنے وقت میں۔

۳۹۴۔ وَحَدَّثَنِی زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِی الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَانَزَلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ؟ فَقُلْتُ لِاِبْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ اِنَّ الْاَوْزَاعِیَّ حَدَّثَنَا عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ قَالَ اِبْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ تَدْرِیْ مَااَمَّکُمْ مِنْکُمْ ؟ قُلْتُ تُخْبِرُنِیْ قَالَ فَاَمَّکُمْ بِکِتَابِ رَبِّکُمْ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِیِّکُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمہارے درمیان نازل ہوں گے اور تم میں سے تمہاری امامت کریں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی

ذئب سے کہا کہ بے شک اوزاعیؒ نے یہ حدیث ہمیں عن زھری عن نافع عن ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بیان کی اور اس میں فرمایا کہ کہ ابن مریم تمہارے امام ہوں گے تم میں سے۔ابن ابی ذئب نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تم میں سے تمہارے امام ہوں گے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کہ آپ بتلایئے۔انہوں نے کہا کہ وہ تمہارے پروردگار عزوجل کی کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تمہاری امامت وقیادت کریں گے۔

۳۹۵۔ **حَدَّثَنَا** الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالُوْا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قتال کرتی رہے گی اور غالب رہے گی قیامت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان مجاہدین کے امیر کہیں گے حضرت عیسیٰ سے کہ تشریف لایئے اور ہمیں نماز پڑھایئے۔پھر حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ نہیں! بے شک تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔اور یہ اللہ کی طرف سے اس امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا خاص اعزاز ہوگا۔

تشریح

''لاتزال طائفة من امتی '' اس سے مجاہدین کا طائفہ منصورہ مراد ہے اس کا مقام وٹھکانہ ایک جگہ نہیں بلکہ مشرق ومغرب میں مختلف مقامات میں ان کی کارروائیاں ہونگی آخرزمانہ میں دجال کے ساتھ اس طائفہ کا مقابلہ ہوگا جہاد کی قیادت حضرت عیسیٰ ومہدی کریں گے تو یہ طائفہ قیامت کے قرب تک باقی رہیگا اور جب قیامت کا فیصلہ ہوجائے گا تو یہ طائفہ معدوم ہوجائے گا اور زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہیگا۔''فیقول امیرھم ''یعنی حضرت مہدی جو امیر ہونگے وہ حضرت عیسیٰ کو دعوت دیں گے کہ آپ نماز پڑھائیں وہ فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ امامت صغری وکبری دونوں تمھارے پاس رہیگی۔''تکرمة الله هذه الامة'' تکرمة مصدر ہے جو مضاف ہے فاعل کی طرف جو لفظ اللہ اور ''ھذه الامة ''محل نصب میں ہے جو اس کے لئے مفعول بہ ہے مطلب یہ ہے کہ امامت صغری وکبری دونوں اس امت کے قائد کے پاس ہونگی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے اعزاز واکرام ہے ہاں جب قائد کا انتقال ہوجائیگا تو پھر قیادت وسیادت حضرت عیسیٰؑ کی طرف منتقل ہوجائے گی نزول عیسیٰؑ سے متعلق اور خروج دجال سے متعلق مزید تفصیلات صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الفتن میں انشاءاللہ آئیں گی۔

باب بیان الزمن الذی لایقبل فیه الایمان

وہ زمانہ جس میں ایمان لانے کا اعتبار نہیں ہوتا

اس باب میں امام مسلم نے سات احادیث کو نقل کیا ہے

۳۹۶۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ فَيَوْمَئِذٍ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمٰنُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾۔(الانعام:۱۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے، پھر جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہو جائے تو تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔ پس اس دن کسی انسان کا ایمان لانا اسے نفع نہیں دے گا اس شخص کو جو اس سے قبل ایمان نہ لا چکا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں نیک اعمال نہ کئے ہوں۔

تشریح

''حتی تطلع الشمس من مغربها'' رات بھر جب سورج کو واپس جانے کی اجازت نہیں ملی گی تو سورج مشرق کی طرف رات بھر کا سفر نہیں ہو سکے گا صبح جب جانے کی اجازت مل جائے گی تو مغرب سے طلوع ہوگا یہ صرف ایک بار ہوگا اس کے بعد سورج معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا رہے گا بہر حال تفصیل یوں ہے کہ ایک عالم دنیا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان تیسرا عالم آخرت ہے انسان عالم دنیا میں اوامر ونواھی کا مکلف ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان پردۂ غیب میں رہے جب پردۂ غیب ہٹ جاتا ہے تو انسان مکلف نہیں رہتا پھر نہ ایمان لانے کا اعتبار ہے اور نہ کسی نیک کام کرنے کا ثواب ہے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مثلاً انسان حالت غرغرہ میں جنت کو دیکھے یا دوزخ کو دیکھے یا فرشتہ کو دیکھے یا پر پردۂ غیب کی کسی چیز کو دیکھے تو اب کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوگا زیر بحث حدیث اور اس باب کی تمام احادیث میں یہی بیان کیا گیا ہے مگر یہاں تین بڑی چیزوں کا بیان ہے ایک مغرب سے سورج کا طلوع ہونا دوسرا خروج دجال کا حادثہ واقع ہونا اور تیسرا دابۃ الارض کا ظاہر ہونا یہ چند دیگر اشیاء میں سے تین بڑی اشیاء کا ذکر ہے۔

تو جس طرح حالت غرغرہ میں آدمی مردہ کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب اور خروج الدجال اور ظہور دابۃ الارض بھی آدمی کے لئے موت کی مانند ہے کہ پردہ غیب فاش

ہو جاتا ہے لہٰذا اب نہ توبہ کا اعتبار ہے اور نہ ایمان کا اعتبار ہے۔ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں یہ بات نقل کی ہے کہ ان تینوں علامات کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔

''آمن الناس ''یعنی سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت کے ایمان کا کوئی اعتبار اور فائدہ نہیں ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قیامت کی امارات اور علامات دو قسم پر ہیں ایک قسم تو قرب قیامت کی علامات ہیں اور دوسری قسم عین قیامت کی علامات ہیں پہلی قسم میں خروج الدجال یاجوج وماجوج نزول عیسیٰ علیہ السلام اور اطراف عالم میں زمین کا دھنسنا اور پھٹنا ہے اور دوسری قسم قیامت کے وقت دھواں کا اُٹھنا اور مغرب سے سورج کا نکلنا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور اس آگ کا ظاہر ہونا جو لوگوں کو محشر کی طرف ہنکا دے گی۔

''او کسبت فی ایمانھا خیراً ''اس آیت سے معتزلہ نے اپنے باطل نظریہ کے اثبات کے لئے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیگا طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب علامات قیامت کا ظہور ہو جائے گا اور پردۂ غیب اُٹھ جائے گا تو اب کسی شخص کو اس حالت میں ایمان لانا فائدہ نہیں دیگا جبکہ پہلے سے اس میں ایمان نہ ہو نیز اس شخص کو وہ ایمان بھی فائدہ نہیں دیگا جبکہ اس نے اس ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا ہو دونوں قسم کے لوگ برابر ہیں اور دونوں مخلد فی النار ہیں تو نیک کام جس کے ایمان میں نہ ہو وہ مرتکب کبیرہ ہے لہٰذا مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، معتزلہ اپنے باطل نظریہ کے لئے یہ آیت سب سے زیادہ مضبوط دلیل تصور کرتے ہیں۔

الجواب

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر کی طرح مخلد فی النار نہیں ہے بلکہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکل آئے گا وہ کہتے ہیں کہ معتزلہ نے اس آیت سے غلط استدلال کیا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب علامات قیامت کا ظہور ہو جائے گا اور پردۂ غیب اُٹھ جائے گا تو اس وقت نہ نئے سرے سے کسی کے ایمان کا اعتبار ہے اور نہ کسی کے عمل صالح کا اعتبار ہے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا فرشتوں کے لکھنے کا ضابطہ ختم ہو جائے گا رجسٹر بند ہو جائیں گے یہ ایسا ہی ہے جس طرح حالت غرغرہ میں نہ کسی کے عمل صالح کا اعتبار ہے اور نہ ایمان کا اعتبار ہے۔ حالت غرغرہ میں تو فرعون نے بھی کھل کر ایمان کا اقرار کیا تھا مگر وہ معتبر نہیں ہوا، صحیح حدیث موجود ہے کہ ''تقبل توبۃ العبد مالم یبلغ الغرغرۃ''۔ (فتح الملہم)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ

لَایَنْفَعُ نَفْساً اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ قَبْلَ ظُھُوْرِ الْاٰیَۃِ، وَلَایَنْفَعُ نَفْسًا کَسْبُھَا الْعَمَلَ الصَّالِحَ مَاکَسَبَتْ قَبْلَ ظُھُوْرِ الْاٰیَۃ۔

یعنی ظہور علامت کے وقت اور حالت غرغرہ میں نہ ایمان کا اعتبار ہے اور نہ عمل صالح کا اعتبار ہے اس سے پہلے ایمان بھی معتبر ہے

اور عمل صالح بھی معتبر ہے ظہور علامت اور حالت غرغرہ سے پہلے اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور آدمی مرتکب کبیرہ ہو تو اس سے ایت کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا معتزلہ کا اس ایت سے استدلال باطل ہے۔

۳۹۷۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَاَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حٗ:وَحَدَّثَنِی زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ كِلَاهُمَا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِی زُرْعَةَ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حٗ:وَحَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حٗ:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاء بن عبدالرحمٰن والی روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

۳۹۸۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حٗ:وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْاَزْرَقُ جَمِيعًا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ حٗ:وَحَدَّثَنَا اَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لَهٗ اَخْبَرَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِی حَازِمٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیۤ اِيمَانِهَا خَيْرًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین علامات وہ ہیں جن کے ظہور پذیر ہونے کے بعد کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچائے گا جس نے اس سے قبل ایمان اختیار نہ کیا ہو یا اپنے ایمان میں اعمال صالحہ نہ کئے ہوں۔ (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) خروج دجال (۳) دابۃ الارض کا ظہور۔

تشریح

''ودابۃ الارض'' اس کا ترجمہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والا ایک حیوان جب نکل آئے گا۔

علامہ روح المعانی فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض سے متعلق عجیب عجیب واقعات بیان کیے گئے ہیں جو بعید تر ہیں بحر محیط میں ہے کہ علماء نے دابۃ الارض کی ماہیت میں اس کی شکل میں اس کے نکلنے کی جگہ میں اور اس میں کہ یہ کتنی بار نکل آئے گا اور اس میں کہ یہ لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کریگا بہت مختلف باتیں لکھی ہیں یہ باتیں ایک دوسرے سے متعارض ہیں اس لئے میں نے اس کو ترک کر دیا اور اس بے سروپا باتوں میں وقت ضائع نہیں کیا (روح المعانی)۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ بطور خلاصہ میں یہ کہوں گا کہ دابۃ الارض ایک بڑے جسم کا عظیم الشان حیوان ہے جس کی ٹانگیں ہیں اور یہ قطعاً انسان کی قسم سے نہیں ہے اللہ

تعالیٰ قیامت کے قریب اس کو زمین سے نکالیگا یہ پیدائش کی صورت نہیں ہوگی بلکہ زمین کے پیٹ سے ایک تیار حیوان کو باہر لایا جائے گا۔اس بارے میں امام ترمذی نے جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ بہت بہتر ہے جو اس طرح ہے۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تخرج دابة الارض ومعها عصاموسی وخاتم سليمان عليه ماالسلام فتجلواوجه المؤمن بالخاتم وتخطم انف الكافر بالعصاحتى يجتمع الناس على الخوان يعرف المؤمن من الكافر ۔ (فتح الملہم،ج۱،ص۲۹۹)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دابة الارض'' نکل آئے گا اس کے ساتھ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی انگوٹھی کی مہر سے مؤمن کا چہرہ چمک اٹھے گا اور عصائے موسیٰ سے کافر کی ناک کچل دی جائے گی یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہونگے تو کافر سے مؤمن نمایاں طور پر پہنچانا جائے گا۔

سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا مطلب

۳۹۹۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ التَّيْمِيِّ سَمِعَهُ فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَخِرُّ سَاجِدَةً فَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا ارْتَفِعِي ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلَعِهَا ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسَ مِنْهَا شَيْئًا حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَيُقَالُ لَهَا ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِكِ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِهَا ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَدْرُونَ مَتٰى ذَاكُمْ ؟ذٰلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام:۱۵۸) ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے سب نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ چلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے مرکز و مستقر تک جا پہنچتا ہے جو عرش الٰہی کے نیچے ہے اور وہاں جا کر خضوع سے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور مستقل اسی حالت میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو جا اور وہیں لوٹ جا جہاں سے تو آیا تھا، چنانچہ وہ لوٹ جاتا ہے اور صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے، پھر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ جاتا ہے عرش کے نیچے اور پھر سجدہ ریز ہو جاتا ہے پھر وہ اسی حالت پر پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو جا اور وہیں لوٹ جا جہاں سے تو آیا تھا۔چنانچہ وہ لوٹ جاتا ہے

اور صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر وہ چلتا رہتا ہے اور لوگوں کو اس میں کوئی تغیر معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مستقر پر جا پہنچتا ہے وہیں عرش کے نیچے۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ بلند ہو جا اور صبح کو اپنے مغرب سے طلوع ہو، چنانچہ وہ مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس کسی ایسے نفس کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں اعمال صالحہ نہ کئے تھے۔

تشریح

''الی مستقرھا تحت العرش'' اس حدیث کا بیان تو واضح ہے کہ سورج چلتے چلتے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر اجازت ملنے پر واپس آتا ہے اور صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے ایک بار ایسا ہوگا کہ سورج کو سجدہ کی حالت میں چھوڑ دیا جائیگا اور صبح واپس جانے کا حکم ہوگا اس طرح غروب سے سورج طلوع کریگا یہ حادثہ ایک بار ہوگا اس کے بعد سورج اپنے معمول کے مطابق چلتا رہیگا۔ یہاں حدیث سمجھنے کے لئے ایک سوال اور اس کا جواب سمجھنا ضروری ہے۔

سوال

یہ ہے کہ آفتاب عالم تاب ہروقت طالع رہتا ہے صرف مقامات کا فرق ہے ہروقت متحرک رہتا ہے اس حالت میں اس کے غروب ہونا اور عرش کے نیچے سجدہ لگانے کا کیا مطلب ہے۔

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سورج کا ایک مستقر زمانی ہے اور دوسرا مستقر مکانی ہے۔ یہاں اس جگہ میں مستقر زمانی مراد ہے جو قیامت ہے یعنی سورج قیامت تک چلتا رہیگا اور سجدہ کرتا رہیگا گذرتے گذرتے اپنے احوال کے مطابق سورج سجدہ کرتا ہے جس دیگر طرح جمادات کا سجدہ تسبیح وتحمید ہے اب یہاں اسی سے ملتا جلتا ایک اور سوال ہے اور اس کا ایک جواب ہے تو مسئلہ واضح کرنے کے لئے اس کو بھی لکھتا ہوں۔

سوال

اس حدیث میں سورج کے بارے میں تغرب کا لفظ مذکور ہے یعنی سورج غروب کر کے غائب ہو جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ عرش ایک بہت بڑا کرہ ہے جو کائنات کے تمام کرّات پر محیط ہے آسمان اس کے اندر ہے سورج بھی ہروقت اس کے اندر ہے تو سورج کے غائب ہونے اور غروب ہونے اور پھر طلوع ہونے کا کیا مطلب ہے سورج عرش کے دائرے سے ادھر ادھر کہاں جا سکتا ہے ؟

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سورج کا پورا نظام عرش کے نیچے ہے تو سورج کا طلوع ہونا اور غروب ہونا اپنے مقامات اور اپنے مدار کے اعتبار سے ہے ایک مقام سے نکل آتا ہے دوسرے مقام میں جا کر داخل ہوتا ہے تو اپنے مدار میں طلوع اور غروب مراد ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ عرش سے غائب ہوجاتا ہے مثلاً پاکستان کے مدار پر آتا ہے تو امریکہ کے مدار سے غائب ہوجاتا ہے یہی اس کا طلوع اور غروب ہے۔ تو تحت العرش بھی ہے اور طلوع و غروب بھی جاری ہے اور سجدہ لگانے اور اجازت مانگنے کے لئے وقفہ کرنے اور ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے حرکت کرتے کرتے سجدہ بھی ہوجاتا ہے اور اجازت بھی ہوجاتی ہے اور ہر چیز کا سجدہ اپنے انداز سے ہوتا ہے لہٰذا اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔

اسی حرکت میں سورج لگا ہوا ہے یہاں تک کہ اس کا مستقر زمانی آجائے گا جو قیامت کا زمانہ ہے اسی کی طرف قرآن میں اشارہ ہے آیت مبارکہ اس طرح ہے وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمیٰ اب تک جو بحث ہوئی یہ سورج کے مستقر زمانی پر کلام ہوگیا یہاں سورج کا مستقر مکانی بھی مراد لیا جاسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ سورج جس مکان اور جس جگہ سے پیدا ہو کر نکل آیا ہے اور پھر حرکت شروع کی وہی وہی جگہ اس کا مستقر مکانی ہے اب سورج حرکت میں ہے یہاں تک وہ اس لفظ پر جائے گا جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا جب وہاں تک پہنچ جائے گا تو اس کی حرکت کا دورانیہ پورا ہوجائے گا تو چلتے چلتے سجدہ بھی ہوجاتا ہے اور اپنے نقطۂ انتہاء پر اجازت لینے کا معاملہ بھی پورا ہوجاتا ہے جب اجازت نہیں ملے گی تو پھر سورج کی حرکت مغرب سے طلوع ہو کر شروع ہوجائے گی یہ غیب کی باتیں ہم لوگ سمجھنے سمجھانے کی غرض سے کرتے ہیں سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہ افلاک سماویہ کا نظام ہے جس تک ہماری رسائی نہیں ہے لہٰذا اس کی حقیقت اور تحقیق کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں اور غیب کے اس پورے نظام پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ ان احادیث میں بلاچوں وچرا سب کو من وعن مانتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ:

''سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير''۔

۴۰۰۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبْدُ الْحُمَيْدِ بْنُ بَيَانِ الْوَاسِطِيُّ اَخْبَرَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ يُوْنُسَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا اَتَدْرُوْنَ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ ؟ بِمِثْلِ مَعْنٰى حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری روایت بھی سابقہ روایت کی طرح منقول ہے۔

۴۰۱۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَلَمَّا غَابَتِ

الشَّمْسُ قَالَ يَاأَبَاذَرٍّ!هَلْ تَدْرِيْ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ ؟ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُوْدِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَاَنَّهَا قَدْقِيْلَ لَهَا ارْجِعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا قَالَ ثُمَّ قَرَأَفِيْ قِرَاءَةِ عَبْدِاللّٰهِ وَذَالِكَ مُسْتَقَرٌّلَهَا ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔اسی اثناء میں جب سورج غروب ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اے ابوذر!کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں چلا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا:اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جاتا ہے اور سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور پھر ایک بار اس سے کہا جائے گا کہ لوٹ جا جہاں سے آیا تھا۔چنانچہ پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔پھر آپ نے عبداللہ بن مسعود کی قرات کے مطابق یوں پڑھا﴿وذالك مستقرلها﴾(یعنی وہی مرکز ہے سورج کے ٹھہرنے کا)۔

۴۰۲۔**حَدَّثَنَا** اَبُوْسَعِيْدٍالْاَشَجُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّلَهَا﴾ (یس:۳۸) قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ ۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ اس ارشاد ﴿والشمس تجری لمستقرلها﴾ کے بارے میں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مستقر و مرکز عرش کے نیچے ہے۔

باب بدء الوحی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتداء

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۰۳۔**حَدَّثَنِيْ** اَبُوالطَّاهِرِ اَحْمَدُبْنُ عَمْرِوبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ السَّرْحِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَاالصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَايَرٰى رُؤْيَا اِلَّاجَاءَ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ يَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ اُولَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَفِيْ غَارِحِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اِقْرَأْ قَالَ مَااَنَابِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ : اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَااَنَا

بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّانِیَةَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَااَنَابِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَةَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱۔۵) فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتّٰی دَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ ثُمَّ قَالَ لِخَدِیْجَةَ اَیْ خَدِیْجَةُ! مَالِیْ؟ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ۔ قَالَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ قَالَتْ لَهٗ خَدِیْجَةُ كَلَّا اَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ! لَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، وَاللّٰهِ! اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ، وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِیْجَةُ حَتّٰی اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ ابْنِ عَبْدِالْعُزّٰی وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِیْجَةَ اَخِیْ اَبِیْهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَكَانَ یَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِیَّ وَیَكْتُبُ مِنَ الْاِنْجِیْلِ بِالْعَرَبِیَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّكْتُبَ وَكَانَ شَیْخًا كَبِیْرًا قَدْعَمِیَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِیْجَةُ اَیْ عَمِّ! اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِیْكَ قَالَ وَرَقَةُ بْنُ نَوْفَلٍ یَاابْنَ اَخِیْ! مَاذَاتَرٰی؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَمَارَآهُ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَاالنَّامُوْسُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَالَیْتَنِیْ فِیْهَا جَذَعًا! یَالَیْتَنِیْ اَكُوْنُ حَیًّااِذْ یُخْرِجُكَ قَوْمُكَ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَمُخْرِجِیَّ هُمْ؟ قَالَ وَرَقَةُ نَعَمْ لَمْ یَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَاجِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ وَاِنْ یُّدْرِكْنِیْ یَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًامُؤَزَّرًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: پہلے پہل جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں سچے خواب دکھائے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب نہ دیکھتے مگر یہ کہ وہ سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت نشینی پسند ہو گئی چنانچہ آپ غار حراء میں خلوت نشین ہو جاتے اور وہاں گوشہ نشین ہو کر راتوں کو عبادت کیا کرتے کئی کئی رات گھر لوٹے بغیر عبادت کیا کرتے، اور اس مقصد کے لئے سامان طعام وغیرہ ساتھ لے کر جایا کیا کرتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹ آتے اور پھر حسب سابق توشۂ زندگی تیار کر لیتے یہاں تک کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے کہ اچانک وحی حق آپ پر اتری۔ ایک فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور فرمایا کہ: پڑھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے پکڑا اور اس زور سے کھینچا کہ میں تھک گیا پھر فرمایا کہ پڑھو میں نے کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں انہوں نے پھر مجھے پکڑا اور دوبارہ بھینچا کہ میں تھک گیا، پھر مجھے انہوں نے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چنانچہ

انہوں نے تیسری بار مجھے پکڑ کر زور سے دبایا کہ میں تھک گیا، پھر مجھے انہوں نے چھوڑ دیا اور فرمایا: ''پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھئے اور آپ کا رب بہت عزت وشرف والا ہے جس نے سکھلایا قلم کے ذریعہ انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ جانتا نہ تھا۔'' اس آیات کیساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں اور گردن کا درمیانی حصہ پھڑک رہا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ عنہا کے پاس داخل ہوئے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر اڑھایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف جاتا رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب واقعہ بیان کر دیا اور فرمایا کہ مجھے بیشک اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! آپ خوش ہو جائیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا یا غمزدہ نہیں فرمائیں گے۔ اللہ کی قسم! آپ تو بلاشبہ رشتوں ناتوں کو جوڑتے ہیں، سچی گفتگو فرماتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور مفلس و نادار کے لئے کماتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور حقیقی مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر چلیں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے کے پاس۔ وہ آپ کے والد کے بھائی کے بیٹے تھے اور زمانہ جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی اور عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ کو منظور ہوتا وہ لکھتے۔ اور بڑی عمر کے نابینا تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنیئے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا اے میرے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا سب بیان کر دیا۔ ورقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ تو وہ محترم ومقدس فرشتہ حضرت جبرئیل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اترے تھے۔ کاش کہ میں اس موقع پر جوان ہوتا اے کاش! میں اس زمانہ میں زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال لے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! دنیا میں کوئی شخص وہ چیز لے کر نہیں آیا جو آپ لائے ہیں مگر یہ کہ اس سے دشمنی کی گئی اور اگر میں آپ کے اس دن کو پاؤں گا تو بھرپور طریقہ سے آپ کی مدد کروں گا۔

تشریح

''ان عائشة'' بدء الوحی کی اس حدیث کو حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے حالانکہ وحی کی ابتداء جب ہوئی تو حضرت عائشہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئیں تھیں تو آپؓ نے کس طرح اس حدیث کو بیان کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے بعد میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کرنقل کرلی تو یہ حدیث متصل ہے یا حضرت عائشہ نے کسی صحابی سے سن کرنقل کیا تو یہ مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہے جو مقبول ہے۔

''اول مابدئ''بدء، کا یہ لفظ مصدر ہے فتح یفتح سے ہمزہ کے ساتھ ابتداء کے معنی میں ہے اور نصر ینصر سے بدوٌ ہمزہ کے بغیر ظہور کے معنی میں ہے دونوں جائز ہے۔ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ۵۳ سال تک رہے چالیس سال کے بعد نبوت ملی نبوت ملنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی آپ گناہوں سے پاک تھے آپ نے خود بیان کیا کہ مجھے جوانی میں ایک دفعہ کھیل کود کا خیال آیا تو میں مکہ میں شادی کی ایک مجلس میں شریک ہوا جونہی مجلس میں بیٹھ گیا تو مجھ پر نیند طاری ہوگئی جب صبح اُٹھا تو نہ کھیل تماشا تھا نہ کوئی انسان تھا آپ نبوت سے پہلے بھی صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے آپ معصوم تھے اور معصوم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وہ گناہ نہیں کرنے دیتا۔''والرؤیا الصادقه''نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل آپ کو اچھے خواب آنے شروع ہوگئے۔ شارحین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے مانوس کرنے کے لئے سب سے پہلے بطور تمہید خواب دکھائے گئے پھر اس میں ترقی ہوگئی تو بیداری میں وحی سے پہلے آپ کو پتھروں نے سلام کیا اور عجیب عجیب روشنیاں ظاہر ہونے لگیں اور غیبی آوازیں سنائی دیں حدیث میں ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے اور انبیاء کا خواب تو وحی کے حکم میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ خواب تین قسم پر ہے(۱)الرؤیا من الله (۲)ورؤیا تحزین من الشیطان (۳) ورؤیا مما یحدث به الرجل نفسه فی الیقظة فیراه فی المنام۔انہی تین مراتب کی طرف علماء نے اشارہ کیا ہے کہ ایک خواب رحمانی ہے دوسرا شیطانی ہے اور تیسرا نفسانی ہے۔ یہاں حدیث میں رؤیا صادقہ سے رؤیا من اللہ اور رحمانی خواب مراد ہے کتاب الرؤیا میں ان شاءاللہ تفصیل آئے گی۔

''من الوحی''وحی لغت میں مخفی اشارہ کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

يَرْمُوْنَ بِالْخُطَبِ الطِّوَالِ وَتَارَةً وَحْيَ الْمُلَاحِظِ خِيْفَةَ الرُّقَبَاءِ

یعنی محبوبین کبھی طویل خطبوں سے کلام کرتے ہیں اور کبھی رقیبوں کے خوف سے آنکھوں سے اشاروں میں بات کرتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں''وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی رسول کی طرف بھیجا جائے''وحی کی بڑی چار قسمیں ہیں چھوٹی تفصیلی قسمیں تو سات تک ہیں لیکن اس کی بڑی قسمیں چار ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ براہ راست اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے حجاب کے پیچھے گفتگو فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

۲۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کلام کرے۔

۳۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ''القاء فی الروع''یعنی بطور الہام قلب نبی میں براہ راست اللہ تعالیٰ کچھ ڈالدے۔

۴۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ بذریعہ فرشتہ اللہ تعالیٰ اپنا فرمان بھیج دے۔

''فی النوم'' مزید وضاحت کے لئے یہ لفظ آیا ہے ورنہ رؤیا تو وہی ہوتا ہے جو نوم میں ہو۔ ''مثل فلق الصبح'' فلق پھوٹنے کو کہتے ہیں وحی کی تشبیہ صبح کے پھوٹنے اور روشن ہونے سے دی ہے بے حد وضاحت مراد ہے جس طرح صبح کے ساتھ سورج لگا ہے جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا ہے روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے انوارات نبوت کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

''الخلاء'' مد کے ساتھ خلوت نشینی کو کہتے ہیں خالی مکان کے معنی میں ہے یہاں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خلوت اختیار کرنا مراد ہے کیونکہ خلوت سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ جلوت سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے ہیں، اگر چہ لوگوں سے اختلاط کا درجہ بلند ہے جبکہ عبادات میں خلل نہ ہو۔ ''بغار حراء'' پہاڑوں میں قدرتی ایک سرنگ بنا ہوتا ہے اس کو غار کہتے ہیں حراء میں جو غار ہے وہ دو چٹانوں کے ملنے کی وجہ سے غار نما ایک چھوٹی سی جگہ ہے جس میں آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا ہے صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس کے سامنے حصہ سے بیت اللہ صاف نظر آتا ہے اسی کو غار حراء کہتے ہیں، حراءٍ حراءَ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے جاتے ہوئے بائیں جانب ایک پہاڑ کی پیشانی پر تین میل کے فاصلے پر غار حراء واقع ہے قریش اس غار میں بطور اعتکاف بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے سب سے پہلے اس کا رواج ڈالا اسی وجہ سے قریش نے نبی اکرمؐ پر اس عبادت میں کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ پسند کیا غار حراء کے علاوہ قریش غار ثور اور کوہ ثبیر کو بھی عبادت کے لئے مختص کر کے معظم سمجھتے تھے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان تینوں غاروں کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

وثور و من ارسیٰ ثبیراً مکانہ ۔۔۔ وراقٍ لیرقی فی حراءٍ ونازلِ

یعنی ہم غارِ ثور اور کوہِ ثبیر میں قیام کرنے والوں اور غارِ حراء میں اترنے اور چڑھنے والوں کا واسطہ اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہم بنو ہاشم پر آسانی فرمائے۔

''یتحنث'' حنث، گناہ کو کہتے ہیں یہاں باب تفعل سلب مأخذ کے لئے ہے یعنی ازالۂ حنث اور گناہ کا ازالہ عبادت ہے اسی لئے یہاں اس کی تفسیر التعبد سے کی گئی ہے باقی ''اللیالی'' کا اضافہ سمجھانے کے لئے ہے ورنہ تحنث کا مفہوم صرف عبادت ہے خواہ دن میں ہو یا رات میں ہو۔ ''حتی فجئه الحق'' فجأیفجأ، اچانک آنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں ''فجاء ہ الحق'' کے الفاظ ہیں یعنی اچانک آپ کے پاس حق آگیا حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا آنا ہے اسی اجمال کی تفصیل اگلے جملے ''فجاء ہ الملك'' سے کی گئی ہے روایت میں ہے کہ آنحضرت غارِ حراء سے نکل کر اوپر پہاڑ کی پشت پر کھڑے تھے چاشت کا وقت تھا کہ جبریل امین آئے۔ ''اقرأ'' سوال یہ ہے کہ آنحضرت پڑھے ہوئے نہیں تھے تو یہ امر تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ سبق پڑھانا مقصود ہے جو پہلے سے پڑھ لیا ہو بلکہ آئندہ پڑھنے کے لئے حکم دیا جار ہا ہے جیسے چھوٹے بچے کو استاد کہتا ہے بیٹے پڑھ یا یہ امر صرف بیدار کرنے اور متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ بعض علمائے نے لکھا ہے کہ اس مقام میں جبریل امین استاد اور معلم کی حیثیت میں تھے اگرچہ جبریل امین آنحضرتؐ کے استاد نہیں ہے بلکہ آپؐ براہ راست اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں فرشتہ صرف واسطہ ہوتا ہے لیکن معلم کی حیثیت میں تھے۔ ''ما انا بقاری''یعنی میں نے کسی سے کچھ پڑھا نہیں ہے میں کیا پڑھوں؟ یہ استفہام پر محمول ہے بعض جاہل ملحدین اس لفظ سے اور''النبی الامی''کے لفظ سے آنحضرت کو ان پڑھ سمجھنے لگ جاتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے۔''الامی''کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ماں کی طرف منسوب ہو یعنی وہ اسی حالت میں ہو جس طرح ماں کے پیٹ سے آیا تھا اس نے کسی سے نہیں پڑھا اگر پڑھا تو صرف اپنے رب سے پڑھا اور پھر تمام ملتوں کو حرف غلط کی طرح منسوخ کر کے رکھ دیا سعدی بابا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست   کتب خانۂ چند ملت بشست

ترجمہ: یعنی ایسے دریتیم کہ ابھی قرآن عظیم مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ نے چند ملتوں کے کتب خانوں کو دھوڈالا۔

''فغطنی''بھینچنے اور دبانے کے معنی میں ہے اس دبانے کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت کی کیفیت بشری کمزور پڑ جائے اور ملکوتی صفت آپ کی طرف منتقل ہو جائے تا کہ وحی کا تحمل آسان ہو جائے اسی مقصد کے لئے تین بار دبایا اور پھر پڑھ کر سنایا بعض صوفیاء حضرات کہتے ہیں کہ پہلی بار دبانا نسبت الٰہی پیدا کرنا تھا دوسری بار دبانے سے نسبت ملکی پیدا کرنا مقصود تھا اور تیسری بار دبانے سے نسبت اتحادی پیدا کرنا مقصود تھا یا یوں کہدیں کہ پہلی بار دبانے سے اُنس بالملک پیدا ہو جائے دوبارہ دبایا تا کہ اُنس باللہ پیدا ہو جائے تیسری بار دبایا تا کہ اُنس بالوحی پیدا ہو جائے۔

"حتی بلغ منی الجھد"الجھد کالفظ مرفوع بھی ہے اور منصوب بھی ہے اگر مرفوع لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جبریل نے مجھے اتنا دبایا کہ میری طاقتِ برداشت انتہاء کو پہنچ گئی''ای بلغ منی الجھد مبلغه''اگر یہ لفظ منصوب ہو تو مطلب یہ ہے کہ جبریل نے مجھے اتنا بھینچا کہ جبریل اپنی انتہائی طاقت تک پہنچ گئے، فرشتہ جب انسان کی شکل میں آتا ہے تو اس میں انسان کے مطابق طاقت ہوتی ہے بلکہ انسان کے مارنے سے اس کو زخم بھی لگ جاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے فرشتہ کی آنکھ پھوٹ گئی۔

"فرجع بھا" بھا کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے یا القصة کی طرف راجع ہے جو عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

"ترجف فؤادہ" رجف کانپنے اور کپکپی طاری ہونے کے معنی میں ہے۔ فؤاد قلب کے اندر حصہ کو کہتے ہیں باہر حصہ کو قلب کہتے ہیں عام روایات میں فؤاد کالفظ ہے لیکن یہاں''بوادرہ''کالفظ ہے یہ بادرۃ کی جمع ہے کندھوں کے درمیان شانے کے گوشت کو کہتے ہیں گوشت کا یہ حصہ بدن میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے جب یہ کانپنے لگ جائے تو باقی جسم پر انتہائی کپکی طاری ہو جاتی ہے

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جسم پر جب بخار آتا ہے تو قوت غریزی اور بدن کی حرارت دل کے اردگرد جمع ہو جاتی ہے تاکہ دل کی حفاظت ہو جائے کیونکہ بدن میں دل بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے جب حرارت دل کی طرف چلی جاتی ہے تو باقی بدن ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لئے اس پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے ڈاکٹر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اس لئے انکار کرتے ہیں۔

زملونی ''جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یہ شرافت کی زبان ہے کہ ایک فرد کو جمع بنا کر یاد کیا کیونکہ گھر میں صرف حضرت خدیجہ تھی، یا ممکن ہے کہ گھر میں غلام لونڈی وغیرہ دیگر افراد بھی ہوں تو جمع کا صیغہ لایا گیا۔

''الروع'' گھبراہٹ کو کہتے ہیں جیسے ''فلما ذهب عن ابراهيم الروع'' یہ گھبراہٹ بشری تقاضے کے تحت تھی کیونکہ انسان جب مخالف جنس چیز کو دیکھتا ہے جیسا فرشتہ یا جن تو طبعی طور پر گھبراہٹ آتی ہے اور گھبراہٹ نبوت کے منافی نہیں ہے۔

''لقد خشيت على نفسي'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی میں کوئی شک نہیں تھا جیسا کہ ملحدین اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ابتدائی وحی تھی تفصیل کا علم نہیں تھا گو وحی کا یقین ہو گیا تھا مگر یہ بشری حق ہے کہ آدمی مزید تحقیق و تفتیش کرے اور ہر لحاظ سے خطرات پر غور کرے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس بار وحی سے جو بوجھ مجھ پر پڑا اگر روزانہ ایسا ہو تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکوں گا مجھے تو اپنی جان کی فکر پڑ گئی حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ہر قسم کی تسلی دیدی آپ کے اچھے اوصاف کا ذکر کیا پھر ورقہ کے پاس لے گئی تاکہ تسلی ہو جائے ایک بار خدیجہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! جب یہ شخص نظر آجائے تو مجھے بتادیں جب حضرت جبریل آگئے تو خدیجہؓ آنحضرت کی گود میں دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی اور پوچھا کہ وہ شخص نظر آرہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں نظر آتا ہے پھر حضرت خدیجہؓ نے سر سے دوپٹہ ہٹا کر بیٹھ گئی تو جبریل امین غائب ہو گئے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپ تسلی رکھیں یہ فرشتہ ہے اگر یہ جن یا شیطان ہوتا تو اس حالت میں زیادہ قریب آجاتا یہ سب تسلی کی صورتیں تھیں شک کی بات نہیں تھی اسی وجہ سے حضرت خدیجہ نے تمام خدشات کو ''کلا'' کے لفظ سے دور فرمایا اور پھر آپ کے عمدہ اوصاف بیان کیے۔ ''الکل'' جہاں کسی پر ناقابل برداشت بوجھ آجائے آپ اس کو خود برداشت کر کے مصیبت زدہ کو سنبھالا دیتے ہو۔ ''وتكسب المعدوم'' یعنی معدوم المال آدمی کے لئے کسب کر کے مال دیتے ہو۔

''وتقری'' قِریٰ مہمان نوازی کو کہتے ہیں یہ عرب کے اچھے اوصاف کا ذکر ہے کہ آپ مہمان نوازی کرتے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریگا۔ ''نوائب الحق'' نوائب نائبة کی جمع ہے حادثہ کو کہتے ہیں حادثہ کبھی حق کے راستہ میں آتا ہے کبھی باطل کے راستے میں ہوتا ہے جیسے شاعر نے کہا۔

نوائب من خير و شر كليهما   فلا الخير ممدود و لا الشر لازب

یہاں نوائب کی اضافت حق کی طرف کر کے نوائب شر سے احتراز کیا گیا ہے حضرت خدیجہؓ کا یہ جملہ ایک جامع جملہ ہے جو تمام

بشری صفات کو شامل ہے دوسری طرف حضرت خدیجہؓ کی عظیم رائے کا کمال ملاحظہ ہو کہ یہی رائے ایک قبائلی سردار ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں ظاہر کی تھی۔

''ورقہ بن نوفل'' یہ حنفاء میں سے تھے جو مشرکین کے شرک سے بیزار تھے، زید بن عمرو بن نفیل، ابو ذر غفاری امیہ بن ابی الصلت، یہ لوگ حنفاء میں سے تھے بتوں کی مخالفت کرتے تھے ان میں سے کسی نے کہا۔

اَرَبٌّ یَبُوْلُ الثُّعْلَبَانُ بِرَأْسِهٖ لَقَدْ هَانَ مَنْ بَالَتْ عَلَیْهِ الثَّعَالِبُ

اَرَبًّا وَاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ

تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا کَذَالِكَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

''اخی ابیھا'' یہ مجاز کو ختم کرنے کے لئے تصریح کی کیونکہ ابن عم مجازی طور پر چھوٹے کو کہا جا سکتا ہے عرب میں عم اور ابن عم بہت عام ہے حقیقی اور مجازی سب پر بولا جاتا ہے۔

''الکتاب العربی'' بخاری شریف میں العبرانی لفظ آیا ہے مطلب یہ کہ ورقہ عبرانی زبان اور کتابت جانتا تھا یہاں عربی لفظ آیا ہے تو اس میں تضاد نہیں ہے ورقہ دونوں زبانوں کو جانتا تھا اور دونوں میں لکھتا تھا وہ انجیل کو عبرانی سے عربی کی طرف منتقل کرتا تھا تاکہ لوگ اس کو پڑھیں اور اس پر ایمان لائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تورات وانجیل کا یاد کرنا آسان کام نہیں تھا لہٰذا آسمانی کتابوں میں قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کو خصوصیت کے ساتھ لوگ یاد کرتے ہیں لہٰذا اس امت کی صفت اور مدح میں یہ جملہ قدیم کتابوں میں مذکور ہے ''اناجیلھافی صدورھا'' یعنی ان کا آسمانی صحیفہ زبانی طور پر انکو یاد ہوگا۔

''ای عم'' دوسری روایت میں ای ابن عم کا لفظ آیا ہے وہ حقیقی معنی میں آیا ہے کیونکہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے جہاں چچا آیا ہے تو وہ عظمت اور توقیر کے اعتبار سے ہے جس طرح ''اسمع من ابن اخیك'' میں توقیر وعظمت اور عمر کے طور پر ورقہ کو چچا قرار دیا ہے اسی طرح ورقہ نے ''یاابن اخی'' عربی محاورہ کے تحت بطور مجاز کہا ہے ورنہ حقیقی طور پر آنحضرت ان کے بھتیجے نہیں تھے۔

''الناموس'' صاحب راز اور راز دان کو کہتے ہیں یہ جاسوس کے وزن پر ہے مگر جاسوس برائی میں استعمال ہوتا ہے اور ناموس بھلائی میں استعمال ہوتا ہے۔

الناموس صاحب السر الخیر والجاسوس صاحب سر الشر۔(فتح الملھم)

یہاں ناموس سے جبریل امین مراد ہے ''علی موسیٰ'' ورقہ بن نوفل نے حضرت موسیٰ کا نام لیا حالانکہ وہ خود عیسائی بن چکے تھے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی نبوت شہرت کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ کی نسبت زیادہ عام تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت باطل کے مقابلے میں اور دیگر تشبیہات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ زیادہ مشابہ تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ کے جواب میں ناموس عیسیٰ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی ناموس موسیٰ کا لفظ بولا ہے اور کبھی ناموس عیسیٰ کا لفظ بولا ہے دونوں صحیح ہے، بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت خدیجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نصرانی شخص کے پاس لے گئی جس کا نام ''عداس'' تھا۔ خدیجہؓ نے ان کو پورا قصہ سنا دیا تو اس نے جواب میں جبرئیل امین کے بارے میں کہا

"هو امين الله بينه وبين النبيين ثم ذهبت الى ورقة" (فتح الملهم)

"یالیتنی فیها جذعاً" جذع جوان اونٹ کے معنی میں ہے ورقہ نے جوانی کی تمنی کی کہ کاش دعوت اسلام کے زمانے میں میری جوانی ہوتی کہ میں آپ کی مضبوط مدد کرتا اس سے معلوم ہوا کہ ورقہ نے اسلام قبول کرلیا ہے مراسیل ابن میسرہ میں ہے کہ ورقہ نے کہا:

ابشر فانا اشهد انك الذى بشربه ابن مريم وانك على ناموس موسى وانك نبى مرسل وانك ستؤمر بالجهاد ۔

آنحضرت نے بھی ورقہ کے اسلام کے بارے میں فرمایا ''لا تسبوا ورقة فانى رئيت له جنة او جنتين ''۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ کو خواب میں سفید لباس میں دیکھا اگر وہ دوزخی ہوتا تو کوئی اور لباس ہوتا ''او مخرجی هم ''یعنی میری قوم مجھے مکہ سے نکالیگی؟ یہ تو عجیب بات ہوگی کیونکہ مجھے میری قوم صادق الامین کہتی ہے اور مجھ سے محبت رکھتی ہے پھر میرے اندر کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ تمام انسانی اچھے ملکات میرے اندر ہیں جس کو خدیجہ نے بیان کیا۔ ''او مخرجی ''خبر مقدم ہے اور ''هم'' مبتدا موخر ہے کلام کے اہتمام شان کے لئے ایسا ہوتا ہے۔

''الاعــــودی'' یہ عداوت سے ہے ورقہ نے نکالنے کی علت بتادی کہ حق اور باطل کے ٹکراؤ میں ایسا ہوتا ہے ذرا دیکھ تو لو کوہ صفا پر جب آنحضرت نے حق کا اعلان کیا تو ایک گھنٹہ پہلے آپ صادق الامین تھے اور ایک گھنٹہ بعد لوگوں نے ساحر کذاب کہدیا معلوم ہوا کہ جن لوگوں سے معاشرہ کے لوگ ہر حالت میں پیار ہی پیار کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حق کے بیان میں مداہنت کرتے ہیں، اہل حق سے نہ بالکل مخالفت ہوتی ہے اور نہ بالکل موافقت ہوتی ہے۔

''نصرا مؤزرا'' ای نصرا قویا، یہ ازر سے ہے جو بازو کو کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿واجعل لى وزيراً من اهلى هارون اخى اشدد به ازرى ﴾ وزیر کو بھی اسی وجہ سے وزیر کہتے ہیں کہ وہ قوت کا ذریعہ ہوتا ہے اس کلام سے بھی معلوم ہوگیا کہ ورقہ نے اسلام قبول کیا تھا اور اسلام پر فوت ہوگئے۔

۴۰۴۔**وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَاَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يُونُسَ غَيْرَ اَنَّهُ

قَالَ فَوَاللّٰهِ ! لَايُحْزِنُكَ اللّٰهُ اَبَدًا وَقَالَ قَالَتْ خَدِيْجَةُ اَىْ اِبْنُ عَمِّ ! اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے۔مگراس میں اتنافرق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنجیدہ نہ کرے گا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سُن ۔

۴۰۵ ۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ اِلَى خَدِيْجَةَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ يُوْنُسَ وَمَعْمَرٍ وَلَمْ يَذْكُرْاَوَّلَ حَدِيْثِهِمَا مِنْ قَوْلِهِ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَاالصَّادِقَةَ وَتَابَعَ يُوْنُسَ عَلَى قَوْلِهِ فَوَاللّٰهِ ! لَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا وَذَكَرَ قَوْلَ خَدِيْجَةَ اَىْ اِبْنَ عَمِّ ! اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ ۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ عائشہ زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا۔اور بقیہ حدیث یونس اور معمر کی روایت کی طرح نقل کی ہے اور اس میں حدیث کا پہلا حصہ نہیں کہ سب سے پہلے جو وحی آپ پر شروع ہوئی وہ سچا خواب تھا اور پہلی روایت کی طرح اس میں یہ الفاظ ہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے سے سن۔

۴۰۶ ۔**وَحَدَّثَنِي** اَبُوالطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِي اَبُوسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَيُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فِي حَدِيْثِهِ فَبَيْنَااَنَااَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتاً مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَاْسِي فَاِذَاالْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسًا عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِي زَمِّلُوْنِي فَدَثِّرُوْنِي فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿يَااَيُّهَاالْمُدَّثِّرُقُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَفَاهْجُرْ﴾ (المدثر:۱۔۵) وَهِيَ الْاَوْثَانُ قَالَ ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے موقوف ہونے کے زمانہ میں فرمایا: اس زمانہ میں ایک بار میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان

سے ایک صدائے غیبی میں نے سنی، میں نے سر اُٹھایا تو وہی فرشتہ میرے سامنے تھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا، ایک کرسی پر جو زمین وآسمان کے مابین معلق تھی فروکش تھا، میں اسے دیکھ کر خوف سے سہم گیا اور گھر لوٹ آیا اور میں نے کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، چنانچہ گھر والوں نے مجھے چادر اڑھائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔اے چادر اوڑھنے والے! اٹھئے اور ڈرایئے اور اپنے رب کی کبرائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھئے اور گندگی کو چھوڑے رہئے۔ گندگی سے مراد بت ہیں۔ پھر اس کے بعد متواتر وحی نازل ہوتی رہی۔

تشریح

''فترۃ الوحی'' اصل میں فترت کا زمانہ دو نبیوں کے درمیان والے زمانے کو کہتے ہیں مگر یہاں فترت کا اطلاق وحی کے آنے کے بعد بند ہونے پر کیا گیا ہے وحی کے بند ہونے میں یہ حکمت تھی کہ وحی کی طرف خوب شوق پیدا ہو، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی نبی کا اپنا اختیار نہیں جب اللہ تعالیٰ بند کر دیتا ہے تو کوئی نہیں لاسکتا نیز تحمل مشقت میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے بھی وحی بند ہو جاتی ہے، چنانچہ آنحضرت وحی کے شوق اور جستجو میں پہاڑ کی بلندی پر چلے جاتے تھے شدت غم میں اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ کرتے تو جبرئیل امین نمودار ہو کر فرماتے ''یامحمد! انت رسول اللہ وانا جبریل''۔ کبھی غیب سے آواز آتی تھی ''یامحمد! انك رسول اللہ حقاً''۔ فترت کا یہ زمانہ چھ ماہ تک تھا، یہ قول امام بیہقی کا ہے ابن اسحاق نے تین سال کی مدت بتائی ہے مگر یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے۔

''فجئثت'' یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ بھی ہے اور ''جثثت'' دو ثا کے ساتھ بھی ہے مرعوب ہونے اور گھبراہٹ کے معنی میں ہے ''فرقاً'' یہ سمع یسمع سے ڈرنے کے معنی میں ہے جیسے ''ولکنھم قوم یفرقون'' ساتھ والی روایت میں ''حتی ھویت'' لفظ آیا ہے، جو ھوی یھوی گرنے کے معنی میں ہے یعنی مدھوش وبے ہوش ہو کر میں زمین پر گرا کیونکہ جبرئیل امین کو آپؐ نے اس کی اصل صورت میں دیکھا تو خلاف الجنس مخلوق کے مشاہدہ میں طبعی طور پر گھبراہٹ ہوتی ہے۔

''حمی الوحی'' یعنی وحی گرم ہوگئی مطلب یہ کہ مسلسل وحی آنے لگی تتابع اس کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

٤٠٧۔ **حَدَّثَنِی** عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی عَنْ جَدِّی قَالَ حَدَّثَنِی عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاسَلَمَةَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ يَقُوْلُ اَخْبَرَنِی جَابِرُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثُمَّ فَتَرَالْوَحْیُ عَنِّی فَتْرَةً فَبَيْنَا اَنَااَمْشِی ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيْثِ يُوْنُسَ غَيْرَاَنَّهُ قَالَ فَجُثِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا حَتّٰى هَوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ قَالَ وَقَالَ اَبُوسَلَمَةَ وَالرُّجْزُ :الاَوْثَانُ قَالَ ثُمَّ حَمِیَ الْوَحْیُ بَعْدُ وَتَتَابَعَ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھبراہٹ کے مارے میں زمین پر گر گیا۔ اور ابوسلمہ نے بیان کیا پلیدی سے مراد بت ہیں پھر وحی برابر آنے لگی اور تانتا بندھ گیا۔

۴۰۸ ۔ وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَامَعْمَرٌعَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِیْثِ یُوْنُسَ وَقَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ﴿یٰاَیُّهَاالْمُدَّثِّرُ﴾اِلٰی قَوْلِهٖ ﴿وَالرُّجْزَفَاهْجُرْ﴾ قَبْلَ اَنْ تُفْرَضَ الصَّلٰوةُ وَهِیَ الْاَوْثَانُ وَقَالَ فَجُثِثْتُ مِنْهُ كَمَاقَالَ عُقَیْلٌ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے ۔اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ نماز فرض ہونے سے پہلے یہ آیت مبارکہ ﴿یاایھاالمدثر......والرجزفاھجر﴾ تک نازل ہوئی ۔

۴۰۹ ۔ **وَحَدَّثَنَا** زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ قَالَ سَمِعْتُ یَحْیٰی یَقُوْلُ سَاَلْتُ اَبَاسَلَمَةَ اَیُّ الْقُرْآنِ اُنْزِلَ قَبْلُ ؟ قَالَ ﴿یٰاَیُّهَاالْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ اَوْ ﴿اِقْرَاْ﴾ فَقَالَ سَاَلْتُ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ اَیُّ الْقُرْآنِ اُنْزِلَ قَبْلُ ؟ قَالَ ﴿یٰاَیُّهَاالْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ اَوْ﴿اِقْرَاْ﴾ قَالَ جَابِرٌ اُحَدِّثُكُمْ مَاحَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا فَلَمَّا قَضَیْتُ جِوَارِی نَزَلْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ بَطْنَ الْوَادِی فَنُوْدِیْتُ فَنَظَرْتُ اَمَامِیْ وَخَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِی وَعَنْ شِمَالِیْ فَلَمْ اَرَ اَحَدًا ثُمَّ نُوْدِیْتُ فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَرَاَحَدًا ثُمَّ نُوْدِیْتُ فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ فَاِذَاهُوَعَلَی الْعَرْشِ فِی الْهَوَاءِ یَعْنِی جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاَخَذَتْنِیْ رَجْفَةٌ شَدِیْدَةٌ فَاَتَیْتُ خَدِیْجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُوْنِی فَدَثَّرُوْنِی فَصَبُّوْا عَلَیَّ مَاءً فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿یٰاَیُّهَاالْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ ۔

یحییٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کونسی آیات نازل ہوئیں؟ انہوں نے کہا کہ (سورت) مدثر، میں نے کہا (سورت) اقرأ، نازل ہوئی ؟ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ قرآن کی کونسی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مدثر، میں نے یہی عرض کیا کہ اقــراء ...... نازل ہوئی ؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غارِحراء میں ایک ماہ مقیم رہا میری مدّتِ اقامت پوری ہوگئی تو میں اترا اور وادی کے درمیان درمیان چلنے لگا۔معاً مجھے آواز دی گئی تو میں نے اپنے سامنے دیکھا، پیچھے دیکھا، دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔اسی اثناء میں مجھے پھر آواز دی گئی ۔میں نے سر جو اٹھایا تو وہ فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک تخت پر جو ہوا میں معلق تھا نظر آئے ۔مجھے اچانک ایک شدید خوف نے آگھیرا۔میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ،انہوں نے مجھے چادر اڑھائی اور مجھ پر پانی بہایا۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿یاایھاالمدثرالخ﴾ ۔

تشریح

''ای القرآن انزل قبل'' یحییٰ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کی کونسی سورت نازل ہوئی اس نے کہا کہ سورت مدثر سب سے پہلے اتری تھی راوی نے پوچھا کہ کیا سورت اقرأ سب سے پہلے نہیں اتری؟ اس کے جواب میں ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا تو آپ نے فرمایا سورت مدثر سب سے پہلے اتری ہے میں نے کہا کہ کیا سورت اقرأ نہیں اتری ہے؟ حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے کہ سورت مدثر پہلے اتری ہے صحابہ کرام آنحضرت کے فرمان سننے کے بعد زیادہ بحث میں نہیں پڑتے تھے اس لئے حضرت جابر نے سورت مدثر کے پہلے نازل ہونے کی بات کی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ''اول ما نزل'' امور اضافیہ میں سے ہے تو ایک مطلق نزول قرآن ہے اور ایک فترت الوحی کے بعد نزول قرآن ہے لہٰذا سورت علق مطلقاً سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے لیکن وحی کا نزول جب کچھ عرصہ کے لئے بند ہوا تو اس کے بعد سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ سورت مدثر ہے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورت مدثر نازل ہوئی اور سورت علق کی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں، لہٰذا کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے۔

''او اقرأ'' یعنی مشہور تو یہی ہے کہ سورت اقرأ پہلے اتری ہے کیا ایسا نہیں ہے؟

''فاستبطنت بطن الوادی'' یعنی میں وادی کے درمیان میں آگیا ''رجفة شدیدة'' اضطراب اور گھبراہٹ کے معنی میں ہے۔

''مدثر'' موٹے کمبل اوڑھنے کے معنی میں ہے یعنی اے موٹے کمبل اوڑھنے والے یہ لیٹنے بیٹھنے کا زمانہ نہیں بلکہ اعباء نبوت زیب تن کرنے کے بعد کمر باندھ کر اٹھنے کا زمانہ ہے اُٹھئے اور پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچایئے۔

﴿وثیابك فطهر﴾ یعنی عرب اوّل کی طرح کپڑا زمین پر نہ گھسیٹیں بلکہ اس کو ٹخنوں سے اوپر رکھیں اور پاک رکھیں، بعض مفسرین نے ''ثوب'' سے دل مراد لیا ہے یعنی اپنے دل کو بُرے عقائد سے پاک رکھئے، چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

فَشَكَكْتُ بِالرُّمْحِ الْاَصَمِّ ثِيَابَهٗ لَيْسَ الْكَرِيْمُ عَلَى الْقَنَا بِمُحَرَّمٖ

پس میں نے مضبوط نیزے سے اس کا دل چیر لیا۔ شریف آدمی نیزوں کے لئے حرام نہیں بلکہ نیزوں کی خوراک ہے

امرأ القیس نے بھی ثوب کا اطلاق دل پر کیا ہے ؎

فَاِنْ كُنْتِ قَدْ سَاءَتْكِ مِنِّيْ خَلِيْقَةٌ فَسُلِّيْ ثِيَابِيْ مِنْ ثِيَابِكِ تَنْسُلِ

٤١٠ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَقَالَ فَاِذَاهُوَ جَالِسٌ عَلٰى عَرْشٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ـ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے باقی اتنا اضافہ ہے کہ وہ ایک تخت پر تھے جو آسمان اور زمین کے درمیان تھا۔

تشریح

''علی عرش ''تخت کوعرش کہا گیا ہے جبریل امین کے بیٹھنے کی جگہ مراد ہے،فرشتہ کی ایک اصلی شکل ہوتی ہے جس پراللہ تعالیٰ ان کو پیدا فرماتے ہیں یہاں یہی اصلی صورت مراد ہے اصلی شکل کے علاوہ پھرفرشتے مختلف شکلوں میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔

باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم الى السماوات وفرض الصلوات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چودہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

٤١١ ـ **حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَدَابَّةٌ اَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ قَالَ فَرَكِبْتُهُ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ قَالَ فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الْاَنْبِيَاءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ اَنْتَ ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْبُعِثَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْبُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِآدَمَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقِيلَ مَنْ اَنْتَ ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْبُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ فَرَحَّبَا وَدَعَوَالِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِي اِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ انت ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ وَقَدْبُعِثَ اِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْبُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِيُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِذَاهُوَقَدْاُعْطِيَ شَطْرَالْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْبُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَافَاِذَا اَنَابِاِدْرِيسَ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ (مريم :٥٨) ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْبُعِثَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَافَاِذَااَنَابِمُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَحَّبَ وَدَعَالِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ اِلَى السَّمَاءِ

السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ جِبْرِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْبُعِثَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَافَاِذَااَنَابِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُسْنِدًا ظَهْرَهُ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَاهُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَايَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ اِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِيَلَةِ وَاِذَاثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَامِنْ اَمْرِاللّٰهِ مَاغَشِيَ تَغَيَّرَتْ فَمَااَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّنْعَتَهَامِنْ حُسْنِهَا فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ مَااَوْحٰى فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَافَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى اُمَّتِكَ ؟ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْاَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَايُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَاِنِّيْ قَدْبَلَوْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَخَبَّرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ يَارَبِّ ! خَفِّفْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقُلْتُ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَايُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ، قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَبَيْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ يَامُحَمَّدُ ! اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً قَالَ فَنَزَلْتُ حَتّٰى اِنْتَهَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْاَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ حَتّٰى اِسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے براق لایا گیا، وہ سفید، لمبا اور گدھے سے کچھ بڑا اونچا خچر سے کچھ کم چوپایہ تھا، اپنا کھر حد نگاہ پر رکھتا تھا۔ فرمایا کہ میں اس پرسوار ہوا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس آیا یہاں میں نے براق کو ایک کڑے سے باندھ دیا اس کڑے سے دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وہاں سے نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک شراب کا جام اور ایک دودھ کا برتن لئے ہوئے آئے، میں نے دودھ کا برتن لے لیا تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔ پھر وہ ہمیں لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے، جبرئیل علیہ السلام نے ملائکہ سے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تو کہا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا جبرئیل علیہ السلام ہوں۔ کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد ہیں۔ کہا گیا کہ کیا ان کی پیغام طرف بھیجا گیا تھا جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! انہیں بلانے بھیجا گیا تھا ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو اچانک میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سامنے دیکھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا، دعائے خیر کی۔ پھر ہمارے ساتھ جبرئیل علیہ

السلام دوسرے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوانے کا مطالبہ کیا۔ کہا گیا آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبرئیل! کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد، پوچھا گیا انہیں بلایا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! انہیں بلایا گیا تھا۔ چنانچہ آسمان ثانی کا دروازہ کھول دیا گیا تو میں اپنے خالہ زاد بھائیوں حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے سامنے تھا۔ ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ فرمایا جبرئیل! پوچھا گیا آپ کیساتھ دوسرا کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے واسطے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں اللہ کی طرف سے حُسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور میرے دعائے خیر فرمائی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر چوتھے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! کہا گیا دوسرا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا کہ انہیں بلایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے روبرو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے انہیں بلند جگہ پر اٹھالیا ہے۔ پھر ہمیں لے کر جبرئیل علیہ السلام پانچویں آسمان پر چڑھے، دروازہ کھلوایا تو پوچھا کون ہے؟ فرمایا کہ جبرئیل پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا کہ کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ کہا ہاں! بلایا گیا تھا۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سامنے ہوں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور فرمایا دعائے خیر کی۔ پھر ہم کو لے جبرئیل علیہ السلام چھٹے آسمان پر چڑھے۔ دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! پوچھا گیا؟ ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! پھر ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے خیر مقدمی کلمات کہے اور دعائے خیر کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لیکر ساتویں آسمان پر چڑھے۔ دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ فرمایا جبرئیل پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! بلوایا گیا تھا۔ فرمایا ہاں چنانچہ دروازہ کھولا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور بیت المعمور وہ ہے کہ اس میں روزانہ ۷۰ ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ پھر مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے۔ اس کے پتے اتنے بڑے تھے گویا ہاتھی کے کان ہوں اور اس کا پھل بڑے بڑے پانی کے مٹکوں کے برابر تھا۔ پھر جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے اسے ڈھانپا تو اس کی حالت بدل گئی اور پوری مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو اس کے حسن وخوبصورتی کی صحیح

توصیف کر سکے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ بھی فرمائی۔پس مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔جب میں موسیٰ علیہ السلام تک اترا تو انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا ہے؟ میں نے کہا شب و روز میں پچاس نماز فرض فرمائی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور ان نمازوں میں تخفیف اور کمی کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت کے افراد اس کی طاقت نہیں رکھیں گے۔میں تو بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، ان کا تجربہ کر چکا ہوں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رب العالمین کے پاس واپس لوٹا اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرمایئے! پانچ نمازوں کی مجھ سے تخفیف کر دی گئی میں واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا اور کہا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت بقیہ کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔لہٰذا واپس جائیے اور مزید تخفیف کا سوال کیجئے۔فرمایا کہ میں مسلسل اپنے پروردگار اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان لوٹتا رہا یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! بیشک یہ ۵ نمازیں شب و روز کے اندر ہیں ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہے تو اس طرح ۵۰ کے برابر ہو جائیں گی۔اور فرمایا کہ جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو دس کا اجر لکھا جائے گا۔جس نے گناہ کا ارادہ کیا اور ارادۂ گناہ پر عمل نہیں کیا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا اور جس نے ارادۂ گناہ پر عمل کر لیا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں نیچے اترا، موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں ساری بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا: آپ دوبارہ اپنے رب کے پاس جائیے اور مزید تخفیف کا مطالبہ کیجئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں اتنی بار اپنے رب کے پاس لوٹ لوٹ کر گیا ہوں کہ اب حیا آتی ہے۔

تشریح

لفظ اسراء اور معراج کی تحقیق

قال الله تعالیٰ ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلا من السمجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله﴾ (بنی اسرائیل:۱) وقال الله تعالیٰ ﴿ماکذب الفؤاد مارای﴾ (سورۃ النجم)

سریت من حرم لیلا الی حرم کماسریٰ البدر فی داج من الظلم

وبت ترقی الی ان نلت منزلة من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر ہوا ہے اس کو ''اسراء'' کہتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ہوں یا علامات نبوت سے متعلق واقعات ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہوں معراج کے اس واقعہ کا تعلق تمام

مضامین سے ہے چونکہ واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بڑا واقعہ ہے اور آپ کی نبوت کا ممتاز اور درخشاں باب ہے اس لئے تاریخ کے علاوہ قرآن مجید میں اور احادیث کی کتابوں میں محدثین نے بھی اس کو نمایاں حیثیت سے بیان کیا ہے۔
اس واقعہ کے لئے احادیث میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ایک لفظ ''اسـراء'' ہے جس کو قرآن میں بھی ذکر کیا گیا ہے دوسرا لفظ ''معراج'' ہے جس کا ذکر احادیث میں کئی دفعہ آیا ہے۔
''اسراء'' سیر سے ہے رات کے وقت زمین پر سفر کرنے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سفر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات میں ہوا ہے اس کو اسراء کہتے ہیں۔
''معـراج'' عروج سے ہے عروج چڑھنے کے معنی میں ہے، مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک اور آسمانوں سے لامکان تک چڑھنے کا جو سفر ہوا ہے اس کو معراج کہتے ہیں۔ اس اطلاق میں کوئی قانونی یا شرعی پابندی نہیں ہے، ایک لفظ کا دوسرے پر اطلاق ہو جاتا ہے البتہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج کا واقعہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور مسجد اقصیٰ سے اوپر تک سفر احادیث سے ثابت ہے جس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کئی معراجوں سے نوازے گئے ہیں جو خواب میں ہوئی ہیں لیکن جمہور امت اس پر متفق ہے کہ جس معراج کا ذکر سورت بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے وہ معراج جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئی تھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۱، ۵۲ سال کی ہو چکی تھی، مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں آپ نے تمام تکالیف برداشت کی تھیں، انسانی تصور سے بالاتر مظالم کے پہاڑ کفار قریش نے آپ پر توڑے تھے شعب ابی طالب میں تین سال تک قید و بند اور سوشل بائیکاٹ کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے طائف کا سفر کیا کہ طائف کے قبائلی سردار اگر مسلمان ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مسلمانوں کو طائف منتقل کر دیں گے اس طرح مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن طائف کے سرداروں نے مکہ کے چودھریوں کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرب رواج کے برعکس انتہائی ظالمانہ سلوک کیا بات تک کرنے سے انکار کر دیا اور بچوں اور پاگلوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا اور آپ پر پتھراؤ کیا۔
خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکالیف کی تمام گذرگاہوں سے گذر چکے تھے اب آپ کی ذات بابرکات اس کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی کہ احکم الحاکمین سے راز و نیاز کی باتیں ہو جائیں کیونکہ لوہے سے جب اعلیٰ زیور بنانا مقصود ہوتا ہے تو اس لوہے کو گرم بھٹیوں سے گزارا جاتا ہے روح انسانی جتنا بدنی اثرات سے آزاد ہو جاتی ہے اتنی ہی اس کی پرواز بلند ہو جاتی ہے اب پرواز کا زمانہ تھا۔
طائف کے سفر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کی انتہاء ہو گئی تھی، وہاں دنیا کے ایک ادنیٰ انسان نے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا تا کہ آپ کو تمام رفعتوں، عظمتوں اور برکتوں سے نواز دے دنیا والوں کو بتا دے کہ جس ہستی سے تم کلام کرنا نہیں چاہتے، خالق کائنات خود ان سے ہم کلام ہونا چاہتا ہے چنانچہ راجح

قول کے مطابق ۲۷/ رجب ۱۱ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ عظیم واقعہ پیش آیا اور مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام کے ہمراہ براق پر سوار ہوکر پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے اور وہاں سے آسمانوں پر چلے گئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے لامکان میں عرش عظیم پر ہم کلام ہوئے۔ زیر بحث باب میں کل چھ احادیث ہیں مگر بعض بہت لمبی ہیں ان میں پوری تفصیل کے ساتھ معراج کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، سات آسمانوں میں سے کن آسمانوں میں کن کن انبیاء کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی ہے اس کے لئے ''اعیاھما'' کے الفاظ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ا

اس جملہ کا پہلا حرف جس نبی کے نام کا پہلا حرف ہوگا اس نبی سے پہلے آسمان میں ملاقات ہوئی ہوگی اسی طرح اس جملہ کا دوسرا حرف جس نبی کے نام کا پہلا حرف ہوگا اس نبی سے دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی ہوئی ساتویں آسمان تک یہی ترتیب ہوگی۔ مثلاً اس جملہ کا پہلا حرف الف ہے تو پہلے آسمان میں حضرت آدم سے ملاقات ہوئی جس کے نام کا پہلا حرف بھی الف ہے اسی طرح اس جملہ میں دوسرا حرف عین ہے تو دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کے نام کا پہلا حرف عین ہے اسی طرح تیسرا حرف یا ہے تو تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی چوتھا حرف الف ہے تو چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پانچواں حرف ہا ہے تو پانچویں آسمان میں حضرت ہارون سے ملاقات ہوئی چھٹا حرف میم ہے تو چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس جملہ کا ساتواں حرف الف ہے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کے اسم کا پہلا حرف الف ہے، معراج کی چھ حدیثوں میں اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سب سے زیادہ منضبط اور مرتب ہے اسی حدیث کی بنیاد پر ''اعیاھما'' کے جملہ کی بنیاد ہے۔

واقعہ معراج پر ملحدین کے اعتراضات

واقعۂ معراج پر قدیم ملحدین فلاسفہ نے بھی اعتراضات اُٹھائے تھے جدید ملحدین فلاسفہ اور سائنسدان بھی اعتراضات اُٹھا رہے ہیں چند اعتراضات مع جوابات ملاحظہ ہوں۔

اعتراض نمبر۱

واقعہ معراج جسم عنصری کے ساتھ بیداری کا واقعہ نہیں تھا بلکہ خواب کا واقعہ تھا، جسد عنصری کا واقعہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اوپر طبقات زمہریریہ اور طبقات ناریہ ہیں جن سے گذرنا محال ہے۔

جواب

یہ اعتراض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے اور غلط اعتراض ہے کیونکہ اگر معراج کا واقعہ خواب کا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن کریم میں

اتنے بڑے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان کیا؟ چنانچہ ارشاد ہوا کہ "ہر قسم عجز ونقص سے پاک اللہ تعالیٰ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی"۔ خواب میں تو ہر آدمی دنیا کے کونے کونے کا سفر کرتا ہے، کبھی سمندروں میں تیرتا ہے کبھی ہواؤں میں اُڑتا ہے کبھی آسمانوں میں جاتا ہے کبھی پہاڑوں پر چڑھتا ہے اس میں تعجب کی کیا بات تھی؟ اور اس وقت کے چند کچے عقیدے کے مسلمانوں کے مرتد ہونے کی کیا بات تھی؟ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ "ثم اصبحت بمکۃ" اگر یہ خواب کا معاملہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے غائب کب ہوئے تھے کہ پھر صبح مکہ میں کی؟ معلوم ہوا یہ جسمانی سفر تھا جو بیداری میں تھا جس کی وجہ سے اہل مکہ نے حد سے زیادہ شور مچایا، جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ خواب کے واقعہ پر کوئی تعجب نہیں ہوتا ہے نہ اس کی بحث میں کوئی پڑتا ہے اور نہ پڑنے کی ضرورت ہوتی ہے ادھر لفظ "عبد" نہ صرف روح کو کہتے ہیں اور نہ صرف بدن کو کہتے ہیں بلکہ روح اور بدن دونوں کے ملاپ پر لفظ عبد کا اطلاق ہوتا ہے، باقی طبقات ناریہ اور زمہریریہ کا اعتراض کرنا فضول اور غلط ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرکاری اعزازی مہمان تھے تو اللہ تعالیٰ نے زمہریر وغیرہ طبقات سے آپ کو محفوظ گزار دیا یہ بے وزن اعتراض ہے بے وزن لوگوں کا کام ہے، اعتراض نمبر ۳ میں اس کا جواب بھی آرہا ہے۔ مگر آج کل اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں اس اعتراض کی حیثیت ختم ہو چکی ہے اب تو کفار بھی کہتے ہیں کہ ہم اوپر چاند پر گئے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲

معراج پر ملحدین نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ اوپر جو آسمان نظر آرہا ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ نیلگونی ہے جو بُعد مسافت کی وجہ سے آنکھوں کو آسمان معلوم ہوتا ہے جب آسمان نہیں تو معراج کی پوری داستان نہیں۔

جواب

ملحدین کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار انسان کو اس علوی کائنات کے عجائبات میں غور کرنے کے لئے متوجہ کیا ہے کہ یہ دیکھو! آسمان ہے وہ دیکھو! ستارے اور چاند اور سورج ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں آسمان کی بلندی کو دیکھو! اس میں کوئی شگاف نہیں ہے، اس کیلئے کوئی ستون نہیں اگر یہ آسمان نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے غور کرنے کے لئے انسان کو کس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے؟۔ نیز اگر یہ نیلگونی ہے، آسمان نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اوپر آسمان ہے، تمہارے پاس اس کی نفی کی کون سی دلیل ہے؟ آج کل کے اس ماڈرن دور میں ملحدین کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا ہے بلکہ اب تو یہ ملحدین خود آسمان کا اعتراف کرتے ہیں اور اس پر جانے اور بسنے بسانے کی فضول باتیں بھی کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۳

سائنس دان کہتے ہیں کہ آسمانوں کے اوپر کوئی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ راستہ میں طبقہ زمہریریہ اور طبقہ ناریہ ہے یعنی آگ کا گرم اور برف کا ٹھنڈا طبق ہے جو جائے گا مر جائے گا لہٰذا معراج کا سفر ممکن نہیں ہے۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے معراج کے واقعہ کی ابتدا میں ''سبحان'' کا لفظ رکھا ہے یعنی وہ پروردگار جو ہر قسم عجز و عیب اور ہر قسم نقص و کمزوری سے پاک ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج ایک کمزور انسان نے ان طبقات سے بچنے کے لئے ایسے آلات اور اسباب بنائے ہیں کہ بقول اس کے وہ ان آلات کو استعمال کر کے ان طبقات سے بحفاظت گذر جاتا ہے، اگر ایک کمزور مخلوق اپنے آلات کے ذریعہ سے ان طبقات کے مضر اثرات سے بچ سکتی ہے تو قادر مطلق بادشاہ کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اپنے شاہی مہمان کو ان تمام طبقات سے بحفاظت گذار دے! یہ اعتراض بھی آج کے دور میں مہمل ہو کر رہ گیا ہے۔

اعتراض نمبر ۴

ایک اعتراض جو قدیم وجدید ملحدین کی طرف سے قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے وہ یہ کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک زمینی راستہ ایک ماہ کی مسافت کا ہے اور زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور پر آسمانوں کی مسافت ہزاروں سال کی ہے اتنی لمبی مسافت ایک رات میں کیسے طے کی گئی یہ ناممکن ہے؟

جواب

قدیم زمانہ کے فلاسفہ نے لکھا ہے کہ حرکت کی تیزی اور سرعت سیر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے ہر ''سریع الحرکۃ'' چیز کے بعد بھی ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ تیز حرکت والی چیز آجائے۔ آج سے چند سو سال قبل جب ہوائی جہاز نہیں بنا تھا تو کسی کو تصور تک نہیں تھا کہ ایسی سریع الحرکت چیز آجائے گی جس کے ذریعہ سے چند گھنٹوں میں انسان دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اُڑ کر چلا جائے گا لیکن آج یہ سفر مشاہدہ بن گیا ہے اور جہازوں میں بھی ترقی پر ترقی ہو رہی ہے اور حرکت کی تیزی تیز تر ہوتی جارہی ہے نیز ہم اپنے جسم کے اندر اپنی نگاہوں پر بھی غور کریں کہ ان کا سفر کتنا تیز ہے چند سیکنڈ میں یہ نظر آسمان تک جاتی بھی ہے اور واپس آتی بھی ہے، چند سیکنڈوں میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آسمان سے دنیا میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ ایسا کرسکتا ہے تو صاحب معراج کے لئے کیا مشکل تھا کہ چند لمحوں میں اوپر آسمانوں پر چلے جائیں خصوصاً جب خود شاہی مہمان بھی ہوں؟ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اتنی تیز تھی کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا، نیز سورج کی شعاعوں کو دیکھ لیجئے

کہ آسمان سے نمودار ہونے کے ساتھ چند لمحوں میں دنیا کے کس کونے سے کس کونے تک جا پہنچتی ہیں۔ نیز بجلی کے کرنٹ کے نظام کو دیکھ لیجئے کہ اگر مشرق میں اس کا بٹن دبایا جائے تو بغیر کسی وقفہ کے مغرب میں بلب روشن ہو جاتا ہے نیز ریڈیائی لاسلکی نظام کا مشاہدہ کیجئے کہ مشرق سے مغرب تک بلا وقفہ آواز پہنچتی ہے! اگر سرعت سیر کے یہ شواہد ہمارے مشاہدے میں ہیں تو پھر اس میں شک کرنے کی کہاں گنجائش ہے کہ سید الاولین والآخرین کے اس مبارک سفر میں رفتار کی کوئی پیچیدگی پیدا ہو۔ بہرحال اہل یورپ ومغرب کے تعصب کو ملاحظہ کیجئے کہ جب معراج کے اس عظیم معجزہ اور اعزاز کے انکار پر اُتر آئے تو آسمانوں کا انکار کر بیٹھے اور طبقات ناریہ اور زمہریریہ کے مسائل کھڑے کر دیئے اور جب اپنی مطلب کی بات آئی تو چاند پر پلاٹ خریدنے کے منصوبے بنانے لگے۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساو یا

بندہ عاجز فضل محمد یوسف زئی نے تحفة المنعم اردو شرح مسلم، فروری میں ۲۰۱۱ء میں کراچی میں اپنے گھر میں لکھنی شروع کی الحمد اللہ جولائی ۲۰۱۱ء میں کتاب الایمان مع مقدمہ مسلم کی تشریحات کی تکمیل ہوگئی مجھے چونکہ عمرہ پر جانا تھا اس لئے میں نے قصد وارادہ کے ساتھ باب المعراج کی احادیث کی تشریحات حرم شریف مکہ مکرمہ میں لکھنے کے لئے مؤخر کیا اگر چہ معراج کا باب اور اس پر اعتراضات وجوابات سفر سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ آج چھ رمضان ۱۴۳۲ھ کو میں ان بقیہ تشریحات کے لکھنے کے لئے حرم میں صبح دس بجے کے وقت بیٹھا ہوں وہ سامنے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے اس مکان کے نشانات موجود ہیں جہاں سے جبرئیلؑ آمین نے آنحضرت کو معراج کے لئے اُٹھایا تھا پھر وہ سامنے حطیم نظر آرہا ہے جہاں آنحضرت کو جبریل ومیکائیل شرح صدر کے لئے لائے تھے پھر میں ترکی اذان خانہ کے ساتھ ان دوستونوں کے پاس بیٹھا ہوا ہوں جن کے درمیان جبریل امین نے معراج کی رات براق کو باندھا تھا ان دونوں ستونوں کے اوپر چھت کے قریب کیکر کے پتوں کے نقشے بنے ہوئے ہیں ترکوں نے اس سے یہ اشارہ دیا ہے کہ براق یہاں گیا تھا اور یہ پتے ان کی غذا کی طرف اشارہ ہے ترکوں کی تعمیر میں تاریخی تعبیر ہوتی ہے ان دوستونوں میں سے ایک کے ساتھ ٹیک لگا کر میں معراج کے واقعہ سے متعلق امام مسلمؒ کی لمبی حدیثوں کی تشریح لکھ رہا ہوں الحمد اللہ کتاب الایمان کا اختتامہ مسك کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں آنے کی توفیق دیدی اور پھر لکھنے کا انتظام ہوگیا۔ الحمد لله حمداً کثیراً کثیراً۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل الحرم المکی وارحاب الطایرة المکة المکرّمة۔ ۶ رمضان ۱۴۳۲ھ۔

بہرحال مکہ سے بیت المقدس تک سفر قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت ہے جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر احادیث سے ثابت ہے جس کا منکر گمراہ ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی اپنی شرح میں واقعہ معراج سے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

واقعہ معراج کا باب بہت طویل ہے مگر میں انشاء اللہ اختصار کے ساتھ چند مقاصد کو ذکر کروں گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ

جمہور امت کے نزدیک معراج کا واقعہ حالت بیداری میں آنحضرت کے جسم عنصری کے ساتھ واقع ہوا ہے قاضی عیاضؒ نے واقعہ معراج سے متعلق اچھا خلاصہ پیش کیا ہے جو حاضر خدمت ہے فرماتے ہیں کہ معراجکے بارے میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ یہ پورا واقعہ ایک خواب تھا لیکن اس باطل نظریہ کے مقابلے میں حق بات یہ ہے کہ عام سلف صالحین اور عام متأخرین علماء اور فقہاء اور متکلمین کا متفقہ موقف یہ ہے کہ معراج کا واقعہ آنحضرتؐ کے جسد عنصری کے ساتھ بیداری میں پیش آیا ہے تمام احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا احادیث کے ان ظاہری نصوص سے ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے۔

''اتیت بالبراق ''اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ براق اس حیوان کا نام ہے جس پر آنحضرت نے معراج کی رات سوار ہو کر سفر کیا تھا علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ یہ وہی سواری ہے جس پر تمام انبیاء کرام نے ضرورت کے وقت سواری کی ہے۔ (علامہ کی یہ بات محتاج ثبوت ہے)

ابن درید فرماتے ہیں کہ برق رفتاری اور سرعت سیر کی وجہ سے اس کو براق کہا جاتا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حیوان کی چمک دمک اور انتہائی صفائی کی وجہ سے اس کو براق کہا گیا ہے بعض نے کہا کہ زیادہ سفیدی کی وجہ سے اس کو براق کہا گیا قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ سفید وسیاہ دو رنگوں کی آمیزش اور اختلاط کی وجہ سے شاید اس کو براق کہا گیا ہے اور اس طرح رنگ پر سفید کا اطلاق بھی ہوتا ہے''شاۃ برقاء'' سفید بکری کو کہتے ہیں عجیب بات یہ کہ یہ دونوں ستون چتکبرے ہیں۔

''بیت المقدس ''یہ لفظ مسجد کے وزن پر پاک مکان کو کہتے ہیں یہ لفظ شد کے ساتھ محمد کے وزن پر بھی پڑھا جاتا ہے بتوں کی گندگی سے پاک ہونے کی وجہ سے اس کو بیت المقدس کہا گیا اس کو''ایلیاء'' بھی کہتے ہیں۔

''فربطتہ'' باندھنے کے معنے میں ہے یہ احتیاط کی طرف اشارہ ہے جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

''فاخترت اللبن ''لبن دودھ کو کہتے ہیں آج کل عرب لسی کو لبن کہنے لگے ہیں اور دودھ کو حلیب کہتے ہیں لبن کو فطرت کہا گیا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں یہ غذا بھی ہے زود ہضم بھی ہے اور مزیدار بھی ہے اب سوال یہ ہے کہ شراب تو ایک گندی چیز ہے اس کو آنحضرت کے سامنے لا کر کیوں پیش کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ فرشتوں پر آنحضرت کا عالی مقام اور فضیلت ظاہر کرنا مقصود تھا تیسرا جواب یہ ہے کہ شراب جنت سے لائی گئی تھی جو حلال تھی پاک تھی۔'' الفطرۃ ''فطرت سے یہاں اسلام اور اسلام پر استقامت مراد ہے۔

''ثم عرج بنا ''یعنی جبریل نے ہمیں اوپر چڑھا کر لئے گئے یہ تین ساتھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین اور میکائیل علیھم السلام۔ عربی میں عروج چڑھنے کو کہتے ہیں بیت المقدس سے اوپر آسمانوں کا جو سفر ہوا ہے شاید یہ لفٹ کی طرح ایک خودکار سیڑھی کے ذریعے سے ہوا ہے۔

''من انت ''یعنی جبریل امین نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا سامنے سے پوری شناخت اور تحقیق کا سوال کیا گیا جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ آسمانوں کا نظام انتہائی منظم ہے شناخت، تعارف اور اجازت کے بغیر مقدس ہستیاں بھی اوپر نہیں جاسکتی ہیں آج کل کے نجس کفار کہتے ہیں کہ ہم آسمانوں سے اوپر گئے ہیں کذابین ہیں۔

''بعثہ'' یہ بعثت نبوت کے معنی میں نہیں ہے وہ تو سب کو معلوم تھا بلکہ یہ بلانے اور دعوت دینے کے معنے میں ہیں۔

''فاذاانابآدم'' قانونی کاروائی کے مکمل ہونے کے بعد ہر آسمان کے تمام فرشتوں نے آنحضرت کا استقبال کیا ہے اور وہاں مقیم پیغمبروں نے مبارک باد اور خوش آمدید کے کلمات ادا کیے ہیں گویا سب نے کہا ہے

آنا تیرا مبارک تشریف لانے والے خوشیاں منا رہے ہیں سب تیرے چاہنے والے

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت کو بیٹے کے نام سے یاد کیا ہے باقی انبیاء کرام نے اچھے بھائی اور نبی صالح کے نام سے مرحبا کہا ہے۔

''البیت المعمور'' ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ بیت المعمور واقع ہے جو بالکل بیت اللہ کے محاذات میں ہے اور اوپر عرش ہے کہتے ہیں کہ اگر عرش سے کوئی چیز گرائی جائے تو بیت المعمور پر آکر لگے گی اور پھر نیچے بیت اللہ آکر لگے گی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت المعمور کی طرف پیٹھ کی تھی قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس سے بیت اللہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ ''کـآذان الفیلة'' ہاتھی کے کان بہت بڑے ہوتے ہیں اس کے ساتھ تشبیہ ہے۔ ''القلال'' یہ قلة کی جمع ہے بڑے مٹکے کو کہتے ہیں۔ ''ارجع الی ربك'' چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت صحو میں تھے استغراق میں نہیں تھے اور آنحضرت حالت استغراق وانوارات میں تھے جو سنا قبول کر کے آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرئیل سے واسطہ بھی پڑا تھا وہ تجربہ بھی تھا اس لئے آنحضرت کو مشورہ دیا اس سے کوئی فضیلت کی بات نہیں نکلتی ہے آنحضرت نے نو بار دربار الٰہی میں حاضری دی اور ہر بار پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف کی گئی تو پنتالیس معاف ہوگئیں اور پانچ رہ گئیں زمین پر پانچ ہیں آسمانوں میں ثواب کا اعتبار سے وہی پچاس ہیں بعض روایات میں پانچ کے بجائے ''شـطـر'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد جزء ہے وہی پانچ نمازیں مراد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بار بار دربار الٰہی میں گئے ہیں تا کہ ملاقاتوں کا مزید موقع فراہم ہو کسی نے خوب کہا ہے۔

میں نے کہا میں خود جاؤں کہ نکلے مطلب دل کچھ نہ کچھ میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے

۴۱۲۔ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هَاشِمِ الْعَبْدِیُّ حَدَّثَنَا بَهْزُبْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيْتُ فَانْطَلَقُوْا بِیْ اِلٰی زَمْزَمَ فَشُرِحَ عَنْ صَدْرِیْ ثُمَّ غُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ اُنْزِلْتُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لایا گیا پھر فرشتے مجھے

زمزم کی طرف لے چلے، میرا سینہ چاک کیا گیا اور قلب کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر مجھے اپنے مقام پر اتار دیا گیا۔

تشریح

''فشرح عن صدری '' آنحضرت کا ایک دفعہ بچپن میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں شرح صدر ہوا تھا یہ درحقیقت دل کا آپریشن تھا مگر ادباً شرح صدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک روایت میں ''شق '' کا لفظ آیا ہے بہر حال دل کے آپریشن کی رہنمائی سب سے پہلے اسلام نے کی ہے۔'' زمزم '' جنت سے ایمان بھرا پلیٹ تو لایا گیا مگر پانی نہیں لایا جس سے اشارہ ملتا ہے کہ زمزم کا پانی جنت کے پانی سے کم نہیں ہے۔'' ثم انزلت '' قاضی عیاض کہتے ہیں کہ علامہ'' وقشی '' نے کہا ہے اس لفظ میں وہم واقع ہو گیا ہے اور تصحیف ہوگئی ہے اصل میں انزلت نہیں بلکہ'' ترکت '' ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سراج سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عربی لغت میں انزلت ترکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لہذا یہاں تصحیف نہیں ترکت کے معنی میں ہے زیر بحث حدیث میں دوسری بار شرح صدر کا ذکر آیا ہے یعنی شرح صدر کے بعد مجھے چھوڑا گیا۔

۴۱۳۔**حدَّثنا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَيَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَاحَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِيْ طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَاَمَهُ ثُمَّ اَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهِ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهِ يَعْنِيْ ظِئْرَهُ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْقُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ وَقَدْ كُنْتُ اَرٰى اَثَرَذٰلِكَ الْمِخْيَطِ فِيْ صَدْرِهِ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر زمین پر چت لٹا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر دیا اور قلب اطہر نکال کر اس میں سے ایک گوشت کا لوتھڑا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا آپ کے جسم میں۔ اس کے بعد قلب اطہر کو ایک سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، اس کے بعد آپ کے دل کو اس کی جگہ میں رکھ کر جوڑ دیا لڑکے دوڑے دوڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بے شک محمد کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ دوڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کا رنگ فق ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے آپ کے سینۂ مبارک پر جو سلائی کی تھی اس کا نشان میں آپ کے سینہ مبارک پر دیکھا کرتا تھا۔

تشریح

''مع الغلمان '' حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب آپؐ ان کی تربیت میں جبرئیل امین اور میکائیل آئے اور سینے سے دل نکالا کر دھویا اور دل کے اندر خون کا ایک لوتھڑا تھا اسے نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ انسان کے دل میں شیطانوں کے وسوسوں کا مرکز ہے آپ کا دل اس صاف ہو گیا ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ جب شرح صدر کر کے خون کے اس لوتھڑے کو ہٹایا گیا تو پیدائش کے وقت اس کو کیوں پیدا کیا؟

جواب

اس کو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو کامل انسان کی حیثیت سے پیدا فرمایا تا کہ آپ کی تخلیق پر نقص کا اعتراض نہ آئے تکمیل بشریت کے بعد وساوس کے اس مرکز کو ختم کر دیا گیا۔ '' طست '' طاء پر فتح ہے کسرہ بھی جائز ہے پلیٹ کو کہتے ہیں۔

'' لأمة ''فتح یفتح سے ملانے اور جوڑنے کے معنی میں آتا ہے یہاں سی لینا مراد ہے چنانچہ حدیث کے آخر میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سیون کا یہ اثر میں دیکھتا رہتا تھا اس پر بالوں کی ایک خوبصورت دھاری گردن کی چنبر سے ناف تک کھنچتی چلی گئی تھی۔ '' ظئرة '' دایہ کو ظئر کہتے ہیں آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ مراد ہے۔ امام مسلمؒ نے صرف شرح صدر کی نسبت سے اس حدیث کو یہاں نقل کیا ہے معراج سے تعلق نہیں ہے۔

۴۱۴۔ **حَدَّثَنَا** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدِ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ وَهُوَابْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُنَاعَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ اَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ اَنْ يُّوْحٰى اِلَيْهِ وَهُوَنَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهِ نَحْوَ حَدِيْثِ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ وَقَدَّمَ فِيْهِ شَيْئًا وَاَخَّرَ وَزَادَ وَنَقَصَ۔

حضرت شریک بن عبداللہ بن ابی نمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ بیت اللہ کی مسجد سے آپ کو لے جایا گیا۔ تین افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وحی آنے سے قبل آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ آگے سابقہ حدیث ہی الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی کے ساتھ بیان کی جیسے ثابت بنانی کی روایت تھی۔

تشریح

”قبل ان یوحی الیہ“شریک کی اس روایت میں بہت گڑبڑ ہے اور اس کا ذمہ دار بھی شریک ہے وحی آنے سے پہلے معراج کا کیا مطلب ہوسکتا ہے جب نبوت نہیں ملی تو معراج کیسے ہوئی ہاں خود معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ آیا بعثت سے پانچ سال بعد میں ہوئی ہے یا ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے نیز رجب کی ستائسویں تاریخ میں ہوئی یا ربیع الثانی کی ستائیسویں تاریخ میں ہوئی مشہور قول رجب کے مہنیہ کی ستائیس تاریخ ہے لیکن یہ کہنا تو بالکل غلط ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہوئی یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے شریک کی اس رویت کے بارے میں کہا کہ اس میں کمی اور زیادتی کی گئی ہے تقدیم اور تاخیر ہوتی ہے۔

”وھو نائم“یہ لفظ بھی آیا ہے جس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ خواب کا معاملہ ہے صحیح روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ ھانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے وہاں سے فرشتوں نے اٹھایا اور حطیم وزمزم کے پاس لائے پھر براق کے پاس لائے گئے اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ کردیئے گئے۔

۴۱۵۔ **وَحَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التَّجِيْبِيُّ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَبُوْذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِی وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِیْ ثُمَّ غَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهَا فِی صَدْرِیْ ثُمَّ اَطْبَقَهُ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ لِخَازِنِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا اِفْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ ؟ قَالَ نَعَمْ مَعِیَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاُرْسِلَ اِلَيْهِ ؟ قَالَ نَعَمْ فَفَتَحَ قَالَ فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِيْنِهِ اَسْوِدَةٌ وَعَنْ يَسَارِهِ اَسْوِدَةٌ قَالَ فَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى قَالَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ يَاجِبْرِيْلُ ! مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهٰذِهِ الْاَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِیْ عَنْ شِمَالِهِ اَهْلُ النَّارِ فَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِیْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لِخَازِنِهَا اِفْتَحْ قَالَ فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَفَتَحَ ، فَقَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَذَكَرَ اَنَّهُ وَجَدَ فِی السَّمٰوَاتِ آدَمَ وَاِدْرِيْسَ وَعِيْسٰى وَمُوْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلَهُمْ غَيْرَ اَنَّهُ ذَكَرَ اَنَّهُ قَدْ وَجَدَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَاِبْرَاهِيْمَ فِی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ ، قَالَ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِدْرِيْسَ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَالَ مَرْحَبًا

بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قَالَ ثُمَّ مَرَّفَقُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ فَقَالَ هَذَااِدْرِيْسُ قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قَالَ هَذَامُوْسٰى قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قَالَ هَذَا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قَالَ هَذَا اِبْرَاهِيْمُ ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَاَخْبَرَنِىْ ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِىَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَرَجَ بِىْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ ، قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِىْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى اَمُرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَاتُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّىْ فَوَضَعَ عَنِّىْ شَطْرَهَا قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرْتُهُ قَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَاتُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّىْ فَقَالَ هِىَ خَمْسٌ وَهِىَ خَمْسُوْنَ لَايُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ قَدِاسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّىْ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ بِىْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى نَاْتِىَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى فَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَااَدْرِىْ مَاهِىَ قَالَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَاتُرَابُهَا الْمِسْكُ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں مکہ مکرمہ میں تھا تو ایک بار میرے گھر کی چھت کھول دی گئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نزول فرمایا اور میرا سینہ چاک کیا، قلب کو ماءِ زمزم سے دھویا پھر ایک سونے کا طشت لے کر آئے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے پرانڈیل دیا اور اس کے بعد میرے سینہ کو ملا دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لیکر آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ جب ہم آسمان دنیا پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان دنیا کے دربان سے کہا دروازہ کھول۔ اس نے کہا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ محمد صلی اللہ عیہ وسلم ہیں، پوچھا گیا کیا انہیں بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! لہٰذا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب ہم آسمان دنیا پر چڑھے تو دیکھا کہ ایک صاحب ہیں ان کے دائیں بائیں جماعتیں بیٹھی تھیں۔ جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتے تو ہنسنے لگتے اور بائیں طرف دیکھتے تو رونے لگتے۔ وہ کہنے لگے کہ مرحبا ہو نیک وصالح نبی اور نیک صالح بیٹے کے لئے۔ میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جوان کے دائیں بائیں جماعتیں ہیں تو یہ ان کی اولاد ہیں، دائیں طرف والے

تو اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والی جماعت کے لوگ اہل جہنم میں،۔جب یہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان کی جانب محو پرواز ہوئے وہاں پہنچے تو اس کے دربان سے کہا دروازہ کھولو، اس دربان نے بھی وہی بات کہی جو آسمانِ دنیا کے دربان نے کہی تھی۔اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰات اللہ علیہم اجمعین کے ملنے کا ذکر فرمایا اور ان کے منازل کو متعین نہیں فرمایا سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر پایا۔فرمایا کہ جب جبرئیل علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا کہ مرحبا ہو نیک صالح نبی اور صالح بھائی کے لئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں ان کے پاس سے گزرا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے فرمایا مرحبا ہو نیک نبی اور صالح بھائی کو۔میں نے کہا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو صالح نبی اور صالح بھائی کو۔میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔پھر میرا گزر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو صالح نبی اور صالح بیٹے کے لئے۔میں نے کہا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابنِ حزم نے کہا حضرت ابن عباس اور حضرت ابوحبہ الانصاری رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اور اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں ایک بلند اور ہموار مقام پر تھا وہاں میں قلموں کے چلنے کی آواز سن رہا تھا، ابن حزم رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔میں ۵۰ نمازوں کا تحفہ لیکر لوٹا۔موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا ہے؟ میں نے کہا کہ امت پر ۵۰ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے کہا لوٹ جایئے اپنے پروردگار کے پاس کیونکہ آپ کی امت اس کی سکت نہیں رکھتی۔فرمایا کہ میں اپنے پروردگار سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدھی کم کردی۔میں واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا تو انہیں بتلایا۔انہوں نے فرمایا کہ لوٹ جایئے اپنے رب کے پاس کیونکہ آپ کی امت کو اتنی نمازوں کی بھی طاقت نہیں۔میں نے پھر رب العالمین سے رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا یہ کل ۵ نمازیں فرض ہیں اور یہ پانچ ہی پچاس کے برابر ہیں۔میرے دربار میں فیصلہ تبدیل نہیں ہوتا۔میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے فرمایا کہ اپنے رب کے

پاس لوٹ جایئے۔ میں نے کہا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہی پر آئے تو اسے مختلف رنگوں نے ڈھانپ لیا میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے؟ اس کے بعد میں جنت میں داخل کیا گیا تو دیکھا اس میں موتیوں کے ٹیلے تھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی۔

تشریح

''عن یمینہ اسودۃ'' یہ سواد کی جمع ہے جیسے زمان وازمنۃ ہے شخص اور جسم کے معنی میں ہے بعض نے جماعات کا ترجمہ کیا ہے دوسری روایت میں نسم کا لفظ آیا ہے وہ نسمہ کی جمع ہے نسمہ انسان کی روح کو کہتے ہیں یہاں اولاد آدم کی ارواح مراد ہیں حضرت آدمؑ ان کی بری حالت دیکھ کرتے تھے اور اچھی حالت پر ہنستے تھے یہ نظارہ اپنے خاص خاص مقامات پر نہیں ہوا بلکہ یہ ارواح اس وقت یہاں لائی گئیں تھیں اصل مقامات تو علیین یا سجین ہیں اسی طرح انبیاء کرام سے ملاقات کبھی ان کے اصل مقام پر ہوئی ہے کبھی وہ کسی خاص جگہ میں تشریف لائے ہیں اجسام مثالیہ کے ساتھ کسی جگہ تشریف لانا کوئی بعید نہیں لہذا معراج کے واقعہ میں حضرت ابراہیم کبھی ساتویں آسمان اور کبھی چھٹے آسمان پر ملے ہیں اس میں کوئی تضاد نہیں ہے اس باب کی پہلی حدیث میں جو ترتیب بتائی گئی وہی ترتیب اصل ہے اور اسی پر مدار ہے جس کی طرف ''اعیاھما'' کے حروف کے ساتھ شارہ کیا گیا ہے کہ جس نبی کے نام کا پہلا حرف اس کلمہ کے پہلے حرف کے مطابق ہو اسی ترتیب سے اس نبی سے ملاقات ہوئی تھی جیسے حضرت آدم کے نام کا پہلا حرف الف ہے اعیاھما میں بھی پہلا حرف الف ہے لہذا پہلے آسمان میں ان سے ملاقات ہوئی پھر دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ پھر حضرت یوسف پھر حضرت ادریس پھر حضرت ہارون پھر حضرت موسیٰ اور پھر آخر میں حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ترتیب وہی اعیاھما کی ہے سب سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ دونوں دوسرے آسمان میں ملے ہیں آنحضرت نے ان کو خالہ زاد بھائی فرمایا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پھوپھی زاد بھائی تھے بہر حال میں شارحین کے مقصد کو نہیں سمجھ سکا حدیث میں خالہ زاد کا لفظ واضح طور پر موجود ہے۔

''ظھرت'' بلند ہونے کے معنی میں ہے۔ ''لمستوی'' اس سے اس طرح مقام مراد ہے جو بلند بھی ہو اور ہموار بھی ہو۔

''صریف الاقلام'' لوح محفوظ سے فرشتے اللہ تعالیٰ کے نئے نئے صادر کردہ احکام لکھتے رہتے ہیں لکھتے وقت قلم سے کاغذ پر کش کش کی آواز نکلتی ہے اسی صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ''خمسین صلوۃ'' پچاس نمازوں کے پڑھنے پر کسی نے عمل نہیں کیا ہے اس کو نسخ قبل العمل کہتے ہیں تاہم زمین پر پڑھنا اگرچہ منسوخ ہو گیا مگر آسمانوں میں ثواب کے اعتبار سے وہیں پچاس نمازیں ہیں۔

''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها''۔

''لقد استحییت'' یعنی میں نے بار بار اللہ تعالیٰ سے نمازیں کم کرانے کے لئے کہا اب مجھے حیاء آتی ہے کہ پھر جاؤں جو مسلمان ہوگا وہ

پانچ پڑھے گا۔ ''جنابذ'' یہ جنبذۃ کی جمع ہے قبہ اور گنبد کے معنی میں ہے یعنی جنت میں موتیوں کے گنبد تھے اور مشک وعنبر کی مٹی تھی۔

''احد الثلاثۃ بین الرجلین ''اس جملہ کا مطلب نووی نے بیان نہیں کیا نہ علامہ ابی نے بیان کیا ہے علامہ عثمانیؒ نے ایک عجیب مطلب بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ام ھانی کے گھر میں حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان سوئے ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ نے کہا کہ ان تین آدمیوں میں سے ایک محمدؐ ہیں جن کو معراج پر لے جانا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک فرشتے نے کہا کہ ہم دونوں آدمیوں کے درمیان جو تیسرا آدمی ہے یہی نبی ہیں جس کو معراج پر لے جانا ہے حدیث کا ترجمہ کرنے والوں نے اسی قسم کا ترجمہ کیا ہے۔

٤١٦ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَعَلَّهُ قَالَ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ قَالَ قَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا عِنْدَ الْبَیْتِ بَیْنَ النَّائِمِ وَالْیَقْظَانِ اِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا یَقُوْلُ اَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ فَاُتِیْتُ فَانْطُلِقَ بِیْ فَاُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِیْهَا مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فَشُرِحَ صَدْرِیْ اِلَى كَذَا وَكَذَا ، قَالَ قَتَادَةُ فَقُلْتُ لِلَّذِیْ مَعِیْ مَا یَعْنِیْ ؟ قَالَ اِلَى اَسْفَلِ بَطْنِهِ فَاسْتُخْرِجَ قَلْبِیْ فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ اُعِیْدَ مَكَانَهُ ثُمَّ حُشِیَ اِیْمَانًا وَحِكْمَةً ثُمَّ اُتِیْتُ بِدَابَّةٍ اَبْیَضَ یُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ یَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ اَقْصَى طَرْفِهِ فَحُمِلْتُ عَلَیْهِ ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى اَتَیْنَا السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقِیْلَ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ جِبْرِیْلُ قِیْلَ وَمَنْ مَعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفَتَحَ لَنَا وَقَالَ مَرْحَبًا بِهِ وَلَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ قَالَ فَاَتَیْنَا عَلَى آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَسَاقَ الْحَدِیْثَ بِقِصَّتِهِ وَذَكَرَ اَنَّهُ لَقِیَ فِی السَّمَاءِ الثَّانِیَةِ عِیْسَى وَیَحْیَى عَلَیْهِمَا السَّلَامُ وَفِی الثَّالِثَةِ یُوْسُفَ وَفِی الرَّابِعَةِ اِدْرِیْسَ وَفِی الْخَامِسَةِ هَارُوْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَیْنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاَتَیْتُ عَلَى مُوْسَى عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَقَالَ رَبِّ ! هٰذَا غُلَامٌ بَعَثْتَهُ بَعْدِیْ یَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِهِ الْجَنَّةَ اَكْثَرُ مِمَّا یَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِیْ ، قَالَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى اِنْتَهَیْنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاَتَیْتُ عَلٰى اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَقَالَ فِی الْحَدِیْثِ وَحَدَّثَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ رَاٰى اَرْبَعَةَ اَنْهَارٍ یَخْرُجُ مِنْ اَصْلِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ فَقُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ ! مَا هٰذِهِ الْاَنْهَارُ؟ قَالَ اَمَّا النَّهْرَانِ الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِی الْجَنَّةِ وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّیْلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ لِی الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ فَقُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ ! مَا هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ یَدْخُلُهُ كُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ اِذَا خَرَجُوْا مِنْهُ لَمْ یَعُوْدُوْا فِیْهِ آخِرُ مَا عَلَیْهِمْ ثُمَّ اُتِیْتُ بِاِنَائَیْنِ اَحَدُهُمَا خَمْرٌ وَالْآخَرُ لَبَنٌ فَعُرِضَا عَلَیَّ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقِیْلَ اَصَبْتَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ اُمَّتُكَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَیَّ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسُوْنَ صَلَاةً ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّتَهَا اِلَى آخِرِ الْحَدِیْثِ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ غالبًا مالک بن صعصعہ سے جوان کی قوم کے ایک شخص تھے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اثناء میں کہ بیت اللہ کے قریب غنودگی کی حالت میں تھا کہ میں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ ایک ہیں تینوں میں سے دو افراد کے درمیان پس میں لایا گیا اور وہ مجھے لے کر چلے، میرے پاس ایک سونے کا طشت لایا گیا اس میں ماءِ زمزم تھا۔ میرا سینہ اس طرح چاک کیا گیا۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس نے کہا پیٹ سے نیچے کی طرف چاک کیا گیا۔ پھر میرے قلب کو نکالا گیا اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا پھر اس کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ پھر ایک سفید جانور میرے پاس لایا گیا اسے بُراق کہا جاتا تھا۔ گدھے سے کچھ اونچا اور خچر سے کچھ کم تھا۔ اپنے قدم حدِ نگاہ پر رکھتا تھا مجھے اس پر سوار کیا گیا پھر ہم چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا پر پہنچے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو کہا گیا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ جبرئیل! پوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہا گیا کیا انہیں بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں! چنانچہ دروازہ ہمارے لئے کھول دیا گیا اور کہا مرحبا آپ کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے۔ پھر ہم حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے، آگے سارا قصہ ذکر فرمایا، فرمایا کہ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں یوسف علیہ السلام سے، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام سے پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام سے، فرمایا پھر ہم چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہیں سلام کیا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔ جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ رونے لگے، ایک آواز آئی کیوں روتے ہو؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب! آپ نے اس لڑکے کو میرے بعد مبعوث فرمایا اور اس کی امت کے افراد زیادہ جنت میں داخل ہوں گے میری امت کے افراد کے مقابلہ میں۔ اس کے بعد ہم چلے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچے، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے چار نہریں دیکھیں کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکل رہی ہیں۔ دو نہریں تو ظاہر تھیں اور دو چھپی ہوئی تھیں، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل! ان نہروں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا جو چھپی ہوئی نہریں ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہری نہریں ہیں وہ دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ پھر میرے لئے بیت المعمور کو بلند کیا گیا میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ فرمایا بیت المعمور ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں اور نکلنے کے بعد دوبارہ اس میں نہیں داخل ہوں گے اپنے اخیر تک۔ اس کے بعد میرے پاس دو برتن لائے گئے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا، دونوں برتن میرے سامنے پیش کئے گئے تو میں نے دودھ اختیار کیا، مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے ٹھیک کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ آپ کی امت کو فطرتِ صحیحہ پر رکھے گا۔ پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

تشریح

''فوق الحمار'' براق کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا حیوان تھا جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا پاؤں پڑتا تھا اس کے علاوہ آج کل لوگ براق النبیؐ کے نام سے جو ایک تصویر بناتے ہیں جو ایک ماڈرن لڑکی ہوتی ہے میک اپ کیا ہوتا ہے پچھلا حصہ گھوڑے کا ہوتا ہے اس کے ساتھ پر لگے ہوتے ہیں یہ تصویر ٹرکوں اور کنٹینروں پر بنائی جاتی ہے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ دین اسلام اور نبی آخر زمان کی توہین کرتے ہیں اس طرح ماڈرن لڑکی پر نبی اکرم کو سوار تصور کرنا کتنا بڑا جرم ہے اکثر شیعہ اور بریلوی یہ دھندہ چلاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے ورنہ تباہ و برباد کردے اور تباہ ہو ہی گئے ہیں۔

''بکی'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے آپ نے اپنے رونے کی وجہ بتائی ہے کہ ایک نوعمر نوجوان نبی آیا جو زیادہ عمر رسیدہ بھی نہیں اگر ان کی امت اتنی زیادہ ہوگئی کہ میں پیچھے رہ گیا تو اپنی امت کی تاخیر پر روئے ہیں کہ ان کو دین نعمت کم مل گئی وہ کم مسلمان ہوئے کوئی حسد نہیں تھا زیادہ سے زیادہ غبطہ ہوگا جو جائز ہے ساتھ والی روایت میں شرح صدر کے لئے ''شق'' کا لفظ آیا ہے۔ نحر کے ساتھ بعض روایات میں ثغرۃ النحر کا لفظ آیا ہے یہ گردن کے چنبر اور سینہ کے اوپر حصہ میں جو گڑھا ہوتا ہے اسی کو کہا گیا ہے۔ شق صدر کا واقعہ تین بار پیش آیا ہے بچپن میں دل سے وسوسوں کے مرکز کو ختم کرنے کے لئے ہوا پھر غار حرا کے پاس قبول وحی کی استعداد کے لئے ہوا اور تیسری بار معراج کے موقع پر اونچی پرواز کی غرض سے ہوا۔

''مراق البطن'' پیٹ کے نرم حصہ کو مراق کہا گیا ہے اسی کو الی سرۃ سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

۴۱۷۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِی اَبِی عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيْهِ فَاُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ اِلَى مَرَاقِ الْبَطْنِ فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث ہی منقول ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ فرمایا ایک سونے کا طشت جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا میرے لئے لایا گیا اور میرے سینے کو گلے کے قریب سے پیٹ کے نچلے نرم حصہ تک شق کیا گیا، قلب اطہر کو ماء زمزم سے غسل دیا گیا اور اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا۔

۴۱۸۔ **حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاالْعَالِيَةَ يَقُوْلُ حَدَّثَنِی ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِی ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُسْرِیَ بِهٖ فَقَالَ مُوْسٰى آدَمُ طُوَالٌ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَقَالَ عِيْسٰى جَعْدٌ مَرْبُوْعٌ وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ جَهَنَّمَ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے تمہاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واقعۂ اسراء کا ذکر کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگت والے تھے گویا وہ قبیلہ شنؤہ کے آدمیوں میں سے ہوں۔اور فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھونگھریالے بالوں والے متناسب قد وقامت کے مالک ہیں۔اسی حدیث میں آپ نے داروغہ جہنم جس کا نام مالک ہے اس کا اور دجال کا بھی ذکر فرمایا۔

۴۱۹۔ **وحَدَّثَنَا** عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ اَخبرَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمنِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِى الْعَالِيَةِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ عَلٰى مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلٌ آدَمُ طُوَالٌ جَعْدٌ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطَ الرَّأْسِ وَاُرِىَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِىْ آيَاتٍ اَرَاهُنَّ اللّٰهُ اِيَّاهُ ﴿فَلَاتَكُنْ فِىْ مِرْيَةٍ مِنْ لِّقَائِهِ﴾ (السجدة:۲۳) قَالَ كَانَ قَتَادَةُ يُفَسِّرُهَا اَنَّ نَبِىَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَقِىَ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حضرت قتادہؒ، ابوالعالیہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھ سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی معراج کی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ گندمی رنگت والے دراز قامت گھونگھریالے بالوں کے مالک آدمی ہیں، گویا کہ وہ شنوءہ قبیلہ کے فرد ہوں۔اور میں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا وہ درمیانی اور متناسب قامت والے سرخ وسفید رنگت والے ہیں اور سیدھے بالوں والے ہیں۔اور مجھے دکھلائے گئے داروغۂ جہنم جس کا نام مالک ہے اور دجال ان نشانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نے خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دکھلائیں پس آپ شک میں مت پڑیئے۔موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں حضرت قتادہؒ اس آیت ﴿فلاتکن فی مریة لقائه﴾ کی تفسیر یہ کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔

تشریح

''آدم طوال'' یعنی موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ کے تھے اور طویل قامت والے تھے۔

''شنؤة'' یہ ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے اس کو ازدشنوءة بھی کہتے ہیں یمن کے اکثر لوگ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

''مربوع'' یعنی حضرت عیسیٰ کا قد درمیانہ تھا حضرت عیسیٰ کے لئے'' جعد '' کا لفظ بھی آیا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ درم

کے مضبوط جسم والے تھے۔'' جعد '' کا اطلاق جب جسم پر ہوتا ہے تو مضبوط جسم مراد ہوتا ہے جو ممدوح صفت ہے اور جب جعد کا لفظ بالوں پر بولا جاتا ہے۔ تو گنگھر یالے بال مراد ہوتے ہیں جو مذموم صفت ہے۔'' سبط الراس '' یعنی کھلے بال تھے۔

'' فی مرية من لقائه '' لقائه کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی '' من لقاء موسیٰ علیه السلام اسی کو قتادة نے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب ملی تھی اس میں شک نہ کریں یہ تفسیر واضح نہیں ہے اگر چہ صحیح ہے حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہیں۔

۴۲۰۔ **حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَسُرَيْجُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَا حَدَّثَنَا هَشِيْمٌ اَخْبَرَنَا دَاوٗدُ ابْنُ اَبِىْ هِنْدٍ عَنْ اَبِى الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِوَادِى الْاَزْرَقِ فَقَالَ اَىُّ وَادٍ هٰذَا ؟ فَقَالُوْا هٰذَا وَدِى الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ وَلَهٗ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ ثُمَّ اَتٰى عَلٰى ثَنِيَّةِ هَرْشٰى فَقَالَ اَىُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ ؟ قَالُوْا ثَنِيَّةُ هَرْشٰى قَالَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ بْنَ مَتّٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ خُلْبَةٌ وَهُوَ يُلَبِّىْ ۔ قَالَ اِبْنُ حَنْبَلٍ فِىْ حَدِيْثِهٖ قَالَ هُشَيْمٌ يَعْنِىْ لِيْفًا ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار '' وادی ازرق '' سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ وادئ ازرق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام گھاٹی سے نیچے اترے ہیں اور باآواز بلند اللہ کو پکار رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم '' ہرشا کی گھاٹی '' پر تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ کونسی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا '' ہرشا کی گھاٹی '' ہے۔ فرمایا کہ: میں گویا کہ حضرت یونس بن متی کو ایک سرخ گھٹے ہوئے جسم والی اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں ان کے جسم پر اونی جبہ ہے اور ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی بنی ہوئی رسی کی ہے۔ اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ ابن حنبلؒ نے اپنی روایت میں فرمایا کہ ہشیم نے فرمایا خُلبہ سے مراد پتہ ہے۔

تشریح

'' وادی الازرق '' مدینہ منورہ میں یہ وادی ہے ثنیہ گھاٹی کو کہتے ہیں '' هرشىء '' ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان راستے میں واقع ہے جحفہ کے قریب ہے۔ '' له جوار '' بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے یا کسی آواز کو بلند کرنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے '' ثم اليه تجرؤن '' اسی سے ہے۔ '' جعدة '' یہاں حضرت یونس علیہ السلام کی اونٹنی کے جسم کی مظبوطی کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے یعنی گھٹے جسم کی اونٹنی تھی۔ '' لیف '' اور '' خلبة '' ایک ہی چیز ہے کھجور کی چھالوں سے جو رسی بنائی جاتی ہے اس کو کہا گیا ہے۔ آنے والی روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ضرب اور مضطرب کے الفاظ آئے ہیں یعنی آپ

چھریرے بدن کے مالک تھے یہ ممدوح صفت ہے شاعر کہتا ہے

انا الرجل الضرب الذی تعرفوننی خشاش کرأس الحیة المتوقد

۴۲۱ ـ وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ دَاوُدَ عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَیُّ وَادٍ هٰذَا؟ فَقَالُوْا وَادِی الْاَزْرَقِ فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ من لونه وشعره شیئا لم یحفظه داود واضعا اصبعیه فی اذنیه له جُؤَارٌ اِلَی اللّٰهِ بِالتَّلْبِیَةِ مَارًا بِهٰذَاالْوَادِی قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی ثَنِیَّةٍ فَقَالَ اَیُّ ثَنِیَّةٍ هٰذِهِ ؟ قَالُوْا هَرْشٰی اَوْلِفْتٌ فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَیْهِ جُبَّةٌ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ لِیْفُ خُلْبَةٌ مَارًا بِهٰذَاالْوَادِی مُلَبِّیًا ـ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سے گزر رہے تھے، ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ''وادیٔ ازرق'' ہے۔ فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، پھر آپ نے ان کے رنگ، بال کے بارے میں ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں ہے۔ اور آپ نے انگلیاں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں اور باآواز بلند تلبیہ کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پھر چلے یہاں تک کہ ہم لوگ ایک گھاٹی پر پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کونسی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ''ہرشا کی گھاٹی'' ہے یا ''لفت'' کی۔ فرمایا کہ گویا میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک سرخ اونٹنی پر تشریف فرما ہیں، جسم پر اونی جبہ ہے۔ ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی رسّی سے بنی ہوئی ہے اور اس وادی سے تلبیہ پڑھتے گزر رہے ہیں۔

۴۲۲ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَذَکَرُوا الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّهٗ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ کَافِرٌ قَالَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ اَسْمَعْهُ قَالَ ذٰلِكَ وَلٰکِنَّهٗ قَالَ اَمَّا اِبْرَاهِیْمُ فَانْظُرُوْا اِلٰی صَاحِبِکُمْ وَاَمَّا مُوْسٰی فَرَجُلٌ آدَمُ جَعْدٌ عَلٰی جَمَلٍ اَحْمَرَ مَخْطُوْمٌ بِخُلْبَةٍ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ اِذَا انْحَدَرَ فِی الْوَادِی یُلَبِّی ـ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، لوگوں نے دجّال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں نے حضور علیہ السلام سے نہیں سنی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ابراہیم علیہ السلام اپنے ساتھی کو دیکھ لو اور وہ رہ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ گندمی رنگ اور گٹھے ہوئے جسم کے مالک آدمی ہیں، سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور

کی چال کی رسی سے بنی ہوئی ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں جب وادی میں اترتے ہیں تو تلبیہ پڑھتے ہیں۔

۴۲۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح:وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رُمْحٍ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ فَاِذَامُوسٰى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَ ةِ وَرَاَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاِذَااَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ وَرَاَيْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنُ رُمْحٍ دِحْيَةُ بْنُ خَلِيفَةَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو درمیانہ قد وقامت کے مرد ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوء ہ کے فرد ہوں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا تو میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ جسے دیکھتا ہوں وہ عروہ بن مسعود ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میری نظر میں سب سے زیادہ مشابہ تمہارے ساتھی کے ہیں یعنی خود آپ کی ذات ہے اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو میری نظر میں ان کے سب سے زیادہ مشابہ ''دِحیہ'' ہیں۔ ابن رمح کی روایت میں دحیۃ بن خلیفہ ہے۔

۴۲۴۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ عَبْدُ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي سَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَارَجُلٌ حَسِبْتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّاْسِ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَ ةِ قَالَ وَلَقِيتُ عِيسٰى فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَارَبْعَةٌ اَحْمَرُ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ يَعْنِي حَمَّامًا قَالَ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ قَالَ فَاُتِيتُ بِاِنَائَيْنِ فِي اَحَدِهِمَا لَبَنٌ وَفِي الْآخَرِ خَمْرٌ فَقِيلَ لِي خُذْ اَيَّهُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ فَقَالَ هُدِيتَ الْفِطْرَةَ اَوْ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُكَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا، راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کی صورت وصفت بیان کی۔ میرا خیال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام دراز قامت گھنگریالے بالوں والے تھے گویا کہ قبیلۂ شنوء ہ کے فرد ہوں۔ اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کرتے

ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میانہ قامت اور سرخ رنگت والے تھے گویا ابھی حمام سے نکلے ہوں (تروتازہ)۔اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ہی ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہہ ہوں۔پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب، مجھ سے کہا گیا دونوں میں سے جو چاہیں لے لیں۔میں نے دودھ والا برتن لیا اور اسے پیا۔تو جبرئیل نے فرمایا آپ کو فطرت کی ہدایت کی گئی یا فرمایا آپ فطرت کو پہنچ گئے۔البتہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

تشریح

''مضطرب'' چھریرے بدن کو کہتے ہیں۔''رجل رأس'' بالوں میں کنگھی کرنے کو کہتے ہیں۔''یماس'' حمام کو کہتے ہیں۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیاء کرام کو معراج کی رات میں مختلف مقامات میں دیکھا ہے اور یقین واطمینان کے اظہار کے لئے آپ نے ہر ایک کی خصوصی علامات کو بھی بیان فرمایا ہے تا کہ کوئی شک نہ کرے۔علامہ نووی نے اشکال کیا ہے کہ یہ انبیاء تو دنیا سے رخصت ہو گئے اب ان کے ان اعمال کرنے کا کیا مطلب ہے؟
اس کا ایک جواب آپ نے یہ دیا ہے کہ یہ شہداء کی طرح ہیں وہ اپنے قبور میں زندہ ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اعمال کرتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کے اجسام مثالیہ جو دنیا میں تھے اور عمل میں تھے اسی کیفیت کے ساتھ معراج کی رات میں آپ کو دکھائے گئے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ خواب کا معاملہ تھا تیسرا جواب کمزور ہے۔واللہ اعلم
الحمد للہ حرم شریف میں چھ رمضان ۱۴۳۲ھ افطار کے وقت میں ان سطور کے لکھنے سے فارغ ہوا چاروں طرف افطار کے وقت کی دعائیں جاری ہیں سامنے بیت اللہ ہے پھر افطار کے لئے زم زم ہے اور کھجوریں ہیں تلاوت کے لئے قرآن ہے میں سمجھتا ہوں یہ منظر تو جنت بھی نہیں ملے گا کیونکہ یہ دنیا کی نعمتوں میں آخری اور انتہائی نعمت و برکت ہے۔ الحمدلله حمدا كثيرا

نوٹ:

واقعہ معراج میں آسمانوں پر جانے کے لئے جبریل امین نے ہر آسمان کے دروالے کے کھولنے کی اجازت مانگی ہے دروازوں پر مقرر فرشتوں نے مکمل تحقیق اور شناخت کے بعد دروازہ کھولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کا نظام انتہائی مضبوط بھی ہے اور حساس بھی ہے ایسی مقدس ہستیوں اور سرکاری مہمانوں سے پوچھ پوچھ کر دروازہ کھولنا اس بات کی دلیل ہے کہ آج کل کے سائنسدان جو بلا روک ٹوک آسمانوں پر سیارے چھوڑنے اور کبھی مریخ پر جانے اور کبھی چاند پر جانے کی باتیں کرتے ہیں جبکہ ان کے اپنے ماہرین خلا بازوں اور سائنسدانوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور انھوں نے ڈالر کمانے کی غرض سے دھوکہ کیا ہے میں نے ان تمام اخباری بیانات کو تاریخ کے ساتھ محفوظ کر لیا ہے جواب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۴۲۵۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِى لَيْلَةً عِنْدَالْكَعْبَةِ فَرَاَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَاَحْسَنِ مَااَنْتَ رَاءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَهُ لِمَّةٌ كَاَحْسَنِ مَااَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ اَوْعَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا هٰذَاالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ اِذَا اَنَابِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّهَاعِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا ؟ فَقِيلَ هٰذَاالْمَسِيحُ الدَّجَّالُ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایک رات دکھلایا گیا کہ میں کعبۃ اللہ کے پاس ہوں، میں نے ایک آدمی کو جو گندمی رنگت والے تھے دیکھا تم نے جتنے گندمی رنگت والے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین، ان کے لمبے بال کندھوں تک تھے، تم نے جتنے بھی لمبے بالوں والے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین تھے، انہوں نے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور ان سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا تھا۔ دو آدمیوں کے سہارے یا ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے ایک اور آدمی کو دیکھا سخت گھونگھریالے بال، دائیں آنکھ سے کانا، اس کی دائیں آنکھ پھولے ہوئے انگور کی مانند ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ مسیح الدجال ہے۔

تشریح

''المسیح بن مریم'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وجہ سے مسیح کہتے ہیں کہ یہ صدیق کے معنی میں ہے اصل میں یہ لفظ مشیخ تھا جو سچے اور بابرکت کو کہتے ہیں عربی زبان میں مسیح ہو گیا تو یہ صدیق کے معنی میں ہے اس لئے مسیح ہے یا اس لئے اس کو کہتے مسیح کہتے ہیں کہ وہ مریضوں کو مسح کرتے تھے ان کے مسح کرنے سے مریض صحت یاب ہو جاتے تھے حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے بعض نے کہا کہ وہ خود برکت کے ساتھ مسح کیے گئے تھے جب پیدا ہوئے تھے اس کے مقابلے میں دجال کو اس لئے مسیح کہتے ہیں کہ وہ ایک آنکھ سے بالکل ممسوح العین اور کانا ہے یا اس لئے اس کو مسیح کہتے ہیں کہ وہ دنیا کے اکثر حصہ پر گھوم پھر کر دنیا کو مسح کریگا۔

''ارانی'' یعنی میں نے ایک رات اپنے آپ کو دیکھا، ہو سکتا ہے کہ یہ خواب کا معاملہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیداری یا انکشاف کے ذریعہ سے ہوا ہو خواب کی تاویل زیادہ واضح ہے۔ ''الکعبۃ'' کعبہ کو اس لئے کعبہ کہتے ہیں کہ یہ مربع بھی اور بلند بھی ہے

عرب اس طرح عمارت کو کعبہ کہتے ہیں بعض اہل لغت نے صرف بلند ہونے اور گول ہونے کی وجہ سے اس کو کعبہ قرار دیا ہے پاؤں کے ٹخنوں کو اسی بلندی اور گول ہونے کی وجہ سے کعبین کہتے ہیں اسی طرح جوان عورت کے پستانوں کو بھی بلندی اور گول ہونے کی وجہ سے کعاب کہتے ہیں۔

''اللمة''لام پر کسرہ ہے میم پر شد ہے اس کی جمع لمم ہے جیسے''قربة وقرب''جب بال کانوں کی لو سے تجاوز کرے تو اس کو''لمة''کہتے ہیں جب کندھوں تک آجائے تو اس کو''جمة''کہتے ہیں جب کانوں کے اوپر اوپر ہو تو وہ''وفرة''کہلاتے ہیں یہ ایک تحقیق ہے کچھ اور بھی ہے۔''رجلها''کنگھی کرنے کو ترجیل کہتے ہیں باب الترجل میں انشاءاللہ تفصیل آئے گی اگر میں زندہ رہا اللہ تعالیٰ مجھے اس شرح کی تکمیل تک زندہ رکھے۔''جعداً قطعاً''بال جب شدید مڑے ہوئے گھنگریالے ہوں تو اس کو''جعدا قطعا''کہتے ہیں آدمی کے جسم پر بھی جعد کا لفظ بولا جاتا ہے جو مظبوطی کی علامت ہوتی ہے دجال کے بالوں کے لئے اگر جعد کا لفظ بولا گیا ہے تو یہ اس کی مذمت ہے اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جعد کا اطلاق ہوا ہے تو وہ مدح ہے کہ مضبوط خوبصورت بدن والا ہے بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہے اور دجال مسیح ضلالت ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

''اعور عین الیمنی''یعنی دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی۔

سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ دجال کی آنکھوں کے بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں کبھی دائیں اور کبھی بائیں آنکھ کانی ہونے کا اطلاق کیا ہے اس میں تطبیق کیا ہے؟۔

جواب

اس کو جواب یہ ہے کہ دجال خبیث کی دونوں آنکھیں خراب ہیں لہذا دونوں کو کانی اور معیوب کہہ سکتے ہیں البتہ عیب میں فرق ہے تو دائیں آنکھ تو بالکل صاف چٹیل میدان ہے نہ اس میں گھڑا ہے نہ بلندی ہے بالکل مسح شدہ ہے اس کو بھی''عورا''کہہ سکتے ہیں اور بائیں آنکھ بھی خراب ہے جو ابھری ہوئی ہے انگور کے دانہ کی طرح ہے پتلی باہر نکلی ہوئی ہے تو یہ بھی گویا کانی ہے لہذا کبھی دائیں اور کبھی بائیں پر کانے کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہوئے دیکھا جبکہ احادیث

میں واضح طور پر مذکور ہے کہ دجال بیت اللہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا تو کعبہ کے پاس کیسے آ گیا؟۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ راجح یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہوئے دیکھنا منع نہیں ہے ہاں حقیقت میں دجال بیت اللہ میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

باقی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دجال کو کیوں دکھایا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو ایک قاتل ہے اور دوسرا مقتول ہے تو پیشگوئی کرنے کے لئے یہ مناسب تھا کہ آنحضرتؐ دونوں کے ساتھ ساتھ دیکھے اور چونکہ دجال خدائی کا دعوی کریگا اس لئے آنحضرت نے انتہائی وضاحت کے ساتھ اس کے سارے احوال اور جسمانی خدوخال کھول کھول کر بتادیا ہے تا کہ کسی کو خروج وجال کے بعد شبہ نہ رہے امام مسلمؒ نے صحیح مسلم جلد ثانی میں دجال کی پوری تفصیلات بیان کی ہیں۔

٤٢٦ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ اِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنَا اَنَسٌ يَعْنِى ابْنَ عِيَاضٍ عَنْ مُوسَى وَهُوَابْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَيْنَ ظَهْرَانَى النَّاسِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيْسَ بِاَعْوَرَ اَلَا وَاِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَاَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَانِى اللَّيْلَةَ فِى الْمَنَامِ عِنْدَالْكَعْبَةِ فَاِذَارَجُلٌ آدَمُ كَاَحْسَنِ مَاتَرَى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ يَقْطُرُ رَاْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَىْ رَجُلَيْنِ وَهُوَبَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ فَقَالُوا هَذَاالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَرَاَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلًا جَعْدًا قَطَطًا اَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنَى كَاَشْبَهِ مَنْ رَاَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَىْ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قَالُوا هَذَاالْمَسِيحُ الدَّجَّالُ ـ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں کے مجمع میں مسیح الدجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کانا نہیں ہے۔خبردار مسیح الدجال کانا دائیں آنکھ سے، گویا اس کی آنکھ ایک پھولا ہوا انگور کا دانہ ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات میں نے خود کو خواب میں کعبۃ اللہ کے پاس دیکھا، میں نے دیکھا ایک آدمی گندمی رنگت والے تمام افراد جنہیں تم دیکھتے ہو ان میں سب سے زیادہ حسین اپنے لمبے دراز گیسو اپنے شانوں پر ڈالے ہیں، سیدھے بالوں والے جن سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا تھا، اپنے دونوں ہاتھ دو افراد کے مونڈھوں پر رکھے ان دو افراد کے درمیان بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں۔میں نے پوچھا یہ

کون ہیں؟ فرمایا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں۔ اور میں نے ان کے بعد ایک آدمی سخت گھونگھریالے بالوں والا دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور اس کو میں نے لوگوں میں سب سے زیادہ ابن قطن کے مشابہہ پایا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھا دو افراد کے کندھوں پر بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

۴۲۷۔ **حَدَّثَنَا** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ عِنْدَ الْكَعْبَةِ رَجُلًا آدَمَ سَبِطَ الرَّاْسِ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى رَجُلَيْنِ يَسْكُبُ رَاْسُهُ اَوْيَقْطُرُ رَاْسُهُ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالُوْا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اَوِالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ لَايَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِكَ قَالَ قَالَ وَرَاَيْتُ وَرَاءَهٗ رَجُلًا اَحْمَرَ جَعْدَ الرَّاْسِ اَعْوَرَ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى اَشْبَهُ مَنْ رَاَيْتُ بِهِ ابْنُ قَطَنٍ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالُوْا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کعبۃ اللہ کے پاس ایک آدمی کو دیکھا، گندمی رنگت والا، لٹکے بالوں والا، اپنے دونوں ہاتھ دو افراد کے کندھوں پر رکھے ہوئے ہے اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں یا مسیح ابن مریم ہیں اور میں نے ان کے پیچھے ایک آدمی کو دیکھا سرخ رنگت والا گھونگھریالے بالوں والا دائیں آنکھ سے کانا تھا اور میں نے جو دیکھا تو ابن قطن اس سے زیادہ مشابہ ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا مسیح الدجال ہے۔

۴۲۸۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا كَذَّبَتْنِیْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِیْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قریش مکہ نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں جا کر کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ میں نے بیت المقدس کی نشانیاں ان قریشِ مکہ کو بتلانا شروع کیں اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔

تشریح

’’لما کذبتنی قریش‘‘ واقعہ معراج چونکہ عقلوں کو حیران کرنے والا واقعہ تھا اس لئے ابوجہل اور قریش کو پروپیگنڈہ کرنے کا ایک موقع ملا اور کچھ کچے مسلمان شک میں بھی پڑ گئے ابوجہل نے کہا کہ محمد کے خاص دوست ابوبکر کو بلاؤ جب حضرت ابوبکر آئے تو ابوجہل نے کہا کہ میں تو تم سے کہہ رہا تھا کہ یہ آدمی مجنون ہے اب دیکھو اس کا جنون ظاہر ہو گیا کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک رات کے تھوڑے سے حصہ میں آسمانوں کی سیر کی حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو وہ سچ کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جب ہم نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ چند منٹ میں آسمان سے فرشتہ نیچے آسکتا ہے تو کیا چند لمحوں میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اوپر نہیں لے جاسکتے۔ پھر آنحضرتؐ سے صدیق نے اس سفر سے متعلق کچھ سوالات کیے۔ آنحضرت جب جواب دیتے تو حضرت ابوبکر فرماتے '' صدقت یارسول الله '' اس پر ان کو صدیق کا لقب ملا۔ مگر قریش کو اس سے تسلی نہیں ہوئی اور آنحضرت سے حطیم میں بیٹھ کر دور از کار سوالات کیے کہ بیت المقدس کی مسجد کی کھڑکیاں کتنی ہیں دروازے اور ستون کتنے ہیں اس پر آنحضرتؐ انتہائی پریشان ہوئے کیونکہ جو آدمی راستے پر گذرتا ہے وہ مسجد کی کھڑکیاں اور ستون تو نہیں گنتا اسی پر پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی مسجد کا پورا نقشہ سامنے رکھوادیا قریش سوالات کرتے تھے اور آنحضرت جواب دیتے تھے پھر قریش نے کہا کہ شام کے راستے میں ہمارا ایک قافل آرہا تھا تم نے اس کو بھی دیکھا ہوگا اب بتاؤ کہ وہ قافلہ کب مکہ پہنچے گا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک مٹیالہ اونٹ اس قافلہ کے اونٹوں کی رہنمائی کررہا ہے اور فلاں گھاٹی سے طلوع آفتاب کے وقت قافلہ نکل آئے گا قریش نے اپنے بندے وہاں بٹھادیئے ایک آدمی نے کہا دیکھو بھائی سورج طلوع ہوگیا دوسرے نے کہا لو بھائی وہ قافلہ نمودار ہوگیا اور مٹیالہ رنگ کا اونٹ آگے ہے یہاں اسی لفظ میں اسی پس منظر کی طرف اشارہ ہے ساتھ والی حدیث میں '' فکربت کربه شدیدة '' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس حدیث سے بریلوی حضرات کی خیالی عمارت گر کر منہدم ہوجاتی ہے جو آنحضرت کو حاضر ناظر اور ذرہ ذرہ کا عالم الغیب کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انبیاء کرام کو مختلف جگہوں میں دیکھا یہ اجسام مثالیہ کے ساتھ دیکھا ہے جس میں استبعاد نہیں ہے۔

۴۲۹۔ **حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ یَحْیَی حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِی یُونُسُ بْنُ یَزِیْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِی اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَارَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ الشَّعْرِ بَیْنَ رَجُلَیْنِ یَنْطِفُ رَاْسُهُ مَاءً اَوْ یُهْرَاقُ رَاْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هٰذَا ؟ قَالُوْا هٰذَاابْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ اَلْتَفِتُ فَاِذَا رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُالرَّاْسِ اَعْوَرُ الْعَیْنِ كَاَنَّ عَیْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِیَةٌ قُلْتُ مَنْ هٰذَا ؟قَالُوْا الدَّجَّالُ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ میں اس دوران سویا ہوا تھا دیکھا کہ میں طواف کررہا ہوں کعبۃ اللہ کا کہ آدمی گندمی رنگت اور سیدھے بالوں والے دو افراد کے درمیان نظر آئے۔ ان کے سر سے پانی ٹیک رہا تھا یا فرمایا کہ اس کے سر سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ابن مریم ہیں پھر میں دوسری طرف چلا اور اُدھر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ ایک سرخ بھاری بھرکم، گھونگھریالے بال اور کانی آنکھ والا آدمی ہے۔ گویا کہ اس کی آنکھ پھولا ہوا انگور کا دانہ ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا کہ دجّال ہے۔ اور اس کے سب سے زیادہ مشابہہ ابن قطن ہے۔

۴۳۰ ۔ **حدَّثنی** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حُجَيْنُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ وَهُوَابْنُ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْاَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَاَلَتْنِي عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَاكُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي اَنْظُرُاِلَيْهِ مَايَسْاَلُوْنِّي عَنْ شَيْءٍ اِلَّااَنْبَاْتُهُمْ بِهِ وَقَدْرَاَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاِذَامُوْسَى قَائِمٌ يُصَلِّي فَاِذَارَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَاِذَاعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي اَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ وَاِذَااِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي اَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَاَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ يَامُحَمَّدُ ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَبَدَاَنِي بِالسَّلَامِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حطیم میں اپنے آپ کو دیکھا کہ قریش مجھ سے میری معراج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی چند اشیاء کے بارے میں پوچھا جنہیں میں نے محفوظ نہیں کیا تھا۔ مجھے اتنا شدید رنج ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے۔ اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔ قریش اب جو سوال کرتے میں انہیں بتلا دیا کرتا اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ ایک درمیانہ قد وقامت کے گٹھے ہوئے جسم والے آدمی ہیں ۔ گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے افراد میں سے ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور لوگوں میں ان کی سب سے زیادہ مشابہت عروہ بن ثقفی سے ہے میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمہارے صاحب ہے یعنی خود آپ کی ذات ۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے ان سب کی امامت کی ۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک ہے داروغہ جہنم، اسے سلام کیجئے ۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی تو اس نے خود ہی ابتدا کر دی اور مجھے سلام کیا۔

نوٹ:

اس باب کی احادیث کی تشریح میں نے عرب امارات کے سفر کے دوران ابوظبی میں مولانا علی عبدالکریم صاحب کے گھر میں قیام کے دوران لکھی ہے دن کے بارہ بجے کا وقت ہے باہر انتہائی سخت گرمی ہے۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل ابوظبی شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۱ء

باب ذکر سدرۃ المنتھی

سدرۃ المنتہیٰ کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۴۳۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ ح:وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِيعًا عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ لَمَّااُسْرِىَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْتُهِىَ بِهِ اِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى وَهِىَ فِى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ اِلَيْهَا يَنْتَهِى مَايُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْاَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا وَاِلَيْهَا يَنْتَهِى مَايُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا قَالَ﴿اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشَى﴾ (النجم : ١٦) قَالَ فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ فَاُعْطِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا اُعْطِىَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَاُعْطِىَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَلِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهِ شَيْئًا ـ الْمُقْحِمَاتُ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور سدرۃ المنتہیٰ جو چھٹے آسمان پر ہے اس تک پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ پر ہر اس چیز کا عروج منتہی ہو جاتا ہے جو زمین سے جاتی ہے اور وہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے اور وہیں تک عرش سے اترنے والی چیز رک جاتی ہے اور وہاں سے اسے وصول کر لیا جاتا ہے۔ اور فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ رہی تھی وہ چیز جو ڈھانپ رہی تھی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سونے کے پتنگے اسے ڈھانپ رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک تو پنجگانہ نمازیں عطا کی گئیں۔ دوسرے سورۃ البقرہ کی اختتامی آیات کا تحفہ عطا کیا گیا۔ تیسرے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے اس شخص کے تمام مہلک گناہوں کی مغفرت کر دی جس نے ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا ہو۔

تشریح

''الی سدرۃ المنتھی ''سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور'' المنتھی ''انتہاء کے معنی میں ہے چونکہ یہ درخت آسمانوں کے اوپر ہے تو جو مخلوق اس درخت سے نیچے ہے وہ اوپر نہیں جاسکتی ان کے لئے یہ درخت انتہاء ہے اور جو مخلوق اس درخت سے اوپر ہے وہ اس سے نیچے نہیں آسکتی ہے اس لئے یہ درخت دونوں جانبوں کے لئے آخری حد ہے اس حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔'' السادسۃ ''اس حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر موجود ہے۔

سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں تمام احادیث میں تصریح موجود ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان میں ہے حالانکہ زیر بحث حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر موجود ہے۔؟

جواب

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایتیں وہی ہیں جس میں ساتویں آسمان کی تصریح ہے وہ روایات کثیر بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں گویا قاضی عیاض اس روایت کو مرجوح قرار دیتے ہیں جس میں چھٹے آسمان کا ذکر ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کا درخت اصل میں ساتویں آسمان پر موجود ہے مگر اس کی جڑ چھٹے آسمان تک نیچے آگئی ہیں لہذا دونوں روایتوں میں تضاد نہیں بلکہ یہ تطبیق کی بہترین صورت ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ اتنا بڑا درخت ہے کہ ساتویں آسمان اور جنت پر سایہ کیے ہوئے ہے۔
''فراش من ذھب ''سونے کے پروانوں کو فراش الذھب کا کہا گیا ہے یہ ایک قسم کے سنہرے رنگ کے فرشتے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ پر اڑتے بیٹھتے رہتے ہیں اور اس کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔
''غُفر'' یہ مجہول کا صیغہ ہے اور المقحمات اسکا نائب فاعل ہے'' مقحمات ''مقحمۃ کی جمع ہے کبائر اور بڑے بڑے تباہی والے گناہوں کو کہتے ہیں اس لفظ میں معتزلہ اور خوارج پر واضح رد ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار کہتے ہیں جبکہ یہاں بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا عام اعلان ہو گیا ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی تحفہ دیا گیا ہے۔

۴۳۲۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ وَهُوَ ابْنُ الْعَوَّامِ أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ (النجم:۹) قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

حضرت سلیمان شیبانی ؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت زِرّ بن حُبیش سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فکان قاب قوسین او ادنی ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں۔

تشریح

''قاب قوسین'' یہ عبارت اصل میں یوں ہے'' قابی قوس ''قوس کمان کو کہتے ہیں اور قاب اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو کمان کے

موڑے ہوئے سرے سے لیکر تیر چڑھانے کے چلہ تک ہوتا ہے کمان کے مڑے ہوئے دوسرے ہوتے ہیں تو ایک کمان میں دو قاب ہوتے ہیں درمیان میں چلہ ہوتا ہے یہ دونوں قاب ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے ہیں یہاں قرب بیان کیا ہے یا قاب مثل اور مقدار کے معنی میں "ای مقدار قوسین" یا قوسین ذراعین یعنی دو ہاتھ کے معنی میں ہے ای قد ذراعین قاب کو قاد اور قید اور قیب بھی کہتے ہیں ابن کثیر نے کہا "قاب قوسین ای بقدرهما اذا مدا" یعنی دو کمانوں کی لمبائی کی مقدار۔

"رأی جبریل" یہ حضرت ابن مسعود کا مسلک ہے جس کا تذکرہ آیندہ آرہا ہے کہ لیلۃ المعراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا یا نہیں اس میں صحابہؓ کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے ابن مسعود حضرت جبریل کی روایت پر سورت نجم کی آیتوں کو حمل کرتے ہیں حضرت عائشہ کا مسلک بھی یہی ہے آیندہ تفصیل آئے گی فرشتوں کے مختلف پر ہوتے ہیں جبریل امین کے چھ سو پر ہیں۔

٤٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفُصُ بُنُ غِيَاثٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنُ زِرٍّ عَنُ عَبُدِاللّٰهِ قَالَ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَأَى﴾ (النجم: ١١) قَالَ رَأَى جِبُرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حق تعالی کے ارشاد ﴿ما كذب الفؤاد ما رای﴾ کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سوسے بازو ہیں۔

٤٣٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بُنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَ زِرَّ بُنَ حُبَيْشٍ عَنُ عَبُدِاللّٰهِ قَالَ ﴿لَقَدُرَاى مِنُ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبُرٰى﴾ (النجم: ١٨) قَالَ رَاى جِبُرِيْلُ فِي صُوُرَتِهٖ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿لقدرای من ایات ربه الکبری﴾ بے شک دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں، تو اس سے مراد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں۔

نوٹ:

شرح مسلم کی تحریر کے سلسلے میں اس باب کی احادیث کی تشریح کو میں نے عرب امارات کے شہر "العین" میں مولانا یحیی اور مولانا سعید کے گھر میں رات کے ایک بجے کے ٹائم میں لکھا ہے۔

فضل محمد نزیل العین متحدہ عرب امارات ۲۴ شعبان ۱۴۳۲ھ ۲۵ جولائی ۲۰۱۱ء

باب معنی قول الله عزوجل ﴿ولقدراه نزلة اخری﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اپنے رب کو دیکھا

اس باب میں امام مسلم نے اٹھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۳۵ - **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِیّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ (النجم:۱۳) قَالَ رَاٰی جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو دیکھا۔

تشریح

''قال رأی جبریل علیه السلام''

اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوھریرہ رضوان اللہ علیہم کا موقف یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ؐ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت کا موقف بھی یہی ہے۔

دوسری طرف حضرت ابن عباس ؓ اور حضرت کعب اور حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت نے معراج کی رات میں رب تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت حسن بصری ؒ اور احمد بن حنبل اور ان کے موافقین کا موقف بھی یہی ہیں ایک تیسرا فریق اس طرف گیا ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔
بہرحال جمہور امت خلفاً وسلفاً معراج میں دیدار کے قائل ہیں۔

اصل اختلاف سورت نجم کی آیت'' ولقد راه نزلة اخری اورایت ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ '' سے پیدا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ اور ان کے موافقین ان ایتوں کو حضرت جبرئیل کی رؤیت پر حمل کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس ؓ اور ان کے موافقین اس کے کچھ حصوں کو جبرئیل امین اور کچھ حصوں کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت پر حمل کرتے ہیں۔ احادیث مقدسہ میں بھی بعض احادیث سے رؤیت کی نفی معلوم ہوتی ہے اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا ہے اس لئے علماء کے ایک فریق نے اس میں توقف کا قول کیا ہے جو علامہ طیبی ؒ کا موقف ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے رؤیت کا سخت انکار کیا ہے اور ایت ''لاتدرکه الابصار '' سے استدلال کیا ہے نیز '' ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیااو من وراء حجاب '' ایت سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے ایک روایت منقول ہے'' اتعجبون ان تکون الخلة لابراهیم والکلام لموسیٰ والرؤیة

لمحمدصلی الله علیه وسلم ''(نووی)'' وعن عکرمة سئل ابن عباس هل رأی محمدصلی الله علیه وسلم ربه قال نعم ''(نووی)'' وعن شعبة عن قتادة عن انسؓ قال رأی محمدصلی الله علیه وسلم ربه ''(نووی)''

نیز'' رأه بقلبه اور رأه بفوأده مرتین ''مسلم میں موجود ہے۔حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ اس مسئلہ میں رابطہ کیا اور پوچھا کہ '' هل رأی محمدصلی الله علیه وسلم ربه؟فأخبره انه رأه ''(نووی) حضرت حسن بصری اس مسئلہ میں قسم کھاتے تھے کہ نبی مکرمؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔(نووی)

علامہ نووی، قاضی عیاض اور صاحب تحریر کا موقف یہی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے علامہ نووی نے تو اپنی شرح میں انتہائی شدت کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عائشہ کی دلیل'' لاتدرکه الابصار '' ایت کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے احاطہ ادراک کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں ہے دوسری ایت کا جواب یہ ہے کہ وہ ایت عام مخصوص البعض ہے کہ احادیث سے اس میں تخصیص آگئی ہے دیگر جوابات بھی ہے یہ ایک کافی ہے۔

علامہ نووی وغیرہ علماء نے حضرت عائشہ کے استدلال کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر ان کے پاس صریح حدیث ہوتی تو وہ ایتوں سے استنباط نہ فرماتی معلوم ہوا حدیث سے نفی رؤیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

بندہ عاجز فضل محمد یوسف زئی کہتا ہے کہ معراج کا یہ عظیم سفر اور رب تعالیٰ سے یہ خصوصی ملاقات اور اس کا اتنا بڑا اہتمام اور پھر مقام بھی لامکان اس کا تقاضا ہے کہ دیدار کے بغیر ملاقات نہیں ہوئی ہوگی۔

سورت نجم کی یہ ایت'' مازاغ البصر وماطغیٰ '' کا تو واضح مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نگاہ نہ دیدار الٰہی سے ادھر ادھر ہوگئی اور نہ آگے تجاوز کرگئی بلکہ ٹھیک ٹھیک اپنے رب کی طرف دیکھنے میں لگی ہوئی تھی۔سورت نجم کی ایت ''افرأیتم الات والعزی ومناة الثالثه الاخریٰ ''تو بانگ دھل بتاہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے رب کو دیکھ لیا: اے کفار کیا تم نے کبھی لات منات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟ جس کے تم نے مجسمے بناتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو کیا اس کی کوئی حقیقت ہے یا صرف تصوراتی ڈھکوسلوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟۔

محاکمہ

صحابہ کرامؓ کے اس اختلاف میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے علماء نے اس طرح محاکمہ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اللہ تعالیٰ کی ذات محضہ کے دیدار کا انکار کیا ہے انوارات کا انکار نہیں کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے تجلیات کے ساتھ دیدار کا قول کیا ہے ذات محضہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے تو دونوں کے اقرار وانکار میں کوئی منافات وتضاد نہیں ہے۔

۴۳۶۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰهُ بِقَلْبِهٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔

۴۳۷۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ وَاَبُوسَعِيدِ الْاَشَجُّ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ قَالَ الْاَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحُصَيْنِ اَبِی جَهْمَةَ عَنْ اَبِی الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى﴾ (النجم:۱۱) ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ما کذب الفؤاد ما رأی﴾ ﴿ولقدراٰہ نزلۃ اخری﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب کی آنکھ سے دوبار دیکھا۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ حَدَّثَنَا اَبُوجَهْمَةَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ۔

ابوجہمہ کے واسطہ سے اعمش سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب کی آنکھ سے دوبار دیکھا ہے منقول ہے۔

۴۳۹۔ **حَدَّثَنَا** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنْ دَاوٗدَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَااَبَاعَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْاَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ مَاهُنَّ؟ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْاَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَااُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! اَنْظِرِيْنِیْ وَلَاتَعْجَلِيْنِیْ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ التكوير:۲۳) ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ فَقَالَتْ اَنَااَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَجِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ اَرَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَهَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَاَيْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَابَيْنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ فَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام:۱۰۳) اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَاءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِيْمٌ﴾ (الشوری:۵۱)؟ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَدْاَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ ﴿يَااَيُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ (المائدة:۶۷) قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُخْبِرُ بِمَايَكُوْنُ فِیْ غَدٍ فَقَدْاَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ ﴿قُلْ لَّايَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّااللّٰهُ﴾ (النمل:۶۵)

مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے ابوعائشہ! تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی نے کہی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت

بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تین کیا ہیں؟ فرمایا جس نے یہ خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ تھوپا ہے۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا کہ یہ سن کر اٹھ بیٹھا اور کہا کہ اے ام المؤمنین! ذرا مجھے مہلت دیجئے اتنی جلدی نہ کیجئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ﴿ولقد راٰہ بالافق المبین﴾ اور اللہ نے فرمایا ﴿ولقد راٰہ نزلۃ اخری﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ میں نے ان کو ان کی تخلیقی صورت میں دو مرتبہ کے علاوہ نہیں دیکھا میں نے انہیں آسمان سے اترتے دیکھا اور ان کے ظاہری جسم کی بڑائی نے زمین وآسمان کے مابین خلا کو بھر دیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ ﴿لاتدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار وھو اللطیف الخبیر﴾ اور کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن وراء حجاب اویرسل رسولا ......علیٌّ حکیم﴾ تک۔ اور فرمایا۔۲۔ جس نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب میں سے کچھ چھپایا ہے تو بے شک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ مسلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یاایھاالرسول بلغ ......﴾ اور فرمایا کہ جس نے یہ خیال کیا کہ حضور علیہ السلام آئندہ کل کی باتیں جانتے تھے تو بے شک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے ﴿قل لایعلم من فی السموا والارض الغیب الااللہ﴾۔

تشریح

''یاابا عائشہ'' یہ مسروق بن اجدع کی کنیت ہے ان کو مسروق اس لئے کہتے ہیں کہ بچپن میں چوری ہو گئے تھے پھر مل گئے تو نام ہی مسروق پڑ گیا بہت بڑے تابعی ہیں اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں زیر بحث حدیث میں انھوں نے حضرت عائشہ سے مباحثہ ومناظرہ کیا ہے حضرت عائشہ نے مضبوط جواب دیا۔

''الفریۃ'' بدترین جھوٹ کو'' الفریۃ '' کہتے ہیں۔'' ولا تعجلی ''یعنی مسروق پردے کے پیچھے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس لئے اہم مسئلہ کے لئے وہ سیدھے بیٹھ گئے اور ام المؤمنین سے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں اور میرے سوال کا جواب دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' ولقد رأہ نزلۃ اخریٰ ''اور'' ولقد رأہ بالافق المبین ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو میں نے حضور اکرمؐ سے خود پوچھا تھا آنحضرت نے فرمایا کہ اس سے جبریل کی رؤیت مراد ہے۔ ساتھ والی روایت میں حضرت عائشہ نے'' سبحان اللہ '' کا لفظ استعمال کیا ہے یہ انتہائی تعجب کے وقت عرب استعمال کرتے ہیں اس روایت میں'' لقد قف شعری '' کے الفاظ بھی آتے ہیں اس کا مطلب یہ

ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات کردی ہے کہ اس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس حدیث سے بریلوی حضرات کا بھی رگڑا الگ گیا جو آنحضرت کو عالم الغیب بما کان وما یکون مانتے ہیں واقعی یہ لوگ بڑے طوفانی جھوٹ بولتے ہیں۔

۴۴۰۔ **وحدّثنا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَزَادَ قَالَتْ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِمًا شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ لَكَتَمَ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِىْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِىْ فِىْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾(الاحزاب:۳۷)۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس اضافہ کے ساتھ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب میں سے کچھ چھپانے والے ہوتے تو یہ آیت چھپا لیتے ﴿واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ......ان تخشاہ﴾ تک۔

۴۴۱۔ **وحدّثنا** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ ؟ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ ! لَقَدْ قَفَّ شَعْرِىْ لِمَا قُلْتَ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهِ وَحَدِيْثُ دَاوُدَ اَتَمُّ وَاَطْوَلُ ۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی زیارت کی ہے؟ فرمانے لگیں سبحان اللہ! تیری بات سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، آگے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ مگر داؤد کی روایت مکمل اور لمبی ہے۔

۴۴۲۔ **حدّثنا** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنِ ابْنِ اَشْوَعَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَاَيْنَ قَوْلُهُ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى﴾(النجم:۸۔۱۰) قَالَتْ اِنَّمَا ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْتِيْهِ فِىْ صُوْرَةِ الرِّجَالِ وَاِنَّهُ اَتَاهُ فِىْ هٰذِهِ الْمَرَّةِ فِىْ صُوْرَتِهِ الَّتِىْ هِىَ صُوْرَتُهُ فَسَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ ۔

مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ (بقول آپ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا) تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ثم دنی فتدلی فکان قوب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی﴾ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ وہ تو جبرئیل علیہ السلام تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عموماً مردوں کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ اس بار اپنی خاص حقیقی صورت میں آئے تھے اور پوری افق کو مسدود کر دیا تھا۔

باب فی قوله علیه السلام نور انی اراه

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں

اس باب مین امام مسلم نے دوحدیثوں کو بیان کیا ہے

۴۴۳۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ ؟ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا: وہ تو نور ہے میں کہاں سے اسے دیکھتا۔

تشریح

''نورٌ انّی اَرَاہُ'' حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ کیا آپ نے معراج کی رات رب تعالیٰ کو دیکھا تھا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں ۔ساتھ والی روایت میں آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نور کو دیکھا۔ان دونوں روایتوں کے راوی حضرت ابوذر غفاری ہیں چونکہ یہ پردۂ غیب کا مسئلہ ہے پھر اللہ تعالیٰ جو قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہیں اس لئے آنحضرت نے رؤیت کے اس مسئلہ کو ابہام کے درجہ میں رکھا۔اب سوال یہ ہے کہ یہاں نور سے کیا مراد ہے تو علامہ مارزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں مفعول بہ کی ضمیر منصوب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انوارات کے پردوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات دیکھنے سے منع کر دیا یہ اسی طرح ہے جو دوسری حدیث میں ہے کہ'' وحجابه النور '' تو یہ کوئی الگ پردے نہیں ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو گھر لیا ہو یہ محال ہے بلکہ ان پردوں سے اللہ تعالیٰ کے انوارات کے پردے مراد ہیں جو دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے حائل بن جاتے ہیں جیسے سورج کے لئے اس کی شعائیں ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو نور نہیں کہا گیا ہے کیونکہ نور خود اجسام کے قبیلے سے ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا ہے اور جہاں اطلاق ہوا ہے اس سے منور کرنے والی ذات مراد ہے۔

یہاں'' نورٌانّی اراه '' روایت بھی ہے اس کا مطلب یہ ہوجائے گا اللہ تعالیٰ نور ہے اس نور کو دیکھا ہے۔پھر اس روایت کا مطلب اور'' رئیت نوراً '' کا مطلب ایک ہوجائے گا۔بعض علماء سے میں سنا کہ وہ اس طرح پڑھنے کو بھی جائز کہتے تھے ''نورانی اراه'' یعنی میں نے ایک نورانی بادشاہ کو دیکھا۔بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور متشابہات کی اقسام میں سے ہیں اس لئے مایلیق بشانه کا عقیدہ رکھنا چاہئے جو کچھ واقع ہوا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

۴۴۴۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ ح: وَحَدَّثَنِیْ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ لَوْرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسَاَلْتُهُ فَقَالَ عَنْ اَیِّ شَیْءٍ كُنْتَ تَسْاَلُهُ؟ قَالَ كُنْتُ اَسْاَلُهُ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدْسَاَلْتُ فَقَالَ رَاَيْتُ نُوْرًا۔

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے ضرور پوچھتا۔ انہوں نے کہا کہ کس چیز کے بارے میں پوچھتے؟ میں نے کہا کہ میں آپ سے پوچھتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سوال تو میں نے حضور علیہ السلام سے کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور دیکھا۔

باب فی قوله علیه السلام ان الله لاینام

اللہ تعالیٰ سوتے نہیں ہیں اور ان پر نور کے پردے ہیں

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۴۵۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاَبُوْكُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِیْ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَايَنَامُ وَلَايَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ يَنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهٗ يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ بَكْرٍ النَّارُ لَوْكَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَاانْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ بَكْرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ وَلَمْ يَقُلْ حَدَّثَنَا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر پانچ باتیں ارشاد فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔(۱) بے شک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ ہی سونا اس کی شان کے مناسب ہے (۲) جھکاتا ہے ترازو کو اور اونچا کرتا ہے (۳) رات کے اعمال دن کے اعمال سے قبل اور (۴) دن کے اعمال رات کے اعمال سے قبل اس کی جانب اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں یہ ہے کہ اس کا پردہ وحجاب آگ ہے۔ اور اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے وجہ کریم کی شعاعیں حدِ نظر تک مخلوق کو جلا کر بھسم کر دیں۔

تشریح

" لاینام "نیند تو احساس وعقل اور شعور کو ختم ہونے کا نام ہے اور اس کا تعلق اجسام حیوانی سے ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات اس منزہ و مبرا ہے اس " نوم " کا اطلاق محال ہے اس لئے آیت " لاتاخذہ سنة ولانوم "میں بھی اس کی نفی آتی ہے اور اس حدیث میں بھی اسکی نفی آتی اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ رات کے ڈھائی بجے میں مثلاً اگر ایک مظلوم اپنے رب کے سامنے فریاد کرر ہا ہو اور مجبوری میں اس کو پکار رہا ہو اور خالق سویا ہوا ہو تو یہ نہ مناسب بات ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نیند اور اونگھ سے پاک ہے۔

" یخفض القسط ویرفعه "قاضی عیاض نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا ترازو قائم کیا ہے اس سے لوگوں کے اعمال وزن ہو کر اوپر جاتے ہیں اور اوپر سے ان کے ارزاق نیچے آتے ہیں یہ ایک تشبیہ کی صورت ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ " القسط " سے لوگوں کے رزق کا حصہ مراد ہے اس حصہ کو اللہ تعالیٰ گھٹا تا ہے اور پھر بڑھا تا ہے جس کے لئے جو چاہتا ہے وہی دیتا ہے اس کے ضمن میں دنیا کی قیمتوں کے گھٹانے بڑھانے کا مفہوم بھی آسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

" عمل اللیل قبل عمل النهار "یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانوں کے اعمال جو اوپر جاتے ہیں تو دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال بلند ہو کر چلے جاتے ہیں کیونکہ فرشتوں کی ڈیوٹی صبح وشام میں تبدیل ہوتی ہے تو وہی فرشتے ان اعمال کو پے در پے اوپر آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔

" سُبُحَاتُ وَجُهِهِ "یہ سبحة کی جمع ہے اس سے مراد وہ انوارات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے بمنزلہ پردوں کے ہیں۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ تمام اہل لغت اور شارحین حدیث " سبحات " کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے نور وجلال اور رونق وجمال سے کرتے ہیں اور حجاب سے مراد مانع ہے اس مانع کی تعبیر نور وانوار اور نار سے اس لئے کی گئی ہے کہ عادۃً اس کی شعائیں دیکھنے اور ادراک کرنے سے منع بن جاتی ہیں اور یہاں یہی مقصود ہے۔

" ماانتهیٰ الیه بصره "اس سے کوئی محدود دائرہ مراد نہیں ہے بلکہ ساری مخلوقات اور جمیع کائنات مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ پوری مخلوقات پر حاوی اور محیط ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات ظاہر ہو جائے اور تجلیات کے یہ مواقع دور ہو جائے تو ذات کا جلال ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دی گی۔ (کذا فی النووی)

" من خلقه "علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں " من "تبعیض کے لئے نہیں ہے بلکہ بیان کے لئے ہے اس سے بھی آپ پر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ محدود نہیں ہے کہ بعض مخلوق پر ہو اور بعض پر نہ ہو بلکہ نگاہ عام ہے اور محیط ہے اسی لئے امام مسلمؒ نے اگلی روایت میں فرمایا کہ ایک روایت میں " من خلقه " کا لفظ موجود بھی نہیں ہے۔ تا کہ محدود ہونے کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

۴۴۶ ـ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ مِنْ خَلْقِهِ وَقَالَ حِجَابُهُ النُّوْرُ ـ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔اس میں پانچ کے بجائے چار کلمات کا ذکر ہے اور اس میں حجاب اس کا نور ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔

۴۴۷ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْبَعٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ اَنْ يَنَامَ يَرْفَعُ الْقِسْطَ وَيَخْفِضُهُ وَيُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ النَّهَارِ بِاللَّيْلِ وَعَمَلُ اللَّيْلِ بِالنَّهَارِ ـ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور چار باتیں ارشاد فرمائیں۔(۱) اللہ عزوجل سوتے نہیں اور نہ ہی سونا ان کی شان کے لائق ہے (۲) میزان اعمال کو جھکاتے اور اونچا کرتے ہیں (۳) دن کے اعمال رات کو اس کے سامنے لائے جاتے ہیں (۴) اور رات کے اعمال دن کے اعمال کو اس کے سامنے لائے جاتے ہیں۔

نوٹ:

رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق ان ابواب مذکورہ احادیث کی تشریح اور تحریر میں نے عرب امارات کے سفر کے دوران دبئی میں حاجی نورالامین بن محمد امین صاحب کے ہاں قیام کے وقت لکھی یہاں ایک مدرسہ ہے جو ''انس بن مالک'' کے نام سے موسوم ہے۔اسی میں میرا قیام ہے دو دن بعد عمرہ پر جانا ہے۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل دبئی جمعہ ۲۸ شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۹ جولائی ۲۰۱۱ء

''باب ذکر المسیح'' سے لے کر یہاں تک میں اس پوری تحریر کی تصحیح اور اس پر نظر ثانی چار رمضان ۱۴۳۲ھ میں بیت اللہ کے سامنے صفا پہاڑی کی جڑ میں پتھروں کے پاس بیٹھ کر کر رہا ہوں۔ظہر کی میٹھی میٹھی اذان ہو رہی ہے۔اللھم ادخلنی الجنة بغیر حساب

باب اثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم

قیامت میں مسلمانوں کا اپنے رب کے دیدار کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۴۸ ـ **حَدَّثَنَا** نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَاَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ

عَبۡدِالصَّمَدِ وَاللَّفۡظُ لِاَبِیۡ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوۡعَبۡدِالصَّمَدِ حَدَّثَنَا اَبُوۡعِمۡرَانَ الۡجَوۡنِیُّ عَنۡ اَبِیۡ بَکۡرِ بۡنِ عَبۡدِاللّٰہِ بۡنِ قَیۡسٍ عَنۡ اَبِیۡہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَنَّتَانِ مِنۡ فِضَّةٍ آنِیَتُھَا وَمَافِیۡھَا وَجَنَّتَانِ مِنۡ ذَھَبٍ آنِیَتُھُمَا وَمَافِیۡھِمَا وَمَابَیۡنَ الۡقَوۡمِ وَبَیۡنَ اَنۡ یَّنۡظُرُوۡا اِلٰی رَبِّھِمۡ اِلَّا رِدَاءُ الۡکِبۡرِیَاءِ عَلٰی وَجۡھِہٖ فِیۡ جَنَّةِ عَدۡنٍ۔

حضرت عبداللہ بن قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشادفرمایا: دوجنتیں ایسی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دوسری تمام چیزیں سونے کی ہوں گی۔اوراہلِ جنت اورحق تعالیٰ کے درمیان جنت عدن میں سوائے ایک عظمت وبزرگی کی چادر کے کچھ حائل نہ ہوگا۔

"وبین ان ینظروا"

تشریح

دیدارِ الٰہی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وجوہ یومئذناضرۃ الی ربہاناظرۃ﴾

اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قیامت اورعالم آخرت میں مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدارکریں گے اور یہ نہ شرعاً محال ہے اور نہ عقلاً محال ہے لہٰذا بلاوجہ دیدارِالٰہی کا انکار مکابرہ اور مجادلہ ہے۔دوسری طرف اہل اہواء وخوارج ومعتزلہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنااوردنیا وآخرت میں اس کا دیدارمحال ہے لہٰذارؤیت باری تعالیٰ نہیں ہوگی۔

سوال

اگرکوئی یہ سوال کرے کہ جسمانی آنکھ کے لئے ضروری ہے کہ شئ مرئی جسم ہو،تاکہ اس پرنظر جم سکےاور یہ بھی ضروری ہے کہ اس شئ مرئی کے لئے جہت ہوتا،کہ آنکھیں اس کی طرف متوجہ ہوسکیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شئ مرئی کسی خاص مکان ومقام پرموجود ہو،تاکہ وہ نگاہوں کی گرفت میں آسکےاور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اورقدیمی صفت کی منافی ہیں لہٰذا دیدارِالٰہی ناممکن ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ قادرمطلق ذات ہےاس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں کہ وہ سرکی انہی موجودہ آنکھوں کی بصارت میں ایسی بصیرت پیدا کردے جس طرح بصیرت اس رب نے دل کے اندر پیدا کی ہے پھرآنکھوں کی اسی بصیرت کی بدولت یہ انسان جسمانی جسم کے بغیرنیز مکان اورجہت کے تعین کے بغیران آنکھوں سے کسی چیز کاادراک کرلےتواس میں استحالہ نہیں ہے۔

دلائل

معتزلہ اور خوارج عدم رؤیت باری تعالیٰ پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿لاتدرکہ الابصار﴾ ان کے نزدیک اس آیت کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے لہٰذا قیامت میں بھی دیدار نہیں ہوگا، معتزلہ و خوارج عقل کو بھی اپنے استدلال میں استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے جسم کا ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی حوادثات سے پاک ہے اس لئے ان کا دیکھنا محال ہے۔

اہل سنت والجماعت دیدارِ الٰہی کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی آیت ﴿وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ﴾ کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور مذکورہ باب کی کثیر احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں نیز دیدارِ الٰہی پر اجماع بھی منعقد ہے، اہل سنت قرآن کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ﴾ یعنی جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لئے حسنیٰ یعنی جنت بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی ہے، یہ زیادہ دیدارِ الٰہی تو ہے۔

اہل سنت اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون﴾ طرز استدلال اس طرح ہے کہ کفار کو دیدارِ الٰہی سے بطور سزا روکا جائے گا لہٰذا مؤمنین کو یہ سزا نہیں ہوگی بلکہ دیدار ہوگا۔ ایک بزرگ نے ایک معتزلی شخص سے کہا کہ سچ بتاؤ تمہیں دیدارِ الٰہی کی تمنا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ تمنا تو ہے بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو دیدار محال نہیں بلکہ ممکن ہوا کیونکہ محال کی تمنا نہیں ہوتی ہے بلکہ ممکن کی چاہت ہوتی ہے۔

جواب

معتزلہ خوارج اور مرجئہ اہل باطل نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں دیدار کی نفی کا تعلق دنیا سے ہے کہ دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ "لاتدرکہ الابصار" میں احاطہ کی نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نگاہ کا احاطہ نہیں ہوسکتا، دیکھنا اور چیز ہے اور احاطہ ادراک اور چیز ہے۔

تیسرا جواب

یہ کہ ﴿لاتدرکہ الابصار﴾ والی نفی کی آیت میں کئی احتمالات کی گنجائش ہے جبکہ دیدار کے اثبات والی آیت ﴿الی ربھا ناظرۃ﴾ صریح ہے اس میں احتمالات نہیں ہیں۔

چوتھا جواب

دراصل معتزلہ اور خوارج کی عقلی دلیل کا جواب ہے اگر چہ ان کی عقلی دلیل کا جواب اس سے پہلے شروع بحث میں دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے رؤیت کے لئے اگر جسامت ضروری ہے تو شاید یہ دنیا کی بصارت کے لئے ہوگی آخرت کی بصارت میں نئی قوت آئے گی نیز رؤیت کے لئے جہت ضروری چیز نہیں ہے، ہر جہت سے بھی رؤیت ہوسکتی ہے جس طرح علم ہر جہت سے آتا ہے اس کے لئے کسی جہت کی ضرورت نہیں ہے جس طرح ہر طرف سے علم آتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی کو دیکھتا ہے تو اس کے لئے بھی جہت کا ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا یہ عقلی تصور صحیح نہیں ہے کہ دیدارِ الٰہی کے لئے جہت اور مکان کا ہونا ضروری ہے۔

دیدارِ الٰہی کی اقسام اور مقامات

پہلا دیدار حساب و کتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کا ایک عام دیدار ہوگا جو میدان محشر میں ہوگا اس میں تمام مخلوقات شامل ہوگی خواہ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم ہوں، نفی کا تعلق اس دیدار سے نہیں ہے پھر بھی دیدار نہیں ہوگا نفی کا تعلق میدان محشر کے بعد کے دیدار سے ہوسکتا ہے۔ دوسرا دیدار جنت میں ہوگا یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جو ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہوگا، اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے اسی طرح راجح قول یہ ہے کہ جنتی عورتیں بھی دیدارِ الٰہی میں شریک ہونگی اسی طرح راجح قول کے مطابق فرشتے اور جنات بھی جنت میں دیدارِ الٰہی سے لطف اندوز ہوں گے۔ دنیا میں دیدارِ الٰہی اگر چہ ممکن ہے مگر غیر واقع ہے جو شخص دنیا میں دیدارِ الٰہی کا دعویٰ کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیا تھا یا نہیں؟ تو اس میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے یہ ہے کہ دیدار نہیں ہوا تھا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کی یہ رائے ہے کہ دیدار ہوا تھا اور یہی راجح ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دیدار کی نفی اور اثبات دونوں منقول ہیں، علامہ طیبی رحمہ اللہ کے نزدیک توقف بہتر ہے۔ معراج سے متعلق احادیث میں اگر چہ دیدار کے اثبات اور نفی دونوں کا احتمال ہے مگر جمہور صحابہ اور جمہور علماء نے دیکھنے کو راجح قرار دیا ہے معراج کی روایات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انورات اور تجلیات مختلف ہیں بعض تجلیات ''قاهرة للبصر'' ہیں اور بعض ''غیر قاهرة للبصر'' ہیں تو جو تجلیات ''قاهرة للبصر'' ہیں ان کے ہوتے ہوئے تو آدمی دیدار کر ہی نہیں سکتا اور بعض تجلیات جو قاهرہ للبصر ہے نہیں ان کی موجودگی میں ایک طرح کا دیدار ہوسکتا ہے، معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مسئلہ کو بھی انہی تجلیات وانوارات تنوع اور اقسام کے اعتبار سے حل کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معراج میں دیدار کا جو انکار کیا ہے تو وہ ذات باری تعالیٰ کے دیدار اور انہی خاص تجلیات کا انکار

ہے جن کی طرف حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے "نــورانــی اراہ" وہ تو ایک تجلی ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں؟ ادھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس دیدار کا اثبات کیا ہے وہ الگ انوارات وتجلیات ہیں جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے "رئیت نورا" میں نے ایک خاص نور دیکھا تھا یہ مسئلہ ایک اور انداز سے معراج کے ابواب میں بھی لکھا گیا ہے۔

تجلیات وانوارات کی اس تقسیم کی طرف آئندہ حدیث میں واضح اشارہ کیا گیا ہے جو کافی شافی ہے آخر میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آیا خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے لیکن یہ ایک تجلی اور تصور اور علمی مشاہدہ ہے جس سے آدمی تسلی حاصل کرسکتا ہے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا کہ کونسا عمل آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن، امام احمدؒ صاحب نے پوچھا کہ معانی اور مطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر؟ فرمایا: خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو۔

بہر حال یہ مسئلہ باب الرؤیا میں تفصیل سے آئے گا۔

۴۴۹۔ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَبْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَادَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا ؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ؟ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا اُعْطُوا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ ۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا کچھ اور مزید چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ: کیا آپ نے ہمارے چہروں کو سفید روشن نہیں کر دیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور جہنم سے نجات نہیں دے دی؟ فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ حجاب، کھول دیں گے پس انہیں رب العـالـمین جل وعلا کے دیدار اور اسے دیکھنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی جو انہیں دی گئی ہیں۔

۴۵۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُبْنُ هَارُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ وَزَادَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾(یونس: ۲۶)

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہیں۔ اتنا اضافہ ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ﴾ (نیکوکاروں کے لئے نیکی ہے اور مزید بھی) مزید سے مراد یہی دیدار حق ہے۔

باب معرفة طريق الرؤية

دیدارِ الٰہی کے طریقوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۵۱۔ **حَدَّثَنِیْ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ نَاسًا قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَايَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ؟ قَالُوْا لَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِی الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ ؟ قَالُوْا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ فَاِنَّكُمْ تَرَوْنَهٗ كَذٰلِكَ يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُالشَّمْسَ الشَّمْسَ وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُالطَّوَاغِيْتَ الطَّوَاغِيْتَ وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْاُمَّةُ فِيْهَامُنَافِقُوْهَا فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِیْ صُوْرَةٍ غَيْرِصُوْرَتِهِ الَّتِیْ يَعْرِفُوْنَ فَيَقُوْلُ اَنَارَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْكَ هٰذَا مَكَانُنَاحَتّٰى يَاْتِيَنَا رَبُّنَا فَاِذَاجَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ صُوْرَتِهِ الَّتِیْ يَعْرِفُوْنَ فَيَقُوْلُ اَنَارَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا فَيَتَّبِعُوْنَهٗ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَنَاوَاُمَّتِیْ اَوَّلَ مَنْ يُجِيْزُ وَلَايَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ ! سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِیْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَاَيْتُمُ السَّعْدَانَ ؟ قَالُوْا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ فَاِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَاَنَّهٗ لَايَعْلَمُ مَاقَدْرُ عِظَمِهَا اِلَّااللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمُ الْمُوْبَقُ يَعْنِیْ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمُ الْمُجَازٰى حَتّٰى يُنَجّٰى حَتّٰى اِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَاَرَادَ اَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ اَرَادَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ اَمَرَ الْمَلَائِكَةَ اَنْ يُخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا مِمَّنْ اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَرْحَمَهٗ مِمَّنْ يَقُوْلُ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ فَيَعْرِفُوْنَهُمْ فِی النَّارِ يَعْرِفُوْنَهُمْ بِاَثَرِ السُّجُوْدِ تَاْكُلُ النَّارُ مِنِ ابْنِ آدَمَ اِلَّا اَثَرَ السُّجُوْدِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَالسُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ وَقَدِ امْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ مِنْهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِیْ حَمِيْلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهٖ عَلَى النَّارِ وَهُوَآخِرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ ! اصْرِفْ وَجْهِیْ عَنِ النَّارِ فَاِنَّهٗ قَدْ قَشَبَنِیْ رِيْحُهَا وَاَحْرَقَنِیْ ذَكَاؤُهَا فَيَدْعُو اللّٰهَ مَاشَاءَ اَنْ يَدْعُوَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى هَلْ عَسَيْتَ اِنْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ ! فَيَقُوْلُ لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهٗ وَيُعْطِیْ رَبَّهٗ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ فَاِذَا اَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ

وَرَآهَا سَكَتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ اَىْ رَبِّ اَقْدِمْنِى اِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ لَاتَسْأَلُنِى غَيْرَالَّذِى اَعْطَيْتُكَ وَيْلَكَ يَاابْنَ آدَمَ ! مَااَغْدَرَكَ! فَيَقُولُ اَىْ رَبِّ ! وَيَدْعُو اللّٰهَ حَتّٰى يَقُولَ لَهُ فَهَلْ عَسَيْتَ اِنْ اَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَاوَعِزَّتِكَ فَيُعْطِى رَبَّهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ فَيُقَدِّمُهُ اِلَى بَابِ الْجَنَّةِ ـ فَاِذَاقَامَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَرَاٰى مَافِيهَا مِنَ الْخَيْرِ وَالسُّرُوْرِ فَيَسْكُتُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ اَىْ رَبِّ ! اَدْخِلْنِى الْجَنَّةَ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَهُ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ اَنْ لَاتَسْأَلَ غَيْرَ مَااُعْطِيتَ وَيْلَكَ يَاابْنَ آدَمَ ! مَااَغْدَرَكَ ! فَيَقُولُ اَىْ رَبِّ ! لَااَكُونَنَّ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَلَايَزَالُ يَدْعُو اللّٰهَ حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مِنْهُ فَاِذَا ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْهُ قَالَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِذَادَخَلَهَا قَالَ اللّٰهُ لَهُ تَمَنَّه فَيَسْأَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِنَّ اللّٰهَ لَيُذَكِّرُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِىُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ ـ قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ وَاَبُوسَعِيدٍ الْخُدْرِىُّ مَعَ اَبِى هُرَيْرَةَ لَايَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ شَيْئًا حَتّٰى اِذَاحَدَّثَ اَبُوهُرَيْرَةَ اِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ اَبُوسَعِيدٍ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ مَعَهُ يَااَبَاهُرَيْرَةَ ! قَالَ اَبُوهُرَيْرَةَ مَاحَفِظْتُ اِلَّاقَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ اَبُوسَعِيدٍ اَشْهَدُ اَنِّى حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ قَالَ اَبُوهُرَيْرَةَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُاَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم روزِ قیامت اپنے پروردگار کو دیکھ سکیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں کوئی زحمت اٹھانی پڑتی ہے چودھویں کے چاند دیکھنے میں؟ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں مطلع صاف ہونے کی صورت میں سورج کے دیکھنے میں زحمت ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب حق تعالیٰ کو دیکھو گے۔ حق تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے جائے۔ تو سورج کا پجاری، سورج کے اور چاند کا پجاری چاند کے اور شیاطین وطاغوت کا پجاری ان طواغیت کے پیچھے چل پڑے گا اور یہ امت محمدیہ مع منافقین کے باقی رہ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری صورت میں ان کے پاس آئیں گے اس صورت کے علاوہ جس کو وہ پہچانتے ہوں گے۔ اور کہیں گے میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے نعوذ باللہ منک، جب تک ہمارا رب آئے ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ جب ہمارا رب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی صورت میں آئیں گے جس کو وہ جانتے ہوں گے اور فرمائیں گے کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہاں! آپ ہمارے رب ہیں پھر وہ اس کے ساتھ ہو جائیں گے پھر پلِ صراط کو جہنم کے

اوپر رکھ دیا جائے گا تو میں اور میری امت سب سے پہلے اسے عبور کریں گے۔ اور اس روز کسی کو گفتگو کی اجازت نہ ہوگی سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ اور ان کا کلام اس دن یہ ہوگا ''اللھم سلم سلم '' اے اللہ! بچایئے، بچایئے۔'' اور جہنم میں آنکڑے ہیں سعدان کے کانٹوں کی طرح۔ کیا تم نے جھاڑی (سعدان) کو دیکھا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سعدان کے کانٹوں کی طرح ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنے بڑے ہوں گے۔ اور لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے جہنم میں اچک لیں گے پھر بعض تو ان سے ایسے ہوں گے جو اپنے اعمال کے سبب ہلاک ہو جائیں گے اور بعض ان میں وہ ہوں گے جنہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا یہاں تک کہ نجات مل جائے گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلوں سے فارغ ہو جائیں گے اور اپنی رحمت سے جسے چاہیں گے جہنم سے نکالنے کا ارادہ فرمائیں گے تو ملائکہ کو حکم دیں گے کہ جہنم سے ان لوگوں کو نکال دو جنہوں نے اس کے ساتھ ذرّہ بھر بھی شرک نہ کیا ہو۔ ان لوگوں میں سے جن پر اللہ رحمت کرنا چاہتا ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے والے ہیں ملائکہ ان کو آگ کے اندر پہچان لیں گے کیونکہ پیشانی پر سجدہ کے نشان ہوں گے آگ انسان کا پورا جسم کھا جائے گی سوائے سجدہ کے مقام کہ اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔ سجدہ کے نشان والے مقام کو کھانے سے چنانچہ وہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے تو جل بھسم ہوں گے، پھر ان پر آبِ حیات بہایا جائے گا اس کے نتیجہ میں ان کے جسم پھر ایسے اُگ آئیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کیچڑ میں اُگ جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلوں سے فارغ ہوں گے۔ ایک شخص جس کا جہنم کی طرف منہ ہوگا وہ اہل جنت میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا کہے گا کہ اے میرے رب! میرا چہرہ آگ سے پھیر دیجئے۔ کیونکہ آگ کی لپٹوں نے مجھے شدید اذیت وہلاکت میں ڈال دیا ہے اور اس کی گرمی اور شعلوں نے مجھے جھلسا دیا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مشیت کے مطابق دعا کرتا رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تو اس کے علاوہ تو کچھ نہ مانگے گا اگر میں یہ بات پوری کردوں؟ وہ اللہ عزوجل سے بڑے عہد معاہدے کرے گا جب تک اللہ چاہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ جہنم سے پھیر دیں گے۔ جب وہ جنت کی طرف رخ کرے گا اور اسے دیکھے گا تو خاموش رہ جائے گا جب تک اللہ کو منظور ہوگا، پھر کہے گا اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازہ تک پہنچا دیجئے۔ اللہ فرمائیں گے کیا تو نے بڑے وعدے اور معاہدے نہیں کئے تھے کہ جو میں تجھے دے چکا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا؟ برا ہو تیرا ابن آدم! تو کتنا دغاباز ہے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! اور دعا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر میں تجھے یہ بھی دے دوں تو اور سوال تو نہ کرے گا؟ وہ کہے گا آپ کی عزّت کی قسم! نہیں کروں گا۔ اور پھر اللہ کی مشیّت کے مطابق عہد معاہدے کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازہ تک لے جائیں گے۔ جب وہ جنت کے دروازہ کھڑا ہوگا ساری بہشت اس کے سامنے آجائے گی اور اس میں جو نعمتیں اور عیش

وسرور دیکھے گا تو جب تک خدا کو منظور ہوگا خاموش رہے گا پھر کہے گا اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل فرمادیجئے۔اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کیا تو نے مجھے بڑے عہد معاہدہ نہیں دیئے تھے کہ جو میں تجھے عطا کر چکا ہوں اس کے علاوہ سوال نہیں کرے گا؟ تیری بربادی ہو اے ابن آدم! تو کتنا دھوکہ باز ہے! وہ کہے گا اے میرے رب! میں آپ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بد بخت نہیں ہونا چاہتا۔اور مسلسل اللہ عزّ وجل سے دعا کرتا رہے گا۔یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ ہنسنے لگ جائیں گے اس سے،اور جب اللہ تعالیٰ کو ہنسی آئے گی تو فرمائیں گے اچھا جا جنت میں داخل ہو جا۔جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اب تمنائیں کرو اللہ رب العالمین سے مانگے گا اور تمنائیں کرے گا۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگ ۔پھر جب اس کی تمام تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہو کر ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ سب تیرے لئے ہے اور اسی کے مثل اور بھی اس کے ساتھ۔عطا بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موافق ہی تھے۔مگر جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے یہ سب تیرے لئے اور اس کے مثل اور بھی،تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا دس گنا اس کے مثل ملیں گے۔اے ابو ہریرہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تو سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یہ سب تیرے لئے اور اس کے مثل اور بھی اور یاد نہیں۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ قول یاد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب تیرے لئے ہے اور اس جیسی دس۔پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دخول جنت کے اعتبار سے سب سے آخری جنتی ہوگا۔

تشریح

''ھل تضارون'' کیا آفتاب عالمتاب جب آسمان پر روشن ہو تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دِقت ہوتی ہے؟ اگر نہیں تو اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی دِقت نہیں ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعم سے جواب نہیں دیا بلکہ ایک مشاہداتی مثال سے ایسا جواب دیا جو عام فہم بھی تھا اور حقیقت پر مبنی بھی تھا جو چیز جتنی بلندی پر ہوتی ہے اتنی ہی آسانی سے نظر آتی ہے آج تک کسی انسان نے کسی کو دھکا نہیں دیا ہوگا کہ پرے ہٹ میں سورج کو دیکھنا چاہتا ہوں یہی مثال چاند کی بھی ہے۔

''طواغیت'' طاغوت کی جمع ہے بت مراد ہیں۔

''فیأتیھم اللہ'' یہ لفظ متشابہات میں سے ہے متشابہات دو قسم پر ہیں ایک وہ ہیں جن کے معنی بھی سمجھ سے بالاتر ہیں اور معنی مراد سمجھنا بھی دشوار ہے جیسے حروف مقطعات ہیں،دوسرے وہ ہیں کہ معانی سمجھ میں آتے ہیں معانی مراد سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں زیر بحث حدیث میں یہی قسم مذکور ہے،جمہور کا عقیدہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہوگا مگر ساتھ کہا جائے گا مایلیق بشانہ۔

''کلالیب'' یہ کلوب کی جمع ہے لوہے کے مڑے ہوئے سلاخ جس کو آنکڑے کہتے ہیں باب شفاعت میں تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں تفصیل ہے انتظار کریں۔ ''الموبق'' یعنی اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔ ''المجازی'' یعنی گذر جائیں گے بچ جائیں گے۔ ان کے اعمال کا بدلہ چکا کر ان کو نجات مل جائے گی۔ ''امتحشوا'' احترقوا، کے معنی میں ہے یعنی کوئلہ کی طرح جلے ہوئے ہونگے ''الحبة'' بقلة الحمقاء اس دانہ کو کہتے ہیں تفصیلات باب الشفاعة آرہی ہیں۔

''قشبنی ای احرقنی'' یعنی آگ کے شعلوں نے مجھے جلا کر رکھ دیا ہلاک کر کے رکھا۔ ''ذکاء ھا'' آگ کے شعلے مراد ہیں۔

''ماأغدرك'' تم کتنے غدار ہو؟ دھوکہ باز ہو؟ ''اشقی خلقك'' یعنی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بد بخت میں نہ بنوں، یہ بہت عمدہ انداز ہے سوال کا۔ ''انفهقت له الجنة'' یعنی جنت کے بہار اور سبزہ زار کھل کر لہلہانے لگ جائے گا تو یہ شخص پھر سوال کریگا۔

٤٥٢۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِیُّ اَخْبَرَنَا اَبُوالْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ یَزِیْدَ اللَّیْثِیُّ اَنَّ اَبَاهُرَیْرَةَ اَخْبَرَهُمَا اَنَّ النَّاسَ قَالُوالِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ وَسَاقَ الْحَدِیْثُ بِمِثْلِ مَعْنٰی حَدِیْثِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ۔

اس سے پہلے روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگنی کے بجائے دس گنا فرمایا تھا۔ جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوگنی روایت کر رہے تھے۔ لیکن ممکن ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سہو ہوا ہو۔ جیسے کہ خود فرمایا مجھے تو دوگنا ہی یاد ہے بہر حال سابقہ سند کی طرح یہ روایت حضرت ابوھریرہ سے منقول ہے۔

٤٥٣۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَاحَدَّثَنَا اَبُوْهُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِیْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰی مَقْعَدِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اَنْ یَقُوْلَ لَهُ تَمَنَّ فَیَتَمَنّٰی وَیَتَمَنّٰی فَیَقُوْلُ لَهُ هَلْ تَمَنَّیْتَ ؟ فَیَقُوْلُ نَعَمْ ! فَیَقُوْلُ لَهُ فَاِنَّ ذٰلِكَ مَاتَمَنَّیْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ۔

ہمام بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں۔ پھر کئی حدیثیں ذکر کیں اور کہا کہ انہیں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو ادنیٰ ترین جنتی ہوگا اس سے کہا جائیگا کہ تمنا کر وہ تمنا کرے گا پھر اس سے کہا جائے گا تو تمنائیں کر چکا؟ وہ کہے گا ہاں! پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جو تو نے آرزو کی ہے تجھے وہ بھی مل گیا اور اس کے مثل اور بھی۔

٤٥٤۔ **حَدَّثَنِیْ** سُوَیْدُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ حَفْصُ بْنُ مَیْسَرَةَ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ

سَعِيدٍالْخُدْرِيِّ اَنَّ نَاسًا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ ـ قَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيرَةِ صَحْوًالَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ ؟ وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَالْبَدْرِصَحْوًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا لَايَارَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ مَاتُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا كَمَاتُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا اِذَاكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِيَتَّبِعَ كُلُّ اُمَّةٍ مَاكَانَتْ تَعْبُدُ فَلَايَبْقَى اَحَدٌكَانَ يَعْبُدُغَيْرَاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْصَابِ اِلَّايَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ حَتّٰى اِذَالَمْ يَبْقَ اِلَّامَنْ كَانَ يَعْبُدُاللّٰهَ مِنْ بَرٍّوَفَاجِرٍ وَغُبَّرِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَيُدْعَى الْيَهُودُ فَيُقَالُ لَهُمْ مَاكُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ؟ قَالُوا نَعْبُدُ عُزَيْرًا ابْنَ اللّٰهِ فَيُقَالُ كَذَبْتُمْ مَااتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَاوَلَدٍ فَمَاذَا تَبْغُونَ؟قَالُوا عَطِشْنَا يَارَبِّ فَاسْقِنَا فَيُشَارُاِلَيْهِمْ اَلَاتَرِدُونَ ؟ فَيُحْشَرُونَ اِلَى النَّارِكَاَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارٰى فَيُقَالُ لَهُمْ مَاكُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللّٰهِ فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَااتَّخَذَاللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَاوَلَدٍ فَيُقَالُ لَهُمْ مَاذَاتَبْغُونَ ؟ فَيَقُولُونَ عَطِشْنَا يَارَبَّنَا!فَاسْقِنَا قَالَ فَيُشَارُاِلَيْهِمْ اَلَاتَرِدُونَ؟ فَيُحْشَرُونَ اِلَى جَهَنَّمَ كَاَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ اِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُاللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ اَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِي اَدْنٰى صُورَةٍ مِّنَ الَّتِي رَاَوْهُ فِيهَا قَالَ فَمَاذَا تَنْتَظِرُونَ ؟ تَتْبَعُ كُلُّ اُمَّةٍ مَاكَانَتْ تَعْبُدُقَالُوا يَارَبَّنَا! فَارَقْنَاالنَّاسَ فِي الدُّنْيَا اَفْقَرَ مَاكُنَّا اِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ فَيَقُولُ اَنَارَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ نَعُوذُبِاللّٰهِ مِنْكَ لَانُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا حَتّٰى اَنَّ بَعْضَهُمْ لَيَكَادُ اَنْ يَّنْقَلِبَ فَيَقُولُ هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ فَتَعْرِفُونَهُ بِهَا ؟ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَايَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ اِلَّااَذِنَ اللّٰهُ لَهُ بِالسُّجُودِ وَلَايَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَرِيَاءً اِلَّاجَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهُ طَبَقَةً وَاحِدَةً كُلَّمَااَرَادَ اَنْ يَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰى قَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُونَ رُؤُوسَهُمْ وَقَدْتَحَوَّلَ فِي صُورَتِهِ الَّتِي رَاَوْ فِيهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ فَقَالَ اَنَارَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ اَنْتَ رَبُّنَا ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَقُولُونَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَاالْجِسْرُ؟ قَالَ دَحْضٌ مَزِلَّةٌ فِيهَا خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ وَحَسَكٌ تَكُونُ بِنَجْدٍ فِيهَاشُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُونَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَاَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَمَخْدُوشٌ مُرْسَلٌ وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى اِذَاخَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! فَمَا مِنْ اَحَدٍمِنْكُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةٍ لِلّٰهِ فِي اِسْتِيفَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ فِي النَّارِ يَقُولُونَ رَبَّنَا كَانُوا

يَصُومُونَ مَعَنَا وَيُصَلُّونَ وَيَحُجُّونَ فَيُقَالُ لَهُمْ اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا قَدْاَخَذَتِ النَّارُ اِلَى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَاِلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا! مَابَقِيَ فِيْهَا اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهِ فَيَقُوْلُ اِرْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا اَحَدًا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ ـ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا اَحَدًا ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا ـ وَكَانَ اَبُوْسَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ يَقُوْلُ اِنْ لَمْ تُصَدِّقُوْنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾(النساء: ٤٠) فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيَاةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَا تَرَوْنَهَا تَكُوْنُ اِلَى الْحَجَرِ اَوْ اِلَى الشَّجَرِ مَا يَكُوْنُ اِلَى الشَّمْسِ اُصَيْفِرُ وَاُخَيْضِرُ وَمَا يَكُوْنُ مِنْهَا اِلَى الظِّلِّ يَكُوْنُ اَبْيَضَ ـ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَاَنَّكَ كُنْتَ تَرْعٰى بِالْبَادِيَةِ قَالَ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ ثُمَّ يَقُوْلُ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَمَا رَاَيْتُمُوْهُ فَهُوَلَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا يَقُوْلُوْنَ يَارَبَّنَا ! اَيُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ رِضَايَ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ اَبَدًا ـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم روزِ قیامت اپنے رب کو دیکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور فرمایا: کیا تم کو دوپہر میں جب کہ آسمان کھلا ہوا اور بادل نہ ہوں سورج کے دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ اور کیا چودھویں رات کے چاند کو جب کہ آسمان ابرآلود نہ ہو دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! نہیں۔ فرمایا: تمہیں قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوگی مگر اتنی ہی جتنی چاند سورج میں سے کسی ایک کو دیکھنے میں ہوتی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کے پجاری خواہ بتوں کے پجاری ہوں یا شیطان کے، سب کے سب جہنم کی آگ میں جاگریں گے۔ یہاں تک کہ صرف اللہ کے عبادت گزار ہی باقی رہ جائیں گے خواہ نیک ہوں یا بد۔ اور چند بقیہ اہل کتاب رہ جائیں گے۔ پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم کس کی بندگی کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو عزیر ابن اللہ کی پرستش

کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔تم نے جھوٹ بولا۔اللہ تعالیٰ نے نہ تو بیوی کو اختیار کیا نہ ہی بیٹے کو پھراب تم کیا چاہتے ہو؟وہ کہیں گے اے ہمارے رب!ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کر دیجئے۔ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا کہ جاؤ پیتے کیوں نہیں؟ پھران سب کو جہنم کی آگ کی طرف جھونک دیا جائے گا اور وہ انہیں ایک سراب کی مانند لگے گی جس میں ایک کو دوسرا کھا رہا ہے پس وہ جہنم میں جا گریں گے۔پھراس کے بعد عیسائیوں کو بلایا جائے گا اوران سے کہا جائے گا تم کس کی بندگی کیا کرتے تھے؟وہ کہیں ہم حضرت مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ان سے کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے نہ تو بیوی کو اختیار فرمایا نہ ہی اولاد کو۔پھران سے کہا جائے گا کہ اچھا تم کیا چاہتے ہو؟وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا دیجئے۔انہیں اشارہ کیا جائے گا کہ وہاں جا کر پیتے کیوں نہیں؟ پھران سب کو جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا وہ انہیں سراب کی مانند لگے گی کہ اس میں ایک دوسرے کو کھا رہا ہے۔پھروہ سب جہنم میں جا گریں گے۔اورسوائے اللہ کی بندگی کرنے والوں کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔نیک ہوں یا بد۔ پھراللہ رب العالمین ان کے پاس آئیں گے ایسی صورت میں جوان کے لئے اس صورت کے مشابہہ نہ ہوگی جسے وہ دیکھ چکے تھے۔اللہ فرمائیں گے تم کس بات کے انتظار میں ہو؟ ہرگروہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے جا چکا ہے۔وہ کہیں گے اے ہمارے رب!ہم نے ان لوگوں سے دنیا میں علیحدگی رکھی جب کہ ہم ان کے بہت زیادہ محتاج تھے،اور نہ ہی ان کی صحبت ومجالست اختیار کی،وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں،تو وہ کہیں گے نعوذ باللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اللہ کی،ہم اللہ کے ساتھ ذرا بھی شرک نہیں کرتے،دو یا تین بار اس طرح کہیں گے،یہاں تک کہ ان میں سے بعض پھر جانے کے قریب ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعہ تم اسے پہچان لو،وہ کہیں گے ہاں،پھراللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے،چنانچہ دنیا میں جو شخص اپنے دل کی چاہت کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتا تھا ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا وہاں پر سجدہ کرنے سے۔اور دنیا میں جو کسی خوف سے یا ریا کاری کی نیت سے سجدہ کیا کرتا تھا ایسے لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو ایک سیدھا تختہ بنا دیں گے۔جب بھی وہ سجدہ کا ارادہ کرے گا تو وہ چاروں شانے چت گر پڑے گا۔پھر سب لوگ اپنے سر اوپر اٹھائیں گے تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی پہلی صورت میں آ چکے ہوں گے اور کہیں گے میں تمہارا رب ہوں۔وہ کہیں گے کہ جی!آپ ہمارے رب ہیں۔اس کے بعد ایک پُل جہنم کے اوپر رکھا جائے گا اور شفاعت شروع ہوگی۔اور وہ کہیں گے اے اللہ!بچائیے،بچائیے۔حضور علیہ السلام سے کہا گیا یا رسول اللہ!یہ پُل کیسا ہوگا؟ فرمایا وہ پھسلنے کا مقام ہوگا لغزش کا مقام ہوگا اس میں آنکڑے اور کانٹے ہوں گے جیسے نجد کی ایک جھاڑی میں کانٹے ہوتے ہیں اور اسے ''سعدان'' کہا جاتا ہے اس پر سے مؤمنین تو پلک جھپکتے میں اور بجلی کی سی تیزی سے اور ہوا کی تیزی کے مانند اور پرندہ کی پرواز کے مثل اور گھوڑوں کی تیز رفتاری کی طرح اور اونٹ کی سواری کی رفتار کی طرح گزر جائیں گے۔اور بعض تو بالکل صحیح سالم نجات پا جائیں گے جہنم سے اور بعض کچھ تکلیف وزحمت کے بعد پار کر جائیں گے اور بعض زخمی ہو کر جہنم کی آگ میں جا گریں گے یہاں تک کہ جب مؤمنین جہنم سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے

تو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اللہ سے اتنا پرزور اصرار نہیں کرے گا اپنے حق کے لئے بھی جتنا وہ مؤمنین اپنے ان بھائیوں کے لئے جو جہنم میں ہوں گے اللہ سے جھگڑا کریں گے۔ کہیں گے اے ہمارے رب! وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، حج کیا کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا کہ اچھا! جس کو تم جانتے ہو اسے جہنم سے نکال لو، پھر ان کی صورتیں جہنم پر حرام کردی جائیں گی۔ چنانچہ وہ بہت سی خلقت کو نکال لیں گے جہنم سے کہ ان میں سے بعض کو تو آگ نے نصف پنڈلی تک کھالیا ہوگا اور بعض کو گھٹنوں تک۔ پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔ پھر اللہ عزّ وجل فرمائیں گے جاؤ واپس اور جس کے قلب میں بھی تم ایک دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ پھر بہت سی مخلوق کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لوٹ جاؤ اور جس کے قلب میں نصف دینار کے برابر بھی خیر پاؤ اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ پھر بہت سی خلقت کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم فرمایا ہم نے ان میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لوٹ جاؤ اور جس کے قلب میں بھی تم ذرّہ بھر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لو۔ پھر بہت سے لوگوں کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اب تو اس جہنم میں ایمان والا چھوڑا ہی نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ اگر تم میری اس بات کو سچ نہ سمجھو تو اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ...... سے ...... عظیماً﴾ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرمائیں گے ذرہ بھر بھی اور اگر ایک ذرا سی نیکی ہوگی تو اسے دوگنا چوگنا کردے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ملائکہ نے سفارش کرلی، انبیاء علیہم السلام بھی شفاعت کر چکے اور مؤمنین بھی اب سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اللہ ایک مٹھی جہنم سے نکالیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اور جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایک نہر میں جو جنت کے دروازہ پر ہوگی ''نہر حیاۃ'' اس کا نام ہوگا ڈالدیں گے وہ نہر سے ایسے نکلیں گے جیسے دانہ نکلتا ہے سیلابی کیچڑ سے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کسی پتھر یا درخت کے پاس ہوتا ہے، جو سورج کے رخ پر ہو تو وہ زرد یا سبز اگتا ہے اور جو سائے میں ہو تو سفید لگتا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ایسا لگتا ہے کہ آپ جنگل وصحرا میں جانور چراتے رہے ہیں پھر وہ اس نہر سے موتیوں کی طرح روشن اور شاداب نکلیں گے ان کے گردنوں میں مہر ہوگی اہل جنت ان کو پہچانیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی عمل کے بغیر جنت میں اور کوئی نیکی کیے بغیر جنت میں داخل کیا ہے پھر ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جنت میں جو کچھ تم دیکھو وہ تمہارا ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! آپ نے تو ہمیں اتنی نعمت عطا کردی ہے کہ اتنی تو سارا جہان میں کسی کو عطا نہیں کی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ افضل نعمت ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری رضاء وخوشنودی پس آج کے بعد کبھی میں تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔

تشریح

"وغبراهل الکتاب" ای مابقی من اهل الکتاب ،یعنی اهل کتاب کے بچے کچھے لوگ رہ جائیں گے"الا تردون "یعنی اس پانی پر جاتے کیوں نہیں یہ لوگ پانی نما سراب کے پیچھے چلے جائیں گے تو آگے دوزخ میں گرجائیں گے اس سے یہود اہل کتاب مراد ہیں نصاریٰ بعد میں آئیں گے۔"کذبتم "یعنی تم جھوٹ بولتے ہو تم نے شیطان کو پوجا ہے یہ سارا چکر شیطان کا ہے اوپر سے عزیر وعیسیٰ علیہما السلام کی تصویر دکھادی اور اندر سے شیطان کام کررہا تھا آج پول کھل گیا۔

"مخدوش مرسل "زخمی ہوجائے گا مگر چھوٹ جائے گا"ومکدوس "یعنی ٹکڑے ہوکر دوزخ میں گرادیا جائے گا۔

"فی رقابهم الخواتم "گلوں میں ایک خاص قسم کے پٹے ہونگے گویا مہر لگی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں باب شفاعت میں تفصیلات ہیں امام مسلم نے مختلف ابواب میں محشر کی احادیث کو نقل کیا ہے جو ایک قسم تکرار ہے۔

میں نے باب شفاعت کی تحریر قلندر آباد میں پہلے لکھدی تھی اب کراچی میں واقعہ اسریٰ کے ابواب لکھ رہا ہوں پڑھنے والے کو سوچنا چاہئے۔

"اصیفرواحیضر "تعجب کے لئے تصغیر لائی گئی ہے اصفرو اخضر مراد ہے نرم ونازک کی طرف اشارہ ہے۔"دحض مزلة" یعنی پل صراط تو لغزش اور پھسلنے کی جگہ ہے۔

۴۵۵۔ قَالَ مُسْلِمٌ قَرَأْتُ عَلٰی عِیسَی بْنِ حَمَّادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِیِّ هٰذَاالْحَدِیْثَ فِی الشَّفَاعَةِ وَقُلْتُ لَهٗ اُحَدِّثُ بِهٰذَاالْحَدِیْثِ عَنْكَ اَنَّكَ سَمِعْتَ مِنَ اللَّیْثِ بْنِ سَعْدٍ ؟ فَقَالَ نَعَمْ قُلْتُ لِعِیسَی بْنِ حَمَّادٍ اَخْبَرَكُمُ اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ هِلَالٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ قَالَ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَنَرٰی رَبَّنَا ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ اِذَاكَانَ یَوْمٌ صَحْوٌ ؟ قُلْنَا لَاوَسُقْتُ الْحَدِیْثَ حَتّٰی اِنْقَضٰی آخِرُهٗ وَهُوَنَحْوَ حَدِیْثِ حَفْصِ بْنِ مَیْسَرَةَ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ بِغَیْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَاقَدَمٍ قَدَّمُوْهُ فَیُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَارَأَیْتُمْ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ ۔ قَالَ اَبُوْسَعِیْدِالْخُدْرِیُّ بَلَغَنِیْ اَنَّ الْجِسْرَاَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَاَحَدُّ مِنَ السَّیْفِ ۔وَلَیْسَ فِیْ حَدِیْثِ اللَّیْثِ فَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِیْنَ وَمَابَعْدَهٗ فَاَقَرَّبِهٖ عِیسَی بْنُ حَمَّادٍ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ سے روایت انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کے دیدار سے بہرہ ور ہوسکیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ایسے دن جب کہ مطلع صاف ہو سورج دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔آگے اخیر تک سابقہ حدیث کے مثل ہی بیان کیا اس اضافہ کے

ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر کسی عمل کے جنت دی اور بغیر کسی ایسے عمل کے جوانہوں نے آگے بھیجا ہو۔ان سے کہا جائے گا جو کچھ بھی تمہیں جنت میں نظر آرہا ہے تمہارا ہے اور اسی جیسا اور بھی۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔لیث کی روایت میں ''ان عتقاء اللہ ''(اللہ کے آزاد کردہ لوگوں) کا یہ قول نہیں ہے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا جو سارے جہانوں میں کسی کو عطا نہیں کیا۔

۴۵۶۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنِ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُبْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ بِاِسْنَادِ هِمَا نَحْوَحَدِيْثِ حَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ اِلَى آخِرِهِ وَقَدْزَادَ وَنَقَصَ شَيْئًا ۔

عمرو بن یحییٰ سے اسی سند کے ساتھ روایت منقول ہے اور اسمیں ہے کہ انہیں ایسی نہر میں ڈالا جائیگا جس کا نام حیاۃ ہوگا۔اور اس مین راوی نے شک نہیں کیا اور خالد کی روایت ہے جیسا کہ کوڑا کچرا بہاؤ کے ایک جانب آگ آتا ہے اور وہیب کی روایت میں ہے جیسے دانہ کالی مٹی جو بہاؤ میں ہوتی ہے اُگ آتا ہے یا اس مٹی میں جیسے پانی بہا کر لاتا ہے۔

باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار

شفاعت کا ثبوت اور دوزخ سے موحدین کے نکالنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۵۷۔ **وَحَدَّثَنِي** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدِ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُدْخِلُ اللّٰهُ اَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ بِرَحْمَتِهٖ وَيُدْخِلُ اَهْلَ النَّارِ النَّارَ ۔ ثُمَّ يَقُوْلُ اُنْظُرُوْا مَنْ وَّجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا حُمَمًا قَدِامْتَحَشُوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاةِ اَوِالْحَيَا فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ اِلَى جَانِبِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءُ مُلْتَوِيَّةً ؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنی مشیت سے جنت میں اہل جنت کو داخل کردیں گے اور جہنمیوں کو جہنم میں داخل کردیں گے تو فرمائیں گے دیکھو اور جس کے دل میں تم رائی کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال دو۔چنانچہ جہنم میں سے وہ لوگ نکلیں گے کہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔پھر وہ نہر حیاۃ یا نہر حیاء میں ڈال دیئے جائیں گے اس میں سے نکلنے کے بعد ایسے اگیں گے جیسے دانہ اگتا ہے سیلاب کے اطراف میں۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیسا زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔

تشریح

''مثقال حبة من خردل من ایمان'' مثقال مقدار کے معنی میں ہے اور حبة خردل رائی کے دانے کو کہتے ہیں رائی سرسوں کے تخم کو کہتے ہیں زیت خردل سرسوں کے تیل کو کہتے ہیں۔ ''حمما'' یہ حمۃ کی جمع ہے کوئلہ کو کہتے ہیں'' قدامتحشوا '' امتحاش جلنے کے معنی میں ہے''ای احترقوا'' یعنی جلے ہوئے کوئلے کی طرح ہونگے۔

''فی نهرالحیاة او الحیا '' یہاں شک کے طور پر روایت ہے اور یہ شک مالک کی روایت میں ہے امام بخاری نے اس کو شک کے بغیر ذکر کیا ہے اور لفظ حیاۃ اختیار کیا ہے حیات زندگی کے معنی میں ہے اور حیا بارش کو کہتے ہیں، مقامات حریری میں شعر ہے

اریٰ قربه قربی ومغناه غنیة ورؤیته ریا ومحیاه لی حیا

یہاں اس شعر میں حیا بارش کو کہا گیا ہے نہر حیاۃ ہو یا نہر حیا ہو ایک ہی چیز ہے دراصل قیامت میں عرش کے نیچے سے ایک بارش برس جائے گی اس سے مردے زندہ ہونگے یہ نہر اور حوض اسی پانی کا ہوگا جس میں جلے ہوئے دوزخی ڈال دیئے جائیں گے تو سب کے سب چمک کر نکل آئیں گے اس چمک اور تازگی کی تشبیہ اس پودے سے دی گئی ہے جو سیلاب کے بعد ایک دانہ سے اُگ کر پیدا ہوتا ہے اس دانہ کو''الحبة'' کہا گیا ہے اس کو بقلة الحمقاء بھی کہتے ہیں یعنی بیوقوف دانہ کیونکہ یہ پتھر لکڑی ہر چیز پر اُگ آتا ہے اور نہایت نرم و نازک اور خوبصورت تر و تازہ ہوتا ہے۔

''صفراء ملتویة'' صفرا پیلے رنگ کو کہتے ہیں اگر چہ یہ پودا تازہ تازہ پیلا بھی ہوتا ہے۔مگر ملا علی قاری نے اس کا ترجمہ ''خضراء'' یعنی سبز سے کیا ہے چونکہ یہ پودا نہایت نرم اور کمزور ہوتا ہے اس لئے اکثر مڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے ملتویة کا لفظ ساتھ لگایا گیا ہے اس کے ساتھ حمیلة السیل ،حمیل السیل اور جانب السیل، اور حمئة کا لفظ بھی لگایا گیا ہے سب اسی دانہ کی تفصیلات ہیں، اگلی روایت میں'' الغشاء ة'' کا لفظ ہے جو سیلاب کی خس و خاشاک کو کہتے ہیں روایات میں وہ اس طرح بھی ہے''تنبت الحبة فی غثاء السیل '' حمئة کیچڑ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ شفاعت کے ذریعہ سے دوزخ سے رہا شدہ لوگ اس طرح تر و تازہ اُٹھیں گے جس طرح یہ پودا ہوتا ہے البتہ اس میں ان لوگوں کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ ابتداء میں یہ پودا کمزور ہوتا ہے۔
بہر حال یہ لوگ اس نہر سے نکل کر جنت میں داخل ہونگے اس حدیث سے واضح طور پر شفاعت ثابت ہوگئی معتزلہ ویسے خرافات بکتے ہیں کہ شفاعت نہیں ہے مرجئہ پر بھی رد ہے شفاعت کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

شفاعت کی تعریف

شفاعت سفارش کو کہتے ہیں یہ ایک رتبہ ہے جو قیامت میں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام صحابہ کرام شہداء عظام علماء کرام حفاظ قرآن اور اولیاء کرام کو عطا فرمائے گا پھر فرشتوں کو شفاعت کا اعزاز ملے گا آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی سخاوت و رحمت کا ظہور فرمائیں گے

اور گناہ گار مسلمان دوزخ سے چھوٹ جائیں گے۔ احادیث میں شفاعت کی اصطلاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کی گئی ہے چنانچہ آپ کے ناموں میں سے ایک نام ''شفیع المذنبین'' ہے تو شفاعت کی اصل بحث آنحضرت سے متعلق ہے۔

شفاعت کی قسمیں

شفاعت کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے دوسری شفاعت صغریٰ ہے شفاعت کبریٰ کا تعلق عام انسانوں سے ہے وہ اس طرح ہے کہ قیامت کے میدان میں جب لوگ حساب وکتاب کے انتظار میں ہونگے تو سخت تکلیف میں مبتلا ہونگے لوگ آپس میں مشورہ کریں گے کہ اس تکلیف سے کیسے نکلیں گے چنانچہ یہ طے پائے گا کہ انبیاء کرام سے درخواست کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حساب وکتاب شروع فرمادے چنانچہ میدان محشر کے چُنے ہوئے لوگوں کا ایک جرگہ حضرت آدم علیہ السلام پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلا جائے گا یہ انبیاء شفاعت کرنے سے عذر فرمائیں گے پھر یہ جرگہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیگا آنحضرت فرمادیں گے کہ ہاں اس شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا ہے آنحضرت ''مقام محمود'' میں جاکر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوجائیں گے اور عجیب محامد سے اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائیں گے پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے محمد! سر اٹھالو مانگ کیا مانگتے ہو''سل تعطہ واشفع تشفع''یعنی تجھے دیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے اللہ! میدان محشر میں لوگ پریشان ہیں آپ حساب کتاب شروع فرمائیں اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم جاؤ میں آتا ہوں اس طرح شفاعت کبریٰ کا مرحلہ مکمل ہوجائیگا اور حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آجائیں گے قرآن میں ہے ﴿ویحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية﴾ اس کے بعد آنحضرت اپنی امت کے لئے شفاعت کریں گے یہ شفاعت صغریٰ کا مرحلہ ہے جو شفاعت کبریٰ کے ساتھ ضمنی طور پر شروع ہوجائیگا احادیث میں دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہے مگر اس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہئے یہ دو الگ الگ شفاعتیں ہیں ایک کا تعلق عام انسانوں سے ہے اور دوسری کا تعلق خاص امت محمدیہ کے ساتھ ہے شفاعت صغریٰ جب شروع ہوجائے گی تو پھر تمام امتوں میں مذنبین کے لئے شفاعت کا عمل شروع ہوجائے گا۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی ساری قسمیں پانچ ہیں۔

۱۔ میدان محشر کے ہولناک مصائب سے نکالنے کے لئے شفاعت کبریٰ ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حساب کتاب کے بغیر ایک طبقہ کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ایک طبقہ حساب کتاب میں عذاب کا مستحق بن جائے گا لیکن شفاعت کے ذریعہ سے وہ عذاب سے بچ جائے گا۔

۴۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے بذریعہ شفاعت نکال لیا جائے گا۔

۵۔ پانچویں قسم ان جنتیوں کی شفاعت کا ہے جن کو ادنیٰ درجات سے اعلیٰ درجات کی طرف ترقی ہو جائے گی۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ابو طالب کے عذاب کی تخفیف بھی شفاعت کی ایک قسم ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی ایک قسم ان لوگوں کی شفاعت ہے جن کے گناہ اور ثواب برابر ہوں گے اور وہ اعراف میں ہوں گے اور آنحضرت ان کی شفاعت کر کے جنت میں داخل کرا دیں گے۔

گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت میں معتزلہ کا اختلاف

علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ گناہ گار مسلمان دوزخ میں چلے جانے کے بعد کسی شفاعت سے باہر نہیں نکلیں گے وہ مخلد فی النار ہیں۔

معتزلہ وخوارج نے قرآن کریم کی ایت ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ (سورت اسراء:۷۹) سے استدلال کیا ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کے ہاں گناہ گار مسلمانوں کے لئے شفاعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

زیر بحث احادیث میں ایت ﴿عسیٰ ان يبعثك ربك مقاما محمودا﴾ میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے، زیر بحث احادیث میں شفاعت کا بھرپور انداز سے بیان ہے یہ احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہیں لہٰذا شفاعت کا انکار گمراہی ہے اور اس کا اقرار ایمان وعقیدہ کا حصہ ہے۔

باقی معتزلہ نے جس ایت سے شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایت کفار کے بارے میں ہے کہ کافر کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایت میں شفاعت غالبہ کی نفی ہے کیونکہ کفار مکہ کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بنائے ہوئے معبود زبردستی ہماری شفاعت کریں گے کیونکہ اس میں کچھ اولیاء کی مورتیں ہیں کچھ انبیاء کی مورتیں ہیں کچھ فرشتے ہیں جو بنات اللہ ہیں ان کی بات اللہ تعالیٰ رد نہیں کر سکتا ہے ﴿ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى﴾ ﴿هؤلاء شفعاء نا عند الله﴾ اس قسم کی شفاعت غالبہ کی نفی مراد ہے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یا خالص کفار کا ذکر ہے اور یا خالص مؤمنین کا ذکر ہے تیسرا فریق جو فساق فجار مسلمانوں کا ہے اس کا ذکر عموماً احادیث میں ہے تو اس ایت کا تعلق عصاۃ المؤمنین سے نہیں ہے بلکہ کفار سے ہے، لہٰذا معتزلہ وخوارج کا استدلال باطل ہے۔ (فتح الملہم)

۴۵۸۔ **وحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ح وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرٍ يُقَالُ لَهُ الْحَيَاةُ وَلَمْ يَشُكَّا وَفِي حَدِيثِ خَالِدٍ كَمَا تَنْبُتُ الْغُثَاءَةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ وَفِي حَدِيثِ وُهَيْبٍ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِئَةٍ أَوْ حَمِيلَةِ السَّيْلِ۔

عمرو بن یحییٰ سے اسی سند کے ساتھ منقول ہے اور اس میں ہے کہ انہیں ایسی نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام حیاۃ ہوگا اور اس میں راوی نے شک نہیں کیا اور خالد کی روایت ہے جیسا کہ کوڑا کچرا بھاؤ کے ایک جانب آگ آتا ہے اور وہیب کی روایت میں ہے جیسے دانہ کالی مٹی میں جو بہاؤ میں ہوتی ہے آگ آتا ہے یا اس سے مٹی میں جیسے پانی بہا کر لاتا ہے۔

۴۵۹۔ **وحَدَّثَنِی** نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجُهْضَمِیُّ حَدَّثَنَا بِشْرٌ یَعْنِی ابْنَ الْمُفَضَّلِ عَنْ اَبِی مَسْلَمَةَ عَنْ اَبِی نَضْرَةَ عَنْ اَبِی سَعِیدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَهْلُ النَّارِ الَّذِینَ هُمْ اَهْلُهَا فَاِنَّهُمْ لَا یَمُوتُونَ فِیهَا وَلَا یَحْیَوْنَ وَلٰکِنْ نَاسٌ مِنْکُمْ اَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ اَوْ قَالَ بِخَطَایَاهُمْ فَاَمَاتَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِمَاتَةً حَتّٰی اِذَا کَانُوا فَحْمًا اُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ فَجِیءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ فَبُثُّوا عَلٰی اَنْهَارِ الْجَنَّةِ ثُمَّ قِیلَ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ ! اَفِیضُوا عَلَیْهِمْ فَیَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَکُونُ فِی حَمِیلِ السَّیْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ کَاَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ کَانَ بِالْبَادِیَةِ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک اہل جہنم کا تعلق ہے جو اہل ہیں (کفار و مشرکین) وہ تو نہ اس میں مریں گے اور نہ جئیں گے (کہ زندگی موت سے بدتر ہوگی) لیکن کچھ لوگ تم میں سے (مسلمانوں میں سے) ایسے ہوں گے اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایک طرح کی موت دے دیں گے یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے اور جنت کی نہروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا پھر شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور یہ لوگ گروہ در گروہ لائے جائیں گے اور جنت کی نہروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ۔ (اس کے نتیجے میں) وہ اس طرح دوبارہ اگیں گے جیسے دانہ کیچڑ میں تیزی سے اگتا ہے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ آنحضرتؐ صحرانشینی کرتے رہے ہیں۔

تشریح

"فاماتهم الله اماتة" یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک قسم موت دیدیگا مطلب یہ ہے کہ کفار تو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو موت آئے گی اور نہ حیاۃ کی طرح حیاۃ ہوگی ﴿لا یموتون فیها ولا یحی﴾ لیکن جو گناہ گار مسلمان ہونگے ان کو عذاب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ موت دیدیگا وہ ایک زمانے تک دوزخ کی آگ میں مرے پڑے ہونگے اور کمزور حالت میں ہونگے دوزخ سے نکل کر نہر حیات میں نہا کر خوبصورت انداز سے جنت میں جائیں گے۔ "ضبائر ضبائر" یہ ضبارۃ کی جمع ہے منتشر جماعتوں کو کہتے ہیں ایک روایت میں ضبارات بھی ہے معنی ایک ہی ہے یعنی جماعات "فبثوا" نصر سے پھیلانے کے معنی میں ہے۔

"قد کان بالبادیة" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیلاب کے بعد دشت و بیان کی جو کیفیت بیان فرمائی اور خس و خاشاک میں پودے اُگنے کی جو کیفیت بیان کی تو ایسا لگ رہا تھا کہ آنحضرت بادیہ نشین ہیں کہ وہاں کے سارے احوال آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

۴۶۰۔ **وحَدَّثَنَاهُ** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِی مَسْلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ

اَبَانَضْرَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ اِلٰی قَوْلِهِ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ وَلَمْ یَذْکُرْ مَابَعْدَهُ۔

ابوسعید خدریؓ رسول اکرمؐ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اوراس میں یہیں تک ہے جیسے دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا اوراس کے بعد کا تذکرہ نہیں۔

باب آخر اهل النار خروجا

دوزخ میں سے سب سے آخر میں نکلنے والے لوگ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴٦١۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الْحَنْظَلِیُّ کِلَاهُمَاعَنْ جَرِیْرٍ قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَاجَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عُبَیْدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ آخِرَاَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا وَآخِرَاَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ رَجُلٌ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی لَهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَیَاْتِیْهَافَیُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ ! وَجَدْتُهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی لَهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَیَاْتِیْهَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ ! وَجَدْتُهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا اَوْ اِنَّ لَكَ عَشَرَةَ اَمْثَالِ الدُّنْیَا قَالَ فَیَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِیْ اَوْاَتَضْحَكُ بِیْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ ؟ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔ قَالَ فَکَانَ یُقَالُ ذَاكَ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں واقف ہوں اس بات سے کہ جہنم سے سب سے آخر میں کون نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، ایک شخص جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جا جنت میں داخل ہوجا۔ وہ جنت میں آئے گا تو اسے یہ خیال ہوگا کہ جنت تو بھر چکی ہے۔ چنانچہ وہ لوٹ جائے گا اور کہے گا اے رب! میں تو اس بھرا ہوا پاتا ہوں اللہ عزّ وجل فرمائیں گے جا، جا کر جنت میں داخل ہوجا، وہ پھر آئے گا تو دوبارہ اسے یہ خیال ہوگا کہ جنت تو اہل جنت سے لبریز ہے۔ وہ واپس لوٹے گا اور کہے گا اے رب! جنت تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جا جنت میں داخل ہوجا بیشک! تیرے لئے دنیا کے برابر دس جنتیں ہیں۔ وہ عرض کرے گا: آپ مجھ سے ہنسی مذاق اور ٹھٹا کرتے ہیں حالانکہ آپ تو بادشاہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھ کے دانت نظر آنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب سے

ادنیٰ درجے کا جنتی ہوگا مرتبہ کے اعتبار سے۔

تشریح

''حبــــواً'' یہ گھٹنوں کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔علامہ نووی نے یہاں اس باب کو باندھا ہے جس کی بالکل ضرورت نہیں تھی کیونکہ سابق باب کا مضمون اور احادیث ایک جیسی ہیں آنے والے باب کی بھی ضرورت نہیں تھی فتح الملہم میں یہ دونوں ابواب نہیں ہیں میں چونکہ نووی کے نسخے کا پابند ہوں اس لئے باب رکھنے میں مجبور ہوں۔(فضل محمد غفرلہ حال مقیم قلندر آباد ایبٹ آباد)۔

''یخیل ''یعنی ان کے خیال میں جنت ایسی نظر آئے گی گویا وہ بالکل بھری ہوئی ہے۔''اتسخربی او تضحك بی ''ان دو الفاظ میں راوی کو شک ہوگیا کہ کونسا لفظ ہے اس لئے دونوں کو نقل کیا اگر واقعۃً ''اتــضحك'' کا لفظ ہوتو وہ اتسـخــر کے معنی میں ہوگا کیونکہ ''سخریۃ'' اور مذاق اڑانے والا عادۃً ہنستا ہی ہے تو ضحك سے مجازاً ''سخریہ'' مراد ہے۔

سوال

اب سوال اور اعتراض یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک اور ''سـخـریہ'' کی نسبت کیسے کی یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں بڑی گستاخی ہے ؟

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اتسخر میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ تو رب العالمین بادشاہ علی الاطلاق ہو جو کچھ دس گنا دنیا آپ نے مجھے دی ہے یہ بالکل حق بات ہے اس میں کوئی مذاق نہیں ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہے کہ آپ نے میرے ساتھ جو اتنا بڑا احسان کیا ہے میں اس کا مستحق کہاں ہوں؟ یہ جواب ابوبکر صیرفی نے دیا ہے۔

دوسرا جواب

اس سوال کا دوسرا جواب قاضی عیاضؒ نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام اس شخص کی زبان سے نہایت خوشی کے نتیجہ میں بے اختیار نکلا ہے جب اس نے اتنے بڑے انعام کا سنا تو وہ زبان کو ضبط نہ کرسکا اور اس پر اس طرح کلمات جاری ہوگئے اس نے ان کلمات کا حقیقی مراد نہیں لیا اس کی مثال اسی طرح ہے کہ جب ایک مایوس شخص کو جنگل میں سامان کے ساتھ اس کی گمشدہ اونٹنی سر پر کھڑی مل گئی تو اس نے خوشی میں بے اختیار کہا ''اللھم انت عبدی و انا ربك''۔ (فتح الملہم)

قاضی عیاض کا یہ جواب بہت اچھا اور عام فہم ہے ''فجزاہ اللہ خیراً''۔

''بدت نواجذہ ''نواجذ ناجذ کی جمع ہے اس سے کناروں کے دانت مراد ہیں ممکن ہے کہ انیاب ہوں یا ضواحک ہوں یا اضراس ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آنحضرت نے تبسم سے زیادہ ہنسی کو بھی اختیار کیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے جو فرمایا کہ

آنحضرت تبسم ہی فرماتے تھے وہ آنحضرت کی عام عادت تھی گاہ گاہ زیادہ بھی ہنسے ہیں جس نے دیکھنے والوں کو کتنا محظوظ کیا ہوگا ۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخ گلاب پر غنچہ　　　جو بات بھی نہ کرے با کمال لگتا ہے

۴۶۲ ـ وَحَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ آخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنَ النَّارِ رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْاَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِیْ كُنْتَ فِيْهِ ؟ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ لَكَ الَّذِیْ تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةُ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِیْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ ؟ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں جہنم سے سب سے آخر میں نکالے جانے والے کو جانتا ہوں۔ وہ شخص پیٹھ کے بل جہنم سے نکلے گا، اس سے کہا جائے گا چل اور جنت میں داخل ہو جا۔ وہ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے جنت میں سب جگہیں لے لیں ہیں پھر اس سے کہا جائے گا کیا تجھے وہ زمانہ یاد ہے جس میں تو تھا وہ کہے گا جی ہاں! پھر فرمایا جائے گا تمنا کر، وہ تمنا کرے گا، پھر اس سے کہا جائے گا جو تو نے تمنائیں کی ہیں سب تیرے لئے ہیں۔ اور اس سے دس گناہ زیادہ ہیں۔ وہ کہے گا کہ آپ بادشاہ ہو کر مجھ سے ہنسی مذاق فرماتے ہیں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔

۴۶۳ ـ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ يَمْشِیْ مَرَّةً وَيَكْبُوْمَرَّةً وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً فَاِذَا مَاجَاوَزَهَا الْتَفَتَ اِلَيْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰهُ شَيْئًا مَااَعْطَاهُ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ ! اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَاابْنَ آدَمَ ! لَعَلِّیْ اِنْ اَعْطَيْتُكَهَا سَاَلْتَنِیْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَايَارَبِّ ! وَيُعَاهِدُهُ اَنْ لَّايَسْاَلَهُ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَالَاصَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ! اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ ! اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا وَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ

! اَلَمْ تُعَاهِدْنِي اَنْ لَاتَسْاَلَنِيْ غَيْرَهَا؟ فَيَقُوْلُ لَعَلِّيْ اِنْ اَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْاَلُنِيْ غَيْرَهَا ؟ فَيُعَاهِدُهُ اَنْ لَّا يَسْاَلَهُ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَالَاصَبْرَلَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِيَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَيَيْنِ ، فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ ! اَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ لِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ ! اَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ اَنْ لَّاتَسْاَلَنِيْ غَيْرَهَا ؟ قَالَ بَلٰى يَارَبِّ! هٰذِهِ لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَالَاصَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَاِذَااَدْنَاهُ مِنْهَا فَيَسْمَعُ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ ! اَدْخِلْنِيْهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ!مَايَصْرِيْنِيْ مِنْكَ؟ اَيُرْضِيْكَ اَنْ اُعْطِيَكَ الدُّنْيَاوَمِثْلَهَا مَعَهَا ؟ قَالَ يَارَبِّ ! اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ـ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَلَاتَسْاَلُوْنِيْ مِمَّ اَضْحَكُ ؟ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ ؟ قَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ؟۔ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَااَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّيْ عَلٰى مَااَشَاءُ قَادِرٌ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے آخر میں جوداخل ہوگا وہ شخص کبھی پاؤں پر چلے گا اور کبھی اوندھے منہ کے بل گر پڑے گا اور جہنم کی آگ اسے جلاتی رہے گی۔ جب دوزخ کی حد سے باہر ہو جائے گا تو اس کی طرف منہ کر کے کہے گا بڑی مبارک ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے وہ کچھ عطا کر دیا ہے کہ اوّلین وآخرین میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر اس کے سامنے ایک درخت بلند کیا جائے گا وہ کہے گا اے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تا کہ میں اس کے سائے تلے آجاؤں اور اس کا پانی پیوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! اگر میں تیری یہ خواہش پوری کر دوں تو تو مجھ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! نہیں اور اللہ سے عہد کرے گا کہ اس کے علاوہ سوال نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کریں گے کیونکہ وہ درخت کے معاملہ میں اس کی بے صبری دیکھتے ہوں گے۔ چنانچہ اسے اس کے قریب کر دیا جائے گا۔ وہ اس کے سائے تلے رہے گا، اس کا پانی پیئے گا پھر ایک دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جائے گا جو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور اچھا ہوگا، وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تا کہ اس پانی پیوں اور اس کے سائے سے فائدہ اٹھاؤں اس کے علاوہ میں آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے عہد نہ کیا تھا کہ کوئی اور سوال نہ کرے گا؟ اگر میں تجھے اس کے قریب کر دوں گا تو تو پھر کچھ اور مانگے گا؟ وہ پھر عہد کرے گا کہ اسکے علاوہ کچھ اور نہ مانگے گا۔ اور اللہ رب العالمین اسکے معذرت قبول کریں گے کیونکہ اس کی بے صبری کو دیکھتے ہوں گے۔ لہٰذا اسے اس دوسرے درخت کے قریب کر دیں گے، وہ اس کے سائے تلے آرام کرے گا اور اسکا پانی پئے گا۔ پھر اس کے سامنے ایک

اور درخت جنت کے دروازہ کے بالکل قریب کیا جائیگا جو پہلے دونوں سے زیادہ حسین ہوگا۔ وہ کہے گا اے رب! مجھے اس کے قریب کردے تا کہ میں اس کے سائے تلے رہوں پانی پیئوں۔ اس کے بعد میں آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو نے مجھ سے عہد نہ کیا تھا کہ کچھ اور نہ مانگے گا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! بس یہ سوال اور پورا کردیجئے اس کے بعد کچھ اور نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی بے صبری کی وجہ سے اس کی معذرت قبول کر کے اسے تیسرے درخت سے قریب کردیں گے، جب وہ اس درخت کے قریب ہوگا تو اہل جنت کی آوازیں سنے گا، تو کہے گا اے میرے رب! مجھے اس میں داخل کردیجئے! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! تیرا بار بار مانگنا کب ختم ہوگا؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے دنیا دیدوں اور اس کے مثل ایک اور بھی وہ کہے گا اے میرے رب! آپ رب العالمین ہیں اور مجھ سے مذاق فرماتے ہیں؟ یہ کہہ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ کیا تم لوگ مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں ہنسا؟ لوگوں نے پوچھا کیوں ہنسے؟ فرمایا کہ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ آپ کیوں ہنسے یارسول اللہ! تو آپ صلی اللہ عیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کی وجہ سے کیونکہ جب اس نے کہا کہ آپ مجھ سے رب العالمین ہو کر مذاق فرماتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کررہا لیکن میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

تشریح

"ویکبو مرة" کبایکبو، منہ کے بل گرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کبھی سیدھا چل رہا ہے کبھی منہ کے بل گر رہا ہے، گرتا اٹھتا ہے "وتسفعه النار" یعنی کبھی دوزخ کی آگ اس کو تھپڑ مار کر جھلس دیتی ہے "جاوزها" یعنی دوزخ سے نکل کر پیچھے مڑ کر آگ کو خطاب کرتا ہے کہ جاخوار! تجھ سے میری جان چھوٹ گئی یہ کہہ کر پھر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

"فترفع له شجرة" یعنی جنت کے سامنے درخت نمودار ہوگا جس کو یہ شخص دیکھے گا تو سوال کریگا کہ اے اللہ مجھے اس کے سائے تک پہنچادو "ویعاهده" یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کو پکا وعدہ دیگا کہ کوئی اور سوال نہیں کروں گا "ویعذره ربه" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو وعدہ خلافی پر معذور سمجھے گا کیونکہ اس شخص کے سامنے ایسی نعمتیں ہونگی جس سے کوئی آدمی بلا مانگے صبر نہیں کرسکے گا۔

"یارب هذه" یعنی یہ آخری سوال ہے میرے رب! اس کے بعد کوئی سوال نہیں کرونگا۔

"مایصرینی" یہ صیغہ صریٰ یصری صریاً ضرب سے مضارع کا صیغہ ہے اس کا معنی چھڑانا تکلیف رفع کرنا اور کسی چیز کو کسی سے کاٹ کر رکھنا ہے اس صیغہ کے دیگر معانی بھی آتے ہیں اور دیگر ابواب سے بھی یہ صیغہ آتا ہے میں نے جو ترجمہ اختیار کیا ہے اس کے لئے "عن" کا صلہ آتا ہے یعنی "مایصرینی عنك" تیری تکلیف سے مجھے کون چھڑائے گا۔

فتح الملہم میں اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے "ای شیء یرضیك ویقطع السوال بینی وبینك"۔

''من ضحك رب العالمين'' ایسے الفاظ متشابہات میں سے ہیں جس کا مطلب ''مایلیق بشانہ'' سے بیان کیا جاتا ہے مراد اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے ''زحفاً'' رینگنے اور سُرین کے بل چلنے کو کہتے ہیں یہ تمام روایات معتزلہ اور ان کے غلط عقیدہ پر واضح رد کرتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں ان روایات میں مرجئہ پر بھی واضح رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معاصی کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اگر نقصان نہیں ہوتا تو یہ لوگ دوزخ میں کیوں ڈالے گئے اور پھر شفاعت سے کیوں نکالے گئے۔

باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها

سب سے ادنیٰ جنتی کا مقام

اس باب میں امام مسلم نے تیئس احادیث کو بیان کیا ہے۔

٤٦٤ ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِىْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُبْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِىْ صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ اَبِىْ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِالْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً رَجُلٌ صَرَفَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ قِبَلَ الْجَنَّةِ وَمَثَّلَ لَهُ شَجَرَةً ذَاتَ ظِلٍّ فَقَالَ اَىْ رَبِّ ! قَدِّمْنِىْ اِلٰى هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اَكُوْنُ فِىْ ظِلِّهَا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ ! مَايَصْرِيْنِىْ مِنْكَ؟ اِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ وَزَادَ فِيْهِ وَيُذَكِّرُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى سَلْ كَذَاوَكَذَا فَاِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِىُّ قَالَ اللّٰهُ هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ قَالَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَتَقُوْلَانِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَاكَ لَنَا وَاَحْيَانَا لَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ مَااُعْطِىَ اَحَدٌ مِثْلَ مَااُعْطِيْتُ ـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں رتبہ کے اعتبار سے سب سے ادنیٰ جنتی وہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پہلے اس کا چہرہ جہنم سے جنت کی طرف پھیر دیں گے اور اسے ایک درخت سایہ دار دکھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تاکہ میں اس کے سائے میں آجاؤں۔ آگے سابقہ حدیث کے مانند ذکر فرمایا۔ اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگ، جب اس کی تمام آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ عزوجل فرمائیں گے کہ یہ سب تیرے لئے ہیں اور دس گناہ اس کے مثل اور بھی ہیں۔ پھر وہ جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو حورعین میں سے اس کی دونوں بیویاں اس کے پاس آئیں گی اور کہیں گی کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے تجھے ہمارے واسطے اور ہمیں تیرے لئے زندہ فرمایا وہ کہے گا کسی کو اتنا کچھ نہیں دیا گیا جتنا مجھے دیا گیا۔

تشریح

''احیاك لنا'' اس لفظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ کیا گیا بلکہ مطلب مطلق پیدا کرنا اور زندہ رکھنا ہے حور عین جنت کی عورتیں ہیں کہتے ہیں کہ دنیا کی مؤمن عورتوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں حوروں کا مقام عطا کریگا تو ہر جنتی کو ان سے دو حوریں ملیں گی۔اس روایت میں ''مایصرینی منك'' کا لفظ نہیں ہے امام مسلم کا انداز بھی بتا رہا ہے کہ یہاں باب باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی فتح الملہم میں بھی باب اثبات الشفاعۃ کے بعد آخر تک کوئی باب نہیں مگر میں نووی کی ترتیب سے مجبور ہوں۔

٤٦٥۔ **حدَّثنا** سَعِیدُ بنُ عَمرٍو الاَشعَثِیُّ حدَّثنا سُفیَانُ بنُ عُیَینَةَ عَن مُطَرِّفٍ وَابنِ اَبجَرَ عَنِ الشَّعبِیِّ قَالَ سَمِعتُ الـمُغِیرَةَ بنَ شُعبَةَ رِوَایَةً اِن شَاءَ اللّٰهُ ح:وحدَّثنا ابنُ اَبِی عُمَرَ حدَّثنا سُفیانُ حدَّثنا مُطَرِّفُ بنُ طَرِیفٍ وَعَبدُ المَلِكِ بنِ سَعِیدٍ سَمِعَا الشَّعبِیَّ یُخبِرُ عَنِ المُغِیرَةِ بنِ شُعبَةَ قَالَ سَمِعتُهُ عَلَی المِنبَرِ یَرفَعُهُ اِلَی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ ح:وحدَّثنی بِشرُ بنُ الحَکَمِ وَاللَّفظُ لَهُ حدَّثنا سُفیَانُ بنُ عُیَینَةَ حدَّثنا مُطَرِّفٌ وَابنُ اَبجَرَ سَمِعَا الشَّعبِیَّ یَقُولُ سَمِعتُ المُغِیرَةَ بنَ شُعبَةَ یُخبِرُ بِهِ النَّاسَ عَلَی المِنبَرِ قَالَ سُفیَانُ رَفَعَهُ اَحَدُهُمَا اُرَاهُ ابنَ اَبجَرَ قَالَ سَاَلَ مُوسٰی عَلَیهِ السَّلَامُ رَبَّهُ مَا اَدنٰی اَهلِ الجَنَّةِ مَنزِلَةً ؟ قَالَ هُوَ رَجُلٌ یَجِیءُ بَعدَ مَا اُدخِلَ اَهلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ فَیُقَالُ لَهُ ادخُلِ الجَنَّةَ فَیَقُولُ اَی رَبِّ ! کَیفَ ؟ وَقَد نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُم وَاَخَذُوا اَخَذَاتِهِم ؟ فَیُقَالُ لَهُ اَتَرضٰی اَن یَّکُونَ لَكَ مِثلُ مُلكِ مَلِكٍ مِن مُلُوكِ الدُّنیَا ؟ فَیَقُولُ رَضِیتُ رَبِّ ! فَیَقُولُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثلُهُ وَمِثلُهُ وَمِثلُهُ وَمِثلُهُ فَقَالَ فِی الخَامِسَةِ رَضِیتُ رَبِّ ! فَیَقُولُ هٰذَا لَكَ وَعَشرَةُ اَمثَالِهِ وَلَكَ مَا اشتَهَت نَفسُكَ وَلَذَّت عَینُكَ فَیَقُولُ رَضِیتُ رَبِّ ! قَالَ رَبِّ ! فَاَعلَاهُم مَنزِلَةً ؟ قَالَ اُولٰئِكَ الَّذِینَ اَرَدتُ غَرَستُ کَرَامَتَهُم بِیَدِی وَخَتَمتُ عَلَیهَا فَلَم تَرَ عَینٌ وَلَم تَسمَع اُذُنٌ وَلَم یَخطُر عَلٰی قَلبِ بَشَرٍ قَالَ وَمِصدَاقُهُ فِی کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَّا اُخفِیَ لَهُم مِن قُرَّةِ اَعیُنٍ﴾۔(السجدة : ۱۳)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے پوچھا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ رتبہ والا جنتی کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص تمام اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد آئیگا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہوجا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے داخل ہوں، لوگ تو سب اپنی اپنی جگہوں پر فروکش ہو چکے ہیں اور سب نے اپنی اپنی جگہیں بنالی ہیں اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے برابر سلطنت دے دی جائے؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیرے لئے اتنا ہی ہے جتنا دنیا کے کسی بادشاہ کی سلطنت۔ اور اس کے ایک گنا زیادہ، دو گنا زیادہ، تین گنا زیادہ، پانچویں میں وہ کہے گا اے رب

میں خوش ہوں اس پر، تو فرمائیں گے اللہ تعالیٰ تیرے لئے دس گنا ہیں اور جو تو خواہش کرے وہ پوری ہے اور جو تجھے دیکھنے میں اچھا لگے وہ بھی تیرے لئے ہے۔ وہ کہے گا اے میرے رب میں راضی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو اعلیٰ درجہ کے جنتی کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں میں نے خود منتخب کیا، ان کے اعزاز واکرام کی چیزوں کو میں نے اپنے ہاتھ سے جمایا اور ان پر مہر لگائی پس کسی آنکھ نے ان کی نعمتوں کو دیکھا نہیں، کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا نہیں اور نہ ہی کسی بشر کے قلب میں اس کا خیال آیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مصداق اللہ کی کتاب میں یہ آیت ہے ﴿فلا تعلم نفس...... ﴾ (سورۃ الم سجدہ)

تشریح

''سأل موسیٰ ربه'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سب سے کم تر جنتی کون آدمی ہے؟

''اخذاتهم'' اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ سب لوگوں نے اپنا اپنا مرتبہ اور کرامت وشرافت اور درجہ حاصل کر لیا اب میرے لئے کیا رہ گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ اور اپنا اپنا مقام پکڑ لیا ہے اب میرے لئے جگہ کہاں ہے؟ آنے والی روایت میں اَخَسّ کا لفظ آیا ہے وہ بھی ادنی اور کم تر کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا پہلا حصہ ہے جو ادنی جنتی کے بارے میں ہے۔

''قال رب فاعلاهم منزلة'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا یہ دوسرا حصہ ہے جو اعلیٰ درجہ کے مؤمن کے بارے میں ہے۔

''اردت'' یہ اخترت اور اصطفیت کے معنی میں ہے یعنی ان لوگوں کو میں نے پسند کیا اور چن لیا ہے۔

''غرست'' کاشت کرنے اور غلہ بونے اور پودا لگانے کو غرس کہتے ہیں یہاں ''غرستُ'' کنایہ ہے کہ ان لوگوں کی عزت وکرامت اور قبولیت میں کوئی تغیر نہیں آئیگا ان کو میں نے ہمیشہ کے لئے منتخب کیا ہے اور اس اعزاز واکرام پر اپنی مہر ثبت کردی۔

''ختمت علیها'' اسی مہر کی تفصیل وتصدیق ہے آگے تفصیل میں فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جو نہ کسی نے سنی ہیں نہ دیکھی ہیں اور نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گذرا ہے تصدیق کے لئے قرآن کی ایت موجود ہے۔

زیر بحث حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ثقات راویوں کا اختلاف ہے اور مرفوع وموقوف میں جب ثقات کا اختلاف آجاتا ہے تو اصول حدیث کے مطابق وہ حدیث مرفوع شمار ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث مرفوع ہے۔

٤٦٦ ـ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ اَبْجَرَ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ اَنَّ مُوْسٰى سَاَلَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَنْ اَخَسِّ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْهَا حَظًّا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِهٖ ـ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے۔ وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیان

کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا سب سے کم مرتبہ کا جنتی کون ہے؟۔

۴۶۷۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ نُمَيرٍحَدَّثَنِی اَبِی حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ ابْنِ سُوَيْدٍ عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّی لَاَعْلَمُ آخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَآخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا رَجُلٌ يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَاوَ كَذَاو كَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ ! قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا هٰهُنَا فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں آخری جنتی کو اور سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے والے کو جانتا ہوں۔ ایک شخص قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کرو۔ کبیرہ گناہوں کو رہنے دو۔ چنانچہ اس کے صغائر اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن یہ کام کیا اور فلاں فلاں روز یہ کام کیا وہ کہے گا ہاں! انکار کی مجال نہ ہوگی۔ اور کبیرہ گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ وہ بھی پیش کئے جائیں گے۔ اس سے کہا جائے گا تیرے لئے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے۔ تو وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تو اور بھی گناہ کئے تھے یہاں میں انہیں نہیں دیکھ رہا، ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت نظر آئے۔

تشریح

''وارفعوا عنه كبارها'' یعنی اس شخص کے چھوٹے چھوٹے گناہ ان کے سامنے رکھ کر گن لو اور بڑے بڑے گناہوں کو چھپالو۔

''اشياء لااراها'' یعنی جب اس شخص نے دیکھا کہ ہر چھوٹے گناہ کے بدلے ایک ثواب ملتا ہے تو وہ سوچنے لگتا ہے کہ جب چھوٹے گناہ پر ثواب ملتا ہے تو بڑے گناہ پر بڑا ثواب ملے گا تو اس نے بڑے گناہوں کے حاضر کرنے کے لئے کہا کہ وہ بھی حاضر کیا جائے تاکہ میرے ثواب میں اضافہ ہوجائے یہ انسان کے تَلَوُّنُ حَالِی اور بوقلمون طبعیت کا ایک عجیب نظارہ ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خوب ہنسے ہیں کہ کہاں اس شخص کا ڈرنا کہ گناہ کا پتہ نہ چلے اور کہاں یہ مطالبہ کرنا کہ گناہ لائے جائیں۔

۴۶۸۔ **وَحَدَّثَنَا** اِبْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ ح:وَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح:وَ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ ۔

اس سند کے ساتھ بھی اعمش کی یہ روایت منقول ہے۔

٤٦٩ - **حَدَّثَنِي** عُبَيْدُاللهِ بْنُ سَعِيدٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ كِلَاهُمَا عَنْ رَوْحٍ قَالَ عُبَيْدُاللهِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ الْقَيْسِيِّ حَدَّثَنَاابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوالزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِاللهِ يَسْاَلُ عَنِ الْوُرُوْدِ ؟ فَقَالَ نَجِيْءُ نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كَذَا وَكَذَا اُنْظُرْ اَيَّ ذٰلِكَ فَوْقَ النَّاسِ قَالَ فَتُدْعَى الْاُمَمُ بِاَوْثَانِهَا وَمَاكَانَتْ تَعْبُدُ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ ثُمَّ يَاْتِيْنَا رَبُّنَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ مَنْ تَنْظُرُوْنَ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ نَنْظُرُ رَبَّنَا فَيَقُوْلُ اَنَارَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ حَتّٰى نَنْظُرَ اِلَيْكَ فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ يَضْحَكُ قَالَ فَيَنْطَلِقُ بِهِمْ وَيَتَّبِعُوْنَهُ وَيُعْطٰى كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ مُنَافِقٍ اَوْ مُؤْمِنٍ نُوْرًا ثُمَّ يَتَّبِعُوْنَهُ وَعَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ تَاْخُذُ مَنْ شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُطْفَأُ نُوْرُ الْمُنَافِقِيْنَ ثُمَّ يَنْجُوالْمُؤْمِنِيْنَ فَتَنْجُوْاَوَّلُ زُمْرَةٍ وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِسَبْعُوْنَ اَلْفًا لَايُحَاسَبُوْنَ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَضْوَءِ نَجْمٍ فِي السَّمَاءِ ثُمَّ كَذٰلِكَ ثُمَّ تَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَشْفَعُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنَ النَّارِمَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ شَعِيْرَةً فَيُجْعَلُوْنَ بِفِنَاءِ الْجَنَّةِ وَيَجْعَلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ يَرُشُّوْنَ عَلَيْهِمُ الْمَاءَ حَتّٰى يَنْبُتُوْا نَبَاتَ الشَّيْءِ فِي السَّيْلِ وَيَذْهَبُ حُرَاقُهُ ثُمَّ يَسْاَلُ حَتّٰى تُجْعَلَ لَهُ الدُّنْيَا وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهَا مَعَهَا ۔

ابوالزبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کوسنا، ان سے پوچھا گیا قیامت کے روز لوگوں کے آنے کے حال کے بارے میں۔انہوں نے فرمایا کہ ہم آئیں گے قیامت کے روز اس طرح۔(دیکھو) لوگوں سے اوپر ہم آئیں گے۔پھر ساری امتوں کو بلایا جائے گا ان کے معبودوں اور بتوں کے ساتھ جن کی وہ پوجا کرتے تھے ایک ایک کرکے۔پھر ہمارا پروردگار آئے گا اس کے بعد اور فرمائے گا تم کس کو دیکھ رہے ہو؟ وہ کہیں ہم اپنے رب عزّ وجلّ کو دیکھ رہے ہیں؟ وہ فرمائے گا میں ہوں تمہارا رب، وہ کہیں گے کہ یہاں تک کہ ہم تجھے دیکھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے تجلّی فرمائے گا ضحک فرماتے ہوئے۔وہ اس کے ساتھ چلیں گے اور اس کی اتباع کریں گے اور ہر انسان کو خواہ منافق ہو یا مؤمن ایک نور دیا جائے گا وہ اس کے پیچھے چلیں گے۔جہنم کے اوپر جو پُل ہے اس میں آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اور اچک لیں گے جسے اللہ چاہے گا، منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مؤمنین کو نجات دی جائے گی۔چنانچہ مؤمنین کا پہلا گروہ نجات پائے گا۔ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح دمکتے ہوں گے وہ ستر ہزار ہوں گے ان کا حساب نہیں کیا جائے گا۔پھر ان کے بعد جو لوگ ہونگے ان کے چہرے آسمان کے تاروں کی طرح روشن چمکدار ہوں گے۔پھر ان کے بعد والوں کا یہی حال ہوگا اس کے بعد شفاعت کا سلسلہ شروع ہوگا اور مؤمنین سفارش کرینگے، یہاں تک کہ ہر وہ شخص جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے قلب میں جَو کے دانے کے برابر ایمان اور نیکی ہوگی اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔وہ جنت کے صحن میں جمع کئے جائیں گے اور اہل جنت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کریں گے یہاں

تک کہ وہ اس طرح جی اٹھیں گے جیسے! سیلاب میں کوئی چیز اگتی ہے اوران کی ساری جلن جاتی رہے گی۔ پھر وہ مانگیں گے اللہ تعالیٰ سے یہاں تک کہ انہیں دنیا اور اس کے مثل دس گنا عطا کر دی جائے گی۔

تشریح

''عن الورود'' ورود سے پل صراط پر چلنا مراد ہے مگر پل صراط چونکہ دوزخ پر ہے لہٰذا ہر آدمی گویا دوزخ میں داخل ہو کر پھر جنت کی طرف جائیگا اس سے قرآن کریم کی اس ایت کی طرف اشارہ ہے ﴿وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتماً مقضیاً﴾۔ (مریم:۷۱)

اللہ تعالیٰ اپنے اسی قسم کو پورا کرنے کے لئے تمام انسانوں کو دوزخ کے اوپر سے گذاریں گے یہی ورود فی النار ہے۔

''نجئ نحن یوم القیامة عن کذاو کذاانظر ای ذلك'' اس روایت میں تقدیم وتاخیر بھی ہے اور تغییر وتصحیف بھی ہے حذف واسقاط بھی ہے اور مزید یہ کہ یہ روایت حضرت جابر پر موقوف بھی ہے، تو سوال یہ ہے کہ امام مسلم نے کیسے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس کو نقل کیا ہے؟ نقل کرنے کا جواب تو یہ ہے کہ امام مسلم کی عادت ہے کہ وہ کبھی کبھی پہلے موقوف روایت کو نقل کرتے ہیں پھر بعد میں فوراً اسی روایت کو مرفوع نقل کرتے ہیں یہاں بھی اس موقوف روایت کے بعد فوراً اس کو مرفوع نقل کر دیا کہ حضرت جابر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا، یہ سوال تو ختم ہو گیا لیکن روایت کے الفاظ میں جو گڑبڑ ہے اس کو صحیح کرنے کے لئے یوں سمجھ لو کہ ''نجئ نحن یوم القیامة عن کذاو کذا'' جو الفاظ ہیں یہ اصل میں اس طرح ہیں کہ ''نجئ نحن یوم القیامة عن کوم فوق الناس'' یا الفاظ اس طرح ہیں ''یحشر الناس یوم القیامة علی تل وامتی علی تل'' اب یہاں دو لفظ ہیں ایک لفظ ''کوم'' ہے دوسرا لفظ ''تل'' ہے دونوں کا معنی ایک ہے ٹیلہ کو کہتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں راوی صحیح الفاظ کو بھول گئے مگر تنبیہ کر دی کہ ''انظر ای ذلك'' یعنی دیکھ لو ان دو الفاظ میں یہاں کونسا لفظ ہے میں بھول گیا ہوں یہ الفاظ جملہ معترضہ ہے جو فوق الناس اور علی تل کے درمیان واقع ہے صاف روایت اس طرح بنے گی جس کو امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے ''فیرقی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامته علی کوم فوق الناس''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اصل عبارت اس طرح ہے ''نجئ یوم القیامة علی کوم''۔ قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ کعب بن مالک کے طریق سند میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ ''یحشر الناس یوم القیامة علی تل وامتی علی تل'' ان تمام روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ہم اوپر ٹیلے سے آئیں گے لوگ نیچے ہونگے ہم اوپر سے نیچے آئیں گے فوق الناس کا یہی مطلب ہے اور حدیث کے بیان کرنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اوپر ہونگے لوگ نیچے ہونگے یہ اس امت کے اعزاز کی طرف اشارہ ہے راوی یا کاتب اصل الفاظ بھول گئے تو آخر میں فوق الناس کا لفظ لگا کر بات قارئین پر چھوڑ دی۔

''فیجلی لھم'' یعنی اپنے تجلی کیساتھ ظاہر ہو کر آجائیں گے یہ متشابہ الفاظ ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے ''مایلیق بشانه'' کیا جاتا ہے

مرادراضی ہونا ہے۔''جسر''پل صراط مراد ہے جیم پر کسرہ بھی ہے اور زبر بھی جائز ہے۔''کلالیب'' یہ کلوب کی جمع ہے کلوب لوہے کہ اس سیخ اور سلاخ کو کہتے ہیں جس کا سر مڑا ہوا ہو جس کے ذریعہ سے نان بائی تندور سے روٹی نکالتا ہے اس کو کنڈے بھی کہہ سکتے ہیں اردو میں اس کا ترجمہ آنکڑے سے کیا گیا ہے اس کو خمدار کانٹے بھی کہہ سکتے ہیں''باب رؤية الله''میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

''حسك''اس کو حسیکة او حسكة بھی کہتے ہیں اس کو شوك السعدان بھی کہتے ہیں سعدان ایک پودا ہے جس کو اونٹ بہت شوق سے کھاتے ہیں اس میں مضبوط کانٹے ہوتے ہیں جو چوسنی کی طرح گول ہوتے ہیں حسک سے یہی کانٹے مراد ہیں۔

''ويذهب حراقه''یعنی چہرہ کی جلن کا اثر دور ہو جائے گا۔

''دارات وجوههم''دارات جمع ہے اس کا مفرد دارة ہے یہ اس دائرہ کے معنی میں ہے جو پورے چہرہ پر محیط ہوتا ہے گویا چہرہ کی گولائی کو کہا جاتا ہے سجدہ لگانے کی جگہ مراد ہے یہ لفظ آنے والی روایت میں ہے دوزخ کی آگ سجدہ کی جگہ پر اثر نہیں کرتی ہے۔

٤٧٠ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا يَقُوْلُ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنَيْهِ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُخْرِجُ نَاسًا مِنَ النَّارِ فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ـ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بے شک اللہ عزوجل کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے اور انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔

٤٧١ـ **حَدَّثَنَا** اَبُو الرَّبِيْعِ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُخْرِجُ قَوْمًا مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ ؟ قَالَ نَعَمْ ـ

حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن دینار سے کہا کیا آپ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزّ وجل جہنم سے ایک جماعت کو شفاعت کی وجہ سے نکالیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں!۔

٤٧٢ـ **حَدَّثَنَا** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ سَلِيْمِ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَوْمًا يُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ يَحْتَرِقُوْنَ فِيْهَا اِلَّادَارَاتِ وُجُوْهِهِمْ حَتّٰى يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ـ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک قوم جہنم سے نکالی جائے گی، اس میں ان کے پورے جسم جل جائیں گے سوائے ان کے چہروں کے، حتی کہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

۴۷۳۔**وحدّثنا** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا اَبُوعَاصِمٍ يَعْنِى مُحَمَّدَ بْنَ اَبِى اَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِى يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ قَالَ كُنْتُ قَدْشَغَفَنِى رَأْىٌ مِنْ رَأْىِ الْخَوَارِجِ فَخَرَجْنَا فِى عِصَابَةٍ ذَوِى عَدَدٍ نُرِيْدُ اَنْ نَحُجَّ ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ قَالَ فَمَرَرْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ فَاِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ "جَالِسٌ اِلٰى سَارِيَةٍ" عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ قَالَ فَاِذَا هُوَقَدْذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَاصَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ! مَاهٰذَا الَّذِى تُحَدِّثُوْنَ ؟ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ﴿اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهُ﴾(آل عمران:۱۹۲)وَ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْافِيْهَا﴾(السجدة:۲۰) فَمَا هٰذَاالَّذِى تَقُوْلُوْنَ ؟ قَالَ فَقَالَ اَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِى الَّذِى يَبْعَثُهُ اللّٰهُ فِيْهِ ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّهُ مَقَامُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَحْمُوْدُالَّذِى يُخْرِجُ اللّٰهُ بِهِ مَنْ يُّخْرِجُ قَالَ ثُمَّ نَعَتَ وَضْعَ الصِّرَاطِ وَمَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِ قَالَ وَاَخَافُ اَنْ لَّا اَكُوْنَ اَحْفَظُ ذَاكَ قَالَ غَيْرَ اَنَّهُ قَدْزَعَمَ اَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ اَنْ يَّكُوْنُوْا فِيْهَا قَالَ يَعْنِى فَيَخْرُجُوْنَ كَاَنَّهُمْ عِيْدَانُ السَّمَاسِمِ قَالَ فَيَدْخُلُوْنَ نَهَرًا مِنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاَنَّهُمُ الْقَرَاطِيْسُ فَرَجَعْنَا قُلْنَا وَيْحَكُمْ ! اَتُرَوْنَ الشَّيْخَ يَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟فَرَجَعْنَا فَلَا وَاللّٰهِ!مَاخَرَجَ مِنَّا غَيْرُ رَجُلٍ وَاحِدٍ اَوْكَمَا قَالَ اَبُوْنُعَيْمٍ ـ

یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خوارج کی ایک بات جاگزین ہوگئی تھی۔ پھر ہم ایک بڑی جماعت کیساتھ حج کے لئے عازم سفر ہوئے تا کہ بعد میں لوگوں پر نکل جائیں جب ہم مدینہ طیبہ سے گزرے تو دیکھا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک ستون کے پاس بیٹھے لوگوں کو حدیث بیان کرر ہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، معلوم ہوا وہ جہنمیوں کا تذکرہ کرر ہے تھے۔ تو میں نے ان سے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! یہ آپ کیا بیان کرر ہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ﴿انك من تدخل النار فقد اخزيته﴾اور فرماتے ہیں کہ ﴿كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها﴾اس کے باوجود یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا تو کیا تم نے سنا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بارے میں جس پر وہ بھیجے جائیں گے۔ میں نے کہا ہاں! انہوں نے فرمایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے مقام محمود یہ وہی مقام ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا جہنم سے نکالے گا۔ پھر اس کے بعد جابرؓ نے پُل صراط کا ذکر فرمایا اور اس پر سے لوگوں کے گذرنے کا ذکر کیا اور مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اسے یاد نہ رکھ سکوں گا مگر یہ کہ انہوں نے فرمایا: کچھ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اس میں جانے کے بعد اور جب نکالے جائیں گے تو وہ تل

کی لکڑی کے مانند ہوں گے۔ پھر وہ جنت کی نہروں میں داخل ہوں گے۔ اس میں غسل کریں گے اور کاغذ کی مانند سفید ہو کر نکلیں گے۔ (یزید کہتے ہیں) پھر ہم وہاں سے نکلے۔ ہم نے لوگوں سے کہا تمہاری بربادی ہو کیا یہ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہے؟ (یعنی سچ کہہ رہا ہے) پھر ہم سب حج سے واپس لوٹے اور خدا کی قسم! ہم میں سے مسلک اعتزال وخوارج کی طرف کوئی نہیں نکلا سوائے ایک شخص کے۔

تشریح

''یزید الفقیر'' یہ راوی یزید بن صہیب کوفی ہے ان کی کنیت ابوعثمان ہے اس کو فقیر مالی تنگی کی وجہ سے نہیں کہتے ہیں بلکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں زخم لگا تھا جس کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی اور تکلیف ہوتی تھی فقار الظہر ریڑھ کے مہرہ کو کہتے ہیں۔

''قدشغفنی'' یعنی مجھے خوارج کی اس رائے میں بہت دلچسپی تھی کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوگا کبھی جہنم سے نہیں نکلے گا۔

''ثم نخرج علی الناس'' یعنی کسی مضبوط پکے خارجی سے خوارج کا عقیدہ خوب سیکھ لیں گے اور پھر اس کو پھیلانے اور سمجھانے کے لئے لوگوں کے پاس جائیں گے۔

''الذی تقولون'' آپ لوگ یہ کیا بات کرتے ہو کہ مرتکب کبیرہ دوزخ سے نکل آئے گا حالانکہ قرآن میں اس کے بارے میں ہے کہ ایسا شخص دوزخ سے باہر نہیں آسکتا ہے کیونکہ جو شخص دوزخ میں گیا وہ ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے نیز وہ باہر نکلنے کی کوشش بھی کریگا مگر اس کو اندر لوٹایا جائے گا۔ ''نعت'' یعنی پل صراط کے رکھنے اور لوگوں کے گذرنے کا قصہ بیان کیا۔

''ومر الناس'' یعنی پل صراط پر لوگوں کے گذرنے کا پورا قصہ بیان کیا۔ مر کا لفظ مصدر ہے الناس کی طرف مضاف ہے۔

''واخاف ان لا اکون احفظ'' یعنی مجھے خوف رہا کہ میں پورا یاد نہ کرسکوں گا تو پھر بیان کرنا مشکل ہو جائیگا۔

''قدزعم'' یہ زعم قال کے معنی میں یہاں استعمال ہوا ہے یعنی صحابی نے کہا۔

''عیدان السماسم'' اس لفظ میں بہت پریشانی ہے کہ یہ کیا چیز ہے اور مطلب کیا ہے عیدان تو عود کی جمع ہے لکڑی کو کہتے ہیں اب السماسم کیا چیز ہے تو اس میں کچھ اقوال ہیں۔ ایک قول تو علامہ ابن اثیر جزری کا ہے وہ کہتے ہیں کہ سماسم سمسم کی جمع ہے اور سمسم وہی معروف بیج ہے جو تل کے نام سے مشہور ہے اور جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ اس تل کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے پودے کاٹے جاتے ہیں پھر اس کو دھوپ میں پھیلا کر رکھے جاتے ہیں جب دھوپ میں اس کی لکڑی خوب سُوکھ جاتی ہے تو خوب کالی پڑ جاتی ہے گویا کوئلہ ہے پھر اس کے دانے الگ کیے جاتے ہیں تو کالے ہونے کی وجہ سے جہنمیوں کی تشبیہ ان لکڑیوں کے ساتھ دیدی گئی ہے۔ دوسرا قول قاضی عیاض رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ سماسم نہیں ہے یہ اس لفظ میں تحریف ہے اصل لفظ الساسم ہے جو شیشم کے معنی میں ہے اور شیشم آبنوس کی لکڑی کو کہتے ہیں یہ لکڑی سیاہ تر ہوتی ہے اور اسی میں جہنمیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

علامہ نووی نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔قاضی عیاض نے دوسرے قول کو راجح کہا ہے۔

''کانهم القراطیس'' یہ قرطاس کی جمع ہے یعنی ان کے چہرے غسل کے بعد کاغذ کی طرح سفید ہونگے اور چمکتے ہونگے۔

''فرجعنا'' یزید فقیر کہتے ہیں کہ ہم حج سے واپس آگئے تو ہم نے کہا کہ لوگو! تم کو ہلاکت ہو کیا ایسے روشن چہرے والے بوڑھے صحابی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول سکتے ہیں، تُم خود جھوٹے ہو چنانچہ ان میں سے سب نے مسلک اعتزال اور مسلک خوارج سے توبہ کرلیا مگر ایک بوڑھے نے توبہ نہیں کیا۔

''او کماقال ابو نعیم'' ابونعیم فضل بن دکین راوی کی کنیت ہے جو امام مسلم کے شیخ کے شیخ ہیں یہاں ''او کماقال'' احتیاط کے طور پر کہا گیا ہے اور یہ راویوں کے آداب میں سے ایک ادب ہے کہ جب کوئی راوی روایت بالمعنیٰ کرتا ہے تو آخر میں بطور احتیاطاً او کماقال کہتا ہے تا کہ الفاظ میں اونچ نیچ اور تغیر کی ذمہ داری سے بچ جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے نقل کرنے کے بعد بھی علماء اس طرح کہتے ہیں بشرطیکہ حدیث زبانی طور پر نقل کیا جارہا ہو۔

٤٧٤ـ **حَدَّثَنَا** هَدَّابُ بْنُ خَالِدِ الْاَزْدِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ عِمْرَانَ وَثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ فَيَلْتَفِتُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ ! اِذَااَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَلَاتُعِدْنِيْ فِيْهَا فَيُنْجِيْهِ اللّٰهُ مِنْهَا ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے چار آدمی نکالے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کئے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہ کہے گا اے رب! جب آپ نے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا ہے تو دوبارہ مجھے اس میں نہ لوٹایئے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے نجات دے دیں گے۔

تشریح

''یخرج من النار اربعة'' شاید یہ چار آدمی دوزخ میں بہت چیختے چلاتے ہونگے اس لئے ان کو دوزخ سے نکالا گیا اور پھر واقعہ ملا دو اس طرح ہوا جو اس حدیث میں ہے۔

ترمذی میں دو آدمیوں کا قصہ ہے کہ دوزخ میں بہت شور کررہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے نکالنے کا حکم دیدیا اور پھر ان سے پوچھا کہ اتنا چیخ کر شور کیوں کرتے تھے ان دونوں نے کہا کہ ہم اس لئے چیخ کررورہے تھے کہ آپ ہم پر رحم کریں اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ میرا رحم تم پر یہ ہے کہ دونوں پھر جہنم میں چلے جاؤ چنانچہ ایک تو جا کر دوزخ میں چھلانگ لگادیگا جس پر آگ ٹھنڈی ہوجائے گی۔دوسرے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اپنے ساتھی کی طرح دوبارہ دوزخ میں کیوں نہیں گئے؟ وہ فرمائے گا کہ اے اللہ! جب

آپ نے مجھے دوزخ سے نکالا تو مجھے امید ہوگئی تھی کہ آپ مجھے دوبارہ دوزخ میں نہیں ڈالیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے تیری امید حاصل ہو جائے گی دونوں جنت میں چلے جاؤ، یہاں بھی ان چار آدمیوں کا قصہ شاید اسی طرح ہو۔

۴۷۵۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْ کَامِلٍ فُضَیْلُ بْنُ حُسَیْنِ الْجَحْدَرِیُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَیْدِ الْغُبَرِیُّ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ کَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَهْتَمُّوْنَ لِذٰلِكَ وَقَالَ ابْنُ عُبَیْدٍ فَیُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ فَیَقُوْلُوْنَ لَوِاسْتَشْفَعْنَا عَلٰی رَبِّنَا حَتّٰی یُرِیْحَنَا مِنْ مَکَانِنَا هٰذَا قَالَ فَیَاْتُوْنَ آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ آدَمُ اَبُوالْخَلْقِ خَلَقَكَ اللّٰہُ بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْكَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَمَرَ الْمَلَائِکَةَ فَسَجَدُوْالَكَ اِشْفَعْ لَنَاعِنْدَرَبِّكَ حَتّٰی یُرِیْحَنَا مِنْ مَکَانِنَا هٰذَا فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاکُمْ فَیَذْکُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ فَیَسْتَحْیِیْ رَبَّهٗ مِنْهَا وَلٰکِنِ ائْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ فَیَاْتُوْنَ نُوْحًا عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاکُمْ فَیَذْکُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ فَیَسْتَحْیِیْ رَبَّهٗ تَعَالٰی مِنْهَا وَلٰکِنِ ائْتُوْااِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ اتَّخَذَهُ اللّٰہُ خَلِیْلًا فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاکُمْ وَیَذْکُرُخَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ فَیَسْتَحْیِیْ رَبَّهٗ مِنْهَا وَلٰکِنِ ائْتُوْامُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ کَلَّمَهُ اللّٰہُ وَاَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ قَالَ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاکُمْ وَیَذْکُرُ خَطِیْئَتَهُ الَّتِیْ اَصَابَ فَیَسْتَحْیِیْ رَبَّهٗ مِنْهَا وَلٰکِنِ ائْتُوْا عِیْسٰی رُوْحَ اللّٰہِ وَکَلِمَتَهٗ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی رُوْحَ اللّٰہِ وَکَلِمَتَهٗ فَیَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاکُمْ وَلٰکِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا قَدْغُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَاتَاَخَّرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَاْتُوْنِیْ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ فَاِذَا اَنَارَاَیْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَیَدَعُنِیْ مَاشَاءَ اللّٰہُ فَیُقَالُ یَامُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَحْمَدُ رَبِّیْ بِتَحْمِیْدٍ یُعَلِّمُنِیْهِ رَبِّیْ ثُمَّ اَشْفَعُ فَیَحُدُّلِیْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَقَعُ سَاجِدًا فَیَدَعُنِیْ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَدَعَنِیْ ثُمَّ یُقَالُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ یَامُحَمَّدُ ! قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَحْمَدُ رَبِّیْ بِتَحْمِیْدٍ یُعَلِّمُنِیْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَیَحُدُّ لِیْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَالَ فَلَا اَدْرِیْ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الرَّابِعَةِ قَالَ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ ! مَابَقِیَ فِی النَّارِ اِلَّامَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ اَیْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْخُلُوْدُ قَالَ ابْنُ عُبَیْدٍفِیْ رِوَایَتِهٖ قَالَ قَتَادَةُ اَیْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْخُلُوْدُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر وہ کوشش کریں گے یا ان کے دل میں الہام ہوگا کہ اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ وہ کہیں گے کہ کاش ہم اپنی سفارش کروائیں اپنے پروردگار کے پاس تا کہ ہمیں اس مکان سے نجات مل جائے

اور راحت حاصل ہو۔ چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے آپ آدم علیہ السلام ہیں ساری مخلوق کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی روح آپ میں ڈال دی اور ملائکہ کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا لہٰذا اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کر دیجئے تا کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت دے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں آج اس قابل نہیں۔ پھر وہ اپنی خطاء یاد کریں گے اور رب ذوالجلال سے اس خطا کی بناء پر شرمائیں گے۔ وہ کہیں گے البتہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہیں اللہ نے مبعوث فرمایا چنانچہ وہ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں اور اپنی خطا کو یاد کریں گے جوان سے دنیا میں سرزد ہوئی تھی اور اپنے رب سے شرمائیں گے اور کہیں گے کہ لیکن تم اگر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انہیں تو اللہ نے اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے۔ چنانچہ سب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میں تو اس قابل نہیں اور وہ بھی دنیا میں اپنی خطا کو یاد کر کے اپنے رب سے حیا فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان کو تورات عطا فرمائی، وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں، وہ بھی دنیا میں اپنی خطا کو یاد کر کے حیاء کریں گے لیکن تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن سے پیدا کیا اور اس کی طرف روح ہیں لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے یہ میرا مقام نہیں البتہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کر دوں گا، مجھے اجازت ملے گی جب میں اس کا دیدار کروں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک اللہ کو منظور ہو گا وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا پھر کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے اور سفارش کیجئے، سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا، اپنے رب کی تعریف کروں گا جیسا کہ میرا رب مجھے اپنی تعریف سکھلائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لئے ایک حد متعین کر دی جائے گی میں اس حد کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا میں پھر لوٹ کر رب کے پاس جاوں گا اور سجدہ کروں گا تو میرا رب مجھے رہنے دے گا اسی حالت میں جب تک اسے منظور ہو گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیئے آپ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیئے آپ کو دیا جائیگا، شفاعت فرمایئے، آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اپنے رب کی تعریف جیسے اس نے مجھے سکھلائی کروں گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی میں اس حد کے اندر اندر لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ پھر تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا کہ میں کہوں گا اے میرے رب! اب تو دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا سوائے اس کے جسے قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق جن پر خلود واجب ہو گا۔

تشریح

"فیھتمون ذلك "یعنی میدان محشر میں پڑے رہنے سے تنگ آجائیں گے تو سوچیں گے پریشان ہونگے خلاصی کے لئے کوئی اہتمام کریں گے ایک روایت میں "فیلھمون" کا لفظ ہے دونوں کا معنی قریب قریب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو الہام ہوجائے گا کہ انبیاء کرام کی طرف رجوع کر کے شفاعت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔"خلقك الله بیده" یہ اضافت تشریفیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے مقدس ہاتھوں سے بنایا ہے ایک حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ! یہ انسان دنیا میں مزے کررہے ہیں ان کو آپ دنیا دیدیں اور ہمیں آخرت دیدیں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں نے تم کو کلمہ "کن" سے پیدا کیا ہے اور انسان کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اگر یہ راہ راست پر رہا تو دنیا وآخرت دونوں ان کو دوں گا یعنی ان کے بنانے میں مجھے محنت کرنی پڑی ہے اور تم کو صرف کلمۂ کن سے پیدا کیا ہے یہ تفصیل بندہ نے وضاحت کے لئے اور سمجھانے کے لئے کی ہے۔

"لست ھناکم "یعنی میں اس مقام شفاعت کے لئے مناسب نہیں ہوں میں تمہیں کہہ رہا ہوں"ھنا" اسم اشارہ مکانیہ ہے اور کم خطاب ہے"ذلکم اللہ ربکم "یعنی یہ جو صفات والا اللہ ہے تمہیں کہہ رہا ہوں یہ تمہارا رب ہے ان مقامات میں اسم اشارہ کسی چیز کی طرف ہوتا ہے مگر خطاب کسی اور مخاطب کو ہوتا ہے جیسے کیف تی کن میں اشارہ حضرت عائشہ کو ہے اور کن خطاب دیگر ازواج کو ہے۔

"فیذکر خطیئته "یعنی حضرت آدم علیہ السلام اپنے ایک غلطی کو ذکر فرمائیں گے یہاں مناسب ہے کہ عصمت انبیاء سے متعلق کچھ بات ہوجائے۔

عصمت انبیاء کا مسئلہ

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کرام نبوت ملنے سے پہلے بھی اور نبوت ملنے کے بعد بھی کفر وشرک سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ ارتکاب کبیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام ان چھوٹے گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں جس کے ارتکاب سے تحقیر وتوہین پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح انبیاء کرام اپنے تبلیغی اور تعلیمی اقوال میں بھی صغائر وکبائر سے معصوم ہوتے ہیں ہاں جو امور انبیاء کرام کے فعل سے متعلق ہوں اور وہ صغائر کے قبیل سے ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے علماء کے ایک طبقے نے اس کے ارتکاب کو بھی ممنوع قرار دیا ہے مگر جمہور کا خیال ہے کہ بھول کر اس طرح ارتکاب ہوسکتا ہے مگر اس پر دوام نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ایک لغزش ہوتی ہے جیسے گرنے کی لغزش میں آدمی فوراً اٹھ جاتا ہے اس میں دوام نہیں ہوتا۔

ان صورتوں کے علاوہ جملہ صغائر کے ارتکاب کے بارے میں علماء محققین کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام تمام صغائر کے ارتکاب سے معصوم

ہیں اور قرآن وحدیث میں ان کی طرف غلطی کی جو نسبت ہے اس میں تاویل کرنا پڑے گی کہ یا سہو کی بنیاد پر ہوئی ہے یا شان رفیع کے پیش نظر حسنات الابرار سیئات المقربین کے طور پر ہے اور یہی راجح مذہب ہے (هذه خلاصة مافی النووی وفتح الملهم)۔

''اول رسول''یعنی حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جو قوم کفار کی طرف بھیجے گئے ہیں اور قوم سے مقابلہ ہوا نبی اور رسول میں جو فرق ہے وہ اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے ابتدائی خطبہ میں اس پر کلام کر چکا ہوں۔

''عیسیٰ روح الله''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کسی لغزش کا تذکرہ نہیں کیا لیکن دیگر تفصیلی روایات میں ہے کہ وہ فرمائیں گے کہ لوگوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ میرا مؤاخذہ نہ ہو جائے۔

''فیحدلی حداً''یعنی ایک حد بندی ہو جائے گی کہ اس حد تک شفاعت کر سکتے ہو اس سے آگے نہیں کر سکتے ہو۔

''حبسه القرآن''قرآن میں جن لوگوں کو مخلد فی النار کہا گیا ہے وہ اندر رہ جائیں وہ قرآن کی یہ آیت ہے ﴿ان الله لايغفران يشرك به ويغفرمادون ذلك لمن يشآء﴾

٤٧٦۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ قَتَادَةَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّوْنَ بِذٰلِكَ اَوْيُلْهَمُوْنَ ذٰلِكَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِی عَوَانَةَ وَقَالَ فِی الْحَدِيْثِ ثُمَّ آتِيْهِ الرَّابِعَةِ اَوْاَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ ! مَابَقِیَ اِلَّامَنْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز مؤمنین جمع ہوں گے اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی یا وہ کوشش کریں گے۔ آگے سابقہ حدیث کی مانند ہی ذکر فرمایا۔ باقی اس میں اضافہ ہے کہ میں چوتھی مرتبہ اپنے پروردگار کے پاس آؤں گا یا لوٹوں گا اور عرض کروں گا اے پروردگار! اب تو دوزخ میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

٤٧٧۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ بِمِثْلِ حَدِيْثِهِمَا وَذَكَرَ فِی الرَّابِعَةِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ ! مَابَقِیَ فِی النَّارِاِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ اَیْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی فرق سے منقول ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مؤمنوں کو جمع فرمائے گا اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی......الخ۔ باقی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا میں چوتھی مرتبہ عرض کرونگا کہ اے پروردگار! اب تو جہنم میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جنہیں قرآن کے حکم نے روک دیا یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے مستحق ہیں۔

٤٧٨۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالِ الضَّرِيْرُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُبْنُ اَبِی عَرُوْبَةَ وَهِشَامٌ صَاحِبُ

الدَّسْتَوائِيّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِي اَبُوْغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَااَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ شَعِيْرَةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ ذَرَّةً زَادَ اِبْنُ مِنْهَالٍ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ يَزِيْدُ فَلَقِيْتُ شُعْبَةَ فَحَدَّثْتُهُ بِالْحَدِيْثِ فَقَالَ شُعْبَةُ حَدَّثَنَا بِهِ قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَدِيْثِ اِلَّااَنَّ شُعْبَةَ جَعَلَ مَكَانَ الذَّرَّةِ ذُرَةً قَالَ يَزِيْدُ صَحَّفَ فِيْهَا اَبُوْبِسْطَامٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے نکالا جائے گا ہر وہ شخص جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں جَو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوا۔ پھر جہنم سے وہ شخص نکالا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں گیہوں کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ پھر جہنم سے وہ شخص نکالا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں چیونٹی کے برابر بھی ایمان ہو۔ ابن منہال کی روایت میں یہ ہے کہ یزید بن ذریع نے کہا کہ میں شعبہ سے ملا اور ان سے یہ حدیث بیان کی تو شعبہ نے فرمایا ہمیں یہ حدیث قتادہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ملی ہے۔ البتہ شعبہ نے ذَرّہ کے بجائے ذُرہ کا لفظ استعمال کیا۔ یزید نے کہا کہ ابو بسطام نے اس میں تصحیف کی ہے۔

تشریح

''الشعیرۃ'' جو کے دانے کو شعیرہ کہتے ہیں جو کا دانہ گندم سے بڑا ہوتا ہے اس لئے اس کو پہلے ذکر کیا پھر ''برۃ'' گندم کا ذکر کیا گیا پھر ''ذرۃ'' کا ذکر کیا گیا کیونکہ ذرہ اس معمولی چیز کا نام ہے جو کھڑکی یا روشندان سے اندر آنے والی دھوپ میں نظر آتی ہے یہاں راوی نے اس کو ذال کے پیش کے ساتھ بنا کر ذُرّۃ کر دیا جو مکئی کے دانہ کو کہتے ہیں حالانکہ جو اور گندم کے بعد ذرہ تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ چھوٹا ہے لیکن مکئی کا دانہ کیسے سمجھ میں آئے گا وہ تو سب سے بڑا ہے۔ اس لئے شیخ یزید نے کہا کہ ابو بسطام نے یہ تصحیف کی ہے۔ شعبہ کی کنیت ابو بسطام ہے ذَرۃ زبر کے ساتھ ''ذر'' کا مفرد بھی ہے جو بالکل چھوٹی سی چیونٹی کو کہتے ہیں یہاں چیونٹی بھی مراد لی جا سکتی ہے مگر مکئی کا دانہ نہیں لیا جا سکتا اگرچہ غلوں کے دانوں کے تسلسل میں مکئی کا ذکر بہت مناسب ہے۔

۴۷۹۔ **حَدَّثَنِي** اَبُوالرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَاحَمَّادُبْنُ زَيْدٍحَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ ح: وَحَدَّثَنَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَاحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ قَالَ اِنْطَلَقْنَا اِلٰى اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَتَشَفَّعْنَا

بِثَابِتٍ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ الضُّحٰى فَاسْتَاْذَنَ لَنَا ثَابِتٌ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ وَاَجْلَسَ ثَابِتًا مَعَهُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا حَمْزَةَ اِنَّ اِخْوَانَكَ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ يَسْاَلُوْنَكَ اَنْ تُحَدِّثَهُمْ حَدِيْثَ الشَّفَاعَةِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَيَاْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ اِشْفَعْ لِذُرِّيَّتِكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ اللّٰهِ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيُؤْتٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيُؤْتٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُوْتٰى فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَنْطَلِقُ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ فَاَقُوْمُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاَحْمَدُهٗ بِمَحَامِدَ لَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ يُلْهِمُنِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ اَوْ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنْهَا فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَرْجِعُ اِلٰى رَبِّيْ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ لِيْ اِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنْهَا فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ اِلٰى رَبِّيْ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ لِيْ اِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ـ هٰذَا حَدِيْثُ اَنَسٍ الَّذِيْ اَنْبَاَنَا بِهٖ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرِ الْجَبَّانِ قُلْنَا لَوْ مِلْنَا اِلَى الْحَسَنِ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ وَهُوَ مُسْتَخْفٍ فِيْ دَارِ اَبِيْ خَلِيْفَةَ قَالَ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ قُلْنَا يَا اَبَا سَعِيْدٍ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ اَخِيْكَ اَبِيْ حَمْزَةَ فَلَمْ نَسْمَعْ مِثْلَ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَاهُ فِي الشَّفَاعَةِ قَالَ هِيْهِ! فَحَدَّثْنَاهُ الْحَدِيْثَ فَقَالَ هِيْهِ! قُلْنَا مَا زَادَنَا قَالَ قَدْ حَدَّثَنَا بِهٖ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيْعٌ وَلَقَدْ تَرَكَ شَيْئًا مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ الشَّيْخُ اَوْ كَرِهَ اَنْ يُحَدِّثَكُمْ فَتَتَّكِلُوْا قُلْنَا لَهٗ حَدِّثْنَا فَضَحِكَ وَقَالَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ مَا ذَكَرْتُ لَكُمْ هٰذَا اِلَّا وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُحَدِّثَكُمُوْهُ ـ قَالَ ثُمَّ اَرْجِعُ اِلٰى رَبِّيْ فِي الرَّابِعَةِ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ! اِئْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ لَكَ اَوْ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ اِلَيْكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ وَجِبْرِيَائِيْ لَاُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـ

قَالَ فَاشْهَدُ عَلَى الْحَسَنِ اَنَّهُ حَدَّثَنَا بِهِ اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اُرَاهُ قَالَ قَبْلَ عِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيعٌ ۔

معبد بن ہلال العنزی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف چلے اور ثابت سے سفارش کروائی۔ پھر ہم ان کے پاس جا پہنچے چاشت کے وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے چاشت کی۔ثابت نے ہمارے لئے اجازت مانگی۔پھر ہم ان کے پاس داخل ہوئے۔انہوں نے ثابت کو اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر بٹھایا۔پھر ثابت نے کہا کہ اے ابوحمزہ! بے شک آپ کے یہ بصرہ والے بھائی آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان سے شفاعت کی حدیث بیان کردیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ ایک دوسرے کے پاس گھبراہٹ کے مارے آئیں گے جائیں گے۔پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اپنی اولاد کے لئے سفارش کیجئے؟ وہ کہیں گے میں اس کے قابل نہیں ہوں۔لیکن تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ خلیل اللہ ہیں۔وہ سب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میں اس مقام کے لئے نہیں ہوں۔لیکن تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔لوگ ان کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں تو اس مقام کے لئے نہیں تمہیں لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ روح اللہ اور اس کا کلمہ ہیں، انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا جائے گا وہ کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ میرے پاس لائے جائیں گے میں کہوں گا کہ ہاں! یہ کام میں ہی کروں گا میں چلوں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دی جائیگی۔پھر میں رب العالمین کے روبرو کھڑا ہوں گا اور اس کی ایسی تعریف کروں گا کہ ابھی میں اس تعریف کے کرنے پر قادر نہیں۔اللہ تعالیٰ اسی وقت وہ تعریف میرے دل میں الہام کرے گا۔پھر میں سجدہ میں جا پڑوں گا تو مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھے کہا جائے گا جایئے اور جس کے قلب میں بھی گیہوں یا جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے دوزخ سے نکال لیجئے۔میں جاؤں گا پھر واپس آؤں گا اپنے رب کے پاس اور اسی طرح اس کی تعریف کروں گا پھر سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔مجھ سے کہا جائیگا اے محمد! سر اٹھایئے، کہئے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے شفاعت قبول کی جائے گی۔میں پھر کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھ سے کہا جائے گا جایئے اور جس کے قلب میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو، اسے نکال لیجئے۔میں جاؤں گا اور یہ کام کر کے لوٹوں گا اپنے رب کے پاس پھر اسی طرح اس کی تعریف کرونگا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے کہئے بات سنی جائے گی، مانگئے دیا جائیگا، شفاعت کیجئے قبول ہوگی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھ

کہا جائیگا جایئے اور جس کے قلب میں رائی کے دانہ سے کم اور کم اور بھی کم ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لیجئے۔ میں جاؤں گا اور یہ کام کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو انہوں نے ہم سے بیان کی۔ پھر ہم ان کے پاس سے نکلے، جب ہم جبّان کے صحراء میں بلندی پر پہنچے تو ہم نے آپس میں کہا کاش ہم حسن بصریؒ کے پاس بھی جائیں۔ انہیں سلام کرتے چلیں وہ دارابی خلیفہ میں روپوشی اختیار کئے ہوئے تھے، چنانچہ ہم ان کے پاس گئے اور انہیں سلام کیا اور کہا کہ اے ابو سعید! ہم آپ کے بھائی ابوحمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے آرہے ہیں انہوں نے شفاعت کے متعلق ایسی حدیث ہم سے بیان کی کہ ہم نے کبھی سنی نہ تھی انہوں نے فرمایا بتاؤ۔ پھر ہم نے حسنؒ سے تمام حدیث بیان کردی۔ انہوں نے کہا اور بیان کرو۔ ہم نے کہا ہم سے تو اس سے زیادہ نہیں بیان کی۔ وہ کہنے لگے یہ حدیث انہوں نے ہم سے بیس سال قبل بیان کی تھی اور اس وقت وہ طاقتور تھے اور انہوں نے کچھ باتیں چھوڑ دی ہیں مجھے نہیں معلوم کہ شیخ بھول گئے ہیں یا انہوں نے تم سے بیان کرنا مناسب نہ خیال کیا کہ کہیں تم اسی پر توکل و بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ہم نے کہا آپ وہ بیان کر دیجئے۔ حسن بصریؒ اس پر ہنس پڑے اور فرمایا کہ انسان کی خلقت میں عجلت اور جلدی ہے میں نے یہ ساری بات اسی لئے ذکر کی تھی تاکہ بقیہ حدیث بھی تم سے بیان کروں۔ میں پھر چوتھی بار بھی اپنے رب کے پاس لوٹوں گا اور اسی طرح اس کی تعریف کروں گا، پھر سجدہ میں پڑ جاؤں گا تو اللہ رب العالمین فرمائیں گے اے محمد! سر اٹھایئے! کہئے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول ہوگی۔ میں کہوں گا اے میرے رب! مجھے ہر اس شخص کے بارے میں اجازت دیجئے جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ تمہارا اختیار نہیں، لیکن میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری کبریائی کی قسم! میری عظمت کی قسم! میری جبروت کی قسم! میں ضرور بالضرور ہر اس شخص کو جہنم سے نکالوں گا جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔ معبد کہتے ہیں کہ میں گواہ بناتا ہوں حسن بصریؒ پر کہ انہوں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی اور انہوں نے اسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ بیس برس قبل اور ان دنوں وہ تکڑے تھے۔

تشریح

''تشفعنا بثابت'' یعنی حضرت انس کے دوست ثابت کے ذریعہ سے ہم نے اجازت لینے کی سفارش کردی ''وھو یصلی الضحیٰ'' معلوم ہوا چاشت کی نماز ثابت ہے۔ ''علی سریرہ'' یعنی ثابت کو حضرت انس نے چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھالیا اس سے معلوم ہوا کہ فضلاء علماء کا اکرام کرنا چاہئے۔ ''ماج الناس'' یہ اختلاط کے معنی میں ہے اسی سے سمندر کا موج ہے کہ پانی ایک دوسرے سے مل جاتا ہے گھبراہٹ میں ایسا ہوتا ہے۔ ''اخر ساجداً'' سجدہ میں گر پڑنا مراد ہے یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حمد ہو پھر

سجدہ ہو اور اس کا عکس بھی جائز ہے۔ ''رب امتی امتی '' یہ شفاعت کبریٰ کے ضمن میں شفاعت صغریٰ کی بات آ گئی ہے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ ''بظھر الجبان'' جبان پہاڑ کا نام ہے اور ظہر پشت کو کہتے ہیں یعنی جب ہم جبان پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔

''لو ملنا'' یہ مائل ہونے کے معنی میں مراد ملنا ہے یعنی اگر ہم حسن بصری سے مل لیں تو اچھا ہوگا۔ ''مُستخفٍ ''یعنی حسن بصریؒ ابوخلیفہ کے گھر میں چھپے بیٹھے تھے روپوش تھے کیونکہ حجاج بن یوسف کا ظلم عام تھا۔ ''فلم نسمع ''یعنی شفاعت کے حوالہ سے ہم نے اس طرح عجیب حدیث کبھی نہیں سنی تھی جو حضرت انس سے سنی۔ ''ھیه ''یعنی لاؤ مجھے سناؤ ''وقلنا مازادنا'' یعنی انس نے اس سے زیادہ ہمیں بیان نہیں کیا ہے تو ہم مزید کہاں سے لائیں ''جمیع ''یعنی بیس سال پہلے جب حضرت انس ہٹے کٹے کامل جوان تھے اس وقت ہمیں زیادہ سنایا تھا اب معلوم نہیں بھول گئے یا اس لئے تم کو بیان نہیں کیا تا کہ تم عمل میں سستی نہ کرو یا معتزلہ وخوارج کا زور ہے مصلحت نہیں تھی۔ ''قلنا له حدّثنا ''یعنی آپ اس بقیہ حدیث کو بیان کریں۔ اس پر حسن بصریؒ ہنسنے لگے اور فرمایا انسان جلد باز پیدا ہوا ہے میں نے جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اس کا مقصد یہی ہے کہ میں وہ حدیث مکمل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

''وجبریائی ''جبروت عظمت سلطنت قہر وجبر سب اس کے معانی ہیں۔

۴۸۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَاتَّفَقَا فِیْ سِيَاقِ الْحَدِيْثِ اِلَّامَايَزِيْدُ اَحَدُهُمَا مِنَ الْحَرْفِ بَعْدَالْحَرْفِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَااَبُوحَيَّانَ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً فَقَالَ اَنَا سَيِّدُالنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ بِمَ ذَاكَ ؟ يَجْمَعُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فِیْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِیْ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَالَايُطِيْقُوْنَ وَمَالَايَحْتَمِلُوْنَ فَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ اَلَاتَرَوْنَ مَااَنْتُمْ فِيْهِ ؟ اَلَاتَرَوْنَ مَاقَدْبَلَغَكُمْ ؟ اَلَّاتَنْظُرُوْنَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ يَعْنِیْ اِلٰى رَبِّكُمْ ؟ فَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ اِئْتُوْا آدَمَ فَيَاْتُوْنَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُوْنَ يَاآدَمُ ! اَنْتَ اَبُوالْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْالَكَ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ اَلَّاتَرٰى اِلٰى مَانَحْنُ فِيْهِ ؟ اَلَاتَرٰى اِلٰى مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَيَقُوْلُ آدَمُ اِنَّ رَبِّیْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنَّهٗ نَهَانِیْ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهٗ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْااِلٰى غَيْرِیْ اِذْهَبُوْااِلٰى نُوْحٍ فَيَاْتُوْنَ نُوْحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُوْنَ يَانُوْحُ ! اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَى الْاَرْضِ وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُوْرًا اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ اَلَاتَرٰى مَانَحْنُ فِيْهِ ؟ اَلَاتَرٰى مَاقَدْ بَلَغَنَا ؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنَّهٗ قَدْكَانَتْ لِیْ دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلٰى قَوْمِیْ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْااِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ نَبِیُّ اللّٰهِ وَخَلِيْلُهٗ مِنْ اَهْلِ

اَلْاَرضِ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی اِلٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَاتَرٰی اِلٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ لَهُمْ اِبْرَاهِیْمُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَا یَغْضَبُ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَذَكَرَ كَذَبَاتِهٖ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی مُوْسٰی فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُوْنَ یَامُوْسٰی ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَبِتَكْلِیْمِهٖ عَلَی النَّاسِ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی اِلٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟اَلَاتَرٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ لَهُمْ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنِّیْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُوْنَ یَاعِیْسٰی ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِّنْهُ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی مَانَحْنُ فِیْهِ اَلَاتَرٰی مَاقَدْ بَلَغَنَا ؟فَیَقُوْلُ لَهُمْ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَلَمْ یَذْكُرْ لَهٗ ذَنْبًا نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَاْتُوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ یَامُحَمَّدُ ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَغَفَرَاللّٰهُ لَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ اِشْفَعْ لَنَااِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَاتَرٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ وَیُلْهِمُنِیْ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ یُقَالُ یَامُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ ! اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ یَامُحَمَّدُ !اَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَاحِسَابَ عَلَیْهِ مِنْ بَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِیْمَاسِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ـ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ ! اِنَّ مَابَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَیْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ اَوْكَمَابَیْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰی ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا اور دست کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا کہ وہ آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے دانتوں سے اسے کاٹا اور نوچا اور پھر فرمایا کہ قیامت کے روز میں لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو یہ کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اوّلین وآخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائیں گے اور ایک بلانے والے کی آواز انہیں سنائی دے گی اور نگاہیں ان سب کو دیکھیں گی اور سورج قریب ہو جائے گا۔لوگوں کو اتنی شدید اذیت اور غم وکرب ہوگا کہ اس کے برداشت کی طاقت اور تحمل نہ ہوگا اور بعض لوگ بعض سے کہیں گے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم کس حال میں ہو؟ کیا تمہیں اپنی تکلیف کا احساس نہیں جو تمہیں پہنچ رہی ہے؟ کیا تم کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کے سامنے تمہاری سفارش کر سکے؟ پھر وہ آپس میں کہیں گے کہ آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے

اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام بشر کے باپ ہیں۔اللہ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا ہے اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی ہے۔ملائکہ کو حکم دیا تو آپ کو انہوں نے سجدہ کیا آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش فرمایئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا اذیت پہنچی ہے؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے اتنے غضب میں اس سے قبل کبھی نہ تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں اتنے غضب میں ہوگا، اور اس نے مجھے درخت کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا اور میں نے اس کی نافرمانی کی تھی۔مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جاؤ۔وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اے نوح ! آپ زمین پر خدا کے پہلے پیغمبر ہیں اللہ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے۔اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہمارے حال کو نہیں دیکھتے؟ کیا آپ ہماری اذیت کو نہیں دیکھتے جو ہمیں پہنچی ہے؟ نوح علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج میرا رب اتنا شدید غضب میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا، نہ آئندہ کبھی ہوگا، میری ایک بددعا تھی جو میں نے اپنی ہی قوم پر کی تھی، مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے۔تم لوگ ابراہیم السلام کے پاس جاؤ۔وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں۔اہل زمین میں سے، اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے۔کیا آپ ہماری حالت نہیں دیکھتے؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے، آج تو میرا رب بے شک اتنا سخت غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک تھا نہ آئندہ ہوگا اور وہ اپنی خلاف واقعہ باتوں کو یاد کریں گے مجھے تو اپنی فکر ہے۔میرے علاہ کسی کے پاس جاؤ۔موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔اللہ نے آپ کو اپنی رسالت کے ذریعہ فضیلت بخشی اور اپنے آپ سے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا تمام لوگوں میں سے۔اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے، آپ ہمارے حال کو نہیں دیکھتے؟ ہمیں پہنچنے والی اذیت کو نہیں دیکھتے؟ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرا رب آج اتنا غصہ میں ہے کہ نہ پہلے کبھی اتنے غصہ میں ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔اور میں نے تو ایک شخص کو جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا قتل کر دیا تھا، مجھے اپنی فکر ہے۔تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، پنگھوڑے (گود) میں آپ نے لوگوں سے بات کی، آپ اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم علیہا السلام کو القاء فرمایا تھا اور اس کی روح ہیں۔پس آپ ہی ہمارے لئے سفارش کیجئے اپنے رب سے۔کیا آپ ہماری حالت نہیں دیکھتے؟ ہمیں جو تکلیف پہنچی کیا اسے نہیں دیکھتے؟ عیسیٰ علیہ السلام ان سے فرمائیں گے آج میرا رب ایسے غصہ میں ہے کہ پہلے کبھی نہ ہوا نہ آئندہ ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کسی گناہ کا ذکر نہیں کیا۔وہ کہیں گے مجھے اپنی فکر ہے، میرے علاوہ کسی کے

پاس جاؤ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ وہ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں ،خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کیا آپ ہمارے حال پر نظر نہیں فرماتے؟ ہمیں جو تکلیف پہنچی اسے نہیں دیکھتے؟ چنانچہ میں چلوں گا اور عرشِ الٰہی کے نیچے آؤں گا اور اپنے پروردگار عزّ وجل کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ میرے اوپر کھول دیں گے اور اپنی تعریفات ومحامد مجھے الہام فرمائیں گے۔ اور اپنی بہترین ثناء میرے دل میں ڈال دیں گے کہ ایسی تعریف اس سے قبل کسی کو القاء نہیں کی گئی ہوگی۔ پھر فرمائیں گے اے محمد! اپنا سر اٹھایئے مانگئے آپ کو دیا جائے گا، سفارش کیجئے قبول کی جائے گی، میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے رب! میری امت، میری امت۔ کہا جائے گا اے محمد! اپنی امت میں سے جن لوگوں پر کوئی حساب نہیں انہیں باب الایمن سے جو جنت کے دروازوں میں سے ہے جنت میں داخل کیجئے۔ اور میری امت کے افراد باب الایمن کے علاوہ دوسرے دروازوں میں بھی دوسرے لوگوں کے شریک ہوں گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے جنت کے دروازوں میں سے دو کے درمیان مکہ اور ہجر (یمن کا ایک شہر ہے) کے درمیان فاصلہ ہے یا مکہ سے بصرہ تک کا فاصلہ ہے۔

تشریح

''الذراع'' بکری کے سامنے دو پاؤں میں سے ہر ایک کو ذراع کہتے ہیں جس کو اردو میں دستی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی بہت پسند تھی ''فنھسہ'' یعنی دانتوں سے آپ نے گوشت کاٹ کر کھالیا ''نھشہ'' کا معنی بھی اسی طرح ہے۔

''اناسیدالناس یوم القیامۃ'' اس سرداری کی وجہ آنحضرت نے خود اس حدیث میں بیان کیا ہے۔

''فی صعید واحد'' یعنی ایک کھلے چٹیل میدان میں اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا فرمادیگا یہ میدان محشر ہوگا جو سرزمین شام پر قائم ہوگا تاکہ لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔ ''یسمعھم الداعی'' یعنی لوگ اس طرح ساتھ ساتھ ہونگے اور کھلے میدان میں اس طرح ہموار ہونگے کہ کوئی آواز دینے والا جب آواز دیگا تو اس جانب سے آواز دوسری جانب پہنچ جائے گی آواز پہنچانا مشکل نہیں ہوگا۔ ''وینفذھم البصری'' یعنی لوگ اس طرح جڑے ہوئے ہونگے اور اس طرح قریب قریب ہونگے اور اس طرح برابر کھڑے ہونگے کہ اگر کوئی دیکھنے والا ایک جانب سے دیکھے گا تو دوسری جانب تک بلا تکلف نظر آر پار نکل جائے گی اور سب کے سب نظر آجائیں گے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ ''ماقد بلغکم'' یعنی جو مصیبت تمہارے سر پر ٹوٹ پڑی ہے یہ تمہیں نظر آتی ہے؟ اس کا کوئی حل نکال لو یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس حالت کو نہیں دیکھتے ہو جس نے تم کو یہاں تک پہنچایا ہے اور مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، لہٰذا کسی سفارشی کو تلاش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری شفاعت کرے۔ ''نفسی نفسی'' یعنی میرا نفس زیادہ مستحق ہے کہ اس کی بچاؤ کی کوشش کی جائے۔ یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ مجھے اپنے نفس کی فکر پڑی ہے میں تمہاری

کیا مذکر سکتا ہوں یہ تو اضعاً بھی ہے لیکن غضب کے وقت مقربین بارگاہ زیادہ کانپ جاتے ہیں۔

''وذکر کذباته'' یہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا بلکہ ''توریه'' کی صورت تھی کہ ظاہری معنی کچھ تھا اور باطنی معنی کچھ اور تھا ایک تو ''انی سقیم'' کا لفظ تھا دوسرا ''بل فعله کبیرهم'' کا جملہ تھا تیسرا ''هذه اختی'' کا جملہ تھا مگر امام مسلم نے زیر بحث حدیث میں ''هذاربی'' کو تیسرا جملہ نقل کیا ہے دیگر روایات میں مصر کا واقعہ مذکور ہے جس میں ''هذه اختی'' کہا ہے۔

''وهم شرکاء الناس ''یعنی دائیں جانب جنت کے پاس دروازہ ان کے لئے مختص ہے مگر دوسرے دروازوں میں بھی یہ امت باقی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں جس دروازہ سے داخل ہونا چاہتے ہیں داخل ہو سکتے ہیں یہ اس امت کا اکرام ہوگا۔

''مصراعین'' دروازہ کے دو چوکھٹ مراد ہیں ای عضادتین، یہ اس دروازہ کی وسعت کی طرف اشارہ ہے۔ ''هجر'' یہ بحرین کے ایک بہت بڑے شہر کا نام ہے ایک هجر مدینہ کے پاس ہے وہ نہیں ہے نہ وہ مراد ہے۔ ''بصری'' یہ شام کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے اس کو ''حوران'' بھی کہتے ہیں یہ مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہے ''تزلف'' تقرب کے معنی میں ہے کہ مزین کر کے جنت قریب کر دی جائے گی آئندہ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔ ''ماتقدم من ذنبك'' یہاں ایک بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کس طرح کی گئی ہے آپ تو معصوم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے صغائر اور غیر اختیاری لغزش مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے خلاف اولیٰ امور کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے تیسرا جواب یہ کہ اس سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو آپ کی شان عالی کے فروتر ہوں یہ وہی ضابطہ ہے کہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' چوتھا جواب یہ ہے کہ جہاں آپؐ کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے وہ بفرض محال ہے۔ تفسیر کبیر میں نو جوابات ہیں۔ بہر حال دیگر انبیاء کے گناہ بھی نہیں تھے اور ان سے جو لغزش ہوئیں وہ معاف بھی ہو گئیں لیکن آنحضرت کی ان لغزشوں کو گارنٹی کے ساتھ معاف کر دیا گیا ہے اس لئے باقی انبیاء کرام معافی کے باوجود خوف میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا کیونکہ آپ کو کسی قسم مواخذہ کا خوف نہیں تھا۔

۴۸۱۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيدٍ وَلَحْمٍ فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ فَنَهَسَ نَهْسَةً فَقَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ نَهَسَ نَهْسَةً أُخْرَى وَقَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لَا يَسْأَلُونَهُ قَالَ أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهْ؟ قَالُوا كَيْفَهْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ وَزَادَ فِي قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ وَذَكَرَ قَوْلَهُ فِي الْكَوْكَبِ هَذَا رَبِّي وَقَوْلَهُ لِآلِهَتِهِمْ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا وَقَوْلَهُ إِنِّي سَقِيمٌ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ إِلَى

عِضَادَتِيِ الْبَابِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ اَوْهَجَرٍ وَمَكَّةَ ۔ قَالَ لَااَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوشت اور ثرید کا پیالہ رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت میں سے دست کا گوشت لیا اور بکری کے گوشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب دست ہی تھی۔ آپ نے منہ سے اسے نوچا۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے روز میں سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ پھر دوبارہ دانتوں سے گوشت کو نوچا اور فرمایا کہ میں قیامت کے روز سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تم نے پوچھا نہیں کہ کیسے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیسے یارسول اللہ! فرمایا جس دن اللہ رب العالمین کے سامنے سب لوگ دست بستہ کھڑے ہوں گے۔ آگے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سابقہ حدیث کے مانند ذکر فرمایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ اضافہ بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ستارہ کے بارے میں اپنی بات کو یاد کریں گے اور قوم کے معبودان باطلہ کے بارے میں اپنی بات یاد کریں گے کہ آپ نے فرمایا تھا، یہ ان کے بڑے بت نے کیا ہے اور اپنے اس قول ﴿انی سقیم﴾ کو یاد کریں گے۔ اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے دو پھاٹکوں کے درمیان دروازہ کی چوکھٹوں تک اتنا اضافہ ہے جتنا کہ مکہ مکرمہ سے ہجر یا ہجر سے مکہ کے درمیان ہے۔

۴۸۲۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ طَرِيفِ بْنِ خَلِيفَةَ الْبَجَلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمَالِكٍ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَبُوْمَالِكٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَاْتُوْنَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَااَبَانَا! اِسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ آدَمَ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْااِلٰى اِبْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اعْمِدُوْا اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرُوْحِهِ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَاْتُوْنَ مُحَمَّدًاصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْمُ وَيُؤْذَنُ لَهُ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنَبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَيَمُرُّاَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ؟ قَالَ اَلَمْ تَرَوْااِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ؟ ثُمَّ

كَمَرِّ الرِّيحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيءَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا قَالَ وَفِي حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُورَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهِ فَمَخْدُوشٌ نَاجٍ وَمَكْدُوسٌ فِي النَّارِ ۔ وَالَّذِي نَفْسُ اَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ ! اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِينَ خَرِيفًا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر مؤمنین کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ جنت ان کے قریب لائی جائے گی وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے ابا جان! ہمارے لئے جنت کو کھلوایئے، وہ کہیں گے ارے جنت سے تمہیں کس نے نکالا؟ تمہارے باپ آدم کی غلطی نے ہی تو نکالا، میں تو اس مقام پر نہیں، تم میرے بیٹے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں، میں اللہ کا خلیل ہوں لیکن پرے پرے تم موسیٰ علیہ السلام کا قصد کرو۔ جن سے اللہ نے کلام فرمایا۔ وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے میں تو اس کا مقام کے لئے نہیں۔ تم جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں، عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا مقام پر نہیں۔ تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور انہیں اجازت دی جائے گی۔ پھر امانت اور صلح رحمی کو بھیجا جائے گا اور وہ دونوں پُل صراط کے دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے، دائیں بائیں۔ تم میں سے پہلا آدمی بجلی کی سی تیزی سے پل صراط عبور کرے گا۔ پھر آدمی دوڑنے کی رفتار سے پُل عبور کرے گا اپنے اعمال کے مطابق ان کے اعمال انہیں دوڑائیں گے اور تمہارے اپنے نبی پُل صراط پر کھڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہونگے اے میرے رب! بچا لیجئے، بچا لیجئے! یہاں تک کہ بندوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے یہاں تک کہ ایک آدمی آئے گا اور چلنے کی طاقت نہ رکھے گا مگر گھسٹ گھسٹ کر اور پُل صراط کے دونوں کناروں پر لٹکے ہوئے آنکڑے ہوں گے جو مامور ہوں گے اس بات پر کہ جس کے بارے میں انہیں حکم دیا جائے گا اسے پکڑ لیں، پس بہت سے زخموں سے چور ہو کر نجات پا جائیں گے اور بہت سے وہ ہوں گے کہ الٹ الٹ کر جہنم میں گریں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر برسوں کی مسافت تک ہے۔

تشریح

''من وراء وراء'' یعنی خُلّت اور دوستی پیچھے پیچھے ہے آج میں رب العالمین کے سامنے نہیں جا سکتا ہوں کیونکہ رب العالمین انتہائی جلال و جبروت میں ہے۔ قصیدہ بردہ میں۔

ولن یضیق رسول جاهك بی اذ الکریم تجلی باسم منتقم

کم نہ ہوگا آپ کا رتبہ شفاعت سے میری جلوگر جب ہو باسم منتقم وہ ذی کرم

''وشد الرحال'' پیدل دوڑنے کے معنی میں ہے''تعجز اعمال العباد'' یعنی پل صراط پر تیز دوڑنا اور آہستہ چلنا اعمال کی بنیاد پر ہوگا اگر اعمال کمزور ہوں گے تو آدمی سُرین کے بل رینگ کر چلے گا گھسیٹتا ہوا چلا جائے گا اور اگر اعمال کامل ہوں گے تو برق خاطف وغیرہ کی طرح جائے گا۔''فمخدوش ناج'' یعنی سلاخوں سے زخمی زخمی ہو کر رہ جائے گا مگر بچ جائیگا۔''ومکدوس'' یعنی ٹکڑے ہو کر ھلاک ہو جائے گا یہ لفظ مکردس بھی ہے سب کا معنی ایک ہی ہے کہ پاؤں اور ہاتھوں سے باندھ کر الٹ پلٹ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔''حافتی الصراط'' حافۃ طرف جانب اور کنارہ کو کہتے ہیں۔''وترسل الامانۃ والرحم'' یہ اہتمام شان کی بنیاد پر کہا گیا کہ ان دونوں کو انسان کا جسم دیا جائے گا یہ دونوں وہاں پل صراط کے درمیان کھڑے ہونگے اور حساب وکتاب کے فیصلہ کے بعد بھی یہ اپنا حساب چیک کریں گے اگر اس میں کوئی ناکام ہوا تو دوزخ میں جائے گا''یقرع'' کھٹکھٹانے کے معنی میں ہے۔''تبعاً'' تبع اور تابع کا مطلب یہ ہے کہ میرے متبعین زیادہ ہونگے یہ معجزہ قرآن کی برکت ہے یہ لفظ آنے والی روایت میں ہے۔

۴۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں سفارش کرے گا اور پیروکاروں کے اعتبار سے انبیاء میں میں ہی سرفہرست ہوں گا۔

۴۸۴۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن انبیاء میں سب سے زیادہ پیروکاروں والا ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

۴۸۵۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَإِنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا يُصَدِّقُهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور کسی کی انبیاء میں سے اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی اور بے شک انبیاء میں سے بعض نبی ہوں گے کہ ان کی امت میں سے سوائے ایک آدمی کے کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی ہوگی۔

تشریح

''اول شفیع ''یعنی دخول جنت کے لئے بھی سب سے پہلے آنحضرت کی شفاعت ہوگی یہ شفاعت صغریٰ ہے جو گناہ گاروں کے لئے ہوگی تو شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شافع محشر ہونگے بعض نے جنت میں رفع درجات کے لئے بھی آپ کی شفاعت کا مطلب لیا ہے۔''ماصدقت ''ما مصدریہ ہے ای مثل تصدیقی امتی، معلوم ہوا کہ متبعین کا زیادہ ہونا متبوع کی عظمت کی دلیل ہے آنحضرت کا معجزہ چونکہ قرآن ہے اور قرآن تا قیام قیامت ہے اس لئے ایمان لانے والے زیادہ ہونگے نیز آپ کی نبوت کا دورانیہ بھی بہت لمبا ہے تو متبعین زیادہ ہونگے اللہ تعالیٰ اور لمبا کرے۔

''الارجل واحد ''یعنی ایسے انبیاء بھی ہونگے جن پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ہمت ہارنا اچھا کام نہیں آدمی کو ہمت کی کمر باندھنی چاہئے آگے کوئی مانے یا نہ مانے اس کو ثواب تو پورا ملیگا۔

۴۸۶۔ **وحَدَّثَنِي** عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيَقُولُ الْخَازِنُ مَنْ أَنْتَ ؟ فَأَقُولُ مُحَمَّدٌ فَيَقُولُ بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے روز جنت کے دروازہ پر آؤں گا، دروازہ کھلواؤں گا، دربان جنت کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے آپ ہی کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے قبل کسی کے لئے میں دروازہ نہ کھولوں گا۔

باب اختباء النبی صلی الله علیه وسلم دعوة الشفاعة لامته

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی شفاعت کے لئے ایک دعا چھپا رکھی ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۸۷۔ **حَدَّثَنِي** يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ ابْنِ أَنَسٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا فَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ دعا کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو چھپاؤں قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔

تشریح

''لکل نبی دعوۃ''یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور اعزاز واکرام ہر نبی کو دعاء مانگنے اور اس کو قبول کرنے کا حق عطا فرمایا ہے ہر نبی نے اپنی دعا دنیا میں استعمال کر کے ختم کردی یا اپنی قوم پر بددعاء کی یا کسی اور اچھے کام میں اس کو صرف کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو مؤخر کردیا اور پوشیدہ رکھا قوم نے ہر طرح ستایا مگر آپ نے ان پر بددعا نہیں کی اور دعا کے اس حق کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے رکھا یہ بہت بڑا عظیم اقدام تھا کیونکہ قیامت میں امت کے گناہ گار لوگ کتنی مجبوری میں ہونگے یہ آنحضرت کا کمال شفقت تھی پھر اس میں حد بندی بھی نہیں ہے بلکہ تمام گناہ گاروں کے لئے عام رحمت ہے واقعی آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس باب کی تمام احادیث کا تعلق شفاعت صغریٰ سے ہے اس باب کو الگ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی مگر علامہ نووی نے ایسا کیا تو ہم بھی مجبور ہیں علامہ عثمانیؒ نے اس باب کو باندھا ہی نہیں ہے بلکہ مسلسل احادیث کو بیان کیا ہے انہوں نے بہت اچھا کیا۔

''ان شاء اللہ'' یہ تبرک کے لئے آنحضرت نے استعمال فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مامور بھی تھے۔

''نائلۃ''یعنی یہ دعا ان شاء اللہ حاصل ہوگی اور امت تک اس کے فوائد پہنچیں گے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام کی مقبول دعائیں تو بہت ہیں تو ان احادیث میں ایک قبول شدہ دعا کے عطا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قبول شدہ دعا سے مراد اپنی امت کی ہلاکت اور تباہی کی دعا ہے تو یہ درحقیقت کفار کے حق میں بددعا کی بات ہے اور امت سے امت دعوت کفار مراد ہیں آپ نے کفار پر بددعا نہیں کی باقی انبیاء نے کی۔

''اختبئ'' یہ اختبآء سے ہے چھپانے کے معنی میں ہے مراد باقی رکھنا ہے تاکہ قیامت میں کام آجائے یہ تینوں الفاظ آنے والے روایتوں میں مذکور ہیں۔

۴۸۸۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ اَخْبَرَنِي اَبُوسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ فَاَرَدْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ اَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِاُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ انشاء اللہ اپنی دعا کو اپنی امت کی قیامت کے روز شفاعت کے لئے چھپا کر رکھوں گا۔

۴۸۹۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَخِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ حَدَّثَنِي عَمْرُوبْنُ اَبِي سُفْيَانَ بْنِ اَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ مِثْلَ ذٰلِكَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اس سند کے ساتھ بھی یہی روایت حضرت ابوھریرہؓ سے منقول ہے۔

۴۹۰ ـ **حَدَّثَنِي** حَرمَلَةُ بنُ يَحيٰى اَخبَرَنَا ابنُ وَهبٍ اَخبَرَنِي يُونُس عَن ابنِ شِهَابٍ اَنَّ عَمرو بنَ اَبِي سُفيَانَ بنِ اَسِيدِ بنِ جَارِيَةِ الثَّقَفِيُّ اَخبَرَهُ اَنَّ اَبَاهُرَيرَةَ قَالَ لِكَعبِ الاَحبَارِ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعوَةٌ يَدعُوهَا فَاَنَااُرِيدُ اِن شَاءَ اللّٰهُ اَن اَختَبِئُ دَعوَتِي شَفَاعَةً لِاُمَّتِي يَومَ القِيَامَةِ ـ فَقَالَ كَعبٌ لِاَبِي هُرَيرَةَ اَنتَ سَمِعتَ هٰذَا مِن رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوهُرَيرَةُ نَعَم ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن احبار سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جس سے وہ دعا کرتا ہے میرا ان شاء اللہ ارادہ ہے کہ اپنی دعا کو چھپائے رکھوں قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔کعب احبار نے یہ سن کر فرمایا ابو ہریرہؓ سے کیا آپ نے خود براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں!۔

۴۹۱ ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكرِ بنُ اَبِي شَيبَةَ وَاَبُو كُرَيبٍ وَاللَّفظُ لِاَبِي كُرَيبٍ قَالَا حَدَّثَنَااَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الاَعمَشِ عَن اَبِي صَالِحٍ عَن اَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعوَةٌ مُستَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعوَتَهُ وَاِنِّي اِختَبَاتُ دَعوَتِي شَفَاعَةً لِاُمَّتِي يَومَ القِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ اِن شَاءَ اللّٰهُ مَن مَاتَ مِن اُمَّتِي لَايُشرِكُ بِاللّٰهِ شَيئًا ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مستجاب دعا ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی دعا جلدی مانگ لی، اور میں نے اپنی دعا کو چھپایا ہوا ہے اپنی امت کی قیامت کے روز شفاعت کے لئے اور انشاء اللہ میری شفاعت و دعا میری امت کے ہر شخص کو ملے گی بشرطیکہ اللہ کے ساتھ کسی قسم شرک کرتے ہوئے نہ مرا ہو۔

۴۹۲ ـ **حَدَّثَنَا** قُتَيبَةُ بنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَن عُمَارَةَ وَهُوَابنُ القَعقَاعِ عَن اَبِي زُرعَةَ عَن اَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعوَةٌ مُستَجَابَةٌ يَدعُو بِهَا فَيُستَجَابُ لَهُ فَيُؤتَاهَاوَاِنِّي اِختَبَاتُ دَعوَتِي شَفَاعَةً لِاُمَّتِي يَومَ القِيَامَةِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے نبی وہ دعا مانگتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے اور اسے دیا جاتا ہے، اور بے شک میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے واسطے چھپایا ہوا ہے تاکہ قیامت کے روز شفاعت کروں۔

۴۹۳ ـ **حَدَّثَنَا** عُبَيدُاللّٰهِ بنُ مُعَاذِالعَنبَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبِي حَدَّثَنَاشُعبَةُ عَن مُحَمَّدٍ وَهُوَابنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعتُ اَبَاهُرَيرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعوَةٌ دَعَابِهَا فِي اُمَّتِهِ فَاستُجِيبَ لَهُ وَاِنِّي اُرِيدُ اِن شَاءَ اللّٰهُ اَن اُؤَخِّرَ دَعوَتِي شَفَاعَةً لِاُمَّتِي يَومَ القِيَامَةِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو وہ اپنی امت کے حق میں مانگتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے اور میرا ارادہ انشاء اللہ اپنی دعا کو مؤخر کرنے کا ہے قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔

۴۹۴۔**حَدَّثَنِي** اَبُوغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ غَسَّانَ قَالُوْا حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنُوْنَ ابْنَ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا اَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِاُمَّتِهٖ وَاِنِّيْ اِخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جسے وہ اپنے امت کے لئے مانگا کرتا ہے اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے واسطے قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھی ہے۔

۴۹۵۔**وَحَدَّثَنِيْهِ** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَابْنُ اَبِيْ خَلَفٍ قَالَا حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ۔

اس سند سے بھی قتادہ سے سابقہ روایت منقول ہے۔

۴۹۶۔**حَدَّثَنَا** اَبُوكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح: وَحَدَّثَنِيْهِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدِ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ جَمِيْعًا عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّ فِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ قَالَ قَالَ اُعْطِيَ وَفِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ اُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ۔

قتادہ سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت بھی منقول ہے مگر وکیع کی روایت میں ''اُعطی'' کا لفظ اور اسامہ کی حدیث میں عن النبی کا لفظ ہے۔

۴۹۷۔**وَحَدَّثَنِيْ** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِالْاَعْلٰى حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ۔

اس سند کے ساتھ بھی یہ روایت قتادہ سے انس والی حدیث کی طرح منقول ہے۔

۴۹۸۔**وَحَدَّثَنِيْ** مُحَمَّدُبْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوالزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْدَعَابِهَافِيْ اُمَّتِهٖ وَخَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک نبی کے لئے ایک دعا ہے جو اس نے اپنی امت کے لئے مانگی ہے اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے واسطے قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر لی ہے۔

باب دعاء النبی لامته وبکائه شفقة علیهم

آنحضرت کا اپنی امت کے لئے رو رو کر دعا مانگنا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۴۹۹۔**حَدَّثَنِی** يُونُسُ بْنُ عَبْدِالْاَعْلَى الصَّدَفِيُّ اَخْبَرَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَمْرٌو ابْنُ الْحَارِثِ اَنَّ بَكْرَبْنَ سَوَادَةَ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَاِنَّهُ مِنِّي ﴾(ابراهيم:۳۶) وَقَالَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(المائده:۱۱۸) فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ! اُمَّتِي اُمَّتِي وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَاجِبْرِيْلُ ! اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ فَاسْاَلْهُ مَايُبْكِيْكَ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَهُ فَاَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِمَاقَالَ وَهُوَاَعْلَمُ فَقَالَ اللّٰهُ يَاجِبْرِيْلُ! اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّاسَنُرْضِيْكَ فِي اُمَّتِكَ وَلَانَسُوْءُكَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے۔﴿رب انهن اضللن كثيراً ......﴾ اے میرے رب! بے شک انہوں نے گمراہ کیا بہت سے لوگوں کو پس جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بلاشبہ آپ بہت معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:﴿ان تعذبهم ......﴾ اگر آپ انہیں عذاب دیں تو وہ بے شک آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں بخش دیں تو بلاشبہ آپ بہت زبردست اور حکمت والے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور فرمایا: اے اللہ! میری امت! میری امت اور رونے لگے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور اگرچہ تیرا رب خوب جانتا ہے پوچھو کہ کیوں آہ وزاری فرماتے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا اس سے انہیں باخبر کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو اس کو زیادہ جانتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو کہ: بے شک ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش اور راضی کر دیں گے اور آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔

تشریح

''الصدفی ''یونس صدفی اپنے قبیلہ ''صدف'' کی طرف منسوب ہے۔

''فرفع یدیہ ''دعا میں دونوں ہاتھ اُٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے آنحضرت نے نوافل کے بعد دعا میں ہاتھ اُٹھائے ہیں اور دعا مانگی بھی ہے تعزیت میں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے صلوۃ استقاء میں آپ نے بھرے مجمع میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے لہٰذا فرائض کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا کو بدعت نہیں کہا جاسکتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کو لمعات میں مستحب لکھا ہے مفتی ہند مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے ''النفائس المرغوبة فی الدعا بعدالمکتوبة ''ایک جامع اور عمدہ رسالہ دعا سے متعلق لکھی ہے کہ سنت کے بعد التزام سے دعا ثابت نہیں ہے اور فرائض کے بعد ثابت ہے یہ الگ بات ہے کہ فرائض کے بعد متعین طور پر اجتماعی حیثیت سے رفع یدین کے ساتھ دعا صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے صرف اشارات ہیں قیاسات ہیں استنباطات ہیں اور عام فقہاء کا تعامل ہے نورالایضاح کتاب میں فرائض کے بعد دعا کے لئے باب باندھا گیا ہے۔ حضرت شاہ انور شاہ صاحب نے فیض الباری میں فرائض کے بعد دعا کو ثابت کیا ہے۔

''انا سنرضیك فی امتك ''یعنی آپ پریشان نہ ہوں رونے کی ضرورت نہیں ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے ﴿ولسوف یعطیك ربك فترضی﴾ ایت کی طرف اشارہ ہے اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے راضی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امت کے لئے یہ حدیث تمام نصوص میں سب سے زیادہ پُر امید حدیث ہے اور اس میں نبی مکرم کی بڑی شان نمایاں ہے اور اس میں آپ کی اپنی امت پر بڑی شفقت عیاں ہے اور اس میں اس امت کی بڑی بشارت اور مقام ہے۔

''ولانسوٴك ''یعنی ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں غمگین نہیں کریں گے یہ گویا ''انا سنرضیك'' کی تاکید ہے۔

باب بیان ان من مات علی الکفر فھو فی النار

جو شخص کفر پر مرا وہ دوزخ میں ہوگا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک مختصر سی حدیث نقل کی ہے۔

۵۰۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیْنَ اَبِیْ ؟ قَالَ فِی النَّارِ فَلَمَّا قَفّٰی دَعَاهُ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں، جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ

دونوں جہنم میں ہیں۔

تشریح

''قفی'' یہ باب تفعیل سے مڑ کر جانے کے معنی میں ہے قفا گردن کو کہتے ہیں پیٹھ پھیر کر جانے کے معنی میں ہے۔''دعاہ''یعنی اس سوال کے کرنے والے اور مڑ کر جانے والے شخص کو آنحضرت نے بلایا اور پھر فرمایا۔

''ان ابی واباك فی النار''اس شخص کو شاید شدید کوفت ہوئی ہوگی تو اس کی تسلی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف تیرا مسئلہ نہیں ہے بلکہ جاہلیت کے دور میں مرنے والے سب دوزخ میں ہیں خواہ تیرا باپ ہو یا میرا باپ ہو اس حدیث سے ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حیثیت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مضبوط جگر تھا کہ اپنے آباواجداد کے بارے میں ساری وعیدات سننے کے باوجود اسلام کو سینہ سے لگائے رکھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوطالب مسلمان ہو جاتا تو مجھے اپنے باپ کے اسلام قبول کرنے سے ان کے اسلام پر زیادہ خوشی ہوتی اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے ایمان پر بہت خوش ہو جاتے تو یہ ہماری خوشی ہوتی۔ بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں علماء کرام فقہاء عظام اور شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں لیکن خلاصہ اور نچوڑ کو اگر دیکھا جائے تو کل تین آراء اور تین اقوال ہیں۔

پہلا قول

آنحضرت کے والدین کے بارے میں پہلا قول یہ ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔ علامہ نووی امام مسلم امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں امام مسلم نے تو زیر بحث حدیث نقل کی ہے اور علامہ نووی شرح میں لکھتے ہیں کہ جو شخص بھی کفر پر مرا وہ دوزخ میں جائے گا اور جو عرب فترت کے زمانہ میں مر چکے ہیں اور انہوں نے عام عرب کی طرح بت پرستی کی ہے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے اور چونکہ فترت کے زمانہ کے لوگوں تک حضرت ابراہیمؑ کی دعوت پہنچ چکی تھی لہذا ﴿وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً﴾ کے استثنیٰ میں وہ نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف فقہ اکبر میں یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا''ان والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر''امام مسلم نے ایک اور حدیث کی تخریج اس طرح کی ہے''استأذنتُ ربی ان استغفر لامی فلم یأذن لی''اسی طرح زیر بحث حدیث بھی ہے۔ (فتح الملہم)

دوسرا قول

دوسرا قول اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب الزواجر میں فرماتے ہیں

"ان نبيناصلى الله عليه وسلم قداكرمه الله تعالىٰ بحياة ابويه له حتى آمنابه كمافي حديث صححه القرطبي وابن ناصرالدين حافظ الشام فانتفعا بالايمان بعدالموت على خلاف القاعدة اكراما لنبيه صلى الله عليه وسلم"۔ (كذافي ردالمحتار)

اسی طرح ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں یا امام ابوحنیفہؒ کے قول میں آنحضرت کے والدین کے کفر پر خاتمے کا جو ذکر ہوا ہے وہ ابن حجر کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کفر والی بات بہت پہلے کی ہو اور ایمان کی بات بعد کی ہو اور مذکورہ حدیث میں باپ سے چچا ابوطالب مراد ہو چچا پر باپ کا اطلاق مشہور ومعروف ہے۔ اسی طرح علماء کے ایک طبقہ نے زمانہ فترت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ نجات یافتہ ہیں متکلمین اشاعرہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی دعوت اسلام کے پہنچنے سے پہلے مرگیا وہ دوزخ سے بچ گیا البتہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی مگر انہوں نے نہ کفر کیا اور نہ توحید کا عقیدہ رکھا تو ایسے لوگوں پر عذاب نہیں ہوگا لیکن اس طرح دور میں اگر ان لوگوں نے کفر کا عقیدہ رکھا تو وہ دوزخ میں جائیں گے خلاصہ یہ کہ فترت کے دور سے بھی علماء نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت کے والدین سے بت پرستی کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ علماء کے ایک طبقہ نے آنحضرت کے تمام آباؤاجداد کو اہل توحید قرار دیا ہے اور قرآن کی آیت "تقلبك فى الساجدين" سے استدلال کیا ہے گو یہ استدلال کمزور ہے۔ (کذا فی فتح الملہم)

بعض محققین نے کہا ہے کہ اہل فترت کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان ہوگا تو ان کے پاس ہونے یا ناکام ہونے سے پہلے جنتی یا دوزخی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جو لوگ فترت کے زمانہ میں مرچکے ہیں یا مجنون مرے ہیں قیامت کے روز ان کا امتحان ہوگا۔ یہ سب استدلالات آنحضرت کے والدین کے ایمان پر خاتمے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے آنحضرت کے والدین کے ایمان پر ایک کتاب لکھی ہے راقم الحروف کہتا ہے کہ میں بھی آنحضرت کے والدین کی نجات کا قائل ہوں، بندہ کے دل کے اندر جھانک کر دیکھو تو وہاں آنحضرت کے والدین کے ایمان پر خاتمے کا جذبہ نظر آئے گا۔

تیسرا قول

آنحضرت کے والدین کے ایمان کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں آدمی کو خاموشی اختیار کرنی چاہئے اکابر علماء دیوبند کا بھی یہی نظریہ ہے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے خاموشی پر عمدہ کلام پیش کیا ہے فرمایا

وبالجملة كماقال بعض المحققين انه لاينبغي ذكرهذه المسئلة الامع مزيدالادب وليست من المسائل

التی یضر جهلها او یسأل عنهافی القبراوفی الموقف فحفظ اللسان عن التکلم فیها الا بخیر اولی و اسلم ۔

(فتح الملهم ج۱،۵۳۶)

باب فی قوله تعالیٰ و انذرعشیرتک الاقربین

اپنے قریبی رشتہ داروں کے ڈرانے کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۰۱ـ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) دَعَا رَسُولُ اللَّهِ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وانذرعشیرتک الاقربین﴾ یعنی آپ ڈرائیے اپنے برادری والوں کو قریبی رشتہ داروں کو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا۔ وہ سب جمع ہو گئے تو عموماً سب کو ڈرایا پھر خصوصیت سے ڈراتے ہوئے فرمایا: اے بنی کعب بن لوئی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی مرۃ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ کیونکہ میں تمہارے معاملہ میں اللہ کے آگے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ تم سے ایک رشتہ اور قرابت ہے جسے میں تر کرتا رہوں گا اس کی تری سے۔

تشریح

''عشیرتک الاقربین'' قریبی رشتہ دار اور قبیلہ کے خاص افراد کو عشیرہ کہتے ہیں اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ نزول وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے چند افراد کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت خدیجہ اور گھر کے دیگر چار، پانچ آدمی مسلمان ہو گئے قریش کے بعض افراد کو پتہ چلا تو کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عجیب عجیب باتیں کرنے لگے ہیں یہ خود بھی مجنون

ہو گیا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی مجنون بنا دیا ہے اس کی تردید میں سورۃ قلم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ما انت بنعمة ربك بمجنون ﴾ اور فرمایا ﴿وان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون انه لمجنون ﴾ قریبی رشتہ داروں کے ڈرانے کا حکم جب آ گیا تو آنحضرت نے کھانے کا اہتمام کیا اور رشتہ داروں کو بلایا تاکہ اسلام کی دعوت دیں، جب لوگوں نے کھانا کھایا تین چار آدمیوں کا کھانا تھا مگر بطور معجزہ اس میں برکت آ گئی کم وبیش چالیس افراد نے پیٹ بھر کر کھایا تو ابولہب نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں اس نے کھانے پر جادو کیا تو زیادہ ہو گیا اس افراتفری میں آنحضرت اپنے دل کی بات ظاہر نہ کر سکے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعوت پر رشتہ داروں کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دے دی وہ لوگ بھاگ گئے سورۃ ''ص'' کی ابتدائی آیتوں کا تعلق اسی واقعہ سے ہے اس خاص دعوت اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر تین سال تک چلائی پھر ﴿فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین ﴾ آیت اُتری اور آپ کو عام دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا، آنحضرت عرب کی عادت کے مطابق کوہ صفا پر آ کر کھڑے ہو گئے اور قریش کو اس طرح بلایا ''یاصباحاہ واصباحاہ'' ہائے صبح کے وقت دشمن کا حملہ ہونے والا ہے اس آواز کو جب قریش نے سنا تو دوڑ دوڑ کر آ گئے کہ صادق الامین اپنی کسی مجبوری میں مدد کے لئے پکار رہا ہے کوئی خود آیا کسی نے اپنا نمائندہ بھیجا تو دیکھتے ہی دیکھتے ''صفا'' پہاڑی لوگوں سے بھر گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی ذات کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ میں نے چالیس سال تمہارے اندر گذارے ہیں کیا تم لوگوں نے مجھے کبھی جھوٹا پایا ہے؟ سب نے کہا کہ ہم نے بارہا تجربہ بھی کیا ہے لیکن آپ کو ہم نے سچا ہی پایا ہے آپ نے فرمایا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر ہوں مجھے دونوں طرف نظر آتے ہیں اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے اس دامن سے ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم مانو گے؟ سب نے کہا مانیں گے تب آپ نے فرمایا

''یاایھاالناس قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید''۔

اس پر ابولہب کھڑے ہو گئے اور کہا ''تبالك سائر الیوم اَلِھٰذا جمعتنا؟'' یعنی تجھے مسلسل ہلاکت کا سامنا ہو تم نے اس بات کے لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر ﴿تبت یدا ابی لھب وتب ﴾ سورت اُتری۔

آنحضرت نے اس دعوت میں عام قریش کو بھی مخاطب کیا اور خاص رشتہ داروں کا نام لیکر بھی مخاطب کیا لیکن دو منٹ پہلے جو لوگ آنحضرت کو صادق الامین کہتے تھے حق کے اعلان کے دو منٹ بعد سب نے کہا کہ ''فقال الکافرون ھذا ساحر کذاب'' زیر بحث باب کی احادیث کا تعلق اسی عام اور خاص دعوت کے ساتھ ہے۔

سوال

یہاں پر سوال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث اور واقعہ کو کیسے بیان کیا ان کا تو ابھی وجود بھی نہیں تھا اسی طرح حضرت

فاطمہ اور حضرت عائشہ کا نام کیسے لیا گیا یہ حضرات اس وقت کہاں موجود ہو سکتے ہیں؟

جواب

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے جو اس واقعہ کو نقل کیا ہے تو یا تو یہ روایت مراسیل صحابہ میں سے ہے کہ ان حضرات نے دوسرے صحابہ سے سنا یا واقعہ میں تعدد ماننا ہوگا کہ یہ دعوت مکہ میں بھی چلائی گئی اور مدینہ میں بھی چلائی گئی جس میں حضرت فاطمہ حضرت ام سلمہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کا نام لیا گیا ہے۔

''فعم وخص'' یعنی آنحضرت نے اپنے اعلان میں عام قریش کا نام بھی لیا اور عموم کے بعد اپنے خاندان کے خاص افراد کا نام بھی لیا اور دعوت دیدی'' انقذوا انفسکم من النار'' یعنی ایمان لے آؤ اسلام قبول کرلو تو دوزخ سے چھوٹ جاؤ گے لہٰذا اپنی جانوں کو آگ سے چھڑالو۔'' رحماً'' یعنی صلہ رحمی ہے اس کا حق ہے وہ میں ہر حالت میں پورا کروں گا۔

''سأبلھا ببلالھا'' بل یبل بلاو بللاو بلالاً، تر کرنے کے معنی میں ہے صلہ رحمی جوڑنے کے لئے تر کرنے کا لفظ بولا جاتا ہے اور صلہ توڑنے کے لئے'' ایبس'' یعنی خشکی کا لفظ بولا جاتا ہے گویا صلہ رحمی ایک کھیت اور زمین کی مانند ہے اس کو احسان اور محبت کا پانی ملے گا تو تر و تازہ رہیگی ورنہ خشک ہو جائے گی۔

۵۰۲۔**وَحَدَّثَنِی** عُبَیْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِیْرِیُّ حَدَّثَنَااَبُوْعَوَانَۃَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ بِھٰذَاالْاِسْنَادِ وَحَدِیْثُ جَرِیْرٍاَتَمُّ وَاَشْبَعُ۔

عبدالملک بن عمیر سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے۔اور جریر کی حدیث اکمل اور پوری ہے۔

۵۰۳۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَاوَکِیْعٌ وَیُوْنُسُ بْنُ بُکَیْرٍ قَالَاحَدَّثَنَاھِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَاَنْذِرْعَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۴)قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَی الصَّفَا فَقَالَ یَافَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ! یَاصَفِیَّۃُ بِنْتَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! یَابَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! لَااَمْلِكُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا سَلُوْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَاشِئْتُمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت ﴿وانذر عشیرتك الاقربین﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے معاملہ میں اللہ کے سامنے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مجھ سے میرا جو مال مانگنا چاہو تو مانگ لو۔

تشریح

''علی الصفا'' صفا پہاڑی بیت اللہ کے بالکل ساتھ ہے صرف چند گز کا فاصلہ ہے حجاج کرام سعی اسی صفا اور مروہ کے درمیان کرتے ہیں۔''سلونی من مال'' یعنی دنیا اور مال کا مسئلہ اگر ہے تو اس کا حل میں نکال سکتا ہوں تم مجھ سے مانگو میں کہیں سے

لا کر تم کو دے سکتا ہوں لیکن آخرت کی کامیابی کے لئے اور دوزخ سے بچ کر جنت میں جانے کے لئے ایمان کی ضرورت ہے وہ تمہارا کام ہے کہ ایمان لاؤ میں نے بھرپور دعوت دیدی ہے آگے کام تمہارا ہے۔

۵۰۴۔ **وَحَدَّثَنِی** حَرمَلَةُ بنُ یَحیَی اَخبَرَنَا ابنُ وَهبٍ قَالَ اَخبَرَنِی یُونُسُ عَنِ ابنِ شِهَابٍ قَالَ اَخبَرَنِی ابنُ المُسَیَّبِ وَاَبُوسَلَمَةَ بنُ عَبدِالرَّحمٰنِ اَنَّ اَبَاهُرَیرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ حِینَ اُنزِلَ عَلَیهِ ﴿وَاَنذِرعَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ﴾ یَامَعشَرَ قُرَیشٍ! اِشتَرُوااَنفُسَکُم مِنَ اللّٰهِ لَااُغنِی عَنکُم مِنَ اللّٰهِ شَیئًا یَاصَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ ! لَااُغنِی عَنکِ مِنَ اللّٰهِ شَیئًا یَافَاطِمَةُ بِنتُ رَسُولِ اللّٰهِ ! سَلِینِی بِمَاشِئتِ لَااُغنِی عَنکِ مِنَ اللّٰهِ شَیئًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿وانذرعشیرتك الاقربین﴾ نازل ہوئی: تو آپ نے فرمایا اے خاندان قریش اللہ سے اپنی جانوں کو خرید لو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں کام نہ آؤں گا تمہیں اللہ کے آگے کچھ بھی۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تمہیں بھی اللہ کے سامنے کسی چیز سے بے نیاز نہ کرسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! مجھ سے جو چاہے مانگ لے لیکن میں اللہ کے سامنے تیرے کسی کام نہ آؤں گا۔

۵۰۵۔ **وَحَدَّثَنِی** عَمرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بنُ عَمرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا عَبدُاللّٰهِ ابنُ ذَکوَانَ عَنِ الاَعرَجِ عَن اَبِی هُرَیرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ نَحوَهٰذَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ روایت کی طرح یہ روایت نقل بھی کرتے ہیں۔

۵۰۶۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوکَامِلِ الجَحدَرِیُّ حَدَّثَنَا یَزِیدُبنُ زُرَیعٍ حَدَّثَنَا التَّیمِیُّ عَن اَبِی عُثمَانَ عَن قَبِیصَةَ بنِ المُخَارِقِ وَزُهَیرُبنُ عَمرٍو قَالَالَمَّا نَزَلَت ﴿وَاَنذِرعَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ﴾ قَالَ انطَلَقَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ اِلٰی رَضمَةٍ مِن جَبَلٍ فَعَلَا اَعلَاهَا حَجَرًا ثُمَّ نَادٰی یَابَنِی عَبدِمَنَافَاهُ اِنِّی نَذِیرٌ اِنَّمَامَثَلِی وَمَثَلُکُم کَمَثَلِ رَجُلٍ رَاَی العَدُوَّ فَانطَلَقَ یَربَأُاَهلَهُ فَخَشِیَ اَن یَّسبِقُوهُ فَجَعَلَ یَهتِفُ یَاصَبَاحَاهُ۔

حضرت قبیصہ بن المخارق رضی اللہ عنہ اور زہیر بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ﴿وانذر عشیرتك الاقربین﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک چٹان کی طرف گئے اور اس کی بلندترین پتھر پر چڑھے اور آواز لگائی اے بنی عبد مناف! میں ڈرانے والا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال ایک ایسے آدمی کی ہے کہ جس نے کسی دشمن کو دیکھا اور اپنے گھر والوں کو بچانے کے لئے چل پڑا، پھر اسے ڈر ہوا کہ دشمن کہیں اس سے جلدی نہ پہنچ جائے تو وہی سے چیخنے لگا: یاصباحاہ۔

تشریح

''الی رضمة من جبل ''جبل سے مرادو ہی صفا کی پہاڑی ہےاور''رضمة'' کی جمع رضام اور رضم ہے یہ ان بڑی بڑی چٹانوں کو کہتے ہیں جوایک دوسرے پر پڑی ہوئی ہوں چنانچہ کوہ صفا کی یہ چٹانیں اب بھی نظر آتی ہیں جوایک دوسرے کےاوپر پڑی ہوئی ہیں۔

''یربأاهله'' یربأ فتح یفتح سے نگرانی اور حفاظت کرنے کے معنی میں ہے کہ کوئی دشمن اچانک حملہ نہ کرے ربیئہ جاسوس کو بھی کہتے ہیں جو بلند جگہ پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیتا ہےاوراس باز کو بھی کہتے ہیں جواپنے شکار کے لئے بلند جگہ پر بیٹھ کرادھرادھر دیکھتا ہے''فخشی ان یسبقوہ ''یعنی یہ نگران آدمی اپنی قوم کی نگرانی کرتا ہے جب دشمن آتا ہےتو یہ دوڑ کر قوم کواطلاع کرتا ہےلیکن جب ان کوخطرہ لاحق ہوجاتا ہے کہ جانے میں شاید دشمن ان سے آگے نکل جائیں گے اورنقصان پہنچادیں گے آواز چونکہ جلدی پہنچتی ہے اس لئے یہ آدمی اسی جگہ سے چیخ چیخ کرآواز دیتا ہے''واصباحاہ'' ہائے صبح کے وقت دشمن حملہ کرنے آرہا ہےاس دشمن سے شیطان کالشکر مراد ہے ظاہری لشکر نہیں،آنحضرت نے قوم کے بچاؤ کے لئے اپنی تشبیہ اسی خیرخواہ نگران سے دی ہے جو چوکس ہو کر نگرانی کر رہا ہو۔

۵۰۷۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِالْاَعْلٰی حَدَّثَنَاالْمُعْتَمِرُ عَنْ اَبِیْہِ حَدَّثَنَااَبُوْعُثْمَانَ عَنْ زُھَیْرِبْنِ عَمْرٍووَقَبِیْصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ عنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِہٖ ۔

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

۵۰۸۔**وَحَدَّثَنَا** اَبُوکُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَااَبُوْاُسَامَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَةُ﴿وَاَنْذِرْعَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾وَرَھْطَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی صَعِدَالصَّفَا فَھَتَفَ یَاصَبَاحَاہُ فَقَالُوْامَنْ ھٰذَاالَّذِیْ یَھْتِفُ؟ قَالُوْامُحَمَّدٌ فَاجْتَمَعُوْا اِلَیْہِ فَقَالَ یَابَنِیْ فُلَانٍ ! یَابَنِیْ فُلَانٍ!یَابَنِیْ عَبْدِمَنَافٍ!یَابَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! فَاجْتَمَعُوْااِلَیْہِ فَقَالَ اَرَاَیْتُکُمْ لَوْاَخْبَرْتُکُمْ اَنَّ خَیْلًا تَخْرُجُ بِسَفْحِ ھٰذَاالْجَبَلِ اَکُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ؟ قَالُوْا مَاجَرَّبْنَا عَلَیْکَ کَذِبًا قَالَ فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ، فَقَالَ اَبُوْلَھَبٍ تَبًّا لَّکَ ! اَمَاجَمَعْتَنَا اِلَّا لِھٰذَا ؟ ثُمَّ قَالَ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ السُّوْرَةُ﴿تَبَّتْ یَدَااَبِیْ لَھَبٍ وَّقَدْ تَبَّ﴾ کَذَاقَرَاَ الْاَعْمَشُ اِلٰی آخِرِالسُّوْرَةِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ﴿وانذرعشیرتك الاقربین ﴾ورھطك منھم المخلصین،(یہ دوسری آیت منسوخ ہے)اب صرف﴿وانذرعشیرتك الاقربین ﴾باقی ہے،نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اورصفا پر چڑھ گئے اورنعرہ بلند کیایاصباحاہ!لوگوں نے کہایہ کون پکار رہا ہے؟لوگوں نے کہایہ محمد ہے،چنانچہ سب جمع ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اے بنی فلاں!اے بنی فلاں!

اے بنی عبد مناف !اے بنی عبدالمطلب ،سب آپ کے پاس جمع ہو کر آ گئے تو آپ نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بتلاؤں کہ اس پہاڑ کے نیچے دامن سے گھوڑے نکل رہے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کے بارے میں کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمہیں ڈرانے والا ہوں سخت عذاب سے جو سامنے آ چکا ہے۔ پھر ابولہب نے کہا: تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں کسی اور وجہ سے نہیں جمع کیا سوائے اس ایک وجہ کے، پھر وہ کھڑا ہوا تو یہ سورت نازل ہوئی ﴿تبت یدا ابی لھب﴾۔

تشریح

''ورھطك منھم المخلصین'' علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جملہ قرآن کا حصہ تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا اس میں عموم کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کو بھی ڈرائیں اور مخلص مؤمنین کو بھی ڈرائیں۔

"ارئیتکم"ای اخبرونی یعنی مجھے بتادو''خیلاً''شہسوار دستے اور لشکر کو کہتے ہیں مراد شیطان کا لشکر ہے نبی اکرم کو نظر آ گیا عام انسانوں کو نظر نہیں آ رہا تھا''بسفح ھذاالجبل ''سفح پہاڑ کی اترائی اور چوڑائی اور کنارہ کو کہتے ہیں یہاں یہی کنارہ اور دامن مراد ہے''ماجربنا علیك کذبا ''تفصیل میں یہ الفاظ ہیں''قالوا جربناك مراراً فمارئینافیك الاصدقاً ''''فانی نذیرلکم'' نذیر کا لفظ قرآن میں بار بار آیا ہے عرب معاشرہ میں یہ لفظ رسول کے لئے مشہور تھا تو فانی نذیر درحقیقت''فانی رسول'' تھا یہی وجہ ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس لفظ سے اشتباہ پیدا نہیں ہوا بلکہ سب کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کر دیا ہے۔ کاہنوں کے ہاں بھی نذیر کا لفظ مشہور تھا چنانچہ مکہ مکرمہ کی ایک کاہنہ عورت نے جب محترمہ آمنہ کو دیکھا تو کہنے لگی کہ یہ عورت یا خود نذیرہ ہے یا اس کے پیٹ سے نذیر پیدا ہو گا ایک اور کاہنہ عورت نے آنحضرت کو دیکھا تو کہا ''انت نذیر ''خواجہ عبداللہ کو بھی کاہنوں نے پہچان لیا تھا کہ یہ یا خود نذیر ہو گا یا اس سے نذیر پیدا ہو گا، چنانچہ خواجہ عبداللہ پر یہود نے قتل کرنے کے لئے کئی حملے کیے۔

''اماجمعتناالالھٰذا''ہمزہ استفہامیہ ہے اور ما نافیہ ہے اسی لئے استثنٰی آ گیا ہے۔''وقدتب ''مصحف عثمانی میں''قد'' کا لفظ نہیں ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے اعمش کی قرأت نہیں ہے وہ صرف ناقل ہیں۔

یاصباحاہ،یاعبدمنافاہ وغیرہ الفاظ ندبہ کے لئے ہیں مصیبت کے وقت یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔

۵۰۹۔وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمِ الصَّفَا فَقَالَ يَاصَبَاحَاهُ بِنَحْوِ حَدِيْثِ اَبِىْ اُسَامَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ نُزُوْلَ الْاٰيَةِ﴿وَاَنْذِرْعَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾۔

اعمش سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے،

اوریاصباحاہ پکارا جیسا کہ ابواسامہ کی روایت میں مذکور ہے مگر اس میں آیت ﴿وانذر عشیرتك الاقربین﴾ کا نزول مذکور نہیں۔

باب شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم لابی طالب

ابوطالب کے تخفیف عذاب کے لئے آنحضرت کی شفاعت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۱۰۔ **حَدَّثَنَا** عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِیْرِیُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرِ الْمُقَدَّمِیُّ وَمُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِالْمَلِكِ الْاُمَوِیُّ قَالُوْا حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَنَّهُ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! هَلْ نَفَعْتَ اَبَاطَالِبٍ بِشَیْءٍ فَاِنَّهُ کَانَ یَحُوْطُكَ وَیَغْضَبُ لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ هُوَفِیْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَّارٍ وَلَوْلَا اَنَالَکَانَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا؟ کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپ کے لئے غصہ ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ جہنم کے اوپر والے درجہ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

تشریح

''یحوطك''یعنی آپ کی حفاظت کے لئے ہر طرف سے آپ کو حفاظتی گھیرے میں لیتا تھا''ویغضب لك''یعنی آپ کے لئے لوگوں پر غصہ ہوتا تھا اور قول وفعل سے آپ کا دفاع کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دفاع کا ایک ظاہری ذریعہ بنایا تھا ابوطالب مسلمان نہیں ہوا اس لئے قریش کے ساتھ تعلقات استوار تھے وہ اگر آنحضرت پر حملہ کرتے تو ابوطالب آڑے آتا تھا وہ لوگ ابوطالب کی بات ٹھکرا نہیں سکتے تھے کیونکہ عقیدہ ایک تھا کفار نے کئی مرتبہ کہا کہ آپ درمیان سے ہٹ جائیں تاکہ ہم کھل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کردیں۔

ایک دفعہ ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں میں قریش کا اکیلے مقابلہ نہیں کرسکتا ہوں آپ قریش کے ساتھ میری زندگی میں صلح کرلیں تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے آنحضرت نے فرمایا کہ بیشک آپ درمیان سے ہٹ جائیں میں اپنے مدعا کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں یہاں تک کہ یا میں مرجاؤں یا اللہ کا دین غالب آجائے گا۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند اتار کر رکھ دیں میں پھر بھی اپنے مدعا سے پیچھے نہیں ہٹوں گا یہ کہہ کر آنحضرت غمزدہ ہوکر جانے لگے تو ابوطالب نے آپ کو واپس بلایا اور کہا کہ پورے عرب کے مقابلے میں آپ اکیلے کھڑے ہیں اگر آپ کے ساتھ

آپ کا رب نہ ہوتا تو آپ اکیلے نہیں ٹھہر سکتے اب آپ جو چاہیں کہہ دیں دین کو بیان کریں میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ اگر ابوطالب کھل کر مسلمان ہو جاتے تو وہ خلیج بن کر نبی اکرمؐ کی مدد نہیں کر سکتے چونکہ ابوطالب نے آنحضرت کو بچپن میں کندھوں پر اٹھایا آنحضرت کا بدن مبارک ابوطالب کے پورے جسم کے ساتھ لگ گیا تھا اس لئے دوزخ کی آگ ظاہری بدن پر اثر نہیں کر سکتی تھی لہٰذا پاؤں کے تلوؤں میں آگ کا ایک انگارہ رکھدیا گیا جس سے دماغ جوش مارنے لگا۔ ابوطالب کی موت کفر پر آئی تھی مکمل تفصیلات اس سے پہلے حدیث ۱۳۲ کی تشریح میں لکھی جا چکی ہیں۔

''ضحضاح'' زمین کے اوپر حصہ پر جب اتنا پانی ہو جو ٹخنوں تک پہنچ جائے اس نرم پانی کو ضحضاح کہتے ہیں یہاں یہ لفظ پانی کے بجائے آگ کے نرم حصہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے آگ کا اوپر سطح مراد ہے اس کے مقابلے میں ''الدرك الاسفل'' کے الفاظ آتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ضحضاح کا تقابل ''غمرات'' سے کیا گیا ہے غمرات جمع ہے اس کا مفرد غمرة ہے گہرے پانی کو کہتے ہیں آگ کی بڑی لپٹوں کو غمرات کہتے ہیں۔ ''وجدته'' یعنی میں نے اس کو قیامت کے دن عذاب کا مستحق پایا۔ ''فاخرجته'' یعنی میں نے اس کی شفاعت کی تو قیامت کے دن وہ آگ کے اوپر سطح پر ہوگا۔

۵۱۱۔**حَدَّثَنَا** اِبْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ یَقُوْلُ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنَّ اَبَاطَالِبٍ كَانَ یَحُوْطُكَ وَیَنْصُرُكَ وَیَغْضَبُ لَكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذٰلِكَ؟ قَالَ نَعَمْ وَجَدْتُّهُ فِیْ غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ فَاَخْرَجْتُهُ اِلٰی ضَحْضَاحٍ۔

حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بے شک ابوطالب آپ کی بہت حفاظت اور مدد کرتے تھے، اور آپ کی خاطر غصہ ہوتے تھے، تو کیا یہ سب کام انہیں نفع دیں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں، میں نے انہیں جہنم کے سخت مقامات میں پایا لہٰذا میں انہیں اوپر کے طبقہ تک نکال لایا۔

۵۱۲۔**وَحَدَّثَنِیْهِ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ سُفْیَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اَخْبَرَنِی الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ح: وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِیْثِ اَبِیْ عَوَانَةَ۔

حضرت سفیان کے واسطہ حضرت ابن عباسؓ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوعوانہ کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۵۱۳۔**وَحَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا لَیْثٌ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِالْخُدْرِیِّ اَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ اَبُوْطَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِيْ مِنْهُ دِمَاغُهُ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید قیامت کے روز میری شفاعت انہیں فائدہ پہنچائے گی اور انہیں جہنم کے سب سے ہلکے عذاب میں رکھا جائے گا جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ ابلنے لگے گا۔

باب اهون اهل النار عذابا

دوزخ میں سب سے کم عذاب والا شخص

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۱۴ ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ اَبِيْ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يُنْتَعَلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَّارٍ يَغْلِيْ دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا کہ اسے دو جوتے آگ کے پہنائے جائینگے جس سے اس کا بھیجا ان جوتوں کی حرارت سے جوش مارنے لگے گا۔ (العیاذ باللہ)

۵۱۵ ـ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَاثَابِتٌ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَمُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا اور وہ دو جوتے پہنے ہوئے ہوں گے ان سے ان کا دماغ ابلنے لگے گا۔

۵۱۶ ـ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِاِبْنِ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَااِسْحَاقَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَخْطُبُ وَهُوَيَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ يُوْضَعُ فِيْ اَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنا فرمایا: عذاب کے اعتبار سے اہل جہنم میں قیامت کے روز ایک شخص ہوگا اس کے تلووں میں دو انگارے رکھے جائیں گے جن سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا۔

تشریح

''فی اخمص قدمیه'' اخمص پاؤں کے تلوے کو کہتے ہیں شاعر ساحر نے کہا۔

فبأیما قدم سعیت الی العلی ادم الهلال لاخمصیك حذاء

''جمرتان'' یہ جمرۃ کا تثنیہ ہے آگ کا شعلہ جب ختم ہو جائے اور کوئلہ میں سرخ آگ موجود ہو اسی کو جمرۃ کہتے ہیں جس کو اردو میں انگارہ کہتے ہیں ''یغلی'' ابلنے اور جوش مارنے اور کھولنے کو کہتے ہیں، قرآن میں ہے ﴿فماتنفعهم شفاعة الشافعین﴾

سوال

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت کی شفاعت سے ابوطالب کو فائدہ ہوا یہ آیت اور حدیث میں تعارض ہے کیونکہ کافر کے لئے شفاعت نہیں ہے۔

جواب

اس کا ایک جواب شارحین نے یہ دیا ہے کہ ایک شفاعت مطلق عذاب کے ختم کرنے کے لئے ہے قرآن میں اسی کی نفی ہے اب کافر کا عذاب شفاعت سے بالکل ختم نہیں ہو سکتا ہے تخفیف آسکتی ہے تو ابوطالب کے عذاب میں شفاعت سے تخفیف آگئی ہے آیت کے مطابق عذاب کی نفی نہیں ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ابوطالب کے بارے میں شفاعت آنحضرت کی خصوصیات میں سے ہے جس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

''المرجل'' دیگچی اور دیگ کو کہتے ہیں چاروں حدیثوں کے مختلف الفاظ کو ترتیب دیکر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابوطالب کو دوزخ میں صرف آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جس کے تسمے ہونگے یہ تسمے بھی آگ کے ہونگے اور چپل بھی آگ کے ہونگے لیکن ان کے اندر آگ کے دو انگارے ہونگے جو تلوؤں کے ساتھ لگے ہونگے جس سے اندر جسم میں آگ سرایت کر جائے گی اور دماغ ابل پڑیں گے یہ ابوطالب کے بارے میں ہے ابوطالب خود سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں ہو رہا ہے۔ حالانکہ ان کو سب سے کم عذاب ہو رہا ہوگا، اعاذنا الله من قلیل النار و کثیرها۔

۵۱۷۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا

دِمَاغُہٗ کَمَایَغْلِی الْمِرْجَلُ مَایَرٰی اَنَّ اَحَدًااَشَدَّمِنْہُ عَذَابًا وَاِنَّہٗ لَاَھْوَنُھُمْ عَذَابًا ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم تر عذاب اس کو ہوگا جس کے دو جوتے اور دو تسمے آگ کے ہوں گے جن سے ان کا دماغ ایسے جوش مارے گا جیسے ہانڈی جوش مارتی ہے۔ اور اس کا خیال ہوگا کہ کسی کو بھی اتنا شدید عذاب نہ ہوا ہوگا اور حقیقتاً اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

باب من مات علی الکفر لاینفعہ عمل

جو شخص کفر پر مر گیا اس کو کوئی عمل فائدہ نہیں دے سکتا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے۔

۵۱۸۔**حَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ دَاوٗدَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! اِبْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ فَھَلْ ذَاکَ نَافِعُہٗ ؟ قَالَ لَایَنْفَعُہٗ اِنَّہٗ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان جو جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا، مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، تو کیا یہ اعمال اسے فائدہ دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے یہ اعمال اسے نفع نہ دیں گے اس نے کبھی یہ نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے روز میرے گناہوں کو بخش دیجئے۔

تشریح

''قال لاینفعہ''یعنی ابن جدعان کو اس کی نیکی اور صلہ رحمی کا کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ وہ کافر تھا اور کفر پر مرا ہے جس نے زندگی میں کبھی ایک بار بھی رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین نہیں کہا تو وہ قیامت کا منکر ہے لہٰذا آخرت میں اس کو صلہ رحمی اور اطعام طعام اور خدمت خلق اور مکارم اخلاق سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ کافر کو اس کا نیک عمل قیامت میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا نہ عذاب ختم ہوگا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی نہ ان کو کوئی ثواب ملے گا ہاں بعض کفار اپنے جرائم کے اعتبار سے دوسرے کفار سے عذاب میں کم ہونگے۔ (نووی)

مثال کے طور پر بش ملعون ایک لاکھ مسلمانوں کا قاتل ہے اور اوباما ملعون دو لاکھ کا قاتل ہے تو جو دو لاکھ کا قاتل ہے اس کا جرم زیادہ ہے تو عذاب بھی زیادہ ہوگا۔

ابن جدعان کے احوال

ابن جدعان کا نام عبد اللہ تھا اس کا تعلق بنو تیم بن مرہ سے تھا یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قبیلہ اور خاندان کا آدمی تھا اسی لئے حضرت

عائشہ نے ان کے بارے میں آنحضرت سے سوال کیا عبداللہ بن جدعان ابتدا میں نہایت لوفر آوارہ شخص تھا اپنے علاقہ میں ایک قتل کیا پھر دوسرا قتل کیا اس کا باپ تاوان بھر بھر کر تھک گیا سب نے اتفاق سے اس کو علاقہ سے نکال دیا باپ نے کہا کہ میرا سارا مال تم نے ضائع کیا جاؤ کہیں دفع ہو جاؤ، ابن جدعان خودکشی کی غرض سے گھر سے نکلا اور مارا مارا پھرتا تھا جہاں کہیں غار نظر آتا تھا اس میں گھس کر سوراخوں میں پاؤں مارتا تھا کہ کوئی اژدھا ڈنگ مار کر ختم کردے ایک غار میں جب گیا تو اس کے اندر ایک سانپ نظر آیا جس کی آنکھیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں اس نے ٹٹولا تو اندازہ ہوا کہ یہ سانپ مصنوعی ہے وہ واقعی مصنوعی تھا اس سے آگے جا کر ابن جدعان کو بنی جرہم کے زمانے کا ایک بہت بڑا خزانہ مل گیا جس پر تاریخ لکھی ہوئی تھی اور اس وقت کے بادشاہ کے کچھ اشعار بھی تھے ان کی لاشیں بھی تھیں ابن جدعان وہ پورا خزانہ اٹھا کر گھر لے آیا باپ کو بڑا مال دیا رشتہ داروں کو وافر مال دیا اب ابن جدعان سب کی آنکھوں کا تارا بن گیا اور قوم نے ان کو اپنا سردار بنا دیا طبعی طور پر یہ آدمی سخی تھا اور اس نے سخاوت کے دروازے کھول دیئے لوگوں کو دیگ پکا پکا کر کھلایا راستوں میں ستون بنا دیئے اور اس میں بلندی پر کھانا پانی رکھا تا کہ اونٹ پر سوار مسافر کو نیچے اترنا نہ پڑے اور چلتے چلتے کھانا حاصل کرے اس کی دیگ اتنی بڑی تھی کہ سیڑھی لگا کر اس میں کھانا پکاتے تھے اور پھر نکالتے تھے ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ابن جدعان کی دیگ کے سایہ میں بیٹھ گیا تھا اسی طویل منظر کے پیش نظر حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے ان نیکیوں کے بارے میں سوال کیا لیکن آنحضرت نے جواب میں فرمایا یہ شخص آخرت کو نہیں مانتا تھا اس لئے زندگی بھر ایک بار بھی رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین نہیں پڑھا لہٰذا اس کو خدمت خلق پر کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ علامہ ابیؒ نے اس حدیث کی شرح میں مذکورہ تفصیل لکھی ہے۔

باب موالاة المؤمنين ومقاطعة غيرهم

مؤمنین سے محبت اور غیروں سے مقاطعت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۵۱۹۔ **حَدَّثَنِي** اَحْمَدُبْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اِسْمَاعِيلَ ابْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِهَارًا غَيْرَسِرًّا يَقُوْلُ اَلَااِنَّ آلَ اَبِيْ يَعْنِيْ فُلَانًا لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَاءَ اِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی الاعلان زور سے سنا آہستہ اور خفیہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! بیشک فلاں شخص کی اولاد میرے اقرباء واعزۃ میں شامل نہیں اور بے شک میرا ولی وکارساز تو اللہ اور نیک مؤمنین ہیں۔

تشریح

''جھاراغیرسر''غیرسرٍ تاکید کے لئے ہے راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بات پوشیدہ طور پر نہیں کہی تھی بلکہ کھل کر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔''ال ابی یعنی فلاناً''علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے کنایہ کے ساتھ ذکر کیا ہے نام لینے میں فساد کا خطرہ تھا یہ خطرہ یا اپنے بارے میں یا غیر کے بارے میں یا دونوں کے بارے میں تھا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس کنایہ سے حکم بن ابی العاص مراد ہے ابن دقیق العید نے اس رائے کو رد کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ اس سے ابوالعاص ابن امیہ کی ال مراد ہیں۔ابن متین فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام نہیں لیا تاکہ ان کافروں کی مسلمان اولاد کو تکلیف نہ پہنچے۔

''لیسوالی باولیاء''یعنی وہ لوگ چونکہ مسلمان نہیں ہیں ان میں خیر بھی نہیں ہے اس لئے وہ میرے دوست اور حمایتی نہیں ہیں میرے دوست اور حمایتی صالح مؤمنین ہیں یعنی میرے ساتھ دوستی کا مدار ایمان واسلام ہے۔دور دراز علاقے کا مسلمان میرا دوست ہے اور ایک قریب کا رشتہ دار کافر میرا دوست نہیں ہے۔یہاں خونی رشتہ کارگر نہیں ہے بلکہ ایمانی رشتہ درکار ہے شاعر نے کہا ؎

گر بامنے در یمنے نزد منے گربے منے نزد منے در یمنے

باب دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب

مسلمانوں کی ایک جماعت کا بغیر حساب جنت میں داخل ہونا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۲۰۔**حَدَّثَنَا**عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ سَلَامِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الرَّبِيْعُ يَعْنِى اِبْنَ مُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِیَ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِحِسَابٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَاعُكَاشَةُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے،ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمادیں۔حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ! اس کو بھی ان میں شامل کردے۔پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمایئے مجھے بھی ان میں شامل کردے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

تشریح

''سبعون الفاً بغیر حساب ''حساب وکتاب کے بغیر یہ ستر ہزار آدمی کچھ صفات کے ساتھ مشروط ہیں جو آئندہ حدیث میں آرہی ہیں یہاں ستر ہزار کا ذکر ہے لیکن دیگر تفصیلی روایات میں ہے کہ ہرایک ہزار کیساتھ ستر ہزار اور ہونگے وہ بھی حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل ہونگے اور پروردگار عالم کی تین لپیں بھر کر اس پر مستزاد ہونگے (کمافی الترمذی) تو یہ کروڑوں کی تعداد میں ہونگے۔''فقال رجل ''اس سے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو اسی حدیث کے اخر میں مذکور ہیں۔

''ثم قام اخر ''اب تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ شخص کون تھا مگر خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''الاسماء المبھمة ''میں لکھا ہے کہ یہ شخص حضرت سعد بن عبادہؓ تھے۔

''سبقك بھا عكاشة ''آنحضرتؐ نے عجیب پیرایہ میں جواب دیا جس سے اس شخص کی دل آزاری نہیں ہوئی اگر آپ فرماتے ہیں''لست منھم ''تو دل آزاری ہوجاتی، اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتیاز کو صرف حضرت عکاشہؓ کے ساتھ خاص کیوں کیا؟ تو اس کے کئی جوابات اور احتمالات ہیں۔

ا۔ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا مقصد یہ ہے کہ صفتِ توکل اور عدمِ التَّداوی کی صفت اور عدم التطییر وغیرہ موعودہ صفات میں آپ سے عکاشہ سبقت لے گئے ہیں لہٰذا یہ درجہ صرف انہیں کو مل گیا۔

۲۔علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرت عکاشہ نے اخلاص کے ساتھ یہ درجہ مانگا تو حضرت نے دیدیا اب دوسرے کے لئے نفی فرمادی تاکہ مانگنے کا یہ سلسلہ ختم ہوجائے اگر دوسرے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعم کہدیتے تو تیسرا چوتھا کھڑا ہوجاتا اس لئے آپؐ نے مادہ ختم کردیا تاکہ تسلسل شروع نہ ہوجائے۔

۳۔علامہ نووی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عکاشہ کا معاملہ وحی سے معلوم ہوا دوسروں کا معلوم نہ ہوا۔

۴۔علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں آنحضرت سے جب حضرت عکاشہ نے سوال کیا تو وہ قبولیت دعا کا وقت تھا تو آنحضرت نے ہاں کردی لیکن دوسرے شخص نے جب مطالبہ کیا تو اب قبولیت دعا کا وقت ختم ہوچکا تھا اس لئے آپ نے منع کردیا اس کی تائید میں ایک روایت بھی ہے''سبقك بھا عكاشة و بردت الدعوة ''یعنی دعا کی قبولیت کا وقت ٹھنڈا پڑ گیا ہے وحی کے مطابق ایک آدمی کی جگہ تھی وہ پُر ہوگئی اب مزید گنجائش نہیں ہے۔

عکاشہ کون ہیں؟

عکاشہ نام عکش الشعر سے ہے بالوں کے موڑنے اور بٹنے کے معنی میں ہے۔قرطبی نے یہی کہا ہے۔علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ ''عكش القوم اذاحمل عليهم حملة ''کے معنی میں ہے۔بعض نے کہا کہ عکاشہ مکڑی کو کہتے ہیں نیز چیونٹی کے بل کو بھی کہتے ہیں۔حضرت عکاشہ کا تعلق قبیلہ بنواسد بن خزیمہ سے تھا جو بنوامیہ کے حُلفاء میں سے تھے۔حضرت عکاشہ قدیم الاسلام تھے مکہ

سے مدینہ کی طرف ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے اور شدید جنگ لڑی جب آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرت نے ان کو ایک شاخ دیدی جوان کے ہاتھ میں بہترین تلوار بن گئی آپ نے مختلف غزوات میں حصہ لیا یہاں تک کہ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑے آپ اپنے ساتھی کے ساتھ ایک غیر آباد جنگل میں جا رہے تھے کہ طلیحہ اسدی مرتد نے آپ کو گرفتار کرلیا اور پھر شہید کیا اور یہ شعر پڑھا۔

عشية غادرت ابن اقرم ثاويا　　　وعكاشة الغنمى تحت حبال

یعنی اس شام کے وقت جب میں نے ابن اقرم کو گرا کر چھوڑا اور عکاشہ غنمی کو رسیوں کے نیچے مرا ہوا چھوڑا۔

۵۲۱۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدُبْنَ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ الرَّبِيْعِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ربیع والی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۵۲۲۔ وَحَدَّثَنِىْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ يُوْنُسُ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِىْ زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ اِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْاَسَدِىُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِىْ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِىْ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: میری امت کا ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا وہ ستر ہزار ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوئے ہوں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عکاشہ بن محصن الاسدی کھڑے ہوئے اپنی چادر اٹھاتے ہوئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل فرمالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اسے ان ستر ہزار میں شامل فرمالیجئے۔ پھر انصار کے ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

۵۲۳۔ وَحَدَّثَنِىْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبُوْيُوْنُسَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا زُمْرَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُمْ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار کی

ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی بعض ان میں سے چاند چہرہ ہوں گے۔

۵۲۴۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ سِيرِينَ قَالَ حَدَّثَنِي عِمْرَانُ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوا وَمَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ هُمُ الَّذِينَ لَايَكْتَوُونَ وَلَايَسْتَرْقُونَ وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اَنْتَ مِنْهُمْ قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ ! ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں دیتے، نہ ہی منتر وغیرہ کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اللہ کے رسول! دعا کیجئے اللہ سے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان میں سے ہو، ایک اور آدمی کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

تشریح

"لایکتوون" اکتوی، لوہے سے داغ دینے کو کہتے ہیں، یعنی ضرورت کے بغیر داغ نہیں لگاتے یا وہ داغ نہیں لگاتے جس کو عرب لوگ مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اس حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جائز علاج کو بھی توکل کی بنیاد پر ترک کرتے ہیں یہ خاص الخاص لوگ ہیں" لایقاس المولك بالحدادین"۔

منتر اور دم درود کی دوقسمیں

"ولایسترقون" یعنی قرآن وحدیث کے علاوہ منتر جنتر سے علاج نہیں کرتے ناجائز گنڈے تعویذ نہیں کرتے۔ منتر جنتر دو قسم پر ہے ایک جاہلیت کا منتر ہے جس کو اسلام نے مطلقاً منع کردیا ہے اگر یہاں "رقیہ" سے جاہلیت کے جنتر منتر مراد ہیں تو یہ ادنیٰ مؤمن کے لئے بھی جائز نہیں ہے یہ متوکلین کا معیار کیسے بنے گا، شیخ عبدالحق نے اشعۃ للمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں منتر کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے جاہلیت کے ٹونے ٹوٹکے اور مشرکانہ منتر مراد ہیں۔ جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں میں کہتا ہے اگر ایسا ہے تو پھر ان لوگوں کی کیا خصوصیت رہ گئی ٹوٹکے تو سب کے لئے حرام ہے منتر کی دوسری قسم رقیہ اور دم درود اور علاج معالجہ ہے اگر اس حدیث میں مطلقاً دم درود اور علاج معالجہ کے ترک کرنے کا ذکر ہے تو یہ خواص کا توکل ہے جو علاج کے موقع پر کہتے ہیں "والطبیب امرضنی" کہ طبیب نے تو مجھے بیمار کردیا ہے علاج کی کیا ضرورت ہے۔

''ولا یتطیرون ''یعنی بدشگونی سے بچتے ہیں جو جاہلیت کے برے عقاید میں سے ایک عقیدہ تھا۔اب مندرجہ بالا صفات کا خلاصہ یہ نکلا کہ جاہلیت کا منتر جنتر تو مطلقاً منع ہے اور اگر جائز دم درود ترک کرنا مراد ہے تو اس سے بچنا بھی کامل مخلصین کی صفت ہے گویا حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علاج کرنا بھی جائز ہے اور اس کا ترک کرنا بھی جائز ہے پہلا درجہ عوام الناس کا ہے اور دوسرا درجہ کامل مخلصین کا ہے اس کے بعد تیسرا درجہ انبیاء کرام اور صدیقین کا ہے کہ دنیا کے اسباب کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہوتا ہے اس درجہ کو فنافی اللہ اور باقی باللہ کا درجہ کہتے ہیں۔

بہر حال اسباب کا استعمال جائز ہے اس پر بھروسہ اور اتکال جائز نہیں ہے۔

توکل کی تعریف اور درجات

۱۔ سہیل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے توکل کی تعریف اس طرح کی ہے

التوکل ھوالاسترسال مع اللہ تعالیٰ علی مایرید ۔ (نووی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی چاہت اور ارادہ پر اسی کے مطابق چلنے کا نام توکل ہے۔

۲۔ وقیل التوکل ان یستوی الاکتثار والتقلل ۔ (نووی)

یعنی اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد ہو کہ مال کے کم ہونے یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا ہو۔

بہر حال توکل اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح عام میں قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام توکل ہے۔صوفیاء کرام کی تعریف میں تھوڑا فرق ہے سرسقطیؒ فرماتے ہیں کہ بلاچوں وچراں بس اور بے بسی کو نظر انداز کرنے کا نام توکل ہے۔
بہر حال توکل اسباب کے تعطل کا نام نہیں اسباب کا استعمال جائز ہے اس پر اتکال ناجائز ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ'' بر توکل زانوے اشتربند ''یعنی پہلے اونٹ کو باندھ لو اسباب اختیار کرلو پھر توکل کرو۔توکل کے تین درجات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اسباب کو تو استعمال کیا جائے لیکن نظر رب تعالیٰ پر ہو اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے۔

۲۔ توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب نگاہ میں ہوں مگر اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

۳۔ توکل کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ نظر صرف خالق پر ہو اسباب کو خاطر میں بالکل نہیں لاتا ہو،توکل کا یہ درجہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے توکل کی جو ترتیب یہاں لکھی گئی ہے اس میں ادنیٰ توکل سے اعلی کی طرف ترقی ہے۔

۵۲۵۔**حَدَّثَنِی** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنُ عَبْدِالْوَارِثِ حَدَّثَنَا حَاجِبُ ابْنُ عُمَرَ اَبُوْخُشَيْنَةَ الثَّقَفِیُّ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْاَعْرَجِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ

أُمَّتِی سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوا مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ هُمُ الَّذِينَ لَايَسْتَرِقُونَ وَلَايَتَطَيَّرُونَ وَلَايَكْتَوُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کون ہوں گے؟ یارسول اللہ! فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو (غلط) تعویذ (وغیرہ) نہیں کرتے اور نہ ہی بدفالی وغیرہ لیتے ہیں، نہ ہی داغ دیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۵۲۶ـ**حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِيَعْنِى اِبْنَ اَبِى حَازِمٍ عَنْ اَبِى حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِى سَبْعُونَ أَلْفًا اَوْ سَبْعِمِائَةِ أَلْفٍ لَايَدْرِى اَبُوحَازِمٍ اَيُّهُمَا قَالَ مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَايَدْخُلُ اَوَّلُهُمْ حَتّٰى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ وُجُوهُهُمْ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد ضرور جنت میں داخل ہوں گے یا فرمایا سات لاکھ جنت میں داخل ہوں گے ابو حازم کو یاد نہیں دونوں میں سے کیا فرمایا تھا۔ اور وہ سب ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے جب تک ان کا آخری آدمی جنت میں نہ داخل ہوگا پہلا بھی داخل نہ ہوگا۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوئے ہوں گے۔

۵۲۷ـ**حَدَّثَنَا** سَعِيدُبْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ رَاَى الْكَوْكَبَ الَّذِى انْقَضَّ الْبَارِحَةَ ؟ قُلْتُ اَنَاثُمَّ قُلْتُ اَمَا اِنِّى لَمْ اَكُنْ فِى صَلَاةٍ وَلٰكِنِّى لُدِغْتُ قَالَ فَمَاذَا صَنَعْتَ ؟ قُلْتُ اِسْتَرْقَيْتُ قَالَ فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟قُلْتُ حَدِيثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِىُّ فَقَالَ وَمَاحَدَّثَكُمُ الشَّعْبِىُّ ؟ قُلْتُ حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ حُصَيْبٍ الْاَسْلَمِىِّ اَنَّهُ قَالَ لَارُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْحُمَةٍ فَقَالَ قَدْاَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰى اِلٰى مَاسَمِعَ وَلٰكِنْ حَدَّثَنَا اِبْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَتْ عَلَىَّ الْاُمَمُ فَرَاَيْتُ النَّبِىَّ وَمَعَهُ الرُّهَيْطُ وَالنَّبِىَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِىُّ لَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ اِذْرُفِعَ لِى سَوَادٌ عَظِيمٌ فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ اُمَّتِى فَقِيلَ لِى هٰذَامُوسٰى وَقَوْمُهُ وَلٰكِنْ اُنْظُرِالْاُفُقِ فَنَظَرْتُ فَاِذَاسَوَادٌعَظِيمٌ فَقِيلَ لِى اُنْظُرْاِلَى الْاُفُقِ الآخَرِ فَاِذَاسَوَادٌعَظِيمٌ فَقِيلَ لِى هٰذِهِ اُمَّتُكَ وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ اَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِحِسَابٍ وَلَاعَذَابٍ ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِى اُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِحِسَابٍ وَلَاعَذَابٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ صَحِبُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ وُلِدُوا فِى الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَذَكَرُوا اَشْيَاءَ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاالَّذِى تَخُوضُونَ فِيهِ ؟ فَاَخْبَرُوهُ فَقَالَ هُمُ الَّذِينَ لَايَرْقُونَ وَلَايَسْتَرْقُونَ وَلَايَتَطَيَّرُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِى مِنْهُمْ فَقَالَ اَنْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِى مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَاعُكَاشَةُ ۔

حضرت حصین بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا، انہوں نے فرمایا تم میں سے کسی نے وہ ستارہ دیکھا تھا جو کل رات ٹوٹا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا۔ پھر میں نے کہا کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے ڈس لیا گیا تھا پھر سعیدؒ نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے تعویذ وغیرہ کیا انہوں نے کہا تعویذ کس وجہ سے کیا؟ میں نے کہا ایک حدیث کی بناپر جسے شعبیؒ نے ہم سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ شعبیؒ نے تم سے کون سی حدیث بیان کی ہے؟ میں نے کہا انہوں نے ہم سے بریدہ بن حصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: تعویذ وغیرہ نہیں مگر نظر بد یا بچھو وغیرہ کے ڈنک میں۔ سعید بن جبیر نے فرمایا کہ جس نے جو کچھ سنا اور اس کے مطابق عمل کیا اس نے اچھا کیا۔ لیکن ہم سے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے تمام امتوں کو پیش کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا گروہ ہے، اور بعض نبی وہ ہیں کہ ان کے ساتھ ایک یا دو آدمی ہیں اور بعض کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں تھا اسی اثناء میں ایک بہت بڑا مجمع میری نگاہوں کے سامنے لایا گیا، میں نے خیال کیا کہ یہ میری امت ہے، تو مجھ سے کہا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، لیکن آپ افق پر نگاہ رکھیے، میں نے افق پر نگاہ دوڑائی تو ایک عظیم الشان جماعت نظر آئی، پھر مجھ سے کہا گیا کہ دوسرے افق پر نگاہ ڈالیے میں نے دیکھا تو ایک بہت ہی کثیر مجمع تھا۔ مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب وعذاب کے داخل ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دولت کدہ میں داخل ہو گئے، اُدھر لوگ اس غور وخوض میں پڑ گئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب وعذاب کے داخل ہوں گے؟ بعض نے کہا کہ شاید وہ لوگ ہوں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، بعض نے کہا نہیں شاید یہ وہ لوگ ہوں جو حالتِ اسلام میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کیساتھ بالکل شرک نہیں کیا، اور بھی بہت سی باتیں لوگوں نے کیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا تم لوگ کس بارے میں غور وخوض کر رہے ہو؟ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ خود تعویذ وغیرہ کرتے ہیں، نہ کرواتے ہیں، بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل

فرمادے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں سے ہو، پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

۵۲۸۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ ثُمَّ ذَكَرَ بَاقِي الْحَدِيْثِ نَحْوَحَدِيْثِ هُشَيْمٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اَوَّلَ حَدِيْثِهٖ۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے امتیں پیش کی گئی بقیہ حدیث ہشیم والی روایت کی طرح ہے مگر اس میں شروع کا حصہ مذکور نہیں۔

باب بیان كون هذه الامة نصف اهل الجنة

امت محمدیہ اہل جنت کے نصف کے برابر ہوگی

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۲۹۔ **حَدَّثَنَا** هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ لَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَاتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْارُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَاتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْاثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْاَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَسَاُخْبِرُكُمْ عَنْ ذَالِكَ مَاالْمُسْلِمُوْنَ فِی الْكُفَّارِ اِلَّا كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِیْ ثَوْرٍاَسْوَدَ اَوْكَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِیْ ثَوْرٍ اَبْيَضَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم اہل بیت جنت کا ایک چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے یہ سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر آپ فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ ہم نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہوگے۔ اور اس کی وجہ میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ مسلمان کفار کے اندر ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں۔

تشریح

''فکبرنا'' معلوم ہوا خوشی کے موقع پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا جائز ہے خواہ مساجد میں ہو یا میدان جہاد کے میدان کارزار میں ہو۔

''شطراهل الجنة ''شطر آدھے کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یہ بہت بڑا اعزاز ہے پہلے ربع کی بشارت آئی پھر اضافہ ہو کر ثلث کی بشارت آئی پھر نصف کی بشارت آئی یہ بہت بڑا اعزاز و اکرام ہے امت کے اکرام سے بڑھ کر نبی مکرم کا اعزاز و اکرام ہے کہ

سب سے زیادہ امتی آپ کے ہونگے۔ ''کشعرة بیضاء فی ثور اسود'' بیل جب کالا ہوتا ہے تو پورا کالا ہوتا ہے عام رنگ کے خلاف کوئی بال نہیں ہوتا لہٰذا اس لفظ سے بھی شطر الامۃ ہی مراد لیا گیا ہے۔

سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ ''شعرة بیضاء'' کے الفاظ قلت کے لئے استعمال ہوتے ہیں جب ملت اسلام اتنی قلیل ہوگی تو اس قلت کو کس طرح بشارت کے لئے پیش کیا گیا؟۔

جواب

یہ قلت دنیا کے تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے صرف اہل جنت کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی اگر پوری انسانیت کو دیکھا جائے تو تم ''شعرة بیضافی ثور اسود'' کی طرح کم ہو لیکن اہل ایمان اور اہل جنت کے اعتبار سے تم اتنے زیادہ ہونگے کہ ساری مخلوق جو جنت میں ہوگی تم اس کے نصف کے برابر ہونگے یہ بڑی فضیلت اور بشارت ہے جو آنحضرت نے دی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بڑا اعزاز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فترت کے زمانہ میں بھی کئی لوگوں نے ایمان لایا یمن کے بادشاہ تبع کو جب حقیقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوا تو وہ ایمان لے آئے یہ یہودی مذہب پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سو سال پہلے گذرے ہیں انہوں نے ایمان لانے کے بعد ایک پرچہ پر یہ اشعار لکھدیئے ابوموسی اشعریؓ تبع بادشاہ کی اولاد میں سے تھے اسی لئے آنحضرت نے مدینہ پہنچتے وقت ان کے مکان میں قیام فرمایا بلکہ تبع نے یہ مکان اسی غرض سے بنایا تھا ان کے اشعار، علامہ اُبّی نے یوں نقل کیے ہیں۔

شهدت علی احمدانه	رسول من الله باری النسم
له امة سميت فی الزبور	بامة احمد خير الامم
فلو مد دهری الی دهره	لكنت وزيرا له و ابن عم
و قاتلت بالسيف اعدائه	و كشفت عن قلبه كل غم

(الابی ج۱ ص ۶۲۰)

۵۳۰۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍحَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِی اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ کُنَّامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی قُبَّةٍ نَحْوًا مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاًفَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَکُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ اَتَرْضُوْنَ اَنْ تَکُوْنُوْاثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ فَقُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ ! اِنِّی لَاَرْجُوْا اَنْ تَکُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَذَاکَ اَنَّ الْجَنَّةَ لَایَدْخُلُهَا اِلَّانَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَمَااَنْتُمْ فِی اَهْلِ الشِّرْکِ اِلَّا کَالشَّعْرَةِ الْبَیْضَاءِ فِی جِلْدِ الثَّوْرِ

الْاَسْوَدِ اَوْ كَالشَعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَحْمَرِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تقریباً ۴۰ افراد کے ساتھ بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیاتم اس بات پر راضی ہو کہ تم لوگ کل اہل جنت کا ایک چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیاتم اس پر بھی راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے بے شک مجھے امید ہے کہ تم لوگ اہل جنت کا نصف ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور مشرکوں میں تمہاری مقدار ایسی ہے جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل میں ہو یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں ہو۔

۵۳۱ ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ حَدَّثَنَا مَالِكٌ وَهُوَابْنُ مِغْوَلٍ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ خَطَبَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَظَهْرَهٗ اِلٰى قُبَّةِ اَدَمٍ فَقَالَ اَلَا ، لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّانَفْسٌ مُسْلِمَةٌ اَللّٰهُمَّ ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ ! اشْهَدْ اَتُحِبُّوْنَ اَنَّكُمْ رُبُعُ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ فَقُلْنَا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَقَالَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثُ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالُوْانَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!.قَالَ اِنِّىْ لَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ مَااَنْتُمْ فِىْ سِوَاكُمْ مِنَ الْاُمَمِ اِلَّاكَالشَعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِى الثَّوْرِ الْاَبْيَضِ اَوْكَالشَعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِى الثَّوْرِالْاَسْوَدِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت مبارک ایک چمڑے کے خیمہ سے ٹیک دی اور فرمایا: خبردار! جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ اے اللہ! کیا میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! آپ گواہ رہیئے۔ کیاتم پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کے ایک چوتھائی ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا! تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہو جاؤ؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا: بیشک مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہوگے تم دوسری امتوں میں نہیں ہونگے مگر اتنے ہی جیسے ایک سیاہ بال سفید بیل میں یا ایک سفید بال سیاہ بیل میں ہوتا ہے۔

۵۳۲ ـ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ الْعَبْسِىُّ حَدَّثَنَاجَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَاآدَمُ! فَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُفِىْ يَدَيْكَ ! قَالَ يَقُوْلُ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَابَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةَ وَتِسْعِيْنَ قَالَ فَذَاكَ حِيْنَ يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَالنَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

(الحج:۲)قَالَ فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ اَيُّنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ؟ فَقَالَ اَبْشِرُوا فَاِنَّ مِنْ يَاْجُوجَ وَمَاْجُوجَ اَلْفٌ وَمِنْكُمْ رَجُلٌ قَالَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! اِنِّي لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُونُوا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ !اِنِّي لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! اِنِّي لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُونُوا شَطْرَاَهْلِ الْجَنَّةِ اِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْاُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَسْوَدِ اَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزّ وجل فرمائیں گے اے آدم! وہ کہیں گے، میں حاضر ہوں، آپ کی اطاعت وخدمت میں اور ہر طرح کی خیر آپ کے دست قدرت میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جہنمیوں کونکال لو؟ وہ کہیں گے کس مقدار سے جہنمی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر ہزار میں سے نوسوننانوے نکال لو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وقت ہوگا جب بچہ بوڑھا ہو جائیگا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل نکال دیگی اور تو دیکھے گا لوگوں کو مدہوش نشہ میں مگر وہ مدہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہوگا۔صحابہ رضی اللہ عنہ پر یہ بات نہایت شاق گذری لہٰذا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! نہ معلوم ہم میں سے وہ خوش قسمت مرد کون ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ یاجوج ماجوج سے ہزار کافر اور تم میں سے ایک کافر برابر ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت میں سے ایک چوتھائی ہونگے۔ہم نے اللہ کی تعریف و کبریائی بیان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے بلاشبہ یہ امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہونگے۔ہم نے اللہ کی تعریف و بڑائی بیان کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف حصہ ہونگے۔دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں یا گدھے کے اگلے دست پر ایک داغ۔

۵۳۳۔**حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح:وَحَدَّثَنَا اَبُوكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ غَيْرَاَنَّهُمَاقَالَا مَااَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ فِي النَّاسِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْاَسْوَدِ اَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِالْاَبْيَضِ وَلَمْ يَذْكُرَا اَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

اس سند سے بھی اعمش سے روایت اس میں یہ الفاظ ہیں کہ تم آج کے دن اور لوگوں کے سامنے ایسے ہو جیسے ایک سفید بال کالے بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں اور گدھے کے پیر کے نشان کا تذکرہ نہیں کیا یہاں سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے۔

تشریح

''بعث النار ''بعث مبعوث کے معنی میں ہے یعنی جن لوگوں کو دوزخ بھیجنا ہے ان کو الگ کردو حضرت آدمؑ فرمائیں گے کہ اے اللہ کس حساب سے الگ کردوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ایک ہزار افراد سے صرف ایک کو چھوڑ دو باقی نوسوننانوے دوزخ روانہ کردو، اس موقع پر لوگوں میں شدید اضطراب پھیل جائے گا چھوٹے بچے بوڑھے ہوجائیں گے لوگ مدہوش اور بے ہوش ہوجائیں گے۔علماء نے لکھا ہے کہ میدان محشر کے چند مواضع میں سے ایک یہی مقام ہے جو انتہائی سخت ہے اور کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تسلی دیدی کہ نوسوننانوے یاجوج ماجوج سے ہونگے لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔''الرقمة'' دھبہ کو رقمہ کہا گیا ہے مراد وہی چند سفید بال ہیں''ذراع الحمار ''یعنی گدھے کی ٹانگ میں جو سفید دھبہ کبھی ہوتا ہے تم ساری انسانیت کے مقابلہ میں اتنے قلیل ہو مگر پھر بھی جنت میں سب کے مقابلے میں آدھے ہونگے حدیث ۵۰۳ میں ''فی اهل الشرك '' کا لفظ آیا ہے اور حدیث نمبر ۵۳۱ میں ''فی سواکم من الامم '' کا جملہ آیا ہے یہ سب اس توجیہ کی تائید ہے کہ اس امت کا تقابل پوری انسانیت کے ساتھ کیا گیا ہے صرف اہل جنت کے ساتھ موازنہ نہیں ہے۔زیر بحث حدیث میں بھی ''ان مثلکم فی الامم '' کا جملہ آیا ہے اس میں بھی عموم ہے کہ تقابل تمام امم سے ہے۔

الحمد للہ آج بروز جمعہ ۱۹،شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ جولائی ۲۰۱۱ء کو بندہ عاجز صحیح مسلم کی اردو شرح ''تحفة المنعم '' کی تحریر سے فارغ ہوا۔مقدمہ مسلم اور صحیح مسلم کی کتاب الایمان مکمل طور پر آج پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔جس کو میں نے جمعہ ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء میں شروع کیا تھا دن رات ایک کرکے اس عظیم محنت سے پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں آج میں سبکدوش ہوا۔

میں اپنے پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اپنی قلبی آواز کے ساتھ کہتا ہوں۔

اللهم لك الحمد كله ولك الشكر كله

ولك الخلق كله ولك الملك كله اليك يرجع الامر كله

بيدك الخير كله اسألك الخير كله واعوذبك من الشر كله

وصلى الله تعالىٰ على خير البرية

محمد المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم

صفوة البرية سيد الانبياء والمرسلين وخاتم النبين

وعلى اله واصحابه وازواجه واهل بيته اجمعين

فضل محمد غفرلہ یوسف زئی حال کراچی

۲۰ شعبان ۱۴۳۲ھ ۲۳ جولائی ۲۰۱۱ء

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب کی دیگر تصنیفات

- توضیحات شرح مشکوٰۃ (آٹھ جلدیں)
- علمی خطبات کامل
- دعوت جہاد
- محمد رسول اللہ ﷺ جنگ کے میدان میں
- فتوحات شام
- فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ
- فتوحات مصر و فارس
- جنگ بدر
- جنگ احد
- جنگ خندق
- فتح مکہ
- جنگ موتہ
- جنگ خیبر
- غزوہ تبوک
- جنگ حنین
- صفحہ عالم پر نقوش جہاد
- اسلامی خلافت
- اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ
- سبیل اللہ
- اسلامی تحریکات اور منافقین کا کردار
- تسہیل العروض والقوافی
- امام غزالی کا خط
- قوم ثمود کیسے تباہ ہوئی؟
- زلزلے کیوں آتے ہیں؟
- وعظ و بیان
- حق و باطل کی پہچان
- سقوط طالبان، کس کا فائدہ کس کا نقصان؟
- قتال الکفار
- ختم بخاری (جیبی سائز)